کاسۂ دل
سندس جبیں
WWW.PAKSOCIETY.COM
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

میری دسترس میں ستارے

سندس جبیں

ناولٹ

''اس ملک میں کسی کا کوئی فیوچر نہیں ہے۔'' ناشتے کی میز پر یہ بیان دینے والی شخصیت ''ایاز احمر'' کی تھی جو کہ اپنے خیالات اور بیانات کی طرح خود بھی ایک انقلابی شخصیت کے حامل تھے۔

ساتھ بیٹھے عباس احمر نے کسی ناپسندیدگی سے بڑے بھائی کو دیکھا۔

''لیکن آپ کا فیوچر تو محفوظ ہے نیویارک میں۔'' وہ طنز سے بولا، ایاز نے برا نہیں مانا، مزے سے چائے کے گھونٹ بھرتا رہا۔

''میرا تو تمہیں بھی یہی مشورہ ہے عباس! اپنا ایم بی اے مکمل کرو اور تم بھی۔'' عباس نے تیزی سے اس کی بات کاٹ دی۔

''مجھے کہیں نہیں جانا۔''

''عباس ٹھیک کہہ رہا ہے ایاز! تمہیں جانا ہے تو تم جاؤ مگر کسی دوسرے پر اپنی رائے مسلط کرنے کا کوئی حق نہیں۔'' وقار نے مداخلت کرتے ہوئے دوٹوک انداز میں کہا۔

''ہاں کیونکہ ہم آزاد ملک کے آزاد شہری ہیں جہاں ہر شخص کی رائے آزاد ہے۔'' ایاز نے آزاد پر زور دیتے ہوئے مذاق اڑایا۔

''بالکل۔'' وقار نے متانت سے کہا۔

''کیا بات ہے آپ کے آزاد ملک کی، کی عدلیہ سے لے کر معیشت تک کچھ بھی آزاد نہیں ہے۔'' ایاز نے استہزائیہ انداز میں کہا اور بڑبڑایا۔

''غلام حکومت، غلام لوگ۔''

''آپ جا رہے ہیں نا آزاد لوگوں میں، کیجئے گا وہاں آزادی کو انجوائے، ہمیں یہاں خوش رہنے دیں۔'' عباس نے طنز کیا۔

رمشہ جو بڑی دیر سے ضبط کر رہی تھی اب کر رہ نہ سکی، بھڑک ہی تو اٹھی تھی وہ ایاز کی

فرمودات سن کر۔

''ایاز صاحب! ملک بنتے ہیں لوگوں سے، ٹھیک، ورنہ وہ ایک بنجر زمین ہوتی ہے جس میں وسائل تو ہوتے ہیں مگر انہیں استعمال کرنے والا کوئی نہیں ہوتا اور خالی زمینوں کو لوگ آباد کرتے ہیں تو آپ صرف زمین کو کیسے الزام دے سکتے ہیں، ان لوگوں کو کیوں نہیں جو اختیار رکھتے ہیں کہ ان وسائل کو تباہ کیا جائے یا استعمال۔'' ہلکی سی گندمی رنگت میں ملاحت لئے تیکھے لب و لہجے والی یہ شخصیت رمشہ کی تھی۔

''پڑ گیا محترمہ کو حب الوطنی کا دورہ۔'' ایاز ہلکے سے بڑبڑایا، رمشہ کا رنگ سرخ پڑا تھا۔

''مجھے سخت برے لگتے ہیں وہ لوگ جو جس تھالی میں کھاتے ہیں اسی میں چھید کرتے ہیں، کیا نہیں دیا اس مٹی نے آپ کو؟ اناج، خوراک، روپیہ پیسہ اور تعلیم، یہ جو چھ فٹ کا قد نکالا ہے نا آپ نے، یہ اسی دھرتی کی خوراک کھانے کا نتیجہ ہے اور یہ جس ایم بی اے کی ڈگری پہ اتنا غرور ہے نا آپ کو یہ بھی اس ناکام ملک کی یونیورسٹی کی عطا کردہ ہے اور آپ جیسے لوگ صرف لینا جانتے ہیں۔'' وہ تلخ لہجے میں کہتی گئی، وقار نے بمشکل اسے روکا۔

''بس کرو رمشہ، اتنا سنجیدہ ہونے کی ضرورت نہیں کیا ہو گیا ہے؟''

''ہونہہ۔'' وہ اٹھ کر چلی گئی۔

''آپ ذرا اسے قابو میں رکھیں وقار بھائی! اس کی بدتمیزیاں بڑھتی جا رہی ہیں۔'' ایاز نے غصے سے کہا۔

''تمہیں پتا تو ہے وہ تعصب کی حد تک محب الوطن ہے۔'' وقار دھیرے سے ہنس دیئے۔

''تو اور کیا؟'' اب تک خاموش بیٹھا شاہ بخت بول اٹھا۔

''وہ تو اس حد تک متعصب ہے کہ غیر ملکی پروڈکٹس تک استعمال نہیں کرتی، آپ نے غلط بندے کی موجودگی میں غلط بات کی تھی۔'' اس نے مزید اضافہ کیا، ایاز کا موڈ بگڑ گیا۔

''ارے یہ کیا بھئی، ناراض ہونے کی نہیں ہو رہی، چند دن بعد تمہاری شادی خانہ آبادی ہے، چہرے کے تاثرات درست کھو، صحت پر اچھا اثر پڑے گا۔'' وقار بھائی نے سمجھایا تھا۔

''شادی خانہ بربادی وقار بھائی! تصحیح کر لیں۔'' شاہ بخت شرارت سے ہنسا، ایاز لب بھینچ کر اٹھ گیا۔

اسی وقت رمشہ چلی آئی، اپنے کندھوں تک آتے بالوں کو پونی ٹیل کی صورت میں جکڑے، کندھے پہ بیگ ڈالے، لان کے خوبصورت پرنٹ کی لانگ شرٹ اور ٹراؤزر میں وہ یونیورسٹی جانے کے لئے پوری طرح تیار تھی۔

''بخت! تم تیار ہو؟'' وہ عجلت میں تھی۔

''ہاں چلو۔'' وہ تیز تیز چائے کے گھونٹ بھرنے لگا۔

''رمشہ بہت شکایتیں آ رہی ہیں تمہاری۔'' وقار نے تنبیہی لہجے میں کہا۔

''بھائی پلیز۔'' اس نے نخوت سے سر جھٹکا۔

''کبھی انہیں بھی سمجھا لیا کریں۔''

''تم سمجھنے کو تیار ہو جو میں، میں اسے سمجھاؤں۔'' وہ اس کی سرکشی دیکھ کر سخت لہجے میں بولے۔

''مجھے کچھ نہیں سمجھنا۔'' وہ پیر پٹختی وہاں سے چلی گئی، وقار نے افسوس سے اسے دیکھا۔

''عباس کے ساتھ بیٹھی علینہ اتنی رغبت اور محویت سے ناشتہ کرنے میں مصروف تھیں جیسے سارا تماشا کہیں اور ہو رہا ہو۔'' انہوں نے قدرے فخر اور رشک سے اسے دیکھا، رمشہ میں اور اس میں زمین آسمان کا فرق تھا، رمشہ جتنی منہ پھٹ تھی وہ اتنی ہی کم گو، وہ جتنی ہر اعتماد اور مضبوط تھی یہ اتنی ہی سادہ ور کسی حد بزدل اور موذب، علینہ نے دودھ کا گلاس ختم کیا اور عباس کی طرف مڑی۔

''عباس بھائی! میں تیار ہو جاؤں؟'' اس کا لہجہ دھیما اور نرم تھا۔

''ہاں جاؤ۔'' عباس نے کہا تو وہ سر ہلاتی مڑ گئی وہ عباس کے ساتھ کالج جاتی تھی، میز پر صرف وقار اور عباس رہ گئے۔

''ہاں بھئی، وہ جو کام تمہارے ذمہ لگایا تھا کہاں تک پہنچا؟'' وقار نے پوچھا۔

''میں نے ایک کمپنی سے بات کی ہے، ایونٹ آرگنائز کرتی ہے، آج کل میں ایک فائنل ڈسکشن کروں گا، ویسے مجھے پورا اطمینان ہے ان کے کام پر۔''

''ٹھیک ہے پھر، چلتا ہوں، شام میں ملاقات ہو گی۔'' وقار اٹھ گئے، وہ وہیں بیٹھا رہا۔

''کیا بات ہے عباس! کوئی چیز چاہیے؟'' آمنہ بھابھی نے اسے میز پہ بیٹھا دیکھا تو پوچھ لیا۔

''جی نہیں بھابھی میں بس جا رہا تھا۔'' وہ اٹھ گیا۔

اسی وقت علینہ چلی آئی جلدی جلدی ہاتھ میں گھڑی باندھتی، سفید یونیفارم اور ریبل دوپٹے میں وہ بہت سادہ ہونے کے باوجود بھی پرکشش لگ رہی تھی۔

عباس اس کے ساتھ چلا گیا، کچھ دیر بعد آمنہ بھابھی ملازمہ کو لئے ہوئے ڈسٹنگ کے لئے چلی آئیں، ان کی مدد کے لئے کومل بھی ساتھ تھی۔

☆☆☆

''نوری..... او..... نوری۔'' اماں کی پاٹ دار آواز سن کر وہ تڑپ کر کچن سے نکلی، لال بھبوکا چہرہ، آنسوؤں سے بھری آنکھیں اور ہاتھ میں ادھ چھلا پیاز تھا۔

''آپ سے کتنی بار کہا ہے اماں! میرا نام نورالعین ہے جب سب عینی کہتے ہیں تو آپ کو کیا دقت ہے، زہر لگتا ہے یہ ملازماؤں والا نام مجھے نوری..... نوری۔'' وہ سرخ چہرے کے ساتھ کہتی غڑاپ سے واپس کچن میں چلی گئی، اماں حق دق سے بیٹھی رہ گئیں۔

داخلی دروازے کے دائیں جانب نیم کے درخت تلے کرسی ڈالے نفسیات کی بک کو رٹتی ستارا کی ہنسی چھوٹ گئی، اماں نے جیسے اس کا ہنسنا دیکھا ہی نہیں۔

''تو نے دیکھا سمی! کیسے ہاتھ سے نکلتی جا رہی ہے یہ۔'' وہ شدید صدمے کے زیر اثر تھیں۔

''آپ سے کتنی بار کہا ہے اماں میرا نام ستارا ماہم ہے جب سب ستارا کہتے ہیں تو آپ نے یہ کیا ملغوبہ سمی بنا رکھا ہوا ہے مجھے۔'' اس کے لبوں کی دھیمی ہنسی شرارت کی غماز تھی۔

مگر اس سے پہلے کہ اس کی بات مکمل ہوتی، اماں کا ہاتھ جوتی تک جا پہنچا۔

اور اگلے ہی لمحے وہ قل قل ہنستی سیڑھیاں پھلانگتی یہ جا وہ جا، نیچے اماں کی بڑبڑاہٹ ہنوز جاری تھی۔

''آ لینے دو عائشہ کو، سب بتاتی ہوں کیسے بدتمیزیاں بڑھتی جا رہی ہیں دونوں کی، اس کے ہوتے کبھی چوں نہیں کی اس کے جاتے ہی پر نکل آئے ہیں دونوں کے حد ہے ماں کے نام لینے پہ بھی اعتراض ہے۔'' وہ بولے جا رہی تھیں۔

ستارا نظر انداز کرتی چھت کے کونے پر

بیٹھی چارپائی پر لیٹ گئی، شام آہستہ آہستہ گہری ہو رہی تھی، پرندوں کے غول در غول اپنے اپنے آشیانوں کی طرف رواں دواں تھے وہ چارپائی پر لیٹ کر ٹکٹکی باندھ کر وسیع و عریض آسمان کو دیکھنے لگی، اسے سفید اور نیلے امتزاج کے روئی کے گالوں جیسے آسمان کو دیکھنا بہت اچھا لگتا تھا، ڈوبتا زرد سورج اسے خوامخواہ اداس کر دیا کرتا تھا اس کی نظر آسمان سے ہوتی ہوئی دیوار پر بیٹھی چڑیا پر آ کر رک گئی، جو متلاشی اور بے چین نظروں سے کچھ کھانے کو ڈھونڈ رہی تھی جلد ہی اسے اپنی مطلوبہ چیز نظر آ گئی، چھت کے ایک صاف ستھرے کونے میں بکھرے چاول اور روٹی کے ٹکڑے اور پانی سے بھرا ہوا آب خورہ، وہ پھر سے اڑ کر زمین پہ آ گئی اور چاولوں پر چونچ مارنے لگی۔

وہ تھوڑی دیر اسے دیکھتی رہی پھر نگاہ پلٹ کر آسمان پر چلی گئی اور اس کے ساتھ ہی سوچ کا زاویہ بدلا اور چھم سے ایک نام ذہن کے پردے پر جھلملا گیا۔

''مہروز کمال۔''

ستارا کا ہم سفر، اس کے لبوں پر ایک دلکش مسکراہٹ آ گئی، ایک سال پہلے ستارا کا نکاح مہروز کمال کے ساتھ ہوا تھا، رخصت ہو کر اسے سنگاپور جانا تھا، ستارا کا ایم ایس سی کا فائنل ایئر چل رہا تھا، بڑے ابا کا خیال تھا کہ ایگزامز کے بعد ستارا اور عینی دونوں کی شادی کر دی جائے، عینی اپنے ماموں زاد عفان کے ساتھ منسوب تھی۔

وہ ابھی خیالوں میں گم تھی جب چونکی تو پتا چلا کہ اماں اسے مسلسل آوازیں دے رہی تھیں۔

''کتنی بار کہا ہے اس لڑکی کو، مت چڑھا کرو شام کے وقت چھت پر، مجال ہے جو اثر لے لے میری بات کا، کبھی، دفع ہو نیچے اور کبھی سنتی ہے؟''

اس نے تیزی سے چپلیں پاؤں میں پھنسائیں اور نیچے کی طرف دوڑ لگا دی۔

''آ رہی ہوں اماں۔'' نیچے اترتے ہوئے اس نے ماحول کا جائزہ لیا اور امن محسوس کر کے خاموشی سے کچن میں کھسک گئی۔

''تمہاری کیا مدد کروں عینی؟'' اس نے کتاب شیلف پر رکھی اور عینی کی طرف مڑی۔

''سالن تو بن گیا اور چاول بھی تقریباً تیار ہیں تم ابا جی کے لئے روٹی ڈال لو۔'' عینی نے چاولوں کے نیچے آنچ دھیمی کی۔

''اچھا ٹھیک ہے، ویسے تمہیں کیا ہوا ہے؟'' اس نے عینی کے چہرے پر غیر معمولی پن دیکھا تو بے ساختہ پوچھ بیٹھی۔

''عائشہ آپی کا فون آیا تھا۔'' عینی نے آف موڈ کے ساتھ اطلاع دی۔

''تو......؟'' اس نے حیرانی سے پوچھا۔

''تو یہ کہ اماں نے میری ساری شکایتیں لگائی ہیں اور یہ کہ وہ آج شام آ رہی ہیں اور یہ بھی کہ وہ جلد ہی شادی کی بات کرنے کا ارادہ رکھتی ہیں۔'' اس نے چیخ کر کہا۔

''تو اس میں اتنا ناراض ہونے کی کیا بات ہے؟'' ستارا نے ہنسی دبا کر مصنوعی سنجیدگی سے کہا۔

''ظاہر ہے تمہیں تو خوش ہونا بھی چاہیے آخر کو سنگاپور جیسے خوابوں کے جزیرے پر جانا ہے مگر...... میرے لئے کیا؟ مجھے تو یہیں پھنسنا ہے نا، چار دیوروں اور تین نندوں کے جنجال پورے میں۔'' وہ مزید چیخی۔

ستارا کے لبوں سے مسکراہٹ پل بھر میں غائب ہو گئی اس نے قدرے چونک کر عینی کو دیکھا۔

''یہ جنجال پورہ تمہارا خود کا پسند کیا ہوا ہے، تمہیں اچھی طرح پتا ہے ابا قطعاً راضی نہیں تھے یہ تو اماں کی وجہ سے انہیں مجبور ہونا پڑا ورنہ......''
وہ تلخی سے کہتی چلی گئی۔
عینی کا رنگ لمحوں میں پھیکا پڑ گیا، اس نے کچھ کہنے کے لئے لب کھولے مگر پھر خاموشی سے پلٹ گئی۔
عینی اور عفان ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے چونکہ عینی کسی حد تک تنک مزاج اور جذباتی لڑکی تھی اس لئے بابا کا خیال تھا کہ اتنی بھری پری فیملی میں بحثیت بڑی بہو کے اپنا کردار اتنی بخوبی نہ نبھا سکے اسی خدشے کو لے کر وہ اس رشتے کے حق میں نہ تھے مگر بیٹی کی خوشی جان کر چپ ہو رہے تھے، البتہ صبح و شام اٹھتے بیٹھتے عینی کو جوائنٹ فیملی کے اصول و ضوابط پر لیکچر دینا نہ بھولتے جس کی وجہ سے وہ رفتہ رفتہ اس موضوع سے بیزار ہونے لگی اور اب تو وہ اس حد تک تنگ آ چکی تھی کہ شادی کے نام پر ہی ہتھے سے اکھڑ جاتی۔
ستارا نے ایک طویل سانس لے کر دل و دماغ سے ان سوچوں کو جھٹکا اور روٹیاں رومال میں لپیٹ کر ہاٹ پاٹ میں رکھیں اور کچن کا دروازہ بند کرتی باہر آ گئی۔
رات کو جب حسب معمول وہ سب کو دودھ کا گلاس دینے کے بعد اپنے اور عینی کے مشترکہ کمرے میں آئی تو وہ آف موڈ کے ساتھ الماری میں کھٹر پٹر کر رہی تھی۔
''عینی!'' اس نے پکارا۔
عینی نے اپنی مصروفیت لمحہ بھر کے لئے موقوف کی، پھر مصروف ہو گئی۔
''ہوں۔'' کچھ دیر بعد اس نے مختصراً ہوں کی۔
''ابھی تک ناراض ہو؟ اب تو عائشہ آپی بھی نہیں آئیں۔''
''نہیں میں کیوں ناراض ہوں گی۔'' عینی کا لہجہ سپاٹ تھا۔
''لیکن مجھے تو لگ رہا ہے کہ ہو......؟'' اس نے اصرار کیا۔
''مجھے خفا ہونے کا کوئی حق ہی نہیں ہے ستارا، اگر میں نے غلطی سے عفان کو پسند کر لیا اور میری بد قسمتی کہ میری اس سے قسمت بھی پھوٹ گئی ہے تو اس کا مطلب یہ ہر گز نہیں کہ تم مجھے اس طرح ذلیل کرو، اس طرح طنز کرو مجھ پر۔'' وہ پھٹ پڑی، شرمندگی کی تیز لہر نے ستارا کو جامد سا کر دیا۔
''عینی...... پلیز یار...... آئم سوری...... پلیز۔'' وہ ندامت سے فوراً بولی۔
اس کی یہی خصوصیت تھی کہ فوراً اپنی غلطی تسلیم کر لیتی تھی، عینی جواب دیئے بغیر خاموشی سے پلٹ کر کمرے سے نکل گئی، ستارا نے ایک طویل سانس خارج کی اور وہیں بیٹھ گئی، وہ جانتی تھی اس وقت وہ اس کے لاکھ منانے پر بھی نہیں مانے گی، جب دل چاہے گا خود بخود موڈ ٹھیک کر لے گی، یہی سوچ کر اس نے خاموشی سے کتاب پکڑی اور بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا لی۔

☆☆☆

''ماما! اسید آج آ جائے گا نا۔'' وہ کتاب میں منہمک تھیں جب حبا کے سوال نے انہیں چونکایا۔
''کہہ تو رہا تھا کہ آج واپسی متوقع ہے۔'' انہوں نے مسکرا کر کہا اور کتاب بند کر کے ایک طرف رکھ دی، پھر پیار سے اسے اپنے پاس بٹھا لیا۔
''بہت مس کر رہی ہوا سے۔''

''ہوں اور اسے دیکھ لیں ایک بار مجھے یاد نہیں کیا، ایک فون تک نہیں کر سکا۔'' اس نے لاڈ سے ان کے کاندھے پر سر رکھتے ہوئے شکایت لگائی۔

''تو تم اسے کر لیتیں۔'' انہوں نے کہا۔

''کیسے کر لیتی؟ صاف دھمکی دی تھی جناب نے اگر میرا فون گیا نا تو بہت پٹائی کرے گا اور آپ کو پتا ہے نا اس کا ہاتھ کتنا بھاری ہے، اف۔'' اس نے جھرجھری لی، وہ ہنس دیں۔

''پیار بھی بہت کرتا ہے تم سے۔''

''وہ تو مجھے پتا ہے۔'' وہ تفاخر سے گردن اکڑا کر ہنسی، پھر اٹھ گئی۔

''شام تو ہو رہی ہے میں اس کا کمرہ سیٹ کروں اور آپ اس کی پسند کے اچھے اچھے کھانے بنائیں۔'' وہ ڈکٹیشن دینے لگی۔

''مگر بیٹے شام کو آپ کے پاپا کے کچھ دوست آ رہے ہیں کھانے پر۔'' وہ ہچکچائیں۔

''اُفوہ ماما! پاپا کے دوست تو ہمیشہ آتے رہتے ہیں، اسید آج کتنے دنوں بعد آ رہا ہے۔'' وہ پیر پٹخ کر بولی۔

''کیا بات ہو رہی ہے؟'' تیمور احمد نے اندر داخل ہوتے ہوئے بیٹی سے پوچھا، وہ انہیں دیکھ کر کچھ مدھم پڑ گئی۔

''کچھ نہیں پاپا۔'' اس نے شکوہ کرتی نظروں سے ماں کو دیکھا اور جھپاک سے باہر نکل گئی، تیمور احمد نے قدرے حیران ہو کر اسے جاتے دیکھا پھر مرینہ کی طرف مڑے۔

''اسے کیا ہوا ہے؟'' ان کا لہجہ کڑا تھا، مرینہ کا رنگ فق پڑ گیا۔

''وہ...... کچھ نہیں...... بس ایسے ہی ضد کر رہی تھی، وہ آج اسید آ رہا ہے نا۔'' انہوں نے بات کو عام سا رنگ دینے کی کوشش کی، مقابل کی نگاہوں میں اتنی سرد مہری اور بیگانگی تھی کہ ان سے بات مکمل نہ کی گئی۔

''تو......؟'' انہوں نے سرد لہجے میں پوچھا۔

''وہ اہتمام کرنے کا کہہ رہی تھی۔'' انہوں نے ہمت کر کے بات مکمل کی۔

''مجھے اپنی بچی کا اس کے ساتھ اتنا دوستانہ قطعاً پسند نہیں ہے مرینہ خانم اور یہ بات میں آپ کو بارہا بتا چکا ہوں۔'' تیمور کے لہجے میں طوفانوں کی گھن گرج تھی، مرینہ ساکت سی انہیں دیکھتی رہیں، وہ جھٹکے سے مڑے اور باہر نکل گئے۔

☆☆☆

اپریل کا وسط چل رہا تھا، دوپہریں لمبی ہوتی جاتی تھیں اور ہمیشہ کی طرح اس سال پھر علینہ احمر کا امتحان شروع ہو چکا تھا، اتنی لمبی دوپہروں میں اسے نیند نہیں آتی تھی اور جبکہ تینوں پورشنز میں سارے لوگ نیند کے مزے لوٹ رہے ہوتے وہ بولائی بولائی سی اندر باہر پھرتی، اس وقت تو سر کے شدید درد نے اسے گرمی میں پھنکتے کچن میں لا کھڑا کیا تھا چائے بنانے کے لئے وہ بڑی محویت سے ساس پین میں ابلتے دودھ کو دیکھ رہی تھی جب کسی نے کچن کا دروازہ ہلکے سے بجایا، وہ بے طرح چونکی، نظر اٹھا کے دیکھا تو دروازے کے فریم میں شاہ بخت کھڑا نظر آیا، اس کی آنکھوں میں ہلکی سی سرخی تھی۔

''ایک کپ چائے مل سکتی ہے؟''

''جی...... میں بنا دیتی ہوں۔'' اس نے مدھم لہجے میں کہا اور ساس پین میں دودھ کی مقدار بڑھانے لگی۔

وہ اندر پڑی ٹیبل کے ساتھ ٹک گیا اور کسی قدر نظر جما کر اسے دیکھا، لائٹ پرپل اور وائٹ

پرنٹ کے سوٹ میں وہ بے حد جاذب نظر لگ رہی تھی، سلیقے سے دوپٹہ اوڑھے، خاموش طبع اور گھر میں سب سے چھوٹے ہونے کا اعزاز لئے ہوئے علینہ احمر اس پل کچھ اور بھی دلکش لگی تھی۔

''حسن سے کتنوں کا بھلا ہو جاتا ہے۔'' شاہ بخت کی آنکھوں میں ٹھنڈک سی اتر آئی تھی۔

علینہ نے چائے کپوں میں ڈالی اور ایک کپ اس کے سامنے رکھا اور اپنا کپ تھام کر باہر نکل آئی۔

ناگواری کی تیز لہر شاہ بخت کے اندر سرائیت کر گئی، اسے بڑی شدت سے احساس ہوا تھا کہ وہ اسے اگنور کرتی ہے اور اپنی ہستی کی نفی ہوتے دیکھنا کہاں ممکن تھا اور شاہ بخت کے نزدیک تو یکسر ناقابل برداشت تھا۔

''وہ میرے ساتھ بیٹھ کر بھی تو چائے پی سکتی تھی لیکن اس طرح مجھے نظر انداز کر کے یہ ثابت کرنا چاہتی ہے کہ میرے ساتھ بیٹھنا پسند نہیں کرتی۔'' اس نے تلخی سے سوچا، ایک نظر اپنے سامنے پڑی خوش رنگ چائے کو دیکھا اور سر جھٹک کر گھونٹ لینے لگا۔

ابھی اس نے آدھا کپ ختم کیا تھا جب دروازے سے رمشہ اندر داخل ہوئی۔

''اوتھینکس گاڈ، مجھے چائے نہیں بنانی پڑے گی، بخت کین آئی شیئر ود یو؟'' وہ بے تکلفی سے مسکرائی۔

''آف کورس، ون منٹ۔'' اس نے کہتے ہوئے جیب سے صاف ستھرا ٹشو نکالا اور اپنی طرف والا کپ کا کنارہ صاف کیا پھر کپ اس کی سمت بڑھا دیا۔

''مجھے یقین نہیں ہو رہا، یہ اتنی اچھی چائے تم نے بنائی ہے؟'' وہ ایک گھونٹ لیتے ہی حیرت سے بولی، وہ دھیرے سے ہنسا۔

''یہ میں نے نہیں، علینہ نے بنائی ہے۔''

''اوہ...... جبھی میں کہوں...... یہ آج تمہارے جوشاندے میں چائے کا ذائقہ کہاں سے آ گیا۔'' وہ ہنسی، اسی وقت کومل اندر آ گئی۔

''میں...... چائے بنانے آئی تھی لگتا ہے آپ نے پی لی؟''

''ارے نہیں یہ تو بس چکھی ہے تم بناؤ۔'' رمشہ نے خوشدلی سے کہا۔

''سب اٹھ گئے؟'' شاہ بخت نے پوچھا۔

''جی اور پتا ہے رمشہ! تمہارے ڈریسز آ گئے ہیں ٹیلر کی طرف سے، جاؤ دیکھ لو، لاؤنج میں تو مارکیٹ لگی ہوئی ہے کپڑوں کی۔'' کومل نے کہا وہ فوراً اٹھ گئی۔

''تائی جان اور امی جان آ گئی مارکیٹ سے؟'' رمشہ نے سوال کیا۔

''ہاں...... اسی لئے تو کہہ رہی ہوں۔''

''اوکے چلو بخت ذرا تم بھی میری چوائس دیکھ لو۔'' رمشہ نے اسے اٹھایا۔

''تمہاری چوائس ہے، اچھی ہی ہو گی۔'' وہ بولا۔

وہ دونوں باہر نکل گئے، کومل چائے کی طرف متوجہ ہو گئی۔

لاؤنج میں تو جیسے مچھلی بک رہی تھی، ہر کوئی اپنی اپنی بولیاں بول رہا تھا، رمشہ کارپٹ پر بیٹھ کر اپنے ڈریسز کی پیکنگ کھولنے میں مصروف ہو گئی، علینہ خاموشی سے ایک طرف بیٹھی سب کا جائزہ لے رہی تھی۔

☆☆☆

''مغل ہاؤس'' میں تین پورشنز تھے مگر لاؤنج اور کچن مشترکہ تھا، چونکہ سب میں سلوک و اتفاق تھا اس لئے گھر میں خوشحالی اور برکت تھی، سب سے بڑے تایا جان کی تین اولادیں تھیں،

وقار، رمشہ، کومل، وقار شادی شدہ تھے اور بحیثیت سب سے بڑی اولاد کے نہایت ذمہ دار اور سلجھی طبیعت کے حامل تھے، اپنے مشفق اور پر خلوص رویوں کی وجہ سے ہمیشہ چاہے گئے گھر میں سب ان کا احترام کرتے تھے۔

اس کے بعد رمشہ تھی، انگلش لٹریچر کے فائنل میں تھی عام سی شکل وصورت کے باوجود بے پناہ کونفیڈنٹ اور ذہین بھی مگر اس کے ساتھ ساتھ خود غرضی کا مرض بھی لاحق تھا۔

اس کے بعد کومل تھی، سادہ بی اے کے بعد گھر میں تھی پڑھائی سے چونکہ کچھ خاص شغف نہ تھا اس لئے گھریلو امور میں ماہر تھی، دوسرے نمبر پر چھوٹے تایا جان تھے، ان کی بھی تین اولادیں تھیں، ایاز، عباس، علینہ، شکل وصورت اور قد کاٹھ میں عباس اور ایاز میں بے حد مشابہت تھی مگر عادات و مزاج میں اتنا ہی فرق تھا جتنا کہ مشرق ومغرب میں۔

ایاز جتنے خود غرض اور خود پرست تھے عباس اتنا ہی بے لوث اور ایثار پسند، ایاز کو بیرون ملک بھاتے تھے اور عباس انتہا درجے کا محب وطن، شخصیتوں کا یہ تضاد بے حد دلچسپ تھا۔

اس کے بعد علینہ تھی، بہت خوبصورت اور سادہ بہت معصوم اور بزدل، ہر چھوٹی سے چھوٹی چیز سے ڈر جانے والی، گھر میں عموماً جو پروٹوکول سب سے چھوٹے بچے کو ملتا ہے وہ اسے کبھی نہیں ملا بلکہ اسے ہمیشہ نظر انداز کیا گیا اور یوں رفتہ رفتہ وہ الگ تھلگ رہنے کی عادی ہو گئی کیونکہ گھر میں سب اس سے بڑے تھے کوئی یونیورسٹی جا چکا تھا اور کوئی ختم کر چکا تھا جبکہ وہ ابھی صرف فرسٹ ائیر میں تھی، بڑوں کی باتوں اور محفلوں سے ہمیشہ اسے یہ کہہ کر اٹھا دیا جاتا کہ وہ چھوٹی ہے، اسی لئے اس نے ان سب کے بیچ بیٹھنا چھوڑ دیا۔

اس کے بعد چچا جان تھے، ان کی دو اولادیں تھیں، شاہ بخت، شاہ نواز، شاہ نواز کئی سالوں سے امریکا میں سیٹل تھے، تاحال غیر شادی شدہ تھے حالانکہ عمر میں وقار سے سال ڈیڑھ ہی چھوٹے تھے مگر نگاہ میں کوئی جچا ہی نہ اور ''مغل ہاؤس'' کا سب سے چہیتا اور لاڈلا فرد شاہ بخت، اگر یہ کہا جاتا کہ اس میں اس گھر کی جان تھی تو بے جا نہ ہوتا، عباس کے ساتھ ہی ایم بی اے کے فائنل میں تھا، بے جا لاڈ پیار اور محبتوں نے اندرون خانہ اسے ایک خود پرست، ضدی اور سرکش انسان بنا دیا تھا، مگر بظاہر وہ ایک پر سکون اور خوش مزاج انسان تھا جو طنز کرنے میں کمال رکھتا تھا، بالکل اس آتش فشاں کی طرح جو اندر ہی اندر پکتا رہتا ہے اسی مانند وہ بھی تھا کہ کب کوئی بات مزاج کے خلاف ہو اور وہ ہنگامہ کھڑا کر دے۔

شخصیتوں کے دلچسپ تضاد کے ساتھ یہ سرخ وسفید ماربل سے بنا ''مغل ہاؤس'' تھا۔

☆☆☆

عائشہ آپی آئی ہوئی تھیں اور حسب معمول گرما گرم بحث ہو رہی تھی، موضوع ظاہر ہے ستارہ اور عینی کی متوقع شادی کے سوا کیا ہو سکتا تھا، خلاف توقع آج عینی کا موڈ بھی نارمل تھا، ابا جی کے کمرے میں گول میز کانفرنس جاری تھی اور جب رات کو اس کا نتیجہ سب کے سامنے آیا تو ستارہ بہت دیر ساکت رہ گئی۔

ہر لڑکی کی طرح اس کے بھی بے شمار خواب تھے، اس کے ہاتھوں پر مہندی ہو، شگن کا پیلا جوڑا پہنے وہ سکھیوں کے درمیان مسکرائے اور پھر وہ خوبصورت تنہائیوں سے بھرا دن آئے جب سرخ جوڑے میں وہ اپنے پیا کے گھر جائے گی، بے شمار خوبصورت اچھوتے احساس اس سوچ

کے ساتھ بیدار ہو جاتے تھے، مگر..... قسمت کبھی کبھی بڑے نازک موڑ پر دھوکہ دیتی ہے۔

کچھ خواب ادھورے
اگر تم مل جاتے
تو ہو جاتے پورے

اس کے خواب ادھورے رہ گئے تھے، کتنا بے رحم فیصلہ تھا تقدیر کا، وہ گنگ تھی۔

مہروز کمال اس سال بھی پاکستان نہیں آسکا تھا، اس کے آنے کے بعد رخصتی عمل میں آتی اور یوں ستارا، مہروز کے ساتھ سنگاپور چلی جاتی مگر یوں نہ ہو سکا۔

بعض ایسے مسائل اٹھ کھڑے ہوئے کہ مہروز کا آنا ممکن نہ ہو سکا تھا اور یوں پروگرام بدل چکا تھا، آج صبح ستارا کی ساس کا فون آیا تو انہوں نے کہا کہ وہ لوگ بے فکر ہو کر عینی کی شادی رکھ دیں، ایک آدھ ماہ تک ستارا کے کاغذات تیار ہو کر آ رہے تھے اس کے بعد وہ براہ راست سنگاپور ہی جائے گی، گویا رخصتی اور شادی کا سلسلہ سرے سے ختم ہو گیا وہ بتاتے ہوئے خود بھی بے حد دلبر داشتہ تھیں مگر اس میں یقیناً ان کا کوئی دوش نہ تھا اور تب سے ستارا بس حیران و پریشان تھی تقدیر کے اس موڑ پر

پتا نہیں اندر کیا کچھ چھنا کے سے ٹوٹا تھا، مگر اب کیا ہو سکتا تھا؟ وہ خاموشی سے بیٹھی رہی، عائشہ آپی اسے سمجھا رہی تھی اور پتا نہیں کیا کیا کہہ رہی تھیں مگر وہ بس ساکت تھی اس کے کانوں میں ان کا ایک لفظ بھی نہیں پڑا تھا، اس کی آنکھوں میں مہندی کے سنہرے رنگ جھلملا رہے تھے اور ارمانوں اور خوابوں سے لبریز وہ سرخ جوڑا جو اس نے خیالوں میں کتنی بار ہی پہنا تھا، یکلخت وہ خون میں لپٹا نظر آ رہا تھا، نہ سکھیوں کے گیت تھے نہ ڈھولک کی تھاپ، وہاں تو بس ویرانی تھی، خاموشی تھی اور تاریکی تھی۔

☆☆☆

شام بتدریج گہری ہو رہی تھی، گرمی کا زور ٹوٹ رہا تھا اور شام کے بڑھتے سایوں کے ساتھ وہ نرم نرم چلتی ٹھنڈی ہوا ایک نعمت محسوس ہو رہی تھی، وہ لان میں ایزی چیئر پر براجمان تھی اور نظریں گیٹ پر ساکن تھیں، کبھی جھنجھلا کر وہ رخ موڑتی، اِدھر اُدھر دیکھتی اور اسٹرابری شیک کے گھونٹ لیتے ہوئے پھر سے نظریں گیٹ پر جما دیتی، آنے والا بدستور نہیں پہنچا تھا، اس نے کوفت سے ادھر دیکھا جہاں پھولوں سے لدی روش تاحال آنے والے مکین کی آہٹ سے خالی تھی۔

کچھ دیر بعد گیٹ کی ذیلی کھڑکی کھلی اور آخر کار انتظار ختم ہو گیا، بلو جینز اور نیوی بلو شرٹ میں چمکتی سفید رنگت لئے وہ ہمیشہ کی طرح شاندار نظر آ رہا تھا، بے پناہ خوشی سے مغلوب ہوتے ہوئے اس نے گلاس ٹیبل پر دھرا اور اٹھ کھڑی ہوئی، تیزی سے روش پر چلتے ہوئے وہ ایکدم اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

''ویلکم بیک ٹو ہوم اسید مصطفیٰ۔'' وہ مسکرائی تھی۔

''تھینکس حبا تیمور۔'' وہ خشک لہجے میں کہتا آگے بڑھ جانے کو تھا جب وہ ایکدم راہ میں حائل ہوئی۔

''کیسے ہو؟'' وہ سائیڈ سے آگے بڑھ گیا، وہ مایوس ہوئی پھر اس کے ساتھ ساتھ آگے بڑھنے لگی۔

''ٹور کیسا رہا؟'' حبا نے اگلا سوال کیا، وہ جواب دیئے بغیر چلتا رہا۔

''انجوائے کیا؟'' وہ پھر سے بولی، اسید مصطفیٰ کی خاموشی نہیں ٹوٹی تھی۔

''اسید تم ناراض ہو؟'' حبا کی آنکھوں میں نمی چمکی تھی۔

''تم میری بات کا جواب کیوں نہیں دے رہے؟'' وہ پریشان تھی، وہ عمارت کے داخلی دروازے سے لاؤنج میں داخل ہو گئے، مرینہ کچن کے دروازے میں کھڑی تھیں۔

''ماما!'' وہ بانہیں پھیلائے ان کی سمت بڑھا اور بے ساختہ ان سے لپٹ گیا، مرینہ نے اس کی پیشانی چومی۔

''کیسا ہے میرا بیٹا!'' انہوں نے محبت سے ان کی پیشانی پر گرے بال سمیٹے۔

''میں ٹھیک ہوں، آپ کیسی ہیں؟'' وہ مسکرایا تھا۔

''میں بھی ٹھیک ہوں جاؤ فریش ہو جاؤ، حبا جاؤ اسید کے کپڑے نکال دو۔'' انہوں نے دونوں کو مخاطب کیا۔

''ماما!'' وہ بے ساختہ روتی ہوئی ان سے لپٹ گئی۔

''اسید مجھ سے ناراض ہے، یکھیں بات بھی نہیں کر رہا۔''

''اسید بہت بری بات ہے بیٹے۔'' مرینہ نے تنبیہی نظر سے اسے دیکھا۔

''ماما پلیز...... اتنے دنوں رگھر لوٹا ہوں میں اس کے ساتھ بات کر کے گھر کا ماحول خراب نہیں کرنا چاہتا۔'' وہ طنز سے بولا، حبا کی سانس تھمنے لگی۔

''اسید شرم کرو۔'' مرینہ نے تیز آواز میں اسے ٹوکا۔

''میں نے کوئی کنٹریکٹ نہیں سائن کیا ہوا ان باپ بیٹی کو خوش کرنے کا، یہ میری زندگی ہے اور اس پر میرا بھی حق ہے۔'' وہ اپنے مخصوص کھردرے اور سرد لہجے میں بولا۔

''واہ مرینہ خانم...... واہ...... یہ سکھایا ہے آپ نے اپنے برخوردار کو۔'' تیمور احمد نے تالی بجا کر باقاعدہ داد دی، اسید کے چہرے کا رنگ پل بھر کو بدلا۔

انسان کتنا عجیب ہے چند لقموں کے بدلے پورے وجود پر اختیار چاہتا ہے اور رب کتنا مہربان اور بے نیاز ہے جو ساری زندگی انسان کو رزق دیتا ہے اور انسان اس کو بھلائے خود میں مگن رہتا ہے جبکہ انسان، اسید کی نگاہ میں بنے بھی کی ایسی تحریر تھی کہ اگر وہ ذرا بھی درد دل رکھتے تو لرز جاتے۔

''میرا یہ مطلب نہیں تھا...... میں......'' اسید نے بے دردی سے لب کچلے۔

''تمہارا مطلب تھا یا نہیں، آئندہ اس قسم کی بکواس کرنے سے پہلے ایک بار احسانوں کی اس فہرست کی طرف ضرور نظر ڈال لینا جو میں نے تم پر کیے ہیں۔'' وہ رعونت سے کہتے باہر نکل گئے۔

تین نفوس کے ہونے کے باوجود کمرے میں ایک پر اسرار خاموشی تھی، اس خاموشی میں گھڑی کی ٹک ٹک بڑی نمایاں تھی۔

اسید حبا کی طرف مڑا وہ بہتے آنسوؤں کے ساتھ ساکت سی کھڑی تھی، اس کے کندھوں پر ابھی تک ٹورسٹ بیگ تھا جس کے اسٹریپس میں انگلیاں پھنسائے وہ کمرے میں جانے کو تھا، اس نے لب بھینچتے ہوئے ایک زہریلی نگاہ حبا تیمور پر ڈالی، جیسے کہہ رہا ہو۔

''یہی چاہتی تھیں تم؟'' پھر پلٹ کر کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

☆☆☆

لاؤنج میں کپڑوں کی بہار سی آئی ہوئی تھی، نت نئے رنگوں اور ڈیزائنوں کے جھلملاتے ملبوسات دو دن بعد ایاز کی مہندی کا فنکشن تھا اور

بری کے جوڑے تیار ہو کے آ چکے تھے اس لئے پیکنگ کا کام ہو رہا تھا۔

''امی جان! علینہ کا مہندی کا سوٹ تیار نہیں ہوا ابھی؟'' آمنہ بھابھی نے فکر مندی سے دریافت کیا۔

''ہاں ہو چکا ہے اپنی کپڑوں میں دیکھو۔'' انہوں نے کپڑوں کے ڈھیر کی طرف اشارہ کیا۔

چند منٹوں بعد آمنہ سوٹ ''دریافت'' کرنے میں کامیاب ہو گئیں۔

''زبردست...... بہت خوبصورت ہے۔'' آمنہ نے زرق برق شرارہ سوٹ اپنے سامنے پھیلایا۔

''میں یہ پہنوں گی؟'' علینہ نے حیرت سے دریافت کیا۔

''کیوں بھئی اتنا خوبصورت تو ہے اور پھر بچیاں ایسے لباس ہی پہنتی ہیں۔'' آمنہ بھابھی کی نزدیک وہ گھر میں سب سے چھوٹی ہونے کی وجہ سے بچی ہی تھی، پانی پیتے ہوئے شاہ بخت کو اچھو لگ گیا اس نے بغور فرسٹ ایئر کی ''بچی'' کو دیکھا۔

''اچھا۔'' علینہ نے ناقابل یقین نظروں سے انہیں دیکھا۔

''بالکل اور دیکھنا یہ تم پر بہت سجے گا۔'' انہوں نے یقین دلایا، علینہ نے یقین کر لینے والے انداز میں سر ہلایا، رمشہ کو اس کے انداز پر ہنسی آ گئی۔

''ہاؤ انوسنیٹ۔'' وہ پیار سے علینہ کا گال چھو کر مسکرائی۔

شاہ بخت بھی ہنسا تھا، اس نے کسی قدر حیرت سے علینہ کا چہرہ سرخ ہوتے دیکھا تھا۔

''اُف ظالمو جھلسا دیا گرمی میں۔'' عباس دہائی دیتا اندر داخل ہوا اور دھپ سے کارپٹ پہ بکر گیا۔

''تو تم شام میں چلے جاتے۔'' شاہ بخت نے اپنی طرف سے آسان حل بتایا۔

''تم تو منہ بند ہی رکھو، خود سے کچھ ہوتا ہے نہیں اور چلے ہو مشورے دینے۔'' عباس اور بھی سلگا اک بے اختیار قہقہہ ابھرا۔

''کوئی بات نہیں دوست! تمہاری شادی پہ میں کر دوں گا۔'' شاہ بخت نے اسے تسلی دی، ایک بار پھر قہقہے ابھرے۔

''اور اپنی شادی پہ کیا کرو گے؟'' رمشہ نے شرارت سے کہا۔

''ان سب نکموں کو لائن حاضر کر دوں گا۔'' اس نے اندر آتے وقار بھائی اور ایاز کو دیکھ کر کہا، اس کے شاہانہ انداز پر ایک بار پھر قہقہے ابھرے۔

''چلو بھئی لڑکیو! یہ سب سنبھالو، آمنہ، کھانا تیار ہے؟'' بڑی تائی جان نے پوچھا۔

''جی امی جان! میں لگواتی ہوں۔'' وہ مستعدی سے اٹھ گئیں۔

کچھ دیر بعد وہ سب کھانے کی میز پہ جمع تھے، عباس نے وقار کو بتایا کہ کل سے ایونٹ آرگنائزر کمپنی کا یونٹ آ جائے گا، مہندی کا فنکشن گھر میں ہی تھا جبکہ بارات اور ولیمہ کی تقریبات ہال میں تھیں۔

''وقار تمہاری نواز سے بات ہوئی؟'' تایا جان نے پوچھا۔

''جی بابا جان! کہہ رہا تھا کہ نہیں آ سکوں گا، سیٹ نہیں مل سکی اسے کوئی۔'' وقار نے مختصراً بات ختم کی چچا جان کے چہرے پر رنگ سا لہرا گیا۔

''کھانا کھانے کے بعد میری بات کراؤ اس سے۔'' تایا جان کے لہجے میں دبا دبا فشار تھا۔

''اس وقت؟ اس وقت تو امریکہ میں رات ہے سو رہا ہو گا وہ۔''

''تو پھر؟'' انہوں نے استفہامیہ نظروں سے وقار کو دیکھا۔

''پھر رات کو کر لیجئے گا۔'' وقار نے بات ختم کی، وہ جانتے تھے کہ نواز اس گھر کے لئے ایک ناسور کی حیثیت اختیار کر چکا تھا جسے وہ لوگ کسی صورت خود سے الگ نہیں کر سکتے تھے، شاید وہ تھا ہی ایسا، خود غرض اور بے حس، بہت کم عمری سے ہی اس کے خیالات بہت باغیانہ تھے، ''جیو اور جینے دو'' پر بہت یقین تھا اس کا اتنے سالوں میں شاید ایک دو بار بمشکل وہ پاکستان آیا تھا، مگر وقت کے ساتھ ساتھ شاید ''مغل ہاؤس'' کے مکین بھی اس کی جدائی سے سمجھوتہ کر چکے تھے۔

میز پر خاموشی تھی، علینہ نے پانی پیتے ہوئے سب پر ایک نظر ڈالی، شاہ بخت بہت بے دلی سے پلیٹ میں چمچ چلا رہا تھا، اس کے لب بھینچے ہوئے تھے، پھر اس نے چمچ پلیٹ میں پٹخا اور اٹھ کھڑا ہوا، وقار نے چونک کر اسے دیکھا۔

''بخت کھانا کھاؤ۔'' ان کے لہجے میں تحکم در آیا، شاہ بخت نے شکایتی نظر ان پہ ڈالی۔

''کھا لیا۔'' وہ کرسی دھکیل کر پیچھے ہٹا اور تیز تیز قدم اٹھاتا سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا، اس کا کمرہ دوسرے پورشن پر تھا۔

''بہت مس کرتا ہے اسے۔'' وقار کے لہجے میں تاسف در آیا۔

''ہوں جب سے اس کے پاس سے واپس آیا ہے تب سے یونہی اس کے ذکر پر پریشان ہو جاتا ہے۔'' چچی جان کی آنکھوں میں نمی تھی۔

''آپ کو پتا تو ہے اس کی کنڈیشن کا، گریز کیا کریں اس کے سامنے نواز کی بات کرنے سے، اب وہ اس پر سوچتا رہے گا سوچتا رہے گا اور پھر اگر اس کے سر میں درد شروع ہو گیا تو......؟'' وقار نے تلخی سے کہا، ایک خوف نے سب کو جکڑا تھا۔

''علینہ!'' وقار اپنی کرسی سے اٹھا تھا۔

''جی بھائی۔'' علینہ نے کہا۔

''اس کی پلیٹ اٹھاؤ اور آؤ میرے ساتھ۔''

وہ کہتے ہوئے سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئے، علینہ نے پلیٹ اٹھائی اور ان کے پیچھے چل پڑی۔

وقار اندر داخل ہوئے تو وہ بیڈ پر اوندھا پڑا تھا، انہوں نے آگے بڑھ کر اسے اٹھایا۔

''بخت! اٹھو کھانا کھاؤ۔''

''مجھے نہیں کھانا۔'' اس نے اپنے آپ کو چھڑایا، انداز ضدی اور ناراض بچے جیسا تھا۔

''بہت بری بات ہے بچے، ایسے نہیں کرتے، دیکھو تمہاری وجہ سے سب ڈسٹرب ہوں گے، تمہیں اچھا لگے گا؟'' انہوں نے پیار سے اس کے کندھے پر ہاتھ پھیلایا۔

''تو کون کہہ رہا ہے ڈسٹرب ہونے کو۔'' وہ چیخ کر بولا، وقار نے فہمائشی نظروں سے اسے دیکھا۔

''تم یہاں کیوں کھڑی ہو؟'' وہ علینہ پر برس اٹھا، علینہ کے چہرے کا رنگ پل میں زرد پڑ گیا۔

''وہ میں یہ......'' اس نے ہاتھ میں پکڑی پلیٹ کی طرف اشارہ کیا۔

''لاؤ ادھر، اسے مجھے دو اور جاؤ۔'' وقار نے علینہ کے ہاتھ سے پلیٹ لے لی اور اسے جانے کا اشارہ کیا، وہ اتنی شاندار انسلٹ پر آنسو پیتی تیز تیز سیڑھیاں اترتی گئی۔

☆☆☆

وہ حسب معمول شام کے وقت چارپائی پہ لیٹی آسمان کو محویت سے تک رہی تھی، نارنجی، سفید اور نیلے امتزاج کے آسمان کی لہریں گڈمڈ ہو رہی تھیں، بہت دنوں بعد موسم یوں خوشگوار نظر آیا تھا، ہوا تیز تر ہونے لگی، وہ اڑتے بالوں کو سنبھالتی اٹھ گئی، چارپائی دیوار کے ساتھ کھڑی کر کے وہ یونہی چھت پہ چکر لگانے لگی، کچھ دیر بعد بارش کے موٹے موٹے قطرے گرے اور پھر موسلا دھار بارش شروع ہو گئی، وہ خوشی سے دیوانی ہونے لگی، ساری اداسی یکدم کہیں غائب ہو گئی تھی۔

گول گول گھومتے ہوئے اس نے کھلکھلا کر ہنستے ہوئے مہربان آسمان کو دیکھا اور دل سے بے اختیار کلمہ شکر نکل آیا تھا۔

''ستارا...... ستارا...... نیچے آ جاؤ۔'' عینی غالباً صحن میں کھڑی ہو کر اسے بلا رہی تھی، اس نے ریلنگ پہ جھک کر نیچے جھانکا، عینی صحن میں کھڑی تھی۔

''مجھے نہیں آنا۔'' وہ بارش کی وجہ سے چیخ کر بولی۔

''آ جاؤ نا، میں پکوڑے بنانے لگی ہوں، پلیز آ جاؤ۔'' عینی نے لالچ دیا۔

''اچھا آتی ہوں۔'' وہ ہنستے ہوئے بولی، اس نے بھیگی ہوئے زمین، در و دیوار کو دیکھا، ہر چیز سیراب ہوئی نظر آتی تھی، وہ چپل بھول کر ننگے پیر ہی نیچے چلی آئی۔

عینی کچن میں تھی، ابا ہمیشہ مغرب کے بعد آتے تھے، جبھی اس نے بے فکر ہو کر دوپٹہ ایک طرف پھینکا اور خود باقاعدہ جھومنے لگی، برآمدے میں پڑے تخت پہ بیٹھی اماں اس کے بچپنے پہ ہنسنے لگیں، کچھ دیر بعد عینی پلیٹ تھامے آ گئی۔

اگر دل کا موسم، باہر کے موسم سے بنتا ہے تو کبھی کبھار باہر کا موسم بھی اندر کے موسم کو بدل ڈالتا ہے، یہی اس وقت ستارا کے ساتھ ہوا تھا، بارش اس کے لئے ابر صد رحمت ثابت ہوئی تھی، وہ بے فکری سے پکوڑے کیچپ میں ڈبو کر کھاتی مسلسل ہنس رہی تھی، بے وجہ، سچ کہا ہے کسی نے، کبھی کبھی کوئی کام بغیر جواز کے کرنے میں بھی عجیب سا سکون ملتا ہے، کچھ دیر بعد بارش بھی رک گئی، اس نے صحن میں واپر لگایا اور چوٹی کھولنے لگی، عینی اس کے کپڑے باتھ روم میں رکھ چکی تھی، اس نے تولیہ اٹھایا اور نہانے کے لئے چلی گئی۔

کچھ دیر بعد وہ نہا کر لوٹی تو اماں چشمہ لگائے چاول چن رہی تھیں، ستارا نے بال سمیٹ کر بڑا سا کیچر لگایا اور وضو کر کے نماز پڑھنے چلی گئی، وہ نماز پڑھ کے صحن میں آئی تو اماں چاول صاف کر چکی تھیں۔

''ستارا! بیٹے یہاں آؤ۔'' انہوں نے پیار سے اپنے پاس بلایا، وہ ٹھٹکی، اماں کا لہجہ ہی ایسا تھا، پھر آہستگی سے چلی آئی۔

''جی اماں۔'' وہ ان کے قریب تخت پر بیٹھ گئی۔

''آج تمہاری ساس کا فون آیا تھا۔'' انہوں نے جھجک کر کہا، وہ طویل سانس لے کر تسلی سے بیٹھ گئی۔

''تو یہ بات تھی۔'' اس نے سوچا۔

''کیا کہہ رہی تھیں اماں وہ؟'' اس نے بڑے سکون سے پوچھا انہوں نے اس کا پرسکون چہرہ دیکھا تو حیران ہوئیں۔

''کہہ رہی تھیں کہ کاغذ تیار ہو گئے ہیں تمہارے۔'' انہوں نے کہہ کر اس کا چہرہ جانچا۔

''اچھا...... تو پھر......؟'' اس کے سکون میں قطعاً فرق نہیں آیا تھا۔

''پھر کا کیا مطلب؟ بس اب تیاری کر دو جانے کی ایک ڈیڑھ ماہ تک۔'' انہوں نے دو ٹوک بات کی۔

ستارا کے اندر عجیب سی توڑ پھوڑ مچی تھی،

اس سے پہلے کہ وہ کچھ بولتی، عینی تیزی سے باہر آئی تھی۔
''ستارا! تمہارا فون ہے۔''
''میرا...... فون۔'' وہ چونکی پھر پوچھنے لگی۔
''کس کا ہے؟''
''پتا نہیں جا کر سن لو۔'' عینی کہہ کر واپس مڑ گئی۔
وہ سوچتی ہوئی اٹھی، اتنی گہری دوستی تو کسی سہیلی سے نہ تھی اس کی، کہ گھر فون آتا، ہمیشہ سے ہی لئے دیئے انداز میں رہتی تھی، پھر بھی کسی کو نمبر بھی نہ دیا تھا۔
''آخر کس کا فون ہو سکتا ہے؟'' وہ الجھتی ہوئی لاؤنج میں داخل ہو گئی، صوفے کے ساتھ والی تپائی پر فون رکھا تھا، ریسیور ایک طرف پڑا، فون کرنے والے کے انتظار کی کہانی سنا رہا تھا، اس نے طویل سانس لے کر ان سب سوچوں کو جھٹکا اور صوفے پر بیٹھ کر فون اٹھا لیا۔
''جی کون؟'' ستارا نے قدرے محتاط ہو کر کہا۔
''ستارا بات کر رہی ہیں۔'' بھاری مردانہ آواز، وہ بے طرح چونکی۔
''جی...... آپ کون؟''
''آپ کا بہت اپنا۔'' دوسری طرف سے غالباً مسکرا کر کہا گیا، ستارا کے کان سنسنا اٹھے۔
''دماغ درست ہے آپ کا، آپ ہیں کون؟'' وہ بھڑک ہی تو اٹھی تھی اس قدر والہانہ لہجے پر۔
''ستارا! میں مہروز کمال بات کر رہا ہوں۔'' کھنکتی ہنسی کے ساتھ کہا گیا۔
وہ سٹپٹا گئی، پھر بے ساختہ بولی۔
''آپ......'' اور اس کے ساتھ جیسے ساون کی ہر ہر بوند مسکرا دی تھی۔

''میں نے پہچانا نہیں...... سوری۔'' وہ خجالت سے بولی اور کان کے پیچھے لٹ کو اڑسا۔
نظریں یوں جھکی تھیں جیسے وہ سامنے ہی بیٹھا ہو، اس کی بات کے جواب میں اک دلکش قہقہے نے اس کی سماعتوں کو سیراب کر دیا تھا۔
''کوئی بات نہیں میں نے بھی تو پہلی بار فون کیا ہے، آپ کیسے پہچان سکتی ہیں۔'' وہ نرمی سے بولا۔
''کیسی ہیں آپ؟ کیا کر رہی تھیں؟'' وہ پوچھنے لگا۔
''میں ٹھیک ہوں۔'' وہ جھجک سی گئی۔
''میرا حال بھی پوچھ سکتی ہیں؟ پابندی نہیں ہے کوئی۔'' مہروز کمال نے بڑے لطیف پیرائے میں طنز کیا، وہ کھسا کر رہ گئی، کیا کہتی کوئی تجربہ ہی نہ تھا فون پر بات کرنے کا۔
''ویسے میں بھی ٹھیک ہوں۔'' وہ مزید بولا،
وہ چپ رہی۔
''بتایا نہیں آپ نے کیا کر رہی تھیں؟''
''میں نے نماز پڑھی تھی بس ابھی۔'' وہ دھیرے سے بولی۔
''مجھ سے نہیں پوچھیں گی کہ میں کیا کر رہا تھا؟'' اس نے پھر چھیڑا۔
''مہروز! پلیز۔'' اس نے احتجاج کیا اپنے یوں رگیدے جانے پر، وہ بے اختیار ہنسا۔
''بہت برا ہوں میں ہے ناں؟'' اس نے جیسے تصدیق چاہی۔
''مجھے کیا پتا؟ کسی کے ساتھ رہے بغیر، اسے جانچے بغیر ہم کسی کے بارے میں کوئی رائے کیسے دے سکتے ہیں؟'' وہ فارم میں آ گئی۔
ساری جھجک شرم و حیا کو دور بھگایا تھا ورنہ وہ شخص تو اسے چٹکیوں میں اڑا دیتا۔
''کیا بات ہے بھئی۔'' وہ محظوظ ہوا۔

''کیا میں نے غلط کہا؟'' وہ تیکھے لہجے میں بولی۔
''بالکل نہیں، ٹھیک کہا تم نے۔'' وہ آپ سے تم پر اتر آیا، وہ چونکی مگر ظاہر نہ کیا۔
''مجھے پتا ہے ستارا! تم ہرٹ ہوئی ہو میرے نہ آنے کا سن کر، لیکن یقین کرو میں چند فنانشیل پرابلمز میں پھنسا ہوا ہوں، تم تو سمجھو گی نا میری پرابلم، میرا پورا ارادہ تھا آنے کا مگر میں ارینج نہیں کر سکا اور اگر اپنا سارا اکاؤنٹ بھی خالی کروا لیتا تب بھی وہاں آ کر شادی کے انتظامات اخراجات اور بے جا اصراف میں بالکل افورڈ نہیں کر سکتا تھا، اس لئے میں نے خود نہ آنے کا فیصلہ کیا، میں نے ٹھیک کیا نہ۔'' اس کے لہجے میں سچائی اور سنجیدگی تھی۔
''آپ نے ٹھیک کہا، میں واقعی ہرٹ ہوئی تھی، لیکن پھر میں نے خود کو سمجھا لیا تھا، اگر ایسی بات تھی تو آپ کو مجھے بتانا چاہیے تھا۔'' وہ بھی سنجیدہ ہوئی۔
''اب بتا رہا ہوں نا۔'' وہ ہلکے سے مسکرایا۔
''مجھے یہ بتائیں کہ شاپنگ کیسی کروں؟'' وہ ہلکی پھلکی سی ہو کر پوچھنے لگی۔
''تم کپڑوں میں جینز شرٹ زیادہ لینا مجھے لڑکیاں ویسٹرن ڈریسز میں زیادہ اچھی لگتی ہیں۔''
''کیا......؟'' وہ چلائی تھی، وہ قہقہہ لگا کے ہنسا۔
''مذاق کر رہا تھا۔''
بات سے بات چل نکلی، آدھے گھنٹے بعد جب وہ باہر نکلی تو مسکرا مسکرا کر بلاشبہ جبڑے دکھ رہے تھے، تن من سے لپٹی اداسی کہیں دور بھاگ چکی تھی اس کی جگہ ایک سرشاری نے لے لی تھی۔

☆☆☆

کمال کا شخص تھا جس نے میری زندگی تباہ کر دی غالب راز کی بات تو یہ ہے کہ دل اس سے خفا اب بھی نہیں
وہ حیران تھی بے حد حیران، حالانکہ ایسا پہلی بار تو نہ ہوا تھا، وہ ہمیشہ اسے ہی غلط سمجھتا تھا اور وہ اسے اپنا بنانے، اسے سمجھانے اور اسے بدلنے کی ہر کوشش میں ناکام تھی، بری طرح ناکام۔
''کبھی کبھی یوں ہوتا ہے نا کہ ہم کسی کے لئے اپنا سب کچھ تیاگ دیتے ہیں، وہ پھر بھی ہمارا نہیں ہوتا، ہم اسے اپنا سب کچھ مان لیتے ہیں اور وہ بھی ہمارا نہیں ہوتا، ہم اس کے رنگ میں ڈھل جاتے ہیں مگر وہ پھر بھی۔'' وہ بڑی دیر سے تاریک لان میں بیٹھی تھی، خاموش اور رکی ہوئی فضا میں کوئی آواز نہ تھی یوں جیسے یہ خاموشی ازل سے یہاں بسی ہو، صرف اس کی سسکیوں کی مدھم آواز سے حبس زدہ فضا میں ذرا سا ارتعاش پیدا ہوتا اور کچھ دیر بعد وہی ہولناک خاموشی چھا جاتی، وہ حبا تیمور تھی۔
اس میں کوئی شک نہیں کہ محبت ہر درد کی دوا ہے مگر اس درد کا کیا کیا جائے جو محبت سے ہی ملا ہو؟ اس کا درد بھی تو ایسا ہی تھا ناقابل حل اور لاعلاج اسے ٹھیک سے کچھ یاد نہیں تھا کہ آنکھوں نے اس بے درد کا پہلا خواب کب بنا تھا؟ کب دل نے درد کی آہٹ محسوس کی؟ پتا نہیں کب وہ انسانوں کے اس بے کراں ہجوم میں سب سے خاص ہو گیا تھا؟ کب اس کے عشق نے کسی تار عنکبوت کی طرح دل کو جکڑا کہ پھر کچھ یاد ہی نہ رہا بس اتنا یاد رہا کہ وہ سب سے خاص بن گیا تھا، زندگی کے سارے لطف اور ساری مسرتیں صرف اسی کی ذات سے مشروط ہو گئیں تھیں، مگر یہ خواب جتنے دلکش تھے اتنے ہی تکلیف دہ بھی تھے......؟
اس کے اعصاب وائلنکے سخت تاروں کی مانند کھنچے ہوئے تھے، یکلخت تیز ہوا کا ایک جھونکا سا آیا تھا اور ہر چیز لہرا اٹھی، وسیع و عریض لان میں لگے

ڈھیر سارے درخت اور گملوں میں پڑے پودے سے لہلہا اٹھے اور پھر یکدم تیز بارش شروع ہو گئی، حبا نے سر اٹھا کر ٹپ ٹپ برستے آسمان کو دیکھا اور آس کے آنسو بھی بارش میں گھل مل گئے۔

''یہ تو طے ہے اسید مصطفیٰ! مجھے صرف تمہارا ہونا ہے، جب روح ہی تمہاری پابند ہو گئی تو یہ خاکی وجود کیسے کسی اور کو دان کر دوں۔'' اس نے خود کلامی کی۔

دل چاہ رہا تھا کہ اس تند و تیز برستی بارش میں دھاڑیں مار مار کر رو دے۔

تیمور احمد نے آج شام اسے اپنے پاس بلایا تھا، وہ کچھ حیران سی تھی۔

''جی پاپا! آپ نے بلایا تھا۔'' اس نے ان کی اسٹڈی میں داخل ہو کر کہا۔

تیمور احمد نے سر اٹھا کر اسے دیکھا اور چشمہ اتار کر اسٹڈی ٹیبل پر رکھ دیا، پھر سامنے پڑے کاغذات سمیٹے اور لیپ ٹاپ آف کر دیا۔

اس نے حیرانگی سے ان کے اقدامات کو دیکھا مگر بولی کچھ نہیں۔

''آؤ بیٹھو۔'' انہوں نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا، وہ آہستگی سے چیئر پر ٹک گئی۔

''فیروز بخاری کو تو جانتی ہیں نا آپ؟ انہوں نے اپنے بیٹے اسفر کا پرپوزل دیا ہے۔'' انہوں نے کہہ کر اس کا چہرہ جانچا، وہ خاموشی سے انہیں دیکھتی رہی۔

''میں چاہتا ہوں کہ تم ہاں کر دو۔''

''مگر پاپا! ابھی میری اسٹڈیز......'' حبا کی بات ادھوری رہ گئی۔

''ابھی ہم صرف انگیج منٹ کریں گے، شادی آپ کی اسٹڈیز کے کمپلیٹ ہونے کے بعد ہی رکھی جائے گی۔'' انہوں نے قطعیت سے کہا، وہ خاموشی سے انہیں دیکھتی رہی۔

''کل شام میں نے انہیں بھی بلایا ہے، تم اسفر سے مل لینا۔'' انہوں نے گویا بات ہی ختم کر دی۔

کل شام ایک خالصتاً بزنس ڈنر تھا جو تیمور احمد نے اپنی نئی مل کی سنگ بنیاد رکھے جانے کی خوشی میں دیا تھا۔

وہ خاموشی سے اٹھ گئی تھی، اندر باہر ایک طوفان اٹھ گیا تھا اور تب سے اب تک وہ بس سوچ رہی تھی اور حیران تھی کہ انہوں نے ایک بار بھی اس سے پوچھنا یا رائے لینا ضروری نہیں سمجھا تھا۔

بارش تیز تر ہو چکی تھی، اس نے دونوں مٹھیوں میں بھیگے بال جکڑے اور نظر اٹھا کر برستے آسمان کو دیکھا، آنسوؤں میں یکدم ہی اضافہ ہوا تھا، اس کی نظر آسمان سے ہٹتی ہوئی دوسرے پورشن میں موجود اسید کے کمرے کے ٹیرس پر پڑی اور ایک لمحے کو وہ حیرت و اذیت کی زیادتی سے سن سی ہو گئی، ٹیرس کی لائٹ آف تھی لیکن وہ وہاں موجود تھا اور اس کا ثبوت وہ سگریٹ کا ننھا سا جلتا شعلہ تھا جو کہ یقیناً اسید کے ہاتھ میں تھی۔

''تو یہ تب سے میرا تماشا دیکھ رہا ہے۔'' اس نے لب کاٹتے ہوئے سوچا، دل میں جیسے الاؤ دہک اٹھے تھے، اگلے ہی لمحے وہ دوڑتی ہوئی اندر کی طرف چلی گئی۔

☆☆☆

وسیع و عریض لاؤنج میں ایک ہنگامہ برپا تھا، آج ایاز کی مہندی کا فنکشن تھا، فنکشن کا انعقاد لان میں تھا جس کی حالت ہی بدل گئی تھی ایونٹ آرگنائزرز کے ہاتھ لگنے سے، لیکن چونکہ ابھی تقریب شروع ہونے میں دیر تھی، اس لئے سب لاؤنج میں موجود تھے ماسوا لڑکیوں کے، ان کی تیاری تو آخری دم تک مکمل نہیں ہو سکتی تھی، فوٹو گرافر کے فرائض چونکہ شاہ بخت کو انجام دینے تھے اس لئے اس وقت بھی وہ اپنا ہینڈی کیم سنبھالے تیز تیز سیڑھیاں چڑھ رہا تھا ارادہ آمنہ بھابھی کے کمرے میں بلہ بولنے کا تھا، جہاں سب لڑکیاں ہار سنگھار میں مصروف تھیں، آمنہ بھابھی کے کمرے کا دروازہ نیم وا تھا، وہ اندر داخل ہوا تو چکرا کر رہ گیا، وہاں تو عجیب ہی منظر تھا، سب سے پہلے اس کی نظر کومل پر پڑی، نامکمل ہیر سٹائل اور ایک آنکھ پر میک اپ کیے، اس نے بخت کو دیکھ کر ایک طویل چیخ ماری، سب ہی ہڑبڑا کر سیدھی ہوئیں۔

''ہیں...... ہائیں کیا ہوا؟'' مختلف آوازیں، وہ لطف اندوز ہوتا ہوا سین پکچرائز کرنے لگا، رمشہ منہ پر کوئی ماسک لگائے مزے سے آنکھیں بند کیے چیئر پر نیم دراز تھی، عجیب الخلقت کھلی سی شلوار اور بدرنگ سی قمیض میں اس کا حلیہ دیکھنے لائق تھا، ہادیہ جو کہ کزن تھی نیم بگڑے ہیر سٹائل کے ساتھ ہونق سی اسے دیکھ رہی تھی، خود آمنہ بھابھی کو جانے کون سا لہنگا یا شہرارہ یا غالباً ساڑھی زیب تن کرنی تھی وہ تنگ سے پاجامے اور چولی میں ملبوس تھیں، جیسے ہی رمشہ کی نظر اس پر پڑی، وہ خونخوار نظروں سے اس کو دیکھتی اس کی طرف بڑھی۔

''بخت دفع ہو جاؤ، بخت میں کہہ رہی ہوں، دفع ہو جاؤ۔'' وہ بھرپور آواز سے چلائی۔

''بالکل نہیں، اتنے پیارے مناظر میں قطعاً مس نہیں کر سکتا۔'' وہ قہقہہ لگاتے ہوئے بولا۔

''شرم کرو...... بدتمیز...... جاؤ یہاں سے۔'' رمشہ نے اسے واپس دھکیلا، وہ کیمرے سے دیکھتا الٹے قدموں پیچھے ہٹا۔

''دیکھنا، میرے کیمرے کا رزلٹ، اتنا صاف، تم خوشی سے پاگل ہو جاؤ گی۔'' وہ پھر ہنسا۔

رمشہ نے پوری طاقت سے اسے کمرے سے دھکیلا اور زوردار آواز کے ساتھ دروازہ بند کر دیا، وہ ہنستا ہوا واپس مڑا اور پوری شدت سے اپنی جھونک میں اندر آتی علینہ سے ٹکرا گیا، ایک طویل نسوانی چیخ ابھری اور علینہ کے ہاتھ میں پکڑا پھولوں اور گجروں سے بھرا تھال زوردار آواز کے ساتھ زمین بوس ہوا تھا اور وہ خود ماتھے پر ہاتھ رکھ کر گھٹنوں کے بل زمین پر گر گئی، شاہ بخت کا رنگ تیزی سے بدلا۔

''اوہ گاڈ! علینہ تم، ٹھیک ہو ناں۔'' وہ پریشانی سے پوچھنے لگا۔

''آپ دیکھ کر نہیں چل سکتے۔'' اس نے اپنی آنسوؤں سے بھری آنکھیں اٹھا کر باقاعدہ شاہ بخت کو گھورا۔

''آئندہ دیکھ کر چلوں گا، لاؤ تمہاری مدد کر دوں۔'' اس نے چمکتی نگاہوں سے جھلملاتے شرارہ سوٹ میں ملبوس علینہ کو دیکھا اور تیزی سے اِدھر اُدھر بکھرے پھول اور گجرے اکٹھے کر کے اس کے تھال میں ڈالنے لگا۔

علینہ نے خفا خفا نظروں سے اس کے گھنے بالوں سے بھرے سر کو دیکھا اور تھال اس سے لے لیا، شاہ بخت نے طویل سانس لے کر اس کی پشت کو دیکھا جو کہ آمنہ بھابھی کے کمرے میں جا رہی تھی، وہ اسی طرح ایک گھٹنا زمین سے ٹکائے دوسرا پاؤں کھڑا کیے بیٹھا تھا جب وقار بھائی کی آواز نے اسے چونکایا۔

''بخت! کیا کر رہے ہو یہاں بیٹھے؟ اٹھو بہت کام ہے نیچے۔'' وہ اسے ساتھ لے گئے، سیڑھیاں اترتے ہوئے وہ ان سے مخاطب ہوا۔

''بھائی! ایک بات پوچھوں؟''

''ہوں، پوچھو؟'' وہ حیران ہوئے اس کے انداز پر۔

''مجھے لگتا ہے کہ ایاز بھائی اس شادی سے خوش نہیں ہیں؟'' سادہ سے لہجے میں ڈھیروں سوال تھے، وقار کا دل ایک پل میں سکڑ کر پھیلا۔

''ٹھیک سمجھے ہو تم۔'' ان کے لہجے میں پریشانی تھی۔

''لیکن کیوں؟''

''پھر کبھی بات کریں گے۔'' وہ ٹال گئے، وہ ہونق بنا انہیں دیکھنے لگا، اسی وقت عباس اسے کھینچ کر لے گیا۔

مہندی کا فنکشن شروع ہو چکا تھا، یوں تو ایاز بے حد ضدی اور نخریلا شخص تھا جو کپڑوں پر گرد کا ذرہ بھی برداشت نہ کرتا تھا مگر آج وہ اس بری طرح قابو آیا تھا کہ قابل رحم لگ رہا تھا، وہ اپنے ہینڈی کیم سے ویڈیو بنانے میں مگن تھا جب وہ چھم سے سامنے آئی۔

مسکراتے چہرے اور چمکتے زرق برق اسٹائلش لباس میں۔

''بخت! میں کیسی لگ رہی ہوں؟'' وہ مسکرا دیا۔

''یو آر لوکنگ گڈ۔''

''تھینکس۔'' اس نے ادا سے تراشیدہ بالوں کو جھٹکا، اسی وقت علینہ وہاں آئی تھی۔

''رمشہ آپی! آپ کو بڑی خالہ بلا رہی ہیں۔'' وہ عجلت میں تھی۔

''اوفو، آتی ہوں۔'' رمشہ نے بخت کی طرف دیکھا مگر ایک پل میں ہی ٹھٹکی تھی۔

شاہ بخت کی نظریں بڑے والہانہ انداز میں علینہ کی طرف اٹھی ہوئیں تھیں۔

''بخت! ادھر آؤ۔'' عباس نے اسے آواز دی، وہ فوراً ہی پلٹا اور اس طرف مڑ گیا۔

صرف ایک پل کا احساس تھا، اس نے سر جھٹکا اور آگے بڑھ گئی۔

☆☆☆

آج اس کی شاپنگ مکمل ہو گئی تھی، چند دن بعد اس کی فلائٹ تھی، عینی کی شادی بھی کھٹائی میں پڑ چکی تھی، اماں کا کہنا تھا کہ انہیں ابھی کوئی جلدی نہیں، ستارا کے جانے کے بعد دیکھیں گے، وہ خود اتنی پریشان اور حراساں تھی کہ موقع ڈھونڈتی رونے کا اور بس، چھم چھم نیر بہائے جاتے، آج تو عائشہ آپی بھی آئی ہوئیں تھیں، وہ اس کی پیکنگ میں مدد کر رہی تھیں۔

''میں وہاں کیسے رہوں گی آپی؟'' وہ ہاتھ میں کوئی شال پکڑے پھر سے رو پڑی۔

''بس کر، پاگل، سسرال تو سب جاتے ہیں۔'' انہوں نے تسلی دی۔

''اتنا دور سسرال۔'' اس نے احتجاج کیا، وہ ہنس دی پھر اسے ساتھ لگا کر ڈھیرے ڈھیرے سمجھانے لگیں۔

''وہاں جا کر ہمیں نہ یاد کرتی رہنا، اپنے میاں کے ساتھ خوش رہنا اور اس کی ہر بات ماننا۔''

''جی نہیں صرف جائز بات۔'' اس نے اختلاف کیا۔

''بھئی اب تم سے باتوں میں کون جیتے، چلو جائز بات ہی مان لینا پر سنو، مردوں کو بحث و مباحثے کرنے والی عورتیں پسند نہیں ہوتیں، ایسا نہ ہو جیسا ادھر کرتی ہو ہر ایک کی بات پکڑنے پر تیار۔'' انہوں نے ڈانٹا۔

''میں ایسا کب کرتی ہوں۔'' وہ بسوری۔

''اچھا، کرنا بھی مت۔''

''آپی! ایک بات پوچھوں؟''

''ہوں کیا بات ہے؟''

''کیا مرد بہت سخت مزاج ہوتے ہیں؟'' ستارا نے ہچکچا کر کہا۔

''تم سے کس نے کہا؟'' وہ حیران ہوئیں۔

''وہ اس دن مہر ز کا فون آیا تھا نا تو وہ کہہ رہے تھے کہ......'' ستارا نے بات آدھی چھوڑ دی۔

''کہ......'' انہوں نے بھنویں سکیڑ کر پوچھا۔

''وہ بہت سخت مزاج ہیں اور......'' وہ جھجک کر رک گئی انہوں نے پیار سے اس کا گال تھپکا۔

''کچھ نہیں ہوتا، بیکار میں پریشان ہو رہی ہو، اگر وہ سخت مزاج ہے تو تم اسے نرم کر لینا۔'' وہ مسکراتے ہوئے اسے سمجھانے لگیں۔

وہ سر ہلا کر رہ گئی، دل تھا کہ انجانے خدشوں سے دھڑک دھڑک جا رہا تھا، مگر عائشہ کی تسلیاں بھی نظر انداز نہیں کی جا سکتی تھیں۔

☆☆☆

ناشتے کی میز پر اس نے تیسری بار اپنے ساتھ پڑی خالی کرسی کو دیکھا اور ہر بار ''نو کیئر'' سوچ کر پلیٹ کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''مرینہ خانم یہ حبا کہاں ہے؟'' تیمور نے چیئر گھسیٹ کر بیٹھتے ہی پوچھا۔

''بارش میں بھیگتی رہی ہے رات، اب فلو ہو رہا ہے اسے۔'' انہوں نے چائے ڈالتے ہوئے کہا۔

''جاؤ بلاؤ اسے۔'' تیمور احمد کی ہدایت پر وہ اٹھ گئیں، میز پر دو نفوس بالکل آمنے سامنے تھے اور بالکل خاموش، صرف چائے کی آواز اور برتنوں کی کھنک۔

''یہ لفظ ''سوتیلا'' کتنا برا ہے جس کے ساتھ لگتا ہے اسے بھی برا بنا دیتا ہے، جیسے میں...... آپ کا سوتیلا بیٹا...... مرینہ خانم کے پہلے شوہر کی نشانی...... میں آپ کا ''بیٹا'' بھی بن سکتا تھا، اگر آپ نے اس لفظ کو ہٹا دیا ہوتا تو......'' وہ سوچ رہا تھا اور آنکھوں میں جیسے دھند سی اترتی جا رہی تھی۔

''گڈ مارننگ پاپا۔'' حبا کی آواز پر وہ چونکا، وہ اس کے ساتھ والی چیئر پر بیٹھ گئی تھی۔

''مارننگ بیٹے۔'' وہ مسکرائے۔

''شام کے فنکشن کی تیاری ہے نا۔'' وہ پوچھنے لگے۔

''جی پاپا، مکمل تیاری ہے۔'' وہ متورم آنکھوں کے ساتھ مسکرائی، آنکھوں سے خطرناک ارادہ عیاں تھا، جسے اس کے سوا یقیناً ابھی کوئی نہیں جانتا تھا۔

اسید بہت خاموشی سے کانٹے کے ساتھ بریڈ کے پیس بنانے میں مصروف تھا۔

''حبا کیا لو گے بیٹے آپ؟'' مرینہ نے پوچھا۔

''چائے دے دیں ماما۔'' اس کے لہجے میں سستی تھی۔

''حبا! بیٹے آپ بریک فاسٹ لینے کے بعد کچھ دیر ریسٹ کر لینا شام کی آپ کو بالکل فریش نظر آنا چاہیے۔'' تیمور احمد کی ہدایت پر اس نے سر ہلایا اور لب بھینچ کر سوچا۔

''آپ کو میں شام کو ایسا فریش کروں گی کہ آپ بھی یاد کریں گے پاپا۔''

''اور بھئی صاحبزادے آپ کا کچھ کرنے کا موڈ ہے یا پھر عیاشیوں میں ہی وقت برباد کرنا ہے؟'' تیمور اب اسید سے مخاطب تھے لہجہ سخت تھا، وہ گڑبڑا گیا۔

''جی میں کوشش کر رہا ہوں۔'' وہ آہستگی سے بولا۔

''کرتے رہو کوشش، ہو ہی جاؤ گے کامیاب۔'' وہ طنزاً کہہ کر اٹھ گئے۔

اسید کا رنگ بدلا، وہ سر جھکائے خاموش بیٹھا رہا مبادا ناشتے کی میز پر کوئی تماشا لگ جائے ورنہ دل تو بہت چاہ رہا تھا کہ سخت سا جواب دے، ان کے جانے کے بعد وہ تینوں بیہ میز پر رہ گئے۔

''ماما! مجھے لاہور جانا ہے۔'' اسید نے کہا۔

''کیوں؟'' وہ بے ساختہ چونکیں۔

''کچھ کام ہے مجھے۔'' وہ مختصراً کہہ کر اٹھ گیا۔

''واپسی کب ہے؟''

''کل شام تک۔'' کرسی کے بیک پر دونوں بازو ٹکا کر وہ بولا۔

''آج رک جاؤ کل ہی چلے جانا، آج شام کی تقریب میں تمہارا ہونا ضروری ہے۔'' انہوں نے سجاؤ سے ٹوکا۔

''اس گھر کی کسی خوشی میں میری شمولیت ضروری نہیں ہے۔'' وہ سرد لہجے میں بولا۔

''اسید! بدتمیزی مت کرو، میں کہہ رہی ہوں ناں کل چلے جانا۔'' انہوں نے ڈانٹا۔

اور وہ بھی صرف مرینہ سے ہی تو دبتا تھا، اسی لئے پیر پٹختا وہاں سے چلا گیا۔

حبا نے طمانیت بھرا سانس لیا، آج کی تقریب میں واقعی اس کی شرکت لازمی تھی ورنہ وہ سب کیسے ہوتا جو حبا نے سوچ رکھا تھا۔

''ماما! آپ ہمیشہ کہتی تھیں نا کہ سچ بولنا چاہیے اور کسی کو دھوکا نہیں دینا چاہیے۔'' وہ مسکرا کر پوچھ رہی تھی۔

''بالکل میں تو اب بھی یہی کہتی ہوں، لیکن یہ تمہیں کیا سوجھی؟'' وہ شفقت سے بولیں۔

''میں نے فیصلہ کیا ہے ماما! مجھے آج صرف سچ بولنا ہے کیونکہ میں کسی کو دھوکہ نہیں دے سکتی۔'' وہ مطمئن تھی، وہ حیران ہوئیں۔

''کیا مطلب؟''

''مطلب بھی آپ کی سمجھ میں آ جائے گا، ذرا شام تو ہو لینے دیں۔''

''تم...... تم...... کیا کرنے جا رہی ہو؟'' انہوں نے جیسے کسی نادیدہ خطرے کی آہٹ محسوس کی۔

''پتا چل جائے گا آپ کو جلدی کیا ہے؟'' وہ خودسری سے بولی۔

چائے کا خالی کپ میز پر رکھا اور انہیں حیران و پریشان سا چھوڑ کر اٹھ کر کمرے میں چلی آئی۔

☆☆☆

''میں آپ سے کہہ رہا ہوں ناں کہ مجھے کوئی ڈیکوریشن نہیں کروانی، آپ کو پتا ہے کہ مجھے پھولوں سے کتنی الرجی ہے۔'' ایاز کی تیز آواز پر عباس ٹھٹک کر رکا۔

''وقت کی نزاکت کو سمجھو ایاز! ہر بات میں کیوں بحث کرتے ہو؟'' وقار کی پست آواز میں پریشانی تھی، عباس بے ساختہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔

''کیا بات ہے بھائی؟'' اس نے وقار سے کہا۔

''تم ہی اسے کچھ سمجھاؤ عباس! ایونٹ آرگنائزرز کی ٹیم آئی ہوئی ہے برائیڈل روم کی ڈیکوریشن کے لئے اور یہ کہہ رہا ہے کہ اسے ڈیکوریشن نہیں کروانی۔'' وقار نے ازحد پریشانی سے عباس کی مدد چاہی۔

''آپ کو پتا ہے مجھے پھولوں سے الرجی ہے۔'' ایاز جھلا گیا تھا، عباس نے کبیدہ خاطر ہو کر اسے دیکھا۔

''آپ غلط کہہ رہے ہیں ایاز بھائی، آپ کو ہر چیز سے الرجی ہے، ہم سے، اس گھر سے، اس ملک سے، یہاں کے لوگوں سے اور معذرت کے ساتھ کہوں گا شاید ہین بھابھی سے بھی۔'' عباس نے سرد لہجے میں کہا۔

ایک لمحے کو ایاز کا رنگ پھیکا پڑا تھا مگر وہ فوراً خود پر قابو پا گیا۔

''تم حد سے بڑھ رہے ہو عباس۔'' ایاز کا لہجہ کرخت ہوا تھا۔

''میں...... میں...... حد سے بڑھ رہا ہوں اور جو آپ کر رہے ہیں اس کا کیا؟ آپ تو یوں ری ایکٹ کر رہے ہیں جیسے گن پوائنٹ پر شادی کی جا رہی ہے آپ کی۔'' عباس کا لہجہ مزید گستاخ ہوا تھا۔

''ہاں زبردستی ہو رہی ہے میرے ساتھ ورنہ میں تو جا رہا تھا اس ملک سے، میں نے کب کہا تھا کہ میری شادی کرو، اور ایسے کون سے ہیرے جڑے ہیں ہین احتشام میں، جو میں اس کے ساتھ شادی ہونے کی خوشی میں میں سر پر ڈھول رکھ کے ناچنے لگوں، چاہتے کیا ہیں آپ سب مجھ سے؟'' ایاز بلند آواز میں دھاڑا تھا۔

''تو کس نے کہا تھا آپ کو ہاں کرنے کو۔'' عباس اس نے زیادہ بلند آواز میں چلایا تھا۔

وقار نے حیرت سے افسوس سے انہیں دیکھا اور عباس کو کندھوں سے تھام کر باہر دھکیلا۔

''حد ہو گئی، تم ہی کچھ لحاظ کر لو، جاؤ یہاں سے۔'' اسی وقت شاہ بخت اندر داخل ہوا۔

''کیا ہو رہا ہے؟ اتنی اونچی آواز میں کون بات کر رہا تھا؟'' اس نے حیرانی سے سب کی شکلیں دیکھیں۔

''بخت! اسے یہاں سے لے جاؤ، ورنہ یہ جھگڑ کر بیٹھیں گے آج۔'' وقار نے عباس کو بخت کے حوالے کیا۔

اس نے قدرے حیرانی سے ان کی بات سنی پھر فوراً ہی عباس کے ہاتھ تھامے اور باہر نکل گیا۔

کچھ دیر بعد دونوں شاہ بخت کے کمرے میں موجود تھا، وہ عباس کے پاس بیٹھا تھا اس کے شانوں پہ بازو دراز کیے۔

''مجھے آج احساس ہوا ہے کہ تم اس طرح کیوں ری ایکٹ کرتے ہو بخت! جب نواز بھائی کا ذکر چھڑتا ہے مجھے بھی آج اسی قسم کی تکلیف کا سامنا کرنا پڑا ہے، کتنے خودغرض ہیں ایاز بھائی مجھے یقین نہیں ہو رہا اور دیکھو وہ سارا الزام ہم پر دھر رہے ہیں کہ وہ یہ شادی کر کے ہم پہ احسان کر رہے ہیں۔'' عباس کے لہجے میں اذیت تھی، دکھ تھا، شاہ بخت لب بھینچے اسے دیکھتا رہا۔

''یہ تو قسمت کی بات ہے عباس، ورنہ سب کے بڑے بھائی تو ایسے نہیں ہوتے، وقار بھائی کی مثال تمہارے سامنے ہے۔''

''یہ تو ٹھیک کہا تم نے، مجھے تو ترس آ رہا ہے اس لڑکی کی قسمت پر جو ایاز بھائی کے پلے پڑنے والی ہے۔'' عباس کے لہجے میں تلخی تھی۔

''خود کو سنبھالو عباس، یہ ان باتوں کا وقت نہیں ہے مٹی ڈالو پھولوں پر۔'' شاہ بخت نے دھیرے سے اسے تسلی دی۔

''ایسا ہی کرنا پڑے گا اب تو، کس کس چیز پر مٹی ڈالوں، ہم ان کی خوشی منا رہے ہیں جنہیں خوشی ہے ہی نہیں۔'' وہ مایوسیت سے بولا۔

''اتنی حساسیت اچھی نہیں میرے بھائی، اب اٹھو ذرا ہم بھی تیاری کر لیں۔'' بخت نے ہلکے پھلکے انداز میں کہہ کر اسے اٹھایا، اسی وقت دھڑ سے دروازہ کھول کر رمشہ اندر داخل ہوئی۔

''اوفو عباس تم یہاں ہو، سب جگہ دیکھ لیا تمہیں نیچے چچا جان یاد کر رہے ہیں تمہیں اور بخت تم بھی تیار ہو جاؤ، تمہیں یاد دلا دوں کہ گاڑیوں کا سارا انتظام تمہیں ہی دیکھنا ہے۔'' وہ

کہتی ہوئی جتنی تیزی سے آئی تھی اتنی تیزی سے باہر نکل گئی، دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور ہنس پڑے، اس کی جلد بازی پر۔

''یہ بھی اپنے نام کی ایک ہی ہے۔'' عباس نے کہا اور قدم دروازے کی طرف بڑھا دیئے۔

حسب معمول سب تیار ہو کر گاڑیوں میں تھے اور لڑکیاں غائب۔

''میرے خدا!! امی جان اب آپ دیکھ لیں، تایا جان مجھے ڈانٹ رہے ہیں اور یہ بدتمیز لڑکیوں کے فیشن ہی مکمل نہیں ہو رہے۔'' وہ دانت پیستا لاؤنج میں بیٹھی ماں سے بولا اور دھڑ دھڑ سیڑھیاں چڑھتا گیا، زوردار طریقے سے دروازہ بجایا اور اندر داخل ہو گیا۔

''حد ہے بھابھی جان بس کیجئے اب۔'' اس نے دہائی دی ایک بے اختیار قہقہہ پڑا۔

''بس بس سب تیار ہے ہیں بخت چلو لڑکیو چلو سب نیچے۔'' آمنہ بھابھی نے سب کو ہدایت کی۔

''کیا بات ہے بخت بھائی، آپ تو پہچانے ہی نہیں جا رہے۔'' کومل نے ستائش سے کہا۔

حقیقتاً وہ بلیک ڈنر سوٹ میں غضب ڈھا رہا تھا۔

''پہچانی تو تم بھی نہیں جا رہیں؟'' بخت نے اس کے میک اپ سے چمکتے چہرے کو دیکھ کر طنز کیا۔

''کیا میں اچھی نہیں لگ رہی؟'' کومل رونے والی ہو گئی۔

''اے تم میری بہن کو کنفیوز کر رہے ہو؟'' رمشہ نے کہا، شاہ بخت نے آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھا۔

''تم کون ہو؟'' اس نے کمال کی ایکٹنگ کی۔

''او گاڈ، اب پہچاننے سے بھی انکار کر گئے۔'' رمشہ کو صدمہ ہوا، شاہ بخت نے بلند آ[واز] قہقہہ لگایا۔

''ہو گئی نا کنفیوز، تم لڑکیاں بھی نا اتنا [...] چہروں پر لگا کر بھی مطمئن نہیں ہوتیں کہ حسین [...] رہی ہیں یا نہیں اور سچ تو یہ ہے کہ یہ تو معصو[م] حسن ہے تم سب کا، نیچرل بیوٹی تو بہ ہے۔'' [...] نے مزے سے کہتے ہوئے علینہ کا بازو پکڑ [...] سامنے کیا، آف وائٹ اسٹائلش سی فراک [...] بال کھولے وہ بے پناہ معصوم اور خوبصورت [...] رہی تھی، صرف لبوں کا رنگ ہلکا گلابی چمکدار [...] رمشہ کی آنکھوں سے برق سی کوندا[...]

''بچیوں کے ساتھ تو مقابلہ مت کرو میرا [...] نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

''یہ کیا بحث کرنے لگے تم لوگ، چلو [...]'' آمنہ بھابھی نے کہا، سب سے پہلے رمشہ کمرے سے نکلی تھی۔

☆☆☆

ستارا کے جانے سے ایک دن پہلے [...] شاندار دعوت رکھی گئی تھی جس میں عزیز و اقارب [...] دوست احباب اور سسرال والے بھی شامل [...] اگلے دن اس کی فلائٹ تھی، پی آئی اے کی فلائ[ٹ] سے اسے پہلے کراچی پہنچنا تھا اس کے بعد [...] اور پھر سنگاپور۔

پیکنگ تقریباً مکمل تھی، صبح سے ہی وہ [...] ڈھونڈتی اور رونے بیٹھ جاتی، سب ہی [...] چکے تھے مگر بے سود، ایئرپورٹ روانگی کے [...] وہ رو رو کر پاگل ہو رہی تھی، الوداعی نظر [...] کے در و دیوار پر ڈالی اور نظر بھی کہ واپس [...] سے انکاری ہو گئی وہ بس گم صم سی دیکھتی [...] تک کہ عائشہ آپی اسے زبردستی کھینچ کر لے [...]

''آپی! میں کیسے رہوں گی آپ سب [...]

بغیر۔'' وہ ضبط کرتی ہارنے لگی تھی۔

''اُف تمہیں، ہاں پھر ڈھونے تو نہیں بھیج رہے، تمہارے میاں صاحب ہوں گے نا دل لگانے کو تمہارا۔'' عائشہ آپی نے جھلا کر کہا، وہ بے اختیار ہنس پڑی، آنسوؤں کے بیچ ہنسی بڑی بھلی لگی تھی عائشہ کو۔

''شکر ہے تم مسکرائیں تو۔'' وہ اسے سمجھانے لگیں۔

رخصتی کے سمے وہ ایک بار پھر بے اختیار ہو گئی تھی، ڈیپارچر لاؤنج سے پلین تک جاتے ہوئے وہ بے حد کنفیوز تھی۔

کراچی سے بنکاک کی فلائٹ پانچ گھنٹوں کی تھی، بنکاک میں ان کا ڈیڑھ گھنٹے کا اسٹاپ تھا اور اس کے بعد سنگاپور تک کا سفر صرف اتنا ہی تھا جتنا کہ کراچی سے اسلام آباد کا سفر تھا۔

پلین نے سنگاپور کے سات منزلہ ائرپورٹ پر لینڈ کیا تو ستارا کے دل میں عجیب سی پکڑ دھکڑ شروع ہو گئی، اپنوں سے بچھڑنے کا افسوس تھا تو ایک اجنبی اور اپنا پن جتانے والے سے ملنے کی خوشی بھی تھی۔

کسٹم اور امیگریشن سے فارغ ہو کر وہ آئی تو بے انتہا کنفیوز تھی، بے دردی سے لب کچلتے ہوئے اس نے چاروں طرف نظر دوڑائی اور نظر ناکام پلٹ آئی، اجنبی دیس، ناشناسا لوگ اور یہ دربدری اسے رونا آنے لگا، خشک لبوں کو تر کرتے ہوئے اس نے پلکیں جھپک کر پھر اِدھر اُدھر دیکھا، کسی کو نہ پا کر جیسے پھر سے حوصلہ ہارنے لگی، تبھی تیز قدموں سے چلتا وہ اس کے سامنے آیا تھا۔

''ستارا!'' مردانہ آواز پر وہ بے ساختہ چونکی نظر اٹھا کر دیکھا تو وہ سامنے تھا، گندمی رنگت، ایشائی نقوش اور کھلی مسکراہٹ، وہ اتنا خاص نہیں تھا مگر ستارا کے لئے سب سے خاص تھا، کیونکہ وہ ''مہروز کمال'' تھا۔

''اسلام علیکم۔'' وہ مسکرائی بے اختیار۔

''وعلیکم السلام۔'' مہروز نے مسکرا کر کہا اور اس کا جائزہ لیا، لانگ شرٹ اور ٹراؤزر میں سلیقے سے بالوں کی چوٹی باندھے جو کہ اس کے گھٹنوں کو چھو رہی تھی، دوپٹہ سینے پہ پھیلائے وہ اس کے دل کو چھو گئی۔

''چلیں۔'' مہروز نے کہا، ستارا نے اثبات میں سر ہلایا، کچھ دیر بعد وہ مہروز کی گاڑی میں محو سفر تھے، ستارا خاموش تھی، بے حد خاموش یوں جیسے کرنے کو ساری باتیں ختم ہو گئی ہوں، اس کے بائیں پہلو میں شور تھا بے پناہ شور اور وہ اس کو دبانے میں ناکام تھی، جھکے ہوئے سر کے ساتھ لبوں پر ایک دھیمی سی مسکراہٹ تھی۔

ڈرائیو کرتے ہوئے مہروز نے بارہا نظر اٹھا کر اسے دیکھا، گھر کے نزدیک پہنچ کر اس نے گاڑی روکی اور دروازہ کھول کر باہر آ گیا، اس کی طرف کا دروازہ کھولا اور ہاتھ آگے بڑھایا۔

''آؤ ستارا۔'' ستارا نے مسکرا کر اسے دیکھا اور ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیا۔

☆☆☆

''حبا'' صرف دو ماہ کی تھی جب تیمور احمد نے دوسری شادی کے لئے ہاں کر دی تھی، نوشین سے ان کی لو میرج ہوئی تھی حبا کی پیدائش پر نوشین کی وفات نے انہیں اندر سے توڑ دیا تھا، اماں بوڑھی ہو چکی تھیں اور حبا کو سنبھالنا قطعاً ان کے بس کی بات نہیں تھی، صرف دو ماہ بعد ہی تیمور ان کی پریشانی اور اذیت کے آگے ہار گئے، مرینہ نے صرف اس شرط پر شادی کے لئے ہاں کی تھی کہ وہ ان کے بیٹے اسید کو بھی قبول کر لیں، وہ حبا کو سگی ماں سے بڑھ کر چاہیں گی، تیمور نے حامی

بھر لی تھی یوں مرینہ، مسز تیمور بن کر اس گھر میں آ گئیں، اس وقت اسید صرف پانچ سال کا تھا، مرینہ کی پہلی شادی مصطفیٰ سے ہوئی تھی، شادی کے دو سال بعد وہ اس وقت بیوہ ہو گئیں جب اسید صرف آٹھ ماہ کا تھا، مصطفیٰ ایک کار ایکسیڈنٹ میں وفات پا گئے تھے، یوں تو بیوگی کے بعد ان کے لئے کئی پیغام آئے مگر وہ ماں کرنہ دیں، وہ کسی صورت اسید کو خود سے الگ نہیں کر سکتی تھیں، وہ چاہتی تھیں کہ کوئی ایسا شخص ہو جو ان کے ساتھ ان کے بیٹے کو بھی اپنا لے۔

تیمور احمد نے انہیں ہر طرح سے تسلی دی تھی، جبھی وہ ان کی زندگی میں آ گئیں، حالانکہ اگر دیکھا جاتا تھا عام سے نین نقش لئے اور خسارے میں جاتا کاروبار بظاہر اس پرپوزل میں کئی خامیاں تھیں، خاص طور پر مرینہ کے والد کے اس حوالے سے کئی تحفظات تھے مگر مرینہ کی وجہ سے انہیں ماننا پڑا۔

اسید بے حد ناز و نعم سے پلا بچہ تھا، ماموں اور نانا، نانی نے اس کی ہر جا بے ضد اور خواہش پوری کی تھی، مرینہ کو امید تھی کہ یہاں بھی اسے اتنے ہی پیار سے رکھا جائے گا، ایسا ہوا بھی شروع میں سب ٹھیک رہا، بے شک تیمور نے اسید کو باپوں والا پیار نہیں دیا مگر مرینہ کے لئے اتنا ہی بہت تھا کہ وہ اسے حبا کے برابر سمجھتے تھے، اگر حبا کے لئے کچھ لاتے تو لازی اسید کے لئے کچھ نہ کچھ خریدتے اسے بہترین سکول میں داخل کرایا گیا، مگر یہ بہت آغاز کی باتیں تھیں، جوں جوں حبا بڑی ہوتی گئی تیمور کا رویہ بدلتا گیا، حبا بالکل اپنے باپ جیسی تھی، سانولی رنگت اور عام سے نین نقش وہ دن تو بہت خاص تھا جب حبا پہلے دن اسکول جا رہی تھی صاف ستھرے یونیفارم میں جگمگ کرتے چہرے کے ساتھ وہ تیمور کو ہمیشہ سے زیادہ پیاری لگی۔

وہ ناشتے کی میز پر تھے، انہوں نے بازو پھیلا کر اسے اپنے پاس بلایا۔

”حبا! میرے پاس آؤ بیٹے۔“ اسی وقت شرارت سے اسید نے بھی انہیں پھیلا دیں۔

”بہنا میرے پاس آئے گی۔“ اور حبا بے ساختہ دوڑتی ہوئی آٹھ سالہ اسید کی کھلی بانہوں میں سما گئی۔

تیمور کا چہرہ غصے اور توہین سے سرخ پڑ گیا، اسید نے حبا کے گالوں پہ پیار کیا اور مرینہ سے مخاطب ہوا جو مسکراتے چہرے کے ساتھ یہی فیملی کا سین ملاخط کر رہی تھیں۔

”ماما! بہنا کتنی پیاری لگ رہی ہے اب یہ میرے ساتھ اسکول جائے گی ناں۔“

”جی بیٹے، یہ آپ کے ساتھ اسکول جائے گی۔“ انہوں نے تصدیق کی، حبا کے معصوم چہرے پر عجیب سی خوشی پھیلی۔

”بھائی ساتھ اسکول۔“ اس نے ٹوٹی پھوٹی زبان میں کہا۔

”حبا!“ تیمور نے سرد لہجے میں پکارا اور اس کا بازو کھینچ کر الگ کر لیا۔

”یہ تمہارا بھائی نہیں ہے، سنا تم نے، میں نے کیا کہا ہے یہ تمہارا بھائی نہیں ہے۔“ وہ بلند آواز میں چلائے تھے۔

مرینہ کا رنگ زرد پڑ گیا، یہ کیا کرنے جا رہے تھے، وہ ان دو معصوموں کے ذہن میں کیا غلط سلط بھرنے جا رہے تھے وہ۔

”تیمور کیا ہو گیا ہے آپ کو۔“ وہ بے ساختہ بول پڑیں، لہجہ تیز و تند تھا۔

”شٹ اپ ٹھیک ہی تو کہا میں نے، حبا بیٹے آپ کا کوئی بھائی نہیں ہے، اللہ میاں نے آپ کو بھائی نہیں دیا، ٹھیک ہے نا اور اسید آپ کا

بھائی نہیں ہے۔“ انہوں نے پیار سے حبا کو گود میں بٹھا لیا۔

اسید فق رنگت کے ساتھ سب سن رہا تھا، مرینہ تو حیرت کی زیادتی سے گنگ تھیں، اللہ نے انہیں تیمور سے کوئی اولاد نہیں دی تھی، یہ درست تھا مگر انہوں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ تیمور اس بات کو لے کر اس طرح ری ایکٹ کریں گے۔

اس دن اسکول میں وہ گم صم تھا، ہر سوچ بس یہاں آ کر رک جاتی تھی کہ ”حبا کا بھائی نہیں ہے۔“ بریک میں وہ حبا کی کلاس میں گیا تو وہ خاموشی سے ڈیسک پر بیٹھی ٹانگیں جھلا رہی تھی، وہ آہستگی سے اس کے نزدیک بیٹھ گیا، وہ اسے دیکھ کر چونکی پھر عجیب سے انداز میں بولی۔

”اسید بھائی نہیں، پاپا نے کہا، اسید بھائی نہیں۔“ وہ دہرا رہی تھی، بچے ذہن پر تحریر بہت پختگی سے نقش ہوئی تھی، اسید اسے دیکھتا رہا خود پہ ضبط کیے پھر بے ساختہ سسک پڑا۔

”میں تمہارا بھائی نہیں ہوں ناں حبا تو وہ بھی میرے پاپا نہیں ہیں۔“ وہ روتے ہوئے اٹھ گیا۔

گھر آ کر اسے تیز بخار ہو گیا تھا، مرینہ بے حد پریشان تھیں، وہ کچھ نہ بولتا بس خاموش رہتا ورنہ رونے لگتا، مرینہ بے قرار ہو کر پوچھتیں کہ ”کہاں درد ہے؟“ وہ کوئی جواب نہ دیتا، بس روتا رہتا، آہستہ آہستہ وہ ٹھیک ہونے لگا، روٹین معمول کے مطابق سٹارٹ ہو گئی، مگر اسے احساس ہو گیا تھا کہ یہ گھر اس کا نہیں، تیمور اس کے باپ نہیں اور نہ ہی حبا اس کی بہن ہے، اتنی کم عمری میں اتنا سوچنا، ٹینشن اور پریشان کن خیالات، وہ جیسے پاگل ہونے لگا اب وہ حبا کے ساتھ کھیلتا نہیں تھا، نہ ہی اس کے گالوں پہ پیار کرتا تھا۔

تیمور احمد نہیں جانتے تھے کہ ان کے منہ نکلی چھوٹی سی بات نے کس طرح اس کے معصوم ذہن کو بدلا تھا۔

تبدیلی کا عمل شروع ہو گیا تھا بہت آہستہ آہستہ اور کوئی نہ جان سکا کہ بظاہر نرم مزاج ہمدرد اور خوبصورت سے اسید مصطفیٰ کے اندر کیسا انسان بن چکا ہے۔

☆☆☆

ڈھیر ساری سالیوں کے نرغے میں وہ بہت پر اعتماد سا بیٹھا تھا، اس کے سرد اور طنزیہ جوابات نے ان سب کو خود میں سمٹنے پر مجبور کر دیا تھا ورنہ ”دودھ پلائی“ کا پروگرام مزید طول کھینچتا، وقار بھی قصداً خاموش تھے، وہ نہیں چاہتے تھے کہ کوئی ایسی بات ہو جائے جس پر وہ ٹمپر لوز کر جائے، عباس کے ساتھ صبح ہونے والی منہ ماری کے بعد وہ اب تک بالکل خاموش رہا تھا اور یہ ایاز کا وصف نہیں تھا کہ وہ اتنا ضبط کر لیتا، شاید اسے بھی آج کے دن کا خیال تھا ورنہ وہ قطعاً ادھار رکھنے کا قائل نہیں تھا۔

نکاح کی تقریب ہوئی اور کھانا لگا دیا گیا، کھانے کے بعد دلہن کے آنے کا غلغلہ اٹھا، وقار کے اشارہ کرنے پر وہ خاموشی سے اٹھ کھڑا ہوا ورنہ دل تو قطعاً نہ چاہ رہا تھا۔

ڈیپ ریڈ لہنگے میں سبین احتشام واقعی دیکھنے کے قابل لگ رہی تھی دلہناپے کا روپ ٹوٹ کر برسا تھا، مووی اور فوٹو سیشن کا سلسلہ شروع ہوا تو ختم ہونے کا نام ہی نہ لے رہا تھا، یہاں تک کہ ایاز کو خود وقار سے کہنا پڑا کہ اب بس کر دیجئے۔

ایک ہنگاموں بھرے دن کے بعد سبین احتشام، سبین ایاز بن کر اس گھر میں آ گئی۔

”مغل ہاؤس“ میں سبین کا استقبال بے حد

پرجوش انداز میں کیا گیا تھا۔
رمشہ کی آواز بے حد خوبصورت تھی اس نے جب اپنی سریلی آواز کا جادو جگایا تو ہر ایک نے داد دی تھی، شاہ بخت نے ہر لمحے کو ہینڈی کیم پر محفوظ کرلیا تھا۔

جھوٹے تیرے نین
تیرے نیناں
کیا کروں، جھوٹے تیرے نیناں

رمشہ نے گاتے ہوئے براہ راست شاہ بخت کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے جیسے طنز میں لپیٹ کر گیت کے بول منہ پہ مارے تھے۔
وہ ہنستے ہوئے مووی بناتا رہا، دیر تک یہ محفل جمی رہی ہنسی مزاح، قہقہے اور شوخ باتیں اور ایسے میں رک رک کر دھڑکتا سبین ایاز کا دل، آخر کار آمنہ بھابھی اور رمشہ اسے اٹھا کر ایاز کے کمرے میں بٹھا گئیں تھیں۔
ان کے جانے کے بعد سر اٹھا کر کمرے کا جائزہ لیا تو چند لمحے حیرت کے مارے وہ گن سی رہ گئی، سادہ سا کمرہ، لائٹ پنک اور ٹی پنک کمبنیشن سے سجا ہوا تھا کہیں سے بھی نہیں لگتا تھا کہ اسے کسی دولہن کے استقبال کے لئے تیار کیا گیا ہے، حد تو یہ کہ کمرے میں ایک پھول تک نہیں تھا، اس کی نظریں سارے کمرے سے ہوتی ہوئیں دیوار پہ ٹنگی انلارج فوٹو پر آٹھہریں، ایاز کے چہرے پر ایک سرد سا تاثر تھا، دراز قامت بے حد نمایاں تھی، بھوری آنکھوں کی چمک ایک مغرورانہ تاثر لئے ہوئے تھی، ماتھے کی شکن، تلخ مزاجی اور غصیلے پن کی گواہ تھی، وہ چند پل یک ٹک دیکھتی رہی پھر سر جھکا دیا۔

☆☆☆

ایاز اٹھ کر چلا گیا تھا، مگر وہ تب سے وہیں محفل جمائے بیٹھے تھے، وقار بھائی بھی بے حد تھکے ہوئے تھے اس لئے سونے کے لئے اٹھ گئے کچھ دیر بعد آمنہ بھابھی بھی جمائیاں لیتی اٹھ گئیں۔
"میں بھی اٹھوں زین کو دیکھوں، وقار کو تنگ کر رہا ہوگا۔" انہوں نے اپنے چار سالہ بیٹے کا نام لیا۔
"زین کا تو بہانہ ہے یوں کہیں کہ وقار بھائی کو دیکھنا ہے۔" شاہ بخت نے فقرہ کسا، سب ہنس دیئے، وہ جھینپ گئیں۔
اب صرف عباس، شاہ بخت، رمشہ، کومل، دیبا آذر اور علینہ رہ گئے تھے۔
"ویسے دونوں کی جوڑی بہت پیاری ہے۔" رمشہ نے کمنٹ دیا۔
"ہاں اور اسپیشلی سبین بھابھی تو بہت پیاری لگ رہی تھیں۔" عباس نے ستائش سے کہا۔
"تمہارا مطلب ہے ہمارا دولہا اچھا نہیں تھا۔" آذر نے اسے گھورا۔
"نہیں اچھا تو تھا، مگر ان کے قابل نہیں۔" دوسرا فقرہ عباس نے زیر لب کہا، صرف بخت ہی سن سکا تھا۔
بخت نے قدرے تنبیہی نظروں سے اسے دیکھا جیسے کہہ رہا ہو خود پہ قابو پاؤ۔
اسی وقت علینہ اٹھ گئی، چہرے سے ہی تھکن نمایاں تھی۔
"میں تو جا رہی ہوں۔" اس نے کہا اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔
ابھی وہ کاریڈور میں ہی تھی جب شاہ بخت نے اسے جالیا۔
"ایک منٹ عینا۔" اس نے فوراً اسے روکا۔
"عینا!" علینہ نے حیرت سے زیر لب دہرایا۔
"تمہارا نک نیم، تمہیں اچھا نہیں لگا۔" وہ مسکرا کر اس کے مقابل آیا۔
علینہ نے حیرت سے سر اٹھا کر اسے دیکھا، ناگواری کی تحریر پوری وضاحت کے ساتھ اس کے چہرے پر نقش ہوگئی تھی، اس نے محسوس کرلیا تھا مگر دانستہ نظر انداز کر گیا۔
"کہیے۔" علینہ نے سرد لہجے میں کہہ کر اُن کا چہرہ دیکھا۔
"مجھے تمہاری کچھ اسنیپس لینی ہیں۔" اس نے ہینڈی کیم کی طرف اشارہ کیا، علینہ کا چہرہ غصے کی زیادتی سے سرخ پڑ گیا۔
"کیوں؟" اس نے تلخ لہجے پوچھا، وہ ٹھٹکا۔
"کیا مطلب کیوں؟" وہ حیرت سے بولا۔
"وہی تو میں پوچھ رہی ہوں کہ آپ کو میری تصویریں کیوں لینی ہیں۔" اس نے اپنے طیش پر بمشکل قابو پایا۔
"سارے فنکشن میں تم ہاتھ ہی نہیں آئیں تو میں نے سوچا کہ......" علینہ نے اس کی بات کاٹ دی۔
"آپ کو میرے بارے میں سوچنے کی ضرورت نہیں۔" اس کے لہجے میں محسوس کی جانے والی سرد مہری تھی۔
وہ تیزی سے آگے بڑھی، وہ اتنی ہی پھرتی سے راہ میں حائل ہوگیا، علینہ نے حیرت سے اس کا چہرہ جانچا۔
"آپ میرے چچا زاد ہیں شاہ بخت اور میں آپ کا بہت احترام کرتی ہوں، براہ مہربانی ایسی حرکتوں سے گریز کیجیے جن سے میرے دل میں آپ کا احترام ختم ہو جائے، میری تصاویر بنی ہیں یا نہیں اس سے آپ کو کوئی سروکار نہیں ہونا چاہیے اب رستہ دیجئے مجھے جانا ہے۔" وہ پھنکار سے مشابہ آواز میں بولی تھی اور تیزی سے آگے بڑھ گئی اگر وہ درمیان سے نہ ہٹتا تو لازماً ٹکراؤ ہو جاتا، اس کے جانے کے بعد بھی وہ ساکت سا کھڑا تھا۔

(باقی آئندہ)

دوسری قسط

ذلت واہانت کے شدید ترین احساس نے چندلمحوں کے لئے اسے فریز سا کر دیا تھا۔

''میں......یعنی کہ شاہ بخت مغل......اتنی سی لڑکی کے ہاتھوں اتنی انسلٹ اوہ گاڈ! اس نے مجھے سمجھا کیا ہے؟'' حیرت اور اہانت کے بعد اسے شدید ترین طیش نے آلیا۔

وہ چند لمحے اس کے کمرے کے بند دروازے کو گھورتا رہا پھر، شدید غصے کی حالت میں زور سے دیوار پر مارا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا آگے بڑھ گیا۔

☆☆☆

دروازہ آہستگی سے کھلا تھا، سین نے جھکے سر کے ساتھ اندر آنے والے کے پیر دیکھے، دروازہ بند ہوا اور اس کے ساتھ ہی لاک بھی، قدموں کی چاپ وارڈ روب تک جا کر ٹھہر گئی، غالباً ایزی ڈریس ڈھونڈا جا رہا تھا، کچھ دیر بعد واش روم کا

ناولٹ

دروازہ بند ہونے کی آواز آئی، پھر دروازہ کھلا اور وہ بال بنانے کے بعد اس کے سامنے آ بیٹھا، سین کا دل جیسے سینہ توڑ کر باہر آنے کو بے تاب ہونے لگا تھا۔

''اس شادی میں میری مرضی شامل نہیں تھی۔'' ایاز نے بہت اطمینان کے ساتھ اس کے سر پر بم پھوڑا تھا وہ سر اٹھا کر ساکت سی اسے دیکھتی رہی۔

''تم خود سوچو سین! ایسا شخص جو اپنی زندگی کا ہر فیصلہ خود کرتا ہے وہ زندگی کے اتنے بڑے معاملے میں اپنے والدین کے فیصلے کو کیسے قبول کر سکتا ہے، اگر بات یہاں تک رہتی تب بھی ٹھیک تھا لیکن سچ تو یہ ہے کہ میں بہت خود پسند ہوں، میں چاہتا ہوں کہ میری لائف پارٹنر ایسی ہو جو میرے اسٹیٹس میں موو کر سکے اور مجھے تم میں ایسی کوئی خوبی نظر نہیں آتی، تم خود سوچو، انصاف کرو،

کیا یہ تمہارے ساتھ ظلم نہیں ہے کہ تمہیں جانتے بوجھتے ایک ایسے شخص سے وابستہ کر دیا گیا ہے جسے تمہارے وجود میں، تمہاری ذات میں کوئی دلچسپی ہی نہیں ہے، آج سے ٹھیک دس دن بعد میری نیویارک کی فلائٹ ہے اور اس بات کی بھی کوئی گارنٹی نہیں کہ میں واپس آؤں، ہوسکتا ہے میں واپس آؤں، ہوسکتا ہے میں واپس ہی نہ آؤں۔'' کتنے آرام سے وہ اس کی ذات کے بخیئے ادھیڑ گیا تھا۔

''تو آپ نے انکار کیوں نہیں کر دیا؟'' وہ ساری شرم وحیا بالائے طاق رکھ کر بولی، وہ ایک لمحے کو چونکا۔

''کیا تھا مگر یہ رشتے انسان کو بہت بری زنجیر کر لیتے ہیں۔'' ایاز نے بہت سکون سے کہا تھا۔

''تم چیلنج کرلو، میری طرف سے بے فکر ہو جاؤ، میں تمہیں قطعاً ہاتھ نہیں لگاؤں گا صرف اس لئے نہیں کہ میں اپنی سطح سے نیچے آنا پسند نہیں کرتا بلکہ اس لئے بھی کہ جب مجھے تمہیں اپنے نام سے بسانا ہی نہیں تو میں تمہیں پامال نہیں کر سکتا۔'' وہ سکون سے کہہ کر ایک طرف دراز ہو گیا۔

وہ حیا سے کٹ سی گئی تھی، خاموشی سے اٹھی اور ڈریسنگ کی سمت آ کر سب کچھ اتارنے لگی، کزنز اور دوستوں کی شوخیاں اور شرارتیں یاد آئیں تو لبوں پر ایک افسردہ مسکراہٹ آ گئی، اس نے آئینے سے بیڈ پر دراز ایاز احمر کو دیکھا اور پھر اس کی انلارج تصویر کو، دونوں میں بالکل فرق نہیں تھا، وہ ویسا ہی تھا جیسا تصویر میں نظر آتا تھا، مغرور، بے حس اور سفاک مگر منصف مزاج، اسے کوئی دکھ نہیں تھا بلکہ وہ اس شخص کی شکر گزار تھی جس نے کم از کم اس نے سچ تو بولا تھا، اس نے کم از کم منافقت تو نہیں کی تھی۔

☆☆☆

ولیمہ بخیر و خوبی انجام پایا تو شادی کے ہنگامے تھم گئے، اس وقت گھر کے سب افراد ناشتے کی میز پر موجود تھے۔

''کتنا ذائقہ ہے آپ کے ہاتھ میں بھابھی! کاش آپ کی کوئی بہن میری ہم عمر ہوتی۔'' یہ عباس تھا جو کہ پراٹھے سے انصاف کرتے ہوئے سبین کی تعریفوں میں رطب اللسان تھا ساتھ ہی ایک جتاتی ہوئی نظر ایاز پر بھی ڈالی تھی۔

اس کی بات پر ایک جاندار قہقہہ پڑا تھا، سبین کی دونوں چھوٹی بہنیں جڑواں تھیں اور سبین سے کافی چھوٹی تھیں۔

''افسوس! اب کیا ہوسکتا ہے؟'' تلخ اور کسی قدر چبھتا لہجہ ایاز تھا۔

عباس نے کسی قدر چونک کر ایاز کی طرف دیکھا، بظاہر عام سے لہجے میں کہی گئی یہ بات ہرگز عام نہ تھی، ایاز کی نگاہوں میں بدگمانی اور شک کے تیرتے بادل اسے ایک لمحے میں جامد کر گئے تھے۔

''چلیں پھر میں دعا کروں گا کہ اللہ مجھے بھی ایسی سگھڑ اور گھریلو سی لڑکی معجزاتی طور پر عطا کر دے۔'' عباس نے ہلکے پھلکے لہجے میں کہا۔

اس وقت وہ نہیں جانتا تھا کہ بعض لمحات قبولیت کے ہوتے ہیں۔

صرف دو دن بعد ایاز کی نیویارک کی فلائٹ تھی، گھر میں اس مسئلے کو لے کر خاصی چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں، بڑے تایا جان کا خیال تھا کہ ایاز کو سبین کے پیپرز لے کر جانے چاہیے اور جلد از جلد اسے بھی امریکہ بلا لینا چاہیے، باقی افراد نے بھی اس موقف کی تائید کی تھی، لیکن ایاز کا کیا موقف تھا اس سے سبھی بے خبر تھے۔

☆☆☆

علینہ کے ایگزامز قریب تھے اور اس کی رول نمبر سلپ بھی آچکی تھی اس لئے آج اسے کالج جانا تھا۔

مقررہ وقت پر وہ کالج میں موجود تھی جہاں ندا اس کے انتظار میں تھی اور حالیہ شادی کی تفصیلات جاننے کے لئے بے چین اور بے قرار تھی۔

''مجھے ایک بات کی سمجھ نہیں آئی ندا۔'' وسیع وعریض گراؤنڈ کے سایہ دار درختوں کے جھنڈ میں پڑے بنچ پر بیٹھتے ہوئے علینہ نے کہا تھا۔

''کس بات کی؟'' ندا حیران ہوئی، علینہ نے آہستہ آہستہ اسے شاہ بخت کا سارا واقعہ سنا دیا تھا۔

''اوہ نو، وہ تو کافی میچور ہے تم سے۔'' ندا کو صدمہ ہوا تھا۔

''اسی بات کی تو مجھے سمجھ نہیں آئی، آخر کیا مقصد ہے اس کا؟'' وہ ابھی تک الجھی ہوئی تھی۔

''ولیمہ کی تقریب پر تو تنگ نہیں کیا اس نے؟''

''نہیں اس دن تو میرے پاس بھی نہیں پھٹکا، شاید میں نے کچھ زیادہ ہی انسلٹ کر دی تھی اس کی۔'' علینہ طنزیہ ہنسی۔

''لیکن اس سے یہ معاملہ ختم تو نہیں ہوا نا؟'' ندا نے سوال اٹھایا۔

''ہاں، لیکن میں اس کے خلاف بڑوں کے سامنے تو کوئی ایکشن نہیں لے سکتی نا جبکہ مجھے خود نہیں پتا کہ اس کے مقاصد یا عزائم کیا ہیں؟'' علینہ نے کہا، ندا نے سمجھنے والے انداز میں سر ہلایا۔

''لیکن ایک بات تو ہے علینہ! اس ساری گفتگو سے یہ تو بالکل ثابت نہیں ہوسکتا کہ وہ تمہیں ٹریپ کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔''

''کیوں نہیں ہوسکتا، مجھے صاف لگا تھا کہ وہ ایسا کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔'' علینہ بھڑکی تھی۔

''یہ تو تمہارے محسوسات ہیں نا، ضروری نہیں کہ دوسرے لوگ بھی اس سے متفق ہوں۔'' ندا نے کہا۔

''ہاں، سو تو ہے۔'' وہ کچھ ٹھنڈی پڑی۔

''اچھا ایک بات بتاؤ، دیکھنے میں کیسا ہے؟'' ندا نے پرسوچ انداز میں پوچھا۔

''ایک پروفیشنل ماڈل ہے، نیشنل اور انٹرنیشنل لیول کے میگزینز کے لئے اسٹل فوٹو گرافی کر چکا ہے، حال ہی میں کراچی میں ہونے والے سمر کلیکشن کے فیشن شوز میں بھی شامل تھا، نیکسٹ ویک دوبئی جا رہا ہے ''طلال بن معصب'' کے فیشن ویک میں شرکت کے لئے۔'' علینہ نے بے تاثر انداز میں اس کا مختصر سا بائیو ڈیٹا بتایا۔

''طلال بن معصب!'' ندا حیرت سے چلائی تھی وہ دوبئی کا کامیاب اور جانا مانا ہوا فیشن ڈیزائنر تھا۔

''میں سوچ سکتی ہوں کہ وہ کیسا ہوسکتا ہے؟'' ندا کی آنکھیں اب شرارت سے چمک رہی تھیں۔

''وہ جیسا بھی ہے، میرے نزدیک کچھ نہیں۔'' علینہ کا لہجہ تلخ اور حقارت سے بھرا ہوا تھا۔

''لیکن کیوں؟'' ندا نے پرزور احتجاج کیا۔

''تمہیں پتا ہے ندا! یہ وہی شاہ بخت ہے جو رمشہ آپی میں انوالو ہے اور اس بات کا میری پوری فیملی کا پتا ہے۔''

''تمہارا مطلب ہے وہ تمہاری ماڈرن سی

کزن۔" ندا بری طرح چونکی۔

"ہاں..... وہی....." علینہ نے تصدیق کی۔

"اوہ مائی گاڈ!...... یہ...... وہ شاہ بخت ہے وہ شہد رنگ آنکھوں والا، جس کی جھیلوں جیسی آنکھیں ہیں۔" وہ چلا ہی تو اٹھی تھی، تصویروں میں تو سب کو دیکھ رکھا تھا، علینہ اس کی تشبیہ پر بے اختیار ہنس دی۔

"ہاں وہی شہد رنگ جھیلوں جیسی آنکھوں والا۔"

"مائی گڈ نیس، میں اسے ایسا نہیں سمجھتی تھی۔" ندا نے افسوس سے کہا۔

"اتفاق سے میں اسے ایسا ہی سمجھتی تھی، موصوف خود کو خاصی چیز سمجھتے ہیں۔" علینہ کے لہجے میں تنفر تھا۔

"چیز تو وہ ہے اور خاصی اونچی بھی، مگر علینہ اب تم خبردار رہنا، اس قسم کی شخصیتیں جو ہوتی ہیں نا ان کی "میں" بری ہوتی ہے۔"

"EGO...... ہونہہ...... مائی فٹ...... کم از کم اتنا ہی سوچ لے کہ میں اس سے چھ سال چھوٹی ہوں، تھوڑی سی تو شرم کر لے۔" اس بار بھی اس کا لہجہ حقارت سے پر تھا۔

"تمہیں اس معاملے کو سیریس لینا چاہیے علینہ۔"

"بالکل لے رہی ہوں، اسے تکلیف ہی اس بات کی ہے کہ میں اسے اگنور کر رہی ہوں۔"

"سوال تو یہ اٹھتا ہے کہ کیوں تکلیف ہے اسے؟"

"اب میں اس بارے میں کیا کہہ سکتی ہوں، یہ تو وہی بتا سکتا ہے۔" علینہ نے شانے اچکائے۔

"تمہیں ڈر نہیں لگتا، تم لوگ ایک ہی گھر میں رہتے ہو، دن رات میں سینکڑوں بار سامنا ہوتا ہے، اگر اس نے حد سے بڑھنے کی کوشش کی تو......" ندا نے اسے خوف دلایا۔

وہ ایک لمحے کو ٹھٹکی، گالوں پر لالی چمک اٹھی تھی، اتنی بھی چھوٹی نہیں تھی جو اس کی بات کا مطلب نہ سمجھتی۔

"ایسا کچھ نہیں ہو سکتا اور نہ ہوگا۔" اس نے حتمی لہجے میں کہہ کر موضوع ہی بند کر دیا۔

☆☆☆

اسید مصطفیٰ کی زندگی کا پندرھواں سال اس کے لئے بڑے عجیب احساسات اپنے جلو میں لئے ہوئے جلوہ گر ہوا تھا، اسے اپنی قد و قامت میں ہونے والی تبدیلیاں بڑی عجیب اور سنسنی خیز لگتیں، وہ آئینے کے سامنے کھڑا ہوتا تو اسے اپنے چہرے پر نکلتا ہلکا ہلکا رواں عجیب سے احساسات سے دوچار کر جاتا اور اگر ایسے حبا اس کے سامنے ہوتی تو خود پر قابو پانا مشکل ہو جاتا، اس کا دل چاہتا وہ زور زور سے حبا کے گال پر تھپڑ مارے یا پھر اس کے بال نوچے یا پھر...... یا پھر اس کی کلائی پر دانت گاڑ دے، اس کا یہی دل چاہتا، وہ صرف دس سال کی تھی اور ابھی تک سلیولیس ٹاپ اور اسکرٹ میں ملبوس نظر آتی تھی، جب گھر میں ٹیوٹر انہیں پڑھانے کے لئے آتا تو وہ اس کے پاس ہی کارپٹ پہ بیٹھی ہوتی اور اس کا دل چاہتا وہ اس کے برہنہ بازو پر زور سے چٹکی بھر لے، شاید وہ اذیت پسند ہوتا جا رہا تھا، اسے یاد تھا ایک دن وہ شام کو گھر لوٹا تو وہ لان میں زمین پر بیٹھی تھی، وہ دھیمے قدموں سے اس کی طرف چلا آیا۔

"اسید! دیکھو یہ کتنا پیارا بلی کا بچہ ہے نا، بیچارہ زخمی ہے، دیکھو اس کی ٹانگ سے خون بہہ رہا ہے، اس کو کتنی تکلیف ہو رہی ہو گی نا، پلیز تم

اندر سے فرسٹ ایڈ باکس لے آؤ نا۔" وہ ہمدردی سے کہہ رہی تھی۔

اسید نے لب بھینچ کر ایک نظر بلی کے بچے پر ڈالی اور دوسری حبا پر اور پھر جھک کر اگلی ٹانگ سے بلی کے بچے کو اٹھایا اور زوردار طریقے بیرونی دیوار پر دے مارا، وہ بیچارا آواز نکالے بغیر نیچے گرا اور گر کر ساکت ہو گیا۔

حبا کے حلق سے ایک اضطراری چیخ نکلی تھی اور اسید کے حلق سے ایک ہذیانی قہقہہ۔

"یہ اس کا سب سے بہترین علاج تھا۔" وہ بڑے سکون سے کہہ کر آگے بڑھ گیا تھا، وہ خوفزدہ نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی اور یہ طرف آغاز تھا، بعد میں تو ایک سلسلہ سا چل نکلا، وہ اسے خوفزدہ اور دہشت زدہ کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتا، البتہ اس نے کبھی حبا پر ہاتھ نہیں اٹھایا تھا۔

ان دنوں اس کا اولیول کا فائنل چل رہا تھا، وہ اپنی اسٹڈیز کو بہت سنجیدگی سے لیتا تھا، وہ کتاب پکڑے لان میں چلا آیا آتے ہوئے وہ مرینہ سے ایک کپ چائے کا کہہ آیا تھا، یہ وسط اپریل کے دن تھے، ہلکی سی ہوا چل رہی تھی، لان کے پودے اور درخت آہستہ آہستہ لہلہا رہے تھے، فضا میں ایک محسوس کن خوشگواریت تھی، وہ کین کی چیئرز پر بیٹھ گیا اور ٹانگیں سامنے ٹیبل پر پھیلا لیں۔

کچھ دیر بعد حبا چائے کا کپ تھامے آتی نظر آئی، ڈارک پنک کلر کی بیل باٹم جینز اور لائٹ پنک کلر کی ہاف سلیوز کی شرٹ میں وہ دو پونیاں بنائے ہوئے تھی، سر پر عجیب پھولوں اور پھلوں جیسی ہیئر پنیں اور بینڈز لگائے ہوئے تھے، اس نے آہستگی سے کپ اسید کی طرف بڑھایا۔

اسید نے کتاب سے نظریں ہٹا کر اس کی طرف دیکھا، اگلے ہی لمحے اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک ابھر آئی، اس نے دایاں ہاتھ کپ تھامنے کے لئے آگے بڑھایا اور کپ تھامتے ہوئے ایکدم سے اس کے ہاتھوں میں الٹ دی خوف اور بے یقینی کی کیفیت نے اسید کو عجیب سی تسکین دی تھی۔

حبا نے ایک نظر اپنے جلے ہوئے ہاتھوں کو دیکھا اور زور زور سے روتی واپس بھاگ گئی۔

اسید نے ایک نظر زمین پر گرے کپ کو دیکھا اور گھاس پہ پھیلی چائے کو اور سر پھر جھٹک کر کتاب کی طرف متوجہ ہو گیا، یوں جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو، وہ کچھ دیر انتظار کرتا رہا، اسے یقین تھا ابھی مرینہ اسے بلائیں گی اس سے بازپرس کریں گی جب ایسا کچھ نہ ہوا تو اس کا مطلب یہی تھا کہ حبا نے انہیں کچھ نہیں بتایا، یا لازماً غلط بیانی کی ہے، اس کے اندر افسوس کا کوئی پہلو نہیں تھا وہ صرف وہی لوٹا رہا تھا جو اسے تیمور احمد نے دیا تھا، وہ کیسے اس کے ساتھ پیش آتے تھے جب وہ چھوٹا تھا بالکل حبا جیسا کتنی معمولی اور عام سی غلطیوں اور باتوں پر وہ اس کے گال تھپڑوں سے سرخ کر دیتے تھے اور مرینہ نے بھی کبھی تیمور احمد کو روکنے کی کوشش نہیں کی تھی، اسید کو اس پل وہ بے حد بری لگتیں، اس کا دل چاہتا وہ تیمور کو روک دیں، زور سے چیخیں اور احتجاج کریں مگر وہ ایسا کچھ نہ کرتیں، یہ اس کے اندر جمع شدہ لاوا تھا جو وقتاً فوقتاً باہر آ رہا تھا، اسے پتا تھا حبا مرینہ اور تیمور دونوں کتنی عزیز ہے، جب حبا کو تکلیف ہوگی تو لازمی بات تھی کہ وہ دونوں بھی خوش نہیں رہ سکیں گے، حبا کو اذیت دے کر اسے دلی خوشی ہوتی، وہ اب اسید سے ڈرنے لگی تھی، بہت کم براہ راست اس سے مخاطب ہوتی اور جب وہ موجود ہوتا تو وہ فوراً ہی موقع محل سے غائب ہو جاتی۔

یہ بہت دن بعد کی بات تھی، اس کے

ایگزامز ختم ہو چکے تھے اور موڈ بن رہا تھا کہ وہ اتنی لمبی چھٹیاں لاہور میں نانو کے پاس گزارے، جب ایک شام وہ مسلسل دو گھنٹوں کی پتنگ بازی کے بعد تیز تیز سیڑھیاں اترتا نیچے آرہا تھا اور حبا شاید اوپر جا رہی تھی وہ راستے میں ایکدم سے پھیل کر کھڑا ہو گیا تھا اسے آتے دیکھ کر حبا نے کسی قدر ٹپٹا کر اسے دیکھا مگر بولی کچھ نہیں۔

''اوپر جانا ہے؟'' اسید نے پوچھا، حبا نے اثبات میں سر ہلایا بولی کچھ نہیں۔

''کیا کرو گی اوپر جا کر...... جاؤ نیچے۔'' اسید نے عجیب سے لہجے میں کہا اور دونوں ہاتھ بڑھا کر اسے دھکا دے دیا۔

حبا کی دردناک چیخوں نے در و دیوار ہلا کر رکھ دیئے تھے وہ ساتھ سیڑھیوں سے رول ہوتی ہوئی فرش پر گری تھی جبکہ وہ وہیں کھڑا بڑے اطمینان سے اسے گرتا دیکھ رہا تھا، پھر انہی قدموں سے واپس اوپر چڑھ گیا۔

لاؤنج کے دروازے پر کھڑی مرینہ نے یہ سارا منظر دیکھا تھا اور ایک لمحے کو وہ گھرا کر رہ گئیں تھیں، انہیں یقین نہیں آیا تھا کہ یہ حرکت اسید نے کی ہے اور شاید وہ کبھی نہ مانتیں اگر وہ اسے اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیتیں، وہ ساکت سی کھڑی تھیں جب حبا کی چیخ نے انہیں اپنی طرف متوجہ کر لیا وہ بے ساختہ اس کی طرف بڑھی تھیں۔

☆☆☆

کٹھن ہے زندگی کتنی
سفر دشوار کتنا ہے
کبھی پاؤں نہیں چلتے
کبھی رستہ نہیں ملتا

ہمارا ساتھ دے پائے
کوئی ایسا نہیں ملتا
فقط ایسے گزاروں تو
یہ روز و شب نہیں کٹتے
یہ کٹتے تھے کبھی پہلے
مگر ہاں اب نہیں کٹتے
مجھے پھر بھی میرے مالک!
کوئی شکوہ نہیں تجھ سے

سبین کی آنکھوں سے آنسو قطار اندر قطار گر رہے تھے دل میں درد کا ایک آتش فشاں کروٹیں لے رہا تھا، اس نے سامنے کھڑے شخص کو دیکھا اور جی چاہا اسے شانوں سے پکڑ کر جھنجھوڑ دے اس سے پوچھے وہ اتنا بے حس کیوں ہے؟ کیوں ہے وہ اتنا سفاک؟ کیا اس کے سینے میں دل نہیں؟ کیا اس کے پاس احساسات نہیں؟ یا پھر اس کے معیار کا گراف اتنا اونچا ہے کہ وہ ساری زندگی اس حد کو نہیں چھو سکے گی، ایاز نے بھنویں اچکا کر اس کے لگاتار بہتے آنسوؤں کو دیکھا۔

''اس گھر میں تمہارا ایک بہت بڑا ہمدرد ہے، تم اس کے پاس تشریف لے جاؤ وہ یقیناً بہت اچھے طریقے سے تمہیں Console کرے گا۔'' وہ سرد لہجے میں بولا تھا۔

سبین ٹھٹھر کر رہ گئی، اس کا اشارہ عباس کی طرف تھا وہ جانتی تھی۔

''وہ آپ کا بھائی ہے اور اس حوالے سے میرے لئے قابل احترام ہے آگے آپ کی سوچ ہے۔'' سبین نے سختی سے آنسو پونچھے۔

''میرے حوالے کو درمیان میں لانے کی ضرورت نہیں، میں کل جانے سے پہلے اس حوالے کو ختم کر کے جاؤں گا۔'' وہ قطعی لہجے میں بولا تھا، سبین نے سہم کر اسے دیکھا۔

''کیا مطلب ہے...... آپ کا؟ کیا...... فیصلہ کیا...... ہے آپ نے؟'' اس نے رک رک کر پوچھا۔

''میرا فیصلہ بہت واضح ہے...... یہ رہا حق

مہر کا چیک اور کل تک ڈائیورس پیپرز تیار ہو کے آ جائیں گے۔'' سبین کو لگا کمرے کی چھت اس کے سر پہ آ پڑی ہو، زمین یکلخت اس کے پیروں تلے ہلنے لگی تھی، روشنی کم ہوتے ہوئے خوفناک اندھیرے میں بدل گئی، اس نے پھٹی پھٹی نظروں سے ایاز کے پرسکون چہرے کو دیکھا جہاں کسی قسم کا کوئی افسوس کوئی پچھتاوا نہیں تھا۔

اسے اپنی چھوٹی چھوٹی دونوں بہنیں یاد آئیں جو ابھی صرف 8th سٹینڈرڈ میں تھیں، اس اپنا کرائے کا گھر یاد آیا، اسے اپنی ماں کی بے بسی یاد آئی، بد نصیبی کی جیسے ایک طویل زنجیر تھی جس کو کوئی انت نظر نہ آتا تھا اور ایسے میں اس کا شادی کے صرف دس دن بعد مطلقہ کہلا کر گھر واپس جانا، کیا قیامت ڈھا سکتا تھا، اس کے باشعور ذہن نے بڑی تیزی سے آنے والے وقت کی تصویر دیکھی، جہاں ہر طرف سرخ بگولے سے چکرا رہے تھے، وہ بے ساختہ ایاز کے پیروں میں گر گئی۔

''نہیں...... خدا کے لئے...... نہیں...... آپ کو اللہ کا واسطہ...... ایاز! یہ مت کریں...... میں مر جاؤں گی...... میری ماں مر جائے گی...... ایسا مت کیجئے...... آپ کو اپنی سب سے پیاری ہستی کا واسطہ...... یہ ظلم مت کریں، میں آپ سے کچھ نہیں مانگوں گی، مگر مجھ سے اپنا نام مت چھینیں، ایسا مت کریں ایاز! آپ کو پاک رب کا واسطہ۔'' وہ اس کے پیروں پر سر رکھے رو رہی تھی، گڑ گڑا رہی تھی، منتیں کر رہی تھی، وہ یوں پیچھے ہٹا جیسے کسی سانپ نے ڈنگ مارا ہو۔

''تم پاگل ہو گئی ہو، بند کرو اپنی بکواس، میں تمہیں واضح طور پر بتا چکا ہوں کہ میں ہرگز تمہیں اپنی بیوی تسلیم نہیں کروں گا، پھر بھی تم، کیا مقصد ہے آخر اس سب کا؟'' وہ جیسے جھلا اٹھا تھا۔

''میں آپ سے کچھ نہیں مانگوں گی۔'' وہ بے ساختہ سسکی تھی۔

''او گاڈ! سوال مانگنے یا دینے کا نہیں ہے، سوال تو یہ ہے کہ میں تمہیں ساری زندگی اپنے نام پہ کیسے بٹھا سکتا ہوں میں ایک بار یہاں سے نکل گیا تو دوبارہ کسی کے ہاتھ نہیں آنے والا اور تم کہہ رہی ہو کہ میں تمہاری صورت میں ایک مستقل زنجیر نما بیڑی اپنے پیروں سے باندھ لوں؟ تاکہ جب چاہے یہ گھر والے مجھے بلیک میل کر سکیں؟ نو وے...... سبین یہ تمہاری غلط فہمی ہے۔'' وہ مشتعل ہوا تھا۔

''لیکن اس سب میں میرا کیا قصور ہے؟'' وہ تڑپ اٹھی تھی۔

''یہی تو میں تمہیں سمجھا رہا ہوں کہ قصور میرا یا تمہارا نہیں بلکہ میرے گھر والوں کا ہے تم کیوں مفت میں اپنی زندگی برباد کرنا چاہتی ہو؟ ابھی صرف تم جذباتی ہو رہی ہو کہ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد تمہیں میرا فیصلہ بالکل ٹھیک لگے گا۔'' وہ اس بار قدرے ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا تھا۔

''میں جذباتی نہیں ہو رہی، آپ کو اندازہ نہیں کہ آپ کے اس قدم سے دونوں خاندانوں میں کون سا طوفان اٹھ کھڑا ہو گا۔'' سبین نے اس بار قدرے سنبھل کر کہا تھا۔

''آئی ڈونٹ کیئر، یہی میرا مقصد بھی ہے انہیں اندازہ ہو گا کہ کسی باشعور اور ویل ایجوکیٹڈ پرسن کی شادی اس کی مرضی کے بغیر کرنے کا کیا نتیجہ نکلتا ہے، میں اپنے پیچھے ایک سبق چھوڑ کر جاؤں گا۔'' وہ ہٹ دھرمی سے بولا تھا۔

وہ کسی صورت اپنے موقف سے ہٹنے کو تیار نہیں تھا، وہ جان گئی تھی جبھی ساکت سی اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔

''اس کا مطلب ہے کہ آپ صرف اپنی

مرضی کریں گے تو پلیز میری ایک بات مان لیں، میں چاہتی ہوں کہ.....'' وہ لبوں پہ زبان پھیر کر رک گئی، امید بھری نگاہوں سے اسے دیکھا۔

''کیا؟'' ایاز نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''میں چاہتی ہوں کہ آپ کچھ دیر رک جائیں، صرف کچھ عرصہ۔'' وہ آس و نراس کی کیفیت میں گھری بولی تھی۔

''کتنا عرصہ؟'' اس نے ابرو اچکا کر پوچھا۔

''چند..... چند ماہ۔'' اس نے لبوں کو بھینچ کر کہا تھا۔

''دیکھو سبین! میں.....'' سبین نے تیزی سے اس کی بات کاٹی اور تیزی سے ہاتھ جوڑ دیئے۔

''خدا کے لئے۔'' وہ بے بس ہو گیا تھا۔

''ٹھیک ہے لیکن زیادہ دیر نہیں، جس دن میرا ٹمپر لوز ہو گیا اس دن.....'' وہ بات ادھوری چھوڑ کر لب بھینچ کر چپ ہو گیا تھا، سبین نے بھرپور بے بسی کے احساس سمیت صرف سر ہلا دیا تھا۔

☆☆☆

آف وائٹ اور لائٹ پرپل کلر کی خوبصورت کلر سکیم کے ساتھ گھر ڈیکوریشن کمال کی تھی، وہ حیرت آمیز خوشی سے ہر چیز کو دیکھ رہی تھی۔

''یہ تمہارا گھر ہے ستارا! اسے پیار کی نظر سے دیکھو اور پرکھو، کمی محسوس ہو تو جان جانا کہ ایک فوٹو گرافر بہرحال خاتون خانہ کی نظر نہیں لا سکتا، خیر کچن میں کھانے پینے کے لوازمات موجود ہیں اور اس کے بعد آرام کر لینا، باقی باتیں روایتی جگہ پر ہوں گیا اور روایتی انداز میں ہوں گی، اس وقت میں ایک ضروری کام سے جا رہا ہوں چند گھنٹوں بعد آ جاؤں گا۔'' مہروز نے مسکرا کر کہا اور اسے بیڈ روم تک چھوڑ کر رخصت ہو گیا۔

اس کے جانے کے بعد وہ سارے گھر کا جائزہ لینے اٹھ کھڑی ہوئی اسے حیرت ہو رہی تھی بلاشبہ گھر کی تزئین و آرائش بہت خوبصورت اور آرٹسٹک سٹائل کی تھی، صاف ستھرا ماڈرن طرز سے سجا گھر اسے بہت خوبصورت احساس سے روشناس کر گیا تھا، چائے کی طلب اسے کچن میں کھینچ لائی تھی، اس نے چائے بنائی اور مگ تھام کر بیڈ روم کی طرف آ گئی تسلی سے صوفے پر بیٹھ کر چائے ختم کی، سامان کھول کر اپنا ایزی ڈریس نکالا اور دوپٹہ ایک طرف ڈالتی واش روم میں چلی گئی۔

کچھ دیر بعد وہ فریش ہو کر نکلی، بال سلجھائے اور ڈھیلی سی چوٹی بنا کر بیڈ پر آ گئی، چادر اوپر کھینچ کر آنکھیں موندیں تو کچھ ہی لمحوں میں گہری نیند میں جا چکی تھی۔

دوبارہ اس کی آنکھ کھلی تو کمرے میں خوابناک سی سبز روشنی پھیلی ہوئی تھی، وہ آہستگی سے اٹھ کر بیٹھ گئی، چند لمحے لگے تھے اسے ماحول کا وقوف حاصل کرنے میں..... اس نے بے اختیار وال کلاک پر نظر دوڑائی، ساڑھے گیارہ وہ دھک سے رہ گئی۔

''مہروز کہاں ہیں؟'' اس نے بے اختیار ادھر ادھر دیکھا مگر کمرہ خالی تھا، اسے یاد تھا کہ اس نے سونے سے پہلے فینسی لائٹ نہیں بجھائی تھی، اس کا ایک ہی مطلب تھا کہ مہروز گھر آ چکا تھا، اس نے بستر چھوڑا اور اٹھ کر واش روم کی طرف بڑھ گئی، منہ ہاتھ دھویا اور پھر کمرے سے باہر آ گئی۔

مہروز لاؤنج میں صوفے پر براجمان تھا اور

شاید کوئی مشروب پی رہا تھا، اسے دیکھ کر وہ مسکرایا اور گلاس خالی کر کے ٹیبل پر رکھ دیا۔

''نیند پوری ہو گئی؟''

''جی..... آپ کب آئے؟'' وہ صوفے کی پشت پر ہاتھ رکھ کر کھڑی ہو گئی۔

''کچھ ہی دیر پہلے۔'' وہ کھڑا ہو گیا ساتھ ہی بیڈ روم کی طرف پیش قدمی کی تھی، ستارا نے اس کی پیروی کی تھی، بیڈ روم میں داخل ہو کر وہ واش روم کی سمت بڑھ گیا۔

''میں چینج کر لوں۔'' وہ کہتا ہوا واش روم میں چلا گیا، ستارا خاموشی سے بیڈ کے کنارے پر ٹک گئی، کچھ دیر بعد وہ باہر آیا اور آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر بال بنانے لگا، پھر اس کی سمت چلا آیا۔

اس کے پاس بیٹھتے ہوئے اس نے سہولت سے اس کی لمبی چوٹی ہاتھ میں لے لی تھی۔

''تمہارے بال بہت خوبصورت ہیں ستارا!'' وہ رشک اور توصیف سے کہہ رہا تھا۔

''شکریہ۔'' وہ زیر لب مسکرائی۔

''مائی گاڈ! اتنا فارمل ہونے کی ضرورت نہیں۔'' وہ قہقہہ لگا کر ہنسا تھا، وہ خجل ہو گئی۔

''ستارا کوئی بات کرو نا، ترس گیا ہوں کسی اپنے کی آواز کو، کچھ بولو نا۔'' وہ بے قراری سے کہہ رہا تھا۔

ستارا کا دل جیسے کنپٹیوں میں دھڑکنے لگا، وہ پوچھنا چاہتی تھی کہ کیسے بولے؟ کہاں سے اتنی ہمت لائے اس سے تو نظریں اٹھانا دشوار ہو رہا تھا، وہ اس کی چوٹی کے بل کھول رہا تھا۔

☆☆☆

''ڈریمی کسیٹوز'' کا ہنگامہ اپنے عروج پر تھا، شور، آوازیں، قہقہے، متحرک جسم اور چھلکتے جام، ہر کوئی مگن تھا، گم تھا، طلال بن معصب نے رم کا گھونٹ لیتے ہوئے سارے ماحول سے بے نیاز بیٹھے شاہ بخت مغل کو دیکھا۔

یوں تو ہر سال ہی اس کے ماڈلز کی کلیکشن کو سراہا جاتا تھا مگر اس بار تو ایک تہلکہ مچ گیا تھا اور اس کا سبب سامنے بیٹھا ہوا ''شاہ بخت مغل'' تھا جو کہ اس کا لیڈ ماڈل بھی تھا، ہر سال کی طرح اس سال بھی بے پناہ کامیابی، تعریف و توصیف حصے میں آئی تھی اور اس کے نام کا گراف کچھ مزید اونچا ہو گیا تھا۔

''طلال بن معصب'' کے فیشن ویک کے بعد کئی پروڈیوسرز اور ڈریس ڈیزائنرز نے اس کے ساتھ رابطہ کیا تھا مگر وہ چکنی مچھلی کی طرح سب کے ہاتھوں سے پھسل گیا، طلال کو خاصی حیرت تھی اس کا خیال تھا کہ وہ فوراً ہی ایگریمنٹ سائن کرنے شروع کر دے گا مگر ایسا نہ ہوا تھا۔

''تم مان کیوں نہیں جاتے؟'' طلال نے خاصے جھنجھلا کر پوچھا تھا۔

''نہیں معصب! میں یہاں صرف تمہارے لئے آیا تھا، میرے پاس وقت نہیں ہے۔'' اس نے بے تاثر انداز میں انکار کیا۔

''کیوں؟ ایسی کیا مصروفیت ہے؟ دو چار ماہ رہو یہاں پر، ہوٹل کا خرچ میرا۔'' طلال نے فراخدلی سے کہا۔

''ایسی بات نہیں ہے معصب! میرا ایم بی اے کا لاسٹ سمسٹر ہے، میں اسے کسی صورت ڈراپ نہیں کر سکتا۔''

''لوگ تو اتنی شہرت اور ایسی آفرز پر جابز تک چھوڑ دیتے ہیں اور تم.....''

''وہ لوگ ہیں اور میں شاہ بخت مغل ہوں اتنا فرق کافی نہیں ہے۔'' اس نے آنکھوں کو جنبش دی۔

طلال بن معصب چند لمحوں کے لئے فریز

سا ہو گیا تھا، اسی پل بھی وہ سر جھٹک کر کسینو کے ماحول میں واپس لوٹا تھا، ایک کامیاب فیشن ایونٹ کے بعد اس شاندار کسینو میں ڈنر اور تھوڑی سی تفریح طلال کی طرف سے اپنے تمام ماڈلز کے لئے تھی اور باقی سب کہیں نہ کہیں مصروف تھے کوئی جوئے کی مشین پر اور کوئی ڈانس فلور پر، کوئی ڈرنک میں مصروف تھا تو کوئی کسی حسینہ کی بانہوں میں مدہوش اور ایسے میں ان سب سے الگ تھلگ بیٹھا شاہ بخت مغل طلال کو اپنی طرف متوجہ کرا گیا، پندرہ دن کی رفاقت کے دوران اتنا تو وہ جان چکا تھا کہ شاہ بخت مغل ڈرنک نہیں کرتا، اسی لئے اس کے پاس چلا آیا۔

''تمہارا یہاں آنا تو بے کار گیا نا؟'' طلال نے افسوس سے کہا۔

''کیوں؟'' شاہ بخت نے سوفٹ ڈرنک کا گھونٹ لے کر کہا۔

''یہاں تمہاری دلچسپی کے لئے کچھ موجود ہی نہیں ہے نا۔'' طلال نے وضاحت کی، شاہ بخت نے سر جھٹکا۔

''اصل میں مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم اس قسم کے آدمی ہو۔'' طلال نے مزید کہا۔

''کس قسم کا؟'' اس نے بھنویں اچکا کر کہا، اس کی شہد رنگ جھیلیں طلال پر مرکوز تھیں، طلال چند لمحے خاموش رہا، مرد ہو کر بھی طلال کو اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ اس پر کس طرح اثر انداز ہو رہا تھا، اس کی آنکھوں کی چمک اور لپک اتنی شدید تھی کہ نظر جرانا دشوار تھا۔

''اتنے خشک قسم کے۔'' طلال نے رم کا سپ لیتے ہوئے وضاحت کی۔

شاہ بخت نے سر جھٹکا اور سگریٹ سلگانے لگا، ذرا سا آگے جھکتے ہوئے اس نے ایک ہاتھ سے سگریٹ تھاما اور دوسرے سے لائٹر جلانے لگا، ذرا سا آگے جھکنے سے اس کے شہد رنگ بال ماتھے پر جھک آئے تھے اور وہ اس پوز میں اتنا دلکش پیارا لگ رہا تھا کہ طلال نے بے ساختہ اس کا پوز سیل فون پر محفوظ کر لیا تھا۔

''ایک بات پوچھوں؟'' طلال نے اس کی طرف جھک کر کہا۔

''ہوں۔'' وہ سگریٹ کے کش لیتے ہوئے بے تاثر انداز میں اِدھر اُدھر نظریں دوڑا رہا تھا۔

''تم سچ میں اتنے کول ہو یا پوز کر رہے ہو؟''

''میں ایسا ہی ہوں۔'' اس نے سرد لہجے میں کہا۔

''میں نہیں مانتا۔'' طلال کا لہجہ تیکھا ہوا تھا۔

''تو مت مانو۔'' اس نے شانے جھٹکے۔

طلال چند لمحے خاموش رہا، پھر یکدم بولا۔

''شاہ بخت آؤ میرے گھر چلیں۔''

''اٹس بخت اونلی۔'' اس نے تصحیح کی۔

''او کے، بخت چلیں؟''

''چلو۔'' وہ اٹھ گیا۔

کچھ دیر بعد وہ دوبئی کی شاندار سکائی سکریپر کے لاسٹ فلور پر واقع طلال بن معصب کے پینٹ ہاؤس میں موجود تھے۔

''بخت!'' طلال نے کافی کا مگ اس کے سامنے رکھا۔

''ہوں۔'' اس نے نظریں اٹھائیں۔

''مجھے لگتا ہے میں تم پر عاشق ہو گیا ہوں۔'' طلال نے بہت سنجیدگی سے کہا۔

شاہ بخت ہکا بکا سا اسے دیکھتا رہا، پھر بے اختیار قہقہہ لگا کر ہنسا اور ہنستا چلا گیا۔

''مائی گاڈ! کیا کہا تم نے؟ تم...... مجھ پر عاشق......او...... گاڈ......'' وہ کھلکھلا کر ہنسے جا رہا تھا۔

''اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے؟'' طلال نے کچھ خفگی سے کہا، وہ ہنستے ہنستے رکا اور آنکھوں سے نکلتے پانی کو صاف کیا۔

''ہنسنے کی بات تو ہے، تم ایک میل ہو کر مجھ پر عاشق ہو گئے ہو۔'' وہ پھر سے ہنسا۔

''محبت کے لئے مرد و عورت کی کوئی تخصیص نہیں ہوتی دوست۔'' طلال نے فلسفہ بگھارا۔

''ارے...... کیا بات ہے بھئی! ابھی تو مجھے معشوق بنا رہے تھے اور ابھی دوست بنا لیا۔''

''دوستی تو تمہارے لئے آنر ہے۔'' طلال بھی مسکرایا، شاہ بخت ایک بار پھر قہقہہ بار ہوا تھا۔

''معصب! یو آر امیزنگ۔''

''بخت! ایک بات کہوں۔'' وہ سنجیدگی سے بولا۔

''بولو بھئی...... بولو۔'' اس نے ہنسی دبائی۔

''سچ یہ ہے کہ تم بہت خالص ہو، بہت Pure بالکل کسی آئینے کی مانند، جس کے پار جھانکا جا سکتا ہو، جس میں ہم اپنے آپ کو بالکل صاف اور واضح طور پر دیکھ سکتے ہیں، ہمیشہ ایسا ہی رہنا بخت! تمہاری سچائی انمول ہے اور کبھی بھی اس دنیاوی مفاد کے لئے اسے مت چھوڑنا، تمہارا دل بہت پیارا ہے بخت! معاشرے اور دنیا کی آرائشوں سے پاک منافقت سے دور، اسے آلودہ مت ہونے دینا، تم بس کبھی مت بدلنا۔'' طلال بن معصب کی سیاہ آنکھوں سے دھواں سا نکل رہا تھا، شاہ بخت کی ساری ہنسی غائب ہو گئی تھی۔

''معصب! تم ٹھیک ہو ناں؟'' اس نے پریشانی سے معصب کے کندھے پر ہاتھ دھرا۔

''میں ٹھیک ہوں، بالکل ٹھیک، پتا ہے بخت تمہیں دیکھ کر مجھے وہ طلال یاد آتا ہے جو بھی بالکل تمہارے جیسا تھا، خالص، پاک صاف، نکھری ستھری سوچ رکھنے والا اور اپنی آنکھوں میں ڈھیروں خواب لئے ہوئے، مگر خواب کہاں پورے ہوتے ہیں یہ تو ہمیشہ ہی ادھورے رہتے ہیں ہمیشہ ادھورے حالانکہ اس دنیا کے لئے میں ایک کامیاب انسان ہوں، مگر کوئی نہیں جانتا اس کامیابی کے لئے میں نے کیا تاوان بھرا؟ میں نے اپنی سچائی کھو دی، میں نے اپنا دل بیچ دیا، میں نے اپنے خواب رہن رکھ دیئے، وہ خواب جو ہمیں جینا سکھاتے ہیں، وہ خواب جو آنکھوں کے لئے زندگی ہیں، میرے سب خواب مر گئے، تمہیں میری آنکھیں مردہ نہیں لگتیں بخت! دیکھو...... دیکھو ان میں کوئی خواب نہیں۔'' طلال کا لہجہ بالکل خالی تھا، بالکل اس جواری کی طرح جو اپنی ساری جمع پونجی ہار چکا ہو۔

''ایسا کیا ہوا تھا معصب؟'' شاہ بخت نے بے ساختہ پوچھا تھا۔

''تم مجھے معصب کیوں کہتے ہو؟'' طلال نے الٹا سوال داغا۔

''مجھے یہ اچھا لگتا ہے۔'' شاہ نے شانے اچکا کر کہا۔

''میرب فاروق بھی یہی کہتی تھی، سب مجھے طلال کہتے تھے اور وہ مجھے معصب۔''

''کون میرب فاروق؟'' شاہ بخت نے بے ساختہ اس کے شانے پہ ہاتھ رکھا تھا۔

''میری میرب، میری زندگی، میری جان، میں نے اسے کھو دیا بخت! چند سال پہلے طلال بن معصب کو کوئی نہیں جانتا تھا، مگر میں چاہتا تھا کہ یہ سب جانیں کہ میں ہوں، میرے ادھورے خوابوں کی تکمیل کی جنگ شروع ہو گئی، مجھے ہر قیمت پر آگے جانا تھا، مجھے فیشن کی دنیا کا سب سے بڑا نام بننا تھا اور اس کے لئے میں نے اپنی سچائی کھو دی، اپنے خواب گنوا دیئے اور اپنی

ہتھیلیاں زندگی بھر کے لئے سونی کرلیں، زندگی میں سب کو سب کچھ تو نہیں ملتا نا مکمل خوشی تو ایک خواب ہے جو کبھی پورا نہیں ہوتا، میں نے ایک نام پالیا اور میرب کو کھو دیا۔'' طلال کے لہجے میں بیتے دنوں کی اذیت تھی، گزرے زمانوں کے پچھتاوے تھے۔

''کیا تم نے ہی سب پانے کے لئے کوئی غلط راستہ اختیار کیا تھا؟'' شاہ بخت نے حیرت سے کہا۔

''جب ہم ایک جنون میں بھاگتے چلے جاتے ہیں تو ہمیں اندازہ نہیں ہوتا کہ کتنے کانٹے ہمارے پاؤں میں چبھ گئے ہیں اور بھاگتے بھاگتے جب ہم تھک کر گرتے ہیں تو ہمارے لہولہان پاؤں ہمیں اس اذیت کا احساس دلاتے ہیں جو ہم نے اس سفر کے دوران سہی تھی، حفصہ کرمانی ایک ٹاپ ماڈل تھی، پاگل تھی میرے پیچھے مگر میں اس کے ہاتھ ہی نہ آتا تھا، میری جان تو میرب تھی، میری زندگی اور پھر یوں ہوا کہ جنون محبت پر غالب آ گیا، جنون مجھے آگے بڑھنے کا تھا، ایک مقام بنانے کا، حفصہ کرمانی نے مجھے آفر دی کہ وہ مجھے اس ٹاپ پر لے کر جائے گی جہاں میں جانا چاہتا ہوں اور بدلے میں اس نے مجھ سے بس ایک رات مانگی تھی اور بخت تم بتاؤ ایک رات سے کیا ہوتا ہے؟ میں اس سے شادی تو نہیں کر رہا تھا نا، مگر یہ بات میرب کو کون سمجھاتا؟ میڈیا نے مجھے اور حفصہ کو خوب اسکینڈلائز کیا تھا اور اس نے مجھ سے کچھ نہیں پوچھا، میں نے خود ہی اسے کہا کہ میرب مرد کا کیا بگڑتا ہے برباد تو عورت ہو جاتی ہے۔''

''تو جانتے ہو اس نے کیا جواب دیا، اس نے کہا۔''

''معصب! تم مرد اتنے دوغلے کیوں ہوتے ہو؟ تم یہ کیوں سوچتے ہو کہ تم خود چاہے سارے زمانے کی غلاظت میں منہ مار کر آؤ گے بیوی کو خالص ہی ہونا چاہیے، سات پردوں میں چھپی، میں نے تمہیں دوسروں سے مختلف سمجھا تھا مگر تم ان سب سے بدتر ہو، مجھے خود سے نفرت ہو رہی ہے کہ میں نے تم سے محبت کی۔''

''اور پھر پتا ہے کہ کیا ہوا؟'' طلال کے لہجے میں سسکیاں گونجی تھیں۔

''کیا؟'' بخت نے بے اختیار پوچھا۔

''میرب نے خودکشی کر لی، جانتے ہو کب جب ہماری شادی میں صرف دو دن رہ گئے تھے۔'' طلال کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اور آنسو قطار در قطار اس کے گالوں پر بہہ رہے تھے۔

''تم بھی، تم بھی تو کسی سے محبت کرتے ہو ناں شاہ بخت مغل، تمہاری بھی تو کوئی میرب ہوگی ناں پتا ہے یہ جو تمہاری آنکھیں ہیں ان کی پیاری سی چمک بتاتی ہے کہ ہاں کوئی ہے جس کے دم سے تمہارا دل آباد ہے، بولو نا بخت! کون ہے وہ؟'' طلال نے آنسو پونچھ کر تجسس سے پوچھا تھا۔

اس کے درست اندازے پر شاہ بخت ٹھٹک کر اسے دیکھا۔

''ہاں ہے وہ میری عینا ہے، میری عینا۔'' ایک دلکش مسکراہٹ نے خود بخود شاہ بخت کے لبوں کا احاطہ کر لیا تھا، طلال نے اس کے چہرے پر پھیلے رنگوں کو حسرت سے دیکھا اور بے اختیار ان کے دائمی ہونے کی دعا مانگی تھی۔

''زندگی میں سب کچھ مل جاتا ہے بخت! مگر محبت بس ایک ہی بار ملتی ہے اور اگر خوش قسمتی سے مل جائے تو اسے کبھی مت کھونا۔'' طلال نے بہت خلوص سے کہا تھا۔

''مجھے تو لگتا ہے اب میں تم پر عاشق ہوتا رہا ہوں۔'' بخت نے شرارت بھرے لہجے میں کہا، دونوں کا ایک بے اختیار قہقہہ گونجا تھا۔

☆☆☆

ستارا نے ہاتھوں کے پیالے میں چہرہ سموئے محویت سے ناشتہ بناتے مہروز کو دیکھا، جو بڑا مگن تھا۔

''میں تمہیں اتنا اچھا ناشتہ کرواؤں گا نا کہ تم مجھ سے فرمائش کر کے ناشتہ بنوایا کرو گی۔'' وہ آملیٹ کے لئے انڈے پھینٹتے ہوئے فخر سے کہہ رہا تھا۔

''اور اگر ایسا نہ ہوا تو؟'' وہ شرارت سے بولی۔

''کیوں نہ ہوا، تمہیں ہر حال میں پسند آئے گا۔'' وہ ضدی لہجے میں بولا۔

''ضروری تو نہیں۔'' وہ ہنسی۔

''ضروری ہے ورنہ میں۔'' وہ رکا۔

''ورنہ...... میں تمہارا سر پھاڑ دوں گا۔'' اس نے خطرناک انداز میں چمچ لہرایا، ستارا کھلکھلا کر ہنسی تھی۔

''آپ نے اتنی خطرناک دھمکی دے دی ہے اب تو پسند کرنا ہی پڑے گا۔'' وہ ڈرنے کی ایکٹنگ کرتی ہوئی بولی، مہروز کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

''ناشتہ کرنے کے بعد گھومنے چلیں گے۔'' وہ مزید بولا، ستارا کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

''کدھر جائیں گے؟'' وہ بے تابی سے پوچھنے لگی۔

''جہاں تم کہو۔'' وہ آملیٹ کا آمیزہ فرائی پین میں انڈیلتے ہوئے بولا۔

''مجھے کیا پتا؟ آپ مجھے یہاں کے بارے میں کچھ بتائیں نا۔'' وہ حیرت سے آنکھیں پھیلا کر بولی۔

''ہوں، یہ بات تو ہے، چلو میں بتاتا ہوں، سنگاپور ستاون چھوٹے چھوٹے جزائر پر مشتمل ملک ہے، ان میں سے زیادہ تر غیر آباد اور گھنے جنگلوں سے بھرے ہوئے ہیں۔''

''ہم کس جزیرے پر ہیں؟'' وہ فوراً اشتیاق سے پوچھنے لگی۔

''سنتو شا پر، یہ سنگاپور کا سب سے بڑا خوبصورت اور گنجان جزیرہ ہے، بہت اچھی تفریح گاہ بھی ہے۔''

''یہاں کون سی جگہیں اچھی ہیں؟'' وہ دلچسپی سے پوچھنے لگی۔

''یوں تو سارا سنگاپور ہی بہت خوبصورت ہے جیسے مسجد سلطان، مسجد انگولا، چائنہ ٹاؤن، الزبتھ واک، خیبر ہلز، انڈر ورلڈ واٹر اور خاص طور پر خواتین کے لئے شاپنگ کا بلاسٹ یعنی کہ پلازہ سنگاپور، یہ پلازہ بہت خوبصورت ہے فن تعمیر کا شاہکار اس کے سیون فلورز ہیں۔'' وہ مسکراتے ہوئے بتا رہا تھا۔

''اوں...... ہوں مجھے تو شاپنگ کا شوق ہی نہیں ہے، آپ مجھے اپنی پسند کی جگہ پر ہی لے جائیے گا۔'' وہ افسوس اور معصومیت کے ملے جلے تاثر سے بولی، مہروز کا قہقہہ چھت پھاڑ قسم کا تھا۔

''او گاڈ! اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ تم میرے لئے اللہ کا انعام ہی ہو۔'' وہ ہنستے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''اچھا وہ کیسے؟'' اس نے آنکھیں پٹپٹائیں۔

''اس لئے کہ لڑکیوں کو شاپنگ کا کریز ہوتا ہے اور تم کیسی حیرت انگیز لڑکی ہو کہ تمہیں شاپنگ کا شوق نہیں ہے۔'' وہ حیرت سے کہہ رہا تھا۔

وہ بھی ہنس دی تھی، کچھ دیر بعد اس نے

ناشتہ ٹیبل پر لگا دیا تھا، سارا کام وہ اکیلے ہی کر رہا تھا کیونکہ بقول اس کے بعد میں تو ستارا کو ہی سب کرنا تھا۔

''یہ چونکہ ناشتے کے نام پر لنچ ہے اس لئے اس میں Heavy ڈشز بھی شامل ہیں۔'' وہ ہاتھ دھونے کے بعد اس کے برابر آن بیٹھا۔

''یہ اسمو کی آلمنٹ چکن ہے، یہ فرائیڈ رائس، مسالے دار آملیٹ، بیکڈ بریڈ اور یہ اسٹرابری ٹارٹ۔'' اس نے ستارا کو ڈشز سے متعارف کرایا اور اس کی پلیٹ تیار کرنے لگا۔

وہ ٹھوڑی کے نیچے ہاتھ رکھے اسے دیکھتی رہی، اس نے پلیٹ ستارا کے سامنے رکھی۔

''شروع کرو بھئی۔'' ستارا نے نوالہ لیا، وہ اس کے تاثرات کا جائزہ لینے لگا۔

''بہت اچھا ہے، بہت مزیدار۔'' وہ ایمان داری سے بولی، کھانا واقعی مزیدار تھا۔

''مجھے واقعی آپ سے فرمائش کر کے پکوانا پڑے کرے گا۔'' وہ ہنستے ہوئے کہہ رہی تھی، وہ بھی ہنس دیا۔

کھانا کھانے کے بعد وہ تیار ہونے چل دی، اس نے سبز اور سنہری لائٹ سے کام والی لانگ اوپن شرٹ اور ٹراؤزر پہنا اور ساتھ میں لمبا سا دوپٹہ، وہ چینج کر کے نکلا تو اسے دیکھ کر چونک گیا۔

''یہ ڈریس تم پر بہت سوٹ کر رہا ہے۔'' وہ بے ساختہ بولا تھا۔

''تھینکس۔'' وہ بے ساختہ مسکرائی تھی۔

کچھ دیر بعد وہ نک سک سے تیار کار میں بیٹھے اڑے جا رہے تھے، ستارا نے مسجد سلطان دیکھنے کی فرمائش کی تھی، اس وقت وہ اسی طرف جا رہے تھے۔

''بہت صاف ستھرا ہے یہ جزیرہ۔'' وہ رشک سے چمکتی دمکتی سڑکوں کو دیکھ رہی تھی۔

''ہاں اور یہاں کے قوانین بے حد سخت ہیں اسی لئے یہ صفائی تمہیں نظر آ رہی ہے۔'' مہروز نے بتایا۔

''کب پہنچیں گے ہم؟'' وہ بے چینی سے بولی۔

''بس کچھ دیر میں اور یہ مت سوچنا کہ یہاں تم اپنے ہم وطنوں کی شکل دیکھنے کو ترس جاؤ گی، ایسا کچھ نہیں ہے، مسجد سلطان کے گرد و نواح میں چار پانچ لاکھ مسلمان آباد ہیں، یوں سمجھ لو، چھوٹا سا لاہور آباد ہے یہاں پاکستانی کھانوں سے لے کر پاکستانی کپڑوں تک ہر چیز مل جاتی ہے۔'' مہروز نے مزید بتایا، وہ دلچسپی سے سنتی رہی۔

کچھ دیر بعد وہ مسجد میں پہنچ گئے، ستارا کو وہ بے حد پسند آئی تھی، دو سے تین گھنٹے انہوں نے اس مسجد میں گزارے تھے، مسجد سلطان فن تعمیر کا شاہکار تھی واپسی پر وہ کافی ہاؤس میں چلے گئے، داخلی دروازے کے ساتھ والی ٹیبل منتخب کر کے وہ بیٹھ گئے اور کافی کا آرڈر دیا، ستارا کی لمبی چوٹی کرسی سے ہوتی ہوئی زمین پر لگ رہی تھی، وہ بے خبر تھی جبھی مہروز سے باتوں میں مگن تھی۔

☆☆☆

وہ خاموشی سے نسبتاً ایک ویران سے کونے میں پڑی، میز پر موجود تھا اور وہ وہاں سے داخلی دروازے کے پاس بیٹھی اس لڑکی کو واضح طور پر دیکھ سکتا تھا، وہی لڑکی جو اسے ائیر پورٹ پر ملی تھی بلکہ نہیں، ملی نہیں تھی بلکہ اسے نظر آئی تھی، وہ آج پھر اسی طرز کے لباس میں تھی لمبی سی شرٹ اور کھلا فلیپر اور حسب معمول اپنے لمبے بالوں کی خوبصورت سی چوٹی بنائے اور اسی مرد کے ساتھ تھی جو اس دن اسے ائیر پورٹ پر لینے آیا تھا، اس بات سے بے خبر کہ اس کی چوٹی زمین کو چھو رہی تھی، اس نے ایک ویٹریس کو پاس بلایا اور اسے دھیمے لہجے میں کچھ سمجھانے لگا۔

کچھ دیر بعد وہ ویٹریس اس کی ہدایت کے مطابق ستارا کی ٹیبل کے پاس جا کر رکی، بہت احترام کے ساتھ ڈسٹرب کرنے کی معافی مانگی اور جھک کر ستارا کی چوٹی اٹھائی احترام سے ٹشو پیپر سے ہلکا سا جھاڑا اور اس کی گود میں رکھ دی اور واپس مڑ گئی۔

ستارا حیران سی تھی اور اس کی حیرت سے پھیلی آنکھیں اسے گھائل کر گئی تھیں۔

اس کے اندر ایک پل میں زبردست تحریک اٹھی تھی، ہاتھ بے اختیار موبائل کی طرف بڑھے اور اگلے ہی لمحے وہ ایک نمبر ملا رہا تھا۔

وہ لمبے بالوں والی لڑکی اور اس کا ساتھی مرد اب اٹھ کر باہر کی طرف جا رہے تھے، وہ آہستگی سے اٹھ کر ان کے پیچھے چلا آیا۔

''ہاں ایک گاڑی کا نمبر نوٹ کرو اور معلوم کرو کہ یہ آدمی کون ہے؟ اور اس کے ساتھ موجود لڑکی سے اس کا کیا رشتہ ہے؟ مکمل کوائف، ہر چیز اور سنو، غلطی کی گنجائش نہیں۔'' اس کے دھیمے لہجے میں تحکم تھا۔

کچھ دیر دوسری طرف کی بات سننے کے بعد اس نے فون بند کر دیا، وہ دونوں اب گاڑی میں بیٹھ رہے تھے، وہ پرسوچ نظروں سے دور ہوتی گاڑی کو دیکھ رہا تھا۔

☆☆☆

مرینہ دودھ کا گلاس تھامے اسید کے کمرے میں داخل ہوئیں تو وہ انہیں کمپیوٹر کے آگے جما نظر آیا، انہوں نے دودھ کا گلاس اس کے ٹیبل پر رکھا۔

''اسید!''

''جی ماما۔'' اسید نے کمپیوٹر سے نظریں ہٹا کر ان کی طرف دیکھا۔

''آج شام کیا ہوا تھا؟'' انہوں نے دھیمے لہجے سرسری سا پوچھا۔

''کب؟'' وہ حیران نظر آیا۔

''یہ ڈرامے بازی بند کرو۔'' مرینہ نے بمشکل اپنے اشتعال پر قابو پایا۔

''کیا ہو گیا ہے آپ کو ماما؟'' وہ حیرانی سے مستفسر ہوا۔

''تم نے حبا کو سیڑھیوں سے دھکا دیا تھا۔'' وہ پھنکاریں تھیں۔

ان کا خیال تھا کہ وہ مکر جائے گا، اس کے چہرے کا رنگ تو ضرور بدلے گا لیکن وہاں ایسا کچھ نہیں تھا، اس کے برعکس وہ بڑے سکون سے کھڑا انہیں دیکھ رہا تھا۔

''ہاں میں نے دیا تھا۔'' جو سکون اس کے چہرے پر تھا وہی لہجے میں بھی نظر آ رہا تھا، وہ حیرت سے منجمد سی ہو گئیں۔

''شرم آنی چاہیے تمہیں، کتنے دھڑلے سے تم اقرار کر رہے ہو۔'' وہ چلا پڑیں تھیں۔

''کیوں؟ تیمور احمد کو میں برا لگتا تھا، ہوں اور لگتا رہوں گا، انہوں نے بھی مجھ پر ہاتھ اٹھاتے ہوئے شرم کی، نہیں نا، تو میں کیوں کروں، مجھے بھی حبا تیمور سے نفرت ہے۔'' اسید کے لہجے میں بھوکے بھیڑیے جیسی غراہٹ تھی، وہ ششدر سی رہ گئیں۔

''مجھے یقین نہیں آ رہا کہ تم میرے بیٹے ہو۔'' انہوں نے افسوس سے اسے دیکھا۔

سرخ و سفید اونچا لمبا، خوش شکل و خوش لباس، بظاہر کتنا مکمل تھا اور خدا نے کہاں کمی رکھ چھوڑی تھی۔

''مجھے بھی یقین نہیں آتا کہ آپ میری ماں

ہیں، کیوں کی تھی آپ نے تیمور احمد سے شادی؟ اس لئے نا کہ وہ مجھے اپنے پاس رکھ لیں گے اور اس لئے کہ آپ حبا کی ماں بن جائیں اور ایسا ہی ہوا ہے ماما! مجھے تو یاد نہیں رہا کہ آپ میری ماما ہیں، آپ تو صرف حبا کی ماما ہیں۔'' اسید کا رنگ سرخ پڑ گیا تھا۔

''مگر اسید! اس میں حبا کا کیا قصور ہے؟'' وہ بے بس سی ہو کر پوچھنے لگیں۔

''تو میرا کیا قصور تھا ماما؟ مجھے کیوں بلا قصور اور بلا جواز نشانہ بنایا جاتا رہا؟'' اس نے الٹا سوال داغ دیا۔

''لیکن اس سب سے تمہیں کیا حاصل ہو گا؟'' وہ تنک کر بولیں۔

''میں جانتا ہوں، کچھ حاصل نہیں ہو گا، ہر کام کچھ حاصل کرنے کے لئے تو نہیں کیا جاتا نا ماما!'' اس کے چہرے پر خطرناک چمک آ گئی۔

''اور تم نے یہ سوچا ہے کہ اگر یہ سب تیمور کو پتا چل گیا تو......؟'' مرینہ نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''کون بتائے گا انہیں آپ؟'' وہ طنزیہ ہنسا۔

''میں نہیں حبا۔'' انہوں نے سکون سے کہا، اسید کا اطمینان ایک پل میں رخصت ہوا تھا۔

مرینہ کو اس کا اڑا رنگ دیکھ کر کچھ اطمینان ہوا تھا، اس کا مطلب تھا کہ وہ ان کی بات کا یقین کر چکا تھا، وہ اس کے پاس بیٹھ گئیں، پیار سے اس کی پیشانی پر آئے بال سمیٹے۔

''اسید! میرے بیٹے، میری بات دھیان سے سنو یہ بالکل روز روشن کی طرح عیاں حقیقت ہے کہ تیمور تمہارے باپ نہیں ہیں اور یاد رکھو، کوئی بھی مرد کسی دوسرے مرد کی اولاد کو اپنی تسلیم نہیں کرتا جبکہ وہ اس بچے کی ماں کو بخوشی بیوی کے طور پر قبول کر لیتا ہے، ایک سال پہلے میں نے سوچا تھا کہ میں تیمور کو چھوڑ دوں گی، مگر اس ارادے پر کبھی عمل نہ کر سکی، جانتے اس کی کیا وجوہات تھیں؟ جانتے ہو میں تیمور کو کیوں چھوڑنا چاہتی تھی؟'' وہ جو حیرت سے ان کی باتیں سن رہا تھا، اضطراب سے نفی میں سر ہلا دیا۔

''مجھے تیمور سے شادی کے کچھ عرصہ بعد ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ بہت روایتی سا مرد ہے، جو عورت پر اپنا حق جماتا ہے، اس پر شک کرتا ہے اور اس پر ہاتھ اٹھانا اپنا فرض سمجھتا ہے لیکن اس کے باوجود میں اسے نہیں چھوڑ سکی، کیونکہ میرے والدین اور بھائی ایک بار پھر میرے فرض سے سبکدوش ہو چکے تھے اور ایسے میں دوبارہ میرا بوجھ کون برداشت کرتا اور اگر بالفرض محال وہ کر بھی لیتے تو اس بات کی کیا گارنٹی تھی کہ وہ میری مزید شادی کے لئے اصرار نہ کرتے؟ وہ لازماً یہ کرتے کیونکہ اس کی سب سے بڑی وجہ میرا خوبرو اور خوبصورت ہونا تھا، یہ خوبی نہیں بلکہ خامی بنتی گئی میرے لئے اور میرے پاس اس چیز کی بھی کوئی گارنٹی نہ تھی وہ تیسرا مرد تمہیں قبول کرتا یا نہ؟ پھر میں کیا کرتی؟''

آخری اور سب سے بڑی وجہ تھی، حبا، اسید وہ مجھے بہت عزیز ہو گئی تھی تب اور آج بھی ہے، میں نے اسے اپنی سگی اولاد سے بڑھ کر چاہا ہے اور اس بات کا ثبوت یہ ہے کہ کوئی تمہاری تربیت پر تو انگلی اٹھا سکتا ہے مگر حبا پر قطعاً نہیں، مجھے پتا ہے تم تیمور کے رویے سے بہت دلبرداشتہ ہو اور حق پر ہو، مگر میرے بچے اتنا جان لو کہ جن کے باپ مر جاتے ہیں وہ مرتے دم تک یتیم ہی رہتے ہیں کیونکہ اولاد کی ماں تو دوبارہ بن سکتی ہے مگر باپ نہیں، میں نے اس امید پر صبر کیا تھا کہ میرا بیٹا میرے قد کو پہنچے گا تو اپنے پاؤں پہ کھڑا ہو گا، کچھ بن جائے گا اور تم میرے سارے خوابوں کو مٹی میں ملانا چاہتے ہو کیوں؟ تم جانتے ہو مجھے حبا نے کچھ نہیں بتایا بلکہ میں نے خود تمہیں اسے سیڑھیوں سے گراتے دیکھا ہے، کیوں کر رہے ایسا اسید؟ کیوں؟ سوچو، وہ ابھی بچی ہے تو ہے مگر پھر بھی اس نے مجھ سے چھپایا اور تم......!''

انہوں نے اسید کا شرمندگی سے سرخ چہرہ دیکھ کر بات بدلی، بلکہ لوہا گرم دیکھ مزید چوٹ لگائی۔

''تیمور کی جائیداد اور بزنس میں تمہارا کوئی حصہ نہیں ہے کیونکہ تم اس کے بیٹے نہیں بلکہ میرے بیٹے ہو، میرا حصہ بحیثیت بیوی جو مجھے ملے گا، وہ تمہیں میرے مرنے کے بعد ملے گا۔''

''ماما پلیز۔'' اسید نے بے اختیار ٹوکا۔

''سچ ہی تو کہہ رہی ہوں اس لئے میرے بچے ابھی سے سوچو، اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا ہے تمہیں، عملی زندگی میں آنا ہے اور میں جانتی ہوں میرا بیٹا مجھے کبھی مایوس نہیں کرے گا۔'' انہوں نے پیار سے اسید کی پیشانی کو چوما، وہ بے ساختہ ان کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گیا۔

''ماما! پلیز آئم سوری ماما! مجھے پتا نہیں کیا ہو گیا تھا؟ شاید میں پاگل ہو گیا تھا، میں...... آئم سوری ماما۔'' وہ بھیگے لہجے میں کہہ رہا تھا۔

وہ اس کے بال سنوارتے ہوئے اسے دھیرے دھیرے سمجھانے لگیں، وہ بس خاموشی سے سر ہلائے گیا، انہوں نے اس کی برین واشنگ کرتے ہوئے اسے منا لیا تھا کہ وہ چھٹیاں نانو کے ہاں لاہور میں ہی گزارے گا۔

☆☆☆

''نوفل صدیق'' اس وقت سنگاپور کے جزیرے کوسو میں موجود تھا، وہ آج ہی سنتوشا سے یہاں پہنچا تھا، بورڈ آف ڈائریکٹرز کی میٹنگ جاری تھی، اسے اس میٹنگ میں اپنے ہوٹل بزنس کی مینجمنٹ سے متعلق چند اہم فیصلے لینے تھے، وہ اس وقت مکمل توجہ سے مسٹر چاؤ یانگ کی بات سننے میں مگن تھا جب کانفرنس روم کا دروازہ بے آواز کھلا اور اس کے پرسنل سکریٹری نے ایک فائل لا کر اس کے سامنے رکھی اور خاموشی سے پلٹ گیا، اس عمل نے کانفرنس روم کی کارروائی میں کوئی تعطل برپا نہ کیا تھا، نوفل نے ایک سرسری نظر فائل پہ ڈالی اور چونک گیا، سفید کور پر بلیک مارکر سے لکھے گئے ''ٹاپ سیکرٹ'' کے حروف جگمگا رہے تھے، اس نے ساری توجہ گفتگو کی طرف مرکوز رکھتے ہوئے فائل کھولی، اندر بمشکل پانچ یا چھ کاغذ کلپ تھے، فرنٹ پیج پر پاسپورٹ سائز تصویر کی فوٹو کاپی جگمگا رہی تھی اور ساتھ جلی حروف میں ''مہروز کمال'' درج تھا، میٹنگ میں اس کی دلچسپی یکدم ختم ہو گئی تھی، مقام شکر یہ تھا کہ میٹنگ اختتام کی طرف گامزن تھی، کچھ دیر بعد اس نے فائنل بات چیت کی اور اٹھ کھڑا ہوا، سفید فائل اس کے ہاتھ میں تھی، اس کی لمبی سی کار مختلف سڑکوں سے ہوتی ہوئی ایک شاندار کاٹیج میں آ کر رک گئی، شوفر نے بہت ادب سے دروازہ کھولا تو وہ اِدھر اُدھر دیکھے بغیر تیزی سے اندرونی عمارت کی سمت بڑھ گیا۔

''کوئی خدمت سر؟'' تیکھی نقوش کی حامل ملازمہ نے ادب سے پوچھا۔

''ایک کافی۔'' وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا، اندر داخل ہو کر کوٹ اتار کر سائیڈ پر رکھا اور فائل بیڈ پر پھینکتے ہوئے خود شاور لینے چلا گیا، صرف دس منٹ کے قلیل عرصے کے بعد وہ دھلا دھلایا سا باہر آ چکا تھا، اسی اثنا میں ملازمہ کافی رکھ کر جا چکی تھی، اس نے کافی کا کپ تھاما اور بیڈ پر بیٹھتے ہوئے فائل کھول لی، نظریں بہت بے اختیار ہو کر حروف پر پھسلتی گئی تھیں۔

مہروز کمال:
سنگاپور آمد: 2000ء میں
عمر: 28 سال
پیشہ: فوٹو گرافر
رہائش:
فون نمبر: 9-----152

مہروز کمال 2000ء میں سنگاپور آیا تھا، بنیادی طور پر ایک فلرٹ اور عیاش انسان ہے، کئی لڑکیوں سے بیک وقت تعلقات ہیں، پیشے کے لحاظ سے فوٹو گرافر ہے، ایک سال ورلڈ وائڈ سے بھی منسلک رہ چکا ہے، بتدریج ترقی کرتے کرتے پانچ سالوں میں اس مقام پر پہنچا ہے کہ اپنا اسٹوڈیو چلا رہا ہے، اس دوران ایک اخبار کے لئے فوٹو گرافی بھی کر چکا ہے اور موجودہ اسٹوڈیو بھی ایک رائل فیملی کی لڑکی سے تعلقات کا انعام ہے، ایک سال پہلے ستارا نامی لڑکی سے نکاح ہوا ہے اور اب وہ بحیثیت بیوی اس کے ساتھ ہے۔

ستارا کمال:
سنگاپور آمد: تین دن قبل
عمر: 22 سال
تعلیم: ماسٹرز ان سائیکالوجی
فون نمبر: 7-----153

لاہور کی رہائشی ہے، تین بہنوں میں دوسرا نمبر ہے، ایک سال قبل مہروز کمال سے نکاح ہوا تھا اور تین دن قبل ہی سنتوشا آئی ہے۔

نوفل نے آخری صفحہ کھولا۔

''ستارا کی آمد سے ایک ماہ قبل مہروز کمال نے ایک انٹرنیشنل شیمپو بنانے کی ایڈورٹائزنگ کمپنی سے معاہدہ کیا ہے جس کی تفصیل تا حال راز ہے تاہم یہ بات بہت واضح ہے کہ مہروز نے ماڈل کے طور پر لازماً ستارا نامی اس لڑکی کو رکھا ہے جو کہ اس کی بیوی بھی ہے جس کی وجہ سے اس کے بے پناہ خوبصورت اور حیران کن حد تک لمبے بال ہیں اور بونس کے طور پر اس کا فگر بھی بے پناہ متناسب ہے اور ماڈلنگ کے لئے بہت موزوں بھی ہے۔''

آخری صفحہ پڑھ کر نوفل نے آہستگی سے فائل بند کر دی، اس کے چہرے پر گہری سوچ کے آثار نمایاں تھے۔

☆☆☆

''مغل ہاؤس'' بے پناہ اداسی کی لپیٹ میں تھا، اس کا سب سے بڑا سبب دو انتہائی اہم نفوس کی غیر موجودگی تھی، سب سے پہلے تو ایاز احمر...... جو کہ حسب پلان نیویارک فلائی کر چکا تھا اور اس کے بعد شاہ بخت مغل، جو کہ اپنے فیشن ایونٹ میں شرکت کے لئے دوبئی میں تھا۔

رمشہ سمیسٹر سے فراغت کے بعد ریسٹ کے موڈ میں تھی جبھی کمرہ بند کئے پڑی تھی۔

کومل حسب معمول اپنی کوئی قمیص نکالے یہ سوچنے میں مصروف تھی کہ اس پر ایپلک ورک سوٹ کرے گا یا کوئی نازک سی ایمبرائڈری......؟

آمنہ بھابھی زین کو بمشکل سلانے کے بعد خود بھی سونے کے لئے لیٹ چکی تھیں۔

وقار بھائی آفس میں تھے، عباس یونیورسٹی سے آ کر گھر میں ہی تھا۔

علینہ کے ایگزامز سر پہ تھے وہ بھی کمرہ بند تھی، الغرض اس مصروف ترین گھر کے سبھی مکین کہیں نہ کہیں مصروف تھے جبکہ صرف سبین خاموشی سے لاؤنج میں بیٹھی کوئی نیوز چینل لگائے بظاہر ٹی وی پہ نظریں جمائے ہوئے تھی، جب عباس سیڑھیاں اترتا نیچے چلا آیا۔

''بھابھی جان! کھانا ملے گا؟'' وہ آنکھوں میں نیند کی ہلکی سی سرخی لئے اس سے مخاطب تھا۔

وہ مستعدی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''کیوں نہیں، بیٹھو تم۔'' وہ کہتی ہوئی کچن کی طرف مڑ گئی۔

''نہیں میں بھی کچن میں آ جاتا ہوں۔'' وہ اس کے ساتھ ہی چل پڑا۔

کچن میں داخل ہو کر سبین کوکنگ رینج کی طرف بڑھ گئی جبکہ عباس چھوٹی ٹیبل کے گرد پڑی چیئر پر بیٹھ گیا۔

''کتنا سونا لگ رہا ہے نا ہمارا گھر، شکر ہے کل شام کی فلائٹ سے بخت واپس آ رہا ہے۔'' عباس نے کہا۔

سبین نے صرف آہستہ سے مسکرانے پر اکتفا کیا اور کھانا اس کے سامنے رکھنے لگی۔

''پلیز، آپ بھی لیجئے نا۔'' اصرار سے بولا۔

''نہیں بھئی میں نے سب کے ساتھ کھا لیا تھا، اب بالکل دل نہیں چاہ رہا۔'' وہ سنک پر مڑ کر ہاتھ دھونے لگی۔

''چلیں پھر میرے لئے چائے بنا دیں۔'' عباس نے اسے نئے سرے سے مصروف کیا۔

''ویسے میں حیران ہوں عباس! تم لوگ اتنی روٹین سے چائے پیتے ہو، سردی گرمی میں۔'' وہ پین میں دودھ انڈیلتے ہوئے بولی، عباس آہستہ سے ہنس دیا۔

''بس اب کیا بتاؤں؟ ''مغل ہاؤس'' کے مکین تو بس ایسے ہی کھسکے ہوئے ہیں۔''

''اور اس معاملے میں بخت سب سے آگے ہے، تو یہ اس کی تو صبح و شام کافی سے ہوتی ہے۔'' سبین کو بر وقت یاد آیا۔

''یہ تو ٹھیک کہا آپ نے بھابھی جان! ویسے اب تو خاصی کم کر چکا ہے کہتا ہے میں اس کا عادی نہیں ہونا چاہتا۔'' عباس نے اس کی معلومات میں اضافہ کیا۔

''ابھی عادی نہیں ہونا چاہتا، پانچ کپ تو ہر حال میں پیتا ہے، کیا بات ہے بھئی؟'' سبین نے حیرت سے کہا۔

''بہت کم ہیں، وہ تو دس بارہ کپ پیتا تھا۔'' عباس نے انکشاف کیا۔

''اچھا...... پھر تو واقعی کم کر چکا ہے۔'' سبین نے چائے کپ میں انڈیل کر اس کے سامنے رکھی۔

''آپ نہیں پئیں گی؟'' عباس نے ایک کپ دیکھ کر کہا۔

''نہیں بھئی...... مجھے عادت نہیں ہے، مشکل سے ہی ناشتے میں ایک کپ لے لوں، تو لے لوں ورنہ، تو بالکل نہیں۔'' وہ آہستہ سے مسکرائی۔

''ویری اسٹرینج، کیوں؟''

''ہماری اماں جی کو بالکل پسند نہیں تھا، وہ سخت خلاف تھیں کہ لڑکیاں صبح صبح خالی پیٹ چائے پئیں، جبھی مجھے بالکل عادت نہیں ہے۔'' سبین نے تفصیل سے بتایا۔

''اسی لئے آپ کی اسکن اتنی گلوئنگ ہے۔'' عباس نے رشک سے اس کی گندمی چمکدار رنگت کو دیکھا۔

وہ ایک پل میں سرخ پڑی تھی، عباس نے حیرت سے اس کے چہرے کے بدلتے رنگ کو دیکھا۔

''بھائی تو بہت یاد آتے ہوں گے۔'' عباس نے شرارت سے اسے کہا۔

اور سبین کا چہرہ اس کی بات پر اتنی تیزی سے تاریک ہوا کہ وہ حیران رہ گیا۔

''کیا بات ہے بھابھی جان؟'' عباس نے چونک کر تشویش سے پوچھا۔

سبین نے کوئی جواب نہیں بلکہ خاموشی سے

باہر نکل گئی، عباس حیرت سے اسے جاتے دیکھتا رہ گیا، کتنے بہت سے خدشات یکدم اس کے ذہن میں کلبلانے لگے تھے۔

''کیا انہیں پتا ہے کہ ایاز بھائی اس شادی سے خوش نہیں ہیں؟''

''ہوسکتا ہے کہ بھابھی کی ایاز بھائی سے کوئی ناراضگی ہوگئی ہو؟''

''یا پھر، انہیں بھائی کی یاد آرہی ہوگی، ایاز بھائی بھی تو صرف دس دن بعد چلے گئے تھے، شاید یہی وجہ ہو۔'' عباس نے مختلف آپشنز ذہن میں رکھ کر خود کو مطمئن کیا۔

مگر اگلے ہی لمحے اسے ایاز کا وہ سرد اور روکھا پھیکا رویہ یاد آیا جو شادی کے بعد دس دن ان کا سبین بھابھی سے رہا تھا، ''مغل ہاؤس'' میں اس حوالے سے خاصی چہ مگوئیاں ہوئی تھیں مگر پھر اسے ایاز کی سرد اور الگ تھلگ فطرت پر محمول کیا گیا۔

''تو کیا بھابھی کے ساتھ بھائی کا وہ رویہ سوچی سمجھی سازش تھی؟ کیا وہ انہیں یہ احساس دلانا چاہتے تھے کہ سبین بھابھی ان کی زندگی میں ان کی مرضی کے بغیر شامل کی گئی ہیں؟ کیا بھائی، بھابھی کو نفرت کرتے ہیں؟'' وہ الجھنے لگا۔

''کیا ہو رہا ہے یہ سب؟''

''کیسے پتا چلے گا؟ کیا ایاز بھائی سے براہ راست بات کرلوں؟''

''لیکن بات کیا کروں گا؟ یہی کہ جناب کیا آپ اس شادی سے خوش ہیں؟ کیا سبین بھابھی آپ کے معیار پر پوری اتری ہیں؟'' اسے اپنے احمقانہ خیالات پر خود ہی ہنسی آگئی۔

''اور وہ تو جیسے مجھے بتانے کو تیار ہی بیٹھے ہوں گے۔'' اس نے سر جھٹکا، لبوں پر استہزائیہ مسکراہٹ آگئی۔

''خیریت عباس بھائی! اکیلے ہی بیٹھے مسکرا رہے ہیں۔'' کومل نے اندر آتے ہوئے حیرت سے پوچھا وہ ایکدم چونکا۔

''کچھ نہیں، بس ایسے ہی۔'' وہ خالی کپ ٹیبل پر رکھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

''یہ بات تو ہنڈرڈ پرسنٹ کلیئر ہے کہ بھائی اس شادی سے قطعاً خوش نہیں تھے۔'' عباس کو ایاز کی بارات کی صبح کا واقعہ پوری جزئیات سے یاد آیا۔

''تو کیا وہ اس بات کی آگہی بھابھی کو بھی دے چکے ہیں، یہی کہ یہ امی کو اپنی یتیم بھانجی سے بے پناہ پیار تھا جس کی وجہ سے انہوں نے اپنے بیٹے کی مرضی معلوم کیے بغیر سبین کو ایاز کے لئے مانگ لیا اور سادہ سی بی اے پاس گھریلو سی سبین میں کوئی ایسی خوبی نہیں ہے جو ایاز کو اپنی لائف پارٹنر میں چاہیے تھے، کیا ایسا ہی ہوا ہے؟''

عباس اب ایک واضح نقطے پر پہنچ چکا تھا۔

''یقیناً ایسا ہی ہوا ہے۔'' وہ بائیک لے کر باہر نکل آیا، وقار نے اسے آفس بلایا تھا۔

☆☆☆

اسید چھٹیاں گزار نے لاہور چلا گیا تو گھر میں جیسے سکوت سا طاری ہوگیا تھا، حبا یوں بھی بے حد کم گو تھی اب تو بالکل ہی نہ بولتی ایسے میں مرینہ بے بوکھلائی سی پھرتیں۔

ایک شام حبا تیمور کے ساتھ بیٹھی ٹی وی پر کوئی کارٹونز دیکھ رہی تھی، یوں تو تیمور بے حد سخت اور تلخ مزاج انسان تھے مگر حبا کے لئے وہ موم کی مانند نرم اور شہد کی مانند شیریں ہو جاتے اور کارٹونز دیکھنے جیسا فضول کام بھی کرنے کو تیار ہوتے مرینہ چائے کی ٹرے سیٹ کی اور اندر کی سمت بڑھی تھیں، مگر انہیں تیمور آواز پر رک جانا پڑا۔

''حبا! بچے یہ ہمیشہ یاد رکھنا کہ میرا سب کچھ تمہارا ہے، اس میں اسید کا کوئی حصہ نہیں، مجھے پتا ہے مرینہ تم سے محبت کا ڈرامہ کیوں کرتی ہے صرف اسی لئے تاکہ میں اس سے متاثر ہو اپنی پراپرٹی میں سے کچھ نہ کچھ اسید کے لئے بھی رکھ دوں، ہونہہ...... ڈرامے باز...... یہ ناممکن ہے، قطعاً ناممکن۔'' وہ زہر خند لہجے میں کہہ رہے تھے۔

مرینہ کو لگا کسی نے بہت آہستگی سے ان کے پاؤں تلے سے زمین کھینچ لی ہو، اتنا زہریلا لہجہ، اتنا تلخ انداز، اتنا شک، ان کی حبا سے محبت پر آخر کیوں؟

وہ لرزتے قدموں سے واپس کچن میں آگئی تھیں، آہستگی سے ٹرے شیلف پر رکھتے ہوئے وہ کچن میں رکھی ٹیبل کے گرد پڑی چیئر پر بیٹھ گئیں تھیں، کتنے بہت سے آنسو بے قرار ہوکر گالوں پر بہتے گئے، حالانکہ وہ جانتی تھیں تیمور کو اسید ایک آنکھ نہیں بھاتا تھا، مگر وہ اس چیز سے سمجھوتہ کر چکی تھیں، وہ صرف یہی کرسکتی تھیں کہ تیمور کو اسید کے روبرو آنے کا موقع کم سے کم دیا جاتا اور وہ ایسا ہی کرتیں تھیں، مگر یہ تو ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ تیمور ان کی حبا کے ساتھ محبت و الفت کو یوں اپنی شکی طبیعت سے بدگمانی کی دھول میں جھونک دیں گے، وہ انہیں سگی بیٹی کی طرح عزیز تھی، وہ اس کے لئے راتوں کو جاگی تھیں، اس کی ذرا سی بیماری پر اسی طرح تڑپ اٹھتیں تھیں جیسے اس کی سگی ماں تکلیف محسوس کرتی، وہ اس کے ساتھ ہنسی تھیں اور اس کے ساتھ ہی روئی تھیں، حبا کے مقابلے میں انہوں نے اسید کو بہت نظر انداز کیا تھا اور آج پہلی بار انہیں احساس ہوا تھا کہ وہ یہ سب کرنے کے باوجود بھی ''سوتیلی'' ہی تھیں اور یہ ٹیگ ان کے ماتھے سے کبھی مٹنے والا نہ تھا۔

جیسے جیسے انہیں تیمور کے الفاظ یاد آرہے تھے تکلیف نئے سرے سے بڑھتی جارہی تھی کس طرح وہ گیارہ سالہ معصوم سی حبا کے ننھے دماغ میں زہر بھر رہے تھے، بے اختیار انہیں برسوں پہلے کا واقعہ یاد آیا جب اسی طرح انہوں نے حبا کو سمجھایا تھا کہ اسید اس کا بھائی نہیں ہے، مستقبل میں شاید ان کا یہ خیال تھا کہ وہ اسید کو اس گھر سے ہی بے دخل کردیں گے۔

مرینہ کو اپنا یہ خیال سو فیصد درست لگا، یقیناً ایسا ہی تھا جبھی تو وہ ابھی سے حبا کو ذہنی طور پر تیار کر رہے تھے تاکہ وہ جتنی اٹیچ مرینہ سے تھی اس کی شدت میں کمی آجائے۔

انہیں پہلی بار تیمور احمد سے نفرت محسوس ہوئی تھی۔

☆☆☆

منظر سنگاپور کے خوبصورت اور چمکدار نیون سائنز سے مزین سن شائن کلب کا تھا، ماحول بڑا روایتی سا تھا، شور شرابہ، جلتی بجھتی روشنیاں، نیم تاریکی میں محو رقص متعدد جوڑے اور بیک گراؤنڈ میں بلند آواز میں بجتا میوزک اور ایسے میں سہمی چڑیا کی مانند کونے میں سکڑی سمٹی ستارا کمال جو اس ماحول میں قطعی ان فٹ تھی۔

وہ اس وقت لانگ اسکرٹ اور ہاف سلیوز کی ٹاپ میں ملبوس تھی، کھلے بال گھٹنوں سے نیچے آرہے تھے جنہیں سنبھالنے کی ناکام کوشش کرتی وہ بے حد ہراساں تھی اور وحشت ناک نظروں سے اس شخص کو ڈھونڈ رہی تھی جو کہنے کو اس کا شوہر تھا مگر اس وقت یکسر اس سے غافل کسی تھائی حسینہ کے ساتھ ڈانس فلور پر تھا، کچھ دیر بعد وہ ہاتھوں میں وہسکی کا پیگ تھامے اس کی طرف آیا تھا۔

''یہ...... یہ سب...... کیا ہے مہروز؟'' وہ بھیگی آنکھوں میں شکوہ کناں تھی وہ بے اختیار

ہنسا۔

"اوہ کم آن ستارا! انجوائے دس۔"

"آپ نے کہا تھا کہ مجھے بہت اچھی جگہ لے کر جائیں گے، یہ...... اچھی جگہ ہے؟" وہ دبے غصے کے ساتھ ساتھ سوال کر رہی تھی۔

مہروز نے آخری گھونٹ لے کر گلاس ایک طرف رکھا اور اسے دونوں شانوں سے تھام لیا، اس کے پاس سے اٹھتی ام الخبائث کی بو، ستارا کو لگا اس کا دماغ الٹنے لگا ہو، اسے بے اختیار متلی ہونے لگی۔

"تم صرف وہی کرو گی جو میں کہوں گا انڈر اسٹینڈ؟" وہ غرایا تھا، بیک گراؤنڈ میں بجتا میوزک یکلخت تیز ہوا تھا۔

"کیا نہیں کیا میں؟ آپ نے کہا یہ ڈریس پہنوں، میں نے پہنا، آپ نے کہا بال مت باندھوں، میں نے نہیں باندھے آپ نے کہا، کوئی اسکارف نہ اوڑھوں، میں نے نہیں اوڑھا اور کیا چاہتے ہیں آپ؟" وہ بلند آواز میں چلائی تھی۔

"بہت جلد پتا چل جائے گا تمہیں کہ میں کیا چاہتا ہوں۔" وہ اس کا ہاتھ تھامے کھینچتا ہوا اسے کلب سے باہر لے آیا، اپنی کار کے قریب آ کر اس کا ہاتھ چھوڑا اور خود ڈرائیونگ سیٹ کی طرف بڑھ گیا، وہ اس سے کیا چاہتا تھا، بہت واضح تھا، وہ اسے تیار کر رہا تھا بلکہ اس کی کلوننگ کر رہا تھا، ایڈورٹائزنگ کمپنی کی دی گئی مہلت کی مدت ختم ہونے کو تھی اور اس کے بعد اسے ہر حال میں ستارا کا پورٹ فولیو اور اسکرین ٹیسٹ کا رزلٹ انہیں پیش کرنا تھا مگر ستارا تھی کہ ہاتھ پیر ہی نہ پکڑا رہی تھی، وہ جان گیا تھا کہ ستارا پر اسے خاصی محنت کرنا پڑے گی لیکن سب سے بڑا مسئلہ تو یہ تھا کہ اسے ستارا سے صاف بات کر کے اسے منانا تھا کہ اسے ہر حال میں ماڈلنگ کرنا پڑے گی اور اس کے ساتھ ساتھ وہ سارے سبز باغ بھی اسے دکھانے تھے کہ جو کسی بھی عقلمند لڑکی کی عقل کو گھاس چرنے بھیج سکتے تھے، فی الوقت تو اسے کلب میں لانا ہی غضب ہو گیا تھا پتا نہیں آگے کیا بنتا......؟

دوسری طرف ستارا جیسے کوئلوں پر لوٹ رہی تھی، اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ "مہروز" ہی تھا، یقین نہ کرنے کی دو وجوہات تھیں۔

(۱) وہ اسے پسند کرتی تھی۔

(۲) وہ اسے سمجھتی نہیں تھی۔

کسی کو پسند کرنا اور جان جانا دو بالکل متضاد باتیں ہیں، پسند تو ہم کسی کو بھی کر سکتے ہیں مگر ضروری نہیں کہ ہم اسے سمجھیں بھی اور یہ بھی ضروری نہیں کہ جسے ہم سمجھ لیں اسے پسند بھی کرتے ہوں اس کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا تھا، وہ مہروز کو پسند کرتی تھی، کیونکہ ایسا کرنا اس کی مجبوری تھی، وہ اس کا شوہر تھا جس کے بارے میں اس نے بڑا خوبصورت خاکہ تیار کیا ہوا تھا اور ایک حقیقی مشرقی لڑکی ہونے کی بنا پر وہ اس کے متعلق ہمیشہ ہی اچھا سوچتی، مہروز کے ہر عمل کی خود ہی وضاحتیں ڈھونڈ لیتی، مگر اب اس آئیڈیل شوہر کے خاکے میں موجود رنگ تیزی سے پھیکے پڑ رہے تھے۔

وہ بڑے دنوں سے کھٹک رہی تھی، اسے مہروز کے انداز سمجھ نہیں آ رہے تھے، وہ نہیں جانتی تھی کہ ایسی کون سی پریشانی تھی جو اسے اپنی گرفت میں لئے ہوئے تھی، بہت بار وہ کچھ کہتے کہتے رک جاتا یوں جیسے کسی مناسب وقت کے انتظار میں ہو، ستارا کو یہاں آنے کے کچھ دن بعد ہی پتا چل گیا تھا کہ بظاہر ہر طرح سے مکمل اور خوبصورت طرز زندگی کے ساتھ اسے ایک نامکمل اور ادھورا ہم سفر ملا تھا، اسے جلد ہی پتا چل گیا تھا کہ وہ ہر روز رات کو سونے سے پہلے کون سا "مشروب" پیتا تھا، وہ حیران تھی، بے حیران اپنی تقدیر پر انگشت بدنداں اسے عینی کی باتیں یاد آئیں، وہ کتنا رشک کرتی تھی کہ ستارا کو ایسی آئیڈیل اور کمپلیٹ لائف ملنے والی تھی اور تب وہ نہیں جانتی تھی کہ تقدیر کیسے اس پل ستارا پر خندہ زن تھی وہ واقعی نہیں جانتی تھی۔

ستارا کو جلد ہی احساس ہو گیا تھا کہ مہروز جتنا بولڈ اور سوشل تھا، اسے بھی اتنا ہی اپنے رنگ میں رنگنا چاہتا تھا۔

مگر ایسا ہونا قطعی ناممکن تھا، یکسر ناممکن، وہ ایک الگ مزاج کی لڑکی تھی جس کی عادتیں بہت پیاری تھیں جس کی فطرت بڑی خالص تھی، وہ اس مغربی معاشرے میں یکسر ان فٹ تھی اور آج اسے یوں لگ رہا تھا کہ گویا وہ صرف دوپٹہ ہی نہیں اپنی عفت و حرمت کی چادر بھی اتار کر اس کلب میں گئی تھی، غم و غصے کے مارے اس کے خون میں ابال سے اٹھ رہے تھے۔

اسے عائشہ آپی کی باتیں یاد آ رہی تھیں، ان کی بے شمار نصیحتیں یاد آ رہی تھیں۔

"آئم سوری عائشہ آپی! فیصلہ ہو گیا، آج کے بعد میں مہروز کی قطعی غلط بات برداشت نہیں کروں گی، جو کچھ بھی ہو مجھے ہر حال میں اسے غلط اور صحیح کا احساس دلانا ہے کیونکہ اگر ہم غلط کو غلط نہیں کہیں گے تو اس کو مزید غلط کرنے کا سرٹیفکیٹ دے دیں گی اور میں قطعاً ایسا نہیں کر سکتی۔" اس نے فیصلہ کن انداز میں سوچا، گاڑی گھر کے دروازے پر رک رہی تھی۔

☆☆☆

لاہور ائرپورٹ پر اسے ریسیو کرنے کے لئے عباس موجود تھا، وہ ارائیول لاؤنج سے باہر آیا تو ڈھیر سارے ہجوم کے درمیان بھی اسے عباس ہاتھ ہلاتا نظر آ گیا، وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھا تھا۔

"تم اکیلے آئے ہو؟" شاہ بخت نے عباس کے گلے ملتے ہوئے پوچھا۔

"تو کیا پورا لاہور اٹھا کر لے آتا۔" عباس نے اسے دھوکہ جڑا، وہ کھلکھلا اٹھا۔

"نہیں بھئی...... مگر اپنے گھر کے افراد تو لے آتے۔"

"وہ اتنے فارغ نہیں۔" عباس نے سامان کی ٹرالی اس کے ہاتھوں سے لے لی۔

"کیوں؟ کیا سب نے اٹامک انرجی کمیشن جوائن کر لیا؟" بخت نے فکرمندی سے پوچھا، عباس آہستہ سے ہنس دیا۔

"ایسی کوئی بات نہیں، بس سب کے اپنے اپنے معمولات ہیں، بیٹھو تم گاڑی میں، بتاتا ہوں۔" وہ گاڑی میں بیٹھے تو عباس ڈرائیونگ سیٹ پر آ گیا۔

"تم سناؤ ایونٹ کیسا رہا؟" عباس نے پوچھا۔

"اے ون۔" بخت نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔

"طلال کا ایونٹ تھا نا! کیا ایڈوانٹیج ملا تمہیں؟" وہ عباس کے سوال پر حیران ہوا۔

"کیا مطلب؟"

"میرا مطلب ہے کہ وہ تو تم پر بڑا لٹو ہو رہا تھا نا، ورنہ چچا جان کا کوئی موڈ نہیں تھا تمہیں دوبئی بھیجنے کا، یہ تو شکریہ ادا کرو وقار بھائی کا جن کی وجہ سے انہیں ماننا پڑا۔" عباس نے یاد دلایا، وہ آہستہ سے ہنسا۔

"ہاں ٹھیک کہتے ہو تم، مجھے انہیں ایک اسپیشل تھینکس دینا چاہیے۔" اس نے نچلا لب دانتوں تلے دبا کر مصنوعی سنجیدگی سے کہا۔

"ارے تم نے سیریس لے لیا، بھئی میں

نے مذاق کر رہا تھا۔'' عباس نے تصحیح کی۔

''میں بھی تو مذاق کر رہا ہوں۔'' دونوں کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

''اچھا بتاؤ تو کیا ایڈوانٹیج ملا تمہیں؟'' عباس نے پھر پوچھا۔

''میں لیڈ ماڈل تھا ایونٹ کا تو ڈیفنڈلی سارے ایڈوانٹیجز مجھے ہی ملنا تھے۔'' اس نے ایک جملے میں قصہ ختم کیا۔

''اچھا لیڈ ماڈل صاحب! ریسپانس کیا ملا؟''

''یہ...... ڈھیر سارے ایگریمنٹس اور آفرز۔'' بخت نے دونوں ہاتھ پھیلا کر بتایا۔

''سائن کر لئے ایگریمنٹس؟'' عباس حیرت سے چیخا۔

''احمق دکھتا ہوں تمہیں۔'' وہ برا مان گیا۔

''بابا جان نے مجھے اٹھا کر گھر سے باہر پھینکنا تھا، جانتے نہیں ہو کتنے خلاف ہیں وہ میرے اس پروفیشن کے، یہ تو وقار بھائی کے دم سے اپنا دھندا چل رہا ہے ورنہ تو......'' وہ بات ادھوری چھوڑ گیا، عباس نے بے ساختہ قہقہہ لگایا۔

''یہ تو ٹھیک کہا تم نے۔''

''گھر کی سناؤ؟'' وہ پوچھنے لگا۔

''کیا سناؤں، سبھی مصروف تھے، آمنہ بھابھی زین کو سلانے کی ناکام کوشش کر رہی تھیں اور وہ مسلسل انہیں تنگ کر رہا تھا، کوثل کچن میں کوئی نئی ڈش ٹرائی کر رہی تھی اور اس کی ہزار منتوں پر بھی رمشہ کمرے سے نہیں نکلی، بقول رمشہ Vacation پر ہے سمیسٹر سے فراغت کے بعد سو ڈونٹ ڈسٹرب می، علینہ بھی کمرہ بند ہے اس کے ایگزامز سر پر ہیں، اینڈ یو نو وہ ایگزامز کی کتنی ٹینشن لیتی ہے، بس یا کچھ اور......؟'' عباس نے تفصیل سے احوال کہہ سنایا۔

''تم کسی کو بھول رہے ہو؟'' بخت نے کہا۔

''نہیں، میں بھول نہیں رہا اسی طرف آ رہا ہوں، پتا نہیں کیا بات ہے بخت مگر ایک چیز بہت زیادہ پریشان کر رہی ہے، مجھے اچھا ہوا تم آ گئے، میں تم سے ڈسکس کرنا چاہ رہا تھا۔'' عباس کو فوراً سبین بھابھی والی بات یاد آئی، بخت اس کی بات سن کر چونکا۔

''ایسی کون سی بات ہے؟''

''تمہیں یاد ہے شادی پر ایاز بھائی کا رویہ؟'' عباس نے کچھ سوچ کر بات شروع کی حالانکہ ایک دفعہ تو اس کا دل چاہا کہ وہ اس سے نہ شیئر کرے آخر ایاز اس کا بھائی تھا مگر یہ بھی شاید ان سب کے آپس میں خلوص و یگانگت کا نتیجہ تھا کہ اس نے دوسرے ہی پل اس سوچ کو رد کر دیا کیونکہ شاہ بخت بلاشبہ اسے ایاز سے زیادہ عزیز تھا، بعض لوگ یونہی دوسروں کی رگوں میں پیوست ہوتے ہیں۔

''وہ بھی کوئی بھولنے والی بات ہے؟'' بخت کے تاثرات تیزی سے بدلے، انداز میں ناگواریت تھی۔

جواباً عباس نے آہستہ آہستہ اسے ساری تفصیل بتا دی، وہ خاموشی سے سنتا گیا، جب عباس نے بات ختم کی تو بخت نے افسوس سے سر ہلایا۔

''واقعی یہ تو بالکل سامنے کی بات ہے اور سچ تو یہ ہے کہ خواہ ایاز بھائی یہاں دس دن رہے مگر اس کے باوجود سبین بھابھی کا رویہ وہ نہیں تھا، جو کہ فطری طور پر ہونا چاہیے تھا، مجھے نہیں یاد پڑتا میں نے کبھی انہیں اکٹھے بیٹھ کر بات کرتے دیکھا ہو، حیرت ہے ہمیں یہ خیال پہلے کیوں نہیں آیا۔''

''اب اس کا حل سوچو۔'' عباس نے زور دیا۔

''کیا حل ہو سکتا ہے؟ مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آ رہی، وقار بھائی کو بتا دو سب کچھ وہ سنبھال لیں گے۔'' بخت نے پریشانی سے ماتھا چھوا۔

''حد کرتے ہو تم بھی، ہم صرف مفروضوں کی بات کر رہے ہیں، یہ ضروری تو نہیں کہ جیسا ہم سوچ رہے ہیں ویسا ہی ہو۔'' عباس نے نیا نکتہ اٹھایا، بخت نے بے زاری سے سر جھٹکا۔

''چلو جو بھی ہے، ختم کرو اب، پریشان ہو گیا ہوں میں، تمہارے ذہن میں کوئی Solution ہے تو عمل کر ڈالو۔'' گاڑی میں خاموشی چھا گئی۔

''اچھا بھئی یہ بتاؤ ادھر تو کوئی مصروفیت نہیں نا ابھی؟'' عباس نے اس کی ماڈلنگ کی بابت پوچھا۔

''گیارہ دن بعد کراچی میں فیشن ویک شروع ہو رہا ہے، اس میں شرکت کے بعد تو کوئی مصروفیت نہیں کم از کم ایگزامز تک تو بالکل نہیں۔'' بخت نے کہا۔

''ہوں یہی اچھی بات ہے، فرسٹ اسٹڈیز باقی سب کو بعد میں۔'' وہ باتیں کرتے رہے۔

کچھ دیر بعد گاڑی ''مغل ہاؤس'' میں داخل ہو رہی تھی لاؤنج میں ہی رمشہ مل گئی، بخت کو دیکھ کر اس نے مسرت بھری چیخ ماری اور صوفے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''وہاٹ آ پلیزنٹ سرپرائز۔'' بخت آہستگی سے مسکرایا اس کی نظر کونے میں بیٹھی علینہ پر تھی رمشہ اب اس کے ساتھ ہاتھ ملاتے ہوئے حال احوال دریافت کر رہی تھی۔

علینہ کی آنکھوں میں بڑی عجیب کیفیت تھی، شاید ناگواریت غصہ یا پھر رنج اس کی نظر اس ہاتھ پر تھی جو رمشہ نے تھاما ہوا تھا، وہ آہستگی سے اٹھ کھڑی ہوئی اور غیر محسوس انداز میں لاؤنج سے نکل گئی اس بات سے بے خبر کہ وہ بڑی گہری نگاہ سے اسے واچ کر رہا تھا۔

☆☆☆

اسید اپنے رزلٹ سے صرف دو دن پہلے لاہور سے واپس اسلام آباد پہنچا تھا اور اس وقت وہ مکمل طور پر ایک بدلی ہوئی شخصیت بن چکا تھا، ہنستا مسکراتا، خوش باش سا اسید، حبا کو ورطہ حیرت میں ڈال گیا۔

''اور بھئی کیسی ہو حبا، ٹھیک ہو؟'' اسید نے اس کا سر تھپتھپایا حبا نے حیرت سے پھیلی آنکھوں کے ساتھ اثبات میں سر ہلایا۔

''ماما پلیز اچھا سا کھانا اور اس کے بعد سٹرونگ سی چائے۔'' وہ کہتا ہوا اپنے کمرے کی طرف مڑ گیا۔

مرینہ حیرت و خوشی کے ملے جلے احساسات کے ساتھ کچن کی طرف مڑ گئیں، خوشی خوشی ٹرے تیار کی تھی، اسی وقت تیمور نے گھر کے اندر قدم رکھا، وہ تھم سی گئیں، چپکے سے ٹرے حبا کو تھمائی تھی، حبا جانتی تھی کہ اب ایک گھنٹے تک وہ تیمور کی ناز برداری میں مصروف رہیں گی جبھی خاموشی سے ٹرے لے کر اسید کے کمرے کی طرف چل دی، اگرچہ دل میں خوف تھا اور گزشتہ واقعات کے پیش نظر ٹانگیں ہولے ہولے لرز رہی تھیں، وہ اسید کے کمرے میں داخل ہوئی تو وہ ڈریسنگ کے سامنے کھڑا نکھرا نکھرا سا بال بنا رہا تھا۔

حبا نے ٹرے بیڈ پر رکھی اور واپس مڑی۔

''ارے! کہاں جا رہی ہو؟ آؤ نا بیٹھو۔'' وہ بیڈ پر بیٹھ چکا تھا، ناچار وہ رک گئی۔

''اب کھڑی کیوں ہو؟ بیٹھو نا۔'' اسید نے اصرار کیا وہ آہستگی سے بیڈ کی پٹی پر ٹک گئی۔

اسید نے نظر بھر کر اس کا جائزہ لیا، سرخ و

سفید لان کے پرنٹڈ سوٹ میں وہ مناسب سائز کے دوپٹہ اوڑھے ہوئے تھی جو سلیقے سے اس کے شانوں پر پھیلا ہوا تھا۔

اسید کو اس کا حلیہ حیران کن لگا، اسے ہر وقت سلیو لیس ٹاپ اور اسکرٹس میں ملبوس رہنے والی حبا یاد آئی، اس نے سر جھٹکا۔

''کیا کیا چھٹیوں میں؟'' اسید نے اس سے پوچھا۔

''پڑھتی رہی ہوں۔'' حبا نے دھیمی آواز میں جواب دیا اتنا بدلا ہوا اسید اس سے ہضم نہیں ہو رہا تھا۔

اسید نے اس کی آواز کی نغمگی کو پوری شدت سے محسوس کیا بے اختیار سر اٹھا کر اسے بغور دیکھا، سانولا رنگ اور عام سے نین نقش، وہ آج بھی ویسی ہی تھی، وہی تھی، پھر اسے کیوں اتنی تبدیل سی لگ رہی تھی۔

''اچھی بات ہے، چلو شروع کرو۔'' اسید نے ٹرے اس کی سمت سرکائی۔

''نہیں، آپ کھائیں۔'' حبا نے انکار کیا۔

''اوں ہوں۔'' اسید نے فوراً ٹوکا۔

''مجھے تنہا کھانے کی عادت نہیں رہی پلیز نہ مت کرو۔''

''میں کھا چکی ہوں۔'' وہ آہستہ سے بولی۔

''اوہو! چند نوالے تو لے سکتی ہو ناں۔'' وہ جھلا گیا، حیرت کا شدید جھٹکا تھا جو حبا کے دماغ سے سنسناتا ہوا اتر گیا، اتنا بدلاؤ؟ ایسی تبدیلی؟ مگر اس نے خاموشی سے کھانے کی سمت ہاتھ بڑھا دیا۔

حبا نے لئے تو صرف چند نوالے ہی تھے اور اس دوران وہ مسلسل بولتا رہا تھا۔

''پتا ہے حبا! اسد بہت اچھا ہے، اس میں حیرت انگیز صلاحیتیں ہیں، وہ مجھ سے چار سال بڑا ہے مگر میں نے اسے آپ نہیں کہا کیونکہ وہ مانتا نہیں تھا، کہتا تھا میں اس کا دوست ہوں اور دوستی میں کوئی آپ جناب نہیں، وہ اپنے کالج کی فٹ بال ٹیم کا کیپٹن ہے اور اسٹڈیز میں بھی ہمیشہ ٹاپ پر ہوتا ہے، وہ پزا بہت اچھا بناتا ہے، تم...... تمہیں بنانا آتا ہے؟'' وہ یکدم موضوع سے ہٹ کر حبا سے پوچھنے لگا، حبا نے گڑبڑا کر سر نفی میں ہلایا، پتا نہیں یہ ''اسد صاحب'' کون ذات شریف تھے جو اسید مصطفیٰ کے سر پر اتنا سوار تھا کہ اسے ''اسد نامہ'' کے سوا کوئی موضوع ہی نہ سوجھ رہا تھا۔

''کیوں نہیں بنانا آتا تم تو لڑکی ہو اور لڑکیوں کو سب آنا چاہیے۔'' اسید نے اپنی علمیت جھاڑی، حبا نے روبوٹ کی مانند سر اثبات میں ہلایا۔

''مجھے آتا ہے، اسد نے مجھے سکھایا، آئیڈیا، ہم شام کو بناتے ہیں پھر تم بھی سیکھ لوگی۔'' وہ چٹکی بجا کر بولا۔

حبا خاموشی سے اس کی باتیں سنتی رہی وہ جان گئی تھی یا اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ ساری تبدیلیاں اسد کی مرہون منت تھیں، حبا کا دل چاہا کہ وہ اس انقلابی تبدیلی پر اس ہستی کو ایک ایوارڈ سے تو ضرور ہی نواز دے۔

☆☆☆

ستارا اور مہروز کے تعلقات میں خاصی سرد مہری آ چکی تھی، ستارا یہ چاہتی تھی کہ وہ جو بھی راز دبائے بیٹھا تھا اب اسے منکشف کر دے، جبکہ اس نے اپنے رویے میں نرمی یا بدلاؤ لانے کی کوشش نہیں کی تھی اور اس کی یہی ہٹ دھرمی اور ضد مہروز کو مزید تاؤ دلا رہی تھی، وہ بھی جانتا تھا کہ اسے آج بالکل بہر صورت ستارا سے کھل کر اس موضوع پر گفتگو کرنا پڑے گی اور آخر کار آج اس کے لئے مکمل طور پر ذہن بنا چکا تھا، اسٹوڈیو سے گھر آیا تو ستارا صوفے پر دراز ریموٹ پکڑے چینل پر چینل بدل رہی تھی، سیل فون پاس ہی اوندھا زمین پر گرا ہوا تھا، مہروز کو یاد آیا کہ وہ کتنی دیر کال ملاتا رہا تھا مگر کال پک نہیں کی گئی تھی، اسے دیکھ کر ستارا کے انداز نشست میں معمولی سی تبدیلی آئی وہ نیم دراز ہو گئی، مگر مصروفیت ہنوز جاری تھی، مہروز نے لب بھینچتے ہوئے پاس پڑا سیل فون اٹھایا اور اس کے ساتھ صوفے پر ٹک گیا، ستارا اسی انداز میں ٹی وی اسکرین کو دیکھنے میں مگن تھی۔

''میں کال کرتا رہا، تم نے فون نہیں اٹھایا؟''

''فون Silent پر تھا۔'' وہ بے تاثر لہجے میں کہہ کر اٹھ گئی، پھر رک کر بولی۔

''کھانا لگاؤں؟''

''نہیں۔'' مہروز نے کہتے ہوئے فون صوفے پر رکھا اور بیڈ روم میں چلا گیا۔

ستارا خاموشی سے کھڑی اسے دیکھتی رہی، پھر دوبارہ صوفے پر بیٹھ گئی۔

کچھ دیر بعد مہروز باہر آیا تو کپڑے تبدیل کر چکا تھا، وہ اس کے سامنے آ کر بیٹھ گیا۔

''مجھے تم سے بات کرنی ہے۔'' مہروز نے کہا، اس کے لہجے میں موجود غیر معمولی پن نے ستارا کو ٹھٹک جانے پر مجبور کیا گویا وہ کھلنے والا تھا، اس نے ٹی وی آف کیا اور پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہو گئی۔

''میں اپنے نئے ایڈ کے لئے تمہیں As a modle سیلیکٹ کر چکا ہوں۔'' مہروز نے واضح الفاظ میں دھماکہ کیا۔

وہ چند لمحے ساکت سی اسے دیکھتی رہی، یہ تھا اس کا شوہر، جو اپنی بیوی کو لوگوں کے سامنے ایکسپوز کرنا چاہتا تھا۔

''تو......؟'' ستارا کی آواز میں لرزش تھی۔

''تو یہ کہ تمہیں اسکرین ٹیسٹ دینا ہو گا اور......؟'' وہ کہہ رہا تھا ستارا نے تیزی سے اس کی بات کاٹی۔

''سوری میں ایسا کچھ نہیں کروں گی۔'' وہ دو ٹوک انداز میں بولی، لہجہ ہر قسم کی نرمی اور لچک سے عاری تھا۔

''تمہیں اس کے لئے تیار ہونا پڑے گا۔'' مہروز نے بڑے پر زور دیا۔

''آپ مجھ پر زبردستی نہیں کر سکتے۔'' ستارا نے اونچی آواز میں کہا وہ اس کے لہجے پر چونکا۔

''آف کورس کر سکتا ہوں۔'' وہ اس سے بھی تیز آواز میں بولا، ستارا صوفے سے اٹھ گئی۔

''میں آپ کی بیوی ہوں، زر خرید نہیں مائنڈ اٹ۔'' وہ ترشی سے بولی تھی، مہروز بھی کھڑا ہو گیا۔

''بیوی ہو اسی لئے آرام سے بات کر رہا ہوں ورنہ میں ایسے لہجے سننے کا عادی نہیں ہوں۔'' مہروز کے لہجے میں اتنی سرد مہری اور سفاکی تھی کہ وہ چند لمحے ساکت رہ گئی یوں لگا تھا کہ جیسے کسی نے آہستگی سے زمین پیروں تلے سے کھینچ لی تھی۔

''میں بھی ایسے لہجے سننے کی عادی نہیں ہوں مہروز کمال!'' وہ بے ساختہ چلائی تھی۔

''شٹ اپ۔'' وہ دھاڑا تھا۔

''یہ خوش فہمی اپنے دماغ سے نکال دو کہ میں تمہاری بات مانوں گی۔'' وہ بے خوفی سے اس کے مقابل کھڑی تھی۔

لہجے میں اتنی واضح تبدیلی پر وہ طیش سے اس کی طرف بڑھا تھا اور اگلے ہی لمحے اس کا دایاں ہاتھ اٹھا اور ستارا کے گال پر پوری قوت سے پڑا۔

''تمیز سے بات کرو۔'' وہ پلٹ کر صوفے پر گری، مہروز نے آگے بڑھ کر دونوں بازو اس کے اردگرد رکھے اور ذرا سا جھکا۔

''تمہیں میری بات ماننی پڑے گی ستارا۔'' مہروز کا لہجہ خطرناک ہوا تھا۔

''ہر حال میں، یاد رکھنا۔'' مہروز نے وارننگ دی اور سیدھا ہو گیا۔

''اور تم بھی یاد رکھنا مہروز کمال، میں مر تو سکتی ہوں مگر تمہاری بات نہیں مانوں گی۔'' وہ بھی ہر قسم کے خوف سے آزاد بولی تھی، وہ چند لمحے اسی طرح کھڑا رہا، پھر بے ساختہ ہنس دیا۔

''تمہیں مار کر یا تمہارے مرنے سے مجھے کیا حاصل ہوگا اور ویسے بھی مرنا اتنا آسان نہیں ہے، یقین نہیں تو کوشش کر دیکھو۔'' وہ پلٹ کر کمرے کی طرف بڑھ گیا اور کچھ دیر بعد کمرہ لاک ہونے کی آواز آئی تھی۔

حیرت و خوف کی شدت سے وہ سن سی ہو رہی تھی، اعصاب قابو سے باہر ہوتے جا رہے تھے، اسے محسوس ہوا کہ اس کے ہاتھ لرز رہے تھے اس نے دونوں ہاتھوں کو باہم جکڑا اور بے ساختہ گود میں چھپا لیا۔

''نہیں مہروز کمال! میں تمہاری بات قطعاً نہیں مان سکتی اور میں دیکھوں گی کہ تم کیا کرتے ہو؟'' وہ ایک آخری فیصلہ پر پہنچ کر خود سے مخاطب ہوئی تھی۔

''تم نے مجھے کیا سمجھا کہ میں اتنی ارزاں ہوں، اتنا عام سمجھا مجھے؟ یہ تو تمہارے اندر کی گندگی ہے نا کہ تم اپنی بیوی کو بھی کمائی کا ذریعہ بنانا چاہتے ہو، اتنی پستی میں گرے ہوئے ہو تم، کاش میرے ماں باپ اتنی جلدی نہ کرتے، لڑکی کی خوش قسمتی پر رشک کرتے ہیں، یہ جانے بغیر کہ وہ اسے اپنوں سے دور جس اجنبی کے پاس بھیج رہے ہیں وہ محافظ اور راہبر کی بجائے چور اور راہزن بھی تو ہو سکتا ہے نا اور اس اجنبی دیس میں وہ لڑکی کس کو سب بتائے گی، کس کے آگے مدد کے لئے دست سوال دراز کرے گی، آپ نے جلدی کی اماں، بہت جلدی، یہ شخص تو آپ کی ستارا کو سرعام بٹھانا چاہتا ہے بولی لگوانے کے لئے اور اماں جان لیجئے کہ جس دن آپ کو یہ خبر ملے گی ستارا مر گئی تو اتنا سمجھ لیجئے گا کہ وہ اپنی عزت و حرمت پر قربان ہو گئی، کیونکہ میں اپنے رب کو دھوکہ نہیں دے سکتی اماں......'' وہ سوچے جا رہی تھی، آنکھیں قطعی خشک تھیں، شاید وہ اس گرے ہوئے اور ذلیل انسان کے لئے رونا بھی نہیں چاہتی تھی، یا شاید حیرت اور صدمے کی شدت اتنی زیادہ تھی کہ اس کے آنسو ٹھہر گئے تھے، اس کے پاس پڑے فون کی اسکرین بلنک کر رہی تھی، اس نے دھندلائی ہوئی نظر سے موبائل تھاما اور اسکرین پر نگاہ دوڑائی کوئی اجنبی نمبر تھا۔

اس نے آہستگی سے ''یس'' کا بٹن پریس کیا اور فون کان سے لگا لیا۔

''ہیلو۔'' اس کی آواز گلوگیر ہو رہی تھی، حلق میں شاید کچھ پھنس گیا تھا، آنسوؤں کا گولہ یا شاید امیدوں کی راکھ۔

''ستارا کیسی ہو؟'' بڑے مانوس انداز میں اجنبی مردانہ آواز میں پوچھا گیا۔

اس نے تھوک نگلا تھوڑی سی ہمت پیدا کی پھر بولی۔

''کون......کون بات کر رہا ہے؟''

''میں نوفل بات کر رہا ہوں۔''

باقی اگلے ماہ

سندس جبیں

''نوفل......؟ کون نوفل......؟'' ستارا نے پوچھا۔

''جی میں نوفل ہوں۔'' دوسری طرف سے اسی روانی سے کہا گیا۔

''لیکن میں آپ کو نہیں جانتی۔'' وہ محتاط ہوئی تھی۔

''کیا فرق پڑتا ہے میں تو جانتا ہوں۔'' دوسری طرف سے بڑے سکون سے کہا گیا۔

''دیکھیں پلیز مجھے تنگ مت کریں، میں آپ کو نہیں جانتی، میں پہلے ہی بہت پریشان ہوں۔'' وہ رندھی آواز میں بمشکل بولی، دوسری طرف چند لمحوں کے لیے سکوت چھا گیا۔

''میرا مقصد قطعاً تمہیں پریشان کرنا نہیں ہے بلکہ مین تو تمہاری پریشانی شیئر کرنا چاہتا ہوں۔'' وہ آہستہ اور نرم لہجے میں بولا۔

ستارا کے دکھے ہوئے دل کو ایکدم جیسے کسی نے نرمی سے چھوا، بے اختیار اس کے آنسو بہہ نکلے۔

ناولٹ

''دیکھیں پلیز۔'' وہ سسک اٹھی اور بات مکمل نہ کر سکی۔

''ستارا پلیز روئیں مت پلیز۔'' وہ جیسے بے قرار ہوا تھا۔

''آپ فون بند کر دیں اور آج کے بعد مت کیجئے گا۔'' وہ اپنی سسکیوں پر قابو پا کر بولی۔

''ٹھیک ہے لیکن پہلے تم رونا بند کرو۔'' وہ پریشانی سے بولا۔

''کیوں آپ کو مجھ سے کیا ہمدردی ہے؟'' وہ چیخ کر بولی۔

''کیا مہروز سے کوئی بات ہوئی ہے؟'' وہ بے یقین سے پوچھ رہا تھا، ستارا ششدر رہ گئی تھی۔

''اس کا مطلب وہ جو کوئی بھی تھا ان دونوں

کے بارے میں جانتا تھا، ہوسکتا ہے مہروز کا کوئی دوست یا واقف کار ہو۔'' ستارا نے سوچا۔
''اگر ہے بھی تو میں آپ کو کیوں بتاؤں؟'' وہ سنبھل کر بولی۔
''اس کا مطلب ہے کہ کچھ ہوا ہے، کیا؟ وہ میں خود پتا چلا لوں گا، اب تم رونا بند کرو۔'' نوفل نے فون بند کر دیا۔
وہ حیرانی سے فون کو دیکھنے لگی ریسوڈ کالز میں موجود نمبر مقامی سیریل کا تھا، وہ جو کوئی بھی تھا سنتوشا سے ہی کال کر رہا تھا اور اگر مہروز کا دوست ہوا تو؟ ستارا نے سوچا، ہوتا ہے تو ہو میں نے کون سا کوئی غلط بات کی ہے، وہ سر جھٹک کر اٹھ گئی، پہلے سوچا مہروز کو بتا دے گی، پھر یاد آیا وہ تو اس کی شکل دیکھنے کی روادار نہیں، کجا کہ بات کرتا، کچن میں آ کر چائے کا پانی رکھتے ہوئے اس نے سوچا، بھاڑ میں جائے نوفل اور جہنم میں جائے مہروز، اسے کیا اس کے سر میں شدید درد ہو رہا تھا۔

☆☆☆

''مغل ہاؤس'' میں ایک خوشگوار اور سہانی شام اتری تھی وہ سب شام کی چائے کے لئے لان میں جمع تھے، بڑوں کا علیحدہ گروہ بنا ہوا تھا جو کہ چیئرز پر براجمان تھے، جبکہ ینگسٹرز گھاس پر لڑھک رہے تھے، چائے پی جا چکی تھی، رمشہ ہاتھ میں موبائل پکڑے ایس ایم ایس لکھنے یا کرنے میں مشغول تھی، کومل کے ہاتھ میں فریم تھا جس کا ڈیزائن وہ سبین بھابھی کے ساتھ ڈسکس کرنے میں مصروف تھی، عباس بھی گھاس پر آلتی پالتی مارے بیٹھا تھا قریب ہی شاہ بخت نیم دراز تھا سر کے نیچے کہنی رکھے جبکہ علینہ مناسب فاصلے پر بیٹھی کوئی کتاب کھولے اسے رٹنے میں مصروف تھی، وقار چونکہ ابھی آفس سے لوٹے تھے اس لئے چینج کرنے کے لئے گئے تھے [illegible] بھابھی ان کی مدد کے لئے ان کے پیچھے [illegible] زین، بخت کے اوپر چڑھ کر اٹھکیلیاں کر [illegible] مگن تھا، بخت اسے گدگداتا تو وہ ہنستا ہوا [illegible] بڑھا پھر سیدھا ہوتا اور اسے گدگدانے کی [illegible] کرتا، جس پر بخت اسے مصنوعی ناراضی [illegible] گھورتا اور کہتا ''یار! مت تنگ کرو مجھے [illegible] نہیں ہوتی۔''
جب تین چار بار اس نے یہی جواب [illegible] رمشہ بول پڑی۔
''افوہ پتا ہے نہیں ہوتی مگر وہ معصوم [illegible] اس کے لئے تو ہنس دو، ویسے تو ہمیشہ [illegible] رہتے ہو۔'' وہ جل کر بولی تھی، بخت [illegible] کھلکھلا کر ہنس دیا، زین کھل اٹھا۔
''بخت چاچو! گدگدی ہوتی۔'' وہ [illegible] بخت کو تنگ کرنے لگا، اسی وقت وقار بھی [illegible] بخت نے زین کو ہٹایا اور بڑھ کر ان [illegible] گیا۔
''کیسے ہو جوان؟ خوش ہو؟ [illegible] سب؟'' وہ اس کی پیشانی چوم کر بولے، شاہ [illegible] کا چہرہ چمک اٹھا، وہ اس سے بے حد محبت [illegible] تھے وہ جانتا تھا اور وقار کو شاید خود بھی کبھی [illegible] آئی تھی کہ وہ بخت کو اتنا کیوں چاہتے ہیں [illegible] عباس، ایاز، شاہ نواز سب انہیں بے حد [illegible] مگر شاہ بخت میں تو جیسے ان کی جان بند [illegible] اس کی کوئی بات نہ ماننا تو درکنار، ٹال [illegible] سکتے تھے، انہوں نے ہمیشہ شاہ بخت کی [illegible] پوری کی، وہ ضد بھی جس کو ماننے سے [illegible] انکار کر دیتے، حال ہی میں وہ بھی ایونٹ [illegible] کی ایک مثال تھا۔
''میں ٹھیک ٹھاک ہوں، آپ سنا [illegible] وہ ان سے الگ ہو کر بولا۔

''الحمدللہ۔'' وہ گھاس پر بیٹھ گئے، زین اب باپ سے چمٹ رہا تھا۔
''اور بھئی کیسا رہا ایونٹ؟ طلال کے ساتھ کام کر کے کیسا لگا؟'' وقار اس سے پوچھنے لگے جبکہ زین ان کے کندھوں پر جھول رہا تھا۔
''او ہو بیٹا بات کرنے دو، جاؤ اپنی ماما کے پاس۔'' انہوں نے اس کا بازو پکڑ کر علیحدہ کیا، وہ منہ بسورتا ہوا ایک بار پھر بخت کی گود میں آ گھسا، بخت نے بے ساختہ اس کا گال چوما اور اسے خود سے لپٹا لیا، زین ہنستے ہوئے اب پھر اسے تنگ کرنے لگا۔
''ٹھیک رہا سب، بہت مزا آیا، بہت ہی اچھا ایونٹ تھا بہت زبردست ایکسپیرینس رہا، طلال کے ساتھ کام کرنے کا۔'' وہ انہیں بتانے لگا۔
''ڈسک لائے ہو ریکارڈنگ کی؟'' رمشہ نے موبائل سے نگاہ ہٹا کر پوچھا۔
''ظاہر ہے وہ تو لایا ہوں۔''
''ڈفر! پہلے کیوں نہیں بتایا؟'' وہ جھلا گئی، فون گود میں رکھا اور دونوں ہاتھوں سے تالی بجا کر سب کو متوجہ کیا۔
''چلیں سب، انہیں بخت کی ماڈلنگ دکھائیں، پتا تو چلے جناب نے کون سا تیر مارا ہے۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔
''ہاں یار! چائے تو پی لی ہے اٹھو سب۔'' وقار بھائی نے بھی کپ ٹرے میں رکھا۔
سب ایک ایک کر کے اٹھ گئے، عباس نے لاؤنج میں موجود ٹی وی کے ساتھ ڈی وی ڈی اٹیچ کی تھوڑی دیر بعد بخت سیڑھیاں اترتا ہوا آیا تو اس کے ہاتھ میں ڈسک تھی، عباس نے ڈسک اس سے لے کر ایڈجسٹ کی، چند لمحوں بعد ویڈیو سٹارٹ ہو گئی، وہی روایتی بسا ریمپ اور اسٹیج تھا، بے تحاشا ہجوم چمکتے مسکراتے چہرے اور بے فکرے لوگ، کچھ دیر بعد شو شروع ہو گیا، نیل ماڈلز کی واک شروع ہو گئی، مختلف اقسام کے خوبصورت اور منفرد ڈنر سوٹوں میں ملبوس ماڈلز میں ہر کوئی ایک سے بڑھ کر ایک تھا، علینہ نے سب سے پیچھے پڑے صوفے پر براجمان بے چینی سے پہلو بدلا اور ناگواری سے اسکرین پر سے نظریں ہٹا کر ایک نظر اسکرین میں گم حاضرین کو دیکھا، پھر نظریں سامنے پڑی کتاب پر جما دیں، کچھ دیر بعد اس نے نظر دوبارہ اسکرین پر جما دی اور اسے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔
''اوفو، بخت تم کدھر ہو؟'' عباس نے کچھ جھلا کر پوچھا۔
''بس اب میری ہی انٹری ہے یار!'' بخت نے جواب دیا اور چند سیکنڈز بعد وہ اسکرین پر نمودار ہو گیا، شاہ بخت اس وقت سیاہ ڈنر سوٹ میں ملبوس تھا جس کے کالر اور فرنٹ پر بے حد خوبصورت اور یونیک سٹائل کا ڈیزائن تھا، کوٹ کا صرف ایک بٹن بند کیا گیا تھا شرٹ پہننے کا تکلف نہیں کیا گیا تھا جس کی وجہ سے اس کا فراخ کشادہ سینہ بہت نمایاں تھا، شہد رنگ بالوں کا منفرد ہیئر سٹائل بے تاثر چہرے کے ساتھ اس کی آنکھوں کی دلکش چمک اور پروقار چال، وہ ریمپ پر نہیں وہاں موجود لوگوں کے دلوں پر چل رہا تھا، اس کا اندازہ بے پناہ چیخوں، آوازوں، تالیوں کے شور اور بجنے والی سیٹیوں سے ہو رہا تھا، کھٹا کھٹ کیمروں سے فلش چمک رہے تھے۔
''Oh, God! I am speechless۔'' رمشہ کی چیخ نما آواز پر جیسے سب سحر سے نکلے۔
علینہ نے چبھتی ہوئی تیز نگاہوں سے رمشہ کو

دیکھا اور پھر بخت کو، سینے سے ایک آنچ سی نکل رہی تھی جو رفتہ رفتہ پورے وجود کو اپنی لپیٹ میں لے رہی تھی، وہ خاموشی سے اٹھی، اب کوئی بھی خاموش نہیں تھا سب اپنی اپنی رائے دینے میں مگن تھے، وہ باہر نکل آئی، یہ جانے بغیر کہ شاہ بخت نے اس کی غیر موجودگی کو فوراً نوٹ کیا تھا، لان میں مٹیالا سا اندھیرا تھا، کین کی چیئر پر بیٹھتے ہوئے اس نے اپنی آنکھوں میں اتری خفیف سی دھند کو ہاتھ سے رگڑا اور غیر ارادی طور پر کتاب پر نظر دوڑائی جس پر اس نے کچھ لکھا تھا۔

"You are looking fabulus, alliganet and terrific"۔

اس نے وحشت کے عالم میں اپنے ہی لکھے الفاظ پر سختی سے بال پوائنٹ چلا دی، جیسے تقدیر کے لکھے کو مٹانے کی کوشش کر رہی ہو، لاؤنج سے اب شور شرابے کی آوازیں اٹھ رہی تھیں جن میں سب سے بلند آواز رمشہ کی تھی جو کہ شاہ بخت سے ٹریٹ کا تقاضا کر رہی تھی، وہ ہنستا کھلکھلاتا نخرے دکھا رہا تھا، آنکھوں میں اتری دھند اب علینہ کے پورے وجود کو اپنی لپیٹ میں لے رہی تھی۔

☆☆☆

اسید مصطفیٰ بدل گیا تھا اور یہ یقیناً کسی اسد نامی شخص کا کمال تھا، حبا نے اسی شام مرینہ سے پوچھا تھا۔

"ماما! یہ اسد کون ہے؟"

"کیوں کیا ہوا؟" مرینہ کس قدر چونک گئیں۔

"وہ اسید بہت ذکر کر رہا تھا۔" وہ گڑبڑا گئی۔

"وہ عمر بھائی کا بیٹا ہے۔" انہوں نے اپنے بڑے بھائی کا نام لیا

"اوہ تو اسید کا کزن ہے۔" حبا نے سمجھتے ہوئے سر ہلایا۔

"ہوں، اسید کا زیادہ وقت اسد کے ساتھ ہی گزرتا ہے نا جبھی وہ اسے مس کر رہا ہوگا۔" مرینہ نے کہا، حبا نے اثبات میں سر ہلایا۔

"اسید بہت بدل گیا ہے ماما۔"

"ہاں، وہ بہت بدل گیا ہے اور میں بہت خوش ہوں کیونکہ یہ تبدیلی بہت مثبت ہے۔" چمکتی آنکھوں سے مسکرائی تھیں۔

ایک خوبصورت مسکراہٹ نے حبا کے لبوں کا احاطہ کیا تھا، تبدیلی واقعی بہت مثبت تھی اس کا حبا کے ساتھ رویہ یکسر تبدیل ہو چکا تھا، وہ اب کول اور پولائیٹ ہو گیا تھا حبا کو یقین نہ آتا۔

ایک دن بعد ہی اسید کا رزلٹ تھا، وہ صبح سے بے چین اور بے تاب سا پھر رہا تھا۔

"ماما! آپ دعا کریں نا۔" وہ لجاجت سے مرینہ سے بولا۔

"اپنی محنت پر اعتماد ہے نا۔" وہ مسکرائیں اسید نے اثبات میں سر ہلایا۔

"اور اللہ پر بھروسہ ہے نا؟" انہوں نے مزید کہا۔

"بالکل ہے۔" اس نے مزید زور و شور سے سر ہلایا۔

"تو پھر کس بات کا ڈر ہے؟ میری دعا تمہارے ساتھ ہیں بچے۔" انہوں نے اس کی پیشانی چومی۔

کچھ دیر بعد ہی اسید کا کوئی دوست اسے لینے آ گیا، وہ دونوں بائیک پر سوار رزلٹ معلوم کرنے کے لئے چلے گئے، آدھے گھنٹے بعد وہ لوٹا تو خوشی سے دیوانہ سا ہو رہا تھا، گیٹ سے ہی اونچا بولتا وہ لاؤنج میں آیا اور سیدھا مرینہ سے لپٹ گیا، چہرہ خوشی اور جوش سے سرخ ہو رہا تھا۔

"میرا اے پلس گریڈ آیا ہے ماما 85 پرسنٹ مارکس۔" مرینہ نے اس کی پیشانی چوم کر ڈھیروں دعائیں دی تھیں۔

"مبارک ہو اسید۔" حبا نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔

"تھینکس۔" اسید نے اس کا ہاتھ دونوں ہاتھوں میں تھام کر زور سے دبایا اور چھوڑ دیا۔

"میرے فرینڈز ٹریٹ مانگ رہے ہیں ماما۔" وہ لاڈ سے مرینہ کے گلے میں جھول گیا تھا۔

"کیوں نہیں بیٹا۔" انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔

تیمور احمد دو دن کے لئے بزنس کے سلسلے میں کراچی گئے ہوئے تھے، شاید یہ بھی اسید کے حق میں ایک پلس پوائنٹ ثابت ہوا تھا جبھی وہ پورے زور و شور سے اپنی خوشی سیلیبریٹ کر رہا تھا، اگر تیمور گھر میں ہوتے تو شاید یہ ممکن نہ ہوتا، شام میں جب وہ اسٹائلش سی شرٹ اور پاکٹ ٹراؤزر میں ملبوس بائیک کی چابی ہوا میں اچھالتا، باہر جا رہا تھا، حبا پر نظر پڑی تو رک گیا۔

"حبا! تمہاری ٹریٹ ڈیو رہی، ابھی تو میرے دوست ہیں ساتھ، کل تمہیں لے کر جاؤں گا۔" وہ مسکرا کر بولا۔

"کہاں؟" حبا نے بے ساختہ کہا۔

"جہاں تم کہو۔" وہ فراخدلی سے کہتا مڑ گیا، حبا ایک خوبصورت پل کے حصار میں جکڑی ساکت کھڑی تھی۔

اتنا اچھا.....؟

اتنا کیئرنگ......؟

یہ اسید مصطفیٰ تھا؟ حبا نا قابل یقین نظروں سے کھڑی اسے دیکھ رہی تھی، کتنا پیارا لگ رہا تھا وہ، کتنا ہینڈسم، سرخ سفید رنگت، چمکتی آنکھیں اور دراز قدامت وہ ابھی صرف سولہ سال کا تھا مگر اس کی ہائیٹ کسی طور پونے چھ فٹ سے کم نہیں تھی، جبکہ اس کے آگے کھڑی گڑیا سی لگتی۔

ہم گرفتار رنگ
ہم اسیر صبا
تتلیوں کی طرح
ہم بھی زنجیر خوشبو سے باندھے گئے
ہم کہ قیدی ہوئے
ان کہی بات کے!!!

☆☆☆

ستارا کے ساتھ آنے والے کئی دنوں میں مہروز کا رویہ بدستور وہی رہا، اس نے ستارا کو ہر طرح سے منانے کی کوشش کی، پیار محبت سے نرمی سے اور پھر سختی سے، وہ اس پر دو مرتبہ ہاتھ بھی اٹھا چکا تھا، مگر وہ ستارا احمد تھی، اپنی ہٹ کی پکی، اس کی ناں، ہاں میں نہیں بدلی تھی اور ان دنوں میں جبکہ وہ حد درجہ حساس اور زود رنج ہو رہی تھی "نوفل" کس مہربان فرشتے کی مانند اس کی زندگی میں داخل ہو گیا تھا، یہ نوفل ہی تھا جسے وہ دوسرے ہی روز فون آنے پر سب بتا بیٹھی اور شاید بھی ستارا کے اپنے اندر تھی وہ خود کسی روزن کی تلاش میں تھی، کوئی چور دروازہ ٹھنڈی ہوا کے لئے کوئی در دریچہ ڈھونڈ رہی تھی، جذبات کا ابلتا ہوا آتش فشاں ذرا سی ٹھیس لگتے ہی پھٹ گیا، اس نے نوفل کو روتے ہوئے سب کچھ بتا دیا تھا، نوفل نے بڑے تحمل اور سکون سے اس کی بات سنی تھی اور اسے کہہ دیا تھا کہ وہ مہروز کی بات قطعاً نہ مانے ورنہ اس کا انجام بے حد خوفناک اور دل دہلا دینے والا ہوگا، کیونکہ ماڈلز صرف کمرشلز نہیں کرتیں اور بھی بہت کچھ کرتی ہیں، یہ بھی شاید اس کی ہمدردی اور مورل سپورٹ کا نتیجہ تھا جو وہ اب تک مہروز کے سامنے ڈٹی ہوئی تھی ورنہ شاید

وہ ہار مان لیتی، وہ سوچتی بعض لوگ کتنے دوغلے ہوتے ہیں کتنے منافق، اندر سے کچھ اور باہر سے کچھ اتنے خول تہہ در تہہ پرتیں اور حاصل وصول کچھ بھی نہیں، اسے مہروز سے اتنی نفرت ہوگئی تھی کہ اس کی شکل دیکھنے کو دل نہ چاہتا، گزشتہ کئی دن سے وہ لاؤنج میں سو رہی تھی، اس کا دل نہ مانتا بیڈ روم میں جانے کو، ایک ایسا انسان جو شرابی اور زانی تھا جس میں ہر اخلاقی برائی تھی، قطعاً اس کا حقدار نہ تھا، کبھی کبھی تو اس کا دل چاہتا وہ سب یہیں چھوڑ چھاڑ کر بھاگ جائے، کہیں دور بہت دور جہاں مہروز نہ ہو، نہ اس کے گھٹیا اور گندے مطالبے اور نہ یہ مجبوری کہ وہ اس کی بیوی تھی، کبھی کبھی وہ سوچتی وہ نوفل سے مدد مانگے، پھر اسے خود ہی اپنے خیال پر ہنسی آتی، بھلا وہ اس کی مدد کیسے کرسکتا تھا وہ تو خود کسی ورکشاپ پر ملازم تھا اور وہیں سوتا بھی تھا پتا نہیں اسے فون کیسے کرتا تھا، ابھی تک ستارا اس سے یہ راز نہیں اگلوا سکی تھی کہ وہ اسے کیسے جانتا تھا کیوں کہ یہ بات وہ اسے خود بتا چکا تھا کہ مہروز سے اس کا کسی قسم کا ریلیشن نہیں تھا، آج پھر اس کا فون آیا تو ستارا الجھ پڑی۔

''نوفل! مجھے فون مت کیا کرو۔'' وہ کچھ دیر خاموش رہا۔

''کیوں؟'' پھر وہ پرسکون لہجے میں بولا۔

''مجھے فون کرکے آخر تمہیں کیا ملتا ہے؟'' وہ تیز آواز میں بولی، مہروز اسٹوڈیو جا چکا تھا۔

''سکون۔'' وہ اسی متوازن لہجے میں بولا، وہ چند لمحے خاموش رہی۔

''بہت خودغرض ہو تم، اپنے سکون کے لئے میرا سکون تباہ کر رہے ہو، جانتے ہو اگر مہروز کو سب پتا چل گیا تو کیا ہوگا؟'' وہ تلخ لہجے میں بولی۔

وہ خاموش رہا، اتنی دیر کہ ستارا کو لگا شاید فون کٹ گیا ہے، جب وہ بولا تو وہ ایک دم چونکی۔

''اگر اسے...... پتا...... چل گیا...... تو کیا ہو گا؟'' وہ اسی روانی سے رک رک کر بولا۔

''بڑے سکون سے پوچھ رہے ہو، وہ صرف اتنا ہی ہوگا کہ وہ اپنی نافرمان بیوی کو اسی سکون سے بدکرداری کا سرٹیفکیٹ دے دے گا۔'' وہ الجھی تھی۔

''بدکرداری کا سرٹیفکیٹ...... مائی فٹ...... ہونہہ...... وہ خود کیا ہے؟'' وہ سرد مہری سے بولا۔

''ٹھیک کہا تم نے اور اب جبکہ وہ خود اچھے کردار کا نہیں ہے تو مجھے خود بخود یہ حق حاصل ہو گیا ہے کہ میں بھی جو چاہوں کروں ہے نا۔'' وہ طنزیہ ہنسی، وہ خاموش رہا۔

''میرا مطلب یہ نہیں تھا۔'' وہ آہستگی سے بولا۔

''مجھے افسوس ہے کہ میرا آئی کیو لیول اس لیول کا نہیں کہ تمہارے مطلب مطالب سمجھ سکے۔'' وہ خشک لہجے میں بولی۔

وہ چپ ہوگیا، خاموشی کا ایک لمبا وقفہ درمیان میں آیا۔

''نوفل! میری زندگی پہلے ہی بہت مشکل ہے، خدا کے لئے اسے مزید مشکل مت بناؤ۔'' وہ تھکے ہوئے لہجے میں کہتی رو پڑی۔

''میں ایسا کچھ نہیں کر رہا۔'' وہ مستحکم لہجے میں بولا، انداز میں قطعیت تھی۔

ڈپریشن اور فرسٹریشن سے اسے ستارا لگ رہا تھا، دماغ میں جیسے آندھیاں سی چل پڑیں، وہ اندر سے کسی پکے ہوئے پھوڑے کی مانند ہو چکی تھی، جیسے معمولی سی ٹھیس اور ہلکا سا پیش کرتے ہی بہنا شروع کردیتا ہے، اسی طرح نوفل کی یہ بات ستارا کی سوئی کی نوک کی طرح چبھی اور اندر ہی اندر پکا لاوا پھٹ پڑا۔

''میری جان چھوڑ دو، کیوں پیچھے پڑ گئے ہو میرے، ایسا کونسا قرض دینا ہے میں نے تمہارا؟ کیوں مجھے خائن اور بدکردار بنانا چاہتے ہو، کیوں مجھے اکساتے ہو کہ میں اپنے چور دروازے اپناؤں، کیوں؟ کیا مل رہا ہے تمہیں نوفل؟ بولو کیا؟ تم مہروز کو نہیں جانتے، وہ ایک مکمل طور پر گھٹیا اور پست ذہنیت کا شخص ہے اسے بھنک بھی پڑ گئی نا، ہمارے اس تعلق کی تو وہ طوفان اٹھا دے گا، وہ خود چاہے جو بھی کرتا رہے اور جو چاہے مجھ سے منوانا چاہتا ہو، یہ...... یہ کبھی برداشت نہیں کرے گا کہ میں کچھ ایسا کروں جس سے اس کی انا اور غیرت کو چوٹ پہنچے، خدا کے لئے نوفل بس کردو، میرا پیچھا چھوڑ دو، مت کیا کرو مجھے فون مجھے ڈر لگتا ہے مہروز سے بہت زیادہ ڈر کیوں کہ میں مرنا نہیں چاہتی، کیوں کہ میں بزدل ہوں، بہت زیادہ تم کیوں مجھے اور کمزور کرنا چاہتے ہو، تمہیں کیا ملے گا تمہیں بولو، کچھ ملے گا تو مجھے بتاؤ؟'' وہ بلند آواز میں چلاتی رہی پھر سسکیاں لینے لگی۔

چند لمحے پراسرار خاموشی میں بیت گئے سارے کے گھٹے گھٹے ماحول میں ستارا کی سسکیاں ارتعاش پیدا کر رہی تھیں۔

''خدا کے لئے تارا۔'' وہ تڑپ کر بولا تھا ستارا کے آنسو کہاں برداشت ہوتے تھے۔

''مجھے فون مت کیا کرو نوفل۔'' وہ اپنے آنسوؤں پر قابو پا کر بولی۔

''یہ میرے اختیار میں نہیں۔'' وہ بے بس تھا۔

''تو پھر کیا چاہتے ہو تم؟'' وہ حلق کے بل چلائی۔

''خائن بن جاؤں۔'' نوفل جو بڑی دیر سے ضبط کے بند باندھ رہا تھا، پھٹ پڑا۔

''میں...... خائن بنانا چاہتا ہوں تمہیں؟ میں......؟ یہ تم کہہ رہی ہو؟ وہ بھی اس شخص کو جو تمہارے لئے مر رہا ہے، جانتی ہوئے پاگل ہوں تمہارے لئے اس لئے جی بھر کر ذلیل کرو اور گالیاں دو، اس شخص کے لئے جو تمہارے وجود کی قیمت لگا چکا ہے اور مجھے بتاؤ کیا کرے گا وہ؟ وہ خود کتنا کرپٹ ہے یہ جانتی ہو تم؟'' وہ اس سے زیادہ بلند آواز میں دھاڑا تھا۔

''تم مجھے یہ مت بتاؤ وہ کیا ہے؟ وہ جیسا بھی ہے میرا شوہر ہے۔'' وہ چیخی تھی۔

''وہ تمہارا شوہر ہے نا، تو پھر مان لو اس کی بات کیوں انکار کر رہی ہو؟'' وہ سرد لہجے میں بولا۔

ایک پل کے لئے ستارا سانس نہیں لے سکی، اسے یقین نہیں آیا اسے یہ مشورہ دینے والا 'نوفل' تھا۔

''یہ تم کہہ رہے ہو نوفل؟'' وہ صدمے سے سن سی ہوگئی۔

''یہی تو سننا چاہتی تھیں تم۔'' وہ تیکھے لہجے میں بولا۔

''اپنی بکواس بند کرو، تم مجھے ذلیل کرنے کا کوئی حق نہیں رکھتے سنا تم نے، فون مت کرنا آج کے بعد مجھے۔'' وہ پھولے تنفس کے ساتھ چلائی اور فون آف کرکے بیڈ پر پھینک دیا، اس کا سارا جسم لرز رہا تھا، لب بھینچے ہوئے اس نے اپنے آنسوؤں اور لرزتے جسم پر قابو پانے کی کوشش کی مگر وہ دونوں میں ناکام تھی، آنسو بے اختیار گالوں پر بہہ رہے تھے اس نے دونوں بازو گھٹنوں کے گرد لپیٹ لئے اور سر گھٹنے پر ٹکا کر دھواں دھار انداز میں رونے لگی۔

☆☆☆

''آؤ علینہ! تم بھی آؤ نہ۔'' رمشہ نے لان میں بیٹھی علینہ کو بھی اپنے ساتھ آنے کی دعوت دی، وہ سب تیار ہو کر بخت کی طرف سے دی گئی ٹریٹ اڑانے جا رہے تھے، علینہ نے غور سے اس کا جائزہ لیا، سفید لانگ شرٹ اور بلیک فلیپر میں وہ اپنے اسٹیپس میں کٹے بال کھولے ہوئے تھی۔

''صبح میرا ایگزام ہے اور میرے پاس ان بیکار کاموں کے لئے وقت نہیں۔'' علینہ نے زور دار آواز کے ساتھ کتاب بند کی اور اٹھ کر رہائشی حصے کی طرف بڑھ گئی، رمشہ حیران سی کھڑی تھی۔

''اسے کیا ہوا؟'' اس نے اپنے ساتھ کھڑے افراد میں سے کس سے پوچھا، کوئی نہیں جان سکا۔

شاہ بخت خاموشی سے کھڑا تھا جبکہ کومل بھی حیران تھی، عباس نے شانے اچکائے اور کہا۔

''اسے ایگزامز کی ٹینشن ہے۔'' کومل نے حیرانی سے اس کی بات سنی اور نفی میں سر ہلا کر کہا۔

''ایسی بھی بات نہیں اسے ویسے ہی باہر جانا پسند نہیں۔'' اس کی بات پر چند لمحوں کے لئے خاموشی چھائی رہی پھر شاہ بخت نے قدم بیرونی دروازے کی طرف بڑھا دیئے گویا کسی قسم کے تبصرے کو غیر ضروری سمجھا تھا، سب نے اس کی تقلید کی تھی، رمشہ نے ڈرائیونگ سیٹ پر براجمان شاہ بخت کو کھوجتی ہوئی نظروں سے دیکھا مگر اس کے سپاٹ چہرے سے کسی قسم کا تاثر اخذ کرنا ناممکن تھا، رمشہ نے سر جھٹکا۔

شاہ بخت گلاسز آنکھوں پر لگا کر اپنے باقی ماندہ تاثرات بھی محفوظ کر چکا تھا، اس کے اندر طوفان سا اٹھ رہا تھا۔

کچھ دیر بعد گاڑی شفاف سڑک پر رینگتی ہوئی، ''شیرٹن'' کے آگے رک گئی، خوبصورت ماحول تھا، من چاہا ساتھی بھی تھا، رمشہ کا موڈ خود بخود خوشگوار ہو گیا، سنس آف ہیومر کمال کی تھی، اس وقت بھی اس کے تیکھے جملوں اور لطیفوں پر کھلکھلا رہے جب اچانک رمشہ نے ہاتھ بڑھا کر شاہ بخت کے گلاسز اتار لئے۔

''انہیں تو اتار دو، پتا ہے کبھی کبھی ہے یہ گلاسز بہت منافق ہیں، بندے کی آنکھوں میں کیا ہے، سب چھپا لیتے ہیں، بالکل اس جیسے کم بخت دل کو کوئی نہیں جان سکتا کہ دل کے دل میں کیا ہے؟'' سب رمشہ کی عجیب غریب منطق پر ہنسے تھے۔

''یہ تمہیں کم ''بخت'' کہہ رہی ہے۔'' نے گویا شاہ بخت کو احساس دلایا۔

شاہ بخت کے تاثرات میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔

''تو تمہارا مطلب ہے کہ انسان کا دل اس کے جسم کے باہر ہونا چاہیے تھا تا کہ وہ با آسانی دوسروں کے خیالات سے آگاہ ہو سکے؟'' نے کہا۔

''بالکل۔'' رمشہ نے سر ہلایا۔

''یہ اللہ کا احسان مانو رمشہ بی بی کہ ایسا نہیں ہے ورنہ انسان ایک دوسرے کو برداشت نہ کر پاتے۔'' شاہ بخت کی سنجیدگی نے عباس کو ٹھٹکایا۔

''وہ کیسے؟'' کومل نے بھی حصہ لیا۔

''اس لئے کہ اچھے برے خیالات دل میں آتے رہتے ہیں، کبھی اپنے بارے میں کبھی دوسروں کے بارے میں اور کوئی بھی برداشت نہیں کر سکتا کہ کوئی دوسرا اس کی سوچ تک رسائی حاصل کرے۔'' شاہ بخت نے

رنگ خوشنما آنکھیں رمشہ پر مرکوز کرتے ہوئے سرد مہری سے کہا، ایک لحظ کے لئے رمشہ کو دھچکا سا لگا تھا۔

''تمہارا مطلب کیا ہے؟'' رمشہ نے ابرو اچکا کر پوچھا۔

''یہی کہ میں بالکل نہیں چاہوں گا کہ تم میرے خیالات و احساسات سے آگاہ ہو جاؤ جو اس وقت تمہارے حوالے سے میرے دل میں ہیں۔'' شاہ بخت نے یکدم ٹون بدلی۔

''کیسے خیالات؟'' وہ مسکرائی۔

''بہت قاتلانہ خیالات پیدا ہو رہے ہیں جی چاہ رہا ہے کہ تمہیں اس ریسٹورنٹ سے اٹھا کر باہر پھینک دوں۔'' شاہ بخت نے جیسے دھماکہ کیا۔

عباس کا قہقہہ بے اختیار تھا جبکہ رمشہ کی حالت دیکھنے والی تھی۔

''شرم کرو، میں نے تمہیں کون سا تیر مار دیا ہے؟'' وہ جھلا کر اس پر الٹی۔

شاہ بخت کے لبوں کی تراش میں ایک ہلکی سی مسکراہٹ نے پل بھر کے لئے جھلک دکھائی اور غائب ہو گئی، رمشہ کو یک گونہ سکون ہوا ورنہ شاہ بخت کا موڈ اسے چونکانے لگا تھا۔

''دیکھا تم نے عباس! پھر تم کہتے ہو جھگڑا میں شروع کرتی ہوں۔'' رمشہ نے عباس کو منصف بنایا۔

''یہ تمہارا آپس کا معاملہ ہے بھئی، میں کیا کہہ سکتا ہوں۔'' عباس نے فوراً ڈپلومیٹک اسٹائل اپنایا۔

رمشہ نے حیرت و تاسف سے اسے دیکھا پھر سر ہلایا اور کہا۔

''ظاہر ہے تم تو اس کی فیور کرو گے ہی، مرد ہو ناں۔'' رمشہ نے طنز کیا۔

''ایسی بات بالکل نہیں، تم ایک فضول بات کو لے کر بحث کر رہی ہو۔'' عباس نے کہا۔

''چلو مان لیتی ہوں، تم یہ بتاؤ میرے لئے کیا لے کر آئے ہو؟'' رمشہ نے توپوں کا رخ پھر سے بخت کی طرف موڑا۔

وہ جو بری طرح فش فرائیڈ کے ساتھ طبع آزمائی میں مصروف تھا، چونکا پھر ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے فورک ہاتھ سے رکھا اور پانی کا گلاس اٹھا لیا، ایک گھونٹ لیا اور تسلی سے بولا۔

''کچھ بھی نہیں۔''

''کیوں؟'' رمشہ حیرت سے چیخ اٹھی۔

''کیوں کہ تم As a patriotic غیر ملکی پروڈکٹس کو پسند نہیں کرتیں۔'' وہ اطمینان سے کہتا اسٹرابری ٹارٹ اپنی پلیٹ میں نکالنے لگا، رمشہ چند لمحے خاموش رہی، پھر ہنس دی۔

''ٹھیک کیا تم نے۔''

کومل نے خاموشی سے دونوں کا جائزہ لیا اور کندھے اچکا کر اپنی پلیٹ پر جھک گئی، ان دونوں کی عجیب سی کیمسٹری سب کی سمجھ سے باہر تھی، وہ ایسے ہی تھے پل میں تولہ پل میں ماشہ۔

ٹیبل پر چار افراد کی موجودگی کے باوجود خاموشی تھی واپسی کے سفر میں رمشہ کی خاموشی حیرت انگیز تھی۔

☆☆☆

اسید مصطفیٰ اور حبا تیمور میں بڑا عجیب سا رشتہ استوار ہو چکا تھا، وہ اپنے وعدے کے مطابق اگلے دن اسے فاسٹ فوڈ شاپ پر لے گیا جہاں اس نے زنگر برگر کھایا، ڈھیر ساری کیچپ ڈال کر اور ساتھ میں فرائیڈ چکن خوب انجوائے کیے تھے، وہ مسکراتے ہوئے اسے دیکھتا رہا، پھر اس کا کوئی دوست اچانک وہاں آ گیا اور اس نے اسید سے ''حبا'' کے متعلق استفسار کیا تھا، جواباً اسید نے بڑے عام سے اور نارمل انداز میں اسے

بتایا کہ ''حبا'' اس کی بہن ہے، جس پر وہ مسکراتا ہوا انہیں وش کر کے چلا گیا۔

حبا بہت دیر تک کچھ بول نہیں پائی تھی، یہ اس کی وہ شناخت تھی جو آٹھ سال پہلے تیمور احمد نے اس سے چھین لی تھی اور آٹھ سال بعد وہ شناخت، وہ رشتہ اسید مصطفیٰ نے پھر سے اسے لوٹا دیا تھا، وہ ہنستے ہوئے اس سے معمول کی باتیں کر رہا تھا، واپسی پر حبا بے حد خوش تھی، اس کے بعد گویا ان کی دوستی کا آغاز ہو گیا، یا شاید رشتہ پھر سے استوار ہو گیا۔

وہ اس کے ساتھ بچوں کی طرح کھیلتا، اس کے لئے نت نئی گیمز لے کر آتا، اسے کھیلنا سکھاتا اور پھر خود کھیلتا، صبا کو یہ سب کچھ ایک خواب کی طرح محسوس ہوتا، پھر وہ اس کی پڑھائی میں مدد کرنے لگا، چونکہ حبا کی ٹیوٹر ایک ماہ کی چھٹی پر تھی، جبھی مرینہ نے اسے اسید کے حوالے کر دیا، چند دنوں میں ہی اسید کو اندازہ ہو گیا کہ وہ کتنی nil تھی، وہ حساب کا معمولی سا سوال اسے دس بار سمجھاتا تب کہیں جا کر وہ اثبات میں سر ہلا کر سمجھ میں آنے کا سگنل دیتی، وہ اس کے سامنے بالکل نہیں بولتی تھی جب وہ بولتا تو وہ مسحور سی اسے دیکھتی رہتی، وہ اس کی نوٹ بک پر کوئی سوال حل کر رہا ہوتا یا کچھ لکھ رہا ہوتا تو وہ بے اختیار اپنے سانولے ہاتھ اپنی گود میں چھپا لیتی، اسید کے سرخ و سفید ہاتھوں کے سامنے اسے اپنے سانولے اور بدصورت ہاتھ سخت شرمندگی سے دو چار کرتے، وہ اس کے پاس بیٹھا ہوتا تو وہ دھیمی سانسوں میں اس کے وجود سے اٹھتی مہک اپنے اندر اتارتی رہتی، وہ کچھ بولتا تو وہ ایک ٹک اسے دیکھتی رہتی، اس وقت وہ سکستھ اسٹینڈرڈ میں تھی، مگر اس کا دل چاہتا کہ وہ جھٹ سے اسید کے جتنی ہو جائے تاکہ وہ ایک ساتھ اسکول جائیں، ایک کلاس میں پڑھیں اور اکٹھے بیٹھیں۔

جب وہ بولتا تو اس کا دل چاہتا کہ بس اسے سنتی رہے، وہ اکثر اسے ڈانٹتا۔

''تم اتنا کم کیوں بولتی ہو؟ اسی لئے کانفیڈنس اتنا کم ہے، مجھے یہ تو احساس دلایا کرو کہ میری بات تمہاری سمجھ میں آتی ہے یا نہیں؟''

وہ بس سر ہلا دیا کرتی۔

اس کے کمپلیکسز اتنے زیادہ اتنے بے شمار تھے انہیں ختم کرنے کے لئے شاید حبا تیمور کو دوبارہ جنم لینا پڑتا۔

وہ اتنا جینئس اور ہارڈ ورکنگ تھا کہ حبا کو رشک آتا اور وہ خود کتنی Nil اور کوڑھ مغز تھی، اسے ہمیشہ شرمندگی ہوتی جب وہ اسے ایک ہی چیز بار بار سمجھاتا، وہ کتنا خوبصورت تھا، بعض دفعہ وہ یک ٹک اسے دیکھتی رہتی اسے لگتا شاید خوبصورتی اور وجاہت ''اسید مصطفیٰ'' پر ختم تھی اور وہ خود کیا تھی، سانولی رنگت اور عام سے نین نقش کچھ بھی تو خاص نہیں تھا اس میں، اسے اسید کی چمکدار سیاہ آنکھیں بے حد بھاتیں جو ذہانت کی چمک سے معمور تھیں، اس کی کھڑی ناک جو اس کے اٹل ارادوں کا پتا دیتی تھی اور اس کے بھورے بال جو اس نے بہت خوبصورت سٹائل سے پیچھے سیٹ کیے ہوئے تھے۔

کبھی کبھی وہ حیرت سے سوچتی کہ شاید اسید کو دنیا کی ہر چیز کا پتا تھا، ہر ٹاپک سے متعلق اس کے پاس اتنی انفارمیشن تھی کہ وہ آرام سے کسی سے بھی گفتگو کر سکتا تھا جبکہ حبا کو تو شاید یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ اس کی سلیبس کی کتاب میں Stories کتنی تھیں۔

وقت کچھ مزید سرکا، ''حبا اور اسید'' کے رشتے میں مزید مضبوطی آئی تھی، جب وہ میٹرک میں آئی تب تک وہ اپنا کالج پیریڈ ختم کر کے یونیورسٹی میں ایڈمیشن لے چکا تھا، اتنے سالوں کی حبا پر کی گئی محنت رنگ لائی تھی، اس میں کافی حد تک بدلاؤ آ چکا تھا، وہ اسٹڈیز میں بہت اچھی ہو گئی تھی۔

وہ بھی کافی کانفیڈنٹ ہو چکی تھی، جس کا ثبوت اس کے گریڈز اور بڑھتی ہوئی شیلڈز کی تعداد تھی، اس کی یونیفارم پر ہیڈ گرل کی Sash کا اضافہ تھا۔

باوجود اس کے کہ اسید اب حد سے زیادہ مصروف ہو چکا تھا، وہ اس کے لئے وقت ضرور نکالتا، اسٹڈیز کے حوالے سے اسے گائیڈ کرتا، اس کی کامیابیوں کو سراہتا، اس کے ساتھ بیٹھ کر باتیں کرتا، اس کی چھوٹی سی بات پر بھی تعریف کرتا اور اس کے ہاتھ کی کافی فرمائش کر کے بنواتا، حبا کے پاس اب ایک ڈھیر تھا کارڈز اور گفٹس کا جو اسید نے اسے مختلف مواقع پر دیئے تھے۔

بہت سے عید کارڈز تھے، سسٹرز ڈے کے کارڈز، نیو ائیرز کے کارڈز، بیسٹ وشز کے کارڈز، برتھ ڈے کارڈز، اور ویلنٹائن ڈے کے کارڈز بھی، جن پر وہ اپنی خوبصورت ہینڈ رائٹنگ میں ہمیشہ لکھا کرتا۔

For my sweet sister hiba

وہ جب بھی ان کو دیکھتی نئے سرے سے خوشی اور سرشاری محسوس کرتی، وہ بدل چکی تھی، اسید مصطفیٰ نے اسے بدل دیا تھا، اس نے حبا تیمور کو کمپلیکسز کی دلدل سے دونوں ہاتھ تھام کر باہر کھینچ لیا تھا۔

وہ صورت کی بجائے سیرت کی خوبصورتی پر یقین رکھتا تھا اور حبا اس کی ہر بات پر ایمان لے آئی تھی اسے لگتا وہ صورت کے حوالے سے کمپلیکس کو بہت پیچھے چھوڑ آئی تھی، اس کو اسید کی آنکھوں میں اپنے لئے ہمیشہ نرمی اور انس نظر آتا، وہ اس کا سب سے پیارا دوست تھا۔

اس کے میٹرک کے بورڈ کے ایگزامز تھے، اسید کا سمیسٹر چل رہا تھا مگر اس کے باوجود اس نے حبا کو تیاری میں بھرپور مدد دی تھی۔

ایگزامز ختم ہونے کے بعد وہ لمبی تان کر سوئی تھی، دو دن میں اس کی تھکن اتری تو اسے نئی پریشانی نے آ گھیرا ہمیشہ کی طرح اس نے اسید سے رجوع کیا تھا، وہ اس کے کمرے میں آئی تو وہ بیڈ پر بیٹھا، ڈھیر سارے پیپرز اور بکس پھیلائے شاید نوٹس بنانے میں مگن تھا۔

''ہائے اسید۔'' وہ دروازے میں کھڑے مسکرائی۔

''ہیلو۔'' اس نے ایک لمحے کے لئے سر اٹھایا اور پھر مصروف ہو گیا، جب وہ اندر نہیں آئی تو اس نے دوبارہ سر اٹھایا۔

''وہاں کیوں کھڑی ہو، آؤ ناں۔''

''تم شاید کچھ بزی ہو؟'' حبا نے بازو سینے پر باندھ کر چوکھٹ سے ٹیک لگالی۔

''ہوں...... ہوں تو...... لیکن تو آؤ...... کیا بات ہے؟'' وہ مسکرایا۔

وہی نرم اور دلکش مسکراہٹ، حبا کے اندر ایک خوبصورت احساس کا ڈیرا جمایا تھا، وہ آگے بڑھ آئی۔

''اسید! میں بور ہو رہی ہوں۔'' حبا نے اس کے پاس دھم سے گرتے ہوئے کہا، وہ آہستہ سے ہنسا۔

''اچھا، ایگزامز کی تھکن اتر گئی؟''

''ہاں مجھے کوئی ایکٹویٹی نہیں ڈھونڈ رہی۔'' حبا نے منہ بسورا اور تکیہ کھینچ کر دراز ہو گئی۔

اسید نے تیزی سے کچھ لکھتے ہوئے آخر میں لائن کھینچی اور پیپرز اکٹھے کرنے لگا۔

''ختم ہو گیا کام؟'' حبا نے پوچھا۔

''ہوں ہو گیا۔'' اس نے چیزیں سمیٹ کر رائٹنگ ٹیبل پر رکھیں اور نچلے دراز سے Lays کے پیکٹ نکال کر ایک اس کی طرف اچھال دیا اور خود بھی بیڈ پر آن بیٹھا۔

''ہوں کیا مسئلہ ہے تمہارا؟''

''بوریت۔'' حبا نے Lays کھاتے ہوئے کہا۔

''تم کوئی شارٹ کورس کر لو کمپیوٹر کا۔'' اسید نے حل بتایا۔

''کر لوں، مطلب؟ تم کراؤ گے، میں ہرگز کسی انسٹیٹیوٹ نہیں جاؤں گی۔'' حبا نے فوراً جواب دیا۔

''پتا ہے مجھے۔'' وہ گلاس میں پانی انڈیلنے لگا۔

''تو پھر صبح سے شروع کریں؟'' حبا نے خالی ریپر ڈسٹ بن میں پھینکا اور گلاس تھام لیا۔

''اتنی جلدی کس بات کی ہے؟''

''جلدی......؟ مجھے تو کرنے کو کچھ ملتا ہی نہیں۔'' وہ پانی کا گھونٹ لے کر بولی۔

''ماما کے ساتھ کچن میں ہیلپ کروایا کرو۔'' اسید نے اسے مفت مشورہ دیا، حبا نے بھنویں اچکا کر اسے دیکھا۔

''ناممکن، سخت نفرت ہے مجھے کچن کے کاموں سے۔'' اس نے سر جھٹکا۔

''ہونہہ غلط بات، کل کو ہمیں تمہیں اگلے گھر بھی بھیجنا ہے۔'' وہ آہستہ سے مسکرایا، انداز میں شرارت تھی۔

کھلے دروازے سے تیمور جو بڑی دیر سے یہ منظر ملاحظہ کر رہے تھے خود پر قابو نہ پا سکے، تیزی سے اندر آئے تھے۔

''پاپا! آپ آئیے۔'' حبا بے ساختہ کھڑی ہو گئی۔

''اس گھر سے حبا نہیں تم جاؤ گے، سمجھے کیونکہ یہ حبا کا گھر ہے تمہارا نہیں۔'' وہ اسید کی طرف انگلی اٹھا کر بلند آواز میں بولے، اسید کے چہرے کا رنگ تیزی سے بدلا۔

''پاپا! فار گاڈ سیک، بس کیجئے کبھی تو اپنی نفرت کی عینک اتار کر رشتوں کو جانچئے۔'' حبا تیزی سے ان کے سامنے آ کر بولی۔

انداز میں واضح بے خوفی اور سرکشی تھی، تیمور احمد کو یقین نہیں آیا، ان کی بیٹی حبا ان کے سامنے کھڑی ہو گئی تھی وہ بھی اس اسید کے لئے؟ انہوں نے بے یقینی سے حبا کو دیکھا۔

''تم بیچ میں مت بولو۔'' انہوں نے سختی سے حبا کو ٹوکا۔

''کیوں نہ بولوں، میرا پورا حق ہے بولنے کا، کیا کہنا چاہتے ہیں؟ یہی نا کہ اسید میرا بھائی نہیں ہے تو فکر مت کیجئے، میں بہت اچھی طرح سے اس حقیقت سے آگاہ ہوں۔'' حبا نے بلند آواز میں کہا اور زوردار طریقے سے ہاتھ میں پکڑا گلاس زمین پر دے مارا، شیشے کے ٹکڑے ادھر ادھر بکھر گئے، وہ دوڑتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔

تیمور نے نفرت سے اسید کو دیکھا اور خود بھی حبا کے پیچھے چلے گئے، حبا کمرہ میں بند ہو چکی تھی۔

''حبا! میرے بیٹے! حبا دروازہ کھولو حبا۔'' انہوں نے زور زور سے دروازہ پیٹا تھا مگر بے سود۔

وہ بھی حبا تیمور تھی، تیمور احمد سے زیادہ ضدی اس نے قطعاً ان کی پکار پر کان نہ رکھے تھے، وہ بیس منٹ تک دروازہ بجاتے رہے پھر تھک کر چلے گئے، رات میں انہوں نے بہت سرد اور کھردرے لہجے میں مرینہ سے کہا تھا۔

''اپنے بیٹے سے کہو، میری بیٹی سے دور رہے۔'' مرینہ نے ازحد افسوس اور دکھ سے انہیں دیکھا تھا مگر چاہنے کے باوجود یہ نہیں کہہ پائیں کہ۔

''تیمور احمد! وہ میری بھی بیٹی ہے۔'' اس کے برعکس وہ بولیں۔

''آپ ایسا کیوں سوچتے ہیں تیمور؟''

''اپنا منہ مت رکھو اور جتنا میں نے کہا اتنا کرو، وہ خبیث اسے میرے مقابل لا رہا ہے، وہ میری بیٹی کو باغی بنا رہا ہے۔'' وہ تلخ لہجے میں دھاڑے تھے۔

مرینہ زرد چہرے کے ساتھ انہیں دیکھتی رہیں، وہ کہنا چاہتی تھیں کہ ''خدارا! ان دونوں کا اتنا معصوم، پاکیزہ اور خالص رشتہ اپنی شکی فطرت سے گندہ مت کریں۔''

مگر وہ جانتی تھیں کہ یہ بے کار تھا، تیمور احمد نے کب ان کی سنی تھی جو آج سنتے، وہ خاموشی سے ان کی تلخ اور زہریلی باتیں سننے پر مجبور تھیں۔

☆☆☆

سنتوشا میں سرد موسم شروع ہو چکا تھا، درجہ حرارت بتدریج کم ہو رہا تھا، مگر موسم کی یہ خنکی ستارا کے اندر لگی آگ کو ٹھنڈا کرنے میں ناکام تھی۔

رات پھر اس کا مہروز سے زبردست جھگڑا ہوا تھا، وہ ہر صورت اپنی بات منوانا چاہتا تھا، کمپنی کی طرف سے اس پر دباؤ بڑھ رہا تھا، دوسری طرف ستارا کسی صورت اس کی بات ماننے پر تیار نہ تھی، تلخ کلامی بڑھتے بڑھتے اس حد تک آ پہنچی تھی کہ مہروز نے اس پر ہاتھ اٹھا لیا تھا، اس نے بے دریغ ستارا کے چہرے پر تھپڑ مارے تھے اور اسے واضح الفاظ میں دھمکی دے چکا تھا کہ ''اسے بہر صورت اس کی بات ماننا ہو گی ورنہ وہ ہر حد پار کر جائے گا۔'' جس پر ستارا نے آگ بگولہ ہوتے ہوئے دو بدو کہا تھا کہ ''بصد شوق، وہ دیکھے گی کہ اس کی کمینگی اور ذلالت کی آخری حد کیا ہے؟''

اس کی اتنی خودسری اور سرکشی پر مہروز نے اسے اپنا ٹرپ کارڈ بھی دکھا دیا تھا۔

''تم دیکھنا ستارا! میں تمہیں ایسے نہیں چھوڑوں گا، میں تمہیں طلاق دے دوں گا اور پھر دیکھوں گا اس اجنبی شہر میں تم کہاں جاتی ہو اور تمہارے گھر والوں کو صرف میرا ایک فون ہی کافی ہو گا میں انہیں بتاؤں گا کہ تم گھر سے بھاگ گئی ہو۔'' مہروز کا لہجہ جنونی اور خطرناک ہو گیا تھا۔

ستارا کے حواس اس کا ساتھ چھوڑنے لگے، زمانے بھر کی خباثت اور شیطانیت جیسے اس پل مہروز کے چہرے پر سمٹ آئی تھی، ستارا کو اس کا چہرہ دیکھ کر ابکائی آنے لگی، اتنا گندہ، اتنا غلیظ؟ یہ کون سا مہروز کمال تھا وہ تو اس مہروز کمال کو نہیں جانتی تھیں، اس کا دل چاہا وہ اس چہرے پر تھوک دے۔

بے ساختہ وہ بھاگتی ہوئی کمرے سے نکل آئی اور اب وہ تقدیر کے اس موڑ پر ساکت سی بیٹھی تھی، وہ اکلوتا مددگار اور ہمدرد بھی اس نے خود اپنے ہاتھوں سے کھو دیا تھا اور اس پل وہ سوچ رہی تھی کہ وہ کیسے اس مشکل کو حل کرے؟ کس سے مشورہ لے؟ ایک بار تو جی چاہا پاکستان فون کر کے اپنے گھر میں سب بتا دے پھر خود ہی اپنی سوچ پر افسوس ہوا، وہ بھلا اس کی کیا مدد کر سکتے تھے، سوائے اس کے کہ وہ صرف ٹینشن لے لیتے جا کر اس کے سسرال والوں سے الجھ پڑتے، مسئلہ تو پھر بھی وہیں تھا، جوں کا توں، اتنی دور کوئی بھی اس کی مدد کو نہ آ سکتا تھا، اس نے بہرصورت خود کوئی عملی قدم اٹھانا تھا، لیکن کیا......؟ اور

کیسے......؟ یہ دو سوال مسلسل اسے تنگ کر رہے تھے اور وہ ان کے جواب ڈھونڈتی، ڈھونڈتی تھک چکی تھی، ہر بار دھیان ''نوفل'' پر آ کر ٹھہر جاتا۔

اور وہ تھم جاتی، ایک بار دل چاہتا اسے صاف پوچھ دے کہ وہ اس کے لئے کیا کر سکتا ہے؟ پھر نوفل کی کمزور اور ہلکی مالی پوزیشن کا خیال آتا تو خود ہی اپنی سوچ جھٹک دیتی، وہ بھی اس کے لئے کیا کر سکتا تھا، سچ تو یہ تھا کہ اسے اپنے مسئلے کا کوئی حل ہی نظر نہ آتا تھا، مہروز کسی صورت اپنی بات سے ہٹنے کو تیار نہ تھا اور اس کی امید بھی نہیں تھی، تو کیا وہ واقعی اپنی دھمکی پر عمل کرے گا؟

اور اگر اس نے ایسا کر لیا، تو......تو وہ کیا کرے گی؟'' سوچ سوچ کر اس کا سر، پھٹنے کے قریب ہو گیا، لیکن یہ فیصلہ تو وہ بہرحال کر چکی تھی کہ اسے نوفل کو سب بتا دینا تھا۔

اس دن کے بعد شاید وہ واقعی سخت خفا ہو گیا تھا، جبھی دو دن سے اس کا فون نہیں آیا تھا، وہ سارا دن بستر پر کسلمندی سے پڑی رہی، نہ ناشتہ کیا نہ چائے پی، دل ہی دل چاہ رہا تھا، اس وقت سہ پہر تین بجے کا وقت تھا وہ کمبل میں دبکی چھت کو گھور رہی تھی جب اچانک اس کے پاس پڑا فون بجنے لگا، اس نے نمبر دیکھا، نوفل کا نمبر جگمگا رہا تھا، اس نے بے تابی سے فون اٹھایا۔

''نوفل!'' وہ اتنا ہی کہہ کر رونے لگی۔

''تارا، کیا بات ہے؟ پلیز بتاؤ؟ کیا پھر مہروز سے کوئی جھگڑا ہوا ہے؟ تارا دیکھو روؤ مت۔'' وہ بے تابی سے بولا۔

وہ چند لمحے اپنے آنسوؤں پر قابو پاتی رہی، پھر بولی۔

''ایک بات پوچھوں نوفل؟''

''کیا؟''

''میرے لئے کیا کر سکتے ہو؟'' وہ عجیب سے لہجے میں بولی۔

''تم نے یہ سوال کیوں کیا تارا؟'' وہ عجیب اذیت و تکلیف سے بھرے لہجے میں بولا، وہ چند پل اپنے آنسوؤں پیتی رہی پھر بولی۔

''مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہی نوفل، مجھے بتاؤ میں کیا کروں، وہ کہتا ہے وہ مجھے چھوڑ دے گا، اس اجنبی شہر میں اور مجھے پھر پتا چلے گا کہ یہاں کیسے گھاگ شکاری بیٹھے ہیں مجھے شکار کرنے کے لئے، وہ کہتا ہے......'' وہ روتے ہوئے اسے بتا رہی تھی جب نوفل نے درمیان میں اس کی بات کاٹ دی۔

''وہ صرف تمہیں ڈرا رہا ہے، وہ تمہیں کبھی بھی نہیں چھوڑ سکتا کیونکہ اس میں اسی کا نقصان ہے وہ ہر صورت تمہیں منانے کی کوشش کرے گا۔'' نوفل نے یقین سے کہا۔

''مسئلہ تو پھر بھی وہیں ہے، جب میں کسی صورت نہیں مانوں گی تو وہ آخری حد پر اتر آئے گا۔'' ستارا نے کہا۔

''تمہیں لگتا ہے وہ تمہیں چھوڑ دے گا؟'' نوفل نے پوچھا۔

''ہاں مجھے لگتا ہے۔'' ستارا کی آواز میں خدشات و اوہام تھے، نوفل خاموش رہا، اس کی خاموشی ستارا کو چبھنے لگی۔

''تم چپ کیوں ہو؟ تم میری مدد نہیں کرو گے؟'' وہ آس و نراس کے درمیان ڈول رہی تھی۔

''میں...... میں ...... کیا مدد کروں؟'' وہ گڑبڑا گیا مگر ہچکچا کر بولا۔

''وہ مجھے چھوڑ دے گا، تو میں کہاں جاؤں گی؟ میں یہاں کسی کو نہیں جانتی؟'' وہ جھلا کر چلا اٹھی۔

''تم مفروضوں کی بات کر رہی ہو، اس نے تمہیں چھوڑا تو نہیں ناں؟''

''تمہارا مطلب ہے میں انتظار کروں کہ وہ مجھے دھکے دے کر اس گھر سے نکالے۔'' وہ غصے سے بولی۔

''دیکھو تارا تم جانتی ہو میں میں کس طرح رہ رہا ہوں، میرے پاس تو اپنا گھر بھی نہیں، تو میں......'' وہ بے بسی سے وضاحت دینے لگا۔

امید کا آخری چراغ بھی تیز ہوا کی سپرد ہوا تھا، یکدم ہی زمین ستارا کے قدموں تلے ہلنے لگی، وہ چند لمحے کچھ بول نہیں سکی۔

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو نوفل! میں غلط ہوں، میں بالکل غلط سوچ رہی تھی، تم بھلا میری کیا مدد کر سکتے ہو، تم تو خود دو وقت کے کھانے کے لئے سارا دن مزدوری کرتے ہو تب کہیں جا کر......'' وہ رک گئی آنسوؤں کا سیلاب آنکھوں کے بند توڑنے پر آمادہ تھا۔

''مجھے معاف کر دو نوفل، میں آج کے بعد قطعی تمہیں تنگ نہیں کروں گی، کبھی تمہیں مدد کے لئے نہیں کہوں گی، میں نے تمہیں بہت ہرٹ کیا نا، اس کے لئے مجھے معاف کر دو، میں مہروز کی بات مان لوں گی۔'' وہ کہتے ہوئے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی، نوفل کے قدموں تلے سے زمین سرک گئی۔

''فضول باتیں مت کرو تارا! تم ایسا کچھ نہیں کرو گی۔'' وہ سنبھل کر اسے تنبیہ کرنے لگا۔

''میرے پاس اس کے سوا کوئی راستہ نہیں ہے نوفل!'' وہ ہارے ہوئے انداز میں کہہ رہی تھی۔

''راستہ ہمیشہ موجود ہوتا ہے تارا، صرف ہماری نظروں سے اوجھل ہوتا ہے۔'' وہ مستحکم لہجے میں اسے تسلی دینے لگا۔

''لیکن میرے لئے نہیں ہے کیونکہ میں کوئی ولی یا پیغمبر نہیں ہوں جس کے لئے کوئی معجزہ ہو جائے، میں ایک عام سی بشر ہوں جسے اپنے مسئلے مسائل خود ہی حل کرنا ہیں۔'' وہ بھی سنبھلے ہوئے لہجے میں بولی اور فون بند کر دیا۔

☆☆☆

علینہ نے کتاب پر تھکی ہوئی نظر ڈالی اور بند کر کے سائیڈ ٹیبل پہ رکھ دی، ساڑھے دس بج رہے تھے، اس نے ایک انگڑائی لے کر تھکن کو بھگایا اور اٹھ کر واش روم کی سمت بڑھ گئی، چند لمحوں بعد وہ بے بی پنک ٹراؤزر اور ٹی شرٹ میں ملبوس نائٹ سوٹ پہنے باہر آ گئی، آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر بال سنوارے پھر اونچی سے پونی ٹیل بنائی اور بیڈ پر آ کر بیٹھ گئی، اس سے پہلے کہ لائٹ آف کر کے نائٹ بلب روشن کرتی، دروازے پر دھیمی سے دستک ہوئی، وہ چونکی نہیں کیونکہ اس وقت نبین بھابھی ہی اسے دودھ کا گلاس دینے آتی تھیں۔

''آ جائیے۔'' اس نے نسبتاً بلند میں کہا۔

آہستگی سے دروازہ کھلا اور شاہ بخت اندر آ گیا، وہ توقع نہیں کر رہی تھی جبھی بری طرح چونکی اور بے اختیار کھڑی ہو گئی۔

''اوہ میں نے تمہیں ڈسٹرب کر دیا۔'' وہ اسے نائٹ سوٹ میں ملبوس دیکھ کر ہنسا۔

اس کے لباس پر ننھی ننھی ڈولز بنی ہوئیں تھیں اور گلابی رنگ کا عکس اس کے چہرے پر جھلملا رہا تھا، شاہ بخت کی آنکھوں میں روشنیاں سی اتر آئیں تھیں۔

علینہ نے دونوں ہاتھ سینے پر باندھتے ہوئے بے تاثر انداز میں اسے دیکھا۔

''یقیناً کیونکہ یہ میرے سونے کا وقت ہے۔'' علینہ کا سپاٹ لہجہ کسی بھی قسم کی مروت سے

عاری تھا، شاہ بخت کے تاثرات واضح طور پر بدلے تھے۔

''ٹھیک ہے میں زیادہ وقت نہیں لوں گا، میں یہ لایا ہوں تمہارے لئے۔'' شاہ بخت نے اس کا لہجہ نظر انداز کرتے ہوئے صلح جو انداز میں کہا، اشارہ ہاتھ میں پکڑے کیس کی طرف تھا، علینہ کے چتون اب بھی ویسے ہی تھے۔

''کیا ہے اس میں؟'' اس نے تیکھے انداز میں کہا۔

شاہ بخت نے بمشکل خود پر قابو پایا، ورنہ اس کا دل چاہ رہا تھا وہ یہ کیس علینہ کے منہ پر مارے اور کمرے سے چلا جائے ہمیشہ کی طرح آج بھی وہ یوں خود کو نظر انداز کیا جانا سہہ نہیں پا رہا تھا، حیرانی تو اسے اس بات پر تھی کہ آخر یہ چھٹانک بھر لڑکی جسے سب گھر والے بچی سمجھتے تھے اس سے اتنا خار کیوں کھاتی تھی؟ آخر وہ اس کے ساتھ اتنا برا رویہ کیوں رکھتی تھی؟

''اس میں صرف ایک گھڑی ہے اور کچھ نہیں۔'' وہ اپنے طیش پر قابو پا کر بولا۔

علینہ نے سائیڈ ٹیبل پر رکھی اپنی رسٹ واچ اٹھائی اور شاہ بخت کے سامنے لہرائی۔

''میرے پاس گھڑی ہے اس لئے مجھے آپ کی گھڑی کی ضرورت نہیں۔'' علینہ نے طنزیہ کہا، شاہ بخت کا چہرہ سرخ ہوا تھا۔

''لیکن میں یہ تمہارے لئے لایا ہوں۔'' وہ خود کو نارمل کرتا بولا تھا، لیکن جبڑے بھینچ گئے تھے۔

''میں آپ سے کہہ چکی ہوں کہ مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے، آپ یہ رمشہ آپی کو دے دیجئے۔'' علینہ نے تلخ لہجے میں کہا، انداز صاف جان چھڑانے والا تھا

شاہ بخت نے مٹھی بھینچ کر خود پر قابو پایا اور تیزی سے کمرے سے نکل آیا ورنہ شاید وہ علینہ کو ایک آدھ تھپڑ تو مار ہی دیتا اس کے سر کے دائیں حصے میں یکدم ہی شدید درد اٹھا تھا وہ نڈھال سا بیڈ پر گر گیا۔

''بہت غلط کر رہی ہو عینا، تم بہت غلط کر رہی ہو۔'' وہ غصے سے پاگل سا ہو رہا تھا، جنون نے اس کی خرد کو کھا لیا تھا۔

تکیہ اٹھا کر کارپٹ پر پھینکا اور دوسرے ہی لمحے سائیڈ ٹیبل پر پڑا موبائل پوری قوت سے دیوار پر دے مارا، موبائل کے پرزے اڑ گئے، پھر تو جیسے اس پر جنون سا طاری ہو گیا وہ بے اختیار اٹھا اور رائٹنگ ٹیبل پر پڑے کمپیوٹر سسٹم کی طرف بڑھ گیا، ماؤس اور کی بیڈ اٹھا کر فرش پر پھینکے، ان کی کنکٹیڈ وائرز بری طرح کھنچی گئیں، اس سے پہلے کہ وہ LCD بھی اٹھا کر توڑ ڈالتا، دروازہ زور دار طریقے سے دھڑ دھڑایا گیا، وہ بھرپور انداز میں چونکا۔

☆☆☆

تیمور کی اس تلخ کلامی کے اگلے دن ہی وہ لاہور چلا گیا تھا کسی ضروری کام کا کہہ کر، لیکن حبا جانتی تھی کہ اسے کوئی ضروری کام نہیں تھا، وہ اسد کے پاس گیا تھا، اتنے سالوں کی رفاقت میں وہ جان چکی تھی کہ ''اسد عمر'' اس کے لئے کیا تھا۔

''اسد عمر۔'' اسید مصطفیٰ کے ہر بند تالے کی چابی تھا، وہ اس کے لئے سورس آف کون سولیشن تھا، وہ اس کا سائیکالوجسٹ تھا۔

دو دن بعد وہ لوٹا تو بالکل نارمل تھا اس کا رویہ ہمیشہ کی طرح حبا کے ساتھ بہت نرمی سے انس لئے ہوئے تھا اور اس نے حبا کو کمپیوٹر کی ابتدائی چیزیں بھی سکھانا شروع کر دیں تھیں، حبا نے بارہا اس کے چہرے سے کچھ کھوجنا چاہا، کچھ ڈھونڈنا چاہا مگر اسے اسید کا چہرہ ہمیشہ کی طرح

نارمل ہی لگا، وہ پہلے سے بڑھ کر ہینڈسم اور شاندار نظر آتا تھا، حبا جب بھی اس کو دیکھتی اسے لگتا وہ پہلے سے بڑھ کر اس کی محبت میں گرفتار ہو گئی ہو، اس کا دل چاہتا وہ اس کی ہر مسکراہٹ کا نذرانہ پیش کرے، ہر نظر پر اس کا صدقہ اتارے، اس کا دل چاہتا وہ اس کے سامنے رہے ہر پل، ہر گھڑی اور وہ اس چہرے کو دیکھتی رہے اور صرف اس آواز کو سنے باقی اس دنیا کی ہر چیز، ہر آواز معدوم ہو جائے، وہ جب اس سے بات کرتا یا اسے کچھ بتاتا تو اس کا دل چاہتا وہ آنکھیں بند کر کے اس کی ہر بات کا یقین کر لے۔

''محبت بڑھتی جاتی تھی۔''

''شاید عشق بن رہی تھی۔''

''یا شاید جنون......!!!''

مگر وہ اس کے سامنے بے بس تھی، سچ تو یہ تھا کہ وہ اس بہاؤ میں بہہ جانا چاہتی تھی، ایسا صرف اس کی ظاہری خوبصورتی کی وجہ سے نہیں تھا، وہ باطنی طور پر اس سے کہیں زیادہ خوبصورت تھا، وہ بہت نرم دل، ہمدرد فطرت اور حساس تھا، وہ بہت شائستہ اور نرم گو تھا، اس کا دل چاہتا وہ اس کا چوڑی ہتھیلی والا سرخ و سفید مضبوط ہاتھ اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں میں سمیٹ کر بیٹھی رہے اتنی دیر کہ اس کے وجود کی ساری گرمی اس کے ہاتھوں سے اسید کے ہاتھ میں منتقل ہو جائے، کبھی کبھی اسے رونا آتا ڈھیروں ڈھیر، وہ نم آنکھوں سے اس سے پوچھتی۔

''اسید مجھ سے کبھی ناراض تو نہیں ہو گے نا۔'' وہ ہنس دیتا۔

''تم پاگل ہو حبا؟ میں تم سے ناراض ہو سکتا ہوں؟'' یونہی ہوتا ہے بعض انسان ہمارے اتنا قریب آ جاتے ہیں کہ ان سے جدائی سے بہتر موت لگتی ہے حبا کو لگتا اگر اس کی زندگی میں اسید مصطفیٰ نہ رہا تو کیا وہ زندہ رہ پائے گی؟ نہیں بالکل نہیں، اسید مصطفیٰ اس کی زندگی تھا، اور حبا تیمور کو اپنی زندگی سے بے حد پیار تھا۔

اس کا خوبصورت چہرہ حبا تیمور کی رگ جاں میں اس طرح اترا ہوا تھا کہ اس کی آنکھوں سے حبا تیمور کو یہ ساری زندگی بہت خوبصورت لگتی، یہ ساری دنیا بہت اچھی لگتی، اور اسے لگتا ہمیشہ ہی رہے گا، سب کچھ اسی طرح اچھا اور خوبصورت رہے گا۔

''اسید مصطفیٰ اس کا دیوتا تھا اور وہ اس کی داسی جسے دن رات دیوتا کی پرستش سے ہی فرصت نہ تھی۔''

ایک شام حبا نے اسے چائے دیتے ہوئے پوچھا تھا۔

''اسید! ایک بات پوچھوں؟''

''ہوں کہو۔'' وہ چائے کے گھونٹ لیتا بولا۔

اوائل اگست کے دن تھے، موسم بتدریج ٹھنڈا ہو رہا تھا، نرم نرم ہوا چلتی بے حد بھلی معلوم ہو رہی تھی، حبا نے نظریں جما کر اسے دیکھا اور بولی

''تمہیں پاپا کی باتوں پر غصہ آتا ہے نا۔''

وہ بری طرح چونکا اس کے چہرے کے تاثرات میں واضح تبدیلی آئی تھی، لیکن جب وہ بولا تو اس کے لہجے میں کسی قسم کا غصہ یا غصیلا پن نہیں تھا اس کے برعکس اس کا لہجہ سرد مہری اور تحکم لئے ہوئے تھا۔

''حبا! تم بچی ہو، آج کے بعد میں بالکل پسند نہیں کروں گا کہ تم ان معاملات میں دخل اندازی کرو سمجھی؟'' حبا کا رنگ پھیکا پڑ گیا، اسے اس لہجے کی عادت نہیں تھی۔

''سوری۔'' وہ فوراً معذرت کرنے لگی، اسید کے چہرے پر ایک نرم سا تاثر پھیل گیا۔

''اِنس اوکے۔''

''فرسٹ ائیر کے متعلق کیا سوچا ہے؟'' اسید مزید پوچھنے لگا۔

''مجھے کیا سوچنا ہے؟ تم کس لئے ہو؟'' وہ گردن اکڑا کر کہنے لگی۔

اسید ہنس دیا، حالانکہ اسے یوں بھی تکلفی سے حبا کا تم کہنا اچھا نہیں لگتا تھا وہ اس سے پانچ سال بڑا تھا اپنا احترام کروانے کے چکر میں حبا کو خود سے دور نہیں کر سکتا تھا۔

''رجحان کس طرف ہے تمہارا؟''

''انگلش لٹریچر۔'' وہ جھجکے بغیر جھٹ سے بولی، اسید کے لبوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

''سب کچھ میرے جیسا ہی کرنا ہے؟'' اس نے کہا۔

''ہاں۔'' وہ مسکرائی چمکتی آنکھوں سے پھر بولی۔

''پتا ہے اسید میری خواہش ہے میں بالکل تمہارے جیسی بن جاؤں، میرا دل چاہتا ہے وہ سب چیزیں سیکھ لوں جو تم کرتے ہو، تمہاری ساری عادتیں اپنا لوں میں، میں نہ رہوں تم بن جاؤں۔'' حبا نے دل کو زبان دے دی تھی، اسید کھلکھلا کر ہنسا تھا۔

''اچھا مگر حبا اتنا شدت پسند ہو کر نہیں سوچتے، دیکھو ہر شخص کی اپنی پرسنالٹی ہوتی ہے، اپنا مزاج ہوتا ہے، انفرادی اختلافات ہی انسانی شخصیت کی پہچان ہوتے ہیں اور کوئی شخص کتنی بھی کوشش کرے وہ عادتیں تو بدل سکتا ہے، فطرت نہیں تمہیں اس لئے یہ مت سوچو کہ تمہیں اس جیسا بننا ہے یا اس جیسا بلکہ اس کے بجائے یہ سوچ رکھو کہ اپنی ایک منفرد شخصیت بنائی جائے۔'' وہ اسے سمجھانے لگا، حبا کو بے ساختہ اس پر پیار آیا تھا۔

''مگر مجھے منفرد نہیں بننا، مجھے صرف تمہارے جیسا بننا ہے اسید۔'' حبا کے لہجے میں شدتیں در آئیں تھیں۔

چند پل کے لئے اسید مصطفیٰ ساکت رہ گیا تھا پھر سر جھٹک کر مسکرایا تھا۔

☆☆☆

مہروز بال بناتے ہوئے ستارا کو دیکھا جو دو تین بار کمرے کا چکر لگا چکی تھی شاید وہ کچھ کہنا چاہتی تھی، چوتھی بار وہ بول پڑی۔

''میں نے ناشتہ لگا دیا ہے۔'' اس کا لہجہ بالکل سپاٹ تھا کسی بھی قسم کے تاثر سے عاری۔

مہروز چونکا، گویا آج صلح ہو گئی، وہ بے ساختہ آگے بڑھا اور ستارا کے شانے پہ ہاتھ رکھا۔

''ستارا! میں......؟'' ستارا نے آہستگی سے اس کا ہاتھ ہٹا دیا۔

''ناشتہ تیار ہے۔'' وہ باہر نکل گئی۔

مہروز خفیف سا ہو گیا، آثار اچھے تھے اگر وہ تھوڑی سی محنت کرتا تو یقیناً اسے ٹریک پر لا سکتا تھا، وہ مسکراتا ہوا باہر آ گیا، ناشتہ میز پر تیار تھا، ستارا نے کافی دن بعد یہ عنائیت کی تھی ورنہ وہ عموماً تیار ہو کر خود ہی ناشتہ بنا لیتا تھا۔

اس نے ناشتہ کرتے ہوئے سلیب کے ساتھ پشت ٹکائے کھڑی ستارا کو دیکھا جو کافی کے سپ لیتی ہوئی کسی غیر مرئی نقطے کو گھور رہی تھی۔

''ستارا!'' مہروز نے اسے آواز دی۔

ستارا نے نگاہ کا زاویہ بدلا اور اس کی طرف سوالیہ انداز میں دیکھا۔

''آج شام تیار رہنا، باہر چلیں گے۔'' مہروز نے مکمل طور پر امن کا جھنڈا لہراتے ہوئے گویا جنگ بندی کا اعلان کیا، ستارا نے بھنویں اچکا کر اسے دیکھا اور چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''میں کسی کلب، بار یا کیسینو میں نہیں جاؤں گی۔'' مہروز بے ساختہ ہنس دیا۔

''ٹھیک ہے ہم کسی اچھے سے ریسٹورنٹ میں کھانا کھائیں گے، اوکے؟'' مہروز نے تصدیق چاہی۔

''ٹھیک ہے۔'' ستارا نے آہستگی سے اثبات میں سر ہلایا۔

مہروز اسٹوڈیو چلا گیا تو وہ کچن سمیٹنے لگی، اس کے بعد گھر کی ڈسٹنگ کی اور پھر خود فریش ہونے چلی گئی۔

وہ باتھ لے کر لوٹی تو نظر سیل فون پر پڑی جو نجانے کب سے بجے جا رہا تھا، اس نے نمبر دیکھا، نوفل کا تھا، طویل سانس لے کر وہ بیڈ پر بیٹھ گئی، آہستگی سے ''یس'' پریس کیا اور کان سے لگا لیا۔

''کیسی ہو تارا؟'' وہ اسی بے تابی اور شدت سے پوچھ رہا تھا۔

''آج شام ہم کھانا باہر کھائیں گے اور تم وہاں آ رہے ہو۔'' ستارا نے اس کی بات نظر انداز کر کے حکمیہ انداز اپنایا۔

''کیوں؟'' وہ حیران ہوا۔

''مجھ سے ملنے۔'' وہ دو ٹوک انداز میں بولی۔

''کیا یہ ضروری ہے؟'' وہ دھیمے لہجے میں پوچھنے لگا۔

''بالکل ضروری ہے، کیا یہ جاننا ضروری نہیں ہے نوفل؟'' اس نے تیزی سے پوچھا۔

''نہیں، یہ ضروری نہیں ہے۔''

''یہ ہے میں اس شخص کو دیکھنا چاہتی ہوں جسے میں نے پچھلے ایک ماہ سے پاگل کیا ہوا ہے۔'' ستارا نے تند لہجے میں کہتے اس کے الفاظ لوٹائے تھے، چند لمحے پراسرار خاموشی چھائی رہی۔

''یہ ممکن نہیں ہے۔'' نوفل نے دو ٹوک انداز میں کہا۔

''کیوں؟'' وہ اسی طرح بولی۔

''مجھے دیکھنے سے...... کیا...... ہو گا؟'' وہ رک رک کر بولا۔

''کیوں......؟ کیا تم بہت بدصورت ہو؟'' وہ ہنسی۔

''اگر میں کہوں ''ہاں'' تو......؟'' نوفل کا لہجہ شکستہ تھا، وہ چونکی۔

''اچھا...... کہیں تم وہ تو نہیں ہو افریقی نیگرو، اوگاڈ مجھے ان سے بہت ڈر لگتا ہے، سچی۔'' ستارا نے مذاق اڑاتے ہوئے کہا، دوسری طرف گہری خاموشی چھا گئی۔

''نوفل! چلو کدھر ہو؟'' وہ جھلا گئی۔

''تم ٹھیک سمجھی ہو تارا! میں افریقی نژاد مسلم ہوں، بنیادی طور پہ میرا تعلق جنوبی افریقہ سے ہے۔'' وہ بڑے سکون سے کہہ رہا تھا۔

ستارا کو لگا اس کی سانس رک گئی ہو، اتنی خوبصورت اور پیاری باتیں کرنے والا نوفل صدیق جس کا لب و لہجہ اور مدھم مگر گمبھیر بھاری آواز کسی کو بھی پاگل بنا سکتی تھی، جب وہ ہنستا تو یوں لگتا جیسے جھرنے گنگنا اٹھے ہوں، وہ نوفل صدیق ''افریقی'' تھا، ستارا کا دماغ سنسنانے لگا۔

''تم...... مذاق کر رہے ہو؟'' وہ ناقابل یقین نظروں سے فون کو دیکھ کر بولی تھی۔

''جہاں تک مجھے یاد ہے میں نے آج تک تم سے مذاق نہیں کیا۔'' وہ ٹھہرے ہوئے انداز میں کہنے لگا۔

ستارا کے دماغ میں آندھیاں سی چلنے لگیں، اس اب تک یقین نہیں آیا تھا مگر نوفل کا

اتنا حتمی لہجہ، اسے یقین کرنا پڑا، وہ کچھ کہنا چاہتی تھی مگر دوسری طرف سے فون بند کیا جا چکا تھا، اسے یکلخت احساس ہوا اس کی ٹانگیں لرز رہی تھیں، کیا اسے اتنا زبردست شاک لگا تھا، اسے خود پہ حیرت ہوئی، اسے کھڑے رہنا مشکل ہو رہا تھا وہ بے اختیار گھٹنوں کے بل گر پڑی۔

''کیا میں اتنی حسن پرست ہوں؟ مجھے اتنا شاک کیوں لگا ہے؟ کیا یہ بات اہم نہیں ہے کہ وہ باطنی طور پر اتنا خوبصورت ہے؟ اور اگر وہ ظاہری طور پر مہروز جیسا ہوتا، ٹھیک ٹھاک اور باطنی طور پر بھی اس جیسا ہوتا غلیظ اور گندہ؟ تب ......تب میں کیا کرتی؟''

''کیا ظاہری خوبصورتی میرے لئے اہمیت رکھتی ہے؟''

وہ خود سے سوال پر سوال کر رہی تھی اور جیسے جیسے جواب اس کے سامنے آ رہے تھے، وہ بتدریج پرسکون ہوتی جا رہی تھی۔

''کیا میں بھول جاؤں؟ تمہاری مدد، تمہارا دیا گیا حوصلہ، تمہاری ہمدردی، تمہارا احساس دل، کیسے بھول جاؤں میں؟ تم ان سفید رنگوں اور کالے دل والے لوگوں سے ہزار گنا بہتر ہو نوفل! تم اس دنیا کے سب سے پیارے انسان ہو۔'' وہ سوچتی جا رہی تھی۔

ابتدائی جھٹکے کے بعد حیرت کی وہ شدت بھی ختم ہو چکی تھی، یقیناً اس کے سیاہ فام ہونے کی وجہ سے ہی اسے کہیں جاب نہیں ملتی تھی ورنہ اس نے ستارا کو بتایا تھا کہ وہ اچھا خاصا پڑھا ہوا تھا، شاید غربت اور بھوک کی مجبوری ہی تھی جو وہ کسی ورکشاپ پر مزدوری کرتا تھا۔

ستارا کے نازک دل میں نوفل صدیق کے لئے ہمدردی کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا، اس نے سیل فون اٹھایا اور مختصر سا ٹیکسٹ لکھ کر بھیجا۔

''I want to meet u۔'' فوراً فون پر نوفل کا نمبر جگمگا اٹھا، اس نے لیس پریس کیا۔

''تم نے فون بند کر دیا...... کیوں؟'' مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھی، دوسری طرف معمول کی خاموشی تھی۔

''اُفو! نوفل خاموشی کے اتنے لمبے وقفے نہ دیا کرو۔'' وہ جھلا ہی تو گئی تھی۔

''تمہیں کوئی فرق نہیں پڑتا تارا؟'' شکست خوردہ مگر ٹوٹی ہوئی آواز میں بولا تھا۔

''کس بات کا؟'' ستارا نے تجاہل برتا۔

''انجان مت بنو۔'' وہ جیسے تڑپا تھا۔

''نوفل مجھے اتنا سطحی سمجھتے ہو؟'' وہ رنج سے پوچھ رہی تھی۔

''نہیں تارا! باخدا نہیں...... میں تو بس چھوڑو جانے دو۔'' وہ یکدم بات بدل گیا۔

''کیا نوفل...... بتاؤ نا؟'' وہ مصر ہوئی۔

''لڑکیاں مجھے پسند نہیں کرتیں، تارا بتاؤ، کیا انسان کی شکل ہی سب کچھ ہوتی ہے کوئی روح کیوں نہیں دیکھتا؟ کیوں دل کو نہیں دیکھتا؟'' بڑے کاٹ دار سوالات تھے خاموش رہی۔

''مجھے ان سب کا نہیں پتا نوفل، تم میری زندگی میں آنے والے سب سے پیارے انسان ہو، اس سے زیادہ کیا کہوں؟'' ستارا نے بڑے مضبوط اور مستحکم لہجے میں کہا تھا۔

''تم سچ کہہ رہی ہو تارا! اگر میں کہ......'' وہ بے یقینی سے کہتے کہتے رک گیا۔

''کہ کیا؟''

''چلو چھوڑو ابھی اس بات کا وقت آیا۔'' وہ بات ہی ختم کر گیا، وہ چند لمحے خالی نظروں سے سامنے دیوار کو گھورتی رہی۔

''پھر شام کا کیا پروگرام ہے؟'' وہ عام سے انداز میں پوچھنے لگی۔

''ہاں دیکھتا ہوں، پھر ٹیکسٹ کر دوں گا۔'' وہ بھی سنبھلے ہوئے لہجے میں کہنے لگا۔

''او کے بائے۔'' ستارا نے فون بند کر کے سائیڈ پر پھینکا۔

چند لمحے اسٹل بیٹھی رہی، شاک کی کیفیت تو ختم ہو چکی تھی مگر جھٹکا بدستور سخت تھا، اس نے سر ہاتھوں پر گرا لیا۔

''کیا میرا ظرف اتنا چھوٹا ہے؟''

''نہیں مجھے فرق نہیں پڑتا۔'' اس نے سر جھٹکا اس کے ساتھ ہی آنکھوں کے سامنے لمبا چوڑا مضبوط جسم کا حامل سیاہ فام اپنے موٹے موٹے ہونٹوں اور چمکتے دانتوں کے ساتھ مسکرا رہا تھا اور جس کے اسکن ہیڈ نے اسے دہشت زدہ کر دیا، وہ جھٹکا کھا کر بیدار ہوئی شاید وہ بیٹھے بیٹھے خواب دیکھ رہی تھی۔

''اُف۔'' اس نے اپنے دھڑکتے دل پہ ہاتھ رکھا۔

''یہ کس امتحان میں ڈال دیا تم نے مجھے نوفل؟'' اس نے بھیگی آنکھیں رگڑتے ہوئے سوچا۔

جی چاہ رہا تھا ابھی شام ہو جائے اور وہ اس کے روبرو ہو۔

☆☆☆

دستک کی آواز بے حد تیز تھی، شاہ بخت نے چونک کر دروازے کی سمت دیکھا اور بلند آواز سے بولا۔

''کون ہے؟''

''میں ہوں عباس، کیا بات ہے بخت؟ یہ شور کیسا ہے؟'' عباس کی آواز سے پریشانی چھلک رہی تھی۔

''کچھ نہیں ہوا مجھے۔'' اس نے تیزی سے کہتے ہوئے ہاتھ آئے واز کو پوری قوت سے دیوار پہ دے مارا۔

ایک چھناکا ہوا اور پلاسٹر آف پیرس کا خوبصورت واز ٹکڑیوں میں بٹ کر کارپٹ پر بکھر گیا۔

''بخت! دروازہ کھولو۔'' عباس نے پھر دروازہ بجایا۔

''میں نے کہا نا کچھ نہیں ہوا مجھے، جاؤ یہاں سے۔'' وہ دھاڑا تھا اور کرسٹل کا نازک سا ڈیکوریشن پیس اٹھا کر آئینے پہ دے مارا جنونیت اور وحشت نے اسے پاگل کیا ہوا تھا، اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی وہ کیا کرے؟ وہ کیا کہے؟ شاید اس کے پاس اپنے کسی طرز عمل کا کوئی جواب نہیں تھا، مگر وہ اتنا ضرور جانتا تھا کہ یہ سب توڑ پھوڑ کر کے اسے ذہنی تسکین مل رہی تھی، اس کے غصے میں کمی آ رہی تھی، اس سے پہلے کہ وہ ایل سی ڈی بھی اٹھا کر اپنے طیش کی نظر کر دیتا، دروازہ ایک بار پھر بجا اور اس کے ساتھ ہی ہینڈل گھوما اور دروازہ کھلتا چلا گیا، دروازہ کھلتے ہی ایک جلوس سا اندر چلا آیا۔

سب سے آگے وقار تھے، انہوں نے تیزی سے بڑھ کر اسے تھاما اور بازوؤں میں لے کر بیڈ پر بیٹھ گئے، کمرے میں بے حد شور تھا سب اپنی اپنی بولیاں بول رہے تھے، رمشہ اس کے سر پہ کھڑی چیخ رہی تھی، اس کے اس طرز عمل کی وضاحت مانگ رہی تھی۔

بڑے تایا جان بھی اس سے پرسش کر رہے تھے، امی جان خاموشی سے آنکھوں میں آنسو لئے اپنی باری کا انتظار کر رہی تھیں، سب تھے مگر وہ نہیں تھی، شاہ بخت کا سر درد سے پھٹنے لگا وہ وقار پر ڈھے سا گیا۔

"وقار بھائی! ان سب سے کہیں یہاں سے چلے جائیں پلیز، ورنہ شاید میں کچھ کر بیٹھوں گا۔" اس کا لہجہ ٹوٹا ہوا تھا۔

وقار نے اسے ساتھ لگاتے ہوئے بلند آواز میں آمنہ بھابھی کو پکارا۔

"آمنہ!" آمنہ فوراً ہی ان کی طرف بڑھی تھیں۔

"ان سب کو یہاں سے لے جاؤ اور یہ سب یہاں سے اٹھواؤ۔" انہوں نے حکمیہ لہجے میں کہا۔

آمنہ نے فوراً صورتحال کا جائزہ لے کر ان کی زیرک نگاہی کو سراہا تھا اور کچھ دیر بعد وہ سب کو سمجھا بجھا کر کمرہ خالی کروانے میں کامیاب ہو چکی تھیں۔

ثمین بھابھی کے ساتھ مل کر انہوں نے سب ٹکڑوں کو اکٹھا کیا، پھر خاموشی سے باہر نکل گئیں۔

وقار نے اسے سامنے کیا اور شاہ بخت کے چہرے پر موجود تاثرات نے انہیں دہلا دیا تھا، اس کی آنکھیں سرخ تھیں اور کچھ ضبط کرنے کی کوشش میں بار بار لب بھینچتا وہ انہیں چھوٹا سا بچہ لگا تھا، انہوں نے بے ساختہ اسے گلے سے لگا لیا۔

"کیا بات ہے بخت؟" انہوں نے اس کی پشت سہلائی۔

"بخت! میرے بچے بتاؤ آخر ایسی کیا بات ہوگئی ہے جس نے تمہیں اس حد پر اترنے پر مجبور کیا ہے؟ بتاؤ نا؟" وقار نے اس کا چہرہ ہاتھوں میں تھاما اور دلگرفتہ انداز میں پوچھا۔

"مجھے نہیں پتا، مجھ سے نہ پوچھیں، بس پتا نہیں کیا ہوا ہے؟ میرا دل چاہ رہا ہے اس پوری دنیا کو آگ لگا دوں، مجھے نہیں پتا...... مجھ سے نہ پوچھیں...... آہ...... میرا سر...... میرا سر پھٹ رہا ہے...... آہ......" وہ سر تھامے بستر پر گر گیا، وقار کے قدموں تلے سے یکلخت زمین سرک گئی۔

"عباس...... عباس!" وہ پھیپھڑوں کی پوری قوت لگا کر چلائے۔

عباس جو کہیں باہر ہی تھا تیزی سے اندر داخل ہوا۔

"جی بھائی!" عباس نے پوچھا اور بخت پر نظر پڑتے ہی وہ تیزی سے اس کی طرف لپکا۔

"گاڑی نکالو فوراً۔" وقار شاہ بخت کو سنبھالتے نیم جاں ہو کر ہانپ سے رہے تھے، چلا کر کہا۔

اب اسے قے ہو رہی تھی، وقار نے بیڈ شیٹ کھینچ کر صاف حصے سے اس کا چہرہ صاف کیا اور اس شرٹ اتار کر ایک طرف پھینک دی پھر اسے بازوؤں میں اٹھایا اور باہر نکل آئے، بہت احتیاط مگر تیزی سے سیڑھیاں اترتے وہ نڈھال سے ہو گئے تھے۔

چچی جان روتی ہوئی ان کی طرف آئی تھیں، مگر وہ اس وقت کسی جواب دہی کی پوزیشن میں قطعاً نہ تھے جبھی تیزی سے باہر نکل گئے، جہاں عباس گاڑی کے دروازے کھولے ان کا منتظر تھا، عباس نے ان کے بیٹھتے ہی گاڑی تیزی سے آگے بڑھائی تیرہ منٹ کے قلیل عرصے میں وہ جناح ہوسپٹل کے احاطے میں پہنچ چکے تھے، شاہ بخت کو فوراً ہی ایڈمٹ کر لیا گیا تھا، وقار، عباس سے تفصیل جاننے کے لئے بے چین تھے۔

"مجھے شروع سے بتاؤ عباس۔" انہوں نے تفکر سے پوچھا۔

"مجھے خود کچھ زیادہ نہیں پتا، میں تو اپنے کمرے میں جا رہا تھا کہ آوازیں سن کر رک گیا، یوں لگ رہا تھا جیسے کمرے کا سامان اٹھا کر پھینکا جا رہا ہو، میں نے دروازہ بجایا تو بلند آواز سے کہنے لگا کہ کچھ نہیں ہوا، جاؤ یہاں سے، میں نے دروازہ پھر بجایا پھر یہی جواب دیا تو میں آپ کو بلا لایا، مجھے یہی لگا تھا کہ دروازہ لاک ہے لیکن میں نے ہینڈل گھمایا تو کھل گیا، شاید اسے لاک کرنا یاد نہیں تھا، آگے تو آپ کو پتا ہی ہے۔" عباس خاموش ہو گیا، وقار بے چینی سے راہداری میں ٹہلتے رہے۔

"اتنا Severe reaction۔" وہ بڑبڑائے۔

"آخر ایسا کیا ہوا ہے؟" وہ عباس کی طرف پلٹے۔

"تم سے کوئی بات کی اس نے؟"

"نہیں، مجھ سے تو کوئی بات نہیں ہوئی۔" عباس نے نفی میں سر ہلایا۔

اس سے پہلے کہ مزید بات ہوتی، عباس کی جیب میں پڑا سیل فون بجنے لگا، اس نے نکال کر دیکھا تو گھر کا نمبر تھا، وقار کا فون تو کمرے میں ہی پڑا رہ گیا تھا، عباس نے فون ان کی طرف بڑھایا۔

"گھر سے فون ہے۔" انہوں نے فون تھاما اور یس پریس کر کے کان سے لگا لیا۔

"ہاں اسے ایڈمٹ کر لیا گیا ہے ہاں ٹھیک ہے وہ، ڈسچارج کا ابھی کچھ پتا نہیں۔" انہوں نے مختصر سی بات کر کے آدھے جھوٹ اور آدھے سچ پر مشتمل تسلی دی تھی چچی جان کو اور فون بند کر کے پھر سے سابقہ پوزیشن میں ٹہلنے لگا، آخر تھک کر بینچ پر گر گئے۔

"کیا ہوا ہے آخر ایسا؟ جس نے شاہ بخت کو اتنا پاگل کر دیا ہے؟ آخر کیا......؟"

ان کی سوچ کا طائر ہر طرف پھڑ پھڑا کر پھر سے دماغ کی منڈیر پر آ بیٹھا، انہیں کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا وہ کیا کریں؟ آدھے گھنٹے کے جاں لیوا انتظار کے بعد ڈاکٹر سلطان باہر آتے دکھائی دیئے تو وہ بے تابی سے ان کی طرف بڑھے تھے۔

☆☆☆

"حیا" نے وفاقی بورڈ میں تیسری پوزیشن حاصل کی تھی، حکومتی گاڑی اسے لینے آئی تھی، "تقسیم انعامات" کی تقریب میں شرکت کے لئے لے جانے کے لئے، تیمور تو خوشی سے پاگل ہو رہے تھے، ان کے تو قدم ہی زمین پر نہ پڑ رہے تھے۔

وہ اور مرینہ اپنی گاڑی میں ان کے پیچھے چلے تھے، جبکہ اسید جو کسی گیٹ ٹو گیدر کے سلسلے میں دوستوں کے ساتھ تھا اسے بھی نیوز چینلز سے پتا چل گیا تھا وہ بھی بائیک پر وہاں آ گیا تھا، تب تک انہیں میڈلز پہنائے جا چکے تھے اور وفاقی وزیر تعلیم کی طرف سے کیش پرائز بھی مل چکے تھے، وہ اس وقت صحافیوں میں گھری کھڑی تھی۔

اسید نے دور سے ہی ہاتھ اٹھا کر اسے وش کیا تھا وہ بے ساختہ مسکرائی اور بے قابو ہو کر اس کی طرف لپکی۔

"اسید!" وہ بے ساختہ اور بے اختیار کسی تمغے کی طرح اس کے سینے سے لگ گئی۔

ایک تمغہ حیا کے سینے پر سجا تھا اور ایک اسید کے سینے پر، اسید نے مسکرا کر اس کا سر تھپتھپایا اور اسے خود سے الگ کیا، ایک نجی چینل کے اینکر نے ان کا گھیراؤ کیا تھا۔

"جی مس حیا! یہ اسید ہیں۔" اس نے پوچھا۔

"جی یہ اسید ہے۔" حیا نے مسکرا کر اکڑ کر کہا۔

"آپ اپنی کامیابی کا کریڈٹ اسید کو دیتی ہیں؟"

''جی بالکل Usaid! this is all because of you'' حبا نم آنکھوں سے بولی تھی، کیمرے کا فلش چمکا تھا، اسید چند لمحوں کے لئے Silent and still رہ گیا تھا۔

''اسید! کیا رشتہ ہے آپ کا مس حبا سے؟''

''حبا! میری بہن ہے۔'' اسید نے مضبوط لہجے میں کہا تھا۔

''ان کی کامیابی میں آپ کا کس حد تک ہاتھ ہے؟''

''دیکھیں کامیابی صرف فرد واحد کی محنت کے بل پر تو نہیں مل سکتی، بہرحال اس میں سب سے زیادہ حصہ حبا کا اپنا ہے، آف کورس She has the ability اس کے بعد حبا کے اساتذہ کا ہے، میرا ہاتھ صرف اتنا ہے کہ میں نے اسے پراپر گائیڈنس دی ہے۔''

''چلیں جی بہت شکریہ، اللہ آپ کو مزید ایسی کامیابیوں سے نوازے۔'' رپورٹر رخصت ہو گیا۔

وہ اسید کے ساتھ ہی گھر لوٹی تھی، شام میں تیمور نے ایک شاندار پارٹی رکھی تھی جس میں اس کے اساتذہ اور دوستوں کو خصوصی طور پر انوائیٹ کیا گیا تھا، تیمور کے عزیز و اقارب بھی شامل تھے، بزنس کلاس کے احباب بھی موجود تھے، غرض ایک رنگا رنگ تقریب تھی جس میں حبا تیمور سفید فراک زیب تن کیے کسی تتلی کی مانند اڑتی پھرتی تھی اور تتلی کا مرکز سوائے اسید کے اور کون ہو سکتا تھا، تیمور احمد جو صبح سے ضبط کر رہے تھے اب جیسے آخری حد پر پہنچ کر پاگل ہونے کو تھے۔

وہ اس وقت تیزی سے اسید کی طرف بڑھے جو نسبتاً تاریک حصے میں تنہا کھڑا تھا۔

''میں تم سے بارہا کہہ چکا ہوں کہ میری بیٹی سے دور رہو اور اپنے برادرانہ جذبات کو کنٹرول میں رکھو، میڈیا اور پریس کے سامنے یہ بیان دینے کی اجازت تمہیں کس نے دی؟ بڑے طرے سے فرما رہے تھے حبا میری بہن ہے کہاں سے ہے وہ تمہاری بہن؟ میں تمہارے اور تمہاری ماں کے مذموم عزائم بہت اچھی طرح سمجھ چکا ہوں، تم میری معصوم بیٹی کو بہن بنا کر ورغلا رہے ہو تاکہ اسے اس کے باپ سے دور کر رہے ہو، کس بنا پر وہ اپنی کامیابی کا کریڈٹ تمہیں دے رہی ہے؟'' تیمور سارے لحاظ بھلائے زہر اگل رہے تھے۔

اسید ہکا بکا سا انہیں دیکھ رہا تھا، ان کی اتنی پست اور گندی سوچ کے مظاہرے نے اس کا خون کھولا کر رکھ دیا تھا، وہ بڑے ضبط سے کھڑا رہا، آج حبا کی خوشی تھی اور وہ کوئی بدمزگی نہیں چاہتا تھا۔

''کوئی اور بات کریں۔'' اسید نے پرسکون رہتے ہوئے کہا۔

''بکواس بند کرو، میں تمہیں لاسٹ وارننگ دے رہا ہوں اسید مصطفیٰ میری بیٹی سے دور رہو۔'' وہ پھنکار اٹھے تھے۔

''برائے مہربانی مجھے سمجھانے کی بجائے آپ اپنی بیٹی کو سمجھائیے۔'' وہ بھی بھڑک اٹھا۔

''تم مجھے چیلنج دے رہے ہو۔'' تیمور کی آنکھوں میں برق سی کوند گئی۔

''نہیں سمجھا رہا ہوں اگر آپ میں اسے مجھ سے دور رکھنے کی Ability ہے تو کر دیجئے اسے مجھ سے دور۔'' وہ اسی سکون سے بولا جو اس کا خاصا تھا۔

''میں تمہیں اور تمہاری ماں کو اس گھر سے اٹھا کر باہر پھینک دوں گا۔'' وہ جلال میں آ گئے تھے، اسید استہزائیہ انداز میں ہنس پڑا۔

''بصد شوق، یہ خواہش بھی پوری کر لیجئے۔''

وہ وہاں سے ہٹ گیا۔

تیمور گہری سانسیں لیتے ہوئے خود پہ قابو پانے کی کوشش کرنے لگے۔

☆☆☆

ستارا نے شام کے لئے خصوصی تیاری کی تھی، اس نے آف وائٹ کامدار لانگ شرٹ اور ٹراؤزر منتخب کیا تھا، جس کے ساتھ اس نے پرل کے خوبصورت ایئر رنگ پہنے اور ساتھ آف وائٹ ہی نازک سی ہیل والی چپل، میک اپ کے نام پر صرف ہلکی پنک لپ اسٹک لگائی، البتہ بال اس نے جوڑے کی شکل میں باندھ لئے تھے، وہ جانتی تھی وہ غلط کر رہی تھی۔

وہ جانتی تھی اس کا انجام کچھ اچھا نہ تھا، مگر وہ مجبور تھی، وہ کوئی چور دروازہ ڈھونڈ رہی تھی اور وہ اسے نوفل صدیقی کی شکل میں مل گیا، شاید اس کے اندر سے احساس گناہ مٹ گیا تھا، ایک نامحرم کے لئے اتنا سج سنور کے جانا اسے قطعی غلط نہیں لگ رہا تھا، وہ خود کو یکسر کم عمر سویٹ سکسٹین ایج کی لڑکی سمجھ رہی تھی جو پہلی بار اپنے محبوب کو ملنے جاتی ہو، اسے اپنے اندر ویسی ہی سنسنی اور تجسس محسوس ہو رہا تھا۔

ریسٹورنٹ کا نام وہ پہلے ہی مہروز سے پوچھ کر نوفل کو بتا چکی تھی، گاڑی میں بیٹھتے ہوئے اس نے نوفل کو ٹیکسٹ کیا تھا۔

''I am coming''۔ ہمیشہ کی طرح فوراً ہی فون جاگ اٹھا۔

''کس کا فون ہے؟'' مہروز نے پوچھا۔

ستارا نے جواب دینے کی بجائے فون یس کر کے کان سے لگا لیا۔

''کیسی ہو تارا؟'' وہ اسی وارفتگی اور شدت سے مخاطب تھا۔

''میں ٹھیک ہوں تم سناؤ؟'' ستارا نے مہروز پر اچٹتی نظر ڈالتے ہوئے احتیاط سے کہا۔

''تم آ رہی ہو؟'' وہ پوچھنے لگا۔

''ہاں اور تم؟'' ستارا نے کہا۔

''میں پوری کوشش کروں گا آنے کی، تم آخری لمحوں تک میرا انتظار کرنا، او کے؟''

''او کے۔'' ستارا نے فون بند کر دیا اور ساتھ ہی Received calls میں سے نمبر ڈیلیٹ کر دیا۔

مہروز اس ساری گفتگو سے یہ اخذ کرنے میں ناکام رہا تھا کہ مبادا دوسری طرف مرد تھا یا کوئی عورت؟

''کون تھا؟ پاکستان سے فون تھا؟'' مہروز نے پوچھا اس نے ستارا کے اردو بولنے سے یہی اخذ کیا تھا۔

''ہوں، ایک دوست تھی، حال چال پوچھ رہی تھی۔'' ستارا سرسری انداز میں کہتے ہوئے بے نیازی سے باہر کے مناظر میں گم ہو گئی۔

اس کے انداز پر مہروز بس اپنی برداشت کا امتحان لے کر رہ گیا تھا، ریسٹورنٹ پہنچ کر ستارا نے چاروں طرف نگاہ دوڑائی تھی، مگر بے سود، وہاں تو ایک بھی سیاہ فام نظر نہیں آ رہا تھا، ستارا نے قصداً ایسی ٹیبل کا انتخاب کیا تھا، جہاں سے داخلی دروازے پر نظر رکھی جا سکے، ظاہر ہے اگر نوفل آتا تو وہ داخلی دروازے سے ہی اندر داخل ہوتا اور یوں وہ فوراً اسے پہچان لیتی۔

مینو کارڈ سے اپنی پسند کی ڈشز لکھوانے تک وہ کتنی ہی بار پہلو بدل چکی تھی، کھانا لگنے سے پہلے مہروز اٹھ کر واش روم گیا، تو ستارا نے موقع غنیمت جان کر تیزی سے اسے ٹیکسٹ بھیجا۔

''کہاں ہو؟'' اسی وقت Repley آیا تھا۔

''تمہارے بہت پاس۔''

ستارا کا دل دھڑک اٹھا، اس نے فوراً چاروں طرف نظر دوڑائی مگر، ہاں کوئی نہیں تھا، کم از کم نوفل کے حلیے سے ملتا جلتا شخص قطعاً نہیں تھا۔

''ایگزیکٹ پلیس بتاؤ؟'' ستارا نے پوچھا۔

''تمہارے دل میں۔'' نوفل نے سمائلنگ آئی کون کے ساتھ ٹیکسٹ کیا، ستارا کا رنگ سرخ پڑا۔

''بدتمیز۔'' اس نے لکھا۔

''صرف تمہارا۔'' جواب آیا۔

''پلیز بتاؤ بتاؤ بتاؤ تو؟'' ستارا نے التجا کی۔

''ہاہاہاہا۔'' دوسری طرف سے جواب آیا۔

''نوفل! یہ کیا ہے؟'' وہ تنگ کر لکھنے لگی۔

''محبت۔'' دل دھڑکاتا جواب حاضر تھا۔

ستارا کو حیرت ہوئی وہ اتنی عاشقانہ باتیں کبھی نہیں کرتا تھا۔

''تمہارا دماغ درست ہے؟'' اس نے غصے سے سرخ ہوتے لکھا۔

''تمہیں دیکھنے کے بعد نہیں رہا۔'' Kissing i con کے ساتھ Repley آیا تھا۔

ستارا نے جواب دینے کی بجائے فون ایک طرف رکھ دیا، اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ نوفل کہہ رہا تھا، لیکن سوال یہ تھا کہ وہ خود کدھر تھا؟

فون پر ایک بار پھر 1 new message کی جگمگاہٹ ہوئی، اس نے میسج کھولا۔

''بہت پیاری لگ رہی ہو، بال کیوں باندھے ہیں؟ آف وائٹ رنگ تم پہ بہت جچ رہا ہے اور یہ لباس بھی۔'' ستارا کی سانس رک گئی، وہ یہیں کہیں تھا، بہت قریب وہ اسے دیکھ رہا تھا، وہ ہل نہیں سکی، اس نے نہایت احتیاط سے چاروں طرف نظر دوڑائی مگر وہ نہیں تھا، کہیں نہیں تھا، اسی وقت مہروز آ گیا، ستارا نے فون ہینڈ بیگ میں ڈال لیا تھا، چونکہ فون Silent پر تھا اس لئے اسے کوئی فکر نہ تھی، خواہ کتنے بھی میسج آتے یا کال آتی رہتی۔

باقی کا وقت بہت خاموشی سے کٹا تھا، وہ کھانا نہیں کھا سکی تھی ڈھنگ سے، بس نام کے چند لقمے لئے تھے، مہروز اس سے باتیں کرتا رہا، وہ سنے سمجھے بغیر ہاں ہوں کرتی رہی۔

واپسی پر مہروز کا موڈ سخت خراب تھا، اسے ستارا کے موڈ میں کوئی تبدیلی، مزاج میں کوئی لچک نظر نہیں آئی تھی، اب وہ مایوس ہو رہا تھا اور ستارا نہیں جانتی تھی کہ مایوس انسان کس حد تک جا سکتا ہے گھر آ کر اس نے خاموشی سے کپڑے بدلے اور منہ ہاتھ دھو کر ٹی وی کے آگے آن بیٹھی، پتا نہیں وہ آج کل اتنا ٹی وی کیوں دیکھنے لگی تھی، شاید یہ بھی فرار کا کوئی راستہ تھا، مہروز نے اسے بیڈ روم میں سونے کے لئے نہیں کہا، وہ صوفے پہ نیم دراز چینل پہ چینل بدلتی رہی، جیسے ہی گھڑی نے بارہ کا گھنٹا بجایا۔

فون کی اسکرین چمک اٹھی، نوفل کا مخصوص جانا پہچانا نمبر جگمگا رہا تھا، اس نے جھپٹ کر فون اٹھایا، ٹی وی بند کیا اور سیدھی ہو کے بیٹھ گئی۔

''کیسی ہو تارا؟'' وہی مخصوص لہجہ۔

''بکواس بند کرو اپنی، کہاں تھے تم؟'' وہ بھڑک کر پوچھ رہی تھی۔

''میں نے کہا نا میں وہیں تھا، تمہارے پاس۔'' وہ اپنے مخصوص نرم اور دلکش لہجے میں کہنے لگا، ستارا کے تلوؤں پہ لگی سر پہ بجھی۔

''تم جھوٹ بول رہے ہو نوفل، تم وہاں نہیں تھے، میں نے پورے ریسٹورنٹ کو چھان

مارا تھا اور معاف کرنا ابھی میری آنکھیں پورے طور پر کام کرتی ہیں، وہاں نیگر، تو دور نیگرو کا بچہ تک نہیں تھا۔'' وہ رکے بغیر بولتی گئی، انداز میں قطعیت تھی، وہ کھلکھلا کر ہنس دیا، وہی دلکش ہنسی۔

ستارا کے جلتے دل پہ جیسے نرم سی پھوار پڑی تھی، وہ طویل سانس لیتی صوفے پہ لیٹ گئی۔

''سچ بتاؤ کہاں تھے؟'' وہ اصرار سے پوچھنے لگی۔

''تم اچھی طرح جانتی ہو تارا، ایک فائیو سٹار ریسٹورنٹ میں ڈنر کرنے کی میری اوقات نہیں ہے، اس لئے میں باہر تھا پارکنگ کے پاس۔'' وہ سنجیدگی سے کہہ رہا تھا انداز میں رقت تھی، ستارا لمحوں میں ٹھنڈی پڑ گئی تھی۔

''سوری...... میں...... بھول گئی تھی۔'' وہ خفیف سی شرمندگی سے بولی۔

''اوکے۔''

''پر یہ بتاؤ، تم مجھ نظر کیوں نہیں آئے؟ میں ہر طرف ڈھونڈتی رہی؟'' وہ پھر پوچھنے لگی۔

''تم اپنی آنکھیں ٹیسٹ کراؤ، میں وہیں تھا۔'' نوفل نے مذاق اڑایا وہ کچھ خفت زدہ ہوئی تھی۔

''جی نہیں میں نے دیکھا تھا۔'' وہ زور دے کر بولی۔

''چلو چھوڑو یہ بتاؤ مہروز سے مزید کوئی بات تو نہیں ہوئی؟''

''نہیں۔'' وہ خاموش ہو گئی۔

''اچھا پھر بات کریں گے۔'' ستارا نے سلگتی آنکھوں کو رگڑا فون رکھ دیا۔

☆☆☆

ڈاکٹر سلطان نے وقار کو دیکھا اور اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا، عباس بھی ساتھ ہو لیا، ڈاکٹر سلطان کے کمرے میں آ کر وہ چیئرز پر بیٹھے تھے جبکہ ڈاکٹر سلطان نے ہاتھوں سے گلوز اتار کر سائیڈ پر رکھے اور پانی پینے لگے، وقار نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

''مسٹر وقار!'' انہوں نے وقار کے چہرے کو فوکس کیا، وقار نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا، انہوں نے سامنے پڑی فائل کھول لی تھی۔

''A nild attaek of megrine آدھے سر کا درد، میگرین کا معمولی سا اٹیک، نوڈ پوائزن اور شوٹ بی پی۔'' انہوں نے شاہ بخت کی کنڈیشن بتائی۔

''دو ماہ میں میگرین کا دوسرا اٹیک، زیادہ پریشانی کی بات نہیں، ہو جاتا ہے لیکن...... ان تینوں ڈیزیز کا ایک ہی وقت ہی پیشنٹ پر اٹیک حیران کن ہے، میں نے اپنی لائف ہسٹری میں ایسا پیشنٹ اور ایسی ہیٹ ٹرک نہیں دیکھی، میں نے آپ کو پہلے بھی انفارم کیا تھا مسٹر وقار ایسے مریضوں کی سب سے بڑی پرابلم ان کی حساسیت ہوتی ہے ان کی حد سے بڑھی ہوئی Senctivity ہی ان کا سب سے بڑا عذاب ہے، یہ لوگ ہر چیز کو Extremepoint پر جا کر دیکھتے ہیں اور سوچتے ہیں، شاہ بخت کی موجودہ کنڈیشن کچھ اس طرح سے کہ سب سے پہلے اس نے کسی بات کو، کسی انسیڈنٹ کو بہت شدت اور گہرائی سے محسوس کیا ہے، میگرین ہو سکتا ہے اسے صبح سے محسوس ہو رہا ہو یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سہ پہر کو شروع ہوا ہو، خیر یہ اتنا ہلکا تھا کہ شاہ بخت نے اس سے تکلیف محسوس نہ کی یا شاید وہ اسے اگنور کرتا رہا، تاوقتیکہ کہ وہ بات یا وہ واقعہ وقوع پذیر ہو گیا اور درد یکدم بڑھ گیا اور وہ واقعہ اتنا تکلیف دہ اور Heart,s touch تھا کہ اس کا بی پی شوٹ کر گیا اور اس کے ساتھ ہی نوڈ پوائزن، میرا سوال یہ ہے مسٹر وقار۔'' انہوں نے

میز پہ ہاتھ رکھے اور دھیرے سے آگے جھکے۔

''کیا آپ کی فیملی میں کوئی کرائسس چل رہا ہے؟'' وقار نے چونک کر انہیں دیکھا اور پھر عباس کو۔

''نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں۔''

''ٹھیک کوئی فنانشیل پرابلم؟'' انہوں نے اگلا سوال داغا۔

''الحمدللہ بالکل نہیں۔'' وقار نے پریشانی سے کہا۔

''ہوں کوئی کریئر کا پریشر؟'' انہوں نے پرسوچ انداز میں کہا۔

''جی نہیں ڈاکٹر، وہ اپنی مرضی اور خوشی سے ایم بی اے کر رہا ہے، اس پر کسی قسم کا کوئی دباؤ نہیں۔'' اس بار عباس نے جواب دیا۔

''کسی قسم کا کوئی جھگڑا، حال ہی میں ہوا ہو، اس کنڈیشن سے پہلے؟''

''جی نہیں، ہمارے گھر کا ماحول بالکل ایسا نہیں ہے۔'' وقار نے کچھ برا مان کر کہا۔

''ٹھیک ہے، کسی لڑکی کا معاملہ تو نہیں ہے؟ کوئی Love کا چکر؟'' ڈاکٹر سلطان نے آخری سوال کیا۔

وقار اور عباس نے بیک وقت چونک کر ایک دوسرے کو دیکھا، یہ واحد سوال تھا جب وقار کو عباس کی طرف دیکھنا پڑا، مگر وہ پھر محتاط ہو کر بولے تھے۔

''مجھے تو نہیں لگتا کہ ایسی کوئی بات ہے؟ تمہیں لگتا ہے عباس کہ ایسا کچھ ہو سکتا ہے؟'' انہوں نے عباس سے پوچھا۔

''نہیں، ایسی تو کوئی بات نہیں۔'' عباس نے پورے یقین سے کہا۔

''شیور؟'' ڈاکٹر سلطان نے کچھ الجھ کر دونوں کا چہرہ دیکھا۔

''دیکھیں مسٹر وقار!'' انہوں نے ایک بار پھر وقار کا چہرہ فوکس کیا۔

اسی وقت عباس کا سیل بول اٹھا وہ معذرت کرتا باہر چلا گیا۔

''آپ کا کہنا ہے کہ کوئی فیملی کرائسس نہیں ہے، فنانشیل پرابلم نہیں ہے، کریئر کے لئے بھی پریشرائز نہیں کیا گیا، کوئی سخت جھگڑا ابھی نہیں ہوا اور آخری بات وہ کہیں Emotionally بھی انوالو نہیں ہے تو آخر ایسی کون سی بات ہو گئی جس نے اسے اس Condution پر پہنچا دیا۔'' ڈاکٹر سلطان نے ہاتھ زور سے میز پہ مارا۔

''میرا یقین کریں ڈاکٹر! میں سچ کہہ رہا ہوں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔'' وقار نے جیسے عاجز آ کر کہا، ڈاکٹر سلطان جیسے ٹھنڈے پڑ گئے۔

''دیکھیں مسٹر وقار! میں آپ کی بات پر یقین کرتا ہوں لیکن اس کے ساتھ ہی میں آپ کو وارن کر رہا ہوں کہ شاہ بخت کی کنڈیشن بہت Unstable ہے ان کا بی پی کتنی مشکل سے کنٹرول ہوا ہے جانتے ہیں آپ؟ کچھ بھی ہو سکتا تھا، برین ہیمرج، پیرالائز وغیرہ کچھ بھی اور فوڈ پوائزن کی وجہ سے ان کے جسم کا پانی تیزی سے کم ہوا ہے جس کی وجہ سے ان کی قوت مدافعت بہت کمزور ہو چکی ہے، یہ سب میں آپ کو اس لئے بتا رہا ہوں تا کہ آپ اس وجہ کو ڈھونڈ سکیں جو انہیں اس کنڈیشن میں پہنچانے کی ذمہ دار ہے۔'' ڈاکٹر سلطان کا لہجہ ناراض یا کسی حد تک کرخت تھا۔

انہیں یقین تھا کہ وہ وجہ ان سے چھپا رہے ہیں۔

''اور جہاں تک بات ہے ریکوری کی تو آپ بھی جانتے ہیں کہ یہ پیشنٹ کی ول پاور پر ڈپینڈ کرتا ہے، بہرحال اس کی کنڈیشن Stable ہونے میں کم از کم دو دن لگ سکتے ہیں، اس سے پہلے تو قطعاً نہیں اور آخری بات، اگر آپ کو شاہ بخت عزیز ہے اور اس کی زندگی بچانے میں ذرا سی بھی دلچسپی ہے تو براہ کرم اس کی اتنی ہائپر ٹینشن، فرسٹریشن اور اسٹریس کی وجہ کو ختم کرنے کی کوشش کیجئے، ورنہ کچھ بھی ہو سکتا ہے۔'' ڈاکٹر سلطان کا لہجہ بالکل پروفیشنل تھا۔

وقار کا رنگ پھیکا پڑا ہوا تھا، وہ جیسے لڑکھڑاتے قدموں سے باہر آئے تھے۔

عباس انہیں باہر ہی مل گیا، تایا جان، چچا جان اور چچی جان بھی آ چکے تھے، وہ عباس کو بتا کر گھر چلے آئے، ان کے ذہن میں یکلخت یہ خیال آیا تھا کہ انہیں رمشہ سے پوچھنا چاہیے، ڈاکٹر سلطان نے ٹھیک کہا تھا اور مندرجہ بالا وجوہات نہیں تھیں تو لازماً آخری آپشن کوئی پرسنل انوالومنٹ ہی بچتا تھا۔

''ہو سکتا ہے رمشہ جانتی ہو؟'' انہوں نے گاڑی گیٹ پر روکتے ہوئے سوچا، آخر وہ اس کی اتنی اچھی دوست تھی، اتفاق ہی تھا کہ رمشہ انہیں لان میں مل گئی، وہ بے تابی سے ان سے بخت کی بابت دریافت کرنے لگی۔

وہ اسے جواب دیئے بغیر لان چیئر پر براجمان ہو گئے اسے بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا، رمشہ حیران سی تک گئی۔

''مجھے صرف سچ بتانا رمشہ! یوں سمجھ لو یہ شاہ بخت کی زندگی کا سوال ہے۔'' انہوں نے دوٹوک کہا۔

''ایسی کون سی بات ہے بھائی؟'' رمشہ کا رنگ اڑ گیا۔

''تمہیں لگتا ہے کہ شاہ بخت کہیں انوالو ہے؟'' انہوں نے پوچھا۔

رمشہ نے چونک کر انہیں دیکھا، پھر نفی میں سر ہلا دیا۔

''معمولی سا شبہ بھی ہے تو بتا دو۔'' انہوں نے اذیت کے عالم میں سر تھاما۔

''لیکن کیوں؟'' وہ حیران سی پوچھنے لگی۔

''جتنا پوچھا ہے اس کا جواب دو۔'' وہ سخت لہجے میں بولے۔

رمشہ چند لمحے بے چینی سے انگلیاں چٹخاتی رہی، وقار ہنوز منتظر نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے۔

''اگر ایسی بات ہے تو مجھے شک ہے، لیکن صرف شک، میں شیور نہیں ہوں۔'' رمشہ جھجک کر چپ ہو گئی۔

''میں نے کہا نا معمولی سی بات بھی اگنور مت کرو، یہ بہت ضروری ہے، بخت کی کنڈیشن بہت Unstable ہے رمشہ خدا کے لئے ہچکچاؤ مت۔'' انہوں نے اسے حوصلہ دیتے ہوئے کہا۔

رمشہ چند لمحے خاموش رہی اگر شاہ بخت کی زندگی کا سوال نہ ہوتا تو شاید وہ قیامت تک نہ اگلتی مگر اس وقت معاملہ یقیناً بہت نازک تھا۔

''مجھے لگتا ہے کہ بخت......'' وہ پھر جھجک گئی۔

''ہاں......ہاں......بولو۔'' وہ بے تابی سے بولے۔

''مجھے لگتا ہے کہ بخت...... علینہ میں انوالول ہے۔'' رمشہ نے آخر کار بم پھوڑ ڈالا۔

''کیا......؟'' وقار بلند آواز میں چلائے تھے۔

(باقی آئندہ)

سندس جبیں

"کیا بکواس کر رہی ہو تم؟" وہ بے ساختہ اٹھ کھڑے ہوئے، شدت غضب سے ان کا پورا وجود لرز رہا تھا۔

"بھائی۔۔۔ میں۔۔۔" رمشہ سہم سی گئی۔

"اتنی بڑی بات تم نے منہ سے نکالی بھی کیسے؟" وہ جلال میں آکر دھاڑے تھے۔

"آپ نے کہا تھا کہ معمولی سا بھی شبہ ہے تو میں بتا دوں اور مجھے دو چار بار ایسا محسوس ہوا۔"

وہ انہیں ان کی بات یاد دلاتے ہوئے جلدی جلدی بتانے لگی، وقار ٹھنڈے پڑ گئے، کرسی پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گئے۔

"اس کا مطلب ہے اس کی جو بھی بات ہوئی ہے یا تو علینہ سے ہوئی ہے اور یا وہ جانتی ہے۔" وہ بڑبڑائے، رمشہ کو کچھ سمجھ نہ آیا۔

"کہاں ہے وہ؟" انہوں نے سر اٹھا کر رمشہ سے سوال کیا، رمشہ نے حیرانگی سے انہیں

ناولٹ

دیکھا، رات کا ایک بج رہا تھا، چونکہ یہ شور و ہنگامہ دوسرے پورشن پر ہوا تھا اور علینہ کا کمرہ فرسٹ پورشن پر تھا اس لیے وہ غافل تھی اور سو رہی تھی۔

"ظاہر ہے، وہ سو رہی ہے۔" رمشہ نے کہا۔

"اسے یہاں میرے پاس بھیجو اور کسی کو پتا نہ چلے کہ میں گھر آیا ہوں۔"

"کیوں؟" رمشہ نے فوراً کہا۔

"مجھے تم سے اس احمقانہ سوال کی توقع نہیں تھی، ظاہر ہے سب میرے سر ہو جائیں گے کہ شاہ بخت کی طبیعت کیسی ہے تفصیلات چاہیں گے اور میں اس وقت بالکل اس کنڈیشن میں نہیں ہوں کہ کچھ بتا سکوں، اب جاؤ۔" انہوں نے اچھا خاصا اسے لتاڑ کر رکھ دیا رمشہ خاموشی سے کھسک گئی۔

علینہ کے کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے

اس کے لبوں پر پراسرار مسکراہٹ تھی اسے پتا تھا کہ وقار کو انتہا کا غصہ آیا ہوا تھا اور اول تو وقار کو غصہ آتا نہیں تھا اور اگر آتا بھی تھا تو بے حد اور پورے ''مغل ہاؤس'' میں کون تھا جو ان کے جلال کے آگے ٹھہر پاتا، وہ یہ بھی جانتی تھی کہ اگر بخت کی اس حالت کی ذمہ دار کسی بھی لحاظ سے علینہ تھی تو وقار کے ہاتھوں آج اس کی خیریت مشکوک تھی، اس نے جانتے بوجھتے اپنا شک وقار کے سامنے ظاہر کیا تھا، نجانے وہ علینہ سے کیوں متنفر ہو رہی تھی۔

علینہ کے کمرے کے آگے رک کر اس نے گہرا سانس لے کر ہلکی سی آواز کے ساتھ دروازہ کھول دیا، پنک کلر کے ریڈ اسٹرابیریز والے نائٹ سوٹ میں وہ کروٹ کے بل بیڈ پہ دراز تھی۔

رمشہ نے آہستگی سے آگے بڑھ کر اس کا شانہ ہلایا، علینہ کی آنکھ فوراً کھل گئی۔

''کیا ہوا رمشہ آپی!'' اس نے مندی آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔

''اٹھو..... تمہیں وقار بھائی بلا رہے ہیں۔''

رمشہ نے اسے پھر ہلایا، علینہ بے ساختہ اضطراری انداز میں اٹھ کر بیٹھ گئی، اس کی نظر سیدھی سیب کی شکل کے وال کلاک پر گئی۔

''سوا ایک۔'' اس نے رمشہ کا چہرہ دیکھا انداز میں حیرت نمایاں تھی۔

''کیا بات ہے؟ اس وقت؟'' وہ آنکھیں مسل کر جیسے خود کو یقین دلا رہی تھی۔

''مجھے نہیں پتا، وہ لان میں ہیں، جلدی جاؤ۔'' رمشہ کہہ کر چلتی بنی، علینہ نے بے ساختہ پاؤں بیڈ سے نیچے لٹکائے اور چپل پہن کر واش روم کی سمت بڑھ گئی، منہ پر پانی کے چند چھپاکے مارے، کچھ حواس قائم ہوئے باہر آ کر اس نے سائیڈ ٹیبل پر رکھا اسکارف اٹھایا اور گلے میں ڈال کر تیزی سے باہر کی سمت بڑھ گئی، اس کے ذہن میں مختلف سوال ابھر رہے تھے۔

''آخر کیا بات ہو سکتی ہے؟''

''کہیں شاہ بخت نے تو کچھ.....؟ لیکن میں نے موصوف کو کیا کہا تھا۔'' وہ خود سے الجھی۔

''رمشہ آپی نے بھی کچھ نہیں بتایا، پتا نہیں کیا بات ہے؟'' وہ الجھتی ہوئی لان میں رکھی چیئرز کے قریب پہنچ گئی تھی، جن میں سے ایک پہ وقار بھائی بیٹھے نظر آ رہے تھے۔

''جی بھائی۔'' وہ ان کے سامنے آ کر بولی، وقار نے اپنی سرخ اور بوجھل آنکھیں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔

''بیٹھو۔'' وقار نے کرسی کی طرف اشارہ کیا، وہ حیران سی کرسی پر ٹک گئی، اس کے لئے وقار کے تیور نا قابل فہم تھے، وقار چند لمحے اس کی طرف دیکھتے رہے، وہ کنفیوز ہوئی تھی۔

''آج کیا بات ہوئی تھی تمہاری، بخت سے۔'' انہوں نے ذرا رک کر اپنی بات پوری کی، علینہ کے چہرے کا رنگ بدلا تھا۔

وقار کے لبوں پر تلخ مسکراہٹ آ گئی اس کے تاثرات بتاتے تھے کہ لازماً کچھ تو ہوا تھا۔

''کون سی بات؟'' علینہ نے پوچھا۔

''جو تمہاری آج دس سے گیارہ بجے کے درمیان شاہ بخت سے ہوئی ہے۔'' وقار نے سرد لہجے میں کہا، علینہ کی پیشانی جل اٹھی۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہوئی۔'' اس نے بدقت کہا۔

''شٹ اپ.....'' وقار نے شدید برہم ہو کر مکہ میز پر مارا۔

''مجھے وہ بات بتاؤ جس نے بخت کو اتنا

ڈپریس اور فرسٹریٹڈ کیا ہے جس کی وجہ سے وہ اس وقت I.C.U میں پڑا ہے، جانتی ہو کتنی سریس کنڈیشن ہے اس کی.....؟'' ان کی آنکھیں جیسے جل رہی تھیں، چہرہ تنا ہوا اور تاثرات شدید برہم، علینہ کا رنگ اڑ گیا تھا۔

''I.C.U ..... کک..... کیا مطلب؟''

اس کے گلے میں آنسوؤں کا گولہ سا پھنس گیا۔

''علینہ..... علینہ..... مجھے بتاؤ کیا بات تھی، ایسی کون سی بات تھی جس نے اسے اس حال میں پہنچا دیا، خدا کے واسطے! بتاؤ مجھے۔'' وقار نے اذیت کے عالم میں اپنے بال نوچ ڈالے تھے، خوف اور دہشت سے علینہ کا سارا وجود کسی خزاں رسیدہ پتے کی طرح کانپنے لگا۔

''یقین کریں بھائی وہ ایسی بات تو نہیں تھی۔'' علینہ نے اپنے ہاتھوں کی لرزش چھپاتے ہوئے کہا، وقار نے ایک نظر اس کے اڑے رنگ اور لرزتے وجود پر ڈالی، ان کا طیش یکدم بڑھا تھا۔

''وہ جیسی بھی بات تھی، تم بتاؤ مجھے۔'' وہ دھاڑے تھے، آنسو بہت بے اختیار ہو کر علینہ کے گالوں پر بہہ نکلے تھے، وقار نے آج تک اس سے اس لہجے میں بات نہیں کی تھی۔

''وہ میرے..... کمرے میں آئے تھے، وہ مجھے گھڑی دینا چاہتے تھے، جو وہ وہاں سے..... دبئی سے..... لائے تھے..... میں نے کہا کہ..... مجھے اس کی ضرورت نہیں..... میرے پاس ہے۔'' اس نے سسکتے ہوئے بمشکل آخرکار بات بتا دی۔

وقار کو شدت سے اپنے بے وقوف بنائے جانے کا احساس ہوا، بھلا یہ کون سی ایسی بات تھی جس پر وہ اتنی ٹینشن لے لیتا، انہوں نے بے یقین نظروں سے علینہ کو دیکھا۔

''صرف یہی بات تھی۔'' انہوں نے جیسے علینہ سے تصدیق کرنا چاہی۔

''جی..... صرف یہی بات تھی۔'' وہ ہاتھ کی پشت سے اپنے گال صاف کر رہی تھی۔

''صرف..... یہ بات تھی تو آخر اس کو ہوا کیا؟'' وہ پھر سے غصے میں آ گئے۔

''میرا یقین کریں بھائی، میں جھوٹ نہیں بول رہی۔'' وہ گھبرا کے وضاحت دینے لگی، وقار خاموش ہو کر چند لمحے اس کی طرف دیکھتے رہے۔

''بھائی! انہیں ہوا کیا ہے؟'' علینہ نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

''میگرین کا اٹیک، شوٹ بی پی، ڈاکٹرز کہتے ہیں اس نے کسی بات کی ٹینشن لی ہے۔'' انہوں نے خاموش ہو کر ایک بار پھر بغور علینہ کا چہرہ کھوجا، جیسے کچھ اخذ کرنا چاہتے ہوں، مگر اس کے تاثرات ہنوز وہی تھے، وہ کرسی سے کھڑے ہو گئے۔

''ٹھیک ہے، تم جاؤ۔'' وہ خاموشی سے اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گئے، علینہ نے انہیں دیکھا اور بھاگنے والے انداز میں اٹھی اور اپنے کمرے میں آ گئی، دروازہ بند کر کے وہ وہیں زمین پر گر گئی، اس کا سانس غیر متوازن تھا اور وجود ہچکیوں سے لرز رہا تھا۔

''میرے اللہ! میں نے یہ کب چاہا تھا؟ میں نے ایسا نہیں سوچا تھا۔'' وہ خود کلامی کرتے ہوئے پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی، کچھ دیر بعد وہ خود کو سنبھال کر اٹھی اور واش روم کی طرف بڑھ گئی، جب وہ واپس آئی تو کپڑے تبدیل ہو چکے تھے، دوپٹہ نماز کے سٹائل میں چہرے کے گرد لپٹا ہوا تھا۔

اس نے جائے نماز بچھا کر دو رکعت نماز حاجت کی نیت کی اور سر اس بارگاہ میں جھکا دیا جو

کائنات کا مالک ہے، نماز ادا کرتے ہی وہ سجدے میں گر کر پھر سے رونے لگی۔
''اللہ جی! آپ انہیں بالکل اچھا کر دیں، میں ان سے معافی مانگ لوں گی، میں ان کی کھری قبول کرلوں گی، آپ انہیں بالکل ٹھیک کر دیں، انہیں کچھ نہ ہو۔''

☆☆☆

اسید اس کے لئے اگلی شام گفٹ لایا تھا تب وہ لان میں بیٹھی اپنی کسی دوست کے ساتھ محو گفتگو تھی، وہ اس کے فارغ ہونے کا انتظار کرتا ہے، جب اسے ماما نے آ کر بتایا کہ اس کی دوست جا چکی ہے تب اس نے ریڈ ریپر میں لپٹا بکس اٹھایا اور ماما کو چائے کا کہہ کر لان میں چلا آیا۔
''ہائے اسید!'' وہ اسے دیکھتے ہی چہکی تھی۔
وہ بھی مسکرا کر اس کے سامنے ٹک گیا آہستگی سے ہاتھ آگے بڑھایا اور بکس ٹیبل پر رکھ دیا، اس کے ساتھ سفید اور گلابی پھولوں والا وشنگ کارڈ بھی تھا، حبا بھرپور انداز میں چونکی اگلے ہی لمحے وہ حیرت اور خوشی سے بے توازن سی ہو گئی۔
''یہ...... میرے لئے؟'' اس نے گلنار ہوتے ہوئے تصدیق چاہی، اسید اس کی ایکسائٹمنٹ دیکھ کر ہنس دیا۔
''ہاں تمہارے لئے۔'' حبا نے تیزی سے ہاتھ بڑھا کر دونوں چیزیں اٹھالیں، بکس گود میں رکھا اور کارڈ کھول لیا۔

Dear Hiba, ''
on-your success i wish
u that may God give
u a life full of happiness
''.jou and respect Usaid

وہ خوشی سے کھلی جا رہی تھی، پھر اس نے بے تابی سے ڈبہ کھولا، سرخ رنگ کے چھوٹے سے کیس میں گولڈ کی ننھی ننھی بالیاں جگمگا رہی تھیں۔
''اوہ...... اسید...... شکریہ...... بہت پیاری ہیں یہ۔'' وہ کھلکھلا کر ہنستے ہوئے کہہ رہی تھی، پھر اس نے بالیاں ہاتھ میں لیں اور پہننے لگی اسید ایک بار پھر ہنس دیا تھا اس کی عجلت پر۔
بالیاں پہننے کے بعد اس نے اسید کی طرف دیکھا، اس کی نظروں کا مفہوم سمجھ کر اسید نے تعریفی انداز میں سر ہلایا اور مسکرا دیا۔
''بہت اچھی لگ رہی ہیں۔'' وہ بے ساختہ اپنی چیئر سے اٹھی اور آگے بڑھ کر بیٹھے ہوئے اسید سے لپٹ گئی۔
''آئی لو یو سو مچ اسید...... تھینک یو۔'' اسید کے مسکراتے لب یکلخت بھینچ گئے تھے اسے شدت سے تیمور کی وارننگ یاد آئی، اس نے آہستگی سے حبا کو خود سے الگ کیا اور اس کا سر سہلایا۔
''آئی لو یو ٹو سویٹو۔'' اس نے حبا کا گال تھپتھپایا، حبا کھل کر ہنس دی، پھر فخر سے مسکرائی۔
''مجھے پتا ہے۔'' اب وہ اس کے سامنے ٹیبل پر بیٹھ چکی تھی، گلابی رنگ کے کڑھائی والے شلوار قمیض کے ساتھ لمبے سے دوپٹے کے ہمراہ وہ اپنے شانوں تک آتے بالوں کو پونی ٹیل کی شکل میں جکڑے بے حد خوش نظر آ رہی تھی، اسی وقت مرینہ چائے لے کر آ گئیں، حبا انہیں اسید کا دیا گیا گفٹ دکھانے لگی۔
''میں اچھی لگ رہی ہوں ناں ماما؟'' وہ لاڈ سے ان کے گلے میں جھول گئی، مرینہ نے بے ساختہ اس کی پیشانی کو چوما۔
''میری بیٹی ہے ہی بہت پیاری۔''
''بالکل ماما ہماری حبا ہے ہی بہت پیاری۔

مجھے تم پر فخر ہے حبا۔'' اسید نے تفخر سے کہا تھا، حبا کے مسکراتے چہرے اور آنکھوں میں ڈھیروں ستارے اتر آئے، چائے بے حد خوشگوار ماحول میں پی گئی تھی، وہ تینوں ہنستے مسکراتے ایک کمپلیٹ ہیپی فیملی کا تاثر تھے، بہت نارمل انداز میں باتیں کرتے ہوئے اسید اس کو فرسٹ ائیر سے ریلیٹڈ ٹیکنیکس اور کالج لائف پر سیر حاصل لیکچر دیتا رہا، وہ خاموشی اور تابعداری سے سر ہلاتی رہی، اسید کے ذہن میں تیمور کی باتیں بڑی وضاحت و صراحت سے محفوظ تھیں، وہ جانتا تھا کہ حبا کی اس سے اتنی اٹیچمنٹ تیمور کو قطعی پسند نہ تھی اور اسے آئندہ یہ دھیان رکھنا تھا کہ وہ دھیرے دھیرے اسے خود سے اتنے غیر محسوس انداز میں الگ کر دے کہ وہ محسوس نہ کر سکے، حالانکہ وہ جانتا تھا کہ یہ ناممکن تھا، حبا کی صبح و شام اسید کے نام سے ہوتی تھی جب تک وہ پورے دن کے متعلق ایک ایک لفظ اسید کو نہ بتا دیتی اس کو چین نہیں آتا تھا، وہ تو اسید کو اپنی طرف متوجہ کئے بغیر بات نہیں کرتی تھی، تو پھر اس کی ہتک اور کم ہوتی توجہ کیسے برداشت کر سکتی تھی؟
فی الوقت اسید سخت الجھا ہوا اور پریشان تھا، اگرچہ اس کا مستقبل میں لاہور سیٹل ہونے کا ارادہ تھا، اس نے صرف تیمور سے بچنے کے لئے یہ فرار حاصل کرنا چاہا تھا، عنقریب اس کے ماسٹرز پارٹ ون کے ایگزامز تھے جن کے بعد اس کا لاہور چلے جانا تھا، ہمیشہ ایسا ہی ہوتا تھا وہ صرف دو تین چھٹیوں کی تلاش میں رہتا اور لاہور بھاگنے کی کرتا، لاہور...... اس کا پیارا شہر، جو اسے کچھ عرصہ پہلے اتنا خاص، اتنا عزیز کبھی نہیں لگا تھا، مگر اب وہ وہاں جانے کے لئے ہمیشہ بے قرار رہتا، وہاں اسید تھا اس کا مسیحا، اس کا دوست اس کا رہنما اور نفسیاتی تسکین کا سب سے بڑا سامان اور اسید کئی سال پہلے کی طرح ایک بار پھر اس سے اپنا اور حبا کا تعلق ڈسکس کرنا چاہتا تھا۔
وہ اسے کہنا چاہتا تھا کہ وہ اپنے اور حبا کے اتنے پیارے رشتے پر تہمت کا ایک چھینٹا بھی برداشت نہیں کر سکتا تھا اور تیمور احمد یہی تو کرنا چاہتے تھے یا شاید کر رہے تھے، اب یہ معاملہ اسید کی برداشت سے باہر ہو چکا تھا اور اس سے پہلے کہ تیمور کے غصے اور جنون کی لپیٹ میں وہ دونوں آ جاتے وہ اس مسئلے کو ہینڈل کر لینا چاہتا تھا۔

☆☆☆

عائشہ کا فون آیا تو نا چاہتے ہوئے بھی وہ رونے لگی، انہوں نے یہی سمجھا کہ شاید وہ ان کے لئے اداس ہو گئی ہے، گھر والوں کو مس کر رہی ہے جبھی ایسا ہوا ہے مگر جب ان کے تسلی دینے پر وہ بری طرح بگڑ اٹھی تو وہ چونک گئیں تھیں۔
''ستارا! کیا بات ہے؟ کوئی مسئلہ ہے کیا؟ مہروز سے تو جھگڑا نہیں کر لیا؟'' وہ تشویش سے پوچھ رہی تھیں اور جواباً وہ کچھ نہ کہہ سکی بس چپ چاپ بے بسی سے روتی رہی۔
''اک بات کہوں آپی؟'' وہ بھاری لہجے میں کہنے لگی۔
''ہوں کہو۔''
''والدین اپنی بیٹی کو سب کچھ دے سکتے ہیں، جائیداد، دولت، ڈھیروں ڈھیر جہیز، مگر قسمت، قسمت تو نہیں دے سکتے نا۔'' وہ عجب یاسیت بھرے لہجے میں کہنے لگی، عائشہ نے ایک طویل سانس لی۔
''ہاں سچ کہتی ہو تم قسمت نہیں دے سکتے، مگر ستارا! وہ کوشش تو کرتے ہیں نا کہ وہ اپنی بیٹی کے لئے بہت اچھا گھر اور اچھا سا انسان ڈھونڈیں، کیا ایسا نہیں ہے؟'' عائشہ نے سوال

کیا۔

''ہوں...... کوشش...... مگر آپی اتنی دور بیٹھے ہوئے انسان کے متعلق کیا جان سکتے ہیں، کیسے جان سکتے ہیں؟ اور کون تصدیق کرتا ہے ان کی چھان بین کی؟ کوئی بھی نہیں بلکہ اس کے بجائے بچارے والدین کو صرف ان معلومات پر بھروسہ کرنا پڑتا ہے جو انہیں لڑکے کے گھر والے مہیا کرتے ہیں، کوئی یہ نہیں سوچتا کہ لڑکی کو کل کو کسی مشکل کا سامنا کرنا پڑا تو وہ کس کا منہ دیکھے گی؟ بس اس پر خوش ہوتے رہتے ہیں، فخر کرتے ہیں کہ ان کی بیٹی ''باہر'' چلی جائے گی۔'' وہ رندھی آواز میں کہہ رہی تھی، عائشہ کو حیرت کا شدید جھٹکا لگا تھا وہ جیسے سوچنے پر مجبور ہو گئیں کہ یہ دھواں سا کہاں سے اٹھتا ہے کہ مصداق یہ تمہید کیا کسی دل دہلا دینے والی حقیقت کا پیش خیمہ تھی؟

''ارے نہیں پگلی! قسمت بھی تو کوئی چیز ہے نا کہ نہیں؟ اور والدین اپنی طرف سے تو یقیناً اچھا ہی کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔'' عائشہ کا انداز تسلی بھرا تھا۔

''اور قسمت ہمیشہ ساتھ دے، ضروری تو نہیں۔'' ستارا نے طنزیہ کہا، عائشہ ایک بار پھر چونک گئیں تھیں، یقیناً کچھ نہ کچھ تو تھا جو کھٹک رہا تھا۔

''ستارا! دیکھو کیا بات ہے؟ مجھے تو بتاؤ، شاید میں کچھ حل نکال سکوں، اس طرح پریشان ہونے کا کیا فائدہ؟ چلو شاباش، بتاؤ مجھے۔'' انہوں نے پیار سے پچکارا تھا، ستارا نے چور نظروں سے دروازے کی سمت دیکھا، مہروز گھر پہ ہی تھا مگر دوسرے کمرے میں بند۔

''میں بہت پریشان ہوں آپی! بہت زیادہ، مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا میں آپ کو کیسے بتاؤں؟'' وہ بے بسی سے کہتی رو پڑی۔

''ایسی کون سی بات ہے؟'' وہ ٹھٹک سی گئیں۔

''مہروز اچھا انسان نہیں ہے آپی، وہ بالکل اچھا نہیں ہے، میں آپ کو بتا نہیں سکتی کہ وہ...... کیا چاہتا ہے مجھ سے، مجھے شرم آ رہی ہے، میں آپ کو کیا بتاؤں کہ وہ...... وہ شراب پیتا ہے اور...... اس کے دوسری عورتوں کے ساتھ...... میں کیا کروں آپی۔'' وہ گھٹی گھٹی آواز میں کہتی رونے لگی، عائشہ پر تو جیسے سکتہ طاری ہو گیا تھا، کتنی دیر ان سے کچھ بولا ہی نہ گیا۔

''تم سچ کہہ رہی ہو ستارا! میرے خدا مجھے یقین نہیں ہو رہا۔'' وہ بے یقینی سے گویا تھیں، وہ کچھ کہے سسکیاں لیتی رہی۔

''یہی سچ ہے آپی! یہی تو سچ ہے، آپ نہیں جانتیں میری کیا حالت ہو چکی ہے، مجھے راتوں کو نیند نہیں آتی، ہر وقت بس یہی خیال رہتا ہے کہ کوئی ایسا موقع ہو کچھ ایسا ہو کہ میں یہاں سے بھاگ جاؤں، کہیں بہت دور کسی تاریک کھائی میں گر کر جان دے دوں اور تب شاید میرا من سکون پا جائے۔'' وہ از حد دلگیر اور دلسوز لہجے میں شکوہ کناں تھی۔

عائشہ کی آنکھوں سے کتنے ہی خاموش آنسو بہہ گئے، ان کے پاس تو ستارا کو دینے کے لئے جھوٹی تسلی بھی نہیں تھی، مگر ستارا کے آنسو جیسے ان کی برداشت کا امتحان تھے۔

''بس کرو ستارا میری پیاری بہن، بس کرو نہ روؤ، انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا، اللہ سے دعا مانگو، میں اماں جان سے بات کروں......؟'' وہ کہنے لگیں۔

''نہیں آپی! بالکل نہیں، ایسا مت کیجئے گا، ہماری اماں تو برداشت ہی نہیں کر پائیں گی۔'' ستارا نے فی الفور ٹوکا تھا۔

''کیا تمہاری ساس کو پتا ہے؟'' عائشہ کا لہجہ چبھتا ہوا تھا۔

''میرا خیال ہے کہ نہیں اور اگر ہو بھی تو کیا کر سکتی ہیں؟'' ستارا کے لہجے میں یاسیت تھی۔

''تم اسے روکنے کی کوشش کرو ناں، بیویاں تو شوہروں سے سب منوا لیتی ہیں، تم اپنی محبت سے اس کی عادتیں بدل دو ناں۔'' عائشہ نے جوش سے کہا، ستارا کے لبوں پہ ایک استہزائیہ مسکراہٹ آ گئی۔

''آپ ٹھیک کہتی ہیں آپی! میں اسے بدل لوں گی، بس آپ مجھ سے ایک وعدہ کریں کہ آپ کسی سے کچھ نہیں کہیں گی پلیز آپی، میں آپ سب کو پریشان نہیں کرنا چاہتی، یہ تو بس آپ کو بھی اس لئے بتا دیا ہے کہ میرے اندر اتنا غبار اکٹھا ہو چکا تھا کہ اگر میں کسی سے شیئر نہ کرتی تو شاید اندر ہی اندر گھل گھل کر ختم ہو جاتی۔'' وہ پھر رو دی تھی، عائشہ اسے دیر تک تسلیاں اور دلاسے دیتی رہی تھیں مگر اپنے لہجے کی لڑکھڑاہٹ اور کھوکھلے پن کا انہیں خود بھی اندازہ تھا جبھی کچھ دیر بعد فون بند کر دیا تھا۔

ستارا کال بند ہونے کے بعد بھی کتنی ہی دیر تک گم صم بیٹھی رہی، اس نے عائشہ کو غیر ارادی طور پر سب بتا تو دیا تھا مگر یہ نا حال راز تھا کہ مہروز کی ستارا سے ''ڈیمانڈ'' کیا تھی۔

کل سے نوفل بھی بنکاک گیا ہوا تھا اور اس نے ستارا کو یہی بتایا تھا کہ وہ اپنے ورکشاپ کے مالک کے ساتھ جا رہا ہے، بہت ممکن تھا کہ وہ آج فون نہ کرتا، ستارا کتنی دیر سپاٹ انداز میں بیٹھی سامنے دیوار کو گھورتی رہی پھر اٹھی اور کچن میں چلی گئی، وہ چائے بنانا چاہتی تھی اور اس کے سر میں ٹینشن اور پریشر کی وجہ سے سخت درد ہو رہا تھا، مہروز کا رویہ ہنوز پراسرار پردوں کی لپیٹ میں تھا اور ستارا کے سامنے ایک بڑا سا سوالیہ نشان منہ کھولے کھڑا تھا۔

کیا کرے گی وہ......؟

مہروز کے ساتھ سمجھوتہ......؟

یا پھر......؟

اور اس ''یا پھر......'' کے بعد ایک تاریک خلا تھا۔

☆☆☆

وقار ایک بار پھر ڈاکٹر سلطان کے کمرے میں موجود تھے، دن کے چار بج رہے تھے، سہ پہر ڈھل رہی تھی، ہاسپٹل کا مخصوص ماحول، وحشت ناک خاموشی اور دوائیوں کی بو، بے جان تاثر لیئے ہوئے نرسیں اور ڈاکٹر، اور ان کے پیچھے بھاگتے مریضوں کے لواحقین، بڑا روایتی سا منظر تھا عباس نے تھک کر کوریڈور سے ٹیک لگا لی، سامنے ہی بینچ پر چچی جان تسبیح کرنے میں مشغول تھیں، ان کا سر جھکا ہوا تھا اور آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں۔

شاہ بخت کو ہنوز ٹرینکولائزر کے زیر اثر رکھا گیا تھا، تقریباً ''مغل ہاؤس'' کے سبھی مکین اسے دیکھنے ہاسپٹل کا چکر لگا چکے تھے اس وقت ہاسپٹل میں صرف یہی تین نفوس تھے۔

وقار نے بے چینی سے پہلو بدلا اور ڈاکٹر سلطان کا چہرہ جانچا، وہاں کے تاثرات ہنوز بے تاثر تھے وہ کچھ اندازہ لگانے میں ناکام رہے، ڈاکٹر سلطان نے سامنے پڑی سرخ کور والی فائل کھولی اور پوائنٹر سے ایک سطر انڈر لائن کی اور فائل وقار کی طرف کھسکا دی، وقار نے چونک کر ان کی طرف دیکھا اور فائل کا رخ اپنی طرف کر لیا۔

''تم بہت غلط کر رہی ہو عینا۔'' وقار نے بلند آواز میں سطر کو پڑھا، پھر الجھی ہوئی نظروں سے

انہیں دیکھا۔

''یہ وہ واحد فقرہ ہے جو ہوش کی سرحدوں پر آتے ہوئے شاہ بخت کے لبوں سے ادا ہوا ہے۔'' انہوں نے فائل اپنی طرف کھسکاتے ہوئے وقار کو بتایا۔

''آپ کو یاد ہے مسٹر وقار، آپ نے کہا تھا لڑکی کا کوئی معاملہ نہیں ہے۔'' ڈاکٹر سلطان کا لہجہ جتاتا ہوا تھا، وقار تو پہلے ہی الجھے ہوئے تھے اب مزید حیران رہ گئے۔

''کیا آپ کے علم میں ہے کہ یہ ''علینا'' کون ہے؟''

''نہیں...... مجھے علم......'' وقار جو انکار کرنے جا رہے تھے یکدم چونک کر خاموش رہ گئے ان کے ذہن میں جھماکہ سا ہوا۔

''علینہ میری چچازاد ہے۔'' وقار نے دھیمے لہجے میں کہا۔

ڈاکٹر سلطان بڑے بھرپور طریقے سے چونکے، ''تو گویا بلی تھیلے سے باہر آ گئی۔'' انہوں نے وقار کا بدلا اور پریشان چہرہ دیکھ کر سوچا۔

''میرے خیال سے اب آپ مجھے تفصیل بتا سکتے ہیں، لیکن ایک منٹ لیٹ می سم تھنگ ویری کلیئر، پتا نہیں آپ لوگ ڈاکٹرز کو اتنا بے وقوف کیوں سمجھتے ہیں، سب سچ کیوں نہیں بتاتے، عام لوگوں کی بات تو میں نہیں کرتا لیکن آپ تو پڑھے لکھے ہیں، کیوں آپ نے مجھ سے چھپانا چاہا؟'' ڈاکٹر سلطان کا لہجہ خفا تھا۔

''سچ تو یہ ہے سر! کہ مجھے رات کو ہی پتا چلا کہ اس کی ''علینہ'' کے ساتھ کوئی بات ہوئی ہے لیکن، میں پریشان تھا اور ہوں کیونکہ وہ کوئی ایسی بات نہیں ہے کوئی ایسی اسپیشل بات جو اس کی کنڈیشن سے ریلیٹ کر سکے، میں تو خود بہت ٹینس ہوں رات سے۔'' وقار نے تھکے ہوئے انداز میں کہا۔

''وہ کیا بات تھی؟''

''وہ علینہ کو کوئی تحفہ دینا چاہ رہا تھا جو اس نے نہیں لیا۔''

''ہو سکتا ہے علینہ نے آپ کو غلط بیانی کی ہو، درحقیقت بات کچھ اور ہو......؟''

''جی نہیں، میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتا لیکن پھر بھی اگر آپ تسلی کرنا چاہتے ہیں تو میں اسے یہاں بلوا لیتا ہوں، آپ اس سے اچھی طرح پوچھ لیجئے گا۔'' وقار نے کہا۔

''ہوں ڈیٹس بیٹر آئیڈیا، ٹھیک ہے آپ انہیں بلوائیے۔'' ڈاکٹر سلطان نے کہا۔

وہ سر ہلا کر شاہ بخت کی موجودہ کنڈیشن پر بات کرنے لگے، جو کہ رات کی نسبت اب بہتر تھی، کچھ دیر بعد وہ باہر آئے اور عباس سے کچھ دیر بات کرتے رہے، عباس سر ہلاتا رہا پھر پاکٹ میں سے بائیک کی چابی کی موجودگی کا یقین کرتا تیز قدموں سے باہر نکل گیا، وقار چچی جان کے پاس آ گئے۔

''حوصلہ کریں چچی جان! اب وہ ٹھیک ہے۔'' وقار نے تسلی بھرے انداز میں کہا۔

''کیسے حوصلہ کروں وقار! ایک یہاں پڑا ہے اور دوسرا وہاں اتنی دور کہ اسے دیکھ بھی نہیں سکتی۔'' نا چاہتے ہوئے بھی ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے، وقار نے ان کے شانے کے گرد بازو پھیلایا۔

''ہم بھی تو آپ ہی کے بیٹے ہیں۔''

''تمہیں دیکھ کر ہی تو تسلی ہوتی ہے دل کو میرے بچے۔'' انہوں نے وقار کی پیشانی کو چوما، وقار کے اندر ایک ٹھنڈک سی اتر آئی۔

''میں آپ کو کیا بتاؤں چچی جان مجھے کتنی تکلیف ہوتی ہے یہ سوچ کر پہلے نواز اور اب

ایاز، آپ نے سبین کو دیکھا ہے کیسی پیلی پڑ گئی ہے، سچ تو یہ ہے کہ ہم نے اس کے ساتھ زیادتی کی ہے جب ایاز راضی نہیں تھا تو پھر کیوں نبیلہ چچی نے زبردستی کی؟'' وقار کے لہجے میں دکھ تھا، چچی جان نے ایک سرد آہ بھری۔

''ٹھیک کہتے ہو بیٹا، نبیلہ آپا کو میں نے بھی سمجھانا چاہا تھا مگر وہ نہیں مانی۔'' وقتی طور پر موضوع گفتگو بدل گیا تھا۔

''یہ جانتے ہوئے بھی کہ ایاز کی طبیعت میں ضد اور ہٹ دھرمی کوٹ کوٹ کر بھری ہے، اس سے بہتر یہ ہوتا کہ وہ کچھ عرصہ انتظار کر لیتیں، آخر عباس بھی تو تھا، وہ پریکٹیکل لائف میں آتا تو ہم اسے عباس کے لئے مانگ لیتے، کون سا سبین کی عمر نکلی جا رہی تھی، عباس اور ایاز کی عادتوں میں بہت فرق ہے، عباس ذرا مختلف طبیعت کا ہے، اب ایاز کو دیکھ لیں، دو ماہ میں کتنے فون آئے ہیں اس کے، گنتی کے تین چار، جب بھی کریں ہم کریں، مجھے نہیں لگتا وہ سبین کو فون کرتا ہے۔'' وقار کے انداز میں کیا نہیں تھا، تلخی، خدشے، غصہ سب کچھ، چچی جان چونک سی گئیں۔

''آج کے بعد ایسی بات منہ سے نہ نکالنا وقار! کیوں مانگتے ہم اسے عباس کے لئے، وہ جس کی قسمت میں تھی اس کے نام پر اس گھر میں آ گئی، اب باقی باتیں بے کار ہیں۔'' وہ سر جھٹک کر کہنے لگیں۔

وقار تائیدی انداز میں سر ہلا کر چپ ہو گئے، مگر ایک پھانس دونوں کے دلوں میں گڑھ کر رہ گئی تھی، مگر میں اب کون بچا تھا، جو یہ نہ جانتا ہو کہ سبین کیسی اجاڑ اور ویران زندگی بسر کر رہی تھی، سنگھار کے نام پر ایک چھلا تک نہ تھا اس کے ہاتھوں میں، کہنے کو وہ دو ماہ کی بیاہتا تھی مگر ایسا سادہ حلیہ کہ لگتا سالوں گزر گئے ہوں، نبیلہ چچی بھی چپ رہتیں، سنگھار کرنے کو کہتیں بھی تو کس کے نام پر، جو شوہر تھا وہ تو اتنی دور بیٹھا تھا۔

اسی وقت عباس کی صورت کوریڈور میں نظر آئی، اس کے پیچھے علینہ بھی تھی، سفید شلوار سوٹ اور سیاہ دوپٹہ سینے پہ پھیلائے اس کے شانوں تک آتے بال کیچر میں جکڑے ہوئے تھے، چہرے سے ہی ہراساں اور پریشان نظر آ رہی تھی، وقار کے قریب آ کر اس نے سلام کیا، وقار نے جواباً سر ہلاتے ہوئے اسے ساتھ آنے کا اشارہ کیا، ڈاکٹر سلطان کے کمرے میں پہنچ کر وقار نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''سر! یہ علینہ ہے۔'' وقار نے کہا، ان کی نگاہوں میں حیرت در آئی، انہوں نے بغور اس کا جائزہ لیا، اس کے نقوش میں اتنی معصومیت تھی اور وہ اتنی پریشان لگ رہی تھی کہ انہیں اس پر ترس آیا تھا۔

''بیٹھیں آپ۔'' انہوں نے علینہ کو اشارہ کیا اور ساتھ ہی وقار کو جانے کا اشارہ کیا، وقار خاموشی سے باہر نکل گئے، علینہ نے اضطرابی انداز میں انہیں جاتے دیکھا۔

''علینہ! آپ میری بیٹی جیسی ہیں، گھبرائیے مت میں صرف آپ سے چند سوال پوچھوں گا۔'' انہوں نے بہت سلجھے انداز میں علینہ کو ریلیکس کرنا چاہا، علینہ نے بے تابی سے ہونٹ کچلے۔

''کیسی باتیں......؟''

''اتنا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، وہ بس کچھ عام سی باتیں ہیں آپ کی فیملی کے متعلق۔'' انہوں نے کہا۔

دراصل شاہ بخت کا کیس شروع سے ہی ان کی خصوصی توجہ کا مرکز بن گیا تھا، ایک نامعلوم سی کشش تھی جو انہیں شاہ بخت کی طرف کھینچتی تھی، انہیں اس کی وجہ سمجھ نہیں آتی تھی شاید کچھ لوگ ہی

اس قدر مقناطیسی شخصیت کے مالک ہوتے ہیں کہ ان سے ملنے والا ہر شخص ان کا اسیر ہو کر رہ جاتا ہے، وہ چند ماہ پہلے ہی ان کے پاس لایا گیا تھا، تب اسے میگرین (آدھے سر کا درد) کا پہلا اٹیک ہوا تھا۔

اور اب دوسری مرتبہ، وہ اس کے گھر والوں کی پریشانی، خوف اور ہراساں چہرے دیکھ کر کچھ زیادہ ہی دلچسپی لینے پر مجبور ہو گئے تھے، وہ ہمیشہ جسمانی علاج سے زیادہ ذہنی علاج پر زور دیتے تھے ان کا کہنا تھا کہ معمولی سے سر درد کی صورت میں بجائے میڈیسن لینے کی وجہ کام کی مسلسل ٹینشن، آرام کی کمی یا کوئی ذہنی دباؤ ہو اور وجہ ختم ہونے کی صورت میں درد خود بخود ختم ہو جائے گا۔

☆☆☆

اس وقت بھی وہ علینہ کو دیکھتے ہی جان گئے تھے کہ شاہ بخت آخر کیوں اس کے لئے اتنا دیوانہ ہوا جا رہا تھا، وہ تھی ہی ایسی، چمکدار آنکھیں، لرزتے ہوئے سرخ لب جنہیں وہ بار بار بھینچ رہی تھی، چھوٹی سی چائینز ٹائپ ناک جو ضبط کرتے کرتے سرخ ہو چلی تھی اور موی ہاتھ جنہیں وہ بار بار چٹخا رہی تھی اور جن کی کپکپاہٹ واضح طور پر دیکھی جا سکتی تھی۔

انہوں نے پانی گلاس میں ڈالا اور گلاس اس کے نزدیک رکھ دیا، علینہ نے ممنون نگاہوں سے انہیں دیکھا اور گلاس اٹھا کر ایک سانس میں خالی کر دیا گلاس واپس رکھتے ہوئے دائیں ہاتھ کی پشت سے لبوں کو صاف کیا، اب اس کی حالت بتدریج سنبھلتی ہوئی نظر آ رہی تھی، خاموشی کا ایک مختصر وقفہ درمیان میں آیا اور ختم ہو گیا۔

''علینہ......!''

''جی......جی سر!''

''آپ کی اپنے گھر میں سب سے زیادہ انڈر اسٹینڈنگ کس کے ساتھ ہے؟'' انہوں نے سامنے رکھے رائٹنگ پیڈ پر کچھ لکھتے ہوئے عام سے لہجے میں سوال کیا۔

''کسی کے ساتھ نہیں۔''

''کیوں؟''

''پتا نہیں۔''

''آپ کا جوائنٹ فیملی سسٹم ہے، آپ کی کزنز، بھابھیاں، بہنیں کسی کے ساتھ بھی نہیں؟''

''نہیں۔'' وہ سپاٹ انداز میں کہتے ہوئے ٹیبل کی سطح پر ہاتھ پھیر رہی تھی۔

''اگر آپ کو کوئی بہت پرسنل بات کسی سے شیئر کرنا ہو تب کیا کرتی ہیں؟''

''میں دو رکعت نماز ادا کرتی ہوں اور سب کچھ اللہ تعالیٰ سے کہہ دیتی ہوں۔''

''گھر میں آپ کو کس نام سے بلایا جاتا ہے؟''

''علینہ ہی کہا جاتا ہے۔''

''کوئی نک نیم؟''

''جی نہیں۔''

''آپ کے گھر میں ''شاہ بخت'' سب سے زیادہ کس کے قریب ہے؟'' علینہ اس بار قدرے چونک کر انہیں دیکھا، پھر بولی۔

''وقار بھائی کے۔''

''اور یونیورسٹی وغیرہ میں، کوئی خاص دوست؟''

''رمشہ آپی!''

''بس......؟''

''عباس بھائی۔''

''زیادہ قریب کس کے ہے؟ رمشہ یا عباس؟''

''میں نہیں جانتی۔'' علینہ نے لاتعلقی سے شانے جھٹکے، اس کے چہرے سے یکلخت چھلکتی

سرد مہری ڈاکٹر سلطان سے چھپی نہیں تھی۔

''آپ گھر میں سب سے چھوٹی ہیں تو تعلقات کیسے ہیں باقی سب سے؟''

''اچھے، بہت اچھے یا بس نارمل؟''

''نارمل۔''

''کیوں؟ اچھے کیوں نہیں ہیں؟''

''کیونکہ میں گھر میں سب سے چھوٹی ہوں، کسی بھی محفل یا ٹریٹ میں میری موجودگی قطعی غیر ضروری ہے۔'' علینہ کے لہجے میں تلخی تھی۔

''اسٹڈیز میں کیسی ہیں آپ؟''

''بس نارمل۔''

''کبھی دل نہیں چاہا پوزیشن لینے کو؟''

''نہیں، کیا کرنا ہے لے کر، جب پاس ہونے اور فرسٹ آنے پر ایک ہی ری ایکشن ہے تو۔'' وہ عام سے انداز میں بولی۔

''شاہ بخت سے آپ کے تعلقات کیسے ہیں؟'' وہ چونکے بغیر ٹیبل کی سطح کو دیکھتی رہی، یوں جیسے اسے ان سے اس سوال کی توقع تھی۔

''بہت برے۔''

''کیوں؟''

''آپ مجھ سے کیا جاننا چاہتے ہیں؟'' علینہ نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''اس رات کی سچویشن کا پس منظر؟'' انہوں نے جارحانہ انداز اختیار کیا، علینہ نے جھٹکے سے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔

''پس منظر......کیا ہے پس منظر؟''

''وہ سچائی جو صرف آپ جانتی ہیں علینہ احمر۔''

''سچ۔'' علینہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

''سچ تو یہ ہے کہ وہ مجھے ٹریپ کرنا چاہتا ہے، وہ بارہا ایسی حرکتیں کر چکا ہے اور معاف کیجئے گا ڈاکٹر! میں کم عمر اور بے وقوف ضرور ہوں لیکن بہرحال ایک لڑکی ہوں، جس کی حسیں اس معاملے میں بہت شارپ ہوتی ہیں، آپ جانتے ہیں وہ رمشہ آپی میں انوالو ہے، ہر وقت وہ دونوں ساتھ میں ہوتے ہیں، ایسے میں وہ صرف میرے ساتھ اس لئے ایسا کر رہا ہے کیونکہ وہ مجھ سے بدلا لینا چاہتا ہے۔''

''کیسا بدلہ؟'' وہ بری طرح چونکے۔

''کیونکہ میں اسے اگنور کرتی ہوں اور یہی بات اس کی انا کا مسئلہ بن چکی ہے، وہ ہر صورت مجھے اپنے سامنے جھکانا چاہتا ہے، ورنہ آپ ہی بتائیے وہ صرف میرے لئے وہ گھڑی کیوں لایا؟ جبکہ ہمہ وقت وہ رمشہ آپی کے ساتھ ہوتا ہے، آخر وہ ان کے لئے کچھ کیوں نہیں لایا، میں کیوں لیتی اس کا تحفہ؟ میرا تو دل چاہ رہا تھا کہ اٹھا کر اس کے منہ پر مار دوں۔'' علینہ کا لہجہ انتہائی بدتمیزی اور غم و غصہ لئے ہوئے تھا، اس کا سب سے بڑا ثبوت شاہ بخت کو ''تم'' بلانا تھا، وہ بڑے دھڑلے سے اسے ''تم'' کہہ رہی تھی۔

''وہ آپ کو ''عینا'' کہتا ہے؟'' ان کا اگلا سوال نہایت چونکانے والا تھا۔

''یہ اس کا خود ساختہ نام ہے۔'' وہ سر جھٹک کر بولی۔

''آپ کے گھر والے آپ کے ساتھ اس قسم کا رویہ رکھتے ہیں اور آپ کو لگتا ہے کہ اس کا ذمہ دار ''شاہ بخت'' ہے؟''

''جس طرح میں گھر کی سب سے آخری بیٹی ہوں، اسی طرح وہ گھر کا بیٹا ہے، فرق تو واضح ہے۔ ''وہ ''بیٹا'' ہے اور میں ''بیٹی''۔

''لیکن اس کے باوجود سب شاہ بخت کو اہمیت دیتے ہیں کیوں؟''

''اس کیوں کا جواب آپ کو وقار بھائی ہی

دے سکتے ہیں۔'' علینہ کا لہجہ از حد تلخ تھا۔

ڈاکٹر سلطان نے ایک گہرا سانس لے کر سر کرسی کی پشت سے ٹکا دیا۔

''شاہ بخت کا کردار ایسا ہے آپ کے نزدیک؟'' بڑا کاٹ دار سوال تھا۔

''ٹھیک ہے۔''

''کیا اس نے کبھی آپ سے بدتمیزی کرنے کی کوشش کی؟ آخر آپ ایک ہی گھر میں رہتے ہیں۔'' علینہ کا رنگ سرخ پڑا تھا اسے یکلخت لگا جیسے اس کے گالوں سے تپش پھوٹ پڑی ہو، اس کی نظر بے اختیار جھک گئی۔

''جی نہیں۔''

''کیا آپ شاہ بخت کو اس لئے اگنور کرتی ہیں کیونکہ وہ رمشہ میں انوالو ہے؟'' علینہ ساکت سی انہیں دیکھتی رہی، اس کے چہرے کا رنگ پھیکا پڑ چکا تھا اس کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا، ڈاکٹر سلطان جو اس کے چہرے کے ایک ایک تاثر کو بغور جانچ رہے تھے ان کے لبوں پر معنی خیز مسکراہٹ آگئی۔

''مغل ہاؤس میں شاہ بخت کو ملنے والی ایکسٹرا توجہ اور محبت آپ کو کھٹکتی ہے کیونکہ آپ کو اگنور کیا جاتا ہے، ان کی کامیابیوں کو سراہا جاتا ہے کیونکہ وہ اس گھر کے بیٹے ہیں اور آپ کو کوئی انکریج نہیں کرتا، آپ کو یہ بات بھی بری لگتی ہے کہ وہ رمشہ کے ساتھ انوالو ہے اسی لئے آپ اسے قطعاً برداشت نہیں کر سکتیں، آپ نے انہیں ہمیشہ ڈس ہارٹ کیا، ان کی تحقیر کی، انہیں احساس دلایا کہ آپ کے نزدیک ان کی کوئی اہمیت نہیں اور وہ کچھ بھی کرتے رہیں آپ متاثر نہیں ہو سکتیں، آپ اپنے اندر کے احساسات کو بری طرح کچل ڈالنا چاہتی ہیں کیونکہ، شکست آپ کو قبول نہیں۔'' ڈاکٹر سلطان نے سامنے رکھے رائٹنگ پیڈ پر لکھے ہوئے نکات کی نیوز بلیٹن کی مانند پڑھا تھا۔

''حقیقت یہ ہے علینہ احمر مغل کہ آپ شاہ بخت مغل سے محبت کرتی ہیں، اتنی زیادہ، اتنی بے حساب کہ خود ہی اپنے راستے کی دیوار بن چکی ہیں۔'' ڈاکٹر سلطان کے لبوں پر مسٹری حل کرنے کے بعد والی مسکراہٹ کھیل رہی تھی، علینہ کو لگا وہ سانس نہیں لے پائے گی۔

☆☆☆

اسد نے کافی کا مگ اسید کے سامنے رکھا اور دھیرے سے اس کے سامنے ہاتھ لہرایا، اسید چونک کر متوجہ ہوا۔

''کیا بات ہے اسید؟ میں دیکھ رہا ہوں جب سے تم آئے ہو اسی طرح گم صم ہو، کیا بات ہے مجھے تو بتاؤ؟'' اسد نے پرخلوص لہجے میں کہتے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

''نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں۔'' اسید نے مسکرانے کی کوشش کی جو بری طرح ناکام ہوئی اس کے ہونٹ بس ہلکا سا پھیل کر سمٹ گئے، اسد نے شکوہ کناں نظروں سے اسے دیکھا مگر کہا کچھ نہیں، خاموشی سے مگ کے کناروں پر انگلی پھیرتا رہا۔

''میں بہت پریشان ہوں اسد! لیکن مجھے سمجھ نہیں آ رہی کہ میں تمہیں کیسے بتاؤں؟ مجھے تو وہ بات یاد کرتے ہوئے خود سے بھی حیا آ رہی ہے۔'' اسید کی آنکھوں کے زیریں کنارے سرخ ہو رہے تھے اور لب بھینچے ہوئے۔

''آخر ایسی کیا بات ہوگئی، کیا تیمور انکل نے پھر کچھ کہا؟'' اسد نے پوچھا، اسید جواب دینے کی بجائے خاموشی سے کافی کے مگ پر پھیلی جھاگ کو دیکھتا رہا۔

''میں سوچتا ہوں اسد! اس شخص کی سوچ

کی گھٹیا پن کی انتہا ہے بھی یا نہیں؟''

''کیا مطلب؟'' اسد بری طرح چونکا، یوں تو وہ کبھی بات نہیں کرتا تھا۔

''وہ سمجھتا ہے میں حبا کو ورغلا رہا ہوں۔'' اسید کا لہجہ آنچ دے رہا تھا۔

''کیسے لہجے میں بات کر رہے ہو؟'' اسد نے فوراً ٹوکا۔

''وہ اسی قابل ہے، تم سوچ نہیں سکتے اسد! میں کس قدر پریشان ہوں حبا میری بہن ہے اور ایسا میں صرف کہتا ہی نہیں سمجھتا بھی ہوں، مگر تیمور احمد! پتا نہیں اس شخص کی نفرت کی انتہا کیا ہے؟'' اسید نے تلخی سے کہا۔

''نفرتیں، کدورتیں اور دشمنیاں رشتوں کو صرف آلودہ کرتی ہیں اسید! تم ابھی بہت چھوٹے ہو، ان منفی سوچوں کو دل میں جگہ دو گے تو زندگی کیسے گزارو گے؟ اپنا ذہن مثبت رکھو، تیمور انکل کی باتوں پر زیادہ دھیان مت دیا کرو، تمہارے اور حبا کے بیچ خالصتاً ایک پاکیزہ رشتہ ہے، جسے تم دونوں مل کر ہی برقرار رکھ سکتے ہو اور جب تمہاری نیت ٹھیک ہے تو پھر کیا مسئلہ ہے ویسے بھی خدا دلوں کے حال جانتا ہے، تم اسے سچے دل سے اپنی بہن مانتے ہو، اس رشتے کے تقاضے سمجھتے ہو تو بس ٹھیک ہے تمہارے لئے یہی کافی ہونا چاہیے۔'' اسد کے لفظ لفظ سے اس کے لئے محبت پھوٹ رہی تھی، انداز اتنا پیارا اور نصیحت آمیز تھا کہ اسید کے دل پر نقش ہوگیا۔

''تم ٹھیک کہتے ہو اسد! مگر مجھے حبا کی فکر ہے، وہ اتنی معصوم ہے اتنی پیاری ہے کہ میں قطعاً اس پر کوئی غلط الزام برداشت نہیں کر سکتا تم سوچ نہیں سکتے اس کی بول چال اس کی عادتیں کتنی پیاری ہیں وہ تو میرے بغیر ایک پل نہیں رہ سکتی اسد! میں اسے کیسے خود سے دور کر دوں؟ اسے تو بس میری انگلی پکڑ کر چلنے کی عادت ہے اور ابھی تو وہ خود سے چلنا سیکھ رہی ہے میں اس کا ہاتھ نہیں چھوڑ سکتا۔'' اسید نے تھکے تھکے لہجے میں کہا۔

''حقیقت یہ ہے کہ ہم سب ایک دائرے میں بھاگتے رہتے ہیں اور جانتے ہو دائرے میں بھاگتے ہوئے یہ اندازہ نہیں ہو پاتا کہ کون کس کے پیچھے بھاگ رہا ہے، حبا تمہارے پیچھے، تم مرینہ پھپھو کے پیچھے، مرینہ پھپھو، تیمور انکل کے پیچھے اور تیمور انکل حبا کے پیچھے۔'' اسد رک گیا۔

''تم چاہتے ہو میں اس دائرے سے نکل آؤں؟''

''ہاں، کیونکہ اس میں کہیں، تمہاری جگہ نہیں ہے۔'' سچ تلخ تھا مگر تھا تو سچ، اسید کے دل کو کچھ ہوا تھا۔

''مگر میں ماما اور حبا کے بغیر نہیں رہ سکتا اسد۔'' وہ تڑپ کر بولا تھا۔

''تو پھر تم تیمور انکل کو برداشت کرنا سیکھ لو۔'' اسد نے دوٹوک انداز میں کہا، اسید پل بھر کو چپ رہ گیا۔

''میں کیوں سیکھوں گا اور مجھے اس کی ضرورت بھی نہیں، پچھلے سترہ سالوں سے میں اور کیا کر رہا ہوں۔'' اس کا لہجہ بے بس تھا، اسد نے تسلی آمیز انداز میں اس کے شانے پر ہاتھ رکھا تھا، اسید نے نم آنکھوں سے اسے دیکھا۔

''میں اپنے پاپا کو نہیں جانتا اسد! میرا ان سے کوئی تعارف نہیں، میں نہیں جانتا وہ کیسے تھے ماما نے ان کے بارے میں کبھی بات نہیں کی لیکن تیمور احمد نے بارہا بات کی ہے، انہوں نے مجھے بتایا کہ میرا باپ کتنا غلط انسان تھا۔'' اسید نے ضبط کی شدت سے یوں ہونٹ کاٹا کہ خون چھلک اٹھا۔

''انہوں نے مجھے بارہا گالیاں دیں ہیں

اسد! بہت بار تو میرا دل چاہتا ہے کہ میں اس گھر کو چھوڑ دوں مگر میں اس خواہش پر عمل نہیں کر پاتا کیونکہ اس گھر میں ماما ہیں، حبا ہے، پتا ہے ماما کہتی ہیں اسید جن کے باپ مر جاتے ہیں وہ ہمیشہ کے لئے یتیم ہو جاتے ہیں، میں جانتا ہوں مجھے ساری زندگی اس کمی کے ساتھ سمجھوتہ کرنا ہے، اس رشتے کے بغیر رہنا ہے میں جانتا ہوں، میں جانتا ہوں میں یتیم ہوں اور مجھے اس چیز کو فیس کرنا ہے، میں جانتا ہوں۔'' وہ کرب سے کہہ رہا تھا اور آنسو قطار در قطار اس کے گالوں پر بہتے ہوئے اس کے ٹیبل پر رکھے ہاتھوں پہ گر رہے تھے۔

''جب میری ماما کے دل میں اتنی وسعت تھی کہ وہ حبا کو حقیقی بیٹی کی طرح اپنا لیں تو تیمور احمد میں کیوں نہیں تھی مجھے اپنانے کی.....؟ کیوں.....؟'' اسد نے آہستگی سے اس کے گال پونچھے اور اسے خود میں بھینچ لیا۔

''بس کرو اسید، خدارا بس کرو، میرے دل کو کچھ ہو رہا ہے۔'' اسید کسی بچے کی مانند اس سے لپٹ گیا۔

''ایک بات ہمیشہ کے لئے اپنے دماغ میں بٹھا لو اسید! خدا نے محبت کرنے، وسعت قلبی اور اعلیٰ ظرفی کا فن صرف عورت کو ودیعت کیا ہے، یہ صرف عورت کا ہی وصف ہے، محبت کرنا، اس کی شدت میں خود کو فنا کر دینا اور اس کو آب حیات کی مانند پی جانا صرف عورت کا فن ہے، مرد میں اتنا حوصلہ نہیں ہوتا میرے یار، ہم مرد لوگ بڑے کم ظرف اور تنگ دل ہوتے ہیں، ہم محبت نہیں کر سکتے اسی لئے تو جب مرد محبت کرتا ہے تو دیوداس بن جاتا ہے، مجنوں کی مانند صحرا کی خاک چھاننے نکل پڑتا ہے کیونکہ مرد میں محبت کرنے کا حوصلہ ہی نہیں ہے، وہ شدت ہی نہیں ہے۔'' اسد نے اس کے شانے سہلاتے ہوئے اس کو خود سے الگ کیا پھر جگ سے پانی گلاس میں ڈالا اور اس کی طرف بڑھا دیا۔

اسید نے گلاس خالی کیا اور اٹھ کر کچن کے سنک کی طرف بڑھ گیا وہ نہیں چاہتا تھا کہ کوئی کچن میں آئے اور اس کے متورم چہرے کی وجہ پوچھے، اس کے پاس کوئی جواب نہ تھا، نہ کوئی جواز۔

اسد نے دیکھا وہ کسی روبوٹ کی مانند پانی ہاتھوں میں بھر بھر کر چھینٹے مارتا جا رہا تھا، اس کا میکانکی انداز اس کی ذہنی شکستگی اور توڑ پھوڑ کو ظاہر کر رہا تھا۔

☆☆☆

دو دن کے بعد نوفل کا فون آیا تو وہ جو ذہنی دباؤ اور تکلیف دہ انتظار کی زد میں تھی پھٹ پڑی۔

''کہاں تھے تم؟ پتا ہے میں کتنی پریشان تھی؟ مگر تمہیں کیا فرق پڑتا ہے، میں ہی پاگل ہوں ناں جو.....'' وہ تڑخ کر بلند آواز میں چلا رہی تھی اور اس دوران یکسر یہ فراموش کر گئی کہ مہروز گھر میں ہی تھا ویسے بھی ابھی بس رات کے دس ہی بجے تھے۔

''تارا..... پلیز میری بات سنو..... تارا۔'' وہ اس کی بات قطع کر کے اسے پچکارنے لگا، ستارا کچھ اور بھی بھڑک اٹھی۔

''تم نوفل..... تم بہت برے ہو، بہت زیادہ برے دو دن میں تم ایک فون نہیں کر سکے، میں پل پل انتظار کرتی رہی کہاں تھے تم؟'' وہ طیش سے کہتی پلٹی اور اس پر قیامت سی ٹوٹ پڑی، لاؤنج کے بیچوں بیچ مہروز کھڑا تھا اور اس کے چہرے کے تاثرات بہت واضح تھے وہ یقیناً سب سن چکا تھا، ستارا کے ہاتھوں سے سیل فون اور پیروں تلے زمین ایک ساتھ نکلی تھی، ستارا نے دھندلائی ہوئی نگاہوں سے مہروز کو دیکھا جو خطرناک تاثرات لئے اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔

''کس سے بات کر رہی تھیں؟'' وہ آنکھوں میں دہشت اور خشونت لیے پوچھ رہا تھا۔

''کون تھا فون پر؟'' وہ ایک دم مزید آگے بڑھ آیا۔

''وہ...... وہ...... میری دوست...... تھی۔'' وہ زرد چہرے کے ساتھ ہکلا کر کہہ رہی تھی۔

''جھوٹ بول رہی ہو تم، یہ نوفل کون ہے؟'' مہروز نے اس کے بال مٹھی میں جکڑے تھے، وہ درد کی شدت سے چلا پڑی۔

''میں پوچھ رہا ہوں نوفل کون ہے؟'' وہ بلند آواز میں دھاڑا اور اس کے بالوں کو زور دار جھٹکا دیا۔

ستارا کے حلق سے ایک اضطراری چیخ نکلی تھی اسے لگا اس کے بال جڑوں سے اکھڑ گئے ہوں۔

''میں نہیں بتاؤں گی، کبھی نہیں بتاؤں گی۔'' وہ بھی ضد میں آ کر بلند آواز میں چلائی تھی۔

مہروز نے اسے چھوڑ دیا، غصے اور اشتعال سے وہ پاگل سا ہو رہا تھا۔

''میں دیکھتا ہوں تم کیسے نہیں بتاتی؟'' مہروز پھنکارا، پھر ایکدم اس نے اپنا بیلٹ کھینچ لیا، اس کی آنکھوں سے شعلے سے لپک رہے تھے، اس کے منہ سے جیسے مغلظات کا طوفان ابل پڑا، وہ اسے بے دریغ گالیاں دے رہا تھا اور پھر وہ جنونی انداز میں اس پر جھپٹا بیلٹ کی ضرب پوری قوت سے ستارا کی پشت پر لگی تھی، ستارا کے حلق سے ایک دردناک چیخ نکلی، اس کی کمر میں جیسے انگارے سے دہک اٹھے، لیدر بیلٹ کا وار بہت جان لیوا تھا، وہ چیختی رہی، روتی رہی مگر کسی طور اگلنے پر آمادہ نہ تھی کہ نوفل سے اس کا کیا تعلق تھا؟ دوسری طرف مہروز بھی جیسے حواسوں میں نہ تھا وہ پاگلوں کی طرح اسے مارے جا رہا تھا، بیلٹ کی پے در پے پڑنے والی ضربوں سے ستارا کے جسم کا کوئی حصہ محفوظ نہیں رہ سکا تھا خود کو بچانے کی کوشش میں یکلخت اس کا سر دیوار سے ٹکرایا اور اس کے ساتھ ہی بیلٹ کی بے رحم ضرب اس کے چہرے پر لگی، لوہے کے بکل نے اس کا دایاں گال ادھیڑ ڈالا تھا، اس کے حلق سے بس ایک کراہ نکلی تھی، بلند آواز میں چیخنے کی ہمت اس میں ختم ہو چکی تھی اس کے ساتھ ہی اس کے حواس یکلخت اس کا ساتھ چھوڑ گئے اور جس طرح کسی دکان کا شٹر بند ہوتا ہے اسی طرح اس کا دماغ شٹ ڈاؤن ہوا تھا وہ بے ہوشی کی عمیق گہرائیوں میں گرتی چلی گئی، کال بیل بہت دیر سے بج رہی تھی اور اب تو بہت زور زور سے دروازہ بھی پیٹا جا رہا تھا یہ ایک آخری احساس تھا اس کے بعد دماغ اندھیرے میں ڈوب گیا تھا۔

☆☆☆

شاہ بخت کو ہوش میں آئے کئی گھنٹے گزر چکے تھے اور سب اس کے مل بھی چکے تھے، شاہ بخت کا رنگ زرد پڑا ہوا تھا اور آنکھوں کے نیچے گہرے حلقے نظر آ رہے تھے، بظاہر تو سب ٹھیک تھا مگر وقار کو اس کی خاموشی بے حد کھٹک رہی تھی، وہ اب تک بے حد خاموش تھا یہاں تک کے ہوں، ہاں میں جواب بھی نہیں تھا صرف سر ہلانے پر اکتفا کیا تھا اور اس کی شہد رنگ جھیلوں میں چھائی سرد جامد چپ وقار کو مزید ہولا رہی تھی، وہ نہیں چاہتے تھے کہ یہ خاموشی کسی طوفان کا پیش خیمہ بنے۔

شام کو اسے ڈسچارج کر دیا گیا، گھر شفٹ ہوتے ہی اس کا صدقہ دیا گیا۔

اس وقت وہ اپنے کمرے میں تھا اور اس

کے اردگرد میلہ سا لگا ہوا تھا، زین اس کی گود میں چڑھا ہوا تھا، وقار اندر آئے تو ایک لحظہ کی خاموشی کے بعد دوبارہ سے بولنے کی آوازیں آنے لگیں۔

وقار نے ایک سرسری نظر سے کمرے کا جائزہ لیا، رمشہ اور عباس صوفوں پر براجمان تھے، فرشی کشن پر کومل کا قبضہ تھا، آمنہ ہاتھ میں سوپ کا باؤل تھامے کچن سے آ رہی تھی، تائی جان اور چچی جان شاہ بخت کے بیڈ پر ہی بیٹھی تھیں، جبکہ علینہ کہیں نہیں تھی وقار بھی اس کے قریب بیٹھ گئے۔

"ٹھیک ہو؟" انہوں نے بغور اس کا چہرہ جانچا۔

"ہوں۔" اس نے لب ہلائے بغیر ہوں کی اور نظریں بیرونی دیوار پر جما دیں، سوپ کا باؤل پڑے پڑے ٹھنڈا ہو رہا تھا، وقار نے آہستگی سے ہاتھ زین کی طرف بڑھائے۔

"زین بیٹے! آپ میرے پاس آؤ، چاچو کی طبیعت ٹھیک نہیں۔" انہوں نے زین کو گود میں لے لیا، جو حیران سا بخت کو دیکھ رہا تھا اس کو اب یہ سمجھ آئی تھی کہ چاچو سب سے اتنے خاموش کیوں تھے؟ اور وہ اسے گدگدا کیوں نہیں رہے تھے۔

"بخت! یہ سوپ لو بھئی ٹھنڈا ہو رہا ہے۔" وقار نے اسے کہا۔

شاہ بخت نے آہستگی سے نفی میں سر ہلایا اور سر بیڈ کراؤن سے ٹکا دیا، وقار نے اس کی بند آنکھوں کو دیکھا اور جان گئے کہ غالباً نہیں یقیناً اسے آرام کی ضرورت تھی۔

"چچی جان! بخت کو آرام کی ضرورت ہے، آپ اسے آرام کرنے دیجئے کومل، عباس اور رمشہ، بھئی اٹھ جاؤ سب۔" وہ زین کو تھامے کھڑے ہو گئے۔

چچی جان نے اس کی پیشانی کو چوما اور زیر لب کچھ پڑھ کر اس پر پھونکا آہستہ آہستہ کمرہ خالی ہو گیا، آمنہ بھی زین کو لینے وقار کے پاس آ گئیں۔

"لائیں اسے مجھے دیں۔" آمنہ نے زین کو ان سے لے کر زمین پر کھڑا کیا۔

"ہاں، اسے لے جاؤ اور ایک شاپنگ بیگ پڑا ہے بیڈ پر، وہ مجھے دے جاؤ۔" وقار نے کہا، جواباً آمنہ سر ہلاتے ہوئے باہر نکل گئیں، کچھ دیر بعد وہ انہیں ان کا مطلوبہ شاپنگ بیگ دے کر واپس چلی گئیں۔

"بخت! دیکھو میں تمہارے لئے سیٹ لایا ہوں۔" وقار نے کہتے ہوئے چمکتا ہوا باکس اس کی طرف بڑھایا۔

شاہ بخت نے مکمل بے توجہی سے باکس کو دیکھا مگر اسے پکڑنے کے لئے ہاتھ نہیں بڑھایا، وقار نے خود ہی کھولا اور اس میں سے چمکتا ہوا موبائل اس کے سامنے لہرایا۔

"کیسا ہے؟" شاہ بخت ہنوز خاموش تھا۔

وقار نے اپنا والٹ نکالا اور اس میں سے شاہ بخت کا سم کارڈ نکال کر فون میں ایڈجسٹ کرنے لگے، اس رات اس نے سب سے پہلے اپنے سیل فون کا ہی کباڑہ کیا تھا، کمرے کی ڈسٹنگ کے دوان سم کارڈ آمنہ بھابھی کو مل گیا جو انہوں نے وقار کو دے دیا تھا، وقار نے موبائل اس کی طرف بڑھایا، اس نے لے لیا۔

"اس کی Settings چیک کرو۔"

شاہ بخت نے جیسے ان کی بات سنی ہی نہیں، سیل فون سائیڈ پہ رکھا تھا، وقار نے بے چین ہو کر اس کے گال پہ ہاتھ رکھا۔

"بخت مجھے بتاؤ کیا بات ہے؟ کیوں اتنے خاموش ہو؟ بولتے کیوں نہیں؟" شاہ بخت نے اپنی سرخ ہوتی آنکھیں ان پر جما دیں۔

"ایسے مت کرو بتاؤ مجھے۔" انہوں نے اصرار کیا۔

اس سے پہلے کہ مزید بات ہوتی دروازہ کھول کر تایا جان اور چچا جان اندر آ گئے، وقار نے فوراً اٹھ کر سلام کیا۔

"کیسے ہو بیٹا؟" تایا جان نے بخت سے کہا اور شاید ان کا احترام ہی تھا کہ اس کی خاموشی میں دراڑ پڑ گئی۔

"ٹھیک ہوں تایا جان۔" اگرچہ اس کا لہجہ سرد سپاٹ تھا مگر وقار نے شکر ادا کیا کہ اس کی چپ تو ٹوٹی۔

"بخت! بچے دل پر کوئی بوجھ مت لو، ہم تمہارے بڑے ہیں نا، سارے مسئلے مسائل سلجھانے کو مجھے بتاؤ، نہیں بتانا چاہتے تو وقار سے کہہ دو، جو بھی پریشانی ہے مگر یوں، اس طرح سر پر سوار کرنے کی ضرورت نہیں۔" بابا جان نے کہا، شاہ بخت نے خاموشی سے سامنے بیٹھے باپ کی بات سنی اور سر ہلا دیا۔

"وقار! بھئی پوچھو اس سے کیا بات ہے؟ جس نے اسے پریشان کیا ہوا ہے؟"

"جی چچا جان!" وقار نے سعادت مندی سے سر ہلایا۔

کچھ دیر مزید بیٹھنے کے بعد تایا جان اور چچا جان کے ساتھ وقار بھی اٹھ گئے، وہ جان گئے تھے کہ اس کا قطعاً بات کرنے کا موڈ نہیں تھا، ایسے میں اس کے پاس بیٹھ کر وہ اسے مزید ڈسٹرب نہیں کرنا چاہتے تھے۔

کچن سے گزرتے ہوئے انہوں نے سین سے کہا کہ وہ بخت کے کمرے میں لائٹ سی چائے بھیج دیں اور اسے کوئی ڈسٹرب نہ کرے۔

☆☆☆

کونے کی میز پر وہ دونوں آمنے سامنے براجمان تھے، میز کی وسط میں مشروب کے دو گلاس پڑے تھے، ننھی ننھی چھتریوں کے سایوں تلے پڑے خوش ذائقہ مشروب، اسید نے ایک سیپ لیا اور نظر جما کر اسے دیکھا۔

"تم بہت ضدی ہو۔" اس نے جتاتے ہوئے لہجے میں اعلان کیا، حبا کی کھنکھناتی ہوئی ہنسی گونج اٹھی۔

"مجھے پتا ہے۔" حبا نے فخر سے تسلیم کیا۔

کالج میں گزرا پہلا بے انتہا خوبصورت دن وہ صرف اسید کی معیت میں سیلبریٹ کرنا چاہتی تھی، اگرچہ وہ بے حد مصروف تھا اسے بے حد ضروری نوٹس تیار کرنے تھے مگر وہ بھی حبا تھی، زبردستی اسے اٹھا لائی تھی۔

وہ بڑی محویت سے ہال کے ستونوں پر خوبصورتی سے کیا گیا آرائشی کام دیکھنے میں مگن تھا، حبا خاصی دیر سے اسے واچ کر رہی تھی۔

"مجھے پتا ہوتا کہ تمہیں ان پلرز کا پینٹ اتنا پسند آئے گا تو میں پاپا سے کہہ کر پورچ کے پلرز پر کروا لیتی۔" وہ بے حد جل کر بولی تھی۔

"ارے۔" اسید ہنس پڑا۔

"اتنی جیلسی؟"

"تو اور کیا؟ پچھلے تیرہ منٹ سے تم ان پلرز کو فوکس کیے ہوئے ہو۔" وہ اور بھی جھلا کر بولی۔

"حبا! میں بہت دنوں سے ایک بات سوچ رہا ہوں۔" وہ سنجیدگی سے کہہ رہا تھا، حبا نے قدرے چونک کر اسے دیکھا۔

"کون سی بات؟"

"مجھے زندگی میں دھوکہ دہی اور منافقت بالکل پسند نہیں ہے، بہت فیئر طریقے سے زندگی گزارنا چاہتا ہوں، میرا ہمیشہ سے یہی دل چاہتا تھا کہ میں اس گھر کا حصہ بن جاؤں، اپنی ماما کا

بیٹا، تمہارا بڑا بھائی اور تمہارے پاپا کا دایاں بازو، لیکن میں آج بھی صرف اپنی ماما کا بیٹا ہوں، تمہارے پاپا سے میرا کوئی رشتہ نہیں ہے اور تم مجھے کس درجے پہ رکھتی ہو میں نہیں جانتا۔'' اسید کے لہجے میں عجیب سی تھکن تھی۔

''فار گاڈ سیک اسید! اب بس کرو۔'' حبا اذیت کے عالم میں بلند آواز سے بولی، پھر خاموش ہو کر خود پہ قابو پانے لگی، وہ نہیں چاہتی تھی کہ ارد گرد کی میزوں پر بیٹھے افراد متوجہ ہوں۔

''گھر میں ہونے والی تقریبات میں میری موجودگی غیر ضروری خیال کی جاتی ہے کیونکہ وہاں تمہارے پاپا کو مجھے ڈیفائن کرنا پڑتا ہے کہ میں کون ہوں؟ میرا ان کے ساتھ کیا رشتہ ہے؟ میں ہمیشہ ایک بات کرتا ہوں Make your life refine not define اور میں سب کی وضاحتیں نہیں دے سکتا کہ میرا تم سے کیا رشتہ ہے؟ میں ساری زندگی اپنے آپ کو Defend کرتے ہوئے نہیں گزار سکتا حبا۔'' اس کی آواز میں اعصاب کو چٹخا دینے والی بے حسی تھی۔

''میں تمہاری بات کا پس منظر سمجھ نہیں پا رہی اسید! تم مجھے کیا بتانا چاہتے ہو؟'' حبا کے چہرے پہ بے چینی تھی اور آواز میں انجانے خدشوں کی لرزش۔

''تمہارے پاپا تیمور احمد یہ سمجھتے ہیں کہ میں تمہیں ورغلا رہا ہوں، تمہیں ٹریپ کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔'' اسید کے لہجے میں تمامتر سفاکی در آئی۔

حبا کا رنگ فق پڑ گیا وہ پھٹی پھٹی آنکھوں کے ساتھ اس کا چہرہ دیکھتی رہی، میز پر ایک ہولناک خاموشی در آئی تھی، حبا کے گالوں سے آنسوؤں کی بہتی ہوئی لکیریں اس کی شدید تکلیف کی گواہ تھیں۔

چند لمحو کے لئے اسید کے اندر موجود مضبوط اور مستحکم انسان میں دراڑ سی پڑی تھی مگر پھر اس نے تیزی سے خود پہ قابو پالیا۔

بہت سے بھاگتے دوڑتے لمحے تیزی سے ان کے درمیان کوئی آہٹ کیے بغیر گزر گئے، اسید نے اسے خاموش کرانے کی کوشش نہیں کی، اسے بڑی تکلیف سے بچانے کے لئے چھوٹی تکلیف سہنا ہی تھی، وہ یکلخت اپنی عمر سے کچھ مزید بڑا اور سمجھدار ہو گیا تھا، خاموشی سے والٹ نکال کر بل پے کیا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

ہال کے وسط سے گزرتے ہوئے اس کے قدموں کی مضبوطی میں کوئی فرق نہیں تھا وہ ویسا ہی تھا مضبوط، نڈر، دلیر اور بے خوف، حبا خاموشی سے اس کی تقلید کر رہی تھی۔

کون صحیح تھا اور کون غلط؟ یہ تو آنے والا وقت ہی بتا سکتا تھا۔

☆☆☆

آوازیں تھیں کہ بڑھتی جا رہی تھیں، شور، چیخ و پکار اور اعصابی تناؤ ستارا دماغ جیسے پھٹ جانے کے قریب تھا، اس کے ہونٹوں میں ہلکی ہلکی لرزش ہو رہی تھی، وہ تیزی سے اس پر جھکا تھا۔

''تارا...... تارا...... آنکھیں کھولو۔ تارا۔'' بڑا بے تاب لہجہ تھا۔

اس کے شعور نے تیزی سے متحرک ہو کر مخاطب کو یاد کرنے کی کوشش کی، ماں باپ، بہن بھائی، دوست احباب، اسے کون ''تارا'' کہتا تھا، اسے یاد نہیں آ سکا، اس کے لاشعور نے فعال ہونے سے انکار کر دیا، درد کی ایک ٹیس اس کے رخسار سے ہوتی ہوئی اس کے سر میں پھیل گئی اور لرزتی پلکیں ایک بار پھر بند ہو گئیں۔

تارا کی گردن بدستور جاری تھی، اس کے ذہن میں ایک دھندلا غبار پھیل گیا اور اس دھند نے اسے پھر سے تاریکیوں میں پھینک دیا۔

☆☆☆

شام کا دھندلکا اجالا ہر طرف پھیل چکا تھا، لان بتدریج ویران ہو رہا تھا، ہر روز سجنے والی محفل کچھ دیر پہلے ہی برخاست ہوئی تھی، علینہ پیک کی طرف والی سیڑھیوں میں بہت دیر سے بیٹھی کسی غیر مرئی نقطے پر غور کر رہی تھی، ساتھ ہی پڑا چائے کا مگ بڑی دیر سے، ٹھنڈا ہو چکا تھا اور چائے کی سطح پر بننے والی سیاہ جھلی اس کے بد ذائقہ ہونے کا ثبوت تھی، وہ اس وقت اتنی گہری سوچ میں تھی کہ اسے بالکل پتا نہیں چل سکا کہ کب عباس اس کے برابر آ کر براجمان ہو گیا۔

''تمہاری چائے تو ٹھنڈی ہو گئی۔'' اس کی آواز خاموشی کے تھال میں کھنکھناتے سکوں کی مانند گونجی تھی، وہ بری طرح چونکی، عباس کو دیکھا، پھر ایک طویل سانس لے کر اپنا سر گھٹنوں پر رکھ دیا۔

''زندگی میں بہت سی چیزیں چائے سے زیادہ اہم ہوتی ہیں۔'' اس نے گلاب کی باڑ پہ نگاہ ٹکاتے ہوئے صرف سوچا کہا نہیں۔

''تم پریشان ہو؟'' عباس کے لہجے میں سوال تھا، پریشانی نہیں۔

علینہ نے حیرت سے بھائی کو دیکھا جس کا لہجہ خود بے یقین تھا گویا اسے اپنے سوال پر اعتبار نہ تھا۔

''آپ کو...... کیوں لگا؟'' وہ بے تاثر بن گئی۔

''شاید مجھے غلط فہمی ہوئی، تم بھلا کیوں پریشان ہو گی۔'' عباس نے خود کو جھٹلایا، علینہ کو ہنسی آ گئی بے وجہ بے مقصد۔

''ایگزامز کیسے ہوئے تمہارے؟''

''ٹھیک ہوئے۔''

''اب چھٹیوں میں کیا کرو گی؟''

''رزلٹ کا انتظار۔'' علینہ نے جیسے عباس کی کم عقلی پر ماتم کیا۔

''ہاں ٹھیک ہے لیکن وہ تو اپنے وقت پر ہی آئے گا۔''

''تو کیا کروں؟''

''تم سیکنڈ ائیر کی بکس پڑھا کرو۔''

''ٹھیک ہے لیکن میرے پاس بک نہیں ہیں۔'' اس نے جتایا، وہ ایک لمحے کو چونکا پھر مسکرا دیا۔

''میں لا دوں گا۔'' علینہ نے اثبات میں سر ہلا کر پھر سے سر گھٹنوں پہ رکھ لیا، عباس چند لمحے اسے دیکھتا رہا، اس کی یہ بہن بڑی پیاری تھی اور اسے بہت عزیز تھی، کم گو، مودب اور سب سے چھوٹی، مگر پتا نہیں کیوں کبھی کبھی عباس کو لگتا کہ وہ کسی چیز کی ٹینشن لیتی ہے، پتا نہیں کیا چیز اسے پریشان کرتی تھی؟ وہ کبھی بھی ان کے ساتھ باہر نہیں گئی، نہ کسی ٹریٹ پر اور نہ کسی انجوائے منٹ کے لئے، اکثر وہ سب لان کے بیٹھے ہوتے تو وہ بڑی خاموشی سے بڑے ہی غیر محسوس انداز میں ان کے درمیان سے نکل جاتی، عباس کو یاد نہیں تھا کہ اس نے کبھی ان کے ساتھ بیٹھ کر کوئی ایک بھی گیدرنگ انجوائے کی ہو، یا پھر ان کے درمیان بیٹھ کر کسی بات پر قہقہہ لگایا ہو، اس کی نیچر بڑی الگ تھلگ تھی، سب جانتے تھے اس لئے کوئی اسے فورس نہیں کرتا تھا۔

مگر آج اس پل اسے شدت سے احساس ہوا تھا کہ یہ اس کی الگ تھلگ نیچر نہیں تھی بلکہ یہ کسی قسم کا احساس کمتری تھا جو اسے ان سب سے دور رکھتا تھا، وہ خود حیران تھا کہ آخر اس نے اندازہ کرنے میں اتنی دیر کیوں کر دی؟ آخر وہ ان سب سے کیوں بھاگتی تھی؟

''عباس! کدھر ہو؟ عباس!'' شاہ بخت نے اپنے روم کے ٹیرس سے لان کی طرف رخ کرکے آواز لگائی، عباس کی سوچ کا ربط بری طرح ٹوٹا، وہ فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔

''آرہا ہوں۔'' عباس نے بلند آواز میں کہا اور تیز قدموں سے واپس مڑ گیا، علینہ کے اندر تک بیزاری پھیل گئی۔

''ہر شخص اس کا پیروکار ہے یا پھر غلام، جس کو دیکھو اس کی تابعداری میں مرا جا رہا ہے حد ہے اور وہ احمق اور جاہل ڈاکٹر، کہتا ہے میں اس سے اس شاہ بخت سے محبت کرلی ہوں، ہونہہ محبت خود پرستی کا مارا انسان، سمجھتا ہے اس گھر کے ہر فرد کی طرح میں بھی اس کے آگے پیچھے پھروں، اس کے احکام بجالاؤں کیوں؟

یہ میرا بھائی عباس، جسے یہ تو پتا ہے کہ بخت کو کون سا رنگ پسند ہے اور وہ دن میں کتنی بار کافی پیتا ہے اور اس کا اگلا ایونٹ کہاں ہے؟ مگر یہ نہیں پتا کہ میرے یعنی اس کی بہن کے ایگزامز کب ختم ہوئے اور میری چائے کیوں ٹھنڈی ہو گئی پڑے پڑے، میرا بھائی، جسے خود بھی یقین نہیں کہ میں کسی چیز کو لے کر پریشان ہوں، وہ اس بات کو خود جھٹلا رہا ہے اور...... اور یہ سب تمہاری وجہ سے ہے، صرف تمہاری وجہ سے شاہ بخت۔'' وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

وہ بہت عام سی تھی، بہت عام، مگر اسے خاص بننے کا شوق تھا، سب میں نمایاں ہونے کا شوق اتنا شدید اتنا زور آور تھا کہ وہ خود کو بدلنے کی کوشش میں ہلکان ہونے لگی، ورنہ اس کا بھی دل چاہتا وہ عام لوگوں کی طرح ری ایکٹ کرے، جب کوئی اسے بلائے بلند آواز میں، اس پر حکم چلائے تو وہ چیخ کر اسے خاموش کرا دے، جب وہ سب اکٹھے بیٹھ کر ہنستے اور کوئی اسے نہ مخاطب کرتا تو وہ جلتا دل لئے خاموشی سے اٹھ کر چلی جاتی اور ان کی باتوں میں، محفلوں میں اور ان گنت جاری رہنے والی دعوتوں میں اسے بڑے غیر محسوس سے نکلتی گئی، شاید وہ ان جیسی نہ تھی، اسے شدت سے احساس ہوتا، وہ اس گھر کی سب سے چھوٹی بیٹی تھی اور سب سے غیر ضروری بھی، اسے ہر جگہ سے بے دخل کر دیا جاتا، رفتہ رفتہ وہ خود اپنے خول میں سمٹنے لگی، اگرچہ اب بھی اس کا دل چاہتا کہ اگر کوئی اسے اس کے پسندیدہ کام سے روکے تو وہ زور زور سے بولے، خوب روئے اپنی بھڑاس نکالے، ضد کرے بالکل عام بچوں کی طرح ری ایکٹ کرے، بچی ہی تو تھی وہ یا شاید باقی سب سمجھتے تھے۔

اگر وہ اسے بچی سمجھتے تھے تو اسے اس طرح ٹریٹ کیوں نہیں کرتے تھے؟ کتنی عجیب سائیکی تھی اس گھر کے لوگوں کی؟ اسے حیرت ہوئی اور وقار بھائی جنہوں نے آج تک اس سے سخت لہجے میں بات نہیں کی تھی اس دن کیسے دھاڑ رہے تھے اس پر، صرف شاہ بخت کی وجہ سے، شاید جتنا اہم اور ضروری اس گھر کے لئے شاہ بخت تھا وہ اتنی ہی غیر اہم اور غیر ضروری، اپنی بے توقیری یاد کرکے مزید آنسو اس کے گالوں پر لڑھک آئے تھے۔

☆☆☆

نوفل صدیق کا تعلق بنیادی طور پر تھائی لینڈ سے تھا اس کے باپ کا ہوٹل بزنس تھا، جس میں اس کی اطالوی نژاد ماں بھی اس کا ساتھ دیتی تھی۔

نوفل نے خود ہوٹل مینجمنٹ کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی تھی، اپنے باپ صدیق علی کے ساتھ ان کا ہوٹل بزنس جوائن کرنے کے بعد اس نے بڑی تیزی سے ہاتھ پیر پھیلائے تھے، پہلے صرف ان

کے تھائی لینڈ میں دو ہوٹلز تھے مگر رفتہ رفتہ نوفل نے یہ تعداد دس تک پہنچا دی تھی، اس نے بنکاک اور سنگاپور جیسے خوبصورت ممالک کو اپنا ہدف بنایا تھا، سنگاپور پر اس کی نظر خاصی دیر سے تھی، ٹورسٹ پلیس کے طور سنگاپور کی مقبولیت دیکھتے ہوئے اس کا ارادہ مزید پختہ ہوا تھا، ہوٹل بزنس کے لئے اسے سنتوشا سب سے زیادہ پسند آیا تھا اور ویسے بھی سنتوشا ایک پرکشش ٹورسٹ پیلس اور مقبول عام ہل سٹیشن تھا، وہ کئی بار سنتوشا جا چکا تھا، بورڈ آف ڈائریکٹرز کی میٹنگ میں جب سنتوشا کو فائنلائز کیا گیا تب وہ سائٹ دیکھنے سنتوشا روانہ ہوا تھا۔

سنگاپور ائیرپورٹ پر اس کا سامنا پہلی بار ''ستارا'' سے ہوا تھا اور اسے دیکھ کر وہ کتنے ہی پل اپنی جگہ سے ہل نہیں سکا تھا، لانگ شرٹ اور فلیپر میں ملبوس اپنے لمبے خوبصورت بالوں کو چوٹی کی شکل میں باندھے وہ بار بار اپنے لب کچل رہی تھی اور ڈبڈبائی آنکھوں سے ہر طرف دیکھتی جیسے کسی کو ڈھونڈ رہی تھی، وہ اپنے آپ سے بے خبر یک ٹک اسے دیکھتا جا رہا تھا۔

ذہن میں جیسے پھر سے ایک یاد نے ڈیرا آن جمایا تھا، چمکتا ہوا زندگی سے بھرپور ایک چہرہ پوری وضاحت و صراحت سے یادداشت کے پردے پر جھلملایا تھا، اذیت و درد کی ایک لہر اس کے دماغ سے ہوتی پورے وجود میں پھیل گئی تھی، آج پھر اسے ''شانی وانگ'' یاد آئی تھی۔

☆☆☆

حبا اسید سے ناراض تھی، دو دن سے وہ نہ تو کالج جا رہی تھی اور نہ اس سے بات کر رہی تھی، مرینہ از حد پریشان تھیں، وہ بارہا کوشش کر چکی تھیں کہ اس سے پوچھ سکیں مگر پتا نہیں کیوں وہ تنی ناروڈ اور ال مینرڈ بن رہی تھی اس نے مرینہ کے کسی قسم کے سوال کا جواب نہ دیتے ہوئے انہیں کمرے سے جانے کا کہا تھا، جس پر وہ شاکڈ سی باہر آ گئی، اسید کو سب بتایا تھا، وہ بے بسی سے لب کاٹ کر رہ گیا تھا، وہ مرینہ کے سامنے یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ اس کے رویے کا پس منظر اور ماخذ جانتا ہے، ان کے جانے کے بعد وہ دیر تک راکنگ چیئر پر جھولتا رہا، چہرے ہی سے پریشانی ظاہر تھی، پھر وہ کچھ سوچ کر اٹھا اور سیل فون اٹھا کر باہر نکل آیا، ماما نے اسے بتایا تھا کہ حبا نے صبح سے کچھ نہیں کھایا تھا، اس نے KFC فون کرکے ہوم ڈلیوری کے ذریعے ایک لارج میل آرڈر کیا اور پھر لان میں آ گیا، اس کی نظروں کے سامنے حبا کے کتنے ہی انداز گھومے تھے اس سے ضد کرتی، جھگڑتی، ناز اٹھواتی اور اس کی ذرا سی ڈانٹ پر آنکھوں میں ڈھیروں آنسو بھر لاتی، حبا اسے کتنی عزیز تھی کاش وہ اسے بتا سکتا، کچھ دیر بعد چوکیدار نے اسے لارج میل ایک عدد بل کے ساتھ لا کر دی اس نے بل کلیئر کیا اور شاپنگ بیگ اٹھا کر حبا کے کمرے کی طرف بڑھ آیا۔

آہستگی سے دستک دی، حبا اس کی مخصوص دستک فوراً پہچان گئی تھی، کچھ دیر انتظار کے بعد اس نے دوبارہ دستک دی۔

''مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی اسید! You just go away from here۔'' اس کی شکست خوردہ بھیگی آواز اسید کے کانوں میں پڑی اور اس کی بے چینی مزید بڑھ گئی۔

''حبا! دروازہ کھولو، مجھے تم سے بات کرنی ہے۔''

''مگر مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی سنا۔'' اس بار وہ چلائی تھی، اسید کی بے چینی پر یکلخت غصہ غالب آیا تھا، اس نے اس بار قدرے زور

دار طریقے سے دروازہ بجایا۔

''حبا! دروازہ کھولو میں کہہ رہا ہوں ورنہ......'' اسید نے چیلنجنگ انداز میں کہا۔

''ورنہ...... ورنہ...... کیا؟'' وہ دروازہ کھول کر زور سے بولی تھی، اسید کے نفسیاتی داؤ نے کام کر دیا تھا، وہ تیزی سے اندر داخل ہوا اور پیچھے سے دروازہ لاک کر دیا۔

''کیا کرو گے تم؟ ہاں...... بتاؤ مجھے؟'' وہ مزید غصے میں آ گئی تھی۔

''میری بات سنو حبا!'' وہ اس کے سامنے آ کھڑا ہوا، حبا نے تیزی سے رخ پھیر لیا تھا، اس کے لہجے میں لرزش تھی۔

''تم جاؤ یہاں سے اسید! مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی اور نہ تمہاری کوئی بات سننی ہے۔'' اسید نے اس کا بازو کھینچ کر اس کا رخ اپنی طرف کیا۔

''تمہاری اس قطع تعلقی کو میں کیا سمجھوں؟ تمہیں لگتا ہے میں نے کچھ غلط کہا تھا؟'' اسید نے سرد لہجے میں کہا، حبا نے بھنویں اچکا کر اسے دیکھا اور طنزیہ ہنس دی۔

''تم نے بالکل ٹھیک کیا ہے؟ اور میں واضح کر دوں اسید! پاپا بالکل ٹھیک کہتے ہیں تم میرے بھائی نہیں ہو، کسی رشتے سے بھی نہیں ہو، کسی لحاظ سے بھی نہیں ہو، نہ اسلامی پوائنٹ آف ویو سے اور نہ معاشرتی، نہ ہم دونوں کے پاپا ایک ہیں، نہ ماما، میرا تمہارا رشتہ صرف اتنا ہے کہ تمہاری ماما، میرے پاپا کی وائف ہیں اور بس اور......'' حبا کی بات ادھوری رہ گئی تھی اسید کا ہاتھ اٹھا اور زناٹے دار تھپڑ اس کے بائیں گال کی خبر لے گیا، حبا کے حلق سے ایک اضطراری چیخ نکلی اور وہ لڑکھڑا کر پیچھے کارپٹ پہ گری۔

''اپنی بکواس بند کرو۔'' وہ غرایا تھا، شدید اشتعال نے اس کی حالت غیر کر دی تھی، آنکھوں سے لپکتے شعلے اور سرخ رنگت۔

''مجھ پر ہاتھ اٹھانے سے حقیقت بدل سکتی ہے تو بخوشی تم ایسا کر لو۔'' حبا نے طنز میں لپٹا تیر مارا تھا۔

اسید ساکت کھڑا اسے دیکھتا جا رہا تھا، اس کے دماغ میں شور بڑھتا جا رہا تھا، گڑگڑاتے ہوئے ہتھوڑوں کا شور، کڑکتی بجلیوں کا شور اور گڑگڑاتی ٹرینوں کی چیخم دھاڑ اس کے کان پھاڑنے لگی، اس شور میں بس ایک آواز تھی جو منعکس ہو کر ہر بار اس کے دماغ کے آئینے سے ٹکرا رہی تھی۔

''حقیقت کو بدلا نہیں جا سکتا اور حقیقت یہ ہے کہ تم میرے بیٹے نہیں ہو۔'' تیمور کی آواز۔

''تم میرے بھائی نہیں ہو۔'' حبا کی آواز۔ یکلخت مرینہ بھی اس کے تخیل سے نکل کر سامنے آ گئیں۔

''تم تیمور بیٹے نہیں ہو۔'' مرینہ کی آواز۔

اسید کے ہاتھ سے آہستگی سے KFC کا شاپنگ بیگ چھوٹا اور زمین پر گر گیا وہ تیزی سے پلٹا اور بھاگتے ہوئے باہر نکل گیا، وہ بس بھاگ رہا تھا اور آوازیں تھیں کہ اس کے تعاقب میں تھیں، وہ بھاگتا بھاگتا ہانپنے لگا، چوڑی سڑکیں رات کے اس پہر ویران تھیں، گھر تاریکی میں ڈوبے ہوئے تھے، رات کی تاریکی جیسے اس کے وجود میں اترنے لگی وہ بے ساختہ ٹھوکر کھا کر گرا، اس کا جسم ٹوٹ رہا تھا، زہریلی آوازوں کے کوڑے بڑی بے رحمی سے اسے کی پشت پر برس رہے تھے اسے یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی تیز رفتار رولر اسے روندتا ہوا گزر رہا ہو، اس کا تنفس بتدریج تیز سے تیز تر ہونے لگا، اسے لگ رہا تھا اس کے پیچھے سرخ سرخ آنکھوں اور لپ لپاتی زبانوں والے ڈھیروں بھیڑیے لگ چکے ہیں، وہ اٹھا اور زیادہ تیزی سے بھاگنے لگا، ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا، گھروں کے روشن دریچے بجھ چکے تھے، لیمپ پوسٹ جیسے جادو کے زور سے غائب ہو گئے تھے، چوڑی تارکوں کی سڑکیں اور اردگرد موجود آبادیاں جیسے دھتکاری ہوئی عذاب شدہ قوم کی طرح تباہ ہو چکی تھیں، یکلخت وہ بھاگتے بھاگتے کسی چیز سے ٹکرایا اور تیز روشنی اس کی آنکھوں میں بری طرح چبھی تھی، اسے لگا قیامت آ گئی ہو اور سورج دھرتی پہ اتر آیا ہو، درد کی بے پناہ ٹیسیں اس کے وجود سے کسی آکٹوپس کی مانند لپٹ گئیں، وہ چکرا کر نیچے گرا۔

''At last! you meet your friend destin۔'' اس کے ذہن میں آخری سوچ ابھری اور اس کے ساتھ ہی اس کا دماغ کسی کمپیوٹر کی طرح شٹ ڈاؤن ہوا تھا۔

☆☆☆

آمنہ نے معمول کی مانند سونے سے قبل کے امور نمٹائے اور برش لے کر بیڈ پر بیٹھ گئیں، وقار نے کتاب سے نظریں اٹھا کر انہیں دیکھا، بغور جائزہ لیا اور پھر سے کتاب میں گم ہو گئے۔

''آپ سے ایک بات کرنی تھی وقار!'' آمنہ نے بال سمیٹ کر کیچر لگایا، وقار نے قدرے چونک ان کی طرف دیکھا اور پھر ایک طویل سانس لے کر کتاب بند کر دی۔

''کون سی بات؟'' انہوں نے آمنہ کا چہرہ جانچا، جہاں عجیب سی کشمکش اور تذبذب نظر آ رہا تھا۔

''آمنہ! ایسی کون سی بات ہے جس کے لئے آپ کو اتنا سوچنا پڑ رہا ہے؟'' وہ کچھ حیران ہوئے تھے۔

''میں سوچ رہی ہوں، پتا نہیں مجھے کرنا بھی چاہیے یا نہیں؟'' وہ بدستور شش و پنج میں تھیں۔

''لیکن بات کیا ہے بھئی؟'' وہ کچھ جھلا سے گئے۔

''جب سے بخت ہوسٹل سے آیا ہے میں نے ایک بات بڑی شدت سے نوٹ کی ہے بخت میں تو جو بھی Changes آئی ہیں وہ تو الگ بات ہے آپ کا رویہ بھی بڑا عجیب ہو گیا ہے، میں نے اکثر دیکھا ہے جب بھی سب لاؤنج میں اکٹھے ہوتے ہیں یا کھانے کی میز پر یا شام کی چائے پر، آپ کی نظریں بخت کی طرف بڑھے کھوجنے والے انداز میں اٹھتی ہیں یوں جیسے کسی راز کا کھوج لگا رہی اور بات صرف یہاں ہی ختم نہیں ہو جاتی اس کے بعد آپ علینہ کو بغور دیکھنے لگتے ہیں، یوں جیسے دونوں کے رویوں کا موازنہ کر رہے ہوں، مجھے اس Comparison کی نہ تو وجہ سمجھ آئی ہے اور نہ لوجک؟'' آمنہ چپ ہو گئیں۔

وقار کے لبوں پر دھیمی مسکراہٹ کھیل رہی تھی، انہوں نے توصیفی انداز میں سر ہلایا اور بولے۔

''آپ کی ذہانت پر مجھے کوئی شبہ نہیں ہے محترم خاتون، بالکل ٹھیک محسوس کیا ہے آپ نے، یقیناً ایسا ہی ہے مگر اس کی وجہ اور لوجک دونوں میں آپ کو سمجھاتا ہوں۔'' وہ آہستہ آہستہ رک رک کر انہیں تفصیلاً کچھ بتا رہے تھے۔

آمنہ کی حیرت سے پھیلی آنکھیں اور کھلا منہ ثبوت تھا کہ وہ کس قدر حیران ہیں، آخر میں وہ کہہ رہے تھے۔

''مجھے اس وقت کا انتظار ہے جب وہ خود کھل جائے، خود اقرار کرے میں چاہتا ہوں اس وقت ہی کوئی Step لیا جائے۔''

''آپ کو لگتا ہے جیسا آپ نے سوچا ہے

ویسا ہی ہوگا؟'' آمنہ نے پوچھا۔

''مجھے پورا یقین ہے، تم بس دیکھتی جاؤ کہ ہوتا ہے کیا۔'' وقار کے لبوں پر محظوظ کن مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

☆☆☆

عباس سر قریشی کی کلاس لے کر نکلا تو خاصا تپا ہوا تھا، شاہ بخت نے آج کی تیسری کلاس بھی مس کر دی تھی، تندرست ہونے کے بعد آج وہ پہلی بار یونیورسٹی آیا تھا، مگر اس کا رویہ اتنا عجیب و غریب تھا کہ عباس مسلسل چونک رہا تھا اور اب تو وہ اچھا خاصا پریشان ہو چکا تھا، اس وقت بھی وہ اسے ڈھونڈتا ہوا لابریری آیا تو اسے آخری کونے میں گھسا دیکھا کر حیران رہ گیا، وہ تیزی سے آگے بڑھا۔

''یہاں بیٹھے کیا کر رہے ہو، کلاس نہیں لے سکتے تھے۔'' وہ بمشکل آواز دبا کر بولا تھا، شاہ بخت جو سر جھکا کر کچھ لکھ رہا تھا بے ساختہ چونکا، پھر سستی سے بولا۔

''دل نہیں چاہ رہا تھا یار۔''

''اچھا، اٹھو باہر چلتے ہیں۔'' عباس کا دل فوراً نرم پڑ گیا تھا، اس نے شاہ بخت کا بازو کھینچا، وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے تیزی سے چیزیں سمیٹنے لگا، جرنل میں سے ایک پیپر نکل کر گرا تو عباس بے ساختہ جھکا اور اسے اٹھا لیا۔

''My dear!

Ignorance is like a hard needle it gives you pain but you can,t ''

''Change it into attention, my dear! please hate me, give me a lot of ill-wishes but-----! dont ignore me!

It is mire dreadful than every thing!!! ''

''It is mire dreadful than every thing!!! ''

''Your ignorance is like boilling hot water which spoils my mind!!! ''

It is killing me slowly,----

عباس کی نظریں بے اختیار ورق پر پھسلتی چلی گئیں تھیں، اس نے قدرے چونک کر شاہ بخت کو دیکھا جو اپنی رو میں پیپر سمیٹ کر فائل میں اٹیچ کر رہا تھا۔

''یہ...... تم نے لکھا ہے؟'' عباس نے ورق اس کی آنکھوں کے سامنے لہرایا، شاہ بخت نے غور سے پیپر کو دیکھا اور پھر سر جھکا۔

''ہاں بس ویسے ہی چلو۔'' شاہ بخت باہر نکل گیا، عباس اس کے پیچھے جانا چاہتا تھا مگر رک گیا، اس کی نظر ٹیبل پر پڑے موبائل پر پڑی، اسے شاہ بخت کی غائب دماغی پر حیرت ہوئی اس نے فون اٹھا کر جیب میں ٹھونسا اور اس کے پیچھے لپکا تھا۔

''تمہیں نہیں لگتا بخت! تم کچھ بدل رہے ہو۔'' عباس نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے کہا، بخت نے چونک کر اسے دیکھا۔

''مثلاً کیا بدل رہا ہے مجھ میں؟'' وہ سپاٹ انداز میں پوچھنے لگا۔

''تم کچھ اپ سیٹ ہو گئے ہو۔''

''اور......؟'' اس نے سابقہ انداز میں پوچھا۔

''اور تمہارا رویہ بہت عجیب ہے۔'' عباس نے شانے جھٹکے۔

''بس یار اور کچھ؟'' اس نے عباس سے کہا۔

''یہ رہا تمہاری غائب دماغی کا ثبوت۔'' عباس نے دائیں پاکٹ سے اس کا سیل فون نکال کر پکڑایا۔

''اوہ ہاں یہ میں لابریری میں بھول گیا تھا۔'' شاہ بخت نے گویا اسے اپنی دانست میں یاد دلایا کہ وہ اتنا بھی غائب دماغ نہیں تھا۔

''اور ...... یہ...... شاعری؟'' عباس نے بائیں پاکٹ سے وہ ہی ورق نکالا۔

''شاعری نہیں۔''

''It was just۔'' شاہ بخت کی بات ادھوری رہ گئی۔

''Just your feelings, right?۔'' عباس نے اس کی بات مکمل کی۔

''سو......؟'' بخت نے لاپرواہی سے شانے جھٹکے۔

''کس کے لئے؟'' عباس نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا، بخت نے جانچتی نظروں سے اسے دیکھا۔

''تم اتنی انکوائری کیوں کر رہے ہو؟'' وہ روکھے لہجے میں بولا۔

''کیا مجھے نہیں کرنی چاہیے؟'' عباس نے بھنویں اچکائیں۔

''عباس پلیز کلوز دس ٹاپک۔'' وہ بے زاری سے بولا۔

''اور اب تم اپنا رویہ دیکھو، پھر تم پوچھو گے کہ تم میں کیا چینج آیا ہے؟'' عباس نے فوراً جتایا۔

''عباس پلیز۔'' وہ جھلایا تھا۔

''اوکے، اوکے۔'' عباس نے دونوں ہاتھ مصالحتی انداز میں اٹھائے۔

''چلو کچھ کھانے کا موڈ ہے میرا۔'' اس نے شاہ بخت کو کینٹے ٹیریا کی طرف گھسیٹ لیا تھا۔

☆☆☆

''او اٹھ اوئے ادھر سے، نشہ کر کے پڑ جاتے ہیں جانے کیسے ماں باپ ہیں جن کے نصیب میں ایسی بد بخت اولاد لکھ دی گئی ہے، او سن نہیں، چل پھٹ ادھر سے، او بھائی صاحب! اب اٹھ جاؤ مجھے یہاں کی صفائی کرنی ہے۔'' وہ کوئی خاکروب تھا جو جانے کب سے اس کا شانہ ہلا ہلا کر اسے جگانے کی کوشش کر رہا تھا۔

اسید کی آنکھ کھلی تو درد کی ٹیسیں اس کے پورے وجود میں پھیل گئیں وہ بے اختیار اٹھ بیٹھا، اس نے ارد گرد دیکھا۔

''تو کیا میں ساری رات اس سڑک پر پڑا رہا؟'' اسے جھٹکا لگا۔

''کیا ہوا تھا؟'' اس نے پیشانی مسلی اس کے ساتھ ہی اسے دوسرا جھٹکا لگا، اس کی پیشانی پر خون جما ہوا تھا، رات وہ پتا نہیں کس سے ٹکرایا تھا کسی کار سے یا کسی موٹر سائیکل سے اور یقیناً وہ جو کوئی بھی تھا اس سرد و بے حس معاشرے کا رکن ہی تو تھا، جبھی اسے یہاں اسی حالت میں پڑا چھوڑ کر فرار ہو گیا۔

صبح کا دھندلکا اجالا ابھی پھیل رہا تھا اور وہ بے چارہ خاکروب یقیناً صفائی کر رہا تھا جبھی اسے پڑے دیکھ کر اس کی طرف آ گیا۔

''اور بھائی اٹھ بھی جاؤ اب یار، مجھے ابھی بڑا کام نبیڑنا (نمٹانا) ہے۔'' وہ بے زاری سے اس کے نزدیک آ کے بولا۔

''بھائی۔'' اسے یکلخت رات کا سارا واقعہ یاد آ گیا، اس کے سر میں ایک دم سے شدید درد ہونے لگا، وہ بلند آواز میں چلانے لگا۔

''میں کسی کا بھائی ہیں ہوں سنا، نہیں ہوں میں کسی کا بھائی، میرا کسی سے کوئی رشتہ نہیں ہے، میرا کوئی نہیں ہے، میں تو یتیم ہوں سب مجھے دھتکارتے ہیں لاوارث سمجھ کر، میں کسی کا بھائی نہیں ہوں، نہیں ہوں۔'' وہ زور زور سے بولتا، یکلخت سر گھٹنوں پر رکھ کے رونے لگا، بتدریج اس کی آہ وفغاں میں اضافہ ہوتا گیا، اس کی آواز بلند ہوتی گئی اور پھر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

''میں نے کبھی...... کبھی کسی کے ساتھ برا نہیں کیا، کبھی کسی کو اذیت نہیں دی، پھر ہر شخص مجھے کیوں تکلیف دیتا ہے؟ میں نے کیا بگاڑا ہے ان سب کا؟'' وہ رو رہا تھا، فریاد کر رہا تھا اور اس کا لہجہ کرب سے لبریز تھا، اس کی اذیت بے انتہا تھی۔

درد تھا کہ رگوں کو چیر رہا تھا، عجب جان کنی کی حالت میں بہت پہلے کی پڑھی بات ایکدم سے یاد آئی تھی۔

''Expections always kill you۔'' اور پتا نہیں کیوں ہم ان رشتوں سے اتنی اچھی امیدیں اور توقعات وابستہ کر لیتے ہیں جن کا بوجھ وہ سہار نہیں پاتے۔

''وہ کیسے بھول گیا کہ حبا آخر تیمور احمد کی بیٹی تھی؟ وہ کیسے بھول گیا کہ اس کی رگوں میں تیمور احمد کا خون تھا؟ وہ کیسے بھول گیا کہ رشتے کی پاکیزگی دونوں فریقین پر ڈیپنڈ کرتی ہے؟'' وہ بال نوچ نوچ کر رونے لگا۔

''اللہ!...... اللہ...... کیا میں اسی قابل تھا؟ کیا تو میرا انصاف نہیں کرے گا؟'' اس کے دل سے آہ نکلی اور فلک کا سینہ چیرتی ہوئی عرش بریں تک گئی تھی۔

خرد کی گتھیاں سلجھا چکا میں !
مرے مولا مجھے صاحب جنوں کر دے

وہ آنکھیں صاف کرتا ہوا ایک طرف کو چل دیا تھا۔

☆☆☆

لاؤنج میں ایک ہنگامہ برپا تھا، کارپٹ پہ لیپ ٹاپ رکھے کام میں سخت مصروف شاہ بخت، صوفے پر دراز عباس، کشنز کی قطار جما کر بیٹھی رمشہ، کچن میں فرنچ فرائز تیار کرتی کومل اور اسے لاؤنج میں پارسل کرتی علینہ اس نے فرائز کی بڑی پلیٹ سنٹرل ٹیبل پر رکھی اور ٹرے میں سے چائے کے مگ اٹھا کر ایک رمشہ اور دوسرا عباس کو تھمایا اور پھر بخت کی کافی ایک کپ اس کے نزدیک کارپٹ پہ رکھ دیا۔

''کومل! میں نے کھانا نہیں کھایا ست لڑکی، مجھے کھانا دو۔'' شاہ بخت نے سر اٹھائے بغیر بلند آواز میں کہا، کومل اسی وقت کچن سے باہر آئی تھی۔

''اچھا میں لاتی ہوں۔'' وہ کہہ کر پھر غڑاپ سے واپس گھس گئی، کچھ دیر بعد اس نے کھانے کی ٹرے بخت کے نزدیک لا کر رکھ دی، پلیٹ میں چاول، باؤل میں سالن ساتھ پانی کا گلاس اور دو چمچ، اس نے سر اٹھایا اور طویل سانس لے کر لیپ ٹاپ ایک طرف کھسکا دیا، دو چمچوں کے ساتھ کھانا کھاتے ہوئے وہ عباس کی بات سن رہا تھا، ایگزامز چونکہ نزدیک تھے اسی لئے اتنی جانفشانی سے محنت کی جا رہی تھی، یونیورسٹی میں کلاسز آف ہو چکی تھیں، جبھی اس وقت وہ گھر پائے جا رہے تھے، رمشہ جو مزے سے آئی پوڈ کانوں میں ٹھونسے سارے ماحول سے بے نیاز بیٹھی تھی سماعت سے بے بہرہ مگر بصارت سے سارے ماحول کو آنکھوں سے سمجھ رہی تھی، وہ غور سے شاہ بخت کو دیکھ رہی تھی جو بڑی مہارت سے دونوں چمچ استعمال کرتے ہوئے کھانا کھا رہا تھا۔

سریلی اکھیوں والے
سنا ہے تیری اکھیوں سے
بہتی ہیں نیندیں اور
نیندوں میں سپنے
کبھی تو کنارے سے اتر
میرے سپنوں میں
آ جا زمین پہ اور مل جا کہیں پہ
مل جا کہیں سے پرے
سے پرے مل جا کہیں
تو بھی اکھیوں سے کبھی میری
انکھیوں کی سن

وہ مسحور سی گانے کے بولوں میں گم تھی، زین باہر سے بھاگتا ہوا آیا اور تیزی سے شاہ بخت کے نزدیک آ گیا۔

''چاچو! آپ کے دوست آئے ہیں۔'' وہ پھولی سانسوں کے ساتھ بولا، شاہ بخت چمچ منہ کو لے جاتا ہاتھ رک گیا، اس نے الجھی ہوئی نظروں سے زین کو دیکھا، پھر چمچ واپس پلیٹ میں رکھ دیئے، پانی کا گلاس تھاما، دو گھونٹ لئے اور واپس رکھ کر تیزی سے اٹھ گیا۔

''ذرا دیکھوں کون آ گیا۔'' وہ عباس سے کہتا ہوا لاؤنج کے خارجی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

ڈرائنگ روم کے دروازے پر پہنچ کر وہ چونکا، ایک طویل القامت آدمی اس کی طرف پشت کیے کھڑا تھا، جانے کیوں اسے اس کی کمر کچھ شناسا لگی، وہ آہستہ سے آگے بڑھا، آہٹ پر وہ شخص پلٹ اور شاہ بخت کو حیرت کا شدید جھٹکا لگا، اس کے سامنے ''طلال بن معصب'' کھڑا تھا۔

''بخت!'' معصب نے بے ساختہ بازو پھیلائے تھے، شاہ بخت ایک بے اختیاری کیفیت میں اس کے کھلے بازوؤں میں سما گیا تھا، معصب نے گرمجوشی سے اسے خود میں بھینچ لیا۔

''کیسے ہو دوست؟'' اس نے پوچھا۔

''ٹھیک ہوں۔'' بخت آہستگی سے اس سے الگ ہو گا، طلال نے اس کو بازوؤں سے تھاما اور غور سے دیکھا بے چینی اس کے رگ و پے سے ظاہر تھی۔

''تم...... تم ٹھیک نہیں ہو، مجھے پتا ہے بخت! تم ٹھیک نہیں ہو۔'' وہ اس کو بغور دیکھتا ہوا پورے وثوق سے بولا تھا، بخت آہستگی سے ہنسا اور بات بدل دی۔

''تم کیسے ہو؟ اور پاکستان کب آئے؟'' طلال کے عربی نقوش میں بے ساختہ سرخی دوڑ گئی تھی، اس نے لب کچلے اور اس کے ساتھ بیٹھ گیا، لہجے میں ہلکی تپش تھی۔

''آج ہی آیا ہوں۔''

''اور تم...... کیا مصروفیات ہیں۔'' طلال نے اسے پوچھا۔

''کچھ نہیں بس لاسٹ سمیسٹر کی Prepration چل رہی ہے۔''

''تمہارا کیا ارادہ ہے اس کے بعد؟'' طلال نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

''پتا نہیں۔'' شاہ بخت نے نظریں پھیر لیں۔

طلال کو بے ساختہ وہ شاہ بخت یاد آیا جس نے دوبئی کسینو میں ایک پر ہنگام شام اس کے ساتھ گزاری تھی اور جس کی شہد رنگ جھیلوں نے اسے مسمرائز کر دیا تھا، جس کی دلکش مسکراہٹ کتنی سحر انگیز تھی اور...... اور آج؟ کتنا جامد سناٹا تھا اس کے چہرے پر کتنا ویران تھا اس کا چہرہ، کتنی خالی اور بے رونق تھیں اس کی شہد رنگ جھیلیں اور اس کی وہ دلکش اور تباہ کن مسکراہٹ کتنی پھیکی پڑ گئی

ہوئی تھی۔

زمین آسمان کا فرق تھا اس شاہ بخت اور اس شاہ بخت میں، وہ کیسے مان لے کر کچھ نہیں ہوا۔

''تم نے کیسے وقت نکال لیا اپنے ٹف شیڈول میں، پاکستان چکر لگانے کے لئے؟ کوئی خاص کام تھا؟'' شاہ بخت نے پوچھا، طلال کس عمیق سوچ سے چونکا۔

''میں بہت دنوں سے سوچ رہا تھا آنے کا، مگر یو نو...... مصروفیات، تم ایک بات بتاؤ سچ سچ؟'' طلال نے پوچھا۔

''کون سی بات؟'' وہ چونکا۔

''پچھلے کچھ دن ...... پہلے...... تم ٹھیک تھے ناں؟ کوئی خاص واقعہ......؟ میرا مطلب ہے کہ گھر میں یا تمہیں کسی قسم کی کوئی ٹینشن تو نہیں تھی نا؟'' طلال کی آنکھوں میں پریشانی اور ماتھے پر تفکرات کی لکیریں تھیں۔

''کیوں؟ تم کیوں پوچھ رہے ہو؟'' شاہ بخت حیران ہوا۔

''میں بہت دنوں سے پریشان تھا بخت! تمہارے حوالے سے عجیب عجیب وہم آرہے تھے اور کل رات، کل رات میں نے بہت برا خواب دیکھا، تمہارے حوالے سے، مجھے لگا تم تکلیف میں ہو، بہت زیادہ پریشان ہو، میں رہ نہیں سکا، اب تم مجھے بتاؤ بخت ایسی کون سی بات ہوئی ہے؟'' وہ اپنی بات پر زور دیتا ہوا بولا تھا، شاہ بخت کھلے منہ کے ساتھ اسے دیکھتا رہا۔

''ہاں، میں ٹھیک نہیں تھا۔'' حیرت کے ابتدائی جھٹکے سے سنبھلنے کے بعد اس نے کہا۔

''کیا ہوا تھا تمہیں؟'' طلال بے تابی سے بولا۔

''ہاسپلائز تھا۔'' وہ مدھم سے انداز میں بولا، طلال کو جیسے کرنٹ لگا، وہ زرد چہرے کے ساتھ شاہ بخت کو دیکھتا رہا۔

''مائی گڈنیس، میرا خواب ٹھیک تھا، میرے خدا!'' طلال نے سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا، شاہ بخت نے پھر حیران ہو کر اسے دیکھا۔

''کیا دیکھا تھا تم نے؟''

''نہیں رہنے دو چھوڑ و جانے دو۔'' وہ ٹال کرنے لگا، دونوں کی گفتگو کا ربط ٹوٹا جب ٹرالی لئے علینہ اندر داخل ہوئی، دونوں کی نظریں بے اختیار اس کی طرف اٹھی تھیں، طلال بے ساختہ کھڑا ہو گیا۔

''السلام علیکم!'' علینہ نے کہا۔

''وعلیکم السلام!'' طلال نے جواب دیا، اس نے پوری شدت سے علینہ کی آواز کی کھنکھناہٹ نوٹ کیا اور پوچھنے لگا۔

''How are y little girl?''

وہ مسکرایا، علینہ نے سر اٹھا کر قدرے حیرانی سے اسے دیکھا۔

''Fine۔'' اس کا لہجہ قدرے خشک تھا، بڑی تیزی سے اس نے لوازمات سنٹرل ٹیبل پر منتقل کیے، چائے کے برتن سیٹ کیے۔

''شوگر؟'' اس نے سر اٹھائے بغیر طلال سے پوچھا۔

''ون ٹی سپون۔'' طلال نے کہا، علینہ نے طلال کے لئے چائے تیار کی اور شاہ بخت کے لئے کافی اور دونوں کے مگ ان کے سامنے رکھ کر تیزی سے واپس مڑ گئی، وہ اس وقت بلیک جینز اور میرون کرتے میں ملبوس تھی، کرتے کا ہم رنگ اسکارف اوڑھے ہوئے اپنے کندھوں سے ذرا نیچے آتے بالوں کو پونی ٹیل کی شکل میں جکڑا ہوا تھا، طلال کی نظروں نے دروازے تک اس کا تعاقب کیا، پھر اس نے شاہ بخت کو دیکھا اور مسکرایا۔

''علینہ از سو بیوٹی فل۔'' شاہ بخت کو جیسے سو والٹ کا کرنٹ لگا، وہ بے ساختہ بولا۔

''تمہیں کیسے پتا وہ علینہ تھی؟''

''پتا چل جاتا ہے یار۔'' طلال اپنی مسکراہٹ ضبط نہ کر سکا۔

''پھر بھی......؟'' اس نے اصرار کیا۔

''مجھے تمہاری آنکھوں نے بتایا دوست! یہی ہے وہ در نایاب جس نے تمہارے جیسے گھینیئر کو پگھلایا ہے۔'' اس کا انداز شرارت سے پر تھا۔

شاہ بخت مسکرا بھی نہ سکا، ایک سرد سانس اس نے کھینچی اور سر صوفہ کی بیک سے ٹکا دیا، اس کی آنکھیں جل اٹھی تھیں، طلال سے اس کی کیفیت مخفی نہیں رہ سکی۔

''بخت! تمہارے اور اس کے بیچ کچھ غلط چل رہا ہے کیا؟'' وہ پوچھنے لگا۔

''غلط......؟ شاید کبھی کچھ ٹھیک تھا ہی نہیں۔'' وہ مغموم سی ہنسی ہنسا تھا، طلال کچھ پل اسے دیکھتا رہا۔

''آؤ میرے ساتھ کہیں باہر چلتے ہیں۔'' بخت اٹھ گیا، طلال نے بھی اس کی پیروی کی تھی، کچھ دیر بعد اس کی سیاہ مرسیڈیز سڑکوں پر فرائے بھر رہی تھی۔

☆☆☆

نوفل آج بے حد مصروف دن گزارنے کے بعد آفس سے لوٹ آیا تھا، تھکن اس کے روم روم میں بہہ رہی تھی، ابھی وقت راستے میں ہی تھا جب پاپا کی کال آ گئی تھی، وہ اس سے گھر آنے کی بابت دریافت کر رہے تھے، اس نے چند دن میں آنے کا کہا، چونکہ آج کل وہ بنکاک میں تھا اس لئے دو تین دن میں ضرور تھائی لینڈ کا چکر لگا لیتا تھا، مگر اب کام کا برڈن زیادہ تھا، جبھی وہ گزشتہ پانچ دنوں سے نہیں جا پایا تھا، اس سے پہلے کہ وہ الوداعی کلمات کہہ کر فون بند کرتا، ڈرائیور نے بہت ہنگامی انداز میں بریک لگائی، نوفل کا سر اگلی سیٹ سے ٹکراتے ٹکراتے بچا، سیل فون اس کے ہاتھ سے گر گیا، اس کی وجہ سامنے سے آنے والی لڑکی تھی، جو جانے کس سٹریٹ سے ایکدم برآمد ہوئی تھی اور چیختی چلاتی گاڑی سے ٹکرا گئی، اگر ڈرائیور بروقت بریک نہ لگاتا تو لازماً وہ گاڑی کے نیچے آ کر کچلی جاتی، وہ جتنی تیزی سے نیچے گری تھی اسی تیزی سے اٹھی اور بے ساختہ گاڑی کے شیشے پر جھک گئی۔

''میری مدد کرو...... پلیز...... میری مدد کرو...... وہ مجھے مار ڈالیں گے...... فار گاڈ سیک۔'' وہ چیختے ہوئے التجائیہ انداز میں ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں بولی تھی، میکانکی انداز میں نوفل نے ڈور اوپن کیا وہ تیزی سے بیٹھ گئی اور بیٹھتے ہی چلائی تھی۔

''Go go please go fast۔''

گاڑی تیزی سے حرکت میں آئی، نوفل جھک کر گر جانے والے سیل فون اٹھا رہا تھا جب اس کی نظر لڑکی کے زخمی گھٹنوں پر پڑی، اس کے ساتھ ہی اس نے سیدھے ہوتے ہوئے اس کا جائزہ لیا۔

وہ نقوش سے تھائی لگتی تھی، اس وقت وہ بلیک شرٹ اور پنک اسکرٹ میں ملبوس تھی جو اس کے گھٹنوں تک تھا، سب سے خاص بات اس کے بے تحاشا سنہرے لمبے بال تھے جو اس کے شانوں پر لٹوں کی شکل میں بکھرے ہوئے تھے، وہ اپنے سرخ لبوں کو کچلتی ہوئی بے حد خوبصورت لگ رہی تھی، اس کی ٹانگیں سڑک پر گرنے کی وجہ سے چھل گئی تھیں اور زخموں سے خون رس رہا تھا، مگر وہ یقیناً اتنی پریشان تھی کہ ہر احساس سے بے نیاز

ہوگئی تھی۔

"Hey! what is your name? you are ingired. can you tell me, what happened with you? hey! dont, weep, you must need a doctor"

نوفل پریشانی سے بول رہا تھا، مگر وہ بدستور رونے میں مشغول تھی، اس سے پہلے کہ مزید بات ہوتی، گاڑی نوفل کے شاندار بنگلے کے سامنے رک گئی، بے آواز گیٹ کھلا اور گاڑی رینگتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔

پام کے درختوں میں گھرا لان بے حد تاریک اور خوفناک لگ رہا تھا، ڈرائیور نے عبور کرکے گاڑی پورچ میں رک گئی، باوردی ملازم نے بڑھ کر دروازہ کھولا تو وہ باہر نکل آیا۔

"Please come with me"
نوفل نے جھک کر کہا اور اسے ساتھ لے کر اندر کی طرف بڑھ گیا۔

ملازم کچھ حیران نظر آیا، نوفل صدیق جیسا شخص اور لڑکی؟ ناممکن سی بات تھی وہ دونوں آگے پیچھے ہوئے نوفل کے بیڈروم میں داخل ہوگئے۔

"Sit please" نوفل نے صوفہ کی طرف اشارہ کیا۔

وہ خاموشی سے بیٹھ، اندھیرے سے یکدم روشنی میں آنے کی وجہ سے اس کے خدوخال بہت واضح دکھائی دینے لگے تھے، وہ تئیس چوبیس سال کی بے حد خوبصورت لڑکی تھی، مگر اس وقت اس نے رو رو کر اپنی خوبصورت آنکھوں کا ستیاناس کر لیا تھا۔

"کیا تم مینڈرن (Mandrin) میں بات کرسکتے ہو؟" وہ نستعلیق چینی زبان میں بولی تھی۔

"ہاں کیوں نہیں۔" وہ بھی روانی سے بولا، لڑکی کے چہرے پر رونق آ گئی۔

"میرا نام شائی ڈنگ ہے، لیکن ابھی مجھ سے کچھ مت پوچھو، میں بہت پریشان ہوں، میں نہیں بتا سکوں گی، پلیز۔" وہ ملتجی انداز میں بولی تھی، نوفل نے لاپرواہی سے شانے اچکائے۔

"ٹھیک ہے، لیکن تمہیں بینڈیج کی ضرورت ہے۔" وہ سرسری انداز میں اس کی ٹانگوں پر نظر دوڑا کر بولا۔

"میں کسی ڈاکٹر کے پاس نہیں جاؤں گی۔" وہ خوفزدہ نظر آئی تھی۔

"تو ٹھیک ہے تم مت جاؤ، تم خود کرسکتی ہو؟" اس نے پوچھا۔

شائی ڈانگ نے فوراً اثبات میں سر ہلا دیا تھا، نوفل بھی سر کو اثباتی جنبش دے کر پلٹا اور وارڈ روب کی طرف بڑھ گیا، پٹ کھول کر پہلے دو مختلف لباس اتارے، دونوں ہی سلیپنگ سوٹ تھے، پھر دوسرا خانہ کھول کر فرسٹ ایڈ باکس نکال لیا، ایک سوٹ اس نے اپنے بازو پر لٹکایا، دوسرا آگے بڑھ کر اس کے نزدیک رکھ دیا اور فرسٹ ایڈ باکس اس کی طرف بڑھایا۔

"تم بینڈیج کرکے چینج کرلیا، میں تب تک باتھ لے لوں۔" وہ کہتا ہوا روم سے منسلک باتھ روم کی طرف بڑھ گیا۔

جب آدھ گھنٹے بعد وہ تسلی سے نہا کر لوٹا تو وہ اسے نوفل کے سلیپنگ سوٹ میں ملبوس نظر آئی، سوٹ اسے خاصا بڑا تھا، اس نے ٹراؤزر کے پائنچے فولڈ کیے ہوئے تھے شرٹ بھی لمبی تھی مگر آستین آدھی ہونے کی وجہ سے کچھ بچت ہوگئی تھی۔

بال بناتے ہوئے نوفل نے آئینے سے اسے دیکھا، گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹے وہ خاصی پریشان نظر آتی تھی۔

"تم کچھ کھاؤ گی؟" نوفل نے بہترین کرٹسی کا مظاہرہ کیا۔

"نہیں۔" وہ سرنفی میں ہلا کر بولی۔

"اوکے۔" وہ شانے اچکا کر کمرے سے باہر نکل گیا، کچھ دیر بعد لوٹا تو ہاتھ میں دو کافی کے مگ تھے، اس نے خاموشی سے مگ تھام لیا اور گھونٹ گھونٹ کافی پینے لگی، یکدم جانے کیا یاد آیا کہ سر اٹھا کر اس کو دیکھا اور پوچھ بیٹھی۔

"تم مجھے یہاں سے جانے کو تو نہیں کہو گے ناں؟" لہجہ اندیشوں سے پر تھا، اس کے سامنے صوفہ پر بیٹھا نوفل چونکا پھر سر نفی میں ہلا دیا، کچھ دیر میں وہ کافی ختم کر چکے تھے، کمرے میں پراسرار خاموشی تھی۔

"آؤ میں تمہیں روم دکھا دوں، تم وہاں ریسٹ کرو۔" وہ عام سے انداز میں کہتا اٹھ گیا۔

وہ بری طرح چونک کر متوجہ ہوئی تھی، پھر سر کو اثباتی جنبش دے کر اس کی تقلید میں اٹھ گئی، اٹھتے ہوئے وہ اپنے کپڑے اٹھانے نہیں بھولی تھی۔

نوفل اسے لئے باہر آیا اور ساتھ والے کمرے کا دروازہ کھول دیا، وہ اندر داخل ہوئی۔

"اوکے گڈ نائٹ۔" وہ کہتا ہوا پلٹ گیا، وہ تیزی سے اندر داخل ہوئی اور دروازہ بند کردیا۔

☆☆☆

گھر میں اچھی خاصی رونق لگی ہوئی تھی، عائشہ آپی آئی ہوئی تھیں معہ اپنی فیملی کے، ابا بھی آج گھر پہ ہی تھے، دوپہر کے کھانے کے بعد وہ سب بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف تھے، جب فون کی بیل ہوئی۔

"میں دیکھتا ہوں۔" ابا کہتے ہوئے اٹھ گئے۔

پانچ منٹ دس منٹ پھر بیس منٹ گزر گئے مگر وہ واپس نہیں آئے۔

"ارے عائشہ! دیکھو یہ تمہارے ابا میاں کہاں رہ گئے، اتنا لمبا فون کس کا آ گیا؟" اماں نے کہا۔

"میں دیکھتی ہوں اماں!" عائشہ نے کہا۔

وہ کمرے میں آئی تو بہت حیران کن اور قدرے پریشان کن منظر تھا، فون کا ریسور نیچے گرا ہوا تھا اور ابا کھلی آنکھوں کے ساتھ جانے کن خلاؤں میں گھور رہے تھے، وہ پریشانی سے آگے بڑھیں۔

"ابا! ابا جان! کیا ہوا؟ کس کا فون تھا؟" انہوں نے ابا کا بازو جھنجھوڑ کر پوچھا۔

"مہروز ...... کا...... فون تھا۔" وہ میکانکی انداز میں بولے، عائشہ نے کچھ ٹھٹک کر انہیں دیکھا۔

"پھر...... کیا کہہ رہا تھا؟"

"ستارا...... گھر...... سے بھاگ گئی۔" انہوں نے جانے کس ہمت کے ساتھ جملہ ادا کیا تھا، عائشہ کے سر پہ آسمان ٹوٹ پڑا۔

چوتھی قسط

سندس جبیں

ناولٹ

کومل آہستگی سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی تو وہ اسے کانوں پر ہیڈ فون چڑھائے مصروف نظر آئی، اس کی آنکھیں بند تھیں اور پیر بڑے ردھم سے ہل رہے تھے کومل نے اس کے چہرے پر غیر ارادی طور پر کچھ کھوجنا چاہا، مگر اسے ناکامی ہوئی، رمشہ کا چہرہ اس کے تاثرات اور اس کی مخصوص ایکٹویٹی (ایم پی تھری سننا) سب معمول پر تھے، کومل نے عجیب سی جھنجھلاہٹ میں آگے بڑھ کر ہیڈ فون کھینچے، رمشہ نے قدرے ہڑبڑا کر اسے دیکھا۔

''کبھی اس کی جان چھوڑ بھی دیا کرو۔'' کومل نے غصے سے کہا، رمشہ نے سرد نظروں سے اسے دیکھا۔

''کیوں؟ کیا تکلیف ہے تمہیں؟ کیا لینے آئی ہو یہاں؟'' اس کا لہجہ تمام تر تلخی لئے ہوئے تھا۔

کومل جو تاثرات اس کے چہرے پر ڈھونڈنا چاہتی تھی وہ اس کے لہجے میں بخوبی موجود تھے۔

''تمہیں اس دن کیا ہوا تھا رمشہ؟'' کومل نے دوٹوک انداز میں کہا۔

رمشہ کو یکدم وہ احساس ذلت پوری شدت سے یاد آیا تھا، جس سے جان چھڑانے کی کوشش میں وہ ہلکان ہوئی جا رہی تھی۔

''وہ جو بھی تھا میں اسے ڈسکس نہیں کرنا چاہتی۔'' رمشہ کی رنگت بدل چکی تھی۔

''کیوں...... کیوں؟ نہیں کرنا چاہتی؟'' کومل غصے سے بولی۔

''کومل! پلیز...... جاؤ یہاں سے۔'' رمشہ نے ضبط کرتے ہوئے کہا۔

''تمہیں کیا ہو گیا ہے رمشہ میں، میں تمہاری بہن ہوں پلیز مجھ سے تو نہ چھپاؤ، مجھے بتاؤ، آخر ایسا کیا ہے جو تم مجھ سے بھی چھپانا چاہ رہی ہو؟'' کومل نے ملتجی لہجے میں کہا۔

رمشہ بنا پلک جھپکائے اسے دیکھتی رہی، اس کا دل تو جلتا آبلہ بنا ہوا تھا جسے انجانے میں کومل چھیڑ بیٹھی تھی۔

''کیا جاننا چاہتی ہو؟ یہی نا کہ میں رجیکشن کے بعد کیسا محسوس کر رہی ہوں تو ٹھیک ہے بتا دیتی ہوں، کومل مغل میں بہت اچھا محسوس کر رہی ہوں مجھے بہت خوشی ہو رہی ہے یہ جان کر کہ میں اتنے سال ایک بے مقصد چیز کے حصول کے پیچھے بھاگتی رہی، مجھے بہت فخر محسوس ہو رہا ہے کہ میں اس کے قابل نہیں ہوں اور یہ سن کر تو مجھ پر شادی مرگ کی کیفیت طاری ہو گئی تھی کہ وہ جب بھی شادی کرے گا کم از کم مجھ سے نہیں کرے گا۔'' وہ طنز و استہزا سے کہتی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی، کومل نے بے ساختہ اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔

''لیکن تم تو اچھے دوست تھے رمشہ۔''

''میں بھی یہی سمجھتی تھی، دیکھو ناں کومل اس نے میرے ساتھ کیا کیا؟'' وہ اس کے شانے پہ سر رکھے زار و زار رو رہی تھی، کومل کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

''وہ کہتا ہے تم میری اچھی دوست ہو کزن ہو اور بس...... اس سے آگے کوئی رشتہ نہیں، ایسا کیسے کر سکتا ہے وہ میرے ساتھ؟ وہ کہتا ہے اس نے مجھے کبھی اس نظر سے دیکھا نہیں، کیوں؟ کیوں کومل! کیا میں اتنی بری ہوں، اتنی بدصورت کیا مجھ میں کوئی اچھائی نہیں، کوئی ایسی بات نہیں جو اسے میری طرف پلٹنے پر مجبور کر سکے، میں نے تو اسے ہمیشہ سب سے خاص سمجھا، اسے اپنی زندگی کی اولین ترجیح بنا لیا اور دیکھو اس نے میرے ساتھ کیا کیا؟ وہ کہتا ہے اسے مجھ میں کوئی دلچسپی نہیں اگر ایسا ہوتا تو وہ کبھی نہ کبھی تو مجھے بتا

''میں بہت اذیت میں ہوں کومل، یقین کرو یہ بہت اذیت ناک ہے کہ تم جسے سب کچھ سمجھتے ہوں اس کی نظر میں ہماری کوئی حیثیت نہ ہو، میں پل پل مر رہی ہوں، میرا دل چاہ رہا ہے کہ میں اس دنیا سے کہیں دور بھاگ جاؤں، میں کسی کو فیس نہیں کر سکتی، مجھے لگ رہا ہے ہر نظر میں میرے لئے استہزاء ہے طنز ہے، کتنی بے وقوف ہوتی ہیں ہم لڑکیاں، کتنی جلدی خواب سجا لیتی ہیں اور جب یہ ہمارے خود ساختہ خواب ٹوٹتے ہیں تو ان کی کرچیاں ہماری آنکھوں سے لے کر دل تک کو زخمی کر دیتی ہیں، مجھ سے یہ چوٹ برداشت نہیں ہو رہی، میں مر رہی ہوں پل پل، میں کیا کروں کومل؟'' وہ بلک بلک کر روتے ہوئے کہہ رہی تھی، کومل کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو نکلتے جا رہے تھے۔

''میں سہہ نہیں پا رہی کومل! مجھے کوئی حل بتاؤ، کوئی تدبیر؟ کوئی دوا؟'' وہ سر دونوں ہاتھوں سے تھامے کہہ رہی تھی، کومل نے شانوں سے اسے تھاما اور اپنے سامنے کیا۔

''بہت اچھا کیا شاہ بھائی نے۔'' کومل نے سختی سے اسے جھنجھوڑا، رمشہ ششدر رہ گئی۔

''یہ...... یہ تم کیا کہہ رہی ہو کومل؟'' اس کی آواز پھٹ سی گئی۔

''ٹھیک ہی کہہ رہی ہوں، ہر رشتہ محبت کا نہیں ہوتا، صحیح کہا انہوں نے وہ کیوں کریں تم سے شادی کیا ملے گا اس سے تم دونوں کو، صرف سمجھوتہ اور ایک ناقابل برداشت بوجھ بس، انہوں نے تم سے کمٹ منٹ تو نہیں کی ناں اور تم میں کوئی کمی نہیں ہے، تم ایک ایسی زندگی گزارنے پر کیوں بضد ہو جس میں تم دونوں اک دوجے پر مسلط کیے جاؤ، تم یہ کیوں سوچ رہی ہو کہ تم ان کے قابل نہیں ہو، ایسا انہوں نے کچھ نہیں کیا، ہر شخص حق رکھتا ہے کہ اپنی پسند کا لائف پارٹنر چوز کرے، مگر اس کے لئے دونوں فریقین کا رضا مند ہونا بھی ضروری ہے رمشہ، دیکھو تم یہ کیوں نہیں سمجھتی کہ ہم کسی سے محبت کر تو سکتے ہیں مگر اس کی کنپٹی پر پسٹل رکھ کر یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ بھی ہم سے محبت کرے اور پلیز ایسا مت کہو کہ وہ تمہاری اولین ترجیح ہیں کوئی کسی کے بغیر نہیں مرتا، لوگ جوان بیٹوں کو دفن کر کے زندہ رہتے ہیں زندگی نہیں رکتی میری جان اور کسی کو کیا پڑی ہے تمہارے بارے میں طنزیہ سوچنے کی، یہ صرف تمہاری نیگیٹو سوچ ہے، خود کو اس State of mind سے نکالو، کیوں اپنا تماشا بنانا چاہتی ہو؟'' کومل غصے و سمجھداری کے ملے جلے تاثر سے اسے سمجھاتی چلی گئی، رمشہ کے آنسو رک چلے تھے، وہ خاموشی سے اس کی بات سن رہی تھی۔

جن کی آنکھوں میں اپنا ہی دیکھا تھا عکس
میں نے ان آنکھوں میں دیکھا اور کسی کا رنگ
تھا میرا تو خواب ادھورا یا حقیقت تھی؟؟؟؟
میری قربت میں میرا یار اور کسی کے سنگ
بات کرے میری رسوائی کی......!
بات کرے میری ہرجائی کی......!

کومل سچ کہہ رہی تھی اسے خود کو سنبھالنا تھا جلد یا بدیر۔

☆☆☆

دستک کی آواز پر فون پر محو گفتگو اسید نے گردن موڑ کر دروازے کی سمت دیکھا اور فون کان سے ہٹاتے ہوئے بلند آواز میں ''یس'' کہا، اگلے ہی لمحے دروازہ کھلا اور حبا دندناتی ہوئی اندر آ گئی۔

''میں تمہیں بعد میں کال کرتا ہوں اسد۔''

اس نے فون بند کر کے جیب میں رکھا اور ٹیبل

سے فائل اٹھاتے ہوئے چند پیپرز اس میں کلپ کیے ایک کتاب اٹھا کر اس پر رکھی اور واپس مڑا۔

''مجھے تم سے بات کرنی ہے اسید۔'' حبا نے تیز لہجے میں کہا۔

اسید نے اس کی طرف دیکھے بغیر فائل اٹھائی اور باہر جانے لگا، حبا نے تیزی سے آگے بڑھ کر اس کا شانہ تھام لیا۔

''میں تم سے بات کر رہی ہوں، تم ایسے کیسے جا سکتے ہو؟'' وہ چلا اٹھی، اسید نے ایک جھٹکے سے اس کا ہاتھ ہٹایا اور آگے بڑھنے لگا، وہ پھر سے اس کی راہ میں حائل ہوئی تھی۔

''ماما! ماما!'' وہ بلند آواز میں چلایا تھا۔

کچن میں مصروف مرینہ دہل سی گئیں، اپنی ساری مصروفیات ترک کر کے وہ اسید کے کمرے کی طرف بھاگی تھیں، دروازہ کھلا ہوا تھا۔

''کیا بات ہے اسید؟'' انہوں نے ایک نظر دونوں کو دیکھا اور پوچھا۔

''اسے یہاں سے لے جائیں اور دوبارہ مجھے یہ اس کمرے میں نظر نہ آئے۔'' وہ طیش سے بولا تھا، مرینہ نے آگے بڑھ کر حبا کا بازو تھاما اور اسے باہر لے جانے لگیں، اس نے جھٹکے سے بازو چھڑایا اور اسید کی طرف مڑی۔

''کیوں...... کیوں نہ آؤں میں یہاں ڈتم ہوتے کون ہو مجھے روکنے والے؟'' اس نے طیش سے اسید کا کالر تھام کر جھٹکا دیا۔

اسید کی آنکھوں کے آگے سرخ چادر سی تن گئی، بے ساختہ اس کا ہاتھ اٹھا اور حبا کے گال پر تڑاخ سے پڑا۔

''اپنی حد میں رہو، بدتمیز لڑکی۔'' وہ نفرت سے بولا تھا۔

وہ گال پہ ہاتھ رکھے پھٹی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی، وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر نکلتا چلا گیا، مرینہ بھی ہکا بکا سی کھڑی تھیں، اسید کے نکلتے ہی حبا جیسے ہوش میں آ گئی، اگلے ہی لمحے وہ دھاڑیں مار مار کر رونے لگی۔

''ماما...... ماما دیکھیں اسید نے مجھ پہ ہاتھ اٹھایا، اس نے مجھے مارا اس نے مجھے تھپڑ مارا، وہ ایسا کر سکتا ہے وہ تو مجھے ہمیشہ یہی کہتا ہے حبا عورت پر ہاتھ اٹھانے والا مرد دنیا کا گھٹیا ترین مرد ہوتا ہے، وہ خود یہ کہتا تھا ماما، وہ اتنا کیسے گر سکتا ہے ماما؟'' وہ بلند آواز میں رو رہی تھی۔

''حبا چ بس کرو بیٹا تم کیوں آئی تھیں اس کے کمرے میں تمہارے پاپا کو اچھا نہیں لگتا تمہارا اس سے میل جول، تم بات کو سمجھتی کیوں نہیں ہو؟ اور تم ہو کہ اسے غصہ دلاتی ہو، کیسے بات کر رہی تھیں تم اس سے؟ یہ کوئی طریقہ ہے بات کرنے کا بڑا بھائی ہے وہ تمہارا۔'' وہ نرمی و جھنجلاہٹ سے اسے سمجھا رہی تھیں۔

''نہیں ہے وہ میرا بھائی، سنا آپ نے پاپا ٹھیک کہتے ہیں وہ میرا بھائی ہو ہی نہیں سکتا، اس نے مجھ پہ ہاتھ اٹھایا، مجھ پہ، حبا تیمور پہ؟ نفرت ہے مجھے آپ سب سے، کوئی مجھے خوش دیکھنا نہیں چاہتا، سب میرے دشمن ہیں آپ بھی مجھے سمجھا رہی ہیں پاپا کو تو پہلے ہی میرے ہر کام پہ اعتراض ہے اور اسید، نفرت ہے مجھے اسید سے، اس نے مجھ پہ ہاتھ اٹھایا، آئی ہیٹ اسید۔'' وہ منہ پر ہاتھ رکھے سسکیاں دباتی باہر بھاگ گئی۔

مرینہ کے اندر جیسے زمانوں کی تھکن اترنے لگی، وہ جانتی تھی آج رات پھر تیمور احمد نے معرکے کی ابتداء کریں گے جس کا انجام ہمیشہ کی طرح کوئی نہیں ہوگا انہیں اسید کی بے وقوفی پر از حد طیش آ رہا تھا، وہ احمق خود ہی اپنے راستے مشکل کر رہا تھا، حبا کو بے حد تیز بخار ہو گیا، مرینہ اسے ڈاکٹر کے پاس لے جانا چاہتی تھیں مگر اس

نے سختی سے انکار کر دیا، منت سماجت خوشامد اور نرمی سے انہوں نے ہر طریقے سے اسے منانے کی کوشش کی مگر وہ مان کر نہ دی اس کی وہی ایک نہ، جو ہاں میں نہ بدلی، رات جب تیمور احمد لوٹے تو انہوں نے بے حد پریشانی سے انہیں حبا کی بیماری کا بتایا تھا، تیمور جو پہلے ہی بے حد تھکے ہوئے تھے بالکل ہی آؤٹ ہو گئے تھے۔

''تم اسے ہاسپٹل لے جاتیں؟'' وہ چڑے ہوئے بولے تھے۔

''وہ نہیں جا رہی تھی، ضد پہ اتری ہوئی ہے، آپ دیکھیں ذرا اسے۔'' وہ وضاحت دینے لگیں۔

وہ ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے اس کے کمرے کی طرف بڑھ گئے، دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئے تو تکیے پر سر رکھے ہاتھ پیر چھوڑے بے سدھ پڑی تھی، وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھے تھے۔

''حبا!'' اس کے قریب بیڈ پر بیٹھتے ہوئے انہوں نے اسے پکارا۔

''حبا بیٹے! آنکھیں کھولو، حبا بچے کیا بات ہے؟'' انہوں نے پیار سے اس کے چہرے سے بال ہٹائے اور ٹھٹک کر رہ گئے، ان کی نگاہ جیسے حبا کے گال پہ جم سی گئی، انہوں نے بے اختیار اس کے گال پہ ہاتھ پھیرا، ان کی آنکھوں سے جیسے بجلیاں سی کوندنے لگیں تھیں انہوں نے حبا کو جھنجوڑ ڈالا۔

''حبا اٹھو۔'' وہ زور سے بولے تھے حبا کی آنکھیں ایک کراہ کے ساتھ کھل گئی تھیں، باپ کو سامنے پاتے ہی اس کی آنکھیں پھر سے نم ہونے لگیں۔

''پاپا!'' وہ ان کا ہاتھ تھام کر شدتوں سے رو پڑی تھی۔

''حبا میری بچی کیا بات ہے؟ کیوں رو رہی ہو؟ کسی نے کچھ کہا ہے تو مجھے بتاؤ۔'' انہوں نے اس کی پیشانی پر بوسہ دیا، وہ چند لمحے خالی خالی نظروں سے انہیں دیکھتی رہی پھر پھٹ پڑی۔

''اسید نے مجھ پہ ہاتھ اٹھایا پاپا، اس نے مجھے تھپڑ مارا۔'' وہ بتاتے ہوئے پھر سے رونے لگی۔

تیمور پر جیسے بجلی سی گری وہ چند لمحے ساکت اسے دیکھتے رہے پھر ایک جھٹکے سے اٹھے اور مرینہ کی طرف مڑے۔

''اسید کہاں ہے مرینہ؟'' ان کے لہجے میں پھنکار تھی۔

''وہ...... وہ......'' مرینہ کا رنگ زرد پڑ گیا، شامت اعمال کہ اسی وقت اسید کے باہر سے بولنے کی آواز آئی تھی۔

مرینہ کا دل چاہا وہ کہیں غائب ہو جائے، اس طرف نہ آئے، تیمور کے تیور بے حد خوفناک تھے، وہ کسی بگولے کی مانند چکراتے ہوئے باہر نکل گئے، وہ انہیں لاؤنج میں نظر آ گیا کتابیں اور فائل کور ٹیبل پہ رکھ کر وہ ابھی سیدھا ہی ہوا تھا جب اس نے تیمور کو اپنے سر پہ کھڑے پایا۔

''تم نے حبا پہ ہاتھ اٹھایا ہے؟'' ان کے لہجے میں طوفان کی سی گھن گرج تھی، ایک لمحے کو اسید کے چہرے کا رنگ بدلا مگر وہ کچھ بولے بغیر سیدھا کھڑا رہا۔

''میں تم سے مخاطب ہوں، تم سن رہے ہو میری بات؟'' انہوں نے گریبان سے پکڑ کر اسے جھٹکا دیا وہ لڑکھڑا گیا۔

''ہاں۔'' وہ مستحکم لہجے میں بولا۔

''تم...... تم...... تمہاری ہمت کیسے ہوئی ہاں بولو؟'' انہوں نے اسے بالوں سے پکڑا اور بے دریغ دو تین طمانچے اس کے چہرے پہ دے

مارے۔

''تم نے کیا سمجھا اسے، اپنی طرح یتیم؟'' وہ پاگل ہو رہے تھے اسید کوئی مزاحمت نہیں کر رہا تھا، مرینہ زور زور سے رو رہی تھیں اسی وقت حبا لڑکھڑاتی ہوئی اپنے کمرے سے نکلی تھی، لاؤنج کا منظر دیکھ کر اس کی چیخ نکل گئی، وہ اندھا دھند ان کی طرف لپکی اور درمیان میں پڑے سینٹرل ٹیبل سے ٹکرا کر نیچے گر گئی، پھر اٹھی اور ان کی طرف بڑھی، وہ چیخ رہی تھی۔

''پاپا مت ماریں اسید کو..... مت ماریں ..... پاپا۔'' وہ ان کے درمیان آ کر اسید کے سامنے ڈھال بن کر کھڑی ہو گئی تھی، تیمور اس کی ہمت پر دنگ سے رہ گئے، ان آنکھوں میں یک بیک خون سا اتر آیا۔

''تم آگے سے ہٹ جاؤ حبا! میں اس کے ٹکڑے کر دوں گا۔'' وہ دھاڑے تھے، وہ بے اختیار آگے بڑھ کر تیمور سے لپٹ گئی۔

''نہیں پاپا غلطی میری تھی میں نے بدتمیزی کی تھی اسید سے اس کا کوئی قصور نہیں ہے۔'' وہ انہیں روکنے کی کوشش کرتی نڈھال ہو رہی تھی۔

''لیکن اسے یہ حق کس نے دیا کہ یہ تم پہ ہاتھ اٹھائے؟'' وہ کف اڑانے لگے تھے۔

''بس کریں تیمور، حد ہوتی ہے بہت تماشا ہو چکا، اب اسے بند ہو جانا چاہیے، یہ ضروری نہیں کہ ہر بار غلطی اسید کی ہو، جب آپ نے منع کیا تھا تو یہ کیوں گئی تھی اس کے کمرے میں؟ اس نے اس سے بات بھی نہیں کیا مجھے بلایا اور کہا ماما اسے یہاں سے لے جائیں مگر یہ..... یہ..... اس نے اسید کا گریبان پکڑ لیا اور چلانے لگی کہ تم کون ہوتے ہو مجھے یہاں سے نکالنے والے؟ کیا یہ بات برداشت کی جا سکتی ہے اس نے پھر ایک جڑ دی تو کیا غلط کیا؟'' مرینہ سارے خوف بھلائے بلند آواز سے بول رہی تھیں، غصے کی شدت سے ان کا سارا وجود کسی خزاں رسیدہ پتے کی طرح لرز رہا تھا، تیمور نے بے یقینی سے حبا کی طرف دیکھا، وہ نظریں جھکائے ہاتھ منہ پہ رکھے سسکیاں بھر رہی تھی۔

''حبا کیا یہ سچ ہے؟'' انہوں نے پوچھا، اس نے سر ہلا دیا، تیمور کا دل تو چاہا کہ دو تین طمانچے حبا کو بھی لگا دیں مگر پھر خود پہ قابو پاتے ہوئے تیزی سے باہر نکل گئے، مرینہ تیزی سے اسید کی طرف بڑھیں جو ساکت کھڑا تھا، اس کے بال بکھرے ہوئے تھے چہرہ سرخ اور نچلے ہونٹ سے خون رس رہا تھا، انہوں نے اسے پیار سے ساتھ لگایا، اس کا ماتھا چوما اور آنچل سے اس کا ہونٹ صاف کرنے لگیں، کمرے کی خاموشی میں حبا کی سسکیاں ابھر رہی تھیں۔

☆☆☆

ناشتے کی میز پر صدیق شاہ، نوفل صدیق اور شائی وانگ موجود تھے، صدیق رات ہی پہنچے تھے، شائی وانگ سے بھی ملے تھے اور اسے لے کر اچھے خاصے مشکوک بھی ہو چکے تھے۔

''تمہیں نہیں لگتا نوفل! تم اس لڑکی میں انوالو ہو رہے ہو؟'' انہوں نے کافی کے گھونٹ بھرتے ہوئے نوفل سے اردو میں کہا، نوفل کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔

''پاپا پلیز۔'' اس نے احتجاج کیا وہ بے ساختہ ہنس پڑے، شائی وانگ نے نہ سمجھتے ہوئے خاصی بے چارگی سے ان دونوں کو دیکھا۔

''اس میں کیا غلط بات ہے؟ یہ تو خوشی کی بات ہے کہ تم نے بھی کوئی نارمل انسانوں والا کام کیا۔'' وہ اسی طرح بولے۔

''کیا مطلب؟'' اس نے بھنویں اچکائیں۔

''بھئی دیکھو میں اچھی طرح جانتا ہوں تمہیں، تم اتنے بھی نرم دل اور ہمدرد نہیں ہو کہ یوں سڑک پہ ٹکرانے والی لڑکی کو اٹھا کر گھر لے آؤ، کچھ تو گڑبڑ ہے؟''

''پاپا!'' وہ زچ ہو گیا، فورک پلیٹ میں رکھا اور پلیٹ پیچھے کھسکا دی۔

''کیا چاہتے ہیں آپ؟''

''یہی کہ میں اور کتنا کریدوں؟ تم خود ہی اگل دو۔'' وہ شرارت سے مسکرائے تھے، شائی وانگ نے بے چینی سے پہلو بدلا، نوفل بھی جیسے ہار سا گیا، خاصی بے چارگی سے مسکرایا تھا۔

''ہاں، اچھی لگتی ہے مجھے۔'' اس نے جرم قبول کر لیا، وہ زور سے ہنس دیئے۔

''چلو تم مانے تو سہی، ویسے کیا اچھا لگا تمہیں؟'' انہوں نے تجسس سے پوچھا۔

''اس کے لمبے بال۔'' وہ شائی وانگ کی طرف دیکھتا مسکرایا تھا، وہ پزل ہو گئی۔

''صحیح جگہ پھنسے ہو یار۔'' انہوں نے داد دینے والے انداز میں کہا۔

''لیکن ابھی میں سنجیدہ نہیں ہوں۔'' نوفل نے کہا، وہ ٹھٹک گئے۔

''کیا مطلب؟''

''ابھی میں خود کو تیار نہیں پاتا کہ کوئی انگیج منٹ یا میرج..... نو..... ابھی نہیں۔'' اس نے شانے اچکائے۔

''کیا ہو گیا ہے تمہیں نوفل؟ لڑکی اچھی ہے، اتنا کیوں سوچ رہے ہو؟'' وہ حیران ہوئے تھے۔

''نو پاپا! میں نے کہا نا ابھی نہیں، میں اس کے بارے میں زیادہ نہیں جانتا، مجھے نہیں تا اس کا ماضی کیا ہے؟ کہاں سے آئی ہے؟ آگے کیا ارادے ہیں؟ میں آنکھ بند کر کے تو اندھے کنویں میں چھلانگ نہیں لگا سکتا نا۔'' اس نے تفصیل سے کہا۔

''مجھے یقین نہیں آ رہا کہ میرا بیٹا اتنا Rational ہو سکتا ہے؟'' وہ بے یقینی سے بڑبڑائے۔

''آپ کو یقین کر لینا چاہیے۔'' وہ ترکی بہ ترکی بولا۔

''میرا خیال ہے میرا تجربہ، مشاہدہ اور عمر تم سے کچھ زیادہ ہی ہے اور اس کی معصومیت تو اس کی روشن پیشانی سے ہی ظاہر ہے۔'' انہوں نے جتایا۔

''دنیا میں چہرے سب سے بڑے دھوکہ باز ہوتے ہیں پاپا۔'' وہ خفیف سا مسکرایا۔

''اچھا بھئی تم جیتے میں ہارا، مجھے کیا پتا کہ مجھ سے الگ رہ کر دو اور دو چار کرتے میرا بیٹا اتنا گھاگ بزنس مین بن چکا ہے۔'' وہ عاجز سے آ گئے تھے خاصے جل کر بولے، وہ کھلکھلا کر ہنس دیا۔

''کم آن پاپا! اچھا چلیں میں جلد ہی کوئی فیصلہ لے لوں گا۔'' اس نے تسلی دی تو صدیق نے بھی سکون کا سانس لیا۔

''تم لوگ کیا باتیں کر رہے ہو؟'' شائی وانگ اس کے خاموش ہوتے ہی خاصی بے چارگی سے بولی۔

''کچھ نہیں، ہم کچھ گھریلو حالات ڈسکس کر رہے ہیں۔'' نوفل نے قدرے لاپرواہی سے کہا، اس نے سمجھنے والے انداز میں سر ہلا دیا۔

''اگر تم بات ختم کر چکے ہو تو میں کچھ کہوں؟'' اس نے کہا۔

''ہاں بولو۔'' نوفل نے چونک کر کہا۔

''میں جاب کرنا چاہتی ہوں۔'' اس نے نظریں نیچی کر کے خاصے عاجزانہ انداز میں کہا۔

''جاب؟'' نوفل نے حیرانی سے اس کا منہ دیکھا اور صدیق نے نوفل کا منہ دیکھا۔
''ہاں میں مزید تم پر بوجھ نہیں بننا چاہتی۔'' اس نے شرمندگی سے کہا۔
''کیا اب تمہیں باہر خطرہ نہیں ہے؟'' نوفل نے تیز لہجے میں کہا، پتا نہیں کیوں اسے بے حد غصہ آیا تھا۔
''وہ تو ہے مگر...... ایسا کب تک چلے گا؟'' وہ ہچکچا گئی۔
''اوکے دیٹس فائن، کس قسم کی جاب کرنا چاہتی ہو تم؟ کیا ایجوکیشن ہے تمہاری؟'' وہ خود پہ قابو پا چکا تھا۔
''میں نے کامرس پڑھی ہے۔'' اس نے بتایا۔
''آفس ورک کر سکتی ہو؟'' نوفل نے چونک کر پوچھا، اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔
''ٹھیک ہے تم کل سے میرے ساتھ آفس چل رہی ہو۔'' اس نے تحکمانہ لہجے میں کہا، اس کے ساتھ ساتھ صدیق بھی چونک گئے۔
''تمہارے آفس؟'' وہ حیران ہوئی۔
''تم نے خود ہی تو کہا کہ تم آفس ورک کر سکتی ہو۔'' وہ جھلا گیا۔
''لیکن کیا تمہارے آفس میں کوئی سیٹ خالی ہے؟'' وہ پوچھنے لگی۔
''تمہیں اس کی فکر نہیں کرنی چاہیے، اگر نہیں بھی ہے تو بھی نکل آئے گی اور کچھ نہیں تو کم از کم میری سیکرٹری تو بن سکتی ہو یا نہیں؟'' وہ سنجیدگی سے بولتا آخر میں مسکرایا تھا، وہ بھی مسکرا دی اور مسکراتے ہوئے اس کے ہموار چمکدار دانت بڑے بھلے لگ رہے تھے۔
''شکریہ نوفل۔''
''اس کی ضرورت نہیں، اس سے تمہیں سکیورٹی بھی مل جائے گی۔'' وہ مطمئن سا بولا تھا، اس نے زور سے سر ہلا دیا، خوشی اس کے چہرے سے پھوٹ رہی تھی، سنہری بالوں کے ہالے میں سجا وہ چہرہ بڑا دلکش و دلربا تھا اور اس پل نوفل کو اپنے دل سے بڑا قریب محسوس ہوا تھا۔

☆☆☆

ایاز نے کافی پھینٹتے ہوئے نظر لاؤنج میں دوڑائی جہاں شاہ بخت صوفے پہ نیم دراز ریموٹ پکڑے چینل سرچنگ کر رہا تھا، وہ آج ہی ایاز سے ملنے آیا تھا، بنیادی طور پر اس کا نیو یارک کا ٹور صرف گیارہ دن کا تھا مگر اب اس نے اپنا قیام مزید بڑھا دیا تھا، ایاز نے کافی تیار کی اور اس کی طرف چلا آیا۔
''پاکستان کب آ رہے ہیں آپ؟'' شاہ بخت نے سیدھا ہو کر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔
''کبھی بھی نہیں۔'' ایاز نے بے ساختگی سے کہا، شاہ بخت بے اختیار چونکا۔
''کیا مطلب؟''
''کچھ نہیں ابھی تو میرا کوئی موڈ نہیں۔'' ایاز نے سنبھل کر کہا اور کافی کا مگ اس کی طرف بڑھایا۔
''کیوں؟'' وہ حیران ہوا۔
''وہاں آ کر کیا کروں گا میں؟ میری جاب سیٹ ہے یہاں۔'' اس نے لاپرواہی سے کہا۔
''آپ سبین بھابھی کو نہیں بلا رہے؟'' اس نے کافی کا گھونٹ لیا۔
''کیوں؟ مجھے اسے یہاں بلانا تھا؟'' وہ بھنویں اچکا کر بولا۔
''کیا مطلب؟ وہاں تایا جان تو تیار بیٹھے ہیں سبین بھابھی کو یہاں بھجوانے کے لئے۔''
''ایسا کیسے ہو سکتا ہے، کیا سبین نے تم لوگوں کو بتایا نہیں، میں اسے چھوڑ رہا ہوں۔'' وہ

تمانیت سے بولا، شاہ بخت کے سر پہ جیسے پورے اپارٹمنٹ کی چھت آ پڑی، کافی کا مگ اس کے ہاتھ میں لرز گیا۔
''آپ کیا کہہ رہے ہیں ایاز بھائی؟ آپ اتنا انتہائی فیصلہ کیسے کر سکتے ہیں؟'' وہ ششدر سا بول رہا تھا۔
''میں بالکل درست کہہ رہا ہوں بخت، ہر انسان کو اپنی مرضی سے زندگی گزارنے کا حق ہے اور یہ حق تو پہلے دن ہی طے ہو گیا تھا کہ میں اسے چھوڑ دوں گا۔'' وہ بڑے سکون سے بولا اور اس کے لہجے میں موجود لاپرواہی نے بخت کا دماغ گھما سا دیا۔
''طے ہو چکا تھا؟ کیا طے ہو چکا تھا، آپ اتنا بڑا فیصلہ کر چکے ہیں، اس کے پیچھے ریزن کیا ہے مجھے وہ بتائیں؟'' وہ سرد لہجے میں بولا، ایاز نے بغور اس کے بدلتے تاثرات دیکھے اور ہنس دیا۔
''تمہارا پروفیشن تمہیں کافی براڈ مائینڈڈ شو کرتا ہے بخت۔''
''دیٹس ناٹ مائے پروفیشن۔'' وہ تیکھے انداز میں بولا۔
''چلو جو بھی ہے لیکن تم کنزرویٹو ہو رہے ہو؟'' اس نے تنقید کی۔
''ایک معصوم، بے خطا لڑکی کو اپنا کر یوں بنا کسی وجہ کے چھوڑ دینا اگر آپ کی لبرٹی شو کرتا ہے تو میں کنزرویٹو ہی ٹھیک ہوں۔'' اس کا لہجہ سرد تھا۔
''میں اسے پسند نہیں کرتا، وہ میرے معیار پہ پوری نہیں اتری، اسی لئے میں اسے چھوڑ رہا ہوں کیونکہ میں اپنی زندگی سمجھوتوں کی نظر نہیں کر سکتا۔'' وہ صاف گوئی سے بولا۔
''اور کیا ہے ''معیار'' آپ کا؟'' اس نے طنز کیا۔
''بس کرو شاہ بخت! میں تمہیں جوابدہ نہیں ہوں۔'' ایاز کا ٹمپر لوز ہو گیا۔
''میں جانتا ہوں۔'' بخت نے لب بھینچے۔
''ورنہ پوچھ تو تم سے میں بھی یہ سکتا ہوں کہ تم نے کس بنا پر رمشہ کو ریجکٹ کیا ہے، پورے گھر میں سب سے زیادہ انڈر اسٹینڈنگ تمہاری اس کے ساتھ ہے، کیا کمی ہے اس میں؟'' ایاز نے الٹا وار کیا، شاہ بخت خاموشی سے اسے گھورتا رہا۔
''پہلی بات تو یہ کہ میں اتنا بزدل نہیں ہوں، جو ماں باپ کے ڈر سے اس سے شادی کر لوں اور بعد میں اسے چھوڑ دوں، میں نے صاف انکار کیا ہے بھائی کے سامنے اور دوسری بات کہ کیوں کیا ہے؟ تو وہ وجہ تو آپ کو دینا پسند نہیں کرتا۔'' بخت نے بھی صاف گوئی کی حد کر دی، ایاز کے لبوں پر ایک استہزائیہ مسکراہٹ آ گئی۔
''تو پھر یہاں مجھے کیا مورل ویلیوز سکھانے آئے ہو؟''
''نہیں...... لیکن ذرا سوچیے اگر کوئی یہ سب آپ کی بہن کے ساتھ کرے تو پھر؟'' بخت کی بات نے جیسے ایاز کو تڑپا کر رکھ دیا تھا۔
''شٹ اپ...... جسٹ شٹ اپ، دفع ہو جاؤ یہاں سے۔'' وہ دھاڑا تھا، بخت اٹھ گیا۔
''میں جا رہا ہوں لیکن آپ کو ایک بات بتاؤں؟ آپ جیسے خود غرض لوگوں کی وجہ سے ہی اس زمین کی فضا اتنی آلودہ ہے۔'' اس نے تنفر سے کہا اور باہر کی سمت قدم بڑھا دیئے۔

☆☆☆

تیمور اس وقت آفس میں تھے جب انہیں حبا کے کالج سے کال کیا گیا، وہ از حد پریشانی کے عالم میں گویا اڑتے ہوئے وہاں پہنچے تھے اور اس

وقت پرنسپل کے سامنے براجمان تھے۔

”تیمور صاحب! آپ کی بچی حبا ہمارا اثاثہ ہے، ہمارا فخر ہے، وہ پوزیشن ہولڈر ہے اور ہم چاہتے ہیں کہ وہ اس کو برقرار بھی رکھے، پچھلے ٹیسٹ کی رپورٹ بے حد شاندار تھی، میرا خیال تھا کہ اس بار بھی ایسا ہی ہوگا۔“ انہوں نے خاصے دل دہلا دینے والے انداز میں بات شروع کی تھی، یہاں تک بول کر وہ چپ ہوئیں اور اپنے سامنے پڑی فائل کھول لی۔

”یہ دیکھیں اس ٹیسٹ کی رپورٹ۔“ انہوں نے فائل تیمور کی جانب سرکائی، انہوں نے بغور فائل پہ نظریں دوڑانی شروع کر دی، چند لمحوں بعد ہی ان کے ماتھے پہ پسینے کے قطرے نمودار ہونے لگے، حبا بے حد برے طریقے سے فیل تھی۔

”یہ اتنا..... فرق کیسے؟“ وہ خاصے پریشان ہوئے تھے۔

”میں بھی آپ سے یہی ڈسکس کرنا چاہتی ہوں، وہ یہاں بڑی خاموش طبع سے رہتی ہے، زیادہ گھلتی ملتی نہیں ہے کسی سے، ایک آدھ کلاس فیلو سے ہی شاید اس کی گپ شپ ہے، مجھے آپ سے یہ پوچھنا ہے کہ کیا آپ کی فیملی میں کوئی کرائسس چل رہا ہے؟“ انہوں نے تفتیشی انداز میں کہا۔

”جی نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔“ انہیں اچھا نہ لگا۔

”دیکھیں آپ برا مت مانیں، بعض اوقات ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ فیملی لائف ڈسٹرب ہونے کی وجہ سے بچہ صحیح طریقے سے پڑھ نہیں پاتا، کیا وہ کسی ٹیوٹر سے پڑھتی ہے؟“ ان کا لہجہ وضاحتی تھا، تیمور لب کچل کر رہ گئے، ذہن میں فوراً اسید کا نام ابھرا تھا۔

”میں ٹھیک سے نہیں جانتا، مگر میں آپ کو چند دنوں میں Betterment کا وعدہ دیتا ہوں۔“ انہوں نے خود کو ریلیکس کرتے ہوئے کہا۔

”Now its own your ease (اب یہ آپ کی آسانی پر مشتمل ہے)۔“ انہوں نے شانے اچکائے۔

تیمور نے سر ہلا دیا، کچھ مزید ڈسکشن کرنے کے بعد وہ اٹھے تو ان کا دماغ اچھا خاصا گھوما ہوا تھا، وہ واپس آفس چلے گئے، سہ پہر میں انہوں نے گھر فون کر کے حبا کو تیار رہنے کا کہا۔

ایک خوشگوار شام میں وہ اسے لے کر ”چھتر پارک“ آ گئے، گاڑی پارک کرنے کے بعد انہوں نے باہر نکلتے ہوئے حبا کو بغور دیکھا، وہ اس وقت سرخ شلوار قمیض میں ملبوس تھی، سانولی رنگت اور عام سے نین نقش، وہ بالکل تیمور احمد کی کاپی تھی، کوئی بھی انہیں دیکھ کر باپ بیٹی Consider کر سکتا تھا، ان کے ذہن میں یک بیک مرینہ اور اسید آ گئے۔

کہاں وہ ماں بیٹا، خوبصورتی اور وجاہت کے سارے استعاروں اور تشبیہوں پر پورا اترتے تھے۔

کہاں اس وقت انہیں اپنی عام صورتی بے حد کھلی، یوں جیسے لمبے چوڑے اسید کے سامنے حبا کا وجود کچھ اور بونا ہو گیا ہو۔

”حبا!“ وہ چلتے چلتے چونک گئی۔

”ایک بات یاد رکھنا بیٹا! بدصورت لوگ خوبصورت لوگوں کے ساتھ نہیں چل سکتے۔“ ان کا لہجہ بڑا گہرا تھا۔

حبا کے لب لرز اٹھے اور آنکھیں پھیل گئیں اور ان پھیلی آنکھوں میں ایک درد بھرا احساس کمتری کروٹیں لے رہا تھا۔

”آپ ایسا کیوں کہہ رہے ہیں پاپا!“ اس کی آنکھیں بھر آئیں۔

”یہ زندگی کی سب سے بڑی سچائی ہے اور اسے جتنی جلدی تسلیم کر لو اتنی ہی زیادہ اذیت سے بچ جاؤ گی۔“ انہوں نے ناصحانہ انداز اختیار کیا، وہ یکدم ہنس پڑی، اس کی ہنسی میں ٹوٹی کرچیوں کی کھنک تھی۔

”آپ ایسا مت کہیں پاپا! بالکل مت کہیں، کیا آپ کو پتا ہے وہ کون ہے جس نے حبا کو زندگی کے احساس سے روشناس کرایا، کیا آپ کو پتا ہے وہ تھا جس نے حبا کو شکل و صورت کے کمپلیکس سے نکالا، وہ کون ہے جو روتی ہوئی حبا کو ہمیشہ ہنسا دیا کرتا ہے، کیا آپ جانتے ہیں میری پسند ناپسند کے بارے میں بھی نہیں جانتے ہیں، کیا آپ کو میرے فیورٹ ایکٹرز، کرکٹرز اور آئیڈلز کا پتا ہے؟“ وہ سانس لینے کو رکی، تیمور پلکیں جھپکائے بغیر اسے دیکھ رہے تھے۔

”آپ کو پتا ہے اسید میرے لئے کیا ہے؟ وہ اسید ہی ہے پاپا جس نے حبا کو زندگی کا احساس بخشا، وہ اسید ہے جس نے مجھ جیسی بیک بینچ کو پوزیشن ہولڈر بنایا، وہ اسید ہے پاپا جس نے مجھے شکل و صورت کے کمپلیکس سے باہر نکالا، یہ وہی ہے جس نے ہمیشہ میری سوچ، میرے کردار اور زبان کی ہمیشہ حفاظت کی، کبھی مجھے بدتمیز نہیں بننے دیا، کبھی میری سوچ کو نیگٹو نہیں ہونے دیا، جانتے کتنا ہیں آپ میرے اور اسید کے بارے میں؟“ وہ بول نہیں رہی تھی بلکہ آگ اگل رہی تھی، تیمور احمد کو جیسے کسی نے جلتے ہوئے الاؤ میں پھینک دیا تھا۔

”بس کرو حبا۔“ ان کا ہاتھ بے اختیار اٹھا اور حبا کے گال پہ نشان چھوڑ گیا۔

”سچ کو برداشت کرنا سیکھیں پاپا۔“ وہ گال پر ہاتھ رکھے بڑے زہریلے لہجے میں بولی تھی۔

”سچ؟ کون سا سچ؟ کیا رشتہ ہے تمہارا اس کے ساتھ؟“ وہ سختی سے اس کا بازو دبوچ کر بولے تھے، وہ بے ساختہ ہنس دی، بڑی تلخ ہنسی تھی اس کی۔

”بس..... ساری زندگی اسی دائرے میں چکراتے رہے گا، رشتہ..... رشتہ؟ کون سا رشتہ؟ کیسا رشتہ؟ بس اسی بھنور میں پھنسے رہیے گا۔“ وہ بڑی دل برداشتگی سے بولی تھی، تیمور چند لمحے اس سرخ آنکھوں سے گھورتے رہے پھر تیزی سے واپس مڑ گئے، حبا بھی ان کے پیچھے ہو لی، واپسی کے سارے رستے دونوں کے درمیان مزید کوئی بات نہیں ہوئی تھی، گاڑی گیٹ پہ روکتے ہوئے انہوں نے حبا کو مخاطب کیا تو لہجہ حد درجہ سرد اور قطعیت بھرا تھا۔

”آج سے تمہیں پڑھانے کے لئے ٹیچر آ رہی ہیں، تم تیار رہنا۔“ حبا خاموشی سے انہیں دیکھتی رہی البتہ اس کی آنکھوں سے شدید بے چینی عیاں تھی، پھر وہ کچھ بھی کہے بغیر دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔

☆☆☆

گھر میں کوئی بھی نہیں تھا، مرینہ کسی اپنی دوست کی طرف گئی ہوئیں تھیں جبکہ اسید کا کچھ پتا نہ تھا۔

وہ خاموشی سے چائے کا مگ لے کر لاؤنج میں آ بیٹھی، بے وجہ ایک سے دوسرا چینل بدلتے اس کا ذہن قطعی حاضر نہیں تھا، اسے تیمور کے اس اچانک فیصلے کی کوئی وجہ سمجھ نہیں آ رہی تھی، البتہ ایک امکان موجود تھا کہ وہ اس کے رزلٹ سے آگاہ ہو گئے ہوں مگر پتا نہیں کیوں اسے یہ امکان اتنا درست نہ لگ رہا تھا، رزلٹ تاحال اسے نہیں ملا تھا تو تیمور کو کیسے خبر ہو سکتی تھی، مگر اسے یہ یقین

ضرور تھا کہ اس کا رزلٹ بے حد خراب ہے، یہ بھی ممکن تھا کہ انہوں نے ویسے ہی کسی ٹیچر کو ہائر کر لیا ہو۔ یہی باتیں سوچتے اس کا ذہن اسید کی طرف چلا گیا، ایک درد کی لہر تھی جو جسم و جاں کو چھیدتی چلی گئی، وہ تو حبا سے یوں انجان بن گیا تھا جیسے جانتا ہی نہ ہو اور کوئی حبا سے پوچھتا جو دن رات اذیت کے انگاروں پہ لوٹ رہی تھی، یہ تو اس کا مصمم ارادہ کیا ہوا تھا کہ اسے ہر حال میں اسید سے اپنا رشتہ استوار کرنا تھا اب یہ رشتہ دوبارہ کیسے بنانا تھا یہ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی۔

وہ اسی مخمصے میں پڑی تھی، جب اس نے لاؤنج کا دروازہ کھول کر اسید کو اندر آتے دیکھا اس کا دل تیزی سے دھڑکا اور ہاتھ میں تھا مگ لرز گیا۔

''السلام علیکم ماما!'' وہ بلند آواز میں بولتا ہوا اندر آیا مگر حبا کو اکیلا بیٹھا دیکھ کر وہیں سے اپنے کمرے کی طرف مڑ گیا، اپنے نوٹس بیگ کو دائیں ہاتھ سے بائیں میں منتقل کرتے ہوئے وہ دروازہ کھول کر اپنے کمرے میں داخل ہو گیا، حبا پلکیں جھپکائے بنا اسے دیکھتی رہی، وہ اندر داخل ہو کر دروازہ بند کر چکا تھا۔

دل سلگتا ہے میرا سرد رویے سے تیرے
دیکھ اس برف نے کیا آگ لگا رکھی ہے

وہ ہر شخص سے یہ توقع کر سکتی تھی کہ وہ اسے دکھ پہنچا سکتا ہے یہاں تک کہ تیمور اور مرینہ سے بھی مگر اسید...... اسید سے اس نے کبھی یہ توقع نہ کی تھی، اسید تو وہ تھا جو اسے اتنی گہرائی سے جانتا تھا، وہ کیسے بھول گیا کہ وہ اس کی ناراضگی نہیں سہہ سکتی، وہ کیسے بھول گیا کہ وہ حبا تیمور ہے جو کبھی اس سے دور نہیں رہ سکتی، حبا کی حالت تو اس نشہ باز کی مانند تھی جس سے اس کا نشہ چھن گیا ہو اور اب اسی کی طرح اپنا وجود نوچنے پہ اتر آئی تھی۔

وہ بمشکل اٹھی، کچن میں جا کر اسید کے لئے چائے تیار کی، کھانا گرم کیا اور ٹرے سیٹ کر کے لے آئی، حسب عادت اس نے دروازہ ناک نہیں کیا تھا، سیدھا اندر جا کر اس کی نظر اسید سے ٹکرائی جو ابھی ابھی ہاتھ سے باہر آیا تھا، گیلے بال اور دھلا دھلایا چہرہ، حبا کی نظروں میں پیاس در آئی، اس نے بمشکل نظر چرائی اور ٹرے سائیڈ ٹیبل پہ رکھ دی، وہ اسے مکمل طور پر نظر انداز کیے بال بنانے میں مصروف ہو گیا۔

حبا خاموشی سے دیوار سے پشت ٹکائے اسے دیکھ رہی تھی، وہ اب جیل کی مدد سے بال سیٹ کر رہا تھا۔

''تمہیں کیا لگتا ہے اسید تم میرے ساتھ اس طرح کا بی ہیو کرو گے تو میں پیچھے ہٹ جاؤں گی؟ ہار مان لوں گی؟'' حبا کا لہجہ رو دینے والا تھا۔

اسید اس کو نوٹس کیے بغیر اپنے کام میں مصروف تھا یوں جیسے وہاں کوئی موجود ہی نہ ہو، بالوں کو بنانے کے بعد وہ ہاتھ دھونے چلا گیا، کچھ دیر بعد وہ واپس آیا اور بیڈ پہ پڑا اپنا والٹ اٹھا کر جیب میں ٹھونسنے لگا، پھر اس نے اِدھر اُدھر نظر دوڑائی جیسے کسی خاص چیز کی تلاش میں ہو، پھر اسے رائٹنگ ٹیبل پر اپنی مطلوبہ چیز نظر آ گئی، اس نے آگے بڑھ کر بلیک سن گلاسز اٹھا لیے، مطمئن ہو کر نظر دوبارہ کمرے میں دوڑائی، پھر تسلی سے باہر کی سمت چل دیا، حبا ہکا بکا سی اسے دیکھ رہی تھی، اس نے حبا کی لائی ہوئی ٹرے کو چھونا تو درکنار دیکھنا بھی گوارہ نہیں کیا تھا، اس کے باہر کی سمت جاتے قدم حبا کو دل پر پڑتے محسوس ہو رہے تھے۔

☆☆☆

شاہ بخت کی ایک فون کال نے مغل ہاؤس کی دیواریں ہلا دیں تھیں، احمد تایا، احمر چچا اور طارق چچا کی وقار کے ساتھ کمرہ بند میٹنگ ہوئی جو گھنٹوں تک جاری رہی مگر بے فائدہ، وہ سب ابھی بھی اس مسئلے کا حل ڈھونڈنے میں ناکام تھے، مسئلہ؟

''ایاز مغل، سبین کو چھوڑ رہا تھا۔''

رات کا کھانا بے حد خاموشی اور ٹینس ماحول میں کھایا گیا تھا، کھانے کے بعد تایا ابو نے ایک ایک کو سب کو اپنے کمرے میں طلب کر لیا، اب کی بار زیتون، نبیلہ چچی اور نیلم چچی کے ساتھ سبین بھی شامل تھیں، سبین تو اس غیر متوقع بلاوے پر ازحد حیران اور قدرے خوفزدہ تھی۔

''سبین بیٹا! ایاز نے تم سے کوئی بات کی؟'' تایا جان کا لہجہ نرم تھا۔

''کس سلسلے میں تایا جان؟'' وہ حیران تھی۔

''اس نے شاہ بخت سے کہا ہے کہ وہ طلاق دینا چاہتا ہے۔'' انہوں نے کھوجتی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے تلخی سے کہا، سبین کا رنگ واضح طور پر اڑ گیا، اس نے کپکپاتے لبوں سے کچھ کہنا چاہا پھر اس پر یہ خوفناک انکشاف ہوا کہ اس کے پاس اس بات کو رد کرنے کے لئے ایک بھی دلیل نہیں تھی، اس کا سر جھک گیا، احمد تایا نے اپنی جہاندیدہ اور پرسوچ نظروں سے اسے دیکھا، وہ کسی حد تک اس کا جواب جان گئے تھے۔

''سبین! بھائی جان آپ سے کچھ پوچھ رہے ہیں؟'' احمر چچا کا لہجہ سخت ہوا تھا، سبین کا سر اور جھک گیا۔

''سبین کیا یہ سچ ہے؟'' نبیلہ چچی بے چینی سے اس کے پاس بیٹھی پوچھ رہی تھی، ان کا دل خدشوں سے لرز رہا تھا۔

''میں کچھ پوچھ رہا ہوں تم سے؟ کیا تمہاری اس کے ساتھ سیٹل منٹ تھی کہ وہ تمہیں چھوڑ دے گا؟'' ان کا لہجہ بلند ہو گیا۔

سبین نے آنکھیں بند کر لیں اور اس کی بند آنکھوں سے آنسو گرنے لگے، طارق چچا نے طویل سانس لے کر حاضرین کو دیکھا۔

''وقار! ایاز کا نمبر ملاؤ۔'' انہوں نے تحکمانہ انداز میں کہا۔

وقار نے چونک کر انہیں دیکھا اور پھر اثبات میں سر ہلاتے ہوئے ایاز کا نمبر ڈائل کرنے لگا، بیل جا رہی تھی اس نے فون ملا کر اسپیکر آن کیا اور ٹیبل پہ رکھ دیا، کچھ دیر بعد کال اٹھا لی گئی۔

''ہیلو۔'' اس کی بڑی مصروف سی آواز آئی تھی۔

''کیسے ہو برخودار؟'' تایا جان ہنکارا بھر کر بولے، دوسری طرف چند ثانیوں کے لئے خاموشی رہی۔

''میں ٹھیک ہوں، آپ کیسے ہیں تایا جان؟'' بڑی معتدل سی آواز میں کہا گیا۔

''کرم ہے مالک کا۔''

''گھر میں سب کیسے ہیں؟'' وہ شاید فارمیلٹی پوری کر رہا تھا۔

''بھئی یہ بخت کے ساتھ تمہاری کیا بات ہوئی؟'' اب کی بار ان کا لہجہ کسی بھی قسم کی رعایت سے عاری تھا، دوسری طرف مہیب خاموشی چھا گئی، سبین کی ٹانگیں لرزنے لگیں۔

''اس کے ساتھ تو میری بہت سی باتیں ہوئی تھیں، آپ کون سی بات پوچھ رہے ہیں؟'' اس کے بے نیازانہ لہجے نے احمر چچا کو مشتعل کر دیا۔

''ہم تم سے سبین کی بات کے متعلق جاننا چاہ

رہے ہیں۔"

"اوہ...... تو اس کا مطلب ہے سبین نے آپ کو کچھ نہیں بتایا۔" وہ حیران سا کہہ رہا تھا، سبین کا دل چاہا وہ اٹھ کر بھاگ جائے، اس کی مٹھیاں بھینچ گئیں۔

"میں تم سے جاننا چاہتا ہوں۔" احمر چچا کا لہجہ سرد اور بے مہر تھا۔

"آل رائیٹ، بہت زیادہ کچھ نہیں ہے بتانے کو I just want separation (میں صرف علیحدگی چاہتا ہوں)۔" اس کا انداز بھی باپ جیسا تھا۔

"وجہ؟" وہ دھاڑے۔

"میں اسے پسند نہیں کرتا۔" وہ اسی طرح پر سکون تھا۔

"یہ بات تمہیں اب یاد آئی ہے؟" وہ بدستور بلند آواز میں بولے تھے جب وقار نے ان کے شانے پہ ہاتھ رکھ کر انہیں پرسکون کرنا چاہا۔

"نہیں مجھے پہلے بھی یاد تھی۔" وہ ترکی بہ ترکی بولا۔

"ایاز! تمہیں اندازہ ہے تم کیا کہہ رہے ہو؟ تم اس فیصلے کے نتائج جانتے ہو؟" اب کی بار وقار نے مداخلت کی تھی۔

"اوہ! تو آپ بھی موجود ہیں، مجھے سمجھ لینا چاہیے تھا کہ جب کال آپ کے نمبر سے آ رہی ہے تو ایسا کیونکر ممکن ہے کہ آپ موجود نہ ہوں۔" ایاز نے گہرا طنز کیا تھا، وقار کے لب بھینچ گئے۔

"دیکھو ایاز! تم جذباتی ہو رہے ہو، اتنی انتہا پر اترنے کی ضرورت نہیں ہے تم ٹھنڈے دماغ۔" وقار نے نرمی سے اسے سمجھانا چاہا، ایاز نے برہمی سے اس کی بات کاٹی۔

"ایکسکیوزمی! مجھے یہ بتائیں اگر یہی فیصلہ شاہ بخت کرتا تب آپ کیا کرتے؟" ایاز استہزائیہ اور نوکیلا تھا، کمرے میں موت کا تھا۔

"اس کا یہاں کیا سوال؟" وقار گیا۔

"میں آپ کو بتاتا ہوں آپ کیا کر آپ اس کی فیور میں زمین آسمان کے قلا دیتے۔" وہ چبا چبا کے بولا تھا۔

"حد سے مت بڑھو ایاز!" اس بار تایا بولے تھے۔

"میں حد سے نہیں بڑھ رہا تایا جان! صرف یہ بتانے کی کوشش کر رہا ہوں کہ انص کرنا سیکھیے۔"

"کون سی ناانصافی ہوئی ہے تمہا ساتھ؟" وہ بھڑک گئے۔

"یہ ناانصافی ہی تو ہے، سبین سے سے تو میں نے بھی انکار کیا تھا مگر میرے کسی نے اہمیت نہیں دی، اس کے برعکس بخت کی سب کو کتنی فکر ہے، کوئی اس سے نہیں پوچھتا کہ وہ رمشہ سے شادی کیوں چاہتا؟" وہ زہر خند لہجے میں بولا تھا، ایک کے لئے سناٹا چھا گیا، پھر احمر چچا بولے۔

"دیکھو ایاز بیٹا! مسئلے ایسے حل نہیں جاتے، تمہیں جو بھی اعتراضات ہیں وہ حل کیے لیتے ہیں، تعلقات بہت مشکل سے ہیں اور انہیں ٹوٹتے چند سیکنڈ سے زیادہ لگتے۔" ان کا لہجہ معتدل تھا شاید وہ جان کہ وہ ضد پہ اترا ہوا ہے، جس کی مہار ذرا کھینچ جاتی تو وہ وہیں اڑ جاتا جبھی وہ مار مارنا چاہتے تھے۔

"ایکسکیوزمی بابا جان! تعلق تو وہاں ہوتا ہے جہاں تعلق ہو، میرا سبین تعلق نہیں ہے۔" اس کے سفاک الفاظ نے سبین کے چہرے پہ زردی کھنڈ دی۔

"کیا کہنا چاہتے ہو؟" ان کی پیشانی شکن آلود ہو گئی۔

"آپ تو تجربہ کار اور جہاں دیدہ ہیں بابا جان، یہ صرف کاغذی شادی ہے۔" اس کا انداز تھا۔

سبین کو لگا اس کے پیروں تلے سے زمین سرک گئی ہو، اس نے ہراساں نظروں سے سب پر نظر دوڑائی جہاں پر کوئی ٹیبل پر پڑے سیل فون کو یوں گھور رہا تھا گویا وہ ایاز ہو۔

"کیا مطلب؟" تایا جان نے مداخلت کی تھی، ان کی آنکھیں سلگ اٹھی تھیں۔

"میرا سبین کے ساتھ کسی قسم کا ازدواجی تعلق نہیں ہے تایا جان۔" اس نے بم پھوڑا تھا۔

"اور آپ جیسے مذہبی انسان اتنا تو جانتے ہی ہوں گے کہ جس لڑکی کے ساتھ کوئی تعلق نہ بنایا گیا ہو اس پر تو طلاق کی عدت بھی عائد نہیں کی جاسکتی۔" وہ کہہ رہا تھا اور سبین کو لگ رہا تھا کہ صور پھونکا جا رہا ہو، سب کی نظریں اب اس پر مرکوز ہو گئی تھیں، چبھتی ہوئی حیران اور ترحم بھری نظریں، سبین کو لگ رہا تھا کسی نے بھرے مجمع میں اس کے سر سے چادر کھینچ لی ہو، اس کا دل چاہا وہ وہاں سے غائب ہو جائے۔

"ایاز! تم...... تم...... کیا......؟" تایا جان دکھ، صدمے اور حیرت سے بات ہی مکمل نہ کر پائے تھے۔

"میں نے کسی قسم کی غلط بیانی نہیں کی، آج بات کھل گئی ہے تو میں اس مسئلے کو ختم کر دینا چاہتا ہوں، میں سبین کو طلاق دینا چاہتا ہوں۔" اس کا انداز پرسکون اور فیصلہ کن تھا۔

"تم ایسا نہیں کرو گے۔" احمر چچا نے تیزی سے کہا۔

"میں ایسا ہی کروں گا۔" وہ بھی دوبدو بولا تھا۔

"میں تمہیں عاق کر دوں گا، ساری زندگی شکل نہیں دیکھوں گا تمہاری۔" وہ طیش سے چلا اٹھے تھے۔

"بصد شوق۔" وہ طنزیہ ہنسا۔

"میں تو آتے ہوئے یہ مسئلہ حل کر کے آنا چاہتا تو مگر یہ سبین کی ہی ریکوئسٹ تھی کہ میں چند ماہ رک جاؤں، ورنہ یہ فیصلہ تو کب کا ہو چکا ہوتا، تب میں نے یہ سوچا کہ شاید وہ اپنے لئے راہ ہموار کرنا چاہتی ہو، آپ سب کو ذہنی طور پر تیار کرنا چاہتی ہو مگر مجھے تو اب یہ سمجھ آئی ہے کہ وہ بے وقوف کبوتر کی طرح آنکھیں بند کرنا چاہتی تھی، خیر ابھی اتنی بھی دیر نہیں ہوئی اور بے فکر رہیے آپ سب لوگ، میرے پیروں میں رشتوں کی زنجیریں اتنی مضبوط نہیں ہیں جو میری اڑان کے راستے میں رکاوٹ ثابت ہو سکیں۔" وہ بولتا چلا گیا، سبین جو اب تک سانس روکے بیٹھی تھی یکدم ہوش میں آ گئی۔

"خدا کے لئے ایاز! ایسا مت کریں، خدا کے لئے۔" وہ التجائیہ انداز میں کہتی رونے لگی، دوسری طرف وہ چند لمحوں کے لئے خاموش رہ گیا، شاید اسے توقع نہیں تھی کہ وہ بھی یہاں موجود ہو گی۔

"سبین! لیٹ می ٹیل تم اور میں دو مختلف دنیا کے لوگ ہیں، ہمارے مزاج الگ ہیں اور منزلیں جدا، ہم ایک نہیں ہو سکتے اور سنو، میرے فیصلے میں قطعی کوئی گنجائش نہیں ہے۔" وہ پھر سے سرد اور بے مہر ہو چکا تھا۔

"میں پیپرز تیار کروا چکا ہوں، چند دنوں بعد تمہیں مل جائیں گے۔" کھٹاک سے فون بند

ہوا اور اس کے ساتھ ہی سبین کا دل بھی کمرے میں خنکی یکدم بڑھ گئی تھی، حالانکہ موسم ابھی گرم تھا، اس کی ٹانگیں لرز رہی تھیں اور ہاتھ پیر ٹھنڈے ہو رہے تھے، اس نے اپنی جگہ سے اٹھنا چاہا مگر ٹانگوں نے ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔

''تو بالآخر آج فیصلہ ہو گیا سبین احتشام! آج تم اپنے U topia (خیالی دنیا) سے باہر آ گئیں، آج تمہیں سمجھ آ گئی کہ لوگوں سے رحم کی بھیک مانگنے والا رب کی بارگاہ میں ناکام قرار پاتا ہے، تم خاکی پتلوں میں خدائی وصف ڈھونڈ تی رہی سبین احتشام اور آج رب نے تمہیں اپنے پتلوں کے آگے ذلیل کر دیا۔'' یہ کوڑے مارتی آواز پتا نہیں کہاں سے اٹھ رہی تھی، اس کی آنکھوں کے گرد چھائی تاریکی گہری ہونے لگی۔

کمرے سے اٹھتی آوازیں اب معدوم ہو کر مکھیوں کی بھنبھناہٹوں میں بدل رہی تھیں۔

''کاش وہ اب کبھی نہ جاگے۔'' حواس کھوتے ہوئے اس نے آخری الفاظ سوچے تھے۔

☆☆☆

ریسٹورنٹ میں ڈنر کرتے ہوئے نوفل نے اپنے سامنے بیٹھی اس اپسرا کو دیکھا جس کے حسن میں کوئی کمی نہیں تھی، وہ اپنے لمبے بالوں کو اونچے سے جوڑے کی شکل میں سمیٹے ہوئے تھی اور خلاف معمول آج ایک خوبصورت پنک کلر کے ایوننگ گاؤن میں ملبوس تھی، ڈانسنگ فلور پر ایک خوبصورت تھائی دھن بج رہی تھی اور فلور پر موجود رقاصائیں روانی تھائی ملبوسات میں ملبوس تھیں جو کہ انہیں سر سے لے کر پیر تک کور کیے ہوئے تھے صرف ان کے ہاتھ اور چہرے کھلے ہوئے تھے۔

''مجھے یہ دھن بہت پسند ہے۔'' وہ ہاتھ میں مشروب کا گلاس تھامے ہلکے ہلکے سپ لے رہی تھی، نوفل نے صرف مسکرانے پر اکتفا کیا۔

''میں کچھ کرنا چاہتی ہوں۔'' وہ ... سی ہو رہی تھی، اس کے موی ہاتھوں کی ... میں گلاس پریشان نظر آتا تھا۔

''کیا؟'' نوفل نے حیرانی سے کہا۔

''رقص۔'' اس نے کہتے ہوئے گلاس ... پر رکھ دیا، نوفل الجھی ہوئی نظروں سے اسے ... رہا۔

وہ اپنی نشست سے کھڑی ہو گئی اور ... کے قدم ڈانسنگ فلور کی طرف بڑھنے لگے ... کی آنکھوں میں بے یقینی اور حیرت در آئی ... وہ انہی کی طرح رقص میں محو تھی اور یہ بتانا ... مشکل نہیں تھا کہ وہ ان پیشہ ور رقاصاؤں سے ... گنا اچھا پرفارم کر رہی تھی، نوفل نے ہاتھ میں ... فورک ٹیبل پہ رکھ دیا ورنہ ابھی وہ تھائی سوپ ... پینا چاہتا تھا، اب وہ یک ٹک شائی وانگ کو ... رہا تھا جس کے قدم زمین پہ ٹکتے ہوئے محسوس ... ہوتے تھے بلکہ یوں لگ رہا تھا وہ ہوا میں تیر ... ہو، رقص میں اس کی مہارت قابل دید تھی ... میں بیٹھے بہت سے دوسرے لوگوں کی طرح ... نوفل بھی خود کو تالیاں بجانے پر مجبور پا تا تھا ... دیر بعد دھن رک گئی، رقص ختم ہو گیا اور اس ... ساتھ ہی رقاصائیوں نے جھک کر بو (سینے ... ہاتھ رکھ کر تعظیماً جھکنا) کیا اور بیک اسٹیج کی طرف ... جانے لگیں، جبکہ شائی وانگ ٹیبل کی طرف ... آئی، نوفل کے سامنے بیٹھتے ہوئے اس نے نوفل ... کی آنکھوں میں جمی حیرت کو خاصا محظوظ ہونے ... والی نگاہ سے دیکھا تھا۔

''تمہیں اچھا نہیں لگا؟'' اس نے مسکراہٹ ... دباتے ہوئے پوچھا۔

''شاندار! وہ حیرت انگیز تھا، تم نے ... کیا؟'' نوفل نے کہا۔

''میں نے سیکھا تھا۔'' اس کی نگاہوں میں گئے دنوں کا غبار اُمڈ آیا۔

''اوہ، تم نے کبھی بتایا ہی نہیں۔'' نوفل کا انداز شکوہ بھرا تھا، وہ ہونٹ بھینچے اسے دیکھتی رہی۔

''بتانے کو تو بہت کچھ ہے نوفل، کبھی موقع ہی نہیں ملا اور حقیقت تو یہ ہے کہ تم نے کریدنے کی کوشش بھی نہیں کی۔'' وہ بھی اسی کے انداز سے بولی تھی۔

''میں کسی کی ذاتیات میں دلچسپی نہیں رکھتا، جب تم نے خود سے نہیں بتایا تو میں نے بھی مناسب نہیں سمجھا کہ کریدوں۔'' اس کا انداز دو ٹوک تھا۔

''بتانے کے لئے یہ جگہ مناسب نہیں، گھر چلیں؟'' وہ بولی۔

''اوہ، ہاں کیوں نہیں۔'' وہ بھی اٹھ گیا، بل پے کرنے کے بعد وہ دونوں پارکنگ میں کھڑی اپنی گاڑی کی سمت آ گئے، واپسی کا سفر خاموشی سے کٹا تھا، وہ گھر آنے کے بعد چینج کرنے چلا گیا جبکہ شائی وانگ کافی بنانے کچن میں گھس گئی، کچھ دیر بعد وہ مگ ٹرے میں رکھے نوفل کے کمرے میں چلی آئی جو کہ حسب معمول مصروف تھا۔

''نوفل! بس کرو، تم تو اپنا آفس ہی گھر میں اٹھا لاتے ہو۔'' اس کے انداز میں محبت بھرا شکوہ تھا، نوفل نے مسکرا کر اسے دیکھا اور لیپ ٹاپ کی ایل سی ڈی گرانے لگا، اس نے ٹرے ٹیبل پر رکھ دیا اور خود فلور کشن پر ایزی انداز میں بیٹھ گئی، نوفل بھی اس کے سامنے آ کر بیٹھ گیا، کافی کا مگ اٹھاتے ہوئے اس کی نظر شائی وانگ پر پڑی اور اس کا دل جیسے دھڑکنا بھول گیا، وہ بیک پر پڑے صوفہ پہ کہنی ٹکائے کشن کے سہارے قدرے ترچھی ہو کر بیٹھی تھی وہ ابھی تک اسی پنک گاؤن میں ملبوس تھی۔

''تم چینج کر لو۔'' اس نے عام سے انداز میں کہا۔

''کیوں؟ میں اس ڈریس میں ایزی ہوں۔'' وہ حیرت سے بولی۔

''مگر میں ایزی نہیں ہوں۔'' اس نے مسکراتے ہوئے دو ٹوک انداز میں کہا۔

''اوہ۔'' وہ متغیر چہرے کے ساتھ ایک جھٹکے سے اٹھی اور تیز تیز قدم اٹھاتی باہر نکل گئی، کچھ دیر بعد وہ واپس آئی تو سفید ٹراؤزر اور نیلی ٹی شرٹ میں ملبوس تھی، اسے دیکھ کر نوفل کے حلق سے اطمینان بھرا سانس نکل گیا۔

☆☆☆

اسی شام ٹیچر نائلہ آئیں تھیں، وہ حبا سے غائبانہ متعارف تھیں اور اس کی غیر معمولی ذہانت سے متاثر تھی، مگر حبا نے ان کی امیدوں کو خاک میں ملا دیا تھا۔

ایک گھنٹے کے دوران اس نے ان کا دماغ کھپا دیا تھا، وہ دل ہی دل میں بے حد حیران تھیں کہ اس تل اور خرد دماغ لڑکی نے کیسے ٹاپ کیا تھا، وہ اسے چھوٹا سا فقرہ بھی تین سے چار بار سمجھاتیں اور جواباً وہ بڑی معصومیت سے انکار میں سر ہلا کر سمجھ میں نہ آنے کا اشارہ کرتی ان کے صبر کا امتحان لے جاتی، آخر میں وہ اچھا خاصا جھنجھلا چکی تھیں، یا تو وہ بے وقوف تھیں جنہیں دس سالہ تدریسی تجربے کے باوجود ایسی جینئس اور کسی حد تک آؤٹ سٹینڈنگ بچی کو پڑھانا نہیں آیا تھا یا پھر وہ انہیں بے وقوف بنا رہی تھی، دوسرا خیال انہیں زیادہ مضبوط اور ٹھیک لگا تھا، اسی شام تیمور لوٹے تو وہ انہیں رپورٹ دینے کے لئے بالکل تیار تھیں۔

''آئی ایم سوری مسٹر تیمور! میں حبا کو نہیں پڑھا سکتی۔'' ان کا لہجہ دوٹوک اور تھکا تھکا سا تھا۔

''مس نائلہ آخر ایسی کیا بات ہے؟ کیا حبا نے آپ سے کچھ کہا ہے؟'' وہ ہکا بکا سے پوچھ رہا تھے۔

''اس نے زبان سے کچھ نہیں کہا بلکہ سب کچھ اس کا بی ہیویر کہہ رہا ہے، وہ بالکل آمادہ نہیں ہے پڑھنے پر۔''

''آپ کیا کہنا چاہ رہی ہیں؟'' ان کے ماتھے پہ شکن آ گئی۔

''آپ نے مجھے بتایا تھا کہ کسی وجہ سے آپ نے اس کا پچھلا ٹیوٹر فارغ کر دیا ہے، تو میرے خیال سے یہ وہی Obssesion ہے وہ مینٹلی اسی کے ساتھ سیٹ ہے، بہت مشکل ہے کہ وہ کسی اور سے مطمئن ہو یا ایڈجسٹ کر پائے۔'' وہ صاف گوئی سے بولی تھیں۔

''پلیز مس نائلہ اگر آپ کوشش کریں تو؟''

وہ قدرے دھیمے انداز میں بولے تھے۔

''اگر مجھے لگتا کہ میں کر پاؤں گی تو میں ضرور کرتی مگر سچ یہی ہے کہ وہ بری طرح ڈسٹرب ہے اور جبھی وہ ایسی حرکتیں کر رہی ہے میرا مشورہ آپ کو یہ ہی ہے کہ آپ اس کے پرانے ٹیوٹر کو ہی واپس لے آئیے۔'' وہ حتمی لہجے میں بولتی ہوئی اٹھ گئیں، جبکہ تیمور احمد جامد سے وہیں بیٹھے رہ گئے۔

☆☆☆

وہ دونوں اس وقت Pizza hut کے ٹاپ فلور پر موجود تھے، جس جگہ وہ بیٹھے تھے وہاں نسبتاً تاریکی تھی، طلال نے گہری نظر سے شاہ بخت کو دیکھا، ہلکے سے اندھیرے میں اس کے تاثرات قدرے ناقابل فہم تھے۔

''نیکسٹ منتھ کیا کر رہے ہو تم؟'' طلال نے کہا۔

''پتا نہیں، میں نے کچھ پلان نہیں کیا ایگزامز کے بعد مجھے کیا کرنا ہے؟'' وہ ...شانے جھٹک کر بولا، طلال کی آنکھوں میں چمک آ گئی۔

''نیکسٹ منتھ کے تھرڈ ویک میں نیو یارک میں ''Fashion in'' کا فیشن ویک سٹارٹ ہو رہا ہے۔''

''تو......؟'' بخت نے بھنویں اچکائیں۔

''انٹرنیشنل ٹیلنٹ کے لئے میرے ماڈلز سلیکشن بھی کی گئی ہے۔'' طلال نے بتایا۔

''اوہ...... گریٹ۔'' بخت قدرے چونکا۔

''لیکن فائنل مجھے صرف دو کو کرنا تھا۔''

''ہوں پھر......؟''

''میں نے تمہارا نام بھیج دیا ہے۔'' طلال نے سکون سے دھماکہ کیا، شاہ بخت کا...

''مجھ سے پوچھے بغیر؟'' اس کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

''میں پوچھنا چاہتا تھا مگر تمہارا سیل نمبر سے، مس پلیس ہو گیا تھا۔'' وہ مطمئن لہجے میں بولا۔

''اور گھر کا ایڈریس؟ مجھے یاد ہے میں نے تمہیں دونوں ایک ہی کارڈ پر درج شدہ دیئے تھے۔'' اس نے طلال کو گھورتے ہوئے طنز کیا، طلال شرمندہ ہوئے بغیر ہنس دیا۔

''سچ تو یہ ہے کہ میں تم سے پوچھنا نہیں...

''مصب! لسن ٹومی...... جسٹ اسٹاپ اٹ...... مصعب!'' اس نے اسے پارکنگ میں جا لیا۔

''جسٹ لیو می۔'' طلال نے تیزی سے بازو چھڑا لیا۔

رہا تھا، مجھے لگا کہ تم منع کر دو گے۔" وہ سچائی سے بولا۔

"مجھے ایک بار پوچھ لینا چاہیے تھا تمہیں معصب! میں نیویارک نہیں جا سکتا۔" وہ قطعیت سے بولا، انداز میں ناگواری تھی، طلال بری طرح چونکا۔

"کیوں...... لیکن کیوں؟" وہ بلند آواز سے بولا، شاہ بخت کے چہرے پر ناگواری آ گئی، وہ طلال کو نہیں بتا سکتا تھا کہ وہاں اس کی کمزوری شاہنواز تھا۔

"تم پرسنل چُج نہیں کرو گے۔" بخت نے سرد مہری سے کہا اس کی آنکھیں جیسے آنچ دینے لگی تھیں۔

"آف کورس کروں گا۔" طلال نے زور سے میز پر ہاتھ مارا، اردگرد بیٹھے افراد تیزی سے متوجہ ہوئے تھے۔

"معصب!" شاہ بخت غرا اٹھا۔

"کیپ یور لمٹس۔" طلال کا چہرہ تذلیل کے احساس سے سرخ پڑ گیا، اس نے جیب سے چند نوٹ نکالے اور ٹیبل پر پھینکے، پھر مزید کچھ کہے بغیر زوردار آواز کے ساتھ چیئر دھکیلتا باہر کی سمیت لپکا، اس کے لب بھینچے ہوئے تھے اور چہرہ سرخ انگارہ ہو رہا تھا۔

شاہ بخت بھی اس کے پیچھے لپکا اور دونوں کا آرڈر کیا گیا پزا وہیں رکھا رہ گیا جس پر اس وقت معصب کے پھینکے نوٹ بل کے طور پر جھلملا رہے تھے۔

"میری بات تو سنو۔" وہ جھلا گیا۔

"تم مجھے "کیا" سمجھتے ہو شاہ بخت!"

"Would you like to tell me? کس لہجے میں تم نے مجھ سے بات کی؟ تم جانتے ہو؟" طلال دھاڑا تھا۔

شاہ بخت لمحوں میں ٹھنڈا پڑ گیا، اسے شدت سے اپنے لہجے کی بدصورتی کا احساس ہوا۔

"اوکے سوری اب چلو۔" شاہ بخت نے اسے واپس کھینچا۔

"میں نہیں جاؤں گا۔" طلال بدستور خفا خفا لہجے میں کہتا اپنی جگہ جما رہا۔

"اوکے۔" اس نے اسے کار کی طرف دھکیلا اور دروازہ کھول کر اندر بیٹھا دیا، پھر خود ڈرائیونگ سیٹ پر آ گیا۔

"بالکل بچوں کی طرح بی ہیو کر رہے ہو تم۔" بخت نے طنز کیا۔

"اور جو تم نے کہا اس کا کیا؟" طلال جیسے پھٹ پڑا۔

"وہاں بیٹھے لوگ متوجہ ہو رہے تھے۔" شاہ بخت بھی جیسے جھلا گیا تھا۔

"تو کیوں ہو رہے تھے؟ کیا کنسرن ہے ان کا؟" طلال نے مزید کہا۔

"تم سمجھ نہیں رہے ہو، یہاں سب کو دوسروں سے دلچسپی ہوتی ہے، یہ تمہارا دوبئی نہیں ہے معصب!" وہ جیسے پچکارتا ہوا بولا تھا، طلال نے غصے سے سر جھٹکا۔

"اچھا، جناب پھر سے سوری، اب خوش؟" بخت غصے سے بولا۔

طلال کے موڈ میں کوئی تبدیلی نہیں آئی، شاہ بخت نے گاڑی ایک پارک کے سامنے روک دی، طلال کا باہر نکلنے کا موڈ دکھائی نہیں دیتا تھا، چند لمحوں کی خاموشی کے بعد شاہ بخت نے اسے مخاطب کیا۔

"کیا جاننا چاہتے ہو تم؟"

"وہ سب کچھ جو تم چھپا رہے ہو۔" طلال نے خفگی سے کہا۔

"نہیں ایسا کچھ نہیں ہے۔"

''اعتبار کرتے ہوئے ڈر رہے ہو؟'' طلال کا لہجہ تیکھا ہوا تھا۔

شاہ بخت نے تڑپ کر اسے دیکھا اور لب بھینچ لئے، ''ہاں'' دو ٹوک انداز تھا، اب کی بار طلال بس اپنا ضبط آزما کر رہ گیا۔

''میں تمہیں یقین دلاتا ہوں بخت! کہ میں ایک برا انسان ضرور ہوں مگر ایک اچھا دوست بھی ہوں۔'' وہ یاسیت سے بولا تھا۔

شاہ بخت چند لمحے اسے دیکھتا رہا پھر طویل سانس لے کر اپنا سر اسٹیرنگ پر رکھ دیا۔

''میں بہت خود پرست انسان ہوں معصب! میں نے کبھی کسی کو اس بات کی اجازت نہیں دی کہ وہ میری ذاتیات میں مداخلت مس کرے، مغل ہاؤس میں اب تک کوئی یہ نہیں جان سکا کہ آخر کون سی بات نے مجھے اتنا ڈپریس کر دیا تھا جو میرے ہاسپٹلائز ہونے کی وجہ بنی، سچ یہ ہے کہ میں اپنا آپ بہت چھپا کر رکھتا ہوں، اتنا زیادہ کہ کسی کو قطعاً اجازت نہیں دے سکتا کہ وہ مجھے میری اجازت کے بغیر جان لے، مگر تم...... طلال بن معصب تم میں کچھ ہے، کچھ ایسا کہ میں اپنا آپ تمہیں سونپتے ہوئے ہچکچا نہیں رہا اور یہ چیز ہی مجھے پریشان کرتی ہے، میں اپنے اور تمہارے درمیان وہ Missing link ڈھونڈنا چاہتا ہوں، جو مجھے اکسا رہا ہے کہ میں تمہیں وہ سب کہہ دوں، وہ سب جو میرے اندر ہی اندر مجھے جلاتا ہے، مجھے مارے دے رہا ہے، مجھے لگتا ہے معصب، میں آہستہ آہستہ ختم ہو رہا ہوں، زندگی میرے وجود سے قطرہ قطرہ بہتی جا رہی ہے (Slowly and steadly go to death)۔'' وہ اسٹیرنگ پر سر رکھے بول رہا تھا، لہجہ کرب سے پھٹ رہا تھا، آواز شدت غم سے بتدریج دھیمی ہوتی گئی، فضا میں کتنے نوحے گونج اٹھے تھے، ایک ماتمی سوگواری ماحول میں رچ گئی تھی۔

معصب یک ٹک اسے دیکھ رہا تھا، پھر اس نے آہستگی سے ہاتھ آگے بڑھایا اور شاہ بخت کو شانوں سے تھام لیا، گاڑی کی اندرونی لائٹ جل رہی تھی اور اس روشنی میں شاہ بخت کی شہد رنگ جھیلوں میں اترتی سرخیاں چھپی نہیں رہی تھیں۔

''ایسا کیا ہے بخت! بتا دو مجھے، سب کچھ، وہ سب جو تمہیں پریشان کر رہا ہے، وہ سب جو تمہیں اتنا تکلیف دیتا ہے، بتا دو مجھے، یقین رکھو مجھ پر، معصب کبھی تمہیں، تمہارے اعتبار کو نہیں توڑے گا، تمہارے یقین کو ٹھیس نہیں پہنچائے گا، اعتماد کرو مجھ پر۔'' معصب کے لہجے میں سچائی تھی، شاہ بخت خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔

☆☆☆

نوفل ناشتے کی میز پر آیا تو ذہن سے رات کا واقعہ اور شائی وانگ یکسر محو ہو چکی تھی، بہت اطمینان سے اس ناشتہ کرنا شروع کیا جب ملازمہ کی آواز نے اسے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔

''سر! میم ناشتہ نہیں کریں گی؟'' اور وہ جو لفظ ''میم'' پر حیران ہوا تھا یکلخت ذہن میں اسپارکنگ سی ہوئی اور اس کے ساتھ ہی شائی وانگ کا نام چمکا تھا، اس نے ایک طویل سانس لی۔

''ہاں تم اسے بلا لاؤ۔'' وہ کہہ کر پھر سے ناشتے میں مشغول ہو گیا، کچھ دیر بعد وہ ملازمہ کے ساتھ آ گئی، سلیپنگ سوٹ میں ملبوس، اپنے لمبے بالوں کو جوڑے کی شکل میں سمیٹے، سوجی ہوئی متورم آنکھوں کے ساتھ وہ بے حد دلکش لگ رہی تھی، نوفل کچھ پل کے لئے اس پر سے نظر نہیں ہٹا سکا، اس لڑکی میں کچھ تو خاص تھا۔

''ہائے گڈ مارننگ۔'' نوفل نے رسما کہا اور اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''مارننگ۔'' وہ اس کے مقابل چیئر گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔

''ناشتہ کرو گی؟'' نوفل نے پوچھا۔

اس نے صرف سر ہلانے پر اکتفا کیا، ملازمہ اس کے سامنے ناشتہ لگانے لگی، ناشتہ کرتے ہوئے نوفل بڑے اطمینان سے اس کا جائزہ لے رہا تھا، وہ رات کی نسبت اب پرسکون لگ رہی تھی اور کچھ مطمئن بھی۔

''یہ تمہارا گھر ہے؟'' شائی وانگ نے پوچھا۔

''ہاں کیوں؟'' نوفل اس کے سوال پر قدرے حیران ہوا تھا۔

''مطلب میں یہاں کچھ دن ٹھہر سکتی ہوں ناں؟'' وہ مضطرب لہجے میں پوچھ رہی تھی۔

''ہاں تم ٹھہر سکتی ہو۔'' نوفل نے شانے اچکا کر قدرے لاپرواہی سے کہا۔

''تمہارا نام......؟'' وہ کچھ ہچکچا گئی۔

''نوفل صدیق۔'' وہ تیز تیز چائے کے گھونٹ بھرتا بولا۔

''مسلم...... مسلم۔'' وہ بے طرح چونکی، اٹک کر بولی تھی۔

''آف کورس۔'' وہ شانے جھٹک کر کپ رکھتا اٹھ کھڑا ہوا۔

''تم کیا اسی ڈریس میں رہو گی، یوں کرو اگر مارکیٹ جانے کا موڈ ہو تو اپنے لئے کچھ ڈریسز خرید لینا، ورنہ کسی سرونٹ کو بھیج کر منگوا لینا، بائے۔'' وہ عجلت میں والٹ نکال کر ڈھیر سارے نوٹ ٹیبل پر رکھتا تیزی سے مڑ گیا۔

وہ ساکت سی بیٹھی اپنی زندگی میں آنے والے اس منفرد نوعیت کے انسان کو سوچ رہی تھی جس نے رات سے لے کر اب تک اسے بس حیران ہی کیا تھا، سب سے پہلے یوں بنا کچھ سوچے سمجھے اسے اپنی گاڑی میں بیٹھا لیا پھر اپنے گھر لے آیا اور یہاں آنے کے بعد بھی اس کا رویہ نہایت بہترین تھا، اس نے شائی وانگ کے ماضی کو کریدنے کی کوشش نہیں کی تھی اور نہ ہی اس سے اس مدد کا کوئی ''معاوضہ'' مانگا تھا بلکہ اپنے بہترین کردار کا ثبوت اسے علیحدہ کمرے میں ٹھہرا کر دیا تھا اور اب یوں اتنے روپے اسے شاپنگ کے نام پر دے گیا تھا۔

وہ گم صم سی بیٹھی اپنے سامنے پڑے روپوں کو دیکھ رہی تھی جب ملازمہ کی آواز نے اسے چونکا دیا، وہ ناشتہ کی طرف متوجہ ہو گئی۔

''بندہ تو اچھا ہے۔'' چائے کے گھونٹ بھرتے ہوئے اس نے سوچا تھا۔

☆☆☆

اسید گھر واپس آ چکا تھا، ناشتہ کے لئے جب مرینہ اسے جگانے آئیں تو وہ اوندھا لیٹا سارے جہان سے بے خبر تھا، انہوں نے اسے اتنی گہری نیند سوتے دیکھا تو ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں سمجھا اور خاموشی سے دروازہ بند کر کے واپس آ گئیں، خلاف معمول حیا آج یونیفارم میں ملبوس کالج جانے کے لئے تیار، ناشتے کی ٹیبل پر موجود تھی، اسے دیکھ کر ان کے حلق سے ایک اطمینان بھرا سانس خارج ہوا تھا، لازماً اسید نے رات کو اسے منا لیا تھا، انہوں نے مسرور ہوتے ہوئے سوچا۔

''میری بیٹی کا دل مان گیا کالج جانے کو۔'' انہوں نے مسکراتے ہوئے پیار سے اس کا گال چوما، حیا نے نہال ہوتے ہوئے بازو ان کے گلے

میں ڈال دیئے۔

''آف کورس ماما۔''

''ناشتہ کس چیز کا کرنا ہے؟'' انہوں نے اس کے بال سنوارے۔

''دودھ اور بوائل ایگ۔'' وہ ناز سے فرمائش کر رہی تھی۔

''اوکے جانو! ماما ابھی آپ کا فیورٹ بریک فاسٹ لاتی ہیں۔'' وہ مسکراتی ہوئی کچن کی طرف مڑ گئیں، کچن کا کام وہ خود ہی کیا کرتی تھیں۔

حبا خاموشی سے چیئر پر بیٹھی پاؤں جھلاتی رہی، ایسا نہیں تھا کہ رات اسید کے ساتھ اس بدتمیزی کے بعد وہ پرسکون تھی، اس کے کمرے سے جانے کے فوراً بعد اسے اپنی بدتمیزی اور بد تہذیبی کا اندازہ ہو گیا تھا مگر اس وقت کیا ہو سکتا تھا کہ تیر کمان سے نکل چکا تھا، مگر اسے یقین تھا کہ وہ اسید کو منا لے گی، وہ اس سے ناراض نہیں ہو سکتا تھا، وہ یہی سوچ کر مطمئن بیٹھی تھی، اسے اسید کا انتظار تھا، کچھ دیر بعد وہ فریش سا بلو جینز اور وائٹ شرٹ میں ملبوس ہاتھ میں کوئی بک تھامے ناشتے کی میز پر آ گیا، اس نے نظر اٹھا کر حبا کی طرف نہیں دیکھا بلکہ خاموشی سے چیئر پر براجمان ہو کر بک کھول لی اور ساتھ ہی پنسل سے کچھ انڈر لائن کرنے لگا۔

حبا جو مسلسل اسے نگاہوں کی گرفت میں لئے ہوئے تھی، بے اختیار مسکرا دی، کیا شان بے نیازی تھی، اس نے سوچا، مگر دل اس پر بھی آمادہ تھا کہ وہ دل کے نزدیک ہی اتنے تھا، اس کا دل چاہا وہ اسید کے سلیقے سے جمے گیلے بال بکھیر کر رکھ دے، بے اختیار وہ گنگنانے لگی۔

ساڈی زندگی وچ خاص تیری تھاں
سوچیں نہ تینوں دلوں کڈھنا

اسید کا چلتا ہاتھ لمحہ بھر کو رک گیا۔

ماہی ماہی دل میرا کیندا رہندا اے
ماہی وے ماہی وے
لئے ڈر دے نہ کدی تیرا ناں
تے حق وی جتونا چھڈنا

اس کی آواز پوری نغمگی اور خوبصورتی سے اسید کی سماعتوں میں منتقل ہو رہی تھی، ڈسٹربنس مسلسل تھی، اسید کو سامنے موجود کتاب کے الفاظ غائب ہوتے دکھائی دینے لگے، لب بھینچتے ہوئے اس نے کتاب بند کر دی اور اس سے پہلے کہ وہ اٹھ کر چلا جاتا، مرینہ وہاں چلی آئیں۔

''ارے اسید! تم اٹھ گئے؟'' وہ حیران ہوئیں، وہ بنا جواب دیئے چیئر دھکیل کر اٹھ کھڑا ہوا۔

''ماما! اسید کو کیا ہوا ہے؟ یہ مجھ سے بات کیوں نہیں کر رہا؟'' حبا نے مرینہ کو بیچ میں گھسیٹا۔

اسید نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا، اس کی آنکھوں میں ہلکا سا گلابی پن تھا اور حبا کے لئے اتنی نفرت اتنی برودت تھی کہ حبا کا سانس رک سا گیا، ریڑھ کی ہڈی میں ایک سرد لہر دوڑ گئی تھی۔

وہ تیزی سے مڑا اور لاؤنج کے صوفے پر پڑا اپنا بیگ اٹھا کر شانوں پر ڈالنے لگا، مرینہ حیران سی تھیں۔

''اسید! کیا بات ہے؟ ناشتہ نہیں کرنا؟'' انہوں نے پوچھا۔

''موڈ نہیں ہے۔'' اس کے لہجے میں کچھ ایسا تھا کہ مرینہ چونک گئیں وہ اب بیرونی دروازے کی طرف جا رہا تھا۔

انہوں نے حبا کو دیکھا جس کا رنگ پھیکا پڑ چکا تھا، وہ ٹھنک سی گئیں۔

''کیا بات ہے حبا؟ کوئی جھگڑا ہوا ہے تم دونوں کے بیچ؟'' وہ کچھ سختی سے باز پرس کر رہی تھیں، حبا بے اختیار ان کے شانے پر سر رکھ رونے لگی۔

''مجھے نہیں پتا ماما! خود ہی ناراض ہے، دیکھا آپ نے کیسے گیا ہے ناراض ہو کر اور...... اور دیکھ کیسے رہا تھا؟ اتنے برے انداز میں جیسے آنکھوں سے قتل کر دینا چاہتا ہو، مجھے نہیں پتا آپ اس سے پوچھیں، اس سے کہیں مجھ سے بات کرے، اس سے کہیں نا ماما۔'' وہ مچل مچل کر رو رہی تھی، آفس جانے کے لئے تیار اندر آتے تیمور کے کانوں میں اس کے آخری چند جملے پڑے تھے، وہ لب بھینچتے ہوئے تیزی سے آگے بڑھ آئے۔

''کیا بات ہے حبا؟ کیوں رو رہی ہو تم؟'' ان کا لہجہ خشونت بھرا تھا، حبا کے رونے میں اور شدت آئی، مگر وہ مرینہ کے شانے سے سر اٹھا کر سیدھی ہو گئی۔

''اسید مجھ سے ناراض ہے پاپا، وہ مجھ سے بات نہیں کر رہا، وہ مجھ سے خفا ہے اور یہ سب آپ کی وجہ سے ہے پاپا، صرف آپ کی وجہ سے، آپ ہیں قصوروار۔'' وہ شہادت کی انگلی اٹھائے بلند آواز میں چلا رہی تھی، تیمور کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔

''کیا بکواس کر رہی ہو تم، تم ہوش میں تو ہو، یہ...... یہ سکھایا ہے تم نے اسے، آج منہ اٹھا کر باپ سے بدتمیزی کر رہی ہے، کس لئے، صرف اس کل کے لڑکے کے لئے، اسید کے لئے۔'' وہ دھاڑ رہے تھے۔

دو پل میں ہی مرینہ کا رنگ پھیکا پڑ گیا، الزام کی زد میں آج بھی صرف ان کی ذات اور

اسید کا وجود ہی تھا، کچھ کہنے کی خواہش میں ان کے لب پھڑ پھڑا رہ گئے۔

''بس کیجئے پاپا، خدا کے لئے کیوں دیتے ہیں آپ ہر بات کا الزام ماما کو، کیوں؟ اپنے رویے پر غور کرنے کی کوشش کی ہے کبھی آپ نے؟'' حبا حلق کے بل چلائی تھی۔

''بکواس بند کرو۔'' تیمور کا ہاتھ بے ساختہ اٹھا اور حبا کے دائیں گال پر نقش و نگار بنا گیا، وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے باپ کو دیکھتی رہ گئی۔

''میری بات کان کھول کر سن لو مرینہ بیگم، میں تمہیں اور تمہارے بیٹے کو ایک پل بھی اب اس گھر میں برداشت نہیں کر سکتا، اپنا بوریا بستر سمیٹو اور نکل جاؤ میرے گھر سے۔'' وہ غضب کی شدت سے لرز رہے تھے، مرینہ نے دہل کر ان کی طرف دیکھا اور دل پر ہاتھ رکھا۔

''تیمور! خدا کے لئے، کیا ہو گیا ہے آپ کو؟ کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ؟'' مرینہ روتے ہوئے کہنے لگیں۔

''میں بالکل ٹھیک کر رہا ہوں، اس مسئلے کا آج سلجھ ہی جانا چاہیے۔'' ان کے عزائم خطرناک تھے، حبا ایکدم سے جیسے ہوش میں آ گئی۔

''پاپا، پاپا پلیز کیا ہو گیا ہے آپ کو؟ ایسی باتیں نہ کریں، پاپا، آپ کی حبا مر جائے گی، آپ کی بیٹی مر جائے گی پاپا، میں اسید کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی، میں ماما کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی، ایسا مت کیجئے پاپا، آپ کو اللہ کا واسطہ۔'' وہ زور زور سے روتی تیمور سے لپٹ گئی۔

تیمور کے دل کو یکدم کچھ ہوا تھا، وہ ان کی اکلوتی بیٹی تھی، جس سے وہ دل و جان سے محبت کرتے تھے، جسے آج تک انہوں نے ڈانٹا نہیں تھا، پھر پتا نہیں کیوں ہر بار صرف اسید کی وجہ سے وہ اس کو جھڑکتے تھے، صرف اسید کی وجہ سے؟ انہوں نے سچے دل سے اپنا تجزیہ کیا تھا اور اس کا جواب تھا، نہیں یہ صرف اسید کا وجود نہیں تھا جو انہیں تکلیف دیتا تھا بلکہ یہ ان کے اندر کا کم ظرف انسان بھی تھا جو قطعاً اسید کو حبا کے برابر سمجھنے کو تیار نہ تھا، جو ہر بار انہیں ترغیب دیتا، انہیں اکساتا کہ وہ حبا کو اسید سے دور رکھیں مگر تا کجے، آج وہ ماں کے لئے اسید کے لئے ان کے آگے تن کر کھڑی ہو گئی تھی کل کو انہیں جائیداد میں حصے دار بنانے پر تل جاتی تو...... ایک بھیانک سوالیہ نشان ان کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

''ٹھیک ہے حبا، تم روؤ مت بیٹا، خاموش ہو جاؤ، چلو شاباش۔'' وہ کچھ سوچتے ہوئے اسے پچکارنے لگے۔

''آپ ماما سے کچھ نہیں کہیں گے نا؟'' وہ مچلی تھی۔

''نہیں کچھ نہیں کہوں گا۔'' انہوں نے پیار سے اس کا سر تھپکا اور اس کو خود سے الگ کر دیا، مرینہ تیزی سے واپس مڑ گئیں، تیمور نے حیرانی سے انہیں جاتے دیکھا۔

☆☆☆

وہ ساکت سا اپنے سامنے چت پڑے وجود کو دیکھ رہا تھا، چہرہ ضبط کی شدت سے سرخ ہو رہا تھا اور آنکھیں تو جیسے جلنے کو تھیں۔

''بس کر دو، خدا کے لئے بس کر دو۔'' وہ اس کا سرد بے حرکت ہاتھ تھام کر سسک اٹھا۔

''مجھے میری کمینگی کی اتنی سزا تو مت دو، کیسے بتاؤں تمہیں؟ یو نو کچھ تو کہو؟ کیسے بتاؤں تمہیں کہ تم میرے لئے کیا ہو، میرے ساتھ ایسا سلوک نہ کرو، مجھے یوں بے موت نہ مارو، خدا کے لئے۔'' اس کے آنسو قطرہ قطرہ ساکت ہاتھ پر گر رہے تھے۔

اس وجود میں کوئی حرکت نہ تھی، وہ جیسے ہر قسم کی صدا سے عاری تھا اور اس کا کمزور، ابھری نسوں والا ہاتھ دیکھتے ہوئے اس کی اذیت کچھ مزید بڑھ گئی تھی، پورے وجود کے علاقے میں اک طلاطم برپا تھا، درد کی شدت اتنی تھی گویا وجود پرزوں میں بٹ جائے گا، عذاب دو چند ہو رہا تھا۔

''میں تمہیں اس طرح نہیں دیکھ سکتا نہیں سہہ سکتا تمہاری یہ حالت؟ میرے ساتھ ایسا مت کرو، میں مر رہا ہوں، پل پل، ہر پل، زندگی میری رگوں سے بہتی جا رہی ہے، میری بے بسی کا اتنا مذاق نہ اڑاؤ، مجھ پر رحم کھاؤ، میرے ساتھ ایسا مت کرو۔'' اب وہ بیڈ کی پٹی سے سر ٹکائے پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا۔

''مگر...... اے بسا آرزو کہ خاک شدہ!''

☆☆☆

''مغل ہاؤس'' میں ایک روشن اور نوخیز صبح کا خوبصورت آغاز ہو چکا تھا، اس وقت سبھی مکین ناشتے کی میز پر جمع تھے۔

میز پر صرف برتنوں کی کھنک کے علاوہ کوئی آواز نہ تھی، اس خاموشی کو وقار نے توڑا۔

''طلال چلا گیا؟'' انہوں نے شاہ بخت سے پوچھا۔

''ہوں، چلا گیا۔'' تلخ کافی کے گھونٹ بھرتے ہوئے اس نے کہا۔

''موڈ ہے نیویارک جانے کا تمہارا؟'' انہوں نے مزید پوچھا، سبھی چونک کر متوجہ ہوئے۔

''کیوں؟'' طارق چچا نے چونک کر سر اٹھایا۔

''ایونٹ ہے وہاں پر۔'' وقار نے مختصراً کہا، تایا جان کی پیشانی پر ایک شکن آ گئی۔

''بخت! دیکھو بیٹے اس قسم کے مشغلے وقت گزاری کے لئے تو ٹھیک ہیں مگر انہیں پیشہ نہیں بنایا جا سکتا۔'' ان کا لہجہ تادیبی تھا۔

''میں جانتا ہوں تایا جان، آپ پریشان مت ہوں، میں بھی اسے بس انجوائے منٹ کے طور پر لے رہا ہوں۔'' اس کا لہجہ دوٹوک اور بے تاثر تھا۔

طارق کے ماتھے پر ایک شکن آ گئی، انہیں بیٹے کا انداز بالکل پسند نہیں آیا۔

''لیکن مجھے تمہاری یہ ''انجوائے منٹ'' بالکل پسند نہیں ہے، بہتر یہ ہو گا کہ تم ایگزامز کے بعد میرے ساتھ آفس جوائن کرو۔'' طارق کا لہجہ سخت اور کھردرا تھا، شاہ بخت کے چہرے کا رنگ بدلا مگر اس نے دانستہ کچھ کہنے سے گریز کیا۔

''چچا جان! آپ غصہ مت کریں، آپ اسے یہ ایونٹ اٹینڈ کرنے دیں نا، آگے کی بعد میں دیکھی جائے گی۔'' وقار نے نرمی سے کہا۔

''تم اسے بگاڑنے میں پورا پورا کردار ادا کر رہے ہو وقار! طارق ٹھیک کہہ رہا ہے اس تماشے کو اب بند ہو جانا چاہیے۔'' تایا جان نے غصیلے اور تحکمانہ لہجے میں کہا، شاہ بخت کا رنگ سرخ ہوا تھا، اس نے کپ ٹیبل پر پٹخا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

''بیٹھ جاؤ بخت!'' وقار نے سختی سے اس کا بازو پکڑ کر کھینچا، وہ ہونٹ چباتے ہوئے بیٹھ گیا۔

''ناشتہ ختم کرو اپنا۔'' طارق نے تحکمانہ انداز میں کہا، وہ خاموشی سے پلیٹ پہ جھک گیا۔

''شاہ بخت! اس میں اتنا غصہ کرنے کی کیا بات ہے؟ تایا جان نے تمہیں کچھ غلط تو نہیں کہا۔'' رمشہ نے تیکھے لہجے میں کہا۔

''تم اپنا منہ بند رکھو، تمہیں بیچ میں بولنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' وقار نے سختی سے اسے

جھڑکا، رمشہ آف موڈ کے ساتھ چائے کے سپ لینے لگی، میز پر ایک خاموشی طاری ہوگئی۔

''ایگزامز کی تیاری کیسی ہے؟'' طارق نے نارمل سے انداز میں پوچھا۔

''اچھی ہے۔'' بخت نے دھیمے لہجے میں کہا۔

''اور عباس بیٹے آپ کی کیسی ہے؟'' انہوں نے عباس سے پوچھا۔

''ٹھیک ہے چچا جان!'' عباس (جواب تک خاموش بیٹھا تھا) نے کہا۔

''اور وقار بھئی یہ ایاز کی کیا خبر ہے؟ کدھر ہے وہ کافی دن ہوگئے اس کا فون وون آئے؟'' احمر چچا نے تشویشی انداز میں کہا، وقار نے ایک ٹھنڈی سانس خارج کی، ایاز اور سبین کا معاملہ سنگین تر ہوتا جا رہا تھا۔

''مجھے اس کی کوئی خبر نہیں ہے چچا جان! آپ کو علم تو ہے آج کل کراچی والی فیکٹری کے حالات خاصے گڑبڑ ہیں بس ادھر مصروف ہوں کچھ، ایک پیر ادھر اور ایک ادھر ہوتا ہے، آج فون کروں گا۔'' وقار نے تفصیل سے کہا۔

''میری بات بھی کروانا، پوچھوں اس سے، کیا کیا ہے اس نے سبین کے کاغذات کا؟'' ان کا لہجہ تشویش لئے ہوئے ھا۔

سبین کے چہرے کا رنگ بدلا تھا اور عباس کی نگاہوں سے قطعاً چھپا نہیں رہ سکا تھا، اندر ہی اندر کچھ غلط ہونے کا احساس اور شکوک مزید بڑھ گئے تھے۔

''حد ہے بھئی اس لڑکے سے تو، وہاں جا کر بیٹھ ہی گیا ہے، نہ آگے کی خبر نہ پیچھے کا پتا، معذرت کے ساتھ مگر احمر صاحب! مجھے اس لڑکے کے تیور کچھ درست نظر نہیں آتے۔'' نبیلہ چچی نے صاف گوئی سے کہا، تایا جان کے چہرے پر تفکر کے سائے لہرانے لگے تھے۔

''آپ پریشان مت ہوں امی جان! امریکہ چیز ہی ایسی ہے، وہاں جا کر تو اچھے اچھوں کے تیور بدل جاتے ہیں، آپ کے پاس تو نواز بھائی کی مثال بھی موجود ہے۔'' عباس نے کہا۔

شاہ بخت کا رنگ پھیکا پڑ گیا، پتا نہیں کیوں جتنا وہ شاہ نواز کے موضوع سے بھاگتا تھا اتنا ہی اس کو ڈسکس کیا جاتا ہے۔

''فضول بولنے کی ضرورت نہیں، نواز کی بات کون کر رہا ہے۔'' انہوں نے اسے ڈانٹا۔

''ضرورت کیوں نہیں ہے، بالکل ہے، آخر انہوں نے ہی تو داغ بیل ڈالی ہے ابروڈ جانے کی، وہاں سیٹل ہونے کی۔'' رمشہ نے اپنے مخصوص انداز میں کہا۔

''اس موضوع پر بحث لاحاصل ہے، تم سب اٹھو اور اپنے اپنے کام سے لگو۔'' تایا جان تحکمانہ انداز میں کہتے اٹھ گئے۔

''لاحاصل......؟ نہیں بابا جان! یہ بالکل درست بحث ہے، ان کے نقش قدم پر ہی تو چلتے ہوئے ایاز بھائی کو یہ خبط ہوا تھا اس لئے یہ لاحاصل کیسے ہو سکتی ہے؟ اور اب ''ان صاحب'' کے تیور اور انداز بھی کم و بیش ویسے ہی ہیں۔'' رمشہ نے شاہ بخت کا مذاق اڑایا۔

''مجھے نواز اور ایاز سے Relate کرنے کی ضرورت نہیں ہے محترمہ!'' بخت نے غرا کر کہا۔

تایا جان خاموشی سے پلٹ کر باہر نکل گئے، وہ جانتے تھے یہ بحث وہ دیر تک چھیڑے رکھیں گے اور وہ پہلے ہی آفس کے لئے لیٹ ہو چکے تھے۔

''کیوں ضرورت نہیں ہے؟ کیا تمہیں ان

بھائی ہونے سے انکار ہے؟''

''کیا ان کے Geans کے اثرات تم میں نہیں ہیں؟'' رمشہ نے چیلنج کرتے ہوئے کہا۔

''Individual charactristis سے کیسے انکار کرو گی؟'' وہ بھی اپنے پوائنٹ پر اڑ گیا۔

''اور تم ''Geans influenced'' سے کیسے بچ سکتے ہو؟'' اس بار اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''تم حد سے زیادہ بدتمیز اور بدتہذیب لڑکی ہو، وقار بھائی کی بہن تو بالکل نہیں لگتیں، تم پر تو Geans influence نظر نہیں آتا۔'' بخت نے حد سے زیادہ سرد اور طنزیہ لہجے میں کہا، رمشہ کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔

''اپنا منہ بند رکھو، تمہیں میرے بارے میں Declearation دینے کی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ بے قابو ہو کر پھٹ پڑی۔

''ہا...... اچھا تو کیا تمہارے پاس پرمٹ ہے میرے بارے میں ''Predicions'' دینے کا!؟'' وہ مضحکہ اڑاتے ہوئے ہنسا، رمشہ کا چہرہ مزید سرخ ہوا تھا۔

''Go to hell۔'' وہ پیر پٹختی ہوئی اٹھ گئی، عباس اور وقار کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

''انسان میں اتنی برداشت تو ہونی چاہیے کہ وہ دوسروں کے بارے میں رائے دینے کے بعد اپنے بارے میں بھی سن سکے۔'' شاہ بخت نے رمشہ کو سنانے کے لئے بلند آواز میں کہا، جو کہ لاؤنج سے نکل رہی تھی۔

''تم بھی نا بخت! کبھی کبھی حد کر دیتے ہو۔'' وقار نے سر جھٹکا۔

''آپ نے اس کی بدتمیزی دیکھی۔'' وہ خفا ہوا۔

''دیکھی ہے میرے بھائی! جانتے تو ہو اسے، وہ تو ایسی ہی ہے۔'' وقار نے اٹھتے ہوئے عاجزی سے کہا، شاہ بخت بے ساختہ ہنس دیا، علینہ نے دیکھا یہ آج کے دن کی سب سے خوبصورت اور Pure مسکراہٹ تھی۔

☆☆☆

شائی وانگ کو یہاں آئے ہوئے تین دن ہو چکے تھے اور ان تین دنوں میں وہ نوفل صدیق کے بارے میں کافی کچھ جان چکی تھی، حیرت انگیز طور پر نوفل نے اسے بالکل تنگ نہیں کیا تھا کہ وہ اسے اپنے ماضی کے بارے میں بتائے اور نہ اس پر کسی قسم کا کوئی دباؤ ڈالا تھا، وہ بڑی آزادی سے پورے گھر میں گھوم پھر لیتی تھی، ہیڈ میڈ کے ذریعے اس نے مارکیٹ سے اپنے لئے ڈریسز منگوا لئے تھے اور اسے کسی چیز کی ضرورت نہ تھی، سب کچھ نوفل کے گھر میں تھا۔

لیکن وہ جانتی تھی کہ یہ گھر بھی اس کے لئے محفوظ پناہ گاہ نہیں تھا، اس کے پیچھے گھات لگائے ہوئے ''ڈرگ مافیا'' کے آدمی پاگل کتوں کی مانند اس کی بو سونگھتے پھر رہے تھے۔

اس وقت شام کا دھندلکا سا اجالا پھیل رہا تھا وہ خاموشی سے لان چیئرز پر براجمان تھی، کچھ دیر بعد گاڑی کے ہارن کی آواز آئی اور اس کے ساتھ ہی گیٹ وا ہو گیا، نوفل کی گاڑی اندر آ گئی، وہ کچھ حیران ہوئی، نوفل عموی طور پر نو بجے کے بعد ہی آتا تھا، شوفر نے ادب سے دروازہ کھولا اور گاڑی کے اندر سے خوش پوش اونچا لمبا نوفل صدیق برآمد ہوا تھا، اسے لان میں براجمان دیکھ کر وہ اسی طرف آ گیا۔

''ہیلو!'' وہ ہلکے سے ہاتھ کو Wave کر کے اس کے سامنے بیٹھ گیا اور نظریں اس پر جما دیں، ہلکا سا گلابی پن لئے ہوئے اس کا چہرہ

جانے کیوں آنکھوں کو بھلا لگ رہا تھا۔
”ہائے۔“ وہ جواباً خوشدلی سے مسکرائی۔
”کیسا گزرا دن؟ بور تو نہیں ہوئیں؟“ وہ بہترین کرسی نبھاتے ہوئے پوچھنے لگا، وہ ہلکے سے ہنسی۔
”نہیں تم سناؤ؟ خاصے تھکے ہوئے لگ رہے ہو؟“
”ہوں کچھ تھکن ہو رہی ہے، کافی کا موڈ ہے؟“
”میں بنا لاتی ہوں۔“ وہ اٹھ گئی۔
”ارے نہیں ...... رکو...... تم بیٹھو، کسی ملازمہ سے کہہ دوناں۔“ اس نے ٹوکا۔
”کوئی فرق نہیں پڑتا...... یقین کرو...... میں اتنی بری کافی نہیں بناتی۔“ وہ مسکراتی ہوئی اندر چلی گئی۔

نوفل وہیں بیٹھا رہا، وہ بے حد حیران تھا، اس لڑکی سے متعلق ساری انفارمیشن آج ہی اس کی ٹیبل پر آئی تھی، خاصا دردناک ماضی تھا، نوفل کو تو ابھی خاصی ہمدردی ہو رہی تھی اب اس سے، وہ سوچ رہا تھا کہ اسے پاپا کو کیا بتانا چاہیے؟ آج ہی وہ یہاں پہنچ رہے تھے، اسی لئے وہ آفس سے جلدی آ گیا تھا، کچھ دیر بعد وہ کافی کی ٹرے تھامے آتی نظر آئی، بلیک شرٹ اور گرے جینز میں اس کا گلابی رنگ بہت نمایاں نظر آ رہا تھا، نوفل نے نظر پھیر لی وہ اتنا سرد روڈ اور تلخ مزاج تھا کہ پاپا کبھی مان ہی نہیں سکتے تھے کہ اس نے محض اس لڑکی کو ہمدردی میں گھر میں جگہ دی ہوئی ہے ناممکن، اس نے کافی کی ٹرے سامنے رکھی اور کرسی پر بیٹھ گئی۔
”تم برا نہ مانو تو ایک بات پوچھوں؟“ وہ کچھ ہچکچاتے ہوئے کہنے لگی، کافی کا مگ اٹھاتے ہوئے نوفل نے قدرے حیران ہو کر اس کی طرف دیکھا۔
”پوچھو۔“ اور ایک سپ لیا۔
”کافی تو اچھی ہے۔“
”شکریہ، وہ میں یہ کہہ رہی تھی کہ...... جب سے تم آئے ہو کچھ الجھے الجھے لگ رہے ہو؟“
نوفل نے ایک طویل سانس لیا۔
”ہاں، ایسا ہی ہے، پاپا آ رہے ہیں تھائی لینڈ سے۔“ وہ ہلکے سے مسکرایا۔
”پاپا؟“ وہ حیران ہوئی۔
”ہاں میرے پاپا، سب کے ہوتے ہیں، تمہارے بھی ہوں گے۔“ وہ ہنسا، اس کی آنکھوں میں حسرت اور ویرانی پھیل گئی۔
”نہیں میرے نہیں ہیں۔“
”اوہ...... ڈ-تھ ہو گئی، ویری سیڈ۔“ نوفل کو افسوس ہوا۔
”ڈ-تھ...... نہیں I m a n illegitimate chilel۔“ وہ سفاکی سے خود پر ہنسی، نوفل کے چہرے کا رنگ ایک لمحے کو بدلا مگر وہ مہارت سے چھپا گیا۔
”اس وقت ان باتوں کو چھوڑو، اچھے طریقے سے ڈریس اپ ہو جاؤ، پاپا بس پہنچتے ہی ہوں گے، میں بھی چینج کر لوں۔“ وہ موضوع بدل گیا۔
”میں؟“ وہ حیران ہوئی۔
”کیوں؟ کیا تم ان سے نہیں ملو گی؟“
”اوہ...... کیوں نہیں۔“ وہ بے ساختہ مسکرائی۔
”اوکے...... دین جسٹ گو۔“ وہ بھی مسکراتا ہوا اٹھ گیا۔

ملازمہ کو پاپا کی پسند کی ڈشز بنانے کا کہہ کر وہ اپنے روم کی طرف پلٹ آیا، لباس منتخب کرنے سے لے کر شاور لینے تک اور بال بنانے سے لے کر دوبارہ کمرے سے باہر آنے تک اس کا دھیان شائی وانگ میں ہی الجھا ہوا تھا، وہ کھانے کا جائزہ لینے کے لئے کچن میں آیا تو اسے کوکنگ رینج کے آگے جما دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا۔
”تم یہاں کیا کر رہی ہو؟“ وہ فوراً مڑی، اسے اندازہ نہیں ہوا کہ وہ کس بات پر زیادہ حیران ہے، اس کے کچن میں ہونے پر؟ یا کھانا بنانے پر؟
”میں نے سوچا کہ ٹیلر کی کچھ مدد کر دوں۔“ اس نے شانے جھٹکے۔
”لیکن......؟“ وہ کہتے ہوئے رک گیا۔
”میں اتنا برا کھانا نہیں بناتی نوفل! کہ تم اتنے پریشان ہو جاؤ۔“ وہ یقین دلاتے ہوئے کہہ رہی تھی، نوفل نے قدرے دھیان سے اس کا جائزہ لیا، سفید شرٹ اور سیاہ لانگ اسکرٹ میں ایپرن باندھے، اپنے سنہرے بالوں کو جوڑے کی شکل میں باندھے وہ دلکشی اور خوبصورتی کے سارے دلفریب رنگ سمیٹے ہوئے تھی۔
یکدم نوفل کے دل کو کچھ ہوا تھا، اس نے صرف سر ہلانے پر اکتفا کیا اور دھڑکنوں میں بڑھتے شور کو سنبھالتے ہوئے واپس مڑ گیا۔

☆☆☆

اسید سہ پہر کے قریب گھر لوٹا تو خلاف معمول خاصی خاموشی طاری تھی، اسے حیرت نہیں ہوئی، صبح حبا کے ساتھ ہونے والی گفتگو اسے شد و مد سے یاد تھی، لیکن ماما پتا نہیں کہاں تھیں، وہ خاموشی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا، چینج کر کے لوٹا تو ماما کو بیڈ پر براجمان پایا، وہ چلتا ہوا ان کے نزدیک بیٹھ گیا۔
”گڈ نون ماما! کیسا گزرا دن؟ کھانے میں کیا ہے؟“ اس نے سائیڈ ٹیبل کے دراز سے کچھ ڈھونڈتے ہوئے پوچھا۔
”اسید!“ مرینہ نے کہا اور ان کی پکار میں کچھ تو ایسا تھا کہ وہ بے ساختہ پلٹا، مرینہ کی آنکھیں متورم اور سرخ تھیں۔
”کیا بات ہے ماما؟ آپ رو رہی ہیں؟“ وہ پریشانی سے پوچھ رہا تھا، مرینہ نے اس کی طرف دیکھا اور ضبط کھو کر پھر سے رونے لگیں، اسید نے بے ساختہ بازو پھیلا کر انہیں اپنے ساتھ لگا لیا۔
”کیا بات ہے ماما! پلیز مجھے بتائیں، خدا کے لئے روئیں مت، کیا گھر میں کوئی جھگڑا ہوا ہے؟“
”اسید! میرے بچے تم یہاں سے چلے جاؤ، تم اپنا مائیگریشن لاہور کروا لو، تیمور پاگل ہو چکے ہیں، انہوں نے مجھے وارننگ دی ہے کہ وہ تمہیں مزید اس گھر میں برداشت نہیں کر سکتے اسید، مجھے بتاؤ میں کیا کروں؟ وہ مجھے بھی نکال دیں گے، کیا اس عمر میں گھر بدری کا عذاب سہوں؟ بتاؤ میں کیا کروں؟“ وہ پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے بتا رہی تھیں۔
”میں آپ کے بغیر نہیں رہ سکتا ماما!“ وہ جو سکتہ زدہ سا پڑا تھا یکدم ہوش میں آ گیا، تڑپ کر بولا تھا۔
”میں جانتی ہوں بیٹا! مگر وقت کے تقاضے کو سمجھو، انہیں حبا کا تمہارے ساتھ اتنا اٹیچ ہونا قطعاً پسند نہیں، پتا نہیں کون سے خدشات پل رہے ہیں ان کے دماغ میں، میں کچھ نہیں کر سکتی، یقین کرو میں مکمل طور پر بے بس ہوں، میں تمہیں خود سے دور نہیں دیکھ سکتی، مگر میں مجبور ہوں، میں لوگوں کو خود پر ہنسنے کا موقع نہیں فراہم کر سکتی، تم یہاں سے چلے جاؤ اسید چلے جاؤ۔“ وہ اسے آغوش میں چھپائے رو رہی تھیں۔
”لیکن آخر ہوا کیا ہے؟“ وہ جھلا گیا۔

''تمہارا حبا سے کوئی جھگڑا ہوا ہے؟'' وہ الٹا پوچھنے لگیں۔

''نہیں وہ مجھے یہ بتانا چاہ رہی تھی کہ میرا اس سے کوئی رشتہ نہیں ہے، نہ ماں کے حوالے سے نہ باپ کے حوالے سے، آپ یقین کریں ماما! میں نے اسے کچھ نہیں کہا..... میں تو.....'' وہ بات ادھوری چھوڑ کر خاموش ہو گیا، اضطراری انداز میں ہونٹ چباتا رہا، مرینہ نے بھیگی آنکھوں سے اس کی پیشانی کو چوما۔

''تمہیں اس کی بات کو نظر انداز کر دینا چاہیے، وہ ابھی نادان ہے۔''

''But she is not a baby now۔'' وہ تلخ ہوا۔

''پتا ہے مجھے، مگر وہ کم عقل تو ہے نا۔'' انہوں نے اصرار کیا۔

''نہیں ماما! ایسی باتیں انسان تب ہی کرتا ہے جب اس کے ذہن میں پہلے سے موجود ہوں، یہ زہر وہ برسوں سے اپنے اندر چھپائے بیٹھی تھی جیسے ہی موقع ملا اس نے مجھ پر انڈیل دیا، تیمور صاحب کی کوششیں اتنی رائیگاں بھی نہیں گئیں ماما آج اس نے ثابت کر دیا ہے کہ آخر وہ انہی کی بیٹی ہے۔'' وہ تلخی سے کہہ رہا تھا۔

مرینہ خاموشی سے اس کے اونچے لمبے شاندار سراپے کو آنکھوں میں جذب کرتی رہیں، کتنا دشوار تھا اتنا پیارا، فرماں بردار اور جاں سے بھی زیادہ عزیز بیٹا خود سے دور کر دینا کتنا مشکل تر، ان کی جیسے سانسیں تھمنے لگیں، حلق میں آنسوؤں کا پھندا سا پڑ گیا۔

''آخر وہ کیوں چاہتے ہیں کہ میں یہاں سے چلا جاؤں۔'' وہ الجھ کر پوچھنے لگا۔

''حبا نے صبح ان سے بے حد بدتمیزی کی ہے، وہ تو مجھے بھی نکالنے پر تل گئے تھے مگر حبا نے رو رو کر سارا گھر سر پہ اٹھا لیا، پھر وہ ذرا ٹھنڈے پڑے، لیکن میں جانتی ہوں..... بات یوں ختم نہیں ہو گی۔'' انہوں نے اضطرابی انداز میں کہا۔

''آپ فکر مت کریں ماما! حبا کیا مجھے سے انچ ہو گی میں تو خود اس کی شکل نہیں دیکھنا چاہتا۔'' وہ زہر خند لہجے میں کہہ رہا تھا۔

''اسید!'' انہوں نے فوراً اسے ٹوکا۔

''بس کیجئے ماما آپ اس کی فیور کرنا چھوڑ دیجئے، اسے اس کی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ برا مان کر بولا۔

''ایسا نہیں ہے اسید۔'' وہ اس کے اتنے تلخ رویے پر حیران تھیں۔

''ایسا ہی ہے ماما! اور آپ بھی سن لیں میں ادھر سے کہیں نہیں جانے والا، میں ان سے خود بات کروں گا۔'' اس کا لہجہ مستحکم تھا۔

''کیا بات؟'' وہ دہل سی گئیں۔

''جب کروں گا تب جان لیجئے گا۔'' وہ اٹھ گیا اور پھر سے دراز میں سے کچھ ڈھونڈنے لگا، مگر اب اس کی توجہ منتشر نظر آتی تھی۔

''چائے پلا دیں ماما۔'' وہ پلٹا، شاید وہ مطلوبہ چیز ڈھونڈنے میں ناکام ہو گیا تھا اور ناکامی کی جھنجھلاہٹ اس کے چہرے سے بھی ظاہر تھی۔

''کیا کھو گیا ہے؟'' انہوں نے پوچھا۔

''سب کچھ..... مان..... یقین اور محبت بھی۔'' وہ جیسے خود پر ہنسا۔

''اسید کیا ہو گیا ہے تمہیں بیٹا! کنٹرول کرو خود پر، میں چائے بھجواتی ہوں۔'' وہ واپس پلٹ گئیں، وہ تھک کر بیڈ پر گر سا گیا، چہرے پر گہری سوچ کی پرچھائیاں نظر آ رہی تھیں۔

کچھ دیر بعد چائے پی کر فریش ہونے کے بعد وہ کمپیوٹر کے آگے جم گیا، فضول قسم کی ویب سائنس سرچ کرتے کرتے وہ بور ہو گیا تو وہاں سے اٹھا اور بک شیلف سے The crucible نکال کر بیٹھ گیا، دو صفحے پڑھ کے ہی دل بیزار ہو گیا حالانکہ یہ اس کا پسندیدہ ترین ڈرامہ تھا، اس نے کتاب سائیڈ ٹیبل پر رکھ دی اور خود ایزی چیئر پر جھولنے لگا، کچھ دیر بعد تیمور کی گاڑی کی آواز سنائی دی، اس کی چیئر کی حرکت رک گئی، اس کا ذہن تیزی سے ایک فیصلے پر پہنچنے پر مصروف تھا، بحث اس نے کبھی کی نہیں تھی اور تیمور جیسے بھی تھے اس نے دانستہ کبھی ان سے بدتمیزی کرنے کا سوچا نہیں تھا، اس وقت بھی وہ اپنی Vocablury کے سب سے بہترین اور نرم الفاظ کا چناؤ کر رہا تھا جو اسے تیمور کے سامنے بولنے تھے، کچھ دیر بعد وہ اٹھا اور باہر نکل آیا۔

تیمور اسے لاؤنج میں چائے پیتے مل گئے، حبا ان کے ساتھ ہی بیٹھی تھی، اس نے حبا کو مکمل طور پر نظر انداز کر دیا۔

''السلام علیکم!'' وہ سلام کرتا آگے بڑھ آیا۔

تیمور نے اس کے سلام کا جواب دینا گوارہ نہیں کیا وہ خاموشی سے ان کے سامنے کارپٹ پر بیٹھ گیا۔

''مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے پاپا۔'' اس کا لہجہ دھیما تھا اور نظریں جھکی ہوئیں۔

وہ بہت کم ان سے مخاطب ہوتا تھا اور ان کا سامنا کرتا تھا، وہ حیران ہوئے تھے۔

''کرو۔'' ان کا لہجہ سرد تھا۔

''میں نے کبھی آپ سے بدتمیزی کرنے کا نہیں سوچا، لیکن شاید نادانستہ طور پر میں آپ کے لئے آزار کا باعث رہا ہوں، اس کے لئے میں آپ سے معافی چاہتا ہوں، آپ کے حبا کے حوالے سے جو تحفظات ہیں مجھے ان کا احساس ہے، شاید وہ اس لئے مجھ سے تھوڑی بہت انچ ہے کیونکہ میں اسٹڈیز میں اس کی ہیلپ کرتا ہوں، آپ اس کے لئے کسی ٹیوٹر کا بندوبست کر دیجئے، انشاء اللہ آپ کو اب مجھ سے کوئی شکائیت نہیں ہو گی۔'' وہ محتاط لہجے میں کہہ رہا تھا۔

تیمور گنگ سے رہ گئے، انہیں اسید کی صورت میں مرینہ کی بہترین تربیت نظر آ رہی تھی۔

''یہی بہتر ہے اور اب تم جا سکتے ہو۔'' انہوں نے بات ختم کی مگر لہجہ بدلا ہوا تھا۔

لاؤنج کے دروازے پر کھڑی مرینہ حیران سی تھیں، اسید خاموشی سے اٹھا اور باہر نکل گیا، حبا کی نظر تب تک اس کا پیچھا کیا تھا جب تک وہ نظر آتا رہا۔

میں نے اس کے بدلے ہوئے لہجے کی وضاحت پوچھی.....؟

کچھ دیر خاموش رہا

پھر مسکرا کر بولا.....!

پاگل.....!

جب لہجے بدل جائیں تو وضاحتیں کیسی؟

وہ ساکت وضاحت سی بیٹھی تھی، یہ کیا کہہ گیا تھا وہ؟ یہ کیا کر گیا تھا وہ؟ یہ کونسی سزا سنا گیا تھا وہ؟

☆☆☆

''مغل ہاؤس'' میں روائی چین ہی چین لکھ رہا تھا، شاہ بخت اور عباس کے ایگزامز ہو چکے تھے، رمشہ پہلے ہی پارٹ ون کے ایگزامز دے کر فارغ تھی، علینہ بھی رزلٹ کے انتظار میں تھی، اب وہ تینوں تھے اور ان کی فراغت۔

لاہور کا شاید ہی کوئی ہوٹل، ریسٹورنٹ یا ڈھابہ ہو گا جو انہوں نے چھوڑ دیا، ہر روز باہر کھانے کا پروگرام بن جاتا، ہر روز کہیں لانگ ڈرائیو تو کبھی شاپنگ، وہ صحیح معنوں میں لائف

انجوائے کر رہے تھے، یہی وقت تھا جب وقار نے بہت عجیب سٹیپ لیا، شاہ بخت کے لئے رمشہ کا پرپوزل۔

وقار نے خود اسے بلا کر بات کی تھی، وہ اتنا حیران تھا کہ چند لمحے تو کچھ بول ہی نہ سکا، مگر اس نے بڑے واضح لفظوں میں اپنا انکار وقار کے آگے رکھ دیا تھا اور خاموشی سے اٹھ کر آ گیا تھا، اسی شام وقار نے اس کا انکار ماں تک پہنچا دیا تھا اور رات تک خبر پورے گھر میں گردش کر رہی تھی اور ایسا کیسے ہو سکتا تھا کہ رمشہ بے خبر رہتی، اس وقت رات کو نو بج رہے تھے جب ہلکے سے دروازہ بجا کر وہ کمرے میں داخل ہوئی، شاہ بخت اسے کمپیوٹر کے آگے جما نظر آیا، اس نے بیٹھے بیٹھے گردن موڑ کر اسے اندر آتے دیکھا اور پھر سے کی بورڈ پر ہاتھ چلانے لگا، وہ آگے بڑھ آئی۔

''آؤ رمشہ بیٹھو۔'' اس کا لہجہ بہت معتدل تھا۔

''مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔'' وہ چاہتے ہوئے بھی اپنے لہجے کو تلخ ہونے سے نہیں روک پائی۔

''کرو۔'' اس نے بنا اس کی طرف دیکھے کہا، غالباً وہ کسی کے ساتھ چیٹنگ میں مصروف تھا، رمشہ کی آنکھیں پانیوں سے بھر گئیں۔

''تم ایسا کیسے کر سکتے ہو میرے ساتھ؟'' وہ سسکی تھی، وہ حیرانگی سے اس کی طرف مڑا، اس کی ریوالونگ چیئر پوری کی پوری رمشہ کی طرف گھوم گئی۔

''کیا؟''

''اتنے انجان مت بنو، میں تمہارے انکار کے بارے میں بات کر رہی ہوں۔'' وہ پھٹ پڑی، شاہ بخت نے ریوالونگ چیئر واپس موڑ لی۔

''میں بھائی کو جواب دے چکا ہوں، میں تمہارے ساتھ اس ٹاپک پر بات نہیں کرنا چاہتا۔'' شاہ بخت کا لہجہ بے تاثر تھا۔

''کیوں؟ کیوں بات نہیں کرنا چاہتے؟'' وہ بلند آواز میں چلائی۔

''اپنی آواز دھیمی رکھو، میرے سامنے چھاڑنے کی ضرورت نہیں، میں تم سے زیادہ بلند آواز میں بات کر سکتا ہوں۔'' وہ سرد لہجے میں ٹوک گیا، رمشہ کو جھٹکا لگا۔

''میرے ساتھ ایسا کیسے کر سکتے ہو تم؟ میں...... میں محبت کرتی ہوں تم سے۔'' وہ بچوں کی طرح بلک اٹھی۔

''لیکن میں تم سے محبت نہیں کرتا رمشہ! تم میری کزن ہو، میری اچھی دوست ہو، مگر میں نے اس حوالے سے کبھی تمہارے لئے نہیں سوچا۔'' اس کا لہجہ بے تاثر تھا۔

رمشہ نے اس کی شہد رنگ جھیلوں کو آج سے پہلے کبھی اتنا سرد، بے حس اور اجنبی نہیں دیکھا تھا، اس کے دل کو کچھ ہوا۔

''ہم اتنے سالوں سے ساتھ ہیں بخت! تم میرے ساتھ ایسا کیسے کر سکتے ہو؟ تمہیں کبھی محسوس نہیں ہوا کہ میں تمہارے لئے الگ سے فیلنگز رکھتی ہوں؟'' وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''نہیں تم میرے لئے کزن تھیں ہو، اور رہو گی، رشتوں کو ان کے مقام پر رکھ کر جانچا جائے تو یہی زندگی بیلنس رہتی ہے اور ضروری نہیں کہ اگر آپ کچھ خاص فیل کرتے ہیں تو دوسرا فریق بھی کر رہا ہو۔'' اس کا لہجہ اب بھی پرسکون تھا۔

اور اب اس کا یہ سکون رمشہ کے دل میں دراڑیں ڈال رہا تھا، اسے شاہ بخت کا یوں پرسکون رہنا بہت اچھا لگتا تھا، وہ اس کے چہرے کو Flat stone کہا کرتی تھی جس پر کوئی تاثر ڈھونڈنا اتنا ہی مشکل تھا جتنا کہ ایک صاف و شفاف پتھر پر لکیر ڈھونڈنا۔

آج اس لمحے اسے شاہ بخت کا یہ سکون بہت برا لگ رہا تھا، اس کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ اسے زور سے جھنجھوڑ دے، اس کے چہرے کے تاثرات نوچ ڈالے۔

''اگر مجھے تم میں دلچسپی ہوتی تو میں اتنے سالوں میں کبھی نہ کبھی تو ضرور تمہیں بتا دیتا۔'' وہ اسے واضح اور دوٹوک انداز میں بتا رہا تھا۔

''کیا کمی ہے مجھ میں؟'' وہ گھٹنوں کے بل اس کے سامنے گر پڑی۔

''پلیز رمشہ اٹھو، یہ مت کرو۔'' اس نے رمشہ کو بازو سے پکڑ کر اٹھایا۔

''میرے ساتھ یہ مت کرو شاہ بخت!''

''نہیں رمشہ! میں کچھ برا نہیں کر رہا، تم مجھے جانتی ہو ناں، میں نے آج تک کوئی بھی کام اپنے دل کی مرضی کے بغیر نہیں کیا، میرا دل نہیں مانا، میں اس کے لئے تیار نہیں ہوں، میں نے وقار بھائی کو صاف انکار کر دیا، اس میں کسی قسم کا غرور فکر یا Prudantry کی تو ضرورت ہی نہیں تھی I said no, just no اور اگر میں تمہاری بات مان لوں، تو سوچو، کیا نتیجہ نکلے گا اس رشتے کا، کچھ بھی نہیں۔''

''A disastrous ending

A fake relation''

''نہیں میں ایسا نہیں کر سکتا، کمی تم میں نہیں ہے، تم بہت اچھی ہو، مگر میں تم سے شادی نہیں کر سکتا، شادی کوئی شاپنگ نہیں جیسے چند گھنٹوں میں ختم ہو جاتا ہے اور نہ ہی کوئی آئسکریم جیسے پگھلنے کے ڈر سے جلد جلد کھایا جائے، یہ تو ہمیشہ کا تعلق ہے اور اس رشتے کے لئے دونوں فریقین کا خالص اور ہم خیال ہونا ضروری ہے میرے لائف پلان میں شادی ابھی نہیں ہے، لیکن میں جب بھی کروں گا، تم سے نہیں، کبھی نہیں۔'' وہ پیچھے ہٹ کر کھڑکی کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔

رمشہ کے قدموں تلے زمین سرک رہی تھی، اس نے ہمیشہ شاہ بخت کو اپنے ساتھ بہت شائستہ، بذلہ سنج اور دوستانہ پایا تھا، یہ اتنا روڈ، ہارش اور Bitter شاہ بخت پتا نہیں کون تھا جسے وہ نہیں جانتی تھی، اسے اپنے گالوں پر بہتے آنسو اب تکلیف دے رہے تھے، وہ اتنے سالوں سے اس شخص کے پیچھے پاگل تھی جس کے نزدیک وہ کچھ بھی نہیں تھی یا شاید...... تھی...... اس نے ہی اپنے مقام کو Misjudge کیا تھا۔

وہ بھاگتی ہوئی باہر نکل آئی، اس کی ٹانگیں لرز رہی تھیں اور اس سے اپنے قدموں پر کھڑا رہنا مشکل ہو رہا تھا، یکدم وہ کسی سے ٹکرائی وہ کومل تھی۔

''رمشہ! کیا بات ہے؟'' وہ ہکا بکا رہ گئی تھی اس کا چہرہ دیکھ کر۔

''کچھ نہیں۔'' وہ اپنے کمرے کی طرف چلی گئی، وہ کسی سے بات نہیں کرنا چاہتی تھی، وہ کسی کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی اور اگلے دن وہ نیو یارک فلائی کر گیا تھا۔

(باقی آئندہ)

سندس جبیں

چھٹی قسط

اس کی آنکھیں آہستہ آہستہ کھل رہی تھیں، چند لمحے وہ سپاٹ سے انداز میں چھت کو دیکھتی رہی پھر اس نے کمرے کے اردگرد نظر دوڑائی، وہ غالباً کوئی بیڈ روم تھا۔

اس نے کچھ یاد کرنے کی کوشش کی مگر اسے ناکامی ہوئی، اسے اپنے متعلق کچھ یاد نہیں آسکا، اسی وقت دروازہ کھلا اور ایک نرس کی صورت نظر آئی، وہ اسے ہوش میں دیکھ کر پہلے تو حیران ہوئی پھر یکدم تیزی سے واپس مڑی اور بھاگنے کے سے انداز سے باہر نکل گئی، غالباً وہ کسی سنیئر ڈاکٹر کو بلانے گئی تھی، کچھ دیر بعد سفید اوور آل پہنے ایک تھائی نقوش کا حامل ڈاکٹر تیز تیز چلتا اندر داخل ہوا، وہ اسی تیزی سے اس کی طرف بڑھا اور اس کا احوال دریافت کرتے ہوئے اس کا

ناولٹ

بنیادی اور ضروری چیک اپ کرنے لگا۔

''مجھے یہاں کون لے کر آیا ہے؟'' اس نے انگریزی میں دریافت کیا۔

''آپ کے شوہر۔'' ڈاکٹر نے کہا۔

اس کی آنکھیں پھٹنے کی حد تک پھیل گئیں، یکدم اس کے دماغ میں اسپارکنگ سی ہوئی اور مہروز کمال سے ہونے والا جھگڑا پوری شدومد سے اسے یاد آگیا۔

''آپ ٹھیک ہیں نا؟'' ڈاکٹر نے اس کے تاثرات سے گھبرا کر تیزی سے پوچھا، مگر وہ پھر سے غنودگی میں جا چکی تھی۔

☆☆☆

رات کے کھانے پہ تیمور احمد بے حد پریشان تھے، لمبی سی میز کے گرد صرف تین نفوس براجمان تھے۔

''مرینہ! اسید کدھر ہے؟'' وہ جانے کس رو میں تھے۔

’’اپنے کمرے میں ہوگا۔‘‘

’’وہ کھانے کی میز پہ کیوں نہیں آیا وہ، بلاؤ اسے۔‘‘ وہ قدرے ناگواری سے بولے۔

مرینہ نے بے حد چونک کر انہیں دیکھا، بجائے اس کے کہ وہ خوش ہوتیں، ان کے اندر کہیں گھنٹی بجنے لگی، وہ خاموشی سے اٹھ گئیں۔

’’حبا! پہلا دن کیسا رہا اپنی ٹیچر کے ساتھ؟‘‘ ان کا لہجہ نرم تھا، حبا جواب دیئے بغیر خاموشی سے پلیٹ کو گھورتی رہی۔

’’مجھے ان سے نہیں پڑھنا پاپا۔‘‘ اس کی آواز دھیمی تھی، تیمور نے طویل سانس لے کر سر جھٹکا، یوں جیسے وہ اس سے یہی توقع کر رہے تھے، اسی دوران انہیں اسید، مرینہ کے ساتھ آتا دکھائی دیا۔

’’السلام علیکم پاپا!‘‘ وہ قریب آ کر بولا تھا۔

’’وعلیکم السلام! کہاں تھے تم؟ کیا تم میں اتنی تہذیب نہیں کہ کھانے کے وقت میز پہ ہونا چاہیے؟‘‘ ان کا لہجہ کڑا تھا۔

’’آئم سوری، ایک ضروری اسائنمنٹ تیار کر رہا تھا۔‘‘ وہ ندامت سے بولتے ہوئے ان کے برابر بیٹھ گیا، ہمیشہ ایسا ہی ہوتا تھا، تیمور احمد اس کے لئے بہت سخت اور کرخت مزاج تھے مگر یہ بھی سچ تھا کہ ان سے کھانے کی میز پہ کسی کی غیر موجودگی برداشت نہیں ہوتی تھی، نازک سے نازک حالات آئے مگر اس آبنوسی میز کے گرد نفوس کی تعداد ہمیشہ چار رہی، اب بھی وہ ان کے برابر بیٹھا تو ان کے چہرے سے اطمینان جھلکنے لگا تھا، وہ سب کھانا کھانے میں مصروف ہو گئے۔

’’تمہارے ایگزامز تو ہو چکے، یہ کون سی اسائنمنٹ ہے؟‘‘ وہ اچانک یاد آنے پہ پوچھنے لگے، انداز میں تشکیک کا پہلو نمایاں تھا، اسید نے طویل سانس لیا۔

’’ہمارے ایک پروفیسر کی اکیڈمی ہے وہ اپنے سٹوڈنٹس کے لئے نوٹس لینا چاہ رہے تھے میرے، انہی کو نیٹ کر رہا تھا۔‘‘ وہ ہلکے پھلکے انداز میں بتانے لگا۔

’’اوہ! اور کیا مصروفیات ہیں آج کل تمہاری؟‘‘ ان کا لہجہ بدلا ہوا تھا، اسید کی آنکھوں میں حیرت در آئی۔

’’کچھ بھی نہیں، سوچ رہا ہوں لاہور چلا جاؤں۔‘‘ اس کا انداز سادہ سا تھا۔

’’لاہور روانگی فی الحال ملتوی کر دو، تمہاری یہاں موجودگی زیادہ ضروری ہے۔‘‘ ان کا انداز فیصلہ کن تھا۔

’’جیسا آپ کہیں۔‘‘ وہ حیرت کے ابتدائی جھٹکے سے سنبھل کر بولا تھا۔

’’حبا!‘‘ اب وہ حبا سے مخاطب تھے۔

’’جی پاپا!‘‘ وہ چونک کر بولی۔

’’کھانا کھانے کے بعد کتابیں لے کر لاؤنج میں آ جاؤ۔‘‘ شاید اندر ہی اندر وہ کوئی فیصلہ کر چکے تھے۔

’’مجھے اس ٹیچر سے نہیں پڑھنا پاپا! میں آپ کو بتا چکی ہوں۔‘‘ وہ قدرے بدتمیزی سے فورک پلیٹ میں پٹخ کر بولی تھی، اسید نے چونک کر ناپسندیدہ نظروں سے اسے دیکھا، وہ اس کی سکھائی ہر بات بھولتی جا رہی تھی۔

’’پوری بات تو سن لو، بے وقوف لڑکی۔‘‘ وہ اسے ڈانٹ کر بولے تھے، حبا نے تپی تپی نظروں سے انہیں دیکھا۔

’’تمہیں اسید پڑھائے گا۔‘‘ انہوں نے حبا کے سر پہ جیسے بم پھوڑا تھا۔

’’کیا؟‘‘ حبا حیرت آمیز خوشی سے چلائی تھی، جبکہ اسید ششدر سا بیٹھا تھا۔

☆☆☆

’’مغل ہاؤس‘‘ میں صف ماتم بچھی ہوئی تھی، ہر شخص حیران تھا، ایک دوسرے سے نظر چراتا، چھپ چھپ کر روتا ہوا، احمر مغل کو ہارٹ اٹیک ہوا تھا اور سبین نروس بریک ڈاؤن کے سبب ہاسپٹلائز تھی، رشتے دار اور اردگرد سے کوئی خاص گیسٹ تو تھا نہیں، مغل ہاؤس کے قریبی رشتے داروں میں صرف نبیلہ چچی کی بہن سہیلہ بیگم ہی تھیں جو کہ سبین کی والدہ تھیں، انہیں بھی انفارم کیا جا چکا تھا، معاملہ ایسا تھا کہ چھپایا ہی نہ جا سکتا تھا، ان کی حالت تو بیان سے باہر تھی، وہ مستقل سبین کے پاس ہاسپٹل میں تھیں اور چھوٹی دونوں بیٹیاں مغل ہاؤس میں تھیں اور اس سارے قصے کا سب سے امپورٹنٹ کردار عباس مغل جو گزشتہ دو دنوں سے کسی بزنس سیمینار کے سلسلے میں اسلام آباد تھا، اس بات سے بے خبر تھا کہ گھر میں کیا قیامت گزر چکی تھی۔

دوسری طرف شاہ بخت جس نے اس سارے معاملے میں مڈل مین کا کردار ادا کیا تھا اب اس بات سے یکسر بے خبر تھا کہ ایاز نے کس قدر خوفناک انداز میں معاملے کو اختتام تک پہنچایا تھا، جس نے دو لوگوں کو زندگی موت کی سرحد پہ لا کھڑا کیا تھا اور جس نے پورے مغل ہاؤس کی بنیادیں ہلا ڈالی تھیں، وہ اس سے قطعی بے خبر تھا۔

یہ دونوں نفوس ایسے تھے جنہیں کسی نے انفارم نہیں کیا تھا، عباس تو دو دن بعد لوٹ آیا تھا اور آتے ہی اس روح فرسا خبر نے اس کی دھڑکنیں تھما دی تھیں، بعض ڈر بعض خدشات کتنے حقیقی ثابت ہو جاتے تھے، بعض حادثے کیوں زندگی کا حصہ ہوتے ہیں؟ اور وہ زندگی سے اپنا حصہ وصول بھی کر لیتے ہیں، حادثوں کا اثاثہ؟ انسان کے آنسو، یہ انمول موتی جو کئی مقامات پہ بڑے روح پرور ہوتے ہیں اور بعض اوقات بے حد بے معنی اور بے مول، جیسے آج عباس کے آنسو تھے۔

کمرہ بند کر کے وہ کتنی ہی دیر سسکتا رہا تھا، بدقسمتی کی انتہا تو یہ تھی کہ نیویارک سے آنے والا پارسل جس میں ڈائیورس پیپرز تھے اسی نے وصول کیا تھا، سبین کو ہوش آ چکا تھا اور سب اسے دیکھنے ہاسپٹل بھی جا چکے تھے مگر عباس...... عباس خود میں اتنی ہمت نہیں پاتا تھا کہ وہ اس کا سامنا کر سکے، حالانکہ انصاف کی نظر سے دیکھا جاتا تو وہ خود بے قصور تھا، بڑے بھائی کے اس فعل کا وہ قطعی ذمہ دار نہ تھا مگر کیا کیا جائے اس کی حساس طبیعت کا؟ جو ہر لمحہ اسے ہی قصوروار گردانتی تھی، وجہ؟ وجہ بھی تو مضبوط تھی، ہاں...... وجہ تھی، یہ عباس ہی تھا جس کے علم میں پہلی بار یہ بات آئی تھی کہ سبین ایاز کے ساتھ خوش نہیں تھی، اس نے بے وقوفی ہی تو کی تھی کہ اسے وقار سے ڈسکس کرنے کی بجائے شاہ بخت سے ڈسکس کیا تھا جو خود بھی ان معاملات سے یکسر نابلد تھا، اس کے اندر گہرا ملال اترتا جا رہا تھا اسے افسوس تھا، دکھ تھا اور پچھتاوا بھی کہ اگر اس نے تب معاملے کو سنجیدہ لے کر کوئی مناسب قدم اٹھایا ہوتا تو شاید...... ہاں شاید معاملہ یہاں تک نہ آتا، شاید ایاز اتنی انتہا پر نہ اترتا اور شاید سبین یوں ایک خود پسند اور انا پرست مرد کے ہاتھوں تباہ نہ ہوتی۔

کتنے سارے شاید تھے اس کے پاس، مگر وہ اس بات سے یکسر بے خبر تھا کہ ایاز احمر مغل جیسے لوگ واقعی سمجھوتوں بھری زندگی نہیں گزار پاتے، آزاد پنچھیوں کو بھی بھی کوئی قید کر سکا ہے؟

وہ ہاسپٹل جانے نہ جانے کی کشمکش میں تھا کہ سبین اپنی والدہ کے ساتھ واپس اپنے گھر چلی گئی، اس نے آمنہ بھابھی کو کسی کو بتاتے سنا کہ وہ عدت میں بھی اور اس کا دل جیسے ٹکڑوں میں بٹ

گیا تھا۔

"مغل ہاؤس" میں ایک وحشت ناک خاموشی نے ڈیرا جما لیا تھا اور انہی بے زار اور ویران دنوں میں شاہ بخت بھی نیویارک سے لوٹ آیا، آج پھر اسے لینے کے لئے عباس ہی ائیر پورٹ گیا تھا، مگر اس نے گزشتہ وقت کی طرح کوئی شرارت نہ کی، دونوں کتنی ہی دیر ایک دوسرے سے لپٹے کھڑے، خاموش مہر بہ لب کہنے کو اب بچا بھی کیا تھا۔

"سب ختم ہو گیا بخت۔" اس کی آواز میں کتنے نوحے تھے، شاہ بخت نے اس کا شانہ سہلایا۔

"حوصلہ کرو عباس۔" اس کی اپنی آواز غم سے بوجھل تھی۔

"نہیں ہوتا حوصلہ میرے بھائی۔" اس کی آنکھوں کی سرخی مزید گہری ہو گئی تھی، یقینی طور پہ اس نے اسے واقعے کا شدید اثر لیا تھا، جس کا اندازہ شاہ بخت کو اس کے چہرے سے ہی ہو رہا تھا۔

"تم اس کے ذمہ دار نہیں ہو عباس۔" بخت نے اسے حوصلہ دیا تھا۔

"میں ہوں، ہاں میں ہی تو ہوں، اگر تب میں نے وقار بھائی کو سب بتا دیا ہوتا تو شاید آج یہ سب نہ ہوتا، وہ یقیناً اس مسئلے کا کوئی حل نکال لیتے۔" وہ پچھتا رہا تھا۔

بخت کو اس کے بچکانہ رویے پر حیرت ہوئی، وہ دونوں اب پارکنگ کی سمت جا رہے تھے۔

"تم ایک فضول اور لایعنی بات کر رہے ہو عباس! میں نے ایاز کے تیور دیکھے ہیں، وہ وہی کرتا جو اس نے اول دن طے کیا تھا اور حقیقت یہی ہے کہ اس نے کسی قسم کی گنجائش نہیں چھوڑی تھی، پلٹنے کا راستہ خود بند کرنے والے لوگ پچھتانا نہیں جانتے عباس! تم اس معاملے میں قطعی طور پر انوالو نہیں ہو، اس لئے خود پر کسی قسم کا بوجھ لینے کی ضرورت نہیں ہے، سمجھے تم۔" اس کا انداز سخت ہو گیا۔

"لیکن اس بات سے تو تم انکار نہیں کرو گے ناں کہ ہماری وجہ سے ایک معصوم اور بے خطا لڑکی کی زندگی برباد ہو گئی۔" عباس کا لہجہ دکھ سے بھرا ہوا تھا۔

"ہماری وجہ سے نہیں، ایاز کی وجہ سے۔" بخت نے دوٹوک انداز میں تصحیح کی، اس کے لہجے میں ایاز کے لئے احترام یکسر ختم ہو چکا تھا، وہ گاڑی میں بیٹھ رہے تھے۔

"ایاز ہم میں سے ہی ہے۔" عباس نے تلخی سے کہا۔

"غلط...... بالکل غلط، وہ ہم سے ہوتا تو کبھی یہ قدم نہ اٹھاتا، اس کے اندر شروع سے ہی نواز بھائی کے جراثیم تھے۔" بخت کا دماغ بھی گرم ہو رہا تھا۔

"کیا مطلب؟" سیٹ بیلٹ باندھتے ہوئے عباس نے کہا۔

"خود غرضی اور بے حسی کے جراثیم۔" بخت نے سرد مہری سے کہا، عباس خاموشی سے گاڑی سٹارٹ کرنے لگا۔

"سیین کہاں ہے اس وقت؟" بخت نے موضوع بدلنا چاہا۔

"اپنی والدہ کے گھر۔" عباس نے مختصراً کہا۔

"تایا ابو کی طبیعت کیسی ہے؟"

"بہتر ہے، آج شام تک ڈاکٹرز ڈسچارج کر دیں گے۔"

"کہتے کیا ہیں ڈاکٹرز؟" اس کا تفکر ظاہر تھا۔

"بس یہی کہ ٹینشن سے بچایا جائے۔" عباس نے گہری سانس لی۔

"ناممکن سی بات ہے، جب وہ گھر آئیں گے تو لامحالہ پھر سے وہی موضوع ہو گا۔"

"ہاں، وقار بھائی تو سب کو تاکید کر چکے ہیں کہ ان کے سامنے کوئی یہ قصہ نہیں دہرائے گا۔"

"اللہ پاک سب بہتر کرے گا عباس، تم ٹینشن نہ لو۔" اس نے عباس کا شانہ تھپتھپایا، مگر وہ دونوں ہی اپنی اپنی جگہ اس سوچ میں گم تھے کہ طوفان تو گزر گیا اب ٹوٹی کشتیوں اور پھٹے بادبانوں کو سہارا کون دے گا؟ گاڑی میں اب وحشت ناک خاموشی چھا چکی تھی، باقی کا سارا رستہ اسی خاموشی کی نظر ہو گیا، وہ گھر آئے تو عباس کو گھر میں پھیلی خاموشی قدرے غیر فطری لگی، وہ بخت کو سوٹ کیس گھسیٹتا ہوا اندر لے آیا جس میں اس کا سامان کم اور تحائف زیادہ تھے، وہ ہمیشہ یونہی کرتا تھا، سب کے لئے شاپنگ کرتے کرتے وہ دو ہستیوں پہ آ کر جانے کیوں تھم سا جاتا۔

"رمشہ احمد مغل۔" جس کی غیر معمولی حب الوطنی بعض اوقات ان کے لئے امتحان بن جایا کرتی تھی، خاص طور پر تب جب اسے ابروڈ سے کچھ خریدنا پڑتا اور عموماً ایسا ہوتا تھا کہ وہ رمشہ کے لئے کچھ نہیں لاتا تھا، وہ غیر ملکی پروڈکٹس سے سخت الرجک تھی، جبھی شاہ بخت کی مشکل آسان ہو جاتی اور وہ یہ بات بڑے دھڑلے سے اسے جتاتا تھا۔

دوسری طرف تھی "علینہ احمد مغل" جس کے لئے وہ ہمیشہ کچھ بھی خریدتے ہوئے کنفیوژن کا شکار ہو جاتا، کہ وہ ان سب کو اسے دے بھی پائے گا یا نہیں اور عموماً وہ دوسرے فیصلے پہ قائم رہتا یعنی نہ دینے والے فیصلے پر اور پتا نہیں کیوں؟ مگر اسے لگتا وہ کبھی اس کا تحفہ نہیں لے گی، مگر لاسٹ ٹائم اس نے اپنے ذہن سے سارے خدشات نکال کر اسے اپنے تئیں نہایت بے ضرر سا گفٹ (جو کہ صرف ایک خوبصورت ریسٹ واچ تھی) دینا چاہا تھا اور اس کا جو خوفناک نتیجہ سامنے آیا تھا اس کا تلخ تجربہ وہ ابھی بھولا نہیں تھا، لیکن اس سب کے باوجود وہ بھی شاہ بخت مغل تھا، اپنے نام کا ایک، وہ وقتاً فوقتاً اس کے لئے کچھ نہ کچھ خریدتا رہتا تھا، جو کہ بعد میں اس کی کپ بورڈ کے خانے میں محفوظ ہوتا جاتا، چونکہ کپ بورڈ کا یہ حصہ ہمیشہ لاک رہتا تھا جبھی علینہ کی امانتیں بھی باحفاظت موجود تھیں جن کا ایک ڈھیر جمع ہو چکا تھا، بے شمار چھوٹی چھوٹی چیزیں، کیچر، بریسلٹ، ائیر رنگ، کلر تک بکس، وشنگ کارڈز، رنگز، نازک سی اسٹائلش سینڈلز، ہیر پنز، ہیڈز اور کئی خوبصورت اور جدید تراش خراش کے شرٹ ٹراؤزرز شامل تھے، اب کی بار ان میں مزید اضافہ ہونے والا تھا۔

"ہیلو...... ہیلو۔" بخت لاؤنج میں داخل ہوتے ہوئے بلند آواز میں بولا تھا، عجیب سی خاموشی نے اس کا استقبال کیا۔

"عباس! سب کدھر ہیں؟" وہ اس کی طرف پلٹا۔

عباس خود بھی حیرانی سے اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا، لاؤنج بھائیں بھائیں کر رہا تھا، حالانکہ یہ لنچ کا وقت تھا، اسی وقت کچن سے کومل درآمد ہوئی۔

"بخت بھائی! آپ آ گئے؟" وہ حیرت سے بولی۔

"ہاں کیسی ہو کومل؟ گھر میں کوئی نہیں کیا؟" وہ اس سے مصافحہ کرنے کے بعد پیار سے اس کے سر پہ ہاتھ پھیر کے بولا تھا، جواباً کومل کی آنکھیں ڈبڈبا سی گئیں۔

''ارے..... ارے کیا ہوا؟ بھئی بولو نا؟''
عباس نے ہکا بکا سا ہو کر اسے دیکھا، وہ روتی ہوئی اس کے شانے سے آلگی۔
''عباس بھائی! وہ سبین..... سبین..... سبین ٹھیک نہیں ہیں۔'' وہ آنسوؤں کے درمیان بمشکل بات مکمل کر پائی تھی، عباس کا رنگ بدل گیا۔
''کیا ہوا ہے انہیں؟'' اس نے جھٹکے سے کومل کو الگ کیا، شاہ بخت نے قدرے چونک کر عباس کو دیکھا، اس کے تاثرات اتنے غیر فہم نہیں تھے کہ وہ سمجھ نہ پاتا۔
''ان کی طبیعت پھر سے بگڑ گئی ہے، سب ادھر گئے ہیں، بس میں اور علینہ گھر پہ ہیں، رمشہ بھی چاچو کے پاس ہاسپٹل میں ہے۔'' وہ رو رہی تھی۔
''بس کرو کومل، بس چپ کرو۔'' بخت اسے خاموش کروانے لگا، عباس واپس مڑ چکا تھا، بخت اس کے پیچھے جانا چاہتا تھا مگر سچویشن ایسی تھی کہ وہ خود کو اس قابل نہیں پا رہا تھا کہ اتنے ٹینس ماحول میں سب کا سامنا کر سکے، دوسرے اسے یہاں رہنا زیادہ بہتر لگا تھا، کومل اور علینہ کو مزید تنہا چھوڑنا مناسب نہیں لگا تھا اسے، کومل کی حالت تو وہ دیکھ چکا تھا، یقینی طور پر علینہ کی حالت کومل سے مزید بدتر ہی ہوتی، سوئے اتفاق اسی وقت علینہ کمرے سے نکلتی دکھائی دی۔
''آپ؟'' وہ شاہ بخت پہ نظر پڑتے ہی بھرپور انداز میں چونکی تھی۔
''کیسی ہو علینہ؟'' اس نے نرمی سے کہا، نظر اس پہ جم سی گئی تھی، سوجی ہوئی متورم آنکھیں، سرخ ہوتا بھیگا چہرہ اور تھکے تھکے سے اعصاب لیے وہ بہت افسردہ اور پژمردہ لگ رہی تھی۔
''ٹھیک ہوں۔'' دھیمے سے کہتی وہ سر جھکا گئی تھی۔

''غلط بھائی! یہ بالکل ٹھیک نہیں ہے، اس نے صبح سے کچھ نہیں کھایا، میں کب سے اس کی منتیں کر رہی ہوں۔'' کومل نے جھٹ اس کی شکایت لگائی۔
''کومل پلیز میرا بالکل دل نہیں چاہ رہا۔'' وہ سستی سے بولی، جواباً کومل ناراضی سے پیر پٹختی مڑ گئی، اس میں بھی اس کی محبت پنہاں تھی۔
علینہ کچن کی طرف بڑھ گئی، ارادہ چائے بنانے کا تھا، شاہ بخت اس کی پیروی میں کچن کے فریم میں کھڑا ہو گیا۔
''اگر زحمت نہ ہو تو ایک کپ میرے لیے بھی۔'' اس نے کہا، وہ چونکی پھر سر ہلا دیا۔
''کھانا گرم کر دوں آپ کے لیے؟'' اس کی پیشکش پہ بخت کو خوشگوار حیرت ہوئی۔
''ضرور مگر میں بہت تھکا ہوا ہوں، فریش ہونا چاہتا ہوں، تم یہ سب تیار کر کے میرے کمرے میں لے آنا۔'' نا چاہتے ہوئے بھی اس کا لہجہ قدرے تحکمانہ ہو گیا۔
''ٹھیک ہے۔'' اس نے کہا۔
بخت واپس مڑ گیا، سیڑھیاں چڑھتے ہوئے وہ اپنا سوٹ کیس لینا نہیں بھولا تھا، اسے فریش ہونے میں تقریباً دس منٹ لگ گئے، بال بنا کر وہ سوٹ کیس کھول کر بیٹھ گیا، کارپٹ پہ ڈھیروں چیزیں بکھر گئیں، اس نے وارڈروب کے پٹ کھولے اور اپنی چیزیں رکھنے لگا، پھر باقی چیزیں رکھنے کا سوچا مگر پھر خیال آیا کہ رات کو جب سب کو دینا ہی ہیں تو واپس سوٹ کیس میں ہی کیوں نہ ڈال دی جائیں، اتنی تنگ و دو کا [illegible] اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنانے کا سوچ ہی رہا تھا کہ آہستگی سے دروازہ بجایا گیا۔
''آ جاؤ علینہ!'' اس کی آواز پہ وہ دروازہ کھولتی اندر آ گئی، دونوں ہاتھوں میں بڑی سی

ٹرے تھامے جو لوازمات سے بھری ہوئی تھی۔
''اوہ! آپ نے تو اتنا کچھ پھیلایا ہوا ہے، کہاں رکھوں؟'' وہ چیزوں سے بچتی ہوئی بولی۔
''بیڈ پہ رکھ دو۔'' وہ خود بھی بچتا بچاتا بیڈ کی طرف آ گیا، وہ ٹرے میں رکھے لوازمات کو بغور دیکھ رہا تھا، رشین سلیڈ، میکرونی، بریانی، سویٹ ڈش میں بنانا ڈیزرٹ اور ساتھ رکھا کافی کا بڑا سا مگ، بخت کی بھوک چمک اٹھی۔
''تم کدھر؟'' وہ اسے واپس مڑتے دیکھ کر بولا تھا۔
''بیٹھو ادھر، کھانے میں میرا ساتھ دو۔'' اکڑ کے بولا، علینہ گڑ بڑا سی گئی۔
''میرا دل نہیں چاہ رہا۔'' اس کے لفظوں میں نمی گھل گئی۔
''عینا! ادھر بیٹھو۔'' وہ اٹھ کر اس کے مقابل آ گیا، اس کے شانے پہ ہاتھ کا نرم دباؤ ڈال کر اسے بیڈ پہ بٹھایا اور خود اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔
''پریشانیاں زندگی کا حصہ ہوتی ہیں، ذرا سوچو! تم ایک غیر متعلق شخص ہو کر اس قدر ڈس ہرٹ ہو تو وہ جن پر یہ قیامت گزری ہے ان کا کیا حال ہوگا؟'' اگرچہ اس کے الفاظ قدرے سخت تھے مگر لہجہ نرم و ملائم، سمجھانے والا، وہ اس کے اتنا قریب تھا کہ اس کے مخصوص کلون Okley کی مہک اس کو بخوبی محسوس ہو رہی تھی مگر وہ اس کے الفاظ پہ تڑپ اٹھی۔
''میں ایک غیر متعلق شخص نہیں ہوں، سبین میری بھابھی ہیں اور جو ہاسپلائز ہیں وہ میرے بابا۔'' وہ پھر سے رونے کو تیار تھی۔
''وہ تمہاری بھابھی تھیں، اب نہیں ہیں، رشتوں کو اصل شکل میں ہی قبول کیا جاتا ہے۔'' وہ دوٹوک بولا۔
''ٹھیک ہے لیکن اس کے باوجود میں خود کو اس کرائسسز سے الگ نہیں کر سکتی، یہ میرے گھر کا معاملہ ہے، آپ بتائیں آپ کر سکتے ہیں خود کو الگ؟'' اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔
شاہ بخت کے دل کو کچھ ہوا تھا، ان کے درمیان بظاہر کوئی دوستی نہیں تھی مگر اس کے باوجود ایک بہت خاص رشتہ تھا اور اس وقت اس کے دل پہ علینہ کے آنسوؤں نے گہرا اثر کیا تھا۔
''عینا! عینا! جسٹ لسن ٹو می، ڈونٹ بی سو فر سٹریٹڈ۔'' اس سے ضبط نہیں ہو سکا تھا، نرمی سے اس کا شانہ تھپتھپاتے وہ اس کے آنسو پونچھنے لگا اور ذرا سی ہمدردی اور مہربان آغوش پاتے ہی وہ بکھر گئی، پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے وہ اسے بتانے لگی کہ کس طرح تایا جان ایاز کو گالیاں دیتے تھے، کس طرح سب اسے نظر انداز کر رہے تھے، محض بچی سمجھ کر اسے ہاسپٹل نہیں لے جایا گیا تھا اور نہ ہی سبین کے گھر، وہ اکیلی ہی کمرہ بند کر کے روتی رہی اور پریشان ہوتی رہی تھی۔
شاہ بخت کو دلی افسوس ہو رہا تھا، وہ کچھ دیر مزید اسے چپ کرواتا رہا اور پھر خود ہی اسے ہاتھ پکڑ کر باتھ کی سمت لے گیا، وہ منہ دھو کر باہر آئی تو بے حد شرمندہ تھی، وہ اس کے انتظار میں بیٹھا تھا۔
''سوری آپ اتنے تھکے ہوئے تھے، میں نے آپ کو مزید پریشان کر دیا۔'' وہ ندامت سے گویا ہوئی تھی، شاہ بخت کو چہرے پہ ایک دلکش مسکراہٹ آ گئی۔
''اٹس او کے عینا! پلیز آ جاؤ، مجھے بہت بھوک لگی ہے۔'' وہ بولا۔
وہ جھجکی ہوئی اس کے سامنے آ بیٹھی، اپنی گھبراہٹ میں اس نے غور ہی نہیں کیا تھا کہ وہ اسے کب سے عینا کہے جا رہا تھا، ٹرے میں اس وقت دو چیچ رکھے ہوئے تھے، وہ چونکہ کھانا

کھاتے ہوئے دو چمچ یوز کرنے کا عادی تھا جبھی وہ دو ہی لائی تھی، دو چمچ استعمال کرنے کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ وہ دونوں چمچوں سے بھر بھر کر کھانا شروع کر دیتا تھا، بلکہ کھانا وہ ایک سے ہی تھا مگر دوسرے چمچ کو اس قدر مہارت سے استعمال کرتا کہ دیکھنے والا عش عش کر اٹھتا، اب بھی علینہ کی نظر اس پہ جمی تھی، بلکہ نہیں..... اس پہ نہیں اس کے ہاتھوں پر، جو کہ دو چمچ ہاتھ میں لئے اسے دیکھ رہا تھا، ٹرے میں کوئی ایکسٹرا تیسرا چمچ موجود نہیں تھا۔

''تم یہ لے لو۔'' شاہ بخت نے خاموشی سے ایک اس کی سمت بڑھایا۔

''نہیں رہنے دیں میں لے آتی ہوں۔'' وہ اٹھنے لگی۔

''رہنے دو، کہاں دوبارہ اتنی نیچے جاؤ گی، بیٹھ جاؤ۔'' اس نے چمچ زبردستی اس کے ہاتھ میں تھمایا۔

اب ایک حیران کن اور مزے دار سچویشن پیدا ہو چکی تھی، جس نے انہیں وقتی طور پہ ہر چیز بھلا دی تھی، بخت تو دل ہی دل میں کافی محظوظ ہو رہا تھا جبکہ اس کے برعکس علینہ کافی گھبرائی اور جھجکی سی تھی، دونوں کو ایک ہی پلیٹ میں کھانا تھا، بخت نے بریانی کی پلیٹ اپنے آگے سرکائی اور اسے بھی اشارہ کرتے ہوئے کھانا شروع کر دیا۔

☆☆☆

شائی وانگ کا تعلق بنیادی طور پہ تھائی لینڈ کے انتہائی شمال میں برما اور لاؤس کی سرحدوں کے قریب واقع شہر ''چیانگ رائے'' سے تھا، اس کی فیملی خاصی خوشحال اور پڑھی لکھی تھی، وہ دو بہنیں تھیں، تھائی وانگ اور شائی وانگ، ان کی زندگی ہر طرح سے پرسکون تھی، ڈیڈ کا ایک مشہور اور چلتا ہوا کافی ہاؤس تھا، جس سے اچھی خاصی آمدنی ہو جاتی تھی، اس وقت تھائی جو کہ بڑی بیٹی تھی کالج میں پڑھ رہی تھی اور شائی ابھی اسکول لیول پہ تھی جب وہ حادثہ پیش آیا جس نے دونوں بہنوں کی زندگیاں کمزور اور ڈولتی ناؤ کی مانند کی بھنور میں پھینک دیں۔

وہ ایک بہت خوشگوار اور چمکدار صبح تھی جب وہ دونوں اپنے اپنے اسکول و کالج جانے کے لئے تیار ہو رہی تھیں، اچانک مام اور ڈیڈ کے زور زور سے بولنے کی آوازیں آنے لگیں، تھائی نے اسے وہیں رکنے کا اشارہ کیا اور خود باہر نکل گئی، کچھ دیر بعد وہ لوٹی تو بہت پریشان تھی لیکن اس نے شائی کو کچھ نہیں بتایا، وہ معمول کے مطابق اپنے ڈرائیور کے ساتھ چلی گئیں۔

وہ اسکول میں بھی سارا دن پریشان رہی تھی اور بات بہت دن تک اس سے چھپی نہ رہی تھی، ڈیڈ تھائی کی شادی اپنے کسی دوست سے کرنا چاہتے تھے، جو بمشکل ان سے چار پانچ سال چھوٹا تھا، مام اور ڈیڈ بھی اس بات پر کئی بار جھگڑ چکے تھے مگر نتیجہ وہ ڈھاک کے تین پات، تھائی بڑی خوبصورت اور اسٹائلش تھی، کالج میں اس کے بے شمار دوست تھے اور ان میں سے کئی اس سے شادی کے خواہش مند تھے، اب یوں ڈیڈ کا اس پر اپنے ادھیڑ عمر دوست کو تھوپنا اسے سراسر ظلم لگا تھا، اسے کون سا پرپوزل کی کمی تھی، کئی دن گھر میں مسلسل جھگڑے ہوتے رہے، پھر مام نے ڈیڈ کو صاف کہہ دیا کہ اگر انہوں نے زبردستی کرنے کی کوشش کی تو وہ گھر چھوڑ کر چلی جائیں گی، بہت دن تک گھر میں مام اور ڈیڈ کی سرد جنگ جاری رہی پھر ڈیڈ نے ہار مان لی اور اپنے مطالبے نما خواہش سے دستبردار ہو گئے۔

اس کے بعد بہت دن تک مام ڈیڈ نے آپس میں کوئی بات نہ کی، وہ دونوں ہی والدین کے مابین ہونے والی اس چپقلش سے نالاں تھیں مگر کسی مداخلت سے گریز ہی کر رہی تھیں، آخر ایک دن یہ سب کچھ ٹھیک ہو گیا اور اس کی وجہ بھی تھائی ہی بنی تھی، اس کی کالج کی پڑھائی ختم ہو چکی تھی اور اس کے ایک کلاس فیلو نے اسے پرپوز کیا تھا، اس دن بہت دنوں بعد انہوں نے مام ڈیڈ کو بات کرتے اور ہنستے دیکھا تھا۔

تھائی بے حد خوش تھی، دونوں کو شادی کی فکس ہو گئی، گھر میں خوشیوں کی بارات اتر آئی تھی، تھائی کی شادی بخیر و عافیت سے انجام پا گئی، شائی بے حد خوش تھی، اس کی اسکولنگ مکمل ہو چکی تھی، زندگی خوش و مطمئن تھی کیونکہ زندگی میں سب کچھ ٹھیک ہو چکا تھا، مگر یہ سب کچھ بہت دن تک ٹھیک نہیں رہا تھا۔

☆☆☆

سہ پہر کا وقت تھا، موسم بتدریج بدل رہا تھا، شام کی ہوا بڑی بھلی اور خوشگوار لگتی تھی، اس وقت بھی آسمان بڑا خوبصورت لگ رہا تھا نیلا نیلا سا، لاؤنج کی سلائیڈنگ ونڈوز کھلی ہوئی تھیں، صوفوں کے درمیان پڑے ٹیبل پہ ڈھیر ساری بکس اور نوٹ بکس پڑی تھیں، ایک طرف ٹیبل کے حبا بیٹھی تھی، فلور کشن پر اور میز پر رکھی نوٹ بک میں کچھ لکھ رہی تھی، جبکہ ٹیبل کے دوسری طرف اسی کی مانند فلور کشن پہ اسید مصطفیٰ براجمان تھا۔

وہی اسید مصطفیٰ جو کہتا تھا کہ حبا تیمور اس کی ڈکشنری سے نکل گئی ہے، تیمور احمد کی ایک بات نے اسے پھر سے باندھ کر حبا کے آگے لا پٹخا تھا، نہ اس سے بات کرنے، نہ اس کی شکل دیکھنے کا دعویٰ کرنے والے اسید کو اب نہ صرف اس سے مخاطب ہونا تھا بلکہ اس کی شکل بھی دیکھنا تھی، ہمیشہ یونہی ہوتا تھا، وہ ہمیشہ بے بس ہو جاتا تھا ان باپ بیٹی نے تو اس کا تماشا بنا لیا تھا، مگر پھر وہی بات کہ نہ تو وہ احسان فراموش تھا اور نہ ہی نمک حرام، تیمور احمد نے اسے سب کچھ دیا تھا وہ سب کچھ جو اسے اس کا باپ دیتا اگر وہ زندہ ہوتا، اس کے لئے وہ سب کیا تھا جو ایک باپ کرتا، وہ ایک بہترین ادارے سے پڑھ رہا تھا، اس نے اپنی مرضی سے ادب کا شعبہ چنا تھا، اسے خرچ کے حوالے سے کبھی کوئی پریشانی نہیں ہوئی تھی، اس کے پاس اپنی بہترین ہیوی بائیک تھی، حالانکہ جب وہ یونیورسٹی میں آیا تو تیمور احمد نے مرینہ سے کہا تھا کہ اسے اب گاڑی لے لینی چاہیے مگر اسید نے نرمی سے انکار کر دیا، بائیک اس کا شوق تھی، گاڑی میں بیٹھنا اسے کبھی پسند نہیں رہا تھا۔

جب تک کالج لائف چلتی رہی مرینہ اسے جیب خرچ دیا کرتی تھیں مگر یونیورسٹی میں آنے کے بعد تیمور احمد نے اسے کریڈٹ کارڈ اور اے ٹی ایم کارڈ بنوا کر دے دیئے تھے، اس سب کے لئے وہ ان کا بے انتہا شکر گزار تھا، ہاں ایک چیز انہوں نے اسے کبھی نہیں دی تھی اور وہ تھی ''محبت''۔

اور اتنا سب کچھ ہونے کے باوجود اسید سے یہ کمی کبھی برداشت نہ ہوئی، مگر وہ مرینہ خانم کا بیٹا تھا جن کے لبوں نے شکایت کرنا سیکھا ہی نہ تھا، اسید بھی جانتا تھا کہ زندگی میں ہر چیز مکمل میسر نہیں ہوتی اور بعض چیزوں کے لئے جتنی بھی کوشش کر لو، کتنی بھی تگ و دو کر لو، وہ نہیں ملتی، تیمور احمد کی محبت بھی اس کے لئے ایسی ہی تھی، بہت عرصہ وہ ان کے پیچھے بھاگتا رہا، پھر رک گیا تھک کر یا اکتا کر، اس سے کیا فرق پڑتا تھا مگر اس نے دل سے یہ خواہش نکال دی، حالانکہ خواہشیں نکلتی کب ہیں، صرف دب جاتی ہیں اور ہم اس پہ ''I dont care'' کا پردہ ڈال

دیتے ہیں۔
اب تیمور احمد اس پر اعتماد کر رہے تھے انہوں نے ایک بار پھر حبا کو اس کے حوالے کر دیا تھا یہ سوچ کر وہ اس کا کبھی برا نہیں چاہے گا اور اسید کو اس امانت کو یونہی لوٹانا تھا، صحیح سلامت اور باحفاظت۔

یہی وجہ تھی کہ آج سے پہلے اس کا حبا کے ساتھ کیا رویہ تھا؟ یا اس نے حبا کو کس طرح ٹریٹ کرنا تھا وہ اب اس کو مکمل طور پر بدل چکا تھا، اس وقت وہ بڑے روڈ اور تلخ موڈ میں تھا۔

خاموشی سے نظر کتاب پر جمائے وہ اسے کچھ نوٹ کروا رہا تھا اور باقی رہ گئی حبا تو وہ وہاں تھی ہی کہاں؟ وہ تو بڑے مست و مگن انداز میں اس کی جھکی نظروں پر قبضہ جمائے بیٹھی پلکوں کو تکنے میں اس قدر مگن تھی کہ اس کے فرشتے بھی اس بات سے لاعلم تھے کہ وہ اسے کیا لکھوا رہا تھا، کچھ دیر بعد وہ اس سے نوٹ بک مانگ رہا تھا، حبا نے میکانکی انداز میں کتاب کے اوپر رکھی نوٹ بک اسے تھما دی اسید اب بھی اسے نہیں دیکھ رہا تھا، اس کی نظریں نوٹ پر پھسل رہی تھیں، پھر یک بیک اس کے تاثرات بدلتے گئے، حبا نے دیکھا اس کے لب بھینچ گئے۔

چلو تم چھوڑ دو مجھ کو
میں واپس لوٹ جاتا ہوں
تمہیں منزل مبارک ہو
نیا ساتھی مبارک ہو
مگر پھر اے میرے ہمدم!
مجھے اتنا تو بتلا دو
کہ واپس کس طرف جاؤں
کہاں سے ساتھ لائے تھے؟
مجھے اتنا تو سمجھا دو......!!!
اگر ایسا نہیں ممکن
تو مجھ کو اس طرح توڑ دو!
کہ میں یکسر بکھر جاؤں
بھٹکنے سے تو بہتر ہے
تمہارے پاس مر جاؤں

''یہ کیا ہے؟'' اس نے نوٹ بک حبا کے آگے پٹخی۔

حبا نے ایک نظر نوٹ بک کو دیکھا اور دوسری بار اسید کو جو اسے ہی گھور رہا تھا، چند لمحے وہ کچھ بول نہیں سکی، وہ پلکیں جھپکائے بغیر سیدھا اسید کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی جو کہ اس کے اس طرح دیکھنے پر پہلے تو قدرے حیران ہوا اور پھر اس کی فراغ پیشانی شکنوں سے بھرتی گئی، اس نے نظر کا زاویہ بدل لیا، حبا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

اک مدت کے پیاسے کو فقط ایک ہی جام
ساقی تیری تنگ دستی مجھے یاد رہے گی
وہ زیر لب بڑبڑائی تھی۔

''ڈیٹس انف۔'' وہ سختی سے بولا۔

''ایسا مت کرو اسید، پلیز...... میرے ساتھ ایسا مت کرو۔'' اس کی آنکھوں سے دو آنسو ٹپک گئے۔

''تم...... تم آخر کرنا کیا چاہتی ہو؟'' وہ درشتی سے بولا۔

سادگی میری کہ تجھ کو رشتہ جاں کہہ دیا
حوصلہ تیرا کہ اکثر بھول جاتے ہو مجھے
وہ دلگرفتی سے بولی تھی۔

اسید کے چہرے کے تاثرات بڑے عجیب سے ہو گئے، وہ چند لمحے اسے چبھتی ہوئی نظروں سے گھورتا رہا پھر یک بیک اس کے چہرے پر ہنگامی تبدیلی ہوئی اس کے لبوں کی تراش میں ایک مسکراہٹ آ گئی، گہری، بہت گہری مسکراہٹ، ایک ایسی مسکراہٹ جو مقابل کا دل لوٹ لے۔

''دیٹس آل رائیٹ حبا! یہ آپ کی پوئٹری کی کلاس نہیں ہے، سو پلیز جو میں لکھوا رہا ہوں وہ نوٹ کرو۔'' وہ بڑے خوشگوار موڈ میں کہہ رہا تھا۔

حبا ہکا بکا سی اسے دیکھ رہی تھی، پھر یکدم اس نے لاؤنج میں پاپا کی آواز سنی، وہ مسکراتے ہوئے اندر آ رہے تھے، وہ سن سی بیٹھی رہ گئی، لازمی بات تھی کہ وہ انہیں آتے دیکھ چکا تھا چونکہ حبا کی دروازے کی سمت پشت تھی، جبھی اسید کا موڈ ایکدم سے چینج ہو گیا تھا۔

''کیا ہو رہا ہے بھئی؟'' تیمور اس سے دریافت کر رہے تھے۔

''کچھ نہیں پاپا! حبا کا پوئٹری کا موڈ ہو رہا ہے، یہ دیکھیں ذرا، میں اسے اتنے امپورٹنٹ پوائنٹس نوٹ کروا رہا ہوں اور یہ...... یہ لکھ کر مجھے دے رہی تھی۔'' وہ اسی طرح مسکراتے ہوئے اب تیمور احمد کو حبا کی نوٹ بک دکھا رہا تھا، وہ کسی مجسمے کی مانند ساکت تھی، کیسی کند چھری چلائی تھی اس نے۔

''حبا! کیا بات ہے بیٹا! اسٹیڈیز پہ دھیان دو۔'' تیمور اب اسے ڈانٹ رہے تھے، پھر وہ اٹھے اور لاؤنج میں نکل گئے۔

''کچھ پڑھنے کا موڈ ہے تمہارا؟'' وہ اب پھر تلخ موڈ میں اس سے پوچھ رہا تھا، انداز ایسا تھا کہ بھاڑ میں جاؤ، حبا کی ساکت، ٹھہری ہوئی آنکھیں بھیگنے لگیں۔

''کاش تم اپنی جذباتی اداکاری سے مجھے متاثر کر پاتیں۔'' وہ اب اس کا مذاق اڑا رہا تھا۔

پڑا ہے واسطہ محبت کے یزیدوں سے
یہاں ہم اپنی آنکھوں میں پانی رکھ نہیں سکتے
وہ زیر لب بولی تھی آواز اتنی بلند تو تھی کہ اسید بخوبی سن سکے، حبا نے اسے ایک بار پھر ہونٹ بھینچتے دیکھا اس کی پیشانی پھر سے شکن شکن ہو رہی تھی اور حبا کا دل جیسے تھمتا جا رہا تھا، سب کچھ واقعی پہلے جیسا نہیں رہا تھا بلکہ شاید کچھ بھی پہلے جیسا نہیں رہا تھا، اس کے اندر نئے سرے سے ٹوٹ پھوٹ ہونے لگی تھی۔

☆☆☆

علینہ نے چند نوالے لینے کے بعد چمچ سائیڈ پہ رکھ دیا، شاہ بخت نے چونک کر اسے دیکھا۔

''کیا ہوا؟ تم نے کھانا کیوں چھوڑ دیا؟''

''دل نہیں چاہ رہا۔'' وہ آہستگی سے بولی۔

''دل کیا چاہ رہا ہے؟'' وہ استفسار کرنے لگا، انداز سنجیدہ ہی تھا۔

''سر میں درد ہو رہا ہے۔'' وہ بائیں ہاتھ سے سر کو چھو کے بولی تھی۔

''تم کافی پی لو۔'' مشورہ دیا، اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''یہ آپ کی ہے۔''

''لیکن کہہ بھی تو میں رہا ہوں۔''

''میں چائے بنا لیتی ہوں نیچے جا کر۔'' اٹھنا چاہا، شاہ بخت نے ہاتھ کھینچ کر اسے واپس بٹھا لیا۔

''بیٹھ جاؤ اور چلو...... پکڑو یہ۔'' اس نے اپنا مگ اس کے ہاتھ میں زبردستی تھمایا۔

علینہ مگ تھامے حیرت و بے یقینی سے چند لمحے اسے دیکھتی رہی، اسے اتنی دیر میں پہلی بار خیال آیا تھا کہ شاہ بخت اس کے ساتھ اتنا فرینڈلی بی ہیو کر رہا تھا حالانکہ اسے یاد تھا کہ پچھلی بار...... بلکہ بہت دن پہلے یا شاید دو سے تین ماہ پہلے اس نے یعنی علینہ نے کس قدر لاپرواہی سے اس کا گفٹ لینے سے انکار کر دیا تھا اور جواباً وہ کس قدر ہائپر ہو گیا تھا، اسے وہ سب نئے سرے سے یاد آیا تو شرمندگی کے شدید احساس نے آن

گھیرا۔

"میں یہ سب سمیٹ دوں؟" اس نے کارپٹ پہ بکھری اشیاء کی طرف اشارہ کیا وہ نجانے کون سا ازالہ کرنا چاہ رہی تھی، اس نے بنانا ڈیزرٹ کے چمچ بھر بھر کے کھاتے ہوئے نفی میں سر ہلا دیا۔

"میں خود کرلوں گا، تم ٹھیک نہیں ہو۔" وہ بولا۔

اس کی بات نے علینہ پہ عجیب سے انداز میں اثر کیا تھا، وہ چند لمحے کافی کے مگ پہ نظریں جمائے رہی پھر جو نظر اٹھائی تو دل دھڑک اٹھا، وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا، اس کی شہد رنگ جھلکیں علینہ کو جیسے کسی تار عنکبوت میں جکڑ رہی تھیں، وہ کسی سحر زدہ معمول کی طرح ان میں دیکھتی رہی، اچانک دور کہیں سے عصر کی اذانوں کی آواز آنے لگی، طلسم ایک چھناکے سے ٹوٹا تھا، وہ جھرجھری لے کر ہوش میں آگئی، اس نے تیزی سے کافی کا مگ ٹرے میں رکھا اور اٹھ کھڑی ہوئی، چہرے سے سراسیمگی اور بے چینی ٹپک رہی تھی۔

"کیا ہوا؟" وہ حیرانی سے گویا ہوا۔

"کک...... کچھ نہیں، میں نیچے جا رہی ہوں، مجھے سونا ہے۔" وہ عجلت میں کہتی پلٹی اور کسی ہرنی کی مانند کلانچیں بھرتی دروازے کی سمت بھاگ گئی، وہ حیرانی سے اسے دیکھتا رہ گیا۔

☆☆☆

گھر میں تھائی کے جانے کے بعد بہت دن تک خاموشی چھائی رہی، وہ اسے بہت مس کرتی تھی، مگر جب اس کا کالج سٹارٹ ہوا تو اسے سب بھولنے لگا، ان ہی دنوں اس نے مام ڈیڈ کو پھر سے پریشان دیکھا، وہ تھائی نہیں تھی جو دھڑلے سے جا کر ان سے پوچھ سکتی، وہ اس جیسی کونفیڈنٹ قطعی نہیں تھی، وہ بڑی ڈرپوک اور دبوی تھی، جبھی وہ بس اندر ہی کڑھے جاتی مگر کچھ پوچھ نہ پاتی۔

اسے کچھ پوچھنے کی نوبت ہی نہ آئی، ایک شام مام ڈیڈ کسی پارٹی سے لوٹ رہے تھے جب ایک خطرناک ایکسیڈنٹ نے ان کی جان لے لی، صدمہ ایسا اور اتنا بڑا تھا کہ صدیوں بعد بھی اذیت کم نہیں ہوسکتی تھی۔

تھائی اور اس کا شوہر تھونگز بھی اس کے پاس ہی تھے، مگر وہ اپنا گھر اور جاب چھوڑ کر اس کے پاس نہیں بیٹھ سکتے تھے جبھی تھائی نے اسے ساتھ لے جانے کا فیصلہ کیا، انہوں نے مام ڈیڈ والا گھر رینٹ پہ دے دیا اور تھائی کے اصرار پہ بلکہ اچھا خاصا جھگڑنے کے بعد اس نے آخر کار تھونگز کو آمادہ کیا تھا کہ وہ ڈیڈ کا کافی ہاؤس سنبھال لے۔

یوں وہ تھائی کے گھر آگئی، کچھ دن تو سب ٹھیک رہا پھر اس نے تھائی اور اس کے شوہر کو پریشانی کے عالم میں باتیں کرتے سنا اور اس بار اس سے رہا نہ گیا، اس نے دوٹوک انداز میں تھائی سے پوچھ لیا اور تب اس پہ یہ خوفناک انکشاف ہوا کہ ڈیڈ کا کافی ہاؤس دراصل ہیروئن فروشوں کا اڈہ تھا، اب یہ بات کوئی نہیں جانتا تھا کہ کب سے؟ مگر یہ بات تو صاف تھی کہ انہیں زبردستی اس منشیات کے ریکٹ کا حصہ بنایا گیا اور ڈیڈ کا وہی دوست جس سے وہ تھائی کی شادی کرنا چاہتے تھے وہ اس سارے نیٹ ورک کا کرتا دھرتا تھا چیانگ رائے میں نشہ فروخت کرنے پر سختی سے پابندی تھی، چونکہ ڈیڈ کا کافی ہاؤس بہت اچھی شہرت رکھتا تھا اور آج تک کسی ہنگامے یا پولیس سے متعلقہ معاملے میں استعمال نہیں ہوا تھا جبھی ان کے دوست نے دوستی کی آڑ میں ڈیڈ کو استعمال کرنا شروع کر دیا، ڈیڈ شاید بچنے کے لئے تھائی کی شادی اس سے کرنا چاہتے تھے، یا پھر شاید وہ ڈیڈ کو بلیک میل کر رہا تھا اس بات کا کوئی سرا نہیں مل پایا تھا تاہم اب تھونگز کا خیال تھا کہ انہیں یہ کافی ہاؤس فروخت کر دینا چاہیے خواہ معمولی یا کم قیمت ہی ملے، اس کے بعد تھونگز نے کافی ہاؤس سیل کرنے کے لئے بروکرز اور ایجنسیز سے رابطہ کرنا شروع کر دیا۔

وہ ایک چلتا ہوا کافی ہاؤس تھا جو کہ ایک کمرشل ایریا میں واقع تھا اور اس کی کم از کم قیمت بھی ایک ملین بھات (تھائی سکہ) تھی۔

چند دنوں بعد دوسرا دھماکہ ہوا، ایک شام گھر واپس آتے ہوئے تھونگز پر قاتلانہ حملہ کیا گیا، وہ بال بال بچا تھا، اب انہیں اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ جس چکر میں پھنس چکے تھے اس سے نکلنا اتنا بھی آسان نہیں تھا، ان کی زندگیاں پھر طوفان کی زد میں آگئیں تھیں۔

☆☆☆

گاڑی بڑی تیز رفتاری سے سڑک پہ دوڑ رہی تھی، سگنل بلاک ہوا تو یکدم اسے کچھ یاد آ گیا، اس نے فوراً سیل سے وقار کا نمبر ملایا۔

"جی بھائی کہاں ہیں آپ؟" چھوٹتے ہی پوچھا۔

"آفس میں پھنسا ہوا ہوں یار، بہت برڈن ہے مجھ پہ، تم کدھر ہو؟ بخت کو لے آئے؟" وہ جواب دے کر دریافت کر رہے تھے۔

"ہوں لے آیا ہوں۔"

"کیسا ہے وہ؟" جوش سے قلقاری مارتا ہوا لہجہ اور پھوٹتی خوشی، عباس کے لبوں پہ ہلکی سی مسکراہٹ نے پل بھر کو ہی سہی جھلک دکھلائی تھی۔

"بالکل ٹھیک ہے، اسے گھر چھوڑ کے آیا ہوں۔"

"کیوں تم کہیں جا رہے ہو؟"

"جی سبین کی طرف، آپ چلیں گے؟"

"ہاں بالکل تم یوں کرو مجھے آفس سے پک کرلو، آمنہ وغیرہ تو وہاں سے واپسی کے لئے نکل چکی ہیں۔"

"چلیں ٹھیک ہے۔" اس نے فون بند کر دیا، سگنل کھل چکا تھا، گاڑی آہستہ آہستہ آگے رینگنے لگی، اس نے آفس سے وقار کو پک کیا تو ان کی شکل دیکھ کر ٹھٹک گیا وہ بے تحاشا تھکے ہوئے لگ رہے تھے، دونوں کے درمیان باقی سارا رستہ سبین کو موضوع ہی ڈسکس ہوتا رہا، عباس بے حد افسردہ اور پریشان تھا، وقار نے شدت سے اس کی اس کیفیت کو نوٹ کیا مگر کچھ کہے بغیر وہ دونوں سبین کے گھر پہنچ گئے، سبیلہ آنٹی انہیں دیکھ کر خوش ہوئیں تھیں مگر موقع ایسا تھا کہ وہ اپنی خوشی کا اظہار نہ کرسکیں، جب وقار نے سبین سے ملنے کی خواہش ظاہر کی تو وہ دبے لفظوں میں بولی تھیں کہ سبین "عدت" میں ہے، وقار کو اس نام نہاد "عدت" کے لفظ پہ جی بھر کے ہنسی آئی مگر وہ دبا گئے کہا تو بس اتنا ہی۔

"میں جانتا ہوں آنٹی۔" وہ طویل سانس لے کر اسے سبین کے کمرے کے باہر چھوڑ گئیں، آہستگی سے دروازہ بجا کر وہ اندر داخل ہوئے، عباس کی نگاہ لحہ بھر کو اٹھی تھی اور جہاں بھر کا کرب سمیٹ کر جھک گئی، وہ سامنے ہی تو تھی، بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے، برستی خالی آنکھیں اور ان کے گرد پھیلے حلقے، بکھرے بال اور لبوں پہ فریادیں لئے عباس کے اندر جیسے کربلا برپا ہوگیا، وقار کو دیکھ کر سبین تڑپ اٹھی تھی، وہ آہستگی سے بڑھ کر اس کے نزدیک جو بیٹھے تو وہ ان کے شانے سے لگ بلک پڑی، وقار اس کا سر سہلانے لگے۔

"بھائی...... بھائی...... مجھے بچالیں۔" اس

کے آنسو اس کی آہیں عباس کا سینہ شق کرنے لگیں۔

"بس کرو سبین، بس میری چندا، کیا ہوا ہے؟" وقار کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

"میں مر جاؤں گی بھائی، لوگوں کی باتیں مجھے مار ڈالیں گی۔" وہ تڑپ تڑپ کر کہہ رہی تھی، عباس کا رنگ زرد پڑنے لگا۔

"مجھے کہیں دفنا دیں، کسی اندھے کنویں میں پھینک دیں مگر مجھے ان زہریلے سانپوں سے بچا لیں۔" کتنا کرب تھا الفاظ میں۔

"میرے ساتھ چلو۔" انہوں نے اسے کہا۔

وہ یوں الگ ہوئی جیسے بچھو نے ڈنک مارا ہو، اس کی آنکھوں میں درد کا صحرا اٹھ آیا تھا، مارا رہا تھا اور چہرے پہ اذیت جیسے منجمد ہو کر رہ گئی تھی۔

"کیوں جاؤں وہاں اب؟ کیا رشتہ ہے میرا اب مغل ہاؤس سے؟" وہ ہذیانی انداز میں چلائی تھی، وقار خاموشی سے اسے دیکھتے رہے۔

"جس شخص کے نام پر تم مغل ہاؤس میں آئی تھیں ان سے تو تمہارا رشتہ بنا ہی نہیں، تم ہم میں سے ہو سبین، ہماری بچی ہو، میں تمہارا بھائی یا سچ کہو کہ "مجھے بھائی نہیں سمجھتی تم۔" انہوں نے سکون سے کہا، وہ دونوں ہاتھ چہرے پہ رکھ کر رونے لگی تھی۔

"ایسا نہ کہیں، آپ میرے بھائی ہیں۔"

"تو پھر میری بات مان لو۔"

"وقار بھائی! میں...... میں احساس ذلت سے مر جاؤں گی، خدارا مجھے نہ مجبور کریں۔" وہ دلسوزی سے بولی تھی، وقار نے طویل سانس لے کر اسے دیکھا۔

"وقت کڑا ضرور ہے سبین! لیکن یہ بھی حوصلہ رکھنا کہ اللہ کسی ذی نفس پر اس کی ہمت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا اور ہم سب تمہارے ساتھ ہیں، کوئی مشکل ہو، کوئی پریشانی آئے ہم ہیں دیکھنے کے لئے، تم آج بھی ہماری ہو، البتہ وہ...... وہ ہم میں سے نکل گیا، گزرے چند مہینوں کو کسی بھیانک خواب کی طرح بھلا دو، یوں جیسے وہ کبھی آئے ہی نہیں تھے، اٹھو میری گڑیا ہمت کرو، ذہن پہ اتنا بوجھ نہ ڈالو کہ وہ سہار نہ سکے، کچھ نہیں ہوا تمہارے ساتھ، اچھا ہوا تمہاری جان چھوٹ گئی اس ناقدرے سے، خدا نے بھی بہتر چیز لے کر بہترین دینے کا وعدہ کیا ہے اور وہ...... تو تمہارے لئے بالکل اچھا نہیں تھا۔" وہ ملائم حلاوت بھرے لہجے میں اسے سمجھا رہے تھے۔

"بھائی بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں سبین! رشتہ آپ کا ختم نہیں ہوا، ان کا ہوا ہے، آپ یوں حوصلہ مت ہاریے، سب ٹھیک ہو جائے گا۔" ٹوٹے پھوٹے ہی سہی مگر عباس نے بھی تسلی دینے کی کوشش کی تھی۔

اور سبین نے یکدم حیرت سے سر اٹھا کر اسے دیکھا، وہ تو اسے اب نظر آیا تھا، اسے حیرت ہوئی کیا وہ بھی وقار کے ساتھ اندر آیا تھا؟ مگر کب؟ اور اسے کیوں دکھائی نہیں دیا تھا؟ سبین نے دیکھا وہ سر جھکائے بیٹھا تھا اور پھر وہ سست قدموں سے اٹھا اور باہر نکل گیا۔

وقار نے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے اس کا چہرہ دیکھا اور اس کے تاثرات نے اسے دہلا کر رکھ دیا تھا، اس کے لب بھینچے ہوئے تھے اور آنکھوں میں صحرا کے بگولوں کی سی سرخی تھی۔

"کیا بات ہے عباس؟ اتنے اپ سیٹ کیوں ہو؟" وہ پوچھ رہے تھے۔

"آپ نے ان کی حالت دیکھی؟ میرا دل چاہ رہا تھا ایاز میرے سامنے ہو اور میں اسے شوٹ کر دوں۔" وہ مٹھیاں بھینچتے ہوئے جنونیت سے بولا تھا، وقار ٹھٹک سے گئے۔

"حوصلہ کرو یار!" انہوں نے اس کا شانہ تھپکا۔

مگر وقار مغل کا ذہن واپسی میں عجیب سی جوڑ توڑ میں مگن تھا، گاڑی کے بریک چرچرائے تو یکدم ہی ان کا ذہن ایک فیصلے پہ پہنچ گیا، کوئی دریچہ کھلا تھا۔

☆☆☆

اسید لاہور نہیں جا سکا تھا اور اسے اس بات کا قلق بھی تھا اور آج کل تو اسے بے تحاشا غصہ آنے لگا تھا اور اس کا سبب ظاہری بات تھی حبا تیمور کے سوا اور کون سا ہو سکتا تھا، یہ حبا تیمور اب اسے ناکوں چنے چبوا رہی تھی، کوئی لمحہ نہ جانے دیتی اسے زچ کرنے کا، وہ آگے سے کچھ بھی نہ کر پاتا صرف دانت کچکچاتا رہ جاتا، تیمور احمد خود بھی نہیں جانتے تھے کہ وہ بے چارے اسید کے ساتھ کیا کرتی پھر لی تھی، وہ بڑی محنت سے اسے سمجھاتا اور وہ محترمہ آگے سے بڑی معصومیت سے انکار میں سر ہلا کر سمجھ میں نہ آنے کا اشارہ کر دیتی، لیکن وہ بھی اسید تھا، حبا کی رگ رگ سے واقف، بہت دنوں تک حبا اسے بے وقوف نہیں بنا پائی تھی، اس کی شعر شاعری کا بھوت تو اس نے اسی روز بھگا دیا تھا اب اس کی یہ "نہ سمجھ میں آنے والی بات" کا بھی جلد ہی سد باب کرا لیا اس نے، وہ نہایت انہماک اور محنت سے اسے کام کرواتا صرف ایک بار، دوسری بار پوچھنے پر اسے یوں گھورتا جیسے کچا چبا جانے کا ارادہ ہو، وہ گڑبڑا جاتی۔

اور یوں بہت دنوں بعد مگر آخر کار اسید مصطفیٰ نے اسے بالکل ٹھیک کر لیا تھا اور اس کی سب سے بڑی وجہ یہ بھی کہ وہ اسے بڑے اچھے طریقے سے جانتا تھا، اس کی کمزوریوں اور خامیوں سے آگاہ تھا، جانتا تھا کہ نبض کو کیسے تھامنا تھا، وہ بھی اسے بڑے طریقے سے ڈیل کر رہا تھا۔

دوسری طرف حبا تھی بے حد جھلائی اور سارے جہان سے اکتائی، ہر حربہ ناکام جاتا دیکھ کر وہ مزید کڑھتی رہتی، مگر اس بار "اسید مصطفیٰ" یہ بھول گیا کہ وہ بھی تو تیمور احمد کی صاحبزادی تھی، اسے تڑپانے کا ہر گر جانتی تھی، اس کا ذہن روز نت نئے منصوبے بناتا مگر عمل کرنے کی نوبت ہی نہ آتی، وہ منہ بسور کر رہ جاتی مگر پھر ایک دن اسے موقع مل گیا، مرینہ گھر پہ نہیں تھیں اور تیمور حسب معمول آفس صرف دو دونوں تھے گھر میں، بلکہ دونوں بھی کہاں، اسید تو جب سے آیا تھا اپنے کمرے میں بند تھا، وہ اکیلی ہی لاؤنج میں بیٹھی ٹی وی کھولے چینل پہ چینل بدلتی اپنی بوریت کا سامان کرنا چاہتی تھی مگر بری طرح ناکام تھی، بے زار ہو کر اس نے ریموٹ ایک طرف پھینکا اور خود صوفے پر لیٹ گئی، سر کے نیچے کشن رکھے، ابھی اس نے آنکھیں بند کی ہی تھیں کہ اسید کے کمرے کا دروازہ کھلا اور خوشبو کے مہکتے جھونکے کے ساتھ ہی وہ برآمد ہوا، تک سک تیار، خوشبوؤں میں بسا ہوا بال سیٹ کیے وہ دائیں ہاتھ میں موبائل تھامے غالباً موبائل پہ کچھ سرچ کر رہا تھا، حبا کی آنکھوں میں روشنیاں سی اتر آئیں، وہ بے ساختہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"کہاں جا رہے ہو اسید؟" اس نے کہا، اس کی آواز پر وہ چونک کر متوجہ ہوا۔

"میں تمہیں بتانے کا پابند نہیں ہوں۔" وہ سرد مہری سے کہتا باہر کی سمت چلا گیا اور حبا اذیت کے احساس سمیت جامد سی وہیں بیٹھی رہ گئی۔

مگر وہ ابھی باہر بھی نہیں پہنچا تھا جب اسے

کسی گاڑی کے رکنے کی آواز آئی، اس نے لاؤنج کی ونڈو سے باہر دیکھا، وہ ایک چمکدار نئے ماڈل کی کرولا تھی جس میں سے تین چار لڑکے باہر آ گئے اور اسید سے ملنے لگے، وہ یقیناً اسید کے دوست تھے، پھر حبا نے ان سب کو ڈرائنگ روم میں آتے دیکھا، کچھ ہی دیر بعد بلند قہقہوں، تیز تیز باتوں اور ہنسی کی ملی جلی آوازوں سے لاؤنج بھی گنگنا اٹھا، حبا وہیں بیٹھی ان کی آوازیں سنتی رہی پھر یکدم خاموشی چھا گئی، اب صرف اسید کی آواز تھی جو کافی بلند اور جھلائے ہوئے لہجے میں بول رہا تھا۔

''تم لوگ کم از کم مجھے بتا کر آتے یار! بات کو سمجھو ماما گھر پہ نہیں ہیں، اب میں تمہیں کچھ نہیں کھلا سکتا، اٹھو یار! تمہیں کہیں باہر ٹریٹ دے دوں۔''

''بیٹھ جا کہیں سے آیا تو لاٹ صاحب کا بچہ، تجھے پتا نہیں ہے ہم تجھ پہ کتنی بھاری پنالٹی ڈال دیں گے، گھر میں کوئی نہیں تو کیا ہوا، تو تو ہے نا؟'' ان میں سے کوئی ایک طنزیہ ہنسا۔

اسید اب تیز آواز میں اسے کچھ کہہ رہا تھا جب ''حبا'' کے ذہن میں برق سی لہرا گئی وہ بگٹٹ کچن کی طرف بھاگی، اپنی تمام تر پھرتی استعمال کرتے ہوئے اس نے صرف دس منٹ میں چائے تیار کر لی تھی باقی ریڈی میڈ اشیاء تو گھر میں وافر مقدار میں موجود تھیں، اس نے جلدی جلدی ٹرالی سیٹ کی، ایک نظر خود پہ ڈالی، حالانکہ وہ صبح ہی نہا کر لباس بدل چکی تھی، مگر اس پل وہ شکنوں سے بھر چکا تھا، اس نے لاپرواہی سے سر جھٹکا اور ڈرائنگ روم میں داخل ہو گئی جو ابھی تک ان کی بحث و تمحیص کی آوازوں سے گونج رہا تھا، اسید ان کو یہ یقین دلانے میں بری طرح ناکام تھا کہ اس نے خود سے کبھی پانی کا گلاس بھی نہیں پیا وہ کیسے ان کو کچھ بنا کے کھلا سکتا ہے مگر وہ قطعی ماننے پر آمادہ نہ تھے کہ اسی اثناء میں حبا اندر چلی گئی، وہ سب بمعہ اسید اسے دیکھ کر یوں ساکت ہو گئے جیسے جادو کی چھڑی سے انہیں مجسمے بنا دیا گیا ہو، خاص طور پہ اسید کے چہرے کے تاثرات تو بہت عجیب سے تھے، ان میں سے ایک کو یکدم ہی ہوش آ گیا۔

''آپ کا تعارف؟'' اس نے حبا کو سر سے پیر تک جانچنے والے انداز میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''حبا!'' حبا نے چائے کے لوازمات ٹیبل پہ سیٹ کرتے ہوئے کہا اور پھر اسید کو یوں دیکھا جیسے اسے باقی ماندہ تعارف کروانے کا کہہ رہی ہو، اسید نے خون آشام نظروں سے اسے دیکھا۔

''شی از حبا..... مائی سسٹر۔'' وہ جیسے خون کے گھونٹ بھرتے ہوئے بولا تھا، حبا نے فاتحانہ نظروں سے اسے دیکھا، وہ تینوں اب کافی تمیز سے بیٹھ چکے تھے، حبا باہر چلی آئی، دو گھنٹے جیسے اس نے سولی پر لٹک کر گزارے تھے اسے اسید کے ری ایکشن کا شدت سے انتظار تھا اور وہ اپنے دوستوں کو رخصت کر کے سیدھا اندر آیا بلکہ دندناتا ہوا آیا۔

''تمہاری ہمت کیسے ہوئی ان کے سامنے آنے کی۔'' وہ اس پر دھاڑا تھا، حبا ڈر سی گئی مگر چہرے سے قطعاً ظاہر نہ کیا۔

''وہ تمہارے دوست تھے۔'' وہ منمنائی۔

''They are just my fellows۔'' وہ بلند آواز میں بولا۔

حبا خائف سی ہو گئی، پھر ایک دم سے مڑ لی جیسے اس سے اور کوئی بات نہ کرنا چاہتی ہو۔

''میری ایک بات سن لو حبا تیمور! اگر دوبارہ تم نے ایسی جرأت کرنے کی کوشش کی نا تو.....''

اس کی بات ادھوری رہ گئی۔

''تو.....؟'' وہ مڑی اور بے خوفی سے اس کی آنکھوں میں دیکھ کر بولی۔

''تو میں تمہارا منہ تھپڑوں سے اڑا دوں گا۔'' وہ حلق کے بل چلایا تھا۔

''ضرور۔'' وہ طنزیہ ہنسی پھر بولی۔

''یہ شوق بھی پورا کر لینا۔'' وہ تمکنت سے کہتی چلی گئی، اسید لب بھینچے کینہ توز نظروں سے اس کی پشت کو گھورتا رہ گیا۔

☆☆☆

تھائی اور تھونگز بے حد خوفزدہ تھے، کتنے ہی دن تو وہ اپنی جاب پر بھی نہ گئے، اس نے بھی کالج سے چھٹیاں لے لیں، کچھ دن بعد تھونگز نے سب کچھ پولیس ڈیپارٹمنٹ کی نگرانی میں دے دیا اور خود وہ چیانگ سائین آنے کی تیاری کرنے لگے، شائی وانگ بھی بے چاری بے حد پریشان تھی اس کی اچھی خاصی زندگی اچانک ہی طوفانوں کی زد میں آ گئی تھی، پہلے مام ڈیڈ گئے تو اس کو تھائی نے سہارا دے دیا مگر اب تو ان تینوں کی زندگیاں خطرے میں نظر آ رہی تھیں، جرائم پیشہ عناصر کے گروہ اتنی آسانی سے کہاں کسی کا پیچھا چھوڑتے تھے اور جب بات ہو ایک ملین بھات کی تو اس کے لیے تو تین کی بجائے تیس لاشیں بھی گرائی جا سکتی تھیں۔

چیانگ سائین، چیانگ رائے سے صرف انسٹھ کلو میٹر دور ایک بہت خوبصورت اور پر فضا سیاحتی مقام تھا جو کہ تھائی لینڈ کے انتہائی سرحدی علاقوں میں شمار ہوتا تھا، ان کی منزل اس قصبے نما شہر کے اطراف میں موجود ہٹس میں سے ایک ہٹ تھا، جگہ خوبصورت تھی اور یہاں چند ایک تاریخی عمارتیں بھی موجود تھیں جس کی وجہ سے ان کا وقت اچھا کٹ رہا تھا، تھونگز نے چونکہ سارا معاملہ اپنے دوست پولیس انسپکٹر کے حوالے کر دیا تھا جبھی وہ بے فکر تھا، اس نے کافی ہاؤس کو سیل کرنے کا کہہ دیا تھا۔

ایسا نہیں تھا کہ ان کا محکمہ پولیس بڑا ایماندار اور فرض شناس آفیسرز سے بھرا ہوا تھا مگر بہرحال برے لوگوں کے ساتھ چند اچھے لوگ بھی موجود ہوتے ہیں، انہی میں سے ایک اس کا دوست بھی تھا، مگر جب اس نے کافی ہاؤس سیل کرنے کی کوشش کی تو اسے کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، بعض عناصر نے کافی روڑے اٹکانے کی کوشش کی مگر نسبتاً کم قیمت پر ہی سہی، وہ اسے سیل کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا اور اسے اتنا اندازہ بہت اچھی طرح ہو گیا تھا کہ اگر اس معاملے میں پولیس انوالو نہ ہوتی تو اکیلا تھونگز قیامت تک یہ کافی ہاؤس نہیں سیل کر سکتا تھا۔

جیسے ہی ان کے ہاتھ رقم آئی انہوں نے وہاں سے نکلنے کا ارادہ کیا، تھائی کا خیال تھا کہ انہیں بنکاک میں چلے جانا چاہیے، وہ ایک بڑا اور پرہجوم شہر تھا جہاں کسی کو ڈھونڈنا ایسا ہی تھا جیسے بھوسے کے ڈھیر سے سوئی تلاش کرنا، وہ بھی اس سے متفق تھے اور یوں وہ نہایت خفیہ طور پر سرکاری مدد سے چیانگ سائین سے بنکاک آ گئے۔

بنکاک ایک جدید، ترقی یافتہ اور بے حد خوبصورت شہر تھا جو مختلف چھوٹے چھوٹے دریاؤں میں گھرا ہوا تھا، اس کی فلوٹنگ مارکیٹ، جمنازیم، واٹس (بدھ مت کی عبادت گاہ) مندر اور جامع مسجد کے علاوہ کنگ ٹاکسن کے اسٹیچو کے ساتھ ساتھ بے شمار قابل ذکر اور قابل دید چیزیں تھیں۔

بنکاک آنے کے بعد شائی وانگ نے پھر سے کالج سٹارٹ کر لیا اور تھائی اور تھونگز مل کر اپنا بزنس سیٹ کرنے میں مصروف ہو گئے، زندگی

میں ایک خوشگوار ٹھہراؤ آ گیا تھا مگر کب تک؟ یہ بتانا مشکل تھا۔

☆☆☆

"مغل ہاؤس" میں بڑی اداس شام اتری تھی، احمر مغل کو گھر لے آیا جا چکا تھا، ڈاکٹرز کے مطابق انہیں ہر قسم کی خواہ معمولی سی بھی ہو پریشان کن صورتحال سے دور رکھا جائے ورنہ خطرناک نتائج کا احتمال تھا، گھر میں سب ان کے استقبال کے لئے مسکراتے چہروں سمیت موجود تھے خواہ مجبوراً ہی سہی اور ان سب میں سب سے آگے شاہ بخت تھا، انہوں نے اسے دیکھ کر دور سے ہی بازو وا کر دیئے حالانکہ ابھی وہ گاڑی سے نکلے ہی تھے، بخت بے ساختہ آگے بڑھتے ہوئے ان کے بازوؤں میں سما گیا۔

"اب میں آ گیا ہوں تایا ابو! میں آپ کو بالکل ٹھیک کر دوں گا۔" وہ سرگوشی میں بولا انداز ایسا تھا جیسے پرائمری کا ماسٹر نکمے طالب علم کو ٹھیک کرنے کی دھمکی دیتا ہے، وہ بے ساختہ ہنس دیئے۔

"بابا جان! کیا آپ فیملی ہیرو کی مانند اس بخت کے بچے کو گلے لگا کے باقی ساری دنیا بھول بیٹھے ہیں، میں آپ کا بیٹا بھی راہوں میں پڑا ہوں۔" عباس نے دہائی دی تھی، سبھی ہنس دیئے۔

"جیلس۔" بخت نے پیچھے ہٹے بغیر اسے چڑایا۔

"چل اوئے میں جیلس ہوں گا اور وہ بھی تجھ سے؟" عباس نے مذاق اڑایا، وہ سب انہیں اندر لے آئے، یہ سب وہ دونوں طے شدہ پلاننگ کے تحت کر رہے تھے، ورنہ عباس جیسے سنجیدہ مزاج بندے سے مزاح کی امید قدرے کم ہی تھی، اب بھی بخت ان کی پٹی سے لگا مسلسل ان کے کان کھا رہا تھا، اپنے نیویارک کے قصے سناتے ہوئے وہ لگاتار یہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ وہ کتنا ہینڈسم ہے اور کس طرح وہاں کے انسٹرکٹرز تو اس کے پیچھے ایگریمنٹ پیپرز لے کر پھرتے رہے کہ وہ ان کا برانڈ ایمبیڈر بن جائے، یہ سب باتیں چاہے وہ مذاقاً کہہ رہا تھا یا حقیقتاً مگر اس کا انداز اتنا معصومانہ اور لہجہ اتنا مضحکہ خیز تھا کہ تایا ابو مسلسل مسکرا رہے تھے اور عباس بڑی ڈرامائی سی دہائیاں دیئے جا رہا تھا کہ وہ اس کے اکلوتے بابا پہ قبضہ جما کے بیٹھ گیا ہے، بالکل ایسے جیسے امریکہ افغانستان پہ، روز بخت مسلسل یہ ثابت کر رہا تھا کہ عباس سے زیادہ وہ ان کا بیٹا ہے اس لئے وہ میرے بابا، میرے بابا کی رٹ لگانا بند کرے۔

علینہ سوپ لے کر آئی تو مسلسل مسکرا رہی تھی، پہلی بار اسے شاہ بخت یوں بلا تکان بولتے ہوئے اچھا لگ رہا تھا، اس نے علینہ کے ہاتھ سے سوپ لے لیا۔

"لاؤ بھئی میں خود پلاؤں گا سوپ، رسک نہیں لیا جا سکتا، کہیں کوئی قطرہ ہمارے نازک دل پہ گر گیا تو......؟" انداز میں شرارت نمایاں تھی، اس بار طارق چچا بھی قہقہہ نہ دبا سکے۔

"بخت بس کرو بیٹا۔" انہوں نے بیٹے کو ڈانٹا، مگر وہ کہاں خاطر میں لاتا تھا۔

"آپ کو نہیں پتا بابا جان میں ٹھیک کہہ رہا ہوں، اصل میں مجھے پتا کیا لگ رہا ہے تایا جان؟" وہ ان کی طرف رخ کر کے بیٹھ گیا۔

"کیا؟" وہ پوچھنے لگے۔

"جب آپ کی شادی ہوئی ہو گی نا.. بک اینج میں تو بندہ کتنا رومینٹک ہوتا ہے تو آپ نے بھی وہ گیت گایا ہو گا نبیلہ تائی جان کے لئے ہاں ہاں وہی گیت، آپ کا دل ہمارے پاس ہے ہمارا دل آپ کے پاس ہے تو بس اصل مسئلہ وہیں شروع ہوا ہو گا، اصل میں تو اب آپ کے پاس اس "بدلی" کے نتیجے میں خالص خواتینی نازک سا دل ہے، ہے نا؟" اس کی مسخریاں جاری تھیں اور علینہ کا رنگ دہک رہا تھا، ہنسی ضبط کرتے کرتے۔

"اطلاعاً عرض ہے اس وقت یہ گیت نہیں تھا۔" عباس نے منہ بنایا۔

"تمہارا بولنا درمیان میں ضروری ہے؟" بخت نے اسے گھونسا دکھایا، وہ اسی بحث میں الجھے ہوئے تھے جب رمشہ نے اندر قدم رکھا۔

"اے رمشہ! ادھر آؤ، ذرا حق دوستی تو ادا کرو، اس عباس کے بچے کو سنبھالو مجھے تنگ کر رہا ہے۔" بخت نے اسے اپنی بحث میں گھسیٹا۔

وہ سرد مہری سے مسکرائی اور تایا جان جو اس کے چچا تھے ان کے نزدیک بیٹھ گئی بخت کی آنکھوں میں حیرت اتر آئی یہ قطعاً "رمشہ" نہیں تھی۔

"تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا!" بخت چونک کر پوچھ رہا تھا۔

"کیوں؟ مجھے کیا ہوا ہے؟" وہ سنجیدگی سے استفسار کر رہی تھی۔

اور تب شاہ بخت کی یادداشت میں دھماکے سے وہ دن روشن ہو گیا، وہ کتنے مزے سے بھول بیٹھا تھا کہ اس نے رمشہ کا پرپوزل ریجیکٹ کر دیا تھا۔

"تم مجھ سے ناراض ہو؟"

"ارے بھئی یہ کیوں تم سے ناراض ہو گی؟ تم کیا اس کے قرض دار ہو؟" عباس نے مذاقاً کہا۔

"شاید ہو۔" رمشہ کا لہجہ تیکھا تھا، بخت خاموشی سے اسے دیکھتا رہا اور علینہ ان دونوں کو۔

"بھئی بچو! کن باتوں میں الجھ گئے ہو، مجھے سوپ کون پلائے گا۔" احمر چچا کے کہنے پہ وہ سب چونک کر ان کی طرف متوجہ ہوئے۔

دوسری طرف وقار بے چارے تاحال آفس میں پھنسے ہوئے تھے، انہیں تایا جان کے ساتھ مل کر اکیلے ہی سب دیکھنا پڑ رہا تھا، ورنہ وہ تو اڑ کر آ جاتے۔

"عباس! یہ وقار کدھر رہ گیا؟ ذرا اسے فون تو کرو بیٹا؟" طارق نے کہا۔

"جی چاچو! میں کرتا ہوں کال۔" اس نے کہا اور سیل سے نمبر ملایا ہوا باہر نکل گیا، جلد ہی وقار سے رابطہ ہو گیا اور انہوں نے بتایا کہ وہ راستے میں ہیں، گھر پہنچ کر جس گرم جوشی اور والہانہ محبت سے وہ شاہ بخت سے ملے اس کی توقع سب کو پہلے سے ہی تھی، رات کا کھانا بہت دنوں بعد آج قدرے خوشگوار موڈ میں کھایا گیا تھا، ہلکی پھلکی گپ شپ لگاتے ہوئے سب کی ہی یہ کوشش تھی کہ وہ تیمین کے موضوع سے گریز کریں بلکہ کچھ دیر کے لئے بالکل بھول جائیں کہ ان کے گھر چند دن پہلے کتنا خوفناک واقعہ ہوا تھا جو ان کی سات پشتوں میں نہیں ہوا تھا، کھانے کے بعد وہ سب اپنے اپنے کمروں میں جا رہے تھے، مغل ہاؤس کی سیٹنگ بڑی مزے دار تھی، فرسٹ فلور پہ تایا ابو اور چچاؤں کے کمرے تھے اور کومل، علینہ اور رمشہ کا کمرہ تھا جبکہ سیکنڈ فلور پہ وقار، شاہ بخت، عباس کے کمرے تھے اور تیمی ایاز کا بھی تھا، اب تو اس کا نام بھی ممنوع تھا گھر میں۔

رمشہ کمرے کی طرف جا رہی تھی جب شاہ بخت نے اسے آواز دی۔

"رمشہ! رکو مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔" رمشہ ٹھٹک کر رکی تھی۔

علینہ راہداری کا موڑ مڑتے ہوئے یکدم

رُک گئی، پھر پیچھے ہٹ کر رک گئی بلکہ چھپ سی گئی، وہ دونوں کیا بات کرنا چاہتے تھے؟ سوچ کر علینہ کی دھڑکنیں بے ربط ہو رہی تھیں۔

''کون سی بات؟'' رمشہ نے سپاٹ نظروں سے اسے دیکھا۔

''تم مجھ سے ناراض ہو؟''

''کیوں؟'' رمشہ کا انداز تیکھا ہو گیا۔

''پھر تم ایسے کیوں بی ہیو کر رہی ہو؟'' بخت کو غصہ آنے لگا۔

''تو مجھے کیسے بی ہیو کرنا چاہیے؟'' اس کا انداز تمسخرانہ تھا۔

''رمشہ! آخر تم چاہتی کیا ہو؟'' وہ جھلا گیا۔

''نہیں...... اب...... ہاں کم از کم اب میں تم سے کچھ نہیں چاہتی۔'' وہ بڑے طنزیہ انداز میں ہنسی۔

''تمہیں میری بات سمجھ میں نہیں آئی نا، آخر تم اتنی بے وقوف کیوں ہو؟'' وہ جھلا گیا تھا۔

''تمہیں میرے بارے میں رائے دینے کا کوئی حق نہیں۔'' وہ غرائی تھی۔

''اگر تم اسی قسم کی بے وقوفیاں کرتی پھرو گی تو میری رائے یہی رہے گی، تمہیں آخر سمجھ کیوں نہیں آتی کہ ہر رشتے کا انجام شادی نہیں ہوتی اور تم صرف میری اچھی دوست ہو۔'' وہ اپنی مخصوص صاف گوئی سے بولا تھا، رمشہ نے جلتی نگاہیں لئے اسے دیکھا، یہ شخص آخر اسے مزید کتنی تکلیف دینا چاہتا تھا۔

''تم نے کبھی مجھے یہ نہیں کہا کہ تم مجھے پسند نہیں کرتے۔''

''لیکن میں نے کبھی تم سے یہ بھی نہیں کہا کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔'' وہ ترکی بہ ترکی بولا۔

''میرا ہر ایک سے بات کرنے کا یہی انداز ہے۔''

''اچھا اور کتنوں کو بے وقوف بنایا تمہاری اس معصومیت اور بے خبری نے؟'' وہ زہریلے لہجے میں بولی تھی، شاہ کو ضبط کرنا مشکل ہونے لگا، وہ چند لمحے خاموش رہا، پھر اس کے چہرے کے تاثرات یک بیک بدل گئے۔

''تمہارا ٹمپر فوراً لوز ہو جاتا ہے رمشہ! بالکل میری طرح۔'' وہ اب ہنس رہا تھا۔

''ذرا سوچو اگر میں تمہیں اپنا لوں تو ہم تو ایک دن بھی اکٹھے نہ رہ پائیں گے، مجھے تو ایسی لڑکی چاہیے جو بے حد کول مائنڈڈ ہو، جو مجھے برداشت کر سکے۔'' وہ جیسے اب خود اپنا مذاق بنا رہا تھا، رمشہ پلک جھپکے بغیر اسے دیکھتی رہی۔

''اور ایسی لڑکی کون ہو گی؟ یقیناً علینہ۔'' اس کے انداز میں بری کاٹ تھی شاہ بخت کے ساتھ ساتھ علینہ پر بھی بجلی گری تھی۔

''رمشہ! تم......'' وہ کچھ بول نہ سکا۔

''کیوں غلط کہا میں نے؟'' رمشہ نے اسے چیلنج کرنے والے انداز میں کہا تھا شاہ بخت کی پیشانی پہ شکن نمودار ہو گئی، وہ چند لمحے اسے گھورتا رہا۔

''تم ایک بے وقوف اور خود غرض لڑکی ہو جو کسی کو نیچا دکھانے کے لئے کسی بھی حد تک جا سکتی ہے، تمہیں احساس ہی نہیں کہ تمہارے الفاظ کسی کی پوری زندگی داؤ پہ لگا سکتے ہیں، میں مزید تم سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتا، آج کے بعد مجھے اپنی شکل بھی مت دکھانا۔'' وہ تنفر بھرے انداز میں کہتا ہوا مڑ گیا، اس کے چہرے کے تاثرات بگڑے ہوئے تھے، تیز تیز چلتے ہوئے وہ اِدھر اُدھر ٹہلتا رہا، اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب رمشہ نے اس سے کہا تھا، شدید ٹینشن میں اس نے سگریٹ سلگا لیا، ایک کے بعد ایک سگریٹ سلگاتے بہت دیر تک وہ اسی مسئلے کے متعلق سوچتا رہا۔

پہلے تو اس نے سوچا کہ وہ رمشہ کے خیالات وقار کے بتا دے پھر فوراً اس خیال کو رد کر دیا، اس میں علینہ کا نام بھی تو تھا، خواہ بنا جواز ہی سہی، پھر اس نے سر جھٹکا، آخر وہ اتنا پریشان کیوں ہو رہا تھا؟ اسے ''وجہ'' سمجھ نہیں آئی تھی۔

☆☆☆

رات کے کھانے پہ اسید نے بڑے سکون سے حبا کا دوپہر کا کارنامہ تیمور اور مرینہ کے سامنے رکھ دیا اور خاص طور پر تیمور سے اس نے بڑے ملتجی انداز میں کہا تھا کہ خدارا حبا کو منع کریں وہ بالکل پسند نہیں کرتا کہ وہ یوں اس کے ملنے والوں کے سامنے آئے، تیمور تو تھے ہی سدا کے کانشس انہوں نے وہیں اسید کے سامنے ہی حبا کی کلاس لگا لی۔

حبا نم آنکھوں سمیت بار بار کچھ کہنے کے لئے منہ کھولتی مگر تیمور کے تیز آواز میں اسے خاموش رہو، کہنے کی وجہ سے پھر وہ لب بھینچ لیتی۔

غرض انہوں نے اسے اتنا ڈانٹا کہ اسید کو خود انہیں ٹوکنا پڑا، کھانے کے بعد وہ اپنے کمرے کی طرف جا رہا تھا جب حبا اس کے سامنے آ گئی، اسید رک گیا۔

''تمہیں احساس ہو گیا ہوا کہ تم نے کتنا غلط کیا تھا؟'' اس نے جتانے والے انداز میں طنز کیا۔

''ہاں مجھے احساس ہو گیا ہے۔'' وہ بڑے عجیب سے لہجے میں بولی تھی۔

''ویری گڈ۔'' اس نے سراہا، انداز مضحکہ اڑانے والا تھا۔

''تم نے یہ سب کیوں کیا اسید؟'' اس کا لہجہ رونے والا تھا۔

''یہی سوال میں تم سے بھی کر سکتا ہوں۔'' وہ کاٹ دار انداز میں بولا تھا۔

''میں اپنی شناخت واپس چاہتی ہوں۔'' وہ پھٹ پڑی، اسید یک ٹک اسے دیکھتا رہا، بے حس و حرکت۔

''کون سی شناخت؟'' وہ سرسراتے ہوئے لہجے میں بولا تھا۔

''تمہارے اور میرے رشتے کی شناخت۔'' وہ آنسو پونچھ کر بولی تھی۔

''کون سا رشتہ؟'' اس کی بھنوؤں میں شکن آ گئی تھی۔

''کوئی رشتہ نہیں ہے ہمارے بیچ؟ رشتہ تم نے خود ختم کر دیا تھا حبا تیمور! مجھے یہ بتانے پہ مجبور نہ کرو کہ تم نے میری ساری خواہشات کو مٹی کا ڈھیر بنا دیا اور میری سکھائی ہوئی ہر بات بھلا دی، تم نے مجھے چند سیکنڈوں میں عرش سے اٹھا کر فرش پر پٹخ دیا، مجھے یہ سمجھایا کہ میں تمہارا ''بھائی'' نہیں ہوں، تم اتنا سب کچھ کرنے کے بعد اب کون سا رشتہ بچانا چاہتی ہو؟ کون سی شناخت چاہتی ہو واپس؟'' وہ تلخی سے بولتا گیا انداز میں کسی قسم کی رعایت نہ تھی، خاموشی سے اسے دیکھتی حبا اب زرد پڑ رہی تھی۔

''ایسا نہ کرو اسید! میرے ساتھ ایسا نہ کرو۔'' اس کا لہجہ نیم جاں تھا۔

''ہاں اور تم سب کچھ کر سکتی ہو کیوں؟''

''مجھ سے غلطی ہو گئی تھی، میں پاپا کی باتوں میں آ گئی تھی۔'' وہ اب پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی، اسید پلکیں جھپکائے بغیر اسے دیکھتا رہا۔

''تمہاری اس غلطی کے لئے تو مجھے تمہیں تھینکس کہنا چاہیے، تمہاری اسی غلطی نے مجھے تمہارے اور میرے رشتے کی اصلیت بتا دی، مجھے میری حد اور حیثیت بتا دی، تھینکس ٹو یو حبا

تیمور۔‘‘ اس کے انداز میں کوئی فرق نہ آیا تھا۔

حبا دھواں دھواں چہرے کے ساتھ اسے دیکھتی رہی یوں جیسے کوئی ساحل پہ کھڑا اپنی سب سے قیمتی متاع کو ڈوبتے دیکھتا ہے۔

’’میں تمہیں بتاؤں کی اسید! کہ ہمارے درمیان کیا رشتہ ہونا چاہیے۔‘‘ وہ ہونا پہ زور دیتے ہوئے عجیب سے انداز میں مسکرائی تھی۔

’’اوہ، اعلان جنگ۔‘‘ وہ متاثر ہونے کی ایکٹنگ کرتا ہوا بولا۔

’’جو تم سمجھو۔‘‘ وہ پلٹ گئی۔

اسید مصطفیٰ وہیں کھڑا تھا بے حس و حرکت، وہ صرف یہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ آخر حبا اب اس سے کیا چاہتی تھی؟ ایسا نہیں تھا کہ وہ اپنے بارے میں اس کی جذباتیت سے بے خبر تھا مگر کم از کم اب وہ اس کے ہاتھوں مزید خوار ہونے کی ہمت نہیں رکھتا تھا۔

اعلان جنگ کہہ دینے والا یہ نہیں جانتا تھا کہ جب خواہشات، وجود کو کسی آکاس بیل کی طرح چمٹ جائیں تو انسان کے پاس کچھ نہیں بچتا، خواہشات کی یہ کائی آپ کا سب کچھ نگل جاتی ہے اور پھر انسان ان کے حصول کے لئے کچھ بھی کر گزرتا ہے، حلال و حرام کا فرق تو بہت پیچھے رہ جاتا ہے، اسید مصطفیٰ بھی حبا تیمور کی ایک ایسی ہی خواہش بن چکا تھا۔

☆☆☆

گرمی کی شدید لہر کے بعد ہلکی سی خوشگوار ہوا نے ماحول کو بڑا بھلا اور خوبصورت کر دیا تھا، آج کافی دنوں بعد مغل ہاؤس کی اداسی میں کمی آئی تھی، حسب معمول شام کی چائے بڑے اہتمام سے بنائی گئی، سب بڑے لان میں چیئرز پر براجمان تھے لڑکے گھاس پہ ادھر بیٹھے ہوئے تھے، دونوں گروپ ہی بری طرح گفتگو میں مگن تھے، وقار بھی آج ان میں بیٹھنے کی جائے بڑوں کے ساتھ سنبھالے بیٹھے تھے۔

’’ہم سے بچوں کی تربیت میں یقیناً کوتاہیاں ہوئی ہیں احمر! جبھی ہمارے بچے ہم سے دور ہیں۔‘‘ احمد مغل کی آواز میں گہرا تاسف تھا، وقار نے بے چینی سے پہلو بدل کر احمر چچا کے چہرے پہ پھیلتی تاریکی دیکھی۔

’’بابا جان! پلیز......‘‘ اس نے لجاجت سے کہتے ہوئے والد کو احساس دلانا چاہا کہ احمر مغل ابھی کوئی اتنے تندرست بھی نہیں تھے اس لئے وہ ایسی باتوں سے گریز کریں، احمد مغل نے وقار کی نظروں کے جواب میں ایک ہنکارا بھرا اور خاموش ہو گئے۔

’’غلطیاں تو ہم سے ہوئی ہیں بھائی جان! پہلے نواز اور اب ایاز، جو کل تک جگر کے ٹکڑے لگتے تھے آج یوں لگتا ہے کوئی ناسور تھا جو الگ کرکے، کاٹ کے پھینک دیا مگر اذیت ہے کہ پھر بھی کم نہیں ہوتی، اولاد کبھی نہیں جان سکتی کہ وہ والدین کے لئے کتنی اہمیت رکھتی ہے۔‘‘ طارق چچا کے لہجے میں زمانوں کی تھکن بول رہی تھی۔

’’طارق! ان دونوں کا نام مت لینا میرے سامنے، وہ اس گھر کے لئے شجر ممنوعہ کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔‘‘ احمر مغل پہلی بار بولے تھے مگر ان کی آواز میں جو اٹل پن اور سختی تھی وہ بتاتی تھی کہ یہ فیصلہ ان کے ان فیصلوں میں سے ایک تھا جو کبھی نہیں بدلتے۔

’’وہ ہمارا خون ہیں۔‘‘ نبیلہ چچی نم آنکھوں سے بولی تھیں۔

’’نبیلہ بیگم! آپ سبین کو کیوں بھول رہی ہیں؟ جو کچھ ایاز نے اس معصوم اور بے گناہ بچی کے ساتھ کیا اس کے باوجود اگر آپ کے دل میں ان کے لئے کوئی گنجائش بچتی ہے تو مت بھولیں

کہ ہماری بھی بیٹیاں ہیں، ایسا نہ ہو اس کی زخمی روح کی کوئی آہ ہماری بیٹیوں کے نصیب کو لگ جائے۔‘‘ احمر مغل پر تپش نگاہوں سے انہیں دیکھتے ہوئے بولے تھے۔

’’ریلیکس چاچو! ڈونٹ وری، ایوری تھنگ از اوور۔‘‘ وقار نے ان کے شانے سہلاتے ہوئے لاپرواہ انداز میں کہتے ہوئے ان کی پریشانی کو کم کرنا چاہا۔

’’کتنا سمجھایا تھا میں نے اسے کہ جب ایاز راضی نہیں تو زبردستی نہ کرے آخر عباس بھی تو تھا، دیکھو آج وہ اسٹیبلش ہے ہم عباس کے لئے سبین کو مانگ لیتے، صرف تھوڑا انتظار ہی تو کرنا پڑتا، مگر اس خبطی عورت کی ضد کی وجہ سے ایک معصوم لڑکی کی زندگی برباد ہو گئی، مجھے جواب دو نبیلہ بیگم! اب اس عفت مآب بچی کو کون اپنائے گا؟ آج کل تو ویسے لڑکیوں کے رشتے ملنا مشکل ہیں کہاں وہ یتیم و یسیر طلاق یافتہ، کیا تمہیں احساس ہے کہ تمہاری جلد بازی نے اسے کس اندھی کھائی میں پھینک دیا ہے بولو؟ جانتی ہو تم؟‘‘ احمر مغل تو جیسے پھٹ پڑے تھے، نبیلہ بری طرح رو رہی تھیں۔

’’بس کرو احمر! غصہ تھوک دو، نبیلہ کا قصور اتنا بھی نہیں ہے وہ تو صرف اپنی یتیم بھانجی کو لا کر بہن کا بوجھ قدرے کم کرنا چاہتی تھی۔‘‘ زیتون تائی نے نبیلہ کی فیور کی تھی۔

’’تو ہو گیا بوجھ کم؟‘‘ وہ طنزیہ بڑبڑائے۔

’’میرا خدا گواہ ہے احمر! میں نے ایسا نہیں چاہا تھا۔‘‘ نبیلہ روہانسے لہجے میں گویا ہوئیں تھیں۔

’’میں کب تمہیں مورد الزام ٹھہرا رہا ہوں، کتنا سمجھانے کی کوشش کرتا تھا میں تمہیں کہ ایاز ذرا مختلف طبیعت کا مالک ہے بلکہ مادیت پرست ہے ذرا ٹھہر جاؤ، وہ کون سا بوڑھی ہو رہی ہے، عباس بھی تو ہے مگر......‘‘ وہ پھر سے بولنے لگے مگر وقار نے ان کی بات قطع کر دی۔

’’عباس تو اب بھی ہے چاچو۔‘‘ وقار نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا، سب نے چونک کر اسے دیکھا۔

’’کیا کہنا چاہتے ہو وقار؟‘‘ تایا جان نے سرسراتی ہوئی آواز میں کہا۔

’’سبین بہت پیاری اور معصوم ہے بابا جان! چاچو ٹھیک کہہ رہے ہیں اسے کون اپنائے گا کیونکہ دنیا کی نظر میں وہ مطلقہ ہے مگر ہم سب تو اصلیت جانتے ہیں نا، اتنی خالص اور پاکیزہ بچی کی قسمت میں پھر سے سیاہی بھرنے سے بہتر ہے کہ ہم اسے عباس کے لئے مانگ لیں آخر ان کا بگڑا ہی کیا ہے۔‘‘ وقار بہت متوازن اور ہموار طریقے سے بول رہے تھے، سب کو یوں لمحوں کے لئے سانپ سونگھ گیا۔

’’مجھے نہیں لگتا اس میں کوئی قباحت ہے۔‘‘ سب سے پہلے احمر مغل بولے تھے، ان کی آواز میں زندگی دوڑ رہی تھی۔

نبیلہ چچی کے گالوں پہ جوش کی سرخی دوڑ گئی اگر ایسا ممکن ہو جاتا تو کتنا اچھا ہوتا شاید اس طریقے سے ہی ایاز کے کیے کا مداوا ہو پاتا۔

’’تم حیران کن طریقے سے سوچتے ہو وقار! مجھے یہ ایک بہترین فیصلہ لگ رہا ہے عباس ایک مختلف طبیعت کا بڑا پریکٹیکل سا بندہ ہے اور وہ زندگی اور رشتوں کی قدر جانتا ہے، وہ سبین کے لئے ایک بہترین چوائس ہے۔‘‘ طارق چچا کے انداز میں ستائش تھی۔

سب اپنی اپنی بولیاں بولنے لگے تھے، کسی کو یہ پریشانی تھی کہ ’’عدت‘‘ کے پورے ہونے کے بعد سبیلہ بیگم سے بات کس طریقے سے کی جائے، کہیں وہ اسے انا کا مسئلہ نہ بنا لیں، کسی کو یہ

اعتراض تھا کہ سبین کو کیسے منایا جائے کوئی یہ کہہ رہا تھا کہ یہ ''کفارہ'' بہترین ہے، اگر بات نہیں کی جا رہی تھی تو وہ تھی عباس کی ذات کے متعلق، جو سرے سے نظر انداز کر دیا گیا تھا، یا شاید اسے اس قابل ہی نہیں سمجھا گیا تھا کہ کوئی اس کی مرضی کے بارے میں بات کرتا۔

''اور عباس......! کیا وہ مان جائے گا؟''

ہجوم میں سے پہلی بار نیلم چچی نے لب کشائی کی، سب نے چونک کر انہیں دیکھا، کچھ دیر کی خاموشی کے بعد وہ پھر سے باتیں کرنے لگے مگر اب آوازیں دھیمی ہو گئیں تھیں سرگوشیوں سے مشابہ اور چہروں کے رنگ بتدریج بدلتے جاتے تھے۔

شام کا پھیلتا جھٹ پٹا مغل ہاؤس کے لئے جلو میں ایک نیا ایک انہونا اور شاید پُر مسرت دن لانا چاہ رہا تھا۔

دوسری طرف قدرے دور بیٹھے ینگسٹرز بھی دو ٹولیوں میں بٹے ہوئے تھے، آمنہ، رمشہ اور کومل تینوں بیٹھی نہ جانے کون سی باتوں میں مگن تھیں جبکہ شاہ بخت اور عباس چائے پیتے ہوئے آفس ڈسکس کر رہے تھے، عباس اس سے نیویارک ٹور کی تفصیل جاننا چاہ رہا تھا مگر نجانے کیوں بخت کترا رہا تھا بلکہ ہر بار بڑی خوبصورتی سے طرح، دے جاتا تھا، وہ ہر بار اتنی مہارت سے عباس کو باتوں میں الجھاتا کہ اسے احساس بھی نہ ہوتا۔

اور ہمیشہ کی طرح ان سب سے الگ، کافی فاصلے پر لان میں لگے جھولے پہ بیٹھی علینہ آہستہ آہستہ جھولا جھول رہی تھی، اس کی نظریں بالکل ساکت تھیں، رکی ہوئی، ٹھہری اور جامد نگاہیں بخت پہ گڑی تھیں۔

جو زین کو پیار کر رہا تھا جبکہ زین مچل مچل کر اس کی گرفت سے نکلتا اور اس کے کندھوں پہ سوار ہونے کی کوشش کرتا، شاہ بخت اس کی کوشش کو ناکام بنا کر اسے پھر سے گود میں لے چکا تھا اور اب وہ ہنستے ہوئے زین کو گدگدا رہا تھا۔

علینہ کو پتا تھا یہ اس کی من پسند ایکٹویٹی تھی، بخت کو بچے بے حد پسند تھے اور زین میں تو اس کی جان تھی، یکدم بخت نے زین کو چھوڑ دیا اور خود سر موڑ کر دیکھا بالکل اسی طرف جہاں علینہ بیٹھی تھی، ڈھلتی شام کے ملگجے اجالے میں علینہ نے ان شہد رنگ جھیلوں کی چمک فزوں تر ہوتے دیکھی، چند لمحے وہ ایک دوسرے کو دیکھتے رہے پھر علینہ نے نظر ہٹالی اور اٹھ کھڑی ہوئی، بخت نے دیکھا وہ اندر کی طرف جا رہی تھی، کچھ دیر بعد وہ اسے نظر آنا بند ہو گئی، مگر اس کی نظر اب بھی خالی جھولے پر ٹکی تھی جو ابھی تک ہلکے ہلکے جھول رہا تھا، اس کی محویت میں وقار کی آواز نے فرق ڈالا جو اسے بلا رہے تھے، اس نے گردن موڑ کر دیکھا، وقار اسے آواز دیتے ہوئے ہاتھ سے اپنی طرف آنے کا کہہ رہے تھے۔

''بخت! ادھر آؤ بھئی۔'' وہ عباس کے نزدیک سے اٹھ کر ان کی طرف چل دیا۔

''جی بھائی!'' اس نے کہتے ہوئے اِدھر اُدھر نظر دوڑائی پھر کوئی نشست خالی نہ پا کر وقار کی چیئر کے ہینڈل پہ اٹک گیا۔

''ہاں بھئی جوان! بولو کیا ارادہ ہے آگے؟'' تایا جان نے کہا۔

''تھینکس تایا ابو! آپ نے میری جوانی کو تسلیم تو کیا ورنہ بھائی تو مجھے ابھی بھی ایسے ٹریٹ کرتے ہیں جیسے میں کوئی بچہ ہوں۔'' وہ شرارت سے وقار کی طرف دیکھتا مسکرایا تھا۔

''ارے یار! تو ٹھیک ہے آج سے میں تمہیں بھائی بلایا کروں گا اور تم مجھے وقار کہہ لینا خوش؟ اسی طرح انجوائے کر سکتے ہو تم بڑے

ہونے کے احساس کو۔'' وقار نے مسکراہٹ دباتے ہوئے کہا، بخت نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور بازو ان کے گرد پھیلا دیا۔

''وقار! کیوں ستاتے ہو یار اتنا؟ چلو اب سنجیدگی سے بتاؤ مجھے آفس کب سے جوائن کر رہے ہو؟'' وہ مکمل بھائی بننے کے موڈ میں دکھائی دیتا تھا۔

''بس بھائی کل سے۔'' وقار نے بھی تابعداری کا مظاہرہ کیا، بخت کو کرنٹ لگا اس نے فوراً اپنا بازو واٹھالیا۔

''جی نہیں، میں ابھی بالکل آفس نہیں آ رہا۔'' اس نے منہ پھلایا، اب کی بار قہقہہ لگانے کی باری وقار کی تھی۔

''بخت یار! میں سنجیدہ ہوں بابا جان کا خیال ہے کہ اب تمہیں سنجیدہ ہو جانا چاہیے۔'' انہوں نے کہا۔

''بھائی پلیز! آنیسٹلی میرا ابھی کوئی موڈ نہیں ہے۔'' وہ اکتایا ہوا سا بولا تھا۔

''تو پھر کیا کرنا چاہتے ہو تم؟'' طارق مغل نے سنجیدگی سے کہا۔

بخت بے اختیار پچھتایا اس نے غلط وقت پر بات کر دی تھی اور اسے یہ بھی پتا تھا کہ یا تو اسے اپنی بات منوانے کے لئے ٹھوس دلائل دینے ہوں گے یا پھر ان کی ماننی پڑے گی۔

''کچھ نہیں بابا جان! بس ایسے ہی۔'' وہ گڑبڑا گیا۔

''بخت! تمہارا یہ غیر ذمہ دارانہ رویہ مجھے قطعاً پسند نہیں آیا، تم جانتے بھی ہو کہ سارا بر ڈن وقار اور عباس پہ ہے، ٹھیک ہے ہم موجود ہیں وہاں، لیکن اس کے باوجود بھی تمہاری ضرورت ہے، کراچی والی فرم کے معاملات بھی اچھے خاصے بگڑے ہوئے ہیں، وقار اکیلا کدھر کدھر بھاگتا پھرے، نہ وہ یہاں چیک کر پا رہا ہے اور نہ وہاں کچھ ٹھیک ہو رہا ہے۔'' طارق مغل نے اس کی کلاس لگا ڈالی، وقار کو بے حد افسوس ہوا، شاید اس نے غلط موقع پر بات چھیڑ دی، نیلم چچی بھی ناراضی سے طارق کو دیکھ رہی تھیں۔

''چھوڑیں چاچو! رہنے دیں نا، ابھی اس کا موڈ نہیں ہے۔'' وقار نے ہمیشہ کی طرح اس کی حمایت کی۔

''نہیں وقار! اس کو موڈ بنانے دو۔'' ان کا لہجہ دوٹوک تھا۔

شاہ بخت بری طرح ہونٹ چبا رہا تھا، احمر مغل نے ستائش سے اسے دیکھا یہ ان کا سب سے اسٹائلش اور ہینڈسم بھتیجا تھا، مگر وہ بھی باقی سب کی رائے سے متفق تھے۔

''جانے بھی دو طارق! بچہ ہے عیش کرنے دو پھر تو ساری زندگی ان ذمہ داریوں کا بوجھ ڈھونا ہے۔'' احمر مغل نے کہا۔

''نہیں تایا ابو! بابا ٹھیک کہہ رہے ہیں، مجھے اپنی ذمہ داریوں کا احساس ہونا چاہیے میں کل سے آفس جوائن کر رہا ہوں۔'' وہ اکھڑے ہوئے انداز میں کہتا اٹھا اور چل دیا، وقار نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

''آپ نے اسے ناراض کر دیا چاچو۔''

''وقار! تم اس کی بے جا فیور کر کے اس کا دماغ خراب کر دو گے۔'' طارق جھلا سے گئے تھے۔

''بس بھئی ختم کرو اس موضوع کو، جب بخت نے کہہ دیا کہ وہ آفس جوائن کر رہا ہے تو باقی بحث لاحاصل ہے۔'' تایا جان نے بات سمیٹ دی۔

(باقی آئندہ)

سندس جبیں

ساتویں قسط

شائی وانگ کی زندگی میں آنے والا پڑاؤ بڑا دیرپا اور خوشگوار ثابت ہوا تھا، بنکاک واقعی انہیں راس آ گیا تھا، اس کا کالج سٹارٹ ہوئے ڈیڑھ دو سال ہو چکا تھا، تھائی نے تھونگز کے ساتھ مل کر ایک چھوٹا سا ریستوران کھول دیا تھا، زندگی مطمئن اور پرسکون تھی، انہی دنوں اسے رقص کا شوق ہوا تھا، تھائی وانگ کو اگرچہ اس کا یہ نیا شوق بالکل نہیں بھایا تھا مگر اس شائی کی راہ اور شوق میں مزاحم ہوئے بغیر بڑی خوشدلی سے اسے یہ اجازت دے دی تھی۔

یوں شائی وانگ رقص کی کلاسز لینے لگی، کالج میں اس کے صرف چند گنے چنے دوست تھے، وہ کسی حد تک الگ تھلگ مزاج کی حامل تھی اور کم گو تھی، اگرچہ کالج میں اس کی خوبصورتی اور حسین بالوں کے کئی دیوانے تھے، مگر وہ بے نیاز ہی رہتی، چھ ماہ تک رقص کی کلاسز لینے کے بعد وہ خاصی ماہر رقاصہ بن چکی تھی اور اس کی انسٹرکٹر کے تھرو کئی کلب مالکان اس کو اپنی کلب

ناولٹ

ڈانسر بنانا چاہتے تھے مگر وہ سن کر ہی بدک گئی، اسے اچھی طرح علم تھا کہ کلبز میں ڈانس کے نام پر کون سا فحاشی کا کھیل کھیلا جاتا تھا، جبکہ تھائی کئی بار اسے شرارت میں چھیڑتی کہ اب تو اس کی ڈیمانڈ بن چکی ہے اور شائی ناراضی سے منہ پھیلا لیتی۔

تھائی اور تھونگز دونوں کا ہی یہ خیال تھا کہ اسے کالج کی تعلیم ختم ہونے کی انہیں اپنی پسند سے مطلع کر دینا چاہیے، وہ اس کی شادی کرنا چاہتے تھے، جبکہ شائی ہمیشہ جھلا جاتی، وہ کامرس پڑھ رہی تھی اور اس کا موڈ جاب کرنے کا تھا، وہ کیریئر وومن بننا چاہتی تھی، لیکن وہ ان دونوں کی بات کے جواب میں ہمیشہ مسکرا کر رہ جاتی، کوئی جواب دینے سے گریز ہی کرتی۔

چھٹی والے دن عموماً وہ کسی ساحلی مقام پر آ

جاتے، ہنستے مسکراتے پکنک مناتے اور ان تینوں کی پرسکون زندگی میں کوئی غم کوئی پریشانی نہ تھی۔
کہتے ہیں ''برا وقت انسان سے بس ایک قدم پیچھے ہوتا ہے۔'' ان کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوا تھا، وہ اپنی دانست سالوں پہلے اس کانی ہاؤس کے معاملے اور ان میں ملوث اس ریکٹ کو مکمل بھول چکے تھے مگر انڈر ورلڈ سے تعلق رکھنے والے وہ بے ضمیر نشہ فروخت انہیں نہیں بھولے تھے، وہ ایک ملین بھات کی چوٹ اتنی آسانی سے بھولنے والے تھے بھی نہیں۔
ابھی قسمت کی سیاہی اتنی پھیکی بھی نہ پڑی تھی اور کم بختی ان کے ساتھ ہی محو سفر تھی بس یہ چند سال سنہرے کھنکتے سکوں کی مانند وقت کے تھال میں گر گئے اور وحشت ناک تاریکی نے پھر سے آنے والے وقت کو اپنے بے رحم شکنجے میں جکڑنا شروع کر دیا۔
وہ ایک خوشگوار دن تھا، حسب معمول تھائی اور تھونگز اپنے ریسٹورنٹ کے لئے روانہ ہو گئے اور وہ اپنے کالج، اگرچہ اس کے ایگزامز ہو چکے تھے اور جلد ہی اس کو ڈگری ملنے والی تھی۔
مگر آج سب دوستوں نے مل کر کالج اکٹھا ہونے کا پروگرام بنایا تھا، کالج میں مل کر پرانی یادیں تازہ کرنے کے بعد وہ سب ایک ساحلی مقام پر آ گئیں، شام تک یہاں موج مستی کرنے کے بعد وہ کھانا کھانے کے لئے ایک ریسٹورنٹ میں آ گئیں، اس کے بعد اس کی فرینڈز کا اصرار تھا کہ وہ انہیں اپنے رقص کی مہارت کی ایک جھلک دکھائے، وہ پہلے تو مان کر نہ دی مگر پھر نیم رضا مندی دکھا دی، طے یہ پایا کہ وہ سب اس کے گھر جائیں گے جہاں وہ کوئی خوبصورت لباس پہن کر ان سب کو رقص کر کے دکھائے گی، وہ اپنی گاڑی میں اپنے گھر کی طرف آ گئی، جبکہ باقی سب اسے آدھے گھنٹے بعد آنے کا کہہ گئیں، گھر لوٹ کر اس نے دیکھا کہ تھونگز کی گاڑی پورچ میں کھڑی تھی، اس کا مطلب تھا کہ وہ دونوں گھر آ چکے تھے، اسے بے حد خوشی ہوئی وہ دونوں کتنی بار اس سے فرمائش کر چکے تھے کہ وہ انہیں بھی رقص کر کے دکھائے گا وہ ہمیشہ ٹال جاتی آج اس نے سوچا کہ ان کا شکوہ بھی دور ہو جائے گا۔
اپنی دھن میں اپنے روم کی طرف بڑھتے ہوئے اس نے قطعاً یہ نوٹ نہیں کیا کہ گھر میں کتنی غیر معمولی اور پراسرار خاموشی چھائی ہوئی تھی۔
گھٹنوں تک آتا خوبصورت اسکرٹ اور پنک ٹاپ پہن کر وہ اپنے دراز بالوں کو کسی اسٹائل میں باندھنے کا سوچنے لگی جب کچھ سمجھ نہ آئی تو اس نے تھائی سے مدد لینے کا سوچا، وہ کمرے سے باہر آ گئی، تھائی کے کمرے کی جانب آ کر اس نے دھیرے سے دروازہ کھٹکھٹایا، جواب میں ایک عمیق خاموشی کے سوا کچھ نہ تھا، اس نے حیرت زدہ ہوتے ہوئے ہینڈل گھمایا اور دروازہ کھلتا چلا گیا۔
کمرے میں گہری تاریکی تھی، یکا یک اسے کسی انہونی کا احساس ہوا، اس نے تیزی سے سوئچ بورڈ پر ہاتھ مارا، کمرے میں جا بجا روشنیاں جل اٹھیں مگر اس کے ساتھ اس کی قسمت میں ہمیشہ کا اندھیرا اتر آیا، اس کے حلق سے ایک دلروز چیخ نکلی، اس کی آنکھیں حیرت و خوف سے پھٹ سی گئیں۔
سامنے ہی بیڈ پر تھائی اور تھونگز کی لاشیں پڑی تھیں، انہیں گولیاں ماری گئیں تھیں، وہ شاید ان کی طرف بڑھنا چاہتی تھی مگر یکدم وہ وہیں رک جانے پہ مجبور ہو گئی، دوڑتے ہوئے تیز قدموں کی آوازیں اور ساتھ ساتھ دو تین افراد بلند آواز میں چیخ رہے تھے۔

''وہ...... وہاں...... دوسری لڑکی بھی موجود ہے۔'' ان میں سے کوئی ایک تھائی زبان میں چیخا تھا۔
اس کے بے حس و حرکت وجود میں یکلخت ہلچل سی مچ گئی تھی وہ آنکھوں میں وحشت لئے پلٹی اور بے ساختہ دروازے کی سمت دوڑی، دوڑتے ہوئے اس نے جوتے اتار دیئے، جوتوں کا شور ان کو متوجہ کرنے کا باعث بن سکتا تھا، عقلمندی اس نے یہ کی تھی کہ داخلی دروازے کی طرف بھاگنے کی بجائے گھر کی عقبی سمت دوڑی تھی جہاں وسیع لان میں گھنی جھاڑیاں اور درخت تھے، وہ جھاڑیوں میں چھپ گئی، اس کا سارا وجود لرز رہا تھا اور بال کھلے ہونے کی وجہ سے کئی جگہوں پہ پھنس گئے تھے جن کو چھڑاتے ہوئے وہ اپنی سسکیاں ضبط کرنے کی کوشش میں نڈھال سی ہو گئی تھی، آنے والے افراد تعداد میں شاید سات آٹھ تھے وہ اب پورے گھر میں پھیل کر اسے ڈھونڈ رہے تھے۔
ان میں سے دو گیٹ پر کھڑے نگرانی کر رہے تھے، لمحے جیسے صدیاں بن گئے تھے، گزرتے ہی نہ تھے، اسے لگ رہا تھا کہ اگر وہ مزید ان کانٹے دار جھاڑیوں میں دبکی رہی تو شاید بے ہوش ہو کر گر جائے، اس نے اپنی چیخیں ضبط کرنے کے لئے دونوں ہاتھ سختی سے منہ پہ رکھ لئے، اس کے آنسو ٹپ ٹپ گر رہے تھے اور نظروں میں تھائی اور تھونگز کے مردہ، بے نور چہرے گھوم رہے تھے، اس کی روح اپنی آخری حد تک ضبط کر رہی تھی، مگر غم اتنا بے کراں تھا کہ ضبط محال تھا، قریباً ایک گھنٹے تک وہ اسے ڈھونڈتے رہے، پھر وہ سب گیٹ کے نزدیک اکٹھے ہو گئے، ان میں سے زیادہ تر کا یہ خیال تھا کہ وہ بھاگ گئی ہے، مگر ایک تیز آواز میں چیخ رہا تھا کہ

انہیں ہر حال میں اس لڑکی کو زندہ پکڑنا ہے کیونکہ ایسا باس کا حکم تھا، اب خدا جانے یہ "کون باس" تھا؟ اور شائی وانگ کے خواب و خیال میں بھی نہیں آ رہا تھا کہ یہ ان کے کون سے دشمن تھے، دوسری طرف اسے یہ فکر بھی کھائے جا رہی تھی کہ اگر وہ مزید نگرانی کے لئے ادھر ہی رک گئے تو وہ کب تک ان جھاڑیوں میں چھپی رہ سکے گی، تیسری طرف اسے موہوم سی امید یہ بھی تھی کہ اس کی دوستیں آ گئیں تو پھر لازماً بہتر ہو سکے گا، ہو سکتا ہے یہ غنڈے بھاگ جائیں اور پھر پولیس کے آ جانے پہ سب کچھ...... ہاں شاید سب کچھ ٹھیک ہو سکتا تھا۔

حالانکہ وہ جانتی تھی یہ سب "امکانات" تھے مگر وہ مجبور تھی کہ مسلسل یہ دعا کرتی رہے کہ ان میں سے کچھ بھی سچ مچ واقع ہو جائے، پھر شاید اس کی دعا مقبول ہو گئی، وہ سب وہاں سے نکل گئے، اس نے بجلی کی سی تیزی سے حرکت میں آنے کا فیصلہ کیا، اس نے خود کو ان جھاڑیوں سے باہر نکالا اور ان کی دیوار کے ساتھ ساتھ چلنے لگی، بیرونی دیوار کی اونچائی آٹھ فٹ کے قریب تھی اس نے محتاط انداز میں اِدھر اُدھر دیکھا اور جمپ لگا کر دیوار پھلانگ گئی، جیسے ہی اس نے گلی میں چلنا شروع کیا، یکا یک جیسے وہاں طوفان سا آ گیا۔

تیز چیخوں اور آوازوں کے ساتھ دو گاڑیاں آپس میں ٹکرا گئی تھیں، اس نے وحشت زدہ ہرنی کی مانند سہم کر دیکھا اور اس کے منہ سے چیخ نکل گئی، دو پولیس کی گاڑیاں بنگلے کے سامنے موجود تھیں اور بنگلے کے اندر وہ سب افراد، اگلے ہی لمحے پہلا فائر ہوا اور پھر یوں محسوس ہوا جیسے محاذ کھل گیا ہو، شائی وانگ نے وحشت کے عالم میں وہاں سے دوڑ لگا دی، پتا نہیں کتنی گلیاں اور کتنی سڑکیں اس نے بھاگتے ہوئے پار کیں، پھر یکدم ایک گلی کے باہر نکلتے ہی وہ ایک گاڑی سے ٹکرا گئی۔

"Help me ---- please help me۔" وہ ہذیانی انداز میں چلا رہی تھی، گاڑی رک چکی تھی۔

☆☆☆

اسید واپس لوٹا تو اسے اپنے کمرے میں ہلچل نظر آ رہی تھی، وہ لاؤنج میں رک کر کارروائی ملاحظہ کرنے لگا، حبا کسی ملازمہ کی مدد سے اس کے کمرے میں رکھے ہوئے پلانٹس باہر نکلوا رہی تھی، مرینہ بھی ایک طرف کھڑی تھیں۔

"ماما! یہ کیا ہو رہا ہے؟" اس نے استفسار کیا۔

"کچھ نہیں بیٹا بس حبا پلانٹس کی سیٹنگ چینج کرنا چاہ رہی ہے، نئے بھی منگوائے ہیں بس وہی رکھوانا چاہ رہی ہے۔" انہوں نے اطمینان سے بتایا۔

اسید کی پیشانی شکن آلود ہو گئی، اس نے حبا کو دیکھا جو اسے نظر انداز کیے ملازمہ کو ہدایات دینے میں مگن تھی۔

"ایکسکیوز می خاتون! یہ واپس رکھیے، یہاں سے کچھ اٹھانے کی ضرورت نہیں، یہ سب میری پسند کا ہے اور مجھے کسی تبدیلی کی ضرورت نہیں۔" اس نے ٹھوس لہجے میں کہتے ہوئے ملازمہ کو دیکھا اور گملا واپس رکھنے کا اشارہ کیا، حبا نے چونک کر اسے دیکھا پھر مسکراتی ہوئی اس کی سمت بڑھ آئی۔

"کم آن اسید! تبدیلی تو کائنات کی فطرت ہے۔" اسید نے اس کی بات کو یکسر نظر انداز کر دیا۔

"ماما! میں آپ سے ریکویسٹ کر رہا ہوں

پلیز مجھے چینج نہیں چاہیے۔" وہ ناراضی سے کہتا کمرے سے باہر نکل گیا، مرینہ خاموشی سے اور حبا پھیکے چہرے سے اسے جاتا دیکھتی رہیں۔

حبا کا دل مدھم مدھم دھڑک رہا تھا، اسے اسید بھی خود سے اتنی دوری پر محسوس نہ ہوا تھا، اس نے حبا کی بات کا جواب دینا تک گوارہ نہ کیا تھا، اس کے حلق میں ڈھیر سارا کسیلا دھواں جمع ہونے لگا، اس نے قدم اپنے کمرے کی سمت بڑھا دیئے۔

"حبا! کہاں جا رہی ہو؟ یہ سب کون دیکھے گا؟" مرینہ نے اسے عقب سے پکارا تھا۔

"آپ دیکھ لیجئے ماما! میرا دل نہیں چاہ رہا۔" اس نے مڑے بغیر کہا اور کمرے میں گھس کر دروازہ بند کر لیا۔

مرینہ حیرانی سے اپنے دونوں بچوں کے تیور ملاحظہ کرتی رہ گئیں، پھر انہوں نے حبا کی پسند کے سارے گملے رکھوا دیئے اور خود شام کا کھانا بنانے چلی گئیں، کچھ دیر بعد انہوں نے حبا کو کتابیں اٹھائے لاؤنج میں آتے دیکھا، مرینہ جانتی تھیں یہ اس کے پڑھنے کا ٹائم تھا، حبا اب کتابیں سینٹرل ٹیبل پہ رکھ کر خود فلور کشن پہ بیٹھ چکی تھی، مرینہ گو کچن میں مصروف تھیں مگر گاہے گاہے اس پر بھی نظر دوڑا لیتی تھیں وہ سر جھکائے کچھ لکھنے میں منہمک تھی، انہوں نے شام کی چائے دم کر لی تھی مگر اسید کے انتظار میں رک گئیں اور کچھ دیر بعد وہ بھی آ گیا۔

"السلام علیکم ماما!" وہ دروازے سے ہی بلند آواز میں بولتے ہوئے اندر آیا تھا یہ اس کی عادت تھی، حبا اسی طرح سر جھکائے اپنے کام میں مصروف رہی، وہ بھی حبا کو دیکھ چکا تھا، اسی لئے ان کی طرف پلٹ آیا۔

"ماما! کچھ کھانے کو ملے گا؟" اسید نے انہیں کچن کے دروازے میں کھڑے دیکھ کر مخاطب کیا۔

"ہاں کیوں نہیں؟" وہ مسکراتی ہوئی پلٹ گئیں۔

اسید صوفہ پر نیم دراز تھا، حبا نے بے چینی سے پہلو بدلا اور پھر کچن کی طرف دیکھا، کچھ دیر بعد مرینہ ٹرے میں ان کے لئے چائے لے آئیں، ایک مگ انہوں نے حبا کے نزدیک رکھا اور دوسرا اسید کے اور اس کے ساتھ بڑی سی پلیٹ میکرونی کی بھی تھی، اسید کو میکرونی بڑی پسند تھی۔

"واؤ گریٹ۔" اسید کی آنکھیں چمک اٹھیں، وہ بڑی رغبت سے کھانے میں مصروف تھا اور حبا خاموشی سے اس کا جائزہ لے رہی تھی۔

"اچھی بنی تھی نا؟" اسے پلیٹ خالی کر کے ٹیبل پہ رکھتے دیکھ کر حبا نے بڑے اطمینان سے پوچھا، اسید نے چونک کر اسے دیکھا۔

"میں نے بنائی تھی۔" اس نے اپنی دانست میں انکشاف کیا تھا، اسید نے بے ساختہ ہلکا سا قہقہہ لگایا۔

"تم مجھے ٹیز کرنا چاہ رہی ہو حبا؟ میں جانتا ہوں تمہیں کوکنگ نہیں آتی۔" وہ بڑے محظوظ ہونے والے انداز میں بولا تھا۔

"تمہیں کیا لگتا ہے میں یہ نہیں کر سکتی؟" وہ عجیب سے انداز میں بولی تھی۔

"آف کورس ناٹ۔" وہ پر یقین تھا۔

"ماما سے پوچھ لیتے ہیں۔" اس نے چیلنج کیا، اس کے ساتھ ہی اس نے مرینہ کو بلند آواز میں پکارا۔

"ماما! اسید کو یقین دلائیں کہ میں کوکنگ کر سکتی ہوں اور یہ جو میکرونی تیار کی تھی وہ بھی سراسر میرا کمال تھا۔" مرینہ اس کے بچگانہ انداز پہ مسکرا

دیں۔

"حبا ٹھیک کہہ رہی ہے اسید!" انہوں نے تصدیق کر دی، حبا نے فاتحانہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا، جیسے کہہ رہی ہو، "اب بولو۔" اسید کے چہرے پہ حیرت ابھر آئی، پھر وہ کچھ بولے بنا حبا کے مقابل کشن پر ٹک گیا، وہ اسے فرسٹ ایئر کی "THE HOLLOW MAN" پڑھا رہا تھا اور حبا خاموشی سے اس کے ہاتھوں پہ نظر جمائے بیٹھی تھی۔

"کیا اس خواہش سے دستبردار ہونا آسان ہے؟" اس نے دلگرفتگی سے سوچا۔

"کیا یہ مجھے نہیں مل سکتا؟" وہ شدید خود ترسی میں مبتلا ہونے لگی تھی، اسے کہیں پڑھی ہوئی بات یاد آئی۔

"جو نہ ملے اسے چھین لو۔" اس کے لبوں پہ مسکراہٹ آ گئی، اسید نے حیرت سے اسے یوں خود بخود مسکراتے دیکھا۔

"تمہارا دماغ درست ہے؟ کہاں ہو تم؟" اس نے جھڑکا، جواباً وہ سر جھکا گئی مگر دل ہی دل میں اس سے محو کلام تھی۔

"میں تم سے بے تحاشا محبت کرتی ہوں اسید مصطفیٰ! میں تمہیں ہر حال میں حاصل کروں گی خواہ مجھے کچھ بھی کرنا پڑے، خواہ اس کی کوئی بھی قیمت ادا کرنی پڑے، تم اتنے خاص ہو، اتنے انمول ہو کہ تم پر میں یہ پوری کائنات وار کے پھینک دوں اگر مجھے اختیار ملے، تو یہ طے پایا آج کہ تم صرف "میرے" ہو۔"

چلو ایسا کریں مل کر کے
ستارے بانٹ لیتے ہیں
ضرورت کے مطابق سب
سہارے بانٹ لیتے ہیں
محبت کرنے والوں کی
تجارت بھی انوکھی ہے
منافع چھوڑ دیتے ہیں
خسارے بانٹ لیتے ہیں
اگر ملنا نہیں ممکن تو
لہروں پہ قدم رکھ کر
ابھی دریائے الفت کے
کنارے بانٹ لیتے ہیں
میری جھولی میں جتنے بھی
وفا کے پھول ہیں ان کو
اکٹھے بیٹھ کر اک روز
سارے بانٹ لیتے ہیں
محبت کے علاوہ پاس نہیں
کچھ میسر......!
اسی دولت کو ہم قسمت کے
مارے بانٹ لیتے ہیں

☆☆☆

علینہ نے ہاتھ میں موجود کتاب سائیڈ پہ پھینکی اور اکتاہٹ سے نظر کمرے میں دوڑائی ہر چیز ویسی ہی تھی معمول کے مطابق، رکی ہوئی ٹھہری سی بالکل اس کی زندگی کی مانند، اس نے آنکھیں بند کر لیں، اس کی بے خواب آنکھوں میں نیند کا نام و نشان بھی نہ تھا، اس کا ذہن خلاؤں میں بھٹک رہا تھا۔

رمشہ، شاہ بخت اور علینہ، اس "ٹرائی اینگل" میں اس کا کیا کردار تھا؟ وہ نہیں جانتی تھی مگر یہ جگسا پزل حل کرنا جیسے اس کے لئے ناگزیر ہوتا جا رہا تھا۔

"مجھے شاہ بخت سے ایک بار تو بات کرنا ہی ہو گی، آخر وہ دونوں مجھے کیوں الو کر رہے ہیں؟ ان کا جو جھگڑا ہے وہ خود سلجھائیں، میں کہاں ہوں؟ اور رمشہ آپی نے میرے حوالے سے ایسی بات کیوں کی؟ کیا ان دونوں کے درمیان پہلے بھی میرا موضوع ڈسکس ہوتا رہا ہے؟" وہ الجھتی ہوئی کمرے میں چکرا رہی تھی، اسی حالت میں وہ آئینے کے سامنے جا کھڑی ہوئی، آئینے میں موجود عکس اس کا نہیں تھا، وہ تو کوئی دوسری علینہ تھی، وہ اپنے عکس کو گھورنے لگی۔

"تم جھوٹی...... دھوکے باز......" آئینے میں موجود عکس اس پر چلایا تھا، وہ بے بسی سے رونے لگی۔

"نہیں ایسا نہیں ہے۔" اس نے تردید کی تھی۔

"مت بولو اتنے جھوٹ۔" عکس اس پر چلایا تھا۔

"میں نے کوئی جھوٹ نہیں بولا۔"

"دغا باز! جاؤ سچ بولو اس سے، ہے ہمت تم میں؟" اس نے چیلنج کیا، وہ نفی میں سر ہلاتی ایک قدم پیچھے ہٹ گئی۔

"میں ایسا نہیں کر سکتی، مجھے ریجیکشن سے ڈر لگتا ہے۔" اس کے آنسو مزید رواں ہو گئے۔

"تو پھر ادھر ہی مرو اپنی جھوٹی انا اور بے کار خوف کے ساتھ۔" اس کا اپنا عکس اسے تنہا چھوڑ گیا، وہ گھٹنوں کے بل زمین پر گر گئی۔

زمانے معاملے میں خود میرا دل
مرے بدمقابل ڈٹ گیا ہے
عجب ہے آرزوؤں کا سفر بھی
مکاں بے چینیوں سے اٹ گیا ہے

ہمیشہ کی طرح کوئی مہربان آغوش اس کے لئے وا نہیں ہوئی تھی، اس کمرے کی تنہائی میں وہ گزشتہ کئی سالوں سے تنہا تھی اور کتنے بے شمار دنوں پر وہ اسی طرح روتی رہی تھی، اسے پتا تھا آج بھی اسے خاموش کروانے کوئی نہیں آئے گا وہ اس بڑے سے مغل ہاؤس میں تنہا تھی، جہاں افراد کی بہتات تھی، جہاں ہر شخص دوسرے سے محبت کرتا تھا، وہاں علینہ احمر مغل تنہا تھی۔

اگلے دن ناشتے کے بعد وہ عباس کے کمرے میں چلی آئی، آہستہ سے دروازہ بجا کر وہ اندر داخل ہوئی تو ٹھٹک کر رک گئی، بیڈ پر بڑی بے تکلفی سے شاہ بخت براجمان تھا۔

"وہ مجھے بھائی سے کچھ کام تھا، وہ کہاں ہیں؟" اس نے آہستہ سے استفسار کیا۔

"کون سا کام؟ مجھے بتاؤ؟" شاہ بخت کی آنکھوں میں شرارت چمک اٹھی۔

"لیکن آپ میرے بھائی نہیں ہیں۔" وہ بے ساختہ بولی تھی۔

شاہ بخت کا قہقہہ بے ساختہ تھا، علینہ جیسے شرمندگی کی اتھاہ گہرائیوں میں اترنے لگی، اسے بولنے کے بعد احساس ہوا تھا، خدا جانے وہ کیا مطلب لیتا؟

"مجھے پتا ہے عینا۔" اس کا دھیما لہجہ بڑی چہکار لئے ہوئے تھا۔

"آپ مجھے ایسے مت مخاطب کریں پلیز۔" وہ سختی سے بولی تھی، شاہ بخت نے کچھ کہنا چاہا مگر اسی وقت ڈریسنگ روم کا دروازہ کھول کر عباس برآمد ہوا، وہ دونوں چونک گئے۔

"ارے علینہ آئی ہے، آؤ بھئی خیرت ہے؟" عباس اسے اپنے کمرے میں دیکھ کر حیران رہ گیا، مسکرا کر بولا تھا۔

"بھائی! وہ بکس کا کہنا تھا مجھے۔"

"گریجویشن کی بکس؟"

"جی آپ نے کہا تھا نا کہ آپ لا دیں گے۔" وہ یاد دہانی کروا رہی تھی۔

"بالکل یاد ہے مجھے، شام کو ایک ساتھ چلیں گے ٹھیک؟"

"جی ٹھیک ہے۔"

"عباس! مجھے لگتا ہے ہمیں اسے کسی اکیڈمی میں ایڈمیشن دلانا چاہیے۔" بخت نے مداخلت کی۔

"اکیڈمی؟" حیرانی سے عباس نے پوچھا۔

"ہاں، گھر میں یہ کیسے پڑھ پائے گی، اکیڈمی ٹائمنگ کی وجہ سے تھوڑا بزی بھی رہے گی۔"

"دیٹس دا آئیڈیا۔" عباس نے سراہا تھا۔

"ٹھیک ہے علینہ! شام کو دونوں کام ایک ساتھ ہی نمٹا لیں گے، میں معلوم کرواتا ہوں کہ نزدیک کوئی اچھی سی اکیڈمی ہو تو۔" عباس نے جھٹ پٹ سارا معاملہ طے کرلیا۔

علینہ کے پاس حامی بھرنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا، وہ سست قدموں سے باہر نکل آئی، آج شاہ بخت بھی آفس جا رہا تھا، وہ اور عباس اپنی اپنی گاڑی کی سمت بڑھ رہے تھے ایسے میں نیلم چچی نے کتنے ہی نوٹ وار کے ملازم [illegible] تھمائے تھے، ان کی آنکھوں میں خوشی کی بے تحا [illegible] چمک نے چراغاں سا کیا ہوا تھا، بڑے بیٹے [illegible] نواز سے اگرچہ انہیں کوئی خاص خوشی نہ ملی [illegible] دوسرے بیٹے کی حد درجہ حساس طبیعت اور ناز [illegible] ہمیشہ انہیں دہلائے رکھتی تھی، اس کا متنازعہ کر [illegible] بھی گھر کے لئے ہمیشہ ہاٹ ایشو رہا تھا۔

باقی سب کی طرح نیلم چچی بھی اس [illegible] ماڈلنگ فیلڈ کے خلاف تھیں مگر بیٹے کی محبت [illegible] مجبور تھیں دوسرے یہ بات بھی سبھی جانتے تھے [illegible] اگر وہ اس فیلڈ میں تھا تو یہ سراسر وقار کی [illegible] تھی، اسے ہمیشہ سے شاہ بخت کی ضدیں ماننے [illegible] خبط تھا اور نیلم کو یاد نہیں تھا کہ کبھی کوئی بات [illegible] نے کہی ہو اور وقار نے پوری نہ کی ہو۔

درحقیقت وہ [illegible]pple of every one,s eye تھا اور اس وقت لگ بھی بڑا [illegible] اور گریس فل رہا تھا، رمشہ کے اندر اسے کھو [illegible] کا احساس مزید زور آور ہو گیا تھا، یہ [illegible] چمکدار آنکھوں والا خوبصورت سا شخص کس [illegible] نصیب میں تھا؟

"رمشہ! ادھر کیوں کھڑی ہو؟ آؤ [illegible] چلیں۔" کومل نے اسے پکارا۔

وہ چونک کر متوجہ ہوئی پھر آنکھوں م [illegible] نمی اندر دھکیلتے ہوئے اس کے ساتھ بڑھ گئی۔

جس طور سے لوٹے ہیں گنوا کر دل و جا [illegible]
اس طور تو ہارے ہوئے لشکر نہیں [illegible]

☆☆☆

"عشق مجازی اور عشق حقیقی میں کیا [illegible] ہے؟" حبا نے نوڈلز کا پیالہ اسید کی طرف [illegible] اور بڑے ٹھہرے انداز میں پوچھا تھا، اسید [illegible] ٹھٹک کر اسے دیکھا، وہ اب اسٹکس کی [illegible] نوڈلز کھا رہی تھی۔

"ایسی باتیں کہاں سے آتی ہیں تمہارے دماغ میں؟" وہ سرد مہری سے بولا۔

"اوہ کم آن اسید! پلیز ٹیک اٹ۔" اس نے اسٹکس اسید کو بھی تھمائیں، اسید نے پکڑ تو لیں مگر نوڈلز کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔

"میں تم سے کچھ پوچھ رہا ہوں۔" اس کا لہجہ سخت ہو گیا۔

"آئم ناٹ آ بے بی ناؤ، میں نے یہ پڑھی تو ذہن میں ایک سوال آ گیا، سوچا تم سے پوچھ لوں۔" وہ کتابوں کے ڈھیر میں سے "خدا اور محبت" نکال کر اسے دکھاتے ہوئے بظاہر بہت عام سے انداز میں بولی تھی۔

"یہ تمہارے پاس کہاں سے آئی؟" وہ حیران تھا۔

"تمہارے کمرے سے لی تھی۔" وہ سکون سے بتا رہی تھی۔

"ہاشم از آ گریٹ مین یو نو ہی از آ جینئس۔" وہ اب مصنف کی تعریفوں میں رطب اللسان ہو چکی تھی، اسید کی گھوریوں کو قصداً نظر انداز کرتے ہوئے۔

"کس کی اجازت سے؟" وہ بدستور چبھتے ہوئے انداز میں بولا تھا۔

"اپنے دل کی اجازت سے۔" اس بار وہ مسکرائی تھی۔

اب کی بار اسید بھی مسکراہٹ روک نہ سکا، حبا ایسی ہی تھی، زبردستی کرتی، حق وصولتی اور بڑی بے خوف۔

"مجھ سے پوچھ کر پڑھا کرو بکس، یو آر ناٹ میچور۔" اس نے ڈانٹا تھا۔

"میرے سوال کا جواب؟" وہ اس کی ڈانٹ کو یکسر نظر انداز کر گئی تھی۔

اسید نے دانت کچکچائے تھے، وہ حد سے بڑھتی جا رہی تھی۔

"غصہ بعد میں کر لینا، نوڈلز ٹھنڈے ہو گئے تو کھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔" وہ اسے نوٹس کر رہی تھی۔

اسید ایک بار پھر ٹھٹک گیا، اس کی پہاڑی ندی جیسی طوفانی پیش قدمی میں اسے اپنا وجود خطرے میں لگ رہا تھا، اسے حبا کے تیور بڑے ناقابل فہم لگ رہے تھے، وہ بہت عجیب سی ہوتی جا رہی تھی، ہر وقت کھلکھلاتی رہتی، اسید اسے کچھ بھی کہتا، وہ غصہ ہی نہ کرتی، البتہ اس نے اسید کو تنگ کرنا بالکل ختم کر دیا تھا، اسٹڈیز میں پہلے کی طرح بہترین کارکردگی دکھا رہی تھی۔

مگر اب وہ ہمہ وقت اسید کے کمرے میں گھسی رہتی اور یہ عموماً تب وقوع پذیر ہوتا جب وہ وہاں نہ ہوتا، اکثر اسید کو اپنی سیٹنگ بدلی ہوئی لگتی، اس کی شرٹس کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا اور کمرے کی ڈیکوریشن میں حیرت انگیز انقلابی تبدیلیاں نظر آنے لگیں اور سب سے بڑھ کر یہ تبدیلی، اب وہ اس کے ریک میں سے بکس بھی اڑانے لگی تھی۔

چھٹیاں ختم ہونے کے قریب تھیں، اسید کی یونیورسٹی اور حبا کالج پھر سے سٹارٹ ہونے والا تھا۔

اسید کی مصروفیات اب بڑھ رہی تھیں، اسے پارٹ ٹو کی بکس، پیپرز، نوٹس اور کچھ اپنی شاپنگ بھی کرنا تھی، کلاسز سٹارٹ ہونے سے چند دن پہلے تیمور احمد نے ان دونوں کو پاس بلایا تھا، حبا کو کیش اور اسید کو نیا کریڈٹ کارڈ تھمایا۔

"بھئی میں نے سوچا میرے بچوں کو شاپنگ کے لئے ضرورت ہو گی۔" وہ بے حد خوشگوار موڈ میں تھے، اسید پہ حیرت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔

ان کا اتنا خوشگوار موڈ اور "میرے بچوں" کا تکلم بڑے حیران کن تھا، مگر پھر وہ بھی مسکرا دیا، اگر وہ اتنا اچھا رویہ رکھ رہے تھے تو وہ کیوں موڈ خراب کرتا۔

"اپنی ماما کے ساتھ چلے جانا تم دونوں۔" انہوں نے کہا۔

"جی پاپا!" وہ بیک وقت بولے تھے، پھر تینوں ہنس دیئے۔

اسی رات وہ اس کے کمرے میں دودھ کا گلاس رکھنے آئی تو اسے آئینے کے آگے کھڑے شرٹ کے بٹن بند کرتے دیکھ کر رک گئی وہ اس کی سمت آیا، گلاس سائیڈ ٹیبل پہ رکھ کر وہ مڑا اور استفہامیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"بہت دن پہلے میں نے تم سے ایک سوال پوچھا تھا؟" وہ بہت دھیمی آواز میں بولی تھی۔

"کون سا سوال؟" وہ چونکا۔

"آج مجھے اس کو جواب مل گیا، اشفاق احمد کہتے ہیں۔"

"اپنی انا کو کسی ایک شخص کے سامنے پامال کرنے کا نام عشق مجازی ہے۔" حبا کا چہرہ سنجیدگی سے پر تھا اور آواز میں عجیب سا سوز تھا، اسید پلکیں جھپکائے بغیر اسے دیکھتا رہا، وہ سخت بے چین دکھائی دے رہی تھی۔

"اپنی انا کو سب کے سامنے پامال کرنے کا نام عشق حقیقی ہے۔" اس کی آنکھیں بہہ رہی تھیں، اسید کو دھچکا لگا تھا وہ بے ساختہ آگے بڑھ آیا۔

"حبا! کیا ہوا ہے؟ تم ایسے کیوں رو رہی ہو؟" پریشانی اس کے چہرے سے جھلک رہی تھی۔

"کاش تم سمجھ پاتے۔" وہ آنسو صاف کرتی واپس مڑ گئی، وہ کتنی ہی دیر وہیں کھڑا رہا، رات اسے بہت دیر تک نیند نہیں آئی تھی، لیکن وہ یہ سوچ کر خود کو تسلی دیتا رہا کہ یہ حبا کا معمول کا دورہ ہے اسے ایسے Fits پڑتے رہتے تھے۔

اگلے دن وہ شاپنگ کے لئے گئے تو حبا کا موڈ حسب معمول خاصا خوشگوار تھا، وہ تقریباً ہر چیز میں اپنی رائے دے رہی تھی، کتنی ہی اپنی پسند کی شرٹس اس نے اسید کے لئے لی تھیں، وشنگ کارڈز لئے تھے، پرفیوم اور کلونز، گھڑیاں اور ہیئر جیل غرض وہ بے تحاشا روپیہ لٹا رہی تھی۔

اسید تو لاتعلق بنا ہوا تھا مگر مرینہ اس کی جذباتیت پہ ہنس رہی تھیں اور اسے بار بار ٹوک رہی تھیں کہ وہ اپنے لئے بھی کچھ خرید لے۔

رات کو جب وہ لدے پھندے لوٹے تو بے حد تھکے ہوئے تھے، کھانا ریڈی میڈ تھا، جو کہ انہوں نے واپسی پر پیک کروایا تھا۔

اگلے دن اسید کو اپنے سرہانے ایک سرخ گلاب اور خوبصورت کارڈ ملا تھا سرمئی اور بھورے رنگوں کے امتزاج سے سجا اداسی سے بھرپور سوری کا کارڈ جس پر صرف ایک چھوٹی سی نظم تحریر تھی۔

ہمیں پتا ہے کہ
ہم نے کتنا سنبھل کے دیکھا!
نئی اور انجانی راہ گزاروں پہ چل کے دیکھا
ہزار رستہ بدل کے دیکھا
مگر میری جان!
ہر اک رستہ تمہاری جانب پلٹ گیا ہے
تمام نقشہ الٹ گیا ہے
وجود زخموں سے اٹ گیا ہے

اسید کا رنگ بدل گیا اور مٹھیاں بھینچ گئیں اور انہی مٹھیوں میں خوبصورت سا کارڈ چرمرا گیا۔

☆☆☆

کہانی ختم ہو گئی تھی اور آنسو ٹھہر گئے تھے، باہر دن کا اجالا پھیل گیا تھا، نوفل نے اپنی تھکی

ہوئی بے خواب آنکھیں مسلیں اور اسے دیکھا۔

"بے کم آن، پلیز۔" وہ اٹھ کر اس کے نزدیک چلا آیا، بڑی سہولت سے اس کے پاس بیٹھتے اس نے شائی وانگ کا ہاتھ تھام لیا وہ یوں متوجہ ہوئی جیسے پہلی بار اس کی موجودگی سے آگاہ ہوئی ہو۔

"نوفل! انہوں نے میری بہن اور بھائی کو مار ڈالا۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"رو دَ مت، میں سب دیکھ لوں گا، اب تو اتنے دن ہو گئے، تمہاری تلاش میں نکلنے والے مایوس ہو چکے ہوں گے۔" اس نے تسلی دی تھی۔

"میں تمہیں بتانا چاہتی تھی مگر میں بہت خوفزدہ تھی، تمہیں پتا ہے میں تو کہیں باہر بھی قطعاً نہیں نکلتی تھی کہ کہیں میں ان کی نظروں میں نہ آ جاؤں۔"

"کوئی بات نہیں، میں معلوم کرواتا ہوں کہ تمہارے گھر کا کیا بنا؟ اور اس سارے معاملے کی کھوج بھی کرنا ہی ہوگی۔"

"تھائی کا ریسٹورنٹ؟" اس نے کہنا چاہا۔

"تم مجھے پتا دو میں دیکھ لیتا ہوں کہ وہاں کیا ہو رہا ہے۔" نوفل اس کی ہر طرح سے پریشانی کم کرنا چاہتا تھا۔

رفتہ رفتہ اس کے دلاسوں سے بہلنے لگی اور اس کے چہرے سے پریشانی کے بادل بھی چھٹنے لگے، نوفل مسلسل اس سے باتیں کر رہا تھا، چھوٹی چھوٹی اس کی زندگی سے متعلق، تھائی کی یادیں، کالج فرینڈز، گیدرنگز اور وہ ہنستے ہوئے اسے بتا رہی تھی۔

دل ہی دل میں نوفل نے اطمینان بھرا سانس لیا تھا، وہ اسے بہلانے میں کامیاب ہو گیا تھا، وہ اسے سمجھا رہا تھا کہ اسے فکر کرنے کی ضرورت نہیں وہ سب ٹھیک کر دے گا اور حقیقت بھی یہی تھی ہوٹل بزنس سے وابستہ ہونے کی بناء پر اس کے تعلقات اوپر تک تھے، بنکاک اور تھائی لینڈ میں اس کے کئی ہوٹل موجود تھے البتہ سنگاپور میں ابھی تک وہ اپنے ہاتھ پیر نہیں پھیلا سکا تھا، اس کی سب سے بڑی وجہ سنگاپور میں جگہ کی کم یابی تھی۔

جگہ کی اس کمی کے باعث وہ سنگاپور میں کوئی مناسب اور من پسند جگہ نہیں ڈھونڈ سکا تھا، البتہ کوششیں جاری تھیں۔

معاملے کی چھان بین کروانا اس کے لئے کچھ مشکل نہ تھا حکومتی اور صحافتی حلقوں میں اس کی رسائی دور تک تھی، اس نے فوری طور پر اپنے آدمیوں کو حرکت میں آنے کا حکم دے دیا تھا اور اگلی صبح اس کے آفس پہنچتے ہی اس معاملے کی پوری فائل اب تک کی ہونے والی کارروائی کے ساتھ اس کی میز پر موجود تھی، فائل اسٹڈی کرتے ہوئے نوفل کی پریشانی میں اضافہ ہوتا گیا اور پیشانی شکنوں سے بھرتی گئی، اس معاملے میں انڈر ورلڈ مافیا کا جو گروہ ملوث تھا اس کے پیچھے پولیس کئی سالوں سے لگی ہوئی تھی، مگر تا حال اس کا کلی طور پر خاتمہ نہیں کیا جا سکا تھا۔

اس نے بڑی تیزی سے لائحہ عمل بناتے ہوئے کئی افسران کو فون کیے تھے اور ان کی طرف سے اسے مکمل تعاون کی یقین دہانی کروائی گئی تھی، سیکیورٹی کا تو کوئی مسئلہ ہی نہ تھا، وہ اس کے پاس پہلے ہی بلٹ پروف تھی، شائی وانگ اب اس کے ساتھ آفس آ رہی تھی، وہ اس کی سیکرٹری کی پوسٹ سنبھال چکی تھی۔

نوفل کی اطلاعات کے مطابق اس رات تھائی اور تھونگز کے گھر میں ہونے والی جھڑپ پولیس کی آمد کے ساتھ مزید شدت اختیار کر گئی تھی، اس گروہ کے دو ساتھی مارے گئے جبکہ باقی

بھاگ گئے تھے، البتہ کوئی بھی پکڑا نہ جا سکا تھا جس کی وجہ سے معاملے کی تفتیش آگے نہ بڑھ سکی، بنگلے سے ملنے والی لاشوں کی سرکاری طور پر آخری رسومات ادا کر دی گئیں، بنگلہ سیل کر دیا گیا تھا اور تھائی کے ریسٹورنٹ پر پولیس چیک لگا دیا گیا۔

پولیس نے اعلان کر رکھا تھا کہ ''شائی وانگ'' نام کی لڑکی جہاں کہیں بھی روپوش ہے وہ واپس آ جائے اسے مکمل طور پر سرکاری سرپرستی اور باحفاظت سیکیورٹی فراہم کی جائے گی۔

نوفل نے یہ ساری تفصیلات اس کے گوش گزار کر دی تھیں، وہ تھائی اور تھونگز کو یاد کر کے کتنی دیر روتی رہی اور نوفل تسلی آمیز انداز میں اس کا ہاتھ تھپکتا رہا، پھر اس نے وہی کیا جس کی نوفل کو امید تھی، اس نے پولیس جانے اور ریسٹورنٹ پر قبضہ لینے سے صاف انکار کر دیا، نوفل اسے ریلیکس کرتے ہوئے مسلسل اسے دلاسہ دیتا رہا کہ وہ خود دیکھ لے گا، اس کے بعد اس نے ریسٹورنٹ کو اپنے آدمیوں کے حوالے کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

☆☆☆

''رائل اکیڈمی'' کے گیٹ پہ گاڑی روکتے ہوئے عباس نے علینہ کو اترنے کا اشارہ کیا وہ بیگ سنبھالتی دوسرے ہاتھ سے اسکارف درست کرتی باہر نکل آئی، اکیڈمی ان کے گھر سے دو بلاک آگے ایک بہت بڑا بنگلہ تھا جسے اکیڈمی کی شکل دے دی گئی تھی، باہر سے دیکھنے پر یہی محسوس ہوتا تھا کہ وہ کوئی رہائشی گھر ہو چاروں طرف وسیع لان تھا جس کے بیچ خوبصورت آف وائٹ پینٹ والی عمارت بہت شاندار تھی۔

یہ اس کے گھر سے اتنی نزدیک تھی کہ وہ چاہتی تو پیدل چلتی ہوئی یہ درمیانی فاصلہ باآسانی طے کر سکتی تھی، عباس اکیڈمی میں اس کا ایڈمیشن کروا چکا تھا، وہ دونوں چلتے ہوئے اندرونی عمارت کی سمت بڑھ گئے، علینہ نے بنیادی طور پر دو سبجیکٹس چوز کیے تھے اکیڈمی میں پڑھنے کے لئے، انگلش اور نفسیات۔

عباس اسے اس کی کلاس میں چھوڑنے کے بعد رخصت ہو گیا، وہ بے چینی سے اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی۔

اکیڈمی میں کو ایجوکیشن تھی، بہت سے لڑکے لڑکیاں آ جا رہے تھے، بعض کرسیوں پر براجمان خوش گپیوں میں مصروف تھے، وہ قطار میں پڑی کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھ گئی، نیلے رنگ کی یہ کرسیاں بڑے سے ہینڈل اور جومیٹری بکس پر مشتمل تھیں اس نے ہینڈل پر بکس رکھیں اور قدرے بوریت اور اداسی محسوس کرتے ہوئے ہینڈل پہ ہی اپنا سر رکھ دیا۔

''یہاں تو کوئی بھی میرا دوست نہیں بن سکتا اور میری دوست تو بس ندا ہے پتا نہیں وہ کیا کر رہی ہے، میں نے اسے کبھی فون ہی نہیں کیا۔'' وہ سوچتے ہوئے کڑھ رہی تھی، اپنے آپ میں گم اسے احساس بھی نہیں ہوا کہ اردگرد موجود ہلچل مدھم پڑنے لگی، کرسیاں گھسیٹنے اور سیدھی کرنے کی آوازیں آنے لگیں، پھر یکدم خاموشی سی چھا گئی اور اسی خاموشی میں کوئی دھم سے اس کے برابر والی کرسی پر آن بیٹھا، علینہ نے چونک کر سر اٹھایا۔

انیس بیس سال کا وہ لڑکا بڑی خوبصورت مسکراہٹ کے ساتھ اسے اپنی انگلیاں ہلاتے ہوئے ہیلو کر رہا تھا، علینہ نے قدرے چونکتے ہوئے سپاٹ انداز میں سر سیدھا کر لیا۔

''میں حیدر عباس ہوں۔'' وہ اب اپنا تعارف کروا رہا تھا اس کی آواز بڑی خوبصورت اور کھنک دار تھی مگر علینہ کو اس کے نام میں موجود

''عباس'' نے اس کی طرف متوجہ ہو جانے پہ مجبور کیا تھا۔

''علینہ!'' اس نے اپنا نام بتا دیا جانے کیوں حالانکہ وہ قطعاً خوشگوار موڈ میں نہیں تھی اور کسی اجنبی سے تو بالکل بات نہیں کرنا چاہ رہی تھی، اب اس کے اس طرح نام بتانے پہ حیدر کے چہرے کی مسکراہٹ کچھ اور گہری ہوئی تھی۔

''علینہ......!'' اس نے زیر لب دہرایا۔

''کین آئی کال یو لینا؟'' وہ بے ساختگی سے پوچھ رہا تھا۔

اب کی بار علینہ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں، پہلی ملاقات میں ہی بلکہ چند لمحوں کی شناسائی کے بعد ہی کتنے سکون سے اس کا نک نیم منتخب کر چکا تھا۔

''سوری، یو کانٹ۔'' اس نے قدرے خفگی سے کہا اور سر سیدھا کر لیا، وہ اس کے ماتھے پہ آئی شکن دیکھتے ہوئے یکدم ہنس دیا، اس کی ہنسی کی آواز سن کر جھٹکے سے گردن موڑ کر اسے دیکھا بلکہ گھورا۔

''اوکے۔'' اس نے ہاتھ اٹھا کر ''سیز فائر'' کا اشارہ کیا۔

''تو علینہ! تم یہاں کون سے سبجیکٹس پڑھنے کے لئے آئی ہو؟'' اس نے علینہ پر خاصا زور دے کر پوچھا تھا۔

''انگلش، سائیکالوجی۔'' اس نے بتایا۔

''ویری گڈ، سائیکالوجی میں انٹرسٹ ہے؟'' وہ دلچسپی سے پوچھ رہا تھا۔

''تھوڑا بہت۔'' اس نے شانے اچکائے، وہ حیران ہوا۔

''یہ تمہارا میجر سبجیکٹ ہے پھر بھی تم ایسا کہہ رہی ہو؟''

''انسٹلی اسپیکنگ مجھے اس کی اتنی سمجھ نہیں آتی۔'' وہ بنا شرمندہ ہوئے بتانے لگی۔

''پھر تم نے چوز کیوں کیا؟'' وہ حیرانی سے بولا۔

''میں نے کب کیا؟''

''تو پھر کس نے کیا؟''

''بھائی نے۔''

''پڑھنا تم نے تھا یا بھائی نے؟'' اب کی بار وہ قدرے جھلایا تھا۔

''فیصلے بھائی کرتے ہیں نا۔'' وہ جیسے اس کی بے وقوفی پہ ماتم کرتے ہوئے بولی تھی۔

''واٹ؟''

''کیا مطلب؟ واٹ؟'' وہ حیران ہوئی۔

''زندگی تمہاری، اسٹڈی تمہاری، مرضی تمہاری، کیریئر تمہارا اور فیصلہ کرتے ہیں تمہارے بھائی؟'' وہ گنواتا ہوا بولا تھا۔

''بس ہماری فیملی ایسی ہی ہے۔'' وہ اپنے خول میں سمٹ گئی، حیدر نے حیرانگی سے اس کے چہرے کے بدلے تاثرات دیکھے، پھر موضوع بدل گیا۔

''ویسے میرا فیورٹ سبجیکٹ ہے سائیکالوجی۔''

''امیزنگ، تمہیں سمجھ آ جاتی ہے؟'' وہ اشتیاق سے پوچھنے لگی۔

''بہت آسانی سے اور میں تمہیں مزے کی بات بتاؤں علینہ!'' اس نے پھر سے علینہ پہ زور دیا تھا۔

''کیا؟''

''میں ماسٹرز کا اسٹوڈنٹ ہوں۔''

''تو پھر اس کلاس میں کیا کر رہے ہو؟'' وہ حیرت سے چیخ سی پڑی، یقیناً وہ بائیس تئیس سال کا تھا مگر چہرے سے کم عمر جھلکتی تھی۔

''یہ تو نہیں کہہ سکتا انجوائے منٹ، کچھ کام

ہے مجھے۔"

"کیسا کام؟" وہ مشکوک سی ہو کر اسے گھورنے لگی، وہ بے ساختہ ہنس دیا۔

"لینا! اتنا شک کیوں کرتی ہو؟" دوستانہ انداز میں کہتا وہ اس کے نام کے عین کو بڑے غیر محسوس انداز میں ختم کر گیا تھا۔

"نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں۔" وہ شرمندہ سی ہو گئی۔

"اوکے، ویسے مجھے کچھ ٹاپکس پہ میڈم صوفیہ کے لیکچرز چاہیے تھے اسی لئے میں ان کی کلاس اٹینڈ کر رہا ہوں۔"

"کیسے لیکچرز؟ اور تم ان کا کیا کرو گے؟"

"مجھے کچھ سائنسز تیار کرنا ہیں۔"

"تو تمہارے باقی فیلوز بھی کر رہے ہیں؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں، وہ نہیں کر رہے۔"

"تو پھر تم کیوں؟" وہ ایک بار پھر حیران رہ گئی۔

"مجھے اپنے نوٹس بنانے کی عادت ہے۔" اس کے انداز میں کسی قدر بے نیازی آ گئی، علینہ جواباً سر ہلا کر کتابوں کی طرف متوجہ ہو گئی، کچھ دیر بعد سائیکالوجی کی کلاس شروع ہو گئی، کتابیں اور نوٹ بکس کھل گئیں، سر جھک گئے اور قلم رواں ہو گئے، پورے پچاس منٹ کے لیکچر کے دوران اس نے ایک بار بھی علینہ کی طرف نہیں دیکھا تھا اس کا قلم روانی سے کچھ نہ کچھ نوٹ کرنے میں مصروف رہا تھا، علینہ کی نظر غیر محسوس انداز میں کئی بار اس کی چیئر کی طرف گئی تھی، اس کی ہینڈ رائٹنگ روانی میں لکھے جانے کے باوجود بے حد خوبصورت تھی۔

کلاس ختم ہونے کے بعد وہ تیزی سے چیزیں سمیٹنے میں مصروف ہو گیا، چیئر سے اٹھنے کے بعد اس نے علینہ کو دیکھا جو خاصی ہونق سی بنی اسے دیکھ رہی تھی۔

"کچھ کھانے چلیں؟" اس نے کہا۔

"کہاں؟" وہ بے ساختہ بولی۔

"یہاں ٹک شاپ (Tuk Shop) ہے۔" اس نے بتایا۔

"لیکن میں......وہ......" وہ ہچکچا سی گئی۔

"کیا ہوا؟" اس نے استفسار کیا۔

"وہ میرے پاس پیسے نہیں ہیں، مجھے اندازہ نہیں تھا کہ......" وہ بے حد شرمندہ لگ رہی تھی، حیدر بے ساختہ مسکرا دیا اور پھر سے چیئر پہ بیٹھ گیا۔

"وی آر ناٹ فرینڈز؟" وہ سنجیدگی سے پوچھنے لگا، علینہ نے چونک کر اسے دیکھا اس کے چہرے پہ حیرت ثبت تھی۔

"فرینڈز؟"

"Yeah, i want to friendship to you." وہ مسکرایا تھا، علینہ کشمکش میں مبتلا اسے دیکھتی رہی۔

"او کم آن لینا! فیصلہ لینے میں اتنی دیر؟" وہ اس کی ہچکچاہٹ دیکھ کر بولا۔

"نہیں، ایکچوئلی وہ......" وہ رک گئی۔

"کیا تمہارے اتنے زیادہ دوست ہیں کہ تم ایک مزید بنانے میں ہچکچاہٹ ہو رہی ہے؟"

"ایسا تو نہیں ہے، میری تو بس ایک ہی دوست ہے۔" اس نے بے ساختہ کہا۔

"ایک دوست؟ صرف ایک؟ واٹ آ جوک۔" وہ ششدر سا رہ گیا۔

"میں بالکل سچ کہہ رہی ہوں۔" وہ کچھ برا مان گئی۔

"او کے تم مجھے سیکنڈ کے طور پر چوز نہیں کر سکتیں؟" وہ سر ہلا کر کہنے لگا، علینہ نے بے

اختیار سر ہلا دیا، حیدر نے ہاتھ اس کے سامنے پھیلا دیا۔

"فرینڈز؟"

"آف کورس۔" علینہ نے ہاتھ اس کے ہاتھ پہ رکھ دیا۔

"ویل، ناؤ کین آئی کال یو لینا؟" وہ بے حد چمکدار آنکھیں لئے گہری مسکراہٹ لبوں پہ سجائے اس کی طرف دیکھ رہا تھا، وہ بے اختیار کھلکھلا اٹھی۔

"او کے۔" اس نے شانے اچکائے تھے، کچھ دیر بعد وہ دونوں مسکراتے ہوئے باہر کی سمت بڑھ گئے۔

علینہ احمر مغل سے حیدر عباس کی یہ پہلی ملاقات قطعاً آخری ثابت نہیں ہوئی تھی، صرف چند دنوں میں ہی وہ دونوں ایک دوسرے کے بے حد نزدیک آ گئے تھے، حیدر عباس نے اس کے لئے زندگی کا مفہوم بالکل بدل کر رکھ دیا تھا وہ اس کی زندگی میں آکسیجن سے زیادہ اہم اور پانی سے زیادہ ضروری ہو گیا تھا۔

وہ علینہ احمر مغل کی زندگی میں کسی جن کی طرح آیا تھا اور اس کے دماغ پر کسی آسیب کی طرح چھا گیا تھا۔

حیدر عباس!" اس کی زندگی میں بہار کے اس مہکے اور معطر جھونکے کی مانند آیا تھا جو ننھے سے روزن سے اندر آ کر کمرے کو خوشبو سے بھر دیتا ہے، بظاہر بہت باادب، کم گو اور معصوم سی علینہ بہت جلد اس کے ساتھ اس حد تک اٹیچ ہو گئی کہ اس کو ایک گھنٹہ پہلے ہی اکیڈمی بھاگنے کی پڑ جاتی، اکیڈمی گھر کے قریب ہونے کی بنا پر وہ اس ٹینشن سے بھی آزاد تھی کہ کسی کے چھوڑ کے آنے کا انتظار کرے یا پھر ڈرائیور کے ساتھ مشروط ہو جائے۔

ایسا نہیں تھا کہ وہ صرف اس سے متاثر تھی یا یہ ٹین ایج کا کوئی کریش تھا، ایسا بھی نہیں تھا کہ میل اٹریکشن تھی مگر پھر بھی حیدر میں کچھ تو ایسا تھا جو اسے اس شدت سے اپنی طرف کھینچتا تھا کہ وہ خود کو بے بس پاتی تھی، اس میں بے شمار خوبیاں تھیں، وہ بے حد جینئس تھا، علینہ تو پہلے دن ہی اس سے امپریس ہو گئی تھی جب اس نے جانا کہ وہ نفسیات میں کتنی کمانڈ رکھتا تھا اور بہت جلد وہ علینہ کو بھی اپنے ٹریک پر لے گیا۔

"لینا! میں حیران ہوں تمہیں اسٹڈیز میں بالکل انٹرسٹ نہیں ہے۔"

علینہ کو یاد تھا کہ اسے حیدر نے یہ بات اکیڈمی آنے کے تیسرے دن کہی تھی اور علینہ جواباً کچھ بولنے کی بجائے بگڑے بگڑے تاثرات لئے ہوئے کرسی کے ہینڈل کو گھورتی رہی۔

"انٹرسٹ؟ ڈویلپ کیسے ہوتا ہے؟" وہ پوچھنے لگی۔

"ڈویلپ کیا نہیں جاتا لینا! انٹرسٹ ہو، پڑھا ہی تب جاتا ہے۔"

''حیدر! آئم سیریس۔'' وہ اس کے ری ایکشن پہ حیران رہ گئی تھی۔

''اینڈ یو تھنک؟ آئم جوکنگ؟'' اس نے لینا کو گھورا۔

''ارے نہیں۔'' وہ ہنسی۔

''اوکے، ذرا مجھے یہ بتاؤ، تمہیں نفسیات میں انٹرسٹ کیوں نہیں ہے؟''

''بس مجھے یہ سبجیکٹ اچھا ہی نہیں لگتا۔'' اس کے انداز میں اکتاہٹ تھی۔

''تو گریجویشن میں اسے چوز کیوں کیا؟''

''پتا نہیں۔'' اس نے شدومد سے انکار کیا۔

''چلو یہ کیا بات ہوئی، لیکن تمہیں ایٹ لیسٹ اس بار تو خاصی اسٹرگل کرنا پڑے گی، کیونکہ تمہارا پریکٹیکل اور وائیوا بھی ہے اس بار اور تم کہہ رہی ہو انٹرسٹ نہیں؟''

''ہو جائے گا۔'' اس نے شانے اچکائے۔

''ہو نہیں جائے گا، لینا! کرو گی تب ہی ہو گا۔'' اس نے زور دیا، علینہ نے سر جھٹکا۔

''لیواٹ۔'' وہ حیدر کی کتاب کے صفحات الٹنے لگی۔

تجھے محتاط کرتا ہوں تیری میں جان لے لوں گا
ان اپنی جھیل آنکھوں کو کبھی پرنم کیا تو نے!

اس کی نگاہ ٹھٹک کے رک گئی، چند لمحے تک وہ اس شعر کی خوبصورتی کے حصار سے نکل نہ سکی۔

''کیا ہوا؟'' وہ اس کے بدلے تاثرات دیکھ کر چونکا تھا۔

''کچھ نہیں۔'' اس نے کتاب بند کر دی۔

''تم اتنی کیئرلیس کیوں ہو لینا!'' اس کے رویے نے حیدر کو تپا دیا تھا، وہ خاموشی سے ناخن سے کتاب کی جلد اکھیڑتی رہی۔

''اتنے سوال مت کیا کرو حیدر۔'' اس کا لہجہ دھیما تھا۔

''یہ مشورہ ہے یا حکم؟'' وہ جیسے بہت جل کر بولا تھا۔

''جو تم سمجھو۔''

''بیکار ہے، مشورہ کی مجھے ضرورت نہیں اور حکم میں مانوں گا نہیں۔'' اس کا لہجہ اکھڑ اور دو ٹوک تھا، علینہ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا پھر کتابیں سمیٹتی ہوئی اٹھ گئی۔

''تم ناراض ہو؟'' وہ بے ساختہ بولا، علینہ نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

''نہیں۔''

''کہاں جا رہی ہو؟''

''میری انگلش کی کلاس ہے۔'' وہ کہتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔

جبکہ حیدر وہیں بیٹھا رہ گیا تھا، علینہ کی یہ عجیب سی خاموشی اور سنجیدگی حیدر کو ازحد کھل رہی تھی، مگر وہ یہ سمجھنے میں ناکام تھا کہ آخر علینہ کو ہوا کیا تھا؟ دو دن مسلسل وہ اسے کریدتا رہا مگر وہ جواباً خاموشی سے سر جھکا لیتی ناکام ہو کر اس نے یہ موضوع چھوڑ دیا، چند دن بعد علینہ کا موڈ بخود درست ہو گیا، حیدر چونکا تو تھا ہی مگر اسے علینہ کی یہ خاموشی اور موڈ بھولا نہیں تھا، اسے اس کے بارے میں جاننا تھا اور ہر حال میں جاننا تھا، پتا نہیں کیوں اسے یقین تھا کہ ''علینہ مغل'' وہ نہیں تھی جو نظر آتی تھی۔

☆☆☆

اسید کا موڈ تو مستقل بگڑ چکا تھا، دوسری طرف حبا بھی کچھ بے نیاز، ہمیشہ کی طرح اس نے اس بار بھی اسید کے بگڑے موڈ کو خاطر میں لانے کی کوشش نہیں کی تھی، آج کل میں حبا کے مڈٹرم ٹیسٹ سٹارٹ ہو رہے تھے، فی الحال تو وہ دیگر ساری چیزیں نظر انداز کیے اسٹڈیز میں مگن تھا، ساری تیاری ہونے کے باوجود اسید کو مطمئن کرنا

بھی ایک مرحلہ لاحاصل تھا، اسید جیسا Perfectionist جو گفتگو بھی نپی تلی کرنا پسند کرتا تھا بھلا حبا جسے وہ کبھی اپنا بچہ کہا کرتا تھا اس میں کہاں کمی برداشت کر سکتا تھا؟ یہ درست تھا کہ اب حبا سے اس کی وہ کلوزنیس اور فرینڈشپ نہیں رہی تھی مگر بہرحال اس کی اسٹڈیز میں پوزیشن کو برقرار رکھنا اس کے لئے چیلنج تھا جو تیمور احمد نے اسے دیا تھا اور اسے ہر قیمت پہ اسے برقرار رکھنا تھا۔

صبح انگلش کا پیپر تھا اور حبا کی شامت آئی ہوئی تھی، وہ اسے صبح دس بجے کا لے کر بیٹھا ہوا تھا اور اب شام کے چار بج رہے تھے حبا کا اس وقت تھکن اور بھوک سے برا حال ہو رہا تھا کتنی بار وہ رحم طلب نظروں سے اسے دیکھ چکی تھی مگر وہ یکسر انجان بنا بیٹھا تھا۔

''دس منٹ کی بریک مل سکتی ہے؟'' حبا نے لہجے میں جہاں بھر کی مسکینیت بھرتے ہوئے کہا، اسید نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''مجھے کچھ کھانا ہے۔'' وہ ضد کرنے والے انداز میں بولی۔

''اوکے مگر صرف دس منٹ۔'' اس نے انگلی اٹھا کر وارننگ دینے والے انداز میں کہا تھا، جواباً وہ سر ہلاتی کچن کی طرف بھاگ گئی، کچھ دیر بعد وہ ٹرے سیٹ کر کے لے آئی تھی، اسید صوفے پہ نیم دراز موبائل پر مصروف تھا۔

''اسید کھانا۔'' اس نے کہا۔

''موڈ نہیں۔'' اس نے موبائل سے نظریں ہٹائے بغیر کہا۔

اسید کے اس لاتعلق جواب پر حبا نے جلتی نگاہوں سے اسے دیکھا تھا اور ہاتھ میں پکڑا چمچ زور سے ٹرے میں پٹخا اور طیش سے اٹھ کھڑی ہو گئی۔

''مجھے نہیں پڑھنا اور نہ تم مجھ پر رعب ڈالنے کی کوشش کرنا۔'' اس نے بلند آواز میں دھاڑتے ہوئے کہا اور تن فن کرتی یہ جا وہ جا۔

اسید نے مزید بگڑے تاثرات کے ساتھ اسے جاتے دیکھا اور سر جھٹک دیا۔''

☆☆☆

ناشتے کی میز پر نوفل نے اسے ویلکم کیا، وہ مسکراتے ہوئے اس کے مقابل بیٹھی تو نوفل کو یہ سہانی صبح مزید خوبصورت محسوس ہونے لگی تھی اور یہ کوئی نئی بات نہیں تھی، حادثاتی طور پر ملنے والی یہ لڑکی اس کی زندگی میں بے پناہ اہمیت حاصل کر چکی تھی، پاپا نے ٹھیک ہی کہا تھا۔

''چہروں سے دل کا حال ظاہر نہ بھی ہو تب بھی اس لڑکی کی معصومیت اس کے چہرے سے ہی ظاہر تھی۔'' اور اب جبکہ نوفل ساری حقیقت جان چکا تھا تب اس کے دل میں اس کے لئے عزت و محبت مزید بڑھ گئی تھی، اس نے پاپا کی بات ماننے کا فیصلہ کرتے ہوئے آج شائی وانگ کو پروپوز کر دیا تھا اور اس کا ردعمل نوفل کے لئے بے حد حیران کن تھا، اس کا خیال تھا کہ وہ خوش ہو گی، کیونکہ اتنا تو اسے اندازہ تھا کہ وہ نوفل کو پسند کرتی تھی مگر جب اس نے ہچکچاتے ہوئے انکار کیا تب نوفل شاکڈ رہ گیا تھا۔

''مگر کیوں؟ تمہیں کیا اعتراض ہے؟''

''آئم سوری نوفل مگر میں خود کو تمہارے قابل نہیں سمجھتی۔'' اس کا لہجہ رنجیدگی سے پر تھا۔

''کیا مطلب؟ تم کیا کہہ رہی ہو؟'' نوفل نے بے تابی سے کہا، وہ نظریں چرا گئی۔

''تم ہر لحاظ سے ایک مکمل انسان ہو نوفل! تمہارے لئے تو کوئی بہت خاص لڑکی ہونی چاہیے، جبکہ میں تو کسی طرح بھی تمہارے قابل نہیں ہوں، میری اسٹڈیز مکمل نہیں ہیں، میرے

پاس ڈگری نہیں ہے، میں کوئی بہت اچھا بیک گراؤنڈ نہیں رکھتی اور میں دولت مند بھی نہیں ہوں بلکہ میں تو خود تمہارے آسرے پہ پڑی ہوں۔'' آخری الفاظ کہتے ہوئے اس کی آواز رندھ گئی تھی، نوفل عجیب سے انداز میں مسکرایا اور اس کی طرف جھک آیا۔

''یہ تو تمہاری کیٹگری تھی لیکن مجھے یہ بتاؤ اس میں محبت کہاں ہے؟''

''محبت؟'' وہ ہونق پن سے بولی۔

''ہاں، مجھے یہ بتاؤ کیا تم مجھ سے محبت نہیں کرتیں؟'' نوفل نے اسے دیکھا۔

''میں تم سے محبت کرتی ہوں نوفل لیکن......'' اس نے ٹھہر ٹھہر کر کہا۔

''بس میری پیاری شائی وانگ! محبت کے بعد لیکن نہیں ہوتا اور یاد رکھنا میرے نزدیک یہ ساری چیزیں ثانوی ہیں اور انسان اہم ہیں اس پرہجوم اور بے حس شہر میں، میں روبوٹس سے ملتا ملتا تھک چکا تھا جب تم مجھے ملیں اور مجھے احساس ہوا کہ ہاں کھلی ہوا کے لئے ایک روزن کھلا ہے، ہاں ابھی انسان باقی ہیں، سنو! تم سے ایک گزارش ہے، محبت کے اس جاں فزا احساس کو محسوس کرو اور دیکھو اگر اس دنیا میں ہمیں ایک بھی ایسا ساتھی مل جاتا ہے جس کی رفاقت ہمیں زندگی کا احساس دلاتی ہے تو کیا یہ اللہ کا انعام نہیں ہے؟'' وہ اس کے چہرے پہ نظریں گاڑے بولتا جا رہا تھا اور گم صم بیٹھی شائی وانگ بے اختیار کھلکھلا کر ہنس دی۔

''ہاں یہ واقعی انعام ہے مگر سنو نوفل آج مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ تم بھی ایک انعام ہو اللہ کا اور وہ بھی خاص میرے لئے۔'' وہ جذب سے کہتی بہت خوبصورتی سے محبت کا اظہار کر گئی تھی۔

نوفل کے اندر زندگی جاگ اٹھی، اسے وہ یوں تو پسند تھی ہی مگر اس کے لمبے بال خاص طور پر اسے عزیز تھے، کچھ دن بعد اس نے پاپا کو بتا دیا اور ساتھ ہی انگیج منٹ کا بھی کہہ ڈالا، وہ از حد خوش تھے، خوشی کی بات تو تھی، کہاں وہ پتھے پہ ہاتھ نہیں دھرنے دیتا تھا اور کہاں خود سے اقرار کر رہا تھا، انہوں نے فوراً حامی بھرتے ہوئے آنے کا ارادہ ظاہر کر دیا تھا، وہ تو اڑتے ہوئے آنا چاہتے تھے۔

نوفل نے اس کے ساتھ ساری شاپنگ کی تھی، اسے اس کی پسند کا ڈریس دلوایا تھا دونوں نے مل کر رنگ پسند کی تھی، ڈھیر ساری جیولری لی تھی، نت نئے رسٹورنٹس میں کھانے کھائے تھے اور خوب سارا انجوائے کیا تھا، غرض ان چند دنوں کو ان دونوں نے بے انتہا انجوائے کیا تھا، وہ ڈھیر سارے جوکس سنا سنا کر ایک دوسرے کو خوش کرتے رہے، ضد کر کے کولڈ ڈرنکس پی تھیں، نوفل نے اسے پاکستانی ہوٹلز سے کھانے کھلائے تھے، جنہیں اس نے نوفل کا دل رکھنے کے لئے ناک اور آنکھیں سے بہتے پانی سمیت کھایا تھا، کیونکہ بنیادی طور پر تھائی باشندے پھیکی غذا کھانے کے عادی ہوتے ہیں۔

اور پھر وہ خوبصورت دن آ گیا، نوفل اور پاپا بے حد خوش تھے اور شائی وانگ بھی کھلی جا رہی تھی، جب نوفل نے بلیک ڈنر سوٹ میں ملبوس ہو کر سیلون سے اسے پک کیا تو وائٹ گاؤن میں وہ کوئی اسپرا لگ رہی تھی، نوفل کو اپنی خوش قسمتی پہ ناز ہوا تھا، وہ دونوں مسکراتے ہوئے لمبی سی لیموزین کی بیک سیٹ پہ بیٹھ گئے، سارے راستے وہ بہت خوشگوار موڈ میں باتیں کرتے ہوٹل پہنچے تھے، آج نوفل اتنا خوش تھا کہ آج کے دن اپنی سیکورٹی سے یکسر بے نیاز ہو گیا تھا، مگر وہ اس بات سے بے خبر تھا کہ بعض دفعہ بے نیازی مار

ڈالتی ہے، بے خبری کتنی بڑی نعمت ہے جبھی تو وہ اپنے خوش تھے، مگر بعض دفعہ معمولی سی غلطی بھی جان لیوا ثابت ہوتی ہے اسی طرح جیسے ہی وہ لوگ ہوٹل پہنچے نوفل نے اتر کر دروازہ کھولا اور ہاتھ آگے بڑھا دیا، شائی وانگ کے چہرے پہ ایک طمانیت بھری اور زندگی سے بھرپور مسکراہٹ ابھری تھی، وہ اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے دھیرے سے گنگنایا تھا۔

I wanna ein your love

Hey baby i wanna win you

وہ نقرئی ہنسی ہنسی تھی۔

یہ ایک مکمل اور شاندار جوڑا تھا جسے دیکھ کر صدیق خوشی سے کھل اٹھے تھے، وہ دونوں ساتھ چلتے ہوئے پارکنگ سے ہوٹل کے مین گیٹ تک آ گئے دربانوں نے فوراً مین گیٹ کے گلاس ڈور وا کیے تھے، ہوٹل کی انٹرنس پر صدیق بانہیں پھیلائے ان کے منتظر تھے مگر دروازے وا ہی رہ گئے اور بانہیں منتظر، تیز رفتاری سے گزرتی ہوئی ایک ویگن رکی جس کا شیشہ پہلے سے ہی نیچے تھا، ایک رائفل کا سرا نظر آیا اور اگلے ہی لمحے جیسے قیامت ٹوٹ پڑی، کسی ماہر نشانہ باز کے چلائے ہوئے برسٹ نے شائی وانگ کے جسم میں ان گنت سوراخ کر ڈالے تھے، اس کا سفید گاؤن لمحہ بھر میں ہی سرخی میں ڈوبا تھا اور اس کے سنہرے بال بکھر گئے اور اس کا ہاتھ نوفل کے ہاتھوں سے چھوٹ گیا۔

زندگی جیسے کوئی زرد سفر موت زدہ
رنگ، حیوان، شجر موت زدہ
مسکرا میں تو ہنسے جاتی ہے
زخم کھائی ہوئی تقدیر، ڈگر موت زدہ
اور رونے کے لئے بیٹھیں تو رومانوں پر
بکھر بکھر اتا ہوا ایمان سلگ اٹھتا ہے
جذب ہونے ہی نہیں دیتا کسی آنسو کو
بھیگ جاتی ہے جبیں صدمے کی
دن چمکتا ہے سرو ہم تمنا اور پھر
دور گرتی ہوئی پیلاہٹ میں
جھرائی ہوئی اک شام لٹک آتی ہے
رات پڑتی ہے تو کرتے ہیں بسر موت زدہ

☆☆☆

''مغل ہاؤس'' کے بڑوں میں سیبن اور عباس کا معاملہ دو تین بار ڈسکس ہو چکا تھا مگر تاحال کوئی مزید پیشرفت نہیں کی گئی تھی، اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ مناسب وقت کا انتظار کر رہے تھے، ابھی صرف دو ماہ ہی تو بیتے تھے وہ چاہتے تھے کہ معاملے کی گرد پوری طرح بیٹھ جائے، عباس تاحال بے خبر تھا، اداسی کی اس فضا میں کمی تو قدرے ہو گئی تھی مگر مکمل طور پر دوبارہ سے ویسی خوشی و خوش مزاجی تاحال نہ لوٹی تھی، اس دوران سب سے چونکا دینے والا کام یہ ہوا تھا کہ رمشہ نے ایف ایم جوائن کر لیا تھا، اس کی آواز تو تھی ہی شاندار مگر جب آڈیشن ہوئے تو اسے ریڈیو میں گانے کا سہ ماہی پروگرام دے دیا گیا، اس چانس کو وہ کسی قیمت پہ مس نہیں کرنا چاہتی تھی، مگر یہ صرف اس کا خیال تھا، احمد مغل اپنی بیٹی کی اس جرأت پہ بے حد حیران ہی نہیں ہوئے تھے غضب ناک بھی ہو گئے تھے، انہوں نے صاف لفظوں میں انکار کر دیا تھا بلکہ اسے اچھا خاصہ جھاڑا بھی تھا۔

مگر وہ بھی رمشہ تھی ''مغل ہاؤس'' کی سب سے بدتمیز اور خود غرض لڑکی، اس نے طوفان اٹھا دیا تھا، ڈنر ٹیبل پہ اچھا خاصا تماشا بن گیا تھا۔

''مجھے ہر حال میں ریڈیو جوائن کرنا ہے بابا اور آپ سے گزارش ہے کہ اس میں رکاوٹ نہ بنیں، اگر آپ اس لئے ہچکچا رہے ہیں کہ میں

ایک لڑکی ہوں تو بے فکر ہو جایئے، وہاں سب انسان ہی کام کرتے ہیں اور بہت مہذب ہیں، اس لئے آپ فکر مند مت ہوں۔'' اس کا لہجہ قطعی تھا۔

''رمشہ! بدتمیزی مت کرو، جب بابا نے کہہ دیا تو اس کا مطلب ہے کہ بات ختم۔'' وقار نے اسے ڈانٹا۔

''آپ بیچ میں مت بولیں، آپ بس شاہ بخت کی فیور کیا کریں۔'' اس کا لہجہ سرد تھا۔

''شٹ اپ رمشہ۔'' وقار کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔

''کیوں؟ برا لگا؟ اس میں حیرت کی کیا بات ہے؟ جب وہ ماڈلنگ میں جانا چاہتا تھا تب تو آپ نے بڑی فیور کی تھی اس کی؟ اور میں...... میرا کیا؟ میری دفعہ یہ پابندی کیوں؟ اس کی دفعہ تو آپ کو سارے دلائل یاد تھے اور مجھے چپ رہنے کی پٹی پڑھا رہے ہیں آپ؟ کیا غلط کر رہی ہوں میں؟'' وہ تلخی سے کہہ رہی تھی۔

کمرے میں سناٹا تھا اور وقار کا چہرہ حیرت کی تصویر بنا ہوا تھا۔

''رمشہ! تم حد سے بڑھ رہی ہو، تمہارا اور شاہ بخت کا کیا مقابلہ ہے؟'' وہ بمشکل خود پہ قابو پا کر بولے تھے۔

''واہ! یہ اچھی کہی آپ نے، کیوں وہ کیا جنت سے اترا شہزادہ ہے؟ جس کے ساتھ کمپیریژن نہیں ہو سکتا۔'' وہ اسی ٹون میں بولی تھی۔

''بھائی سے کس لہجے میں بات کر رہی ہو تم شرم کرو۔'' زیتون تائی نے اسے جھڑکا، وہ بھڑک اٹھی تھی۔

''کیا مطلب؟ کیا غلط کہا میں نے؟ مجھے بتائیں میں کیا غلط کر رہی ہوں، آپ سب کو یہ کیوں لگتا ہے کہ جو بخت کرے گا بس وہی ٹھیک ہے، ایک بس مہذب سی فرمائش کی ہے نا آپ سے، کون سا ماڈلنگ کی فیلڈ میں کمالات دکھانے کی اجازت مانگ رہی ہوں میں؟ مجھے ذرا سمجھایئے وقار بھائی کیا یہ انصاف ہے؟'' وہ پھٹ پڑی تھی۔

''ڈیش اٹ۔'' شاہ بخت نے چمچ پلیٹ میں پٹخا اس کا چہرہ غصے کی شدت سے دہک رہا تھا، وہ کرسی دھکیل کر کھڑا ہو گیا۔

''مجھے سمجھ نہیں آتی، سب لوگوں نے مجھے ہی کیوں مثال بنا لیا ہے؟ اپنے اغراض و مقاصد کے لئے مجھے رگیدنا چھوڑ دیں اور رمشہ تم ذرا دھیان سے سنو میری بات، تمہیں مجھ سے کیا مسئلہ ہے، میں نہیں جانتا مگر تمہیں جو بھی کرنا ہے اس کے لئے مجھے یا میرا نام استعمال مت کرنا سمجھی۔'' وہ دھاڑا تھا۔

''جب سارے اختیارات تمہیں سونپ دیے جائیں گے اور دوسروں کو محروم رکھا جائے گا تو تمہارا نام تو آئے گا۔'' رمشہ بھی بلند آواز میں بولی تھی۔

''جسٹ شٹ اپ، یہ اختیارات کی جنگ اپنے بھائی کے ساتھ ضرور لڑو مگر میرے نام پر نہیں۔'' وہ مزید غضب ناک ہوا تھا۔

''ہاں تم کیوں چاہو گے کہ کوئی تمہاری برابری کرے، بہت بن لئے تم سپیشل اب کسی اور کو موقع دو۔'' وہ غرا کر بولی تھی۔

''بس کرو تم دونوں۔'' تایا جان کی دھاڑ سے مشابہ آواز نے دونوں کو خاموش کروا دیا تھا۔

''رمشہ! اگر تم کھانا ختم کر چکی ہو تو اپنے کمرے میں جاؤ۔'' انہوں نے حکم دیا۔

''کھانا گیا بھاڑ میں، میں یہاں سے ہلوں گی بھی نہیں جب تک اس بات کا فیصلہ نہیں

ہو جاتا۔'' وہ بدتمیزی سے بولی تھی۔

مگر اس بدتمیزی کا خمیازہ اسے خاصا بھاری بھگتنا پڑا تھا، زیتون تائی نے اس کے گال پہ زور دار طمانچہ مارا اور اسے بلند آواز میں وہاں سے دفعان ہونے کا کہا تھا، اس نے خون کے گھونٹ پیتے ہوئے اپنے آنسو روکے اور بھاگتی ہوئی وہاں سے نکل گئی۔

مگر رات میں تایا جان نے اسے اجازت دے دی تھی، وہ اس بات کو لے کر خاصے پریشان اور الجھے ہوئے تھے کہ آخر شاہ بخت گھر میں متنازعہ حیثیت کیوں اختیار کرتا جا رہا تھا۔

☆☆☆

ان دونوں کے درمیان کسی قسم کی بہتری نہیں آئی تھی کیونکہ اس کے لئے اسید تیار نہیں تھا، اس نے اپنے آپ کو اس قدر غیر لچکدار بنا لیا تھا کہ حبا لاکھ ٹکریں مارنے کے باوجود کوئی روزن نہیں پا سکی تھی، اسی تام جھام ری لیشن شپ کے دوران حبا نے ایگزامز دے دیے اور اس کے ایگزامز کے فوراً بعد اسید لاہور اپنی نانو کے ہاں چلا گیا تھا جہاں اسد تھا اس کا سب سے عزیز دوست اس کے جانے کے بعد حبا مزید اداس اور سنجیدہ رہنے لگی تھی، وہ اسے بے حد مس کر رہی تھی جبھی ایک دن لینڈ لائن کے نمبر سے اسے کال کر لی۔

''ہیلو۔'' اس نے ڈرتے ڈرتے کہا، مبادا کال ہی نہ کاٹ دے۔

''ہیلو جی کون بات کر رہا ہے۔'' دوسری طرف سے اسید کی بجائے ایک کھنکتی ہوئی نسوانی آواز نے پوچھا تو حبا کے اندر دور تک آگ بھڑک اٹھی۔

''میں حبا بات کر رہی ہوں، آپ کون ہیں اسید کہاں ہے؟'' وہ سرد مہری سے بولی تھی۔

''آہاہ...... حبا! کیسی ہو؟ بہت ذکر سنا تھا تمہارا اسید سے۔'' وہ خوشی سے پوچھ رہی تھی۔

''آپ کون؟'' حبا پہلے سے زیادہ مشکوک ہوئی تھی۔

''میں عفت ہوں، اس کی سسٹر۔'' وہ بولی، حبا نے ایک مطمئن سانس لی۔

''میں ٹھیک ہوں اسید کہاں ہے؟'' اس نے ممکنہ سوالوں سے بچنے کے لئے فوراً پوچھا۔

''یہیں ہے میں نے کہا گھر سے فون ہے مجھے بات کرنے دو۔''

''مجھے اس سے بات کرنی ہے۔'' اس نے بے مروتی سے کہا۔

''ہاں، کیوں نہیں۔'' عفت نے غالباً حیرانی آمیز مایوسی سے فون اسید کی طرف بڑھا دیا تھا، اس کا موڈ حبا سے لمبی گپ شپ کا تھا۔

''بولو حبا۔'' حبا نے اس کی آواز سنی اور اس کے دل میں ایک نامعلوم ٹھنڈک اترتی گئی۔

''اسید تم کیسے ہو؟'' اس کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

''میں ٹھیک ہوں۔'' وہ سپاٹ انداز میں کہہ رہا تھا۔

''گھر کب آؤ گے۔'' وہ بے تابی سے بولی۔

''فی الحال تو کوئی ارادہ نہیں۔'' اس نے سرد لہجے میں کہا، بیک گراؤنڈ کا شور کم ہو گیا تھا غالباً وہ کسی علیحدہ جگہ پہ آ گیا تھا۔

''میں تمہیں بہت مس کر رہی ہوں۔'' اس کی آنکھ سے پہلا موتی نکلا تھا۔

''تو؟'' اس کا لہجہ ہنوز تھا۔

''پلیز جلدی واپس آ جاؤ۔'' وہ سسکی تھی۔

''یہ ممکن نہیں۔''

''کیوں؟'' وہ تڑپ کر بولی۔

''میں تمہیں وضاحت کیوں دوں؟''
''تم ایسا کیوں کر رہے ہو؟ مجھے تکلیف دینے کے لئے؟''
''نہیں خود کو اس جیل خانے سے کچھ دیر مزید دور رکھنے کے لئے۔'' وہ ترکی بہ ترکی بولا تھا۔
''جھوٹ مت بولو، اب تو پاپا بھی تمہیں کچھ نہیں کہتے۔'' وہ وضاحت دینے لگی۔
''تو کیا ہوا؟ تم تو ہو نا؟'' وہ زہر خند لہجے میں کہہ رہا تھا، حبا کا وجود سناٹے کی زد میں آ گیا تھا۔
''میں ...... میں تمہارے لئے تکلیف دہ ہوں؟'' اس کے آنسو ٹھہر گئے۔
''میرے پاس فضول بحث کے لئے وقت نہیں ہے۔'' وہ جھنجھلا گیا۔
''میری بات کا جواب دو۔''
''ضروری نہیں سمجھتا۔'' وہ بے نیاز تھا۔
''تم اتنے بے حس کیسے ہو سکتے ہو؟'' وہ ششدر سی بولی۔
''اس کمنٹ کا شکریہ، اب مجھے فون مت کرنا۔''
''میں کروں گی۔'' اسے ضد ہونے لگی۔
''بے کار ہے، میں پک نہیں کروں گا۔'' اس نے وارننگ دی تھی۔
اس کے بعد حبا سے مزید ایک لفظ نہ کہا گیا، اس نے لرزتے ہاتھوں سے فون رکھ دیا۔

تھوڑا تھوڑا جمع کرتے رہنے سے
دل اور زیادہ بکھر گیا ہے
اب سوچتا ہوں
سمیٹنے کی کوشش نہ ہی کی ہوتی تو اچھا تھا

☆☆☆

''ہائے لینا۔'' وہ مسکراتے ہوئے اس کے مقابل جم گیا۔
بہت مصروف سی علینہ نے قلم روک کر اٹھا کر اسے دیکھا اور اگلے ہی لمحے کتاب بند کر دی۔
''کیسے ہو حیدر؟'' وہ بھی مسکرائی تھی۔
''میں ٹھیک ہوں، چلو باہر چلیں۔'' اس نے علینہ کو اکسایا، باہر موسم آفت ہو رہا تھا، گھٹائیں، گڑگڑاتے بادل اور تیز تیز چلتا ہوا۔
''تم اچھی طرح جانتے ہو مجھے بارش پسند نہیں ہے۔''
''لینا! دوست کا دل بھی نہیں رکھ سکتیں تم؟'' وہ خفا ہو گیا۔
''نہیں۔'' وہ طنزاً بولی۔
''کیا؟'' وہ حیرت سے چلایا۔
''دوست کو عادت ہے دل ادھر ادھر کرنے کی۔''
''ہاہاہا، ناٹ فنی۔'' وہ منہ پھلا کر بولا۔
''تم ایسے بالکل اچھے نہیں لگتے حیدر۔'' اسے پچکارنے لگی۔
''مجھے پتا ہے۔''
''دیکھو اتنی پیاری سی آنکھیں غصے کے مارے لال ہو رہی ہیں اور روشن پیشانی شکن آلود، ناک جو کہ مجھے بڑی پسند ہے کٹوری جیسی مگر اس وقت کچھ بھا نہیں رہی اور بھنچے ہوئے ہونٹوں کے ساتھ، بس کیا بتاؤں تمہیں۔'' وہ جیسے اس کے چہرے کی تجزیاتی رپورٹ دے رہی تھی، حیدر ہنس دیا۔
''آج ایک بات تو ثابت ہو گئی مغل۔''
''کیا؟''
''تمہیں میرے چہرے کے نقش ازبر ہیں، کیا رواں تبصرہ کیا تم نے، سچ کہو میں تمہیں اچھا لگتا ہوں؟'' وہ شرارت سے مسکرایا تھا، علینہ بے اختیار ہنستی چلی گئی۔
''اس فضول بکواس سے بہتر ہے میں تمہاری بات مان لوں۔'' وہ کھڑی ہو گئی۔
وہ دونوں باہر آ گئے، آج طلب علموں کی تعداد نہ ہونے کی برابر تھی، بارش برسنے کے ساتھ ہی حیدر بارش میں جھومنے لگا، علینہ حیرت سے اسے دیکھتی رہی، وہ بارش میں نہاتے ہوئے بالکل بچہ لگ رہا تھا، پھر وہ اس کے پاس آ گیا، اس نے کاغذ کی دو کشتیاں بنائیں اور پانی میں چھوڑ دیں، علینہ بے ساختہ ہنستے ہوئے اسے دیکھتی رہی۔
''مجھے یقین نہیں ہو رہا حیدر یہ تم ہو؟''
''مجھے بھی یقین نہیں آ رہا یہ تم ہو؟ لڑکیاں تو بڑی رومانٹک ہوتی ہیں، اس موسم کو اتنا فیسی نیٹ کرتی ہیں مگر تم، ایک دم بور، خشک ایک بات بتاؤ؟'' وہ اس کے برابر آن بیٹھا۔
''جب تمہارے گھر ایسا موسم آتا ہے تب تم کیا کرتی ہو؟''
''کچھ بھی نہیں۔''
''یعنی کمرہ بند ہو جاتی ہو؟''
''کہہ سکتے ہو۔''
''حد ہے۔'' وہ سر جھٹک کر ہتھیلی پھیلا کر بوندیں جمع کرنے لگا۔
''ایک بات پوچھوں؟'' وہ بہت کھوئی کھوئی سی لگی۔
''ہوں۔'' اس نے دھیان سے علینہ کا چہرہ دیکھا جہاں کچھ غیر معمولی تھا۔
''مجھے تمہیں دیکھ کر بارہا یہ احساس ہوتا ہے کہ تم ایک لبالب بھرے ہوئے انسان ہو، ایک ایسا انسان جس کو محبت و توجہ کے سانچے میں پرو کر بنایا گیا ہو، جس کو دودھ کی ہر بوند کے ساتھ انسانیت، خلوص اور خوش مزاجی پلائی گئی ہے، جس نے صرف محبت کرنا سیکھا اور محبت بانٹنا، جسے اس کے علاوہ اور کچھ آتا ہی نہیں، جو اس بات کو نظر انداز کر دیتا ہے کہ دوسرا اسے اگنور کر رہا ہے، جو اتنا خالص و شفاف ہے کہ اسے ہر چیز اچھی لگتی ہے اسے کچھ بھی برا نہیں لگتا، کچھ بھی پریشان نہیں کرتا، جسے اپنے اردگرد رہنے والوں نے بس محبت دی ہے حیدر! جب سے میں تم سے ملی ہوں یہ احساس فزوں تر ہو رہا ہے، میں تمہیں زیادہ نہیں جانتی، مجھے نہیں پتا کہ تمہارے پاس کتنے رشتے ہیں؟ مگر مجھے اتنا ضرور پتا ہے کہ تم بہت خاص ہو، بہت اسپیشل۔'' وہ آہستہ آہستہ بولتی اپنی بات ختم کر کے خاموش ہو گئی، حیدر حیرت زدہ اسے دیکھ رہا تھا۔
''لینا! تم ٹھیک ہو نا؟ مجھے بتاؤ پلیز، تمہیں کیا چیزیں پریشان کر رہی ہیں؟'' وہ بے چینی سے پوچھنے لگا، علینہ نے چونک کر اسے دیکھا اور سر نفی میں ہلا دیا۔
''لینا! خود کو اتنا مت چھپاؤ، چھپی ہوئی چیزیں زیادہ پرکشش لگتی ہیں اور خود کو اتنا مت دباؤ جانتی ہو لاوا اکٹھا ہوتا جائے تو آتش فشاں بن جاتے ہیں جن کے پھٹنے سے کچھ بھی نہیں بچتا، مجھے پتا چل رہا ہے کہ تم بہت دنوں سے کچھ چھپا رہی ہو، مگر کیا؟ میں یہ جاننا چاہتا ہوں تمہارا تو جوائنٹ فیملی سسٹم ہے پھر آخر تم کیوں اتنی تنوطیت پسند ہو؟'' وہ سنجیدگی سے کہتا جا رہا تھا۔
علینہ خالی خالی نظروں سے اسے دیکھا اور سر ستون سے ٹکا دیا۔
''تم ٹھیک کہتے ہو حیدر! اگر ہمارے پاس اتنے زیادہ رشتے ہیں مگر ہم خوش نہیں ہیں مطمئن نہیں ہیں تو اس کا مطلب یہی ہے کہ کہیں بہت کچھ غلط ہو رہا ہے۔''

''اور وہ غلط کیا ہے لیتا؟''

''پتا نہیں حیدر! مجھے ٹھیک سے معلوم نہیں، مگر تمہیں ایک سچ بتاؤں، میں ایک (Neglected Child) ہوں۔'' وہ آزردہ تھی۔

''ایسے کیسے کہہ سکتی ہو تم؟ مجھے بتاؤ تمہارے گھر میں کون کون ہے؟'' وہ اس کی اس کیفیت سے پریشان تھا۔

''بہت سے لوگ ہیں، بہ ڈھیر سارے، تایا ابو، بابا، چاچو، وقار بھائی، عباس بھائی اور رمشہ آپی، کومل، سبین، بھا...... نہیں وہ نہیں ہیں۔'' وہ بے ربطی سے کہتی رک گئی، حیدر نے اس کے بدلتے تاثرات نوٹ کیے اور ٹھٹکا تھا۔

''یہ سبین کون ہے؟''

''وہ میری بھابھی ہیں...... نہیں...... تھیں۔'' اس نے جھجک کر بات مکمل کی۔

''ہیں...... نہیں...... تھیں؟ کیا مطلب؟''

''شاہ بخت کہتا ہے رشتوں کو ان کی اصل شکل میں قبول کرنا چاہیے۔'' وہ بڑبڑانے والے انداز میں کہہ رہی تھی، حیدر کے لئے اس کی یہ غائب دماغی حیران کن تھی۔

''یہ شاہ بخت کون ہے؟'' حیدر نے نیا نام سن کر پوچھا۔

''وہ طارق چاچو کا بیٹا ہے۔'' اس کے کہنے پر حیدر اسے دیکھتا رہ گیا تھا، اس نام پر علینہ کے تاثرات بڑے عجیب اور حیران کن تھے۔

☆☆☆

نوفل صدیق کی حالت بھوکے شیر جیسی تھی جس کے منہ سے نوالہ چھین لیا گیا ہو، رات دس بجے کے قریب شائی وانگ کی آخری رسومات ادا کر دی گئیں تھیں اور اس کے فوراً بعد اس کی پولیس چیف اور انٹیریئر منسٹر کے ساتھ ایک میٹنگ تھی جس میں اس نے بہت کھلم کھلا دھمکیاں دی تھیں، وہ اس وقت اسی ڈنر سوٹ کی شرٹ میں تھا، کوٹ اس نے اتار دیا تھا، اس کی سبز آنکھوں سے شعلے کوندرہے تھے اور سفید رنگت طیش کے عالم میں سرخ ہو رہی تھی۔

''دیکھو آفیسر! مجھے دو گھنٹوں کے اندر کارروائی حتمی پیش رفت چاہیے، ورنہ میں تمہارا پورا شہر بند کروا دوں گا اور تم مجھے اچھی طرح جانتے ہو میں ایسا ہی کر دوں گا۔'' وہ طیش سے بولا تھا۔

''مسٹر نوفل! آپ حوصلہ رکھیے پوری پولیس فورس حرکت میں آ چکی ہے جیسے ہی کوئی پیش رفت ہوتی ہے ہم آپ کو اطلاع دے دیں گے۔'' پولیس چیف کا لہجہ حوصلہ دینے والا تھا۔

''بھاڑ میں گئی تمہاری پولیس فورس، میں انتظار قطعاً نہیں کروں گا، اگر مجھے دو گھنٹوں میں کوئی قاتلوں کے بارے میں عملی رپورٹ نہ ملی تو اس شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دوں گا۔'' وہ دھاڑا تھا۔

منسٹر کا چہرہ مسخ ہو گیا، سامنے بیٹھا ہوا شخص کوئی عام آدمی نہیں تھا جس کا وہ منہ بند کروا سکتا، وہ ایسا بزنس مین تھا جس کا بزنس بنکاک سے سنگاپور سے ہوتا ہوا اب تھائی لینڈ کی طرف جا رہا تھا، مگر اس سب کے باوجود بھی اگر سامنے بیٹھے دونوں افسر اس کو برداشت کر رہے تھے تو اس کی وجہ نوفل صدیق کے لمبے ہاتھ تھے، اس کے سیاسی روابط پوری بیورو کریسی اور گورنمنٹ میں پھیلے ہوئے تھے اور زیادہ تر اس کے ذاتی دوستوں میں شامل تھے، اس کا باپ اسٹاک ایکسچینج کا صدر تھا اور اس کے گرد اتنے مضبوط حوالے تھے کہ ان دونوں میں سے کوئی بھی اسے شٹ اپ نہیں کہہ سکتا تھا، وہ بری طرح مجبور اور بری طرح بے بس تھے۔

''مجھے یقین ہے کہ یہ اس گروہ کا کام ہے جو چیانگ سائین میں ان کے پیچھے تھا اور اس گروہ کے دو قابل ذکر نام لوئی چین اور سوای بای انڈین بدمعاش پہلے ہی انڈر گراؤنڈ ہو چکے ہیں مگر ہم انہیں ڈھونڈ نکالیں گے، آپ بے فکر رہیے۔'' اس بار بھی پولیس چیف نے کہا، نوفل خاموش رہا۔

''برا مت مانئے گا مسٹر نوفل! لیکن غلطی آپ کی بھی تھی، آپ کو یوں ایکدم سے اپنی سیکورٹی سے غفلت نہیں برتنی چاہیے تھی۔'' اس بار انٹیریئر منسٹر نے کہا اس کے انداز میں ناگواری تھی، اس کی بات پر نوفل نے اسے خونی نظروں سے دیکھا تھا۔

''میری غلطی تو میں بھگت چکا ہوں مگر اب آپ لوگوں کی باری ہے۔'' اس نے سرد مہری سے کہا۔

ان کے درمیان یہ ساری گفتگو ملائی زبان میں ہو رہی تھی، اب وہ دیگر تفصیلات ڈسکس کر رہے تھے، پولیس چیف چند ضروری معلومات اس سے لینے کے بعد چند ضروری فون کرنے میں مصروف تھا، یہ کیس خاصا پیچیدہ تھا اور فوری رپورٹ طلبی نے اس کی ساری مشینری کو حرکت میں آنے پر مجبور کر دیا تھا، کچھ دیر بعد یہ میٹنگ برخواست ہو گئی، نوفل اپنے گھر آ گیا، بارہ بجے تک اس نے متعدد کافی کے کپس پی لیے تھے، اس کا دماغ جیسے جلتا ہوا پھوڑا بنا ہوا تھا اور بارہ بجے اسے چیف منسٹر کی کال آ گئی، جو اسے یہ بتا رہے تھے کہ ان دونوں قاتلوں کو پکڑ لیا گیا تھا۔

وہ جیسے اڑتا ہوا اس عمارت میں پہنچا تھا، وہاں رات کے اس وقت بھی خاصی چہل پہل نظر آ رہی تھی، پولیس کے کچھ بڑے نام اور چند حکومتی عہدے دار بھی موجود تھے، اسے اس کمرے تک لے جایا گیا جہاں وہ دونوں موجود تھے اور ان دونوں بدمعاشوں کی شکل دیکھتے ہی نوفل کی آنکھوں کے سامنے خون کی چادر تن گئی تھی، اس نے ساتھ کھڑے پولیس گارڈ کا سروس ریوالور چھینا اور اگلے ہی لمحے فائر کھول دیا، یہ سب اتنی اچانک ہوا تھا کہ کچھ ہو نہ سکا اور فقط چھ فٹ کے فاصلے سے نشانہ خطا جانے کا سوال ہی نہ تھا۔

نوفل نے نفرت سے زمین پر تھوکا اور پولیس چیف کی طرف مڑا جس کا چہرہ حیرت سے مسخ تھا۔

''صبح تک اس پورے گروہ کا نام و نشان نہیں ملنا چاہیے، ختم کر دو سب کو۔'' وہ تحکمانہ لہجے میں کہتا باہر نکل گیا۔

☆☆☆

کہانی ختم ہو چکی تھی، ہم سفر جا چکا تھا۔

آگ ہو تو جلنے میں دیر کتنی لگتی ہے
برف کے پگھلنے میں دیر کتنی لگتی ہے
چاہے کوئی رک جائے چاہے کوئی رہ جائے
قافلوں کو چلنے میں دیر کتنی لگتی ہے
چاہے کوئی جیسا بھی ہم سفر ہو صدیوں سے
راستہ بدلنے میں دیر کتنی لگتی ہے
یہ تو وقت کے بس میں ہے کہ کتنی مہلت دے
ورنہ بخت ڈھلنے میں دیر کتنی لگتی ہے

ایزی چیئر پہ جھولتے ہوئے نوفل نے آنکھیں کھول دیں، اس کا دل آج بھی جل رہا تھا اور آتی جاتی سانسیں ازحد تکلیف دہ، اس کی سبز دلکش آنکھیں شدت غم سے سرخ ہو رہی تھیں اور ان کے زیریں کناروں پر نمی آن ٹھہری تھی۔

☆☆☆

وقت آگے بڑھتا گیا، زندگی نے اس دونوں کے درمیان جو دیوار کھڑی کی تھی اس میں

کوئی اترائی نہیں تھی بلکہ وہ مزید بڑی ہوتی جارہی تھی، حالانکہ حبا میں بہت لچک آچکی تھی، وہ اب نسبتاً دھیما مزاج اختیار کر چکی تھی، اس کی اسید سے محبت میں کچھ مزید اضافہ ہوگیا تھا۔

اس کا رزلٹ آیا تو اس نے حسب سابق اپنی شاندار پوزیشن کو برقرار رکھا تھا، جس پر تیمور احمد بے حد خوش تھے، یوں اگلا سال شروع ہوگیا، جس میں اسید نے اس پر مزید محنت کی تھی، حالانکہ اس وقت اس کا اپنا فائنل ائیر تھا، وہ خود بھی کافی مصروف تھا، مگر جو ذمہ داری اس پر تیمور احمد نے ڈالی تھی وہ اسے بخوبی نبھانا چاہ رہا تھا، اس پورے سال میں کچھ بھی خاص واقع نہ ہوا تھا سوائے اس کے کہ اسید مزید سنجیدہ مزاج ہوگیا، اس کی ساری نرمی ختم ہوگئی تھی، وہ روکھا اور سرد مزاج ہوگیا تھا، عید بھی آئی اور حبا کا برتھ ڈے بھی، مگر یہ پہلی دفعہ ہوا کہ اسید نے اسے وش نہ کیا تھا، عید کے دن وہ صبح کا نکلا رات گئے گھر لوٹا تھا اور اس کے انتظار میں جاگتی حبا روتی روتی سو گئی، اس کی برتھ ڈے سے پہلے وہ جان بوجھ کر لاہور چلا گیا اور اس دن اسلام آباد کتنا اداس اور افسردہ تھا بالکل حبا کی طرح، وہ اس کا انتظار کرتی رہی اور آنسو ضبط کرتی رہی۔

تیرے آنے کی امید
لکھی ہے ساری دیواروں پر
رستہ دیکھ رہی ہیں
خالی گلیاں، ٹوٹے دروازے اور گھر
تو کیا جانے
ہم پر کیا کچھ بیت گیا تیرے بعد
تو نے کب دیکھی ہیں
خالی گلیاں، ٹوٹے دروازے اور گھر

مگر جو قصداً گیا تھا وہ کیوں لوٹتا، وہ اس دن بھی اس کا انتظار کرتی رہی، مگر بے سود، وہ اس سے مزید دور ہوتا گیا، حبا اگلے دن ماما کے پاس بیٹھ کر کتنا روئی تھی، وہ اسے تسلیاں دیتی رہیں، وہ تو خود اس کے نمبر پہ کال کرتی رہیں تھیں مگر وہ مسلسل آف رہا تھا۔

جب وہ لوٹا تو مرینہ نے اسے خوب ڈانٹا تھا، جواباً وہ بہت ترش روی سے گویا ہوا تھا۔

''ماما! میری ضرورت کہاں زیادہ ہے میں بخوبی جانتا ہوں، آپ مجھے مت بتائیں کہ مجھے کیا کرنا چاہیے تھا۔''

''مگر تمہاری بہن کی خوشی تھی اس دن.....''
انہوں نے کہنا چاہا۔

''وہ میری بہن نہیں ہے۔'' وہ بلند آواز میں بولا تھا پھر تیز تیز قدم اٹھاتا اپنے کمرے میں گھس گیا۔

حبا گنگ صم سی کھڑی دیکھتی رہ گئی تھی، مگر اس رات بڑبڑاتے ہوئے اس نے اسید کی طرف سے دیئے گئے وہ سارے وشنگ کارڈز پھاڑ ڈالے تھے جن پر کبھی اسید نے بڑی چاہت سے لکھا تھا۔

''For my sweet sister hiba۔'' اور وہ کیا بڑبڑا رہی تھی۔

''تم نے ٹھیک کہا، میں تمہاری بہن نہیں ہوں۔''

یوں چند تلخ یادیں سمیٹے حبا کا انٹر مکمل ہوگیا اور اسید کا ماسٹرز، اس کے بعد کی کہانی بہت مختصر سی تھی۔

وہ جاب ڈھونڈنے لگ گیا اور اس کی پوری کوشش تھی کہ وہ لاہور میں ہی سیٹ ہو، حبا تھرڈ ائیر میں آگئی، جب پاپا نے اس سے سفیر کے متعلق بات کی تھی، اس پر جیسے آسمان ٹوٹا تھا، وہ ایسے کسی رشتے کے لئے تیار نہ تھی مگر تیمور احمد بضد تھے کہ وہ صرف اس کی بات طے کرنا چاہ رہے ہیں، اس رات وہ کتنی دیر لان میں بیٹھ کر روتی رہی، وہ ایسے کسی بے روح رشتے کے حق میں نہ تھی۔

وہ صرف اسید کی ہو سکتی تھی جو کہ اس کا نہ تھا اور اگلی شام وہ فنکشن آگیا جس کے لئے اس نے بڑا جاندار کن اقدام سوچا تھا۔

''اسید مصطفیٰ! میں جو کروں گی وہ تمہیں ساری زندگی یاد رہے گا، میں کوئی عام لڑکی نہیں ہوں جو حالات سے ہار مان لوں۔'' اس نے تقریب کے لئے تیار ہوتے ہوئے سوچا تھا۔

☆☆☆

اس نے حیدر سے کچھ بھی نہ چھپایا تھا، لفظ لفظ اسے بتا دیا کہ آج کل وہ کیوں پریشان تھی، کیسے بین اور اباز الگ ہوگئے، رمشہ نے ڈنر ٹیبل پر جو تماشا کیا، اگر نہیں بتایا تھا تو اپنے متعلق نہیں بتایا تھا اور حیدر کو اس کے فیملی میٹرز جیسے Trivial affairs سے کوئی دلچسپی نہ تھی وہ تو علینہ احمر مغل کو جاننا چاہتا تھا، مگر وہ جانتی کہ خود کو خول در خول چھپاتی جا رہی تھی، وہ اسے تسلی و دلاسہ دیتا رہا اسے سمجھاتا رہا کہ یہ سب زندگی کا حصہ ہے، سب آخر کار ٹھیک ہو جائے گا اور اس نے علینہ سے کہا تھا کہ وہ اسے اپنے گھر بلانا چاہتا ہے، جس پر علینہ خاصی حیران ہوئی تھی۔

''مگر مجھے تو تمہارے گھر کا پتا نہیں۔''

''عقلمند لڑکی! میں تمہیں خود لے کر جاؤں گا، میرا گھر زیادہ دور نہیں ہے۔'' وہ ہنس کر کہہ رہا تھا۔

''تم بس اچھے سے تیار ہو کر آنا۔''

''ٹھیک ہے۔''

اگلے دن وہ بڑی پیاری لگ رہی تھی، اونچی سی پونی ٹیل کیے گھٹنوں تک آتی شرٹ جس کے بازو چھوٹے چھوٹے تھے اور خوب پھولے ہوئے تھے، اس کے ساتھ اس نے پاکٹس والا سیاہ ٹراؤزر پہنا ہوا تھا۔

''حیدر! میں نے گھر میں کسی کو بھی نہیں بتایا۔'' وہ کنفیوز ہو کر کہہ رہی تھی۔

''کیا؟ تم نے گھر نہیں بتایا؟'' وہ چونکا، وہ نفی میں سر ہلا گئی۔

''بری بات علینہ! تمہیں اپنی مدر کو انفارم کر دینا چاہیے تھا۔''

''میں ان سے کیا کہتی حیدر! ان کے پاس میری باتیں سننے کے لئے وقت کہاں ہے اور پھر میں ان سے کہتی بھی کیا؟ وہ جانتی ہیں کہ میری صرف ایک ہی دوست ہے ندا اور وہ میرے ساتھ اکیڈمی میں نہیں پڑھتی۔'' وہ آہستگی سے بولی تھی۔

حیدر نے لب بھینچ کر اسے دیکھا اور کچھ کہے بغیر آگے بڑھ گیا، علینہ بھی اس کے ساتھ تھی، اس کا گھر واقعی زیادہ دور نہیں تھا، علینہ نے پسندیدہ نظروں سے اس کے پنک ماربل اور سفید گیٹ والے گھر کو دیکھا تھا وہ اندر آئے تو حیدر کی ممی ان کے لئے پہلے ہی کھڑی تھیں، علینہ سے وہ بے حد خوش ہو کر ملی تھیں، وہ مسکراتی رہی، انہوں نے اس کی شاندار تواضع کی تھی، حیدر کی بہن علشبہ جب لاؤنج میں آئی تو اسے پا کر خوشی سے چیخ پڑی تھی۔

''آپ تو بالکل موی گڑیا کی طرح ہیں علینہ آپی! پتا ہے بھائی آپ کی بہت باتیں کرتے ہیں۔'' وہ پندرہ سولہ سال کی تھی، جس میں حیدر کی گہری مشابہت تھی وہ تینوں بہت فرینک ہو کر آپس میں گفتگو کرنے لگے، چند منٹوں میں ہی علشبہ نے اس سے پکی دوستی کر لی تھی، حیدر کے پاپا نہیں تھے مگر اس کے باوجود اس کی ممی نے دونوں کی تربیت شاندار کی تھی۔

جب وہ آنے لگی تو حیدر کی ممی نے اسے خوبصورتی سے ریپ کیا ہوا گفٹ بھی دیا تھا، وہ ان کے خلوص پر شرمندہ ہوتی رہی، واپسی پر وہ اسے چھوڑنے اس کے ساتھ آیا تھا۔

''مجھے بہت اچھا لگا حیدر۔'' وہ مسکرا کر بولی تھی، حیدر خاموشی سے چلتا رہا۔

''کیا بات ہے؟''

''کچھ نہیں۔'' اس نے راہ میں آئے پتھر کو ٹھوکر ماری تھی۔

''تم اس طرح ری ایکٹ کیوں کر رہے ہو؟'' اس نے حیرانی سے کہا، وہ دونوں اس وقت کالونی کی سڑک پر چل رہے تھے۔

''میں کچھ سوچ رہا تھا۔'' وہ گہری آواز میں بولا۔

''کیا؟'' وہ پریشان ہوئی۔

''یہی کہ آج تمہیں ہمارے گھر آ کر کتنا اچھا لگا۔'' اس کے کہنے پر علینہ تیز آواز میں ہنسی اور ہنستی ہی چلی گئی۔

''تم...... حیدر! تم بالکل کمال ہو۔'' ہنستے ہوئے اس کی آنکھوں میں پانی بھر آیا تھا۔

حیدر خاموشی سے اسے دیکھتا رہا، کتنی سادہ و معصوم تھی، جان ہی نہ سکی کہ وہ اسے ٹال رہا تھا۔

''پتا ہے لینا! کل میں دو تین گھنٹے کمپیوٹر پہ جما رہا۔''

''کیوں؟''

''وہ تم نے اپنے کزن کا نام بتایا تھا نا شاہ بخت۔''

''ہاں کیوں کیا ہوا؟''

''بس یہ نام مجھے Push کرتا رہا تھا پتا نہیں کیوں مجھے لگ رہا تھا کہ میں یہ نام پہلے سن چکا ہوں، خیر میں نے ڈھونڈ نکالا۔'' وہ اپنی رو میں بولتا گیا۔

''کیا ڈھونڈ نکالا؟'' وہ چونک گئی۔

''یہی کہ وہ کیا پرسنالٹی ہیں؟'' وہ بولا۔

''اوہ...... پرسنالٹی! کم آن۔'' علینہ نے بے زاری سے کہا۔

''نہیں سچ میں وہ شاندار شخصیت ہیں علینہ! ان کی لک اور ہینڈسم سٹائل بہت اٹریکٹو ہے۔ میں کل ان کا فیس بک پیج ڈھونڈتا رہا، کیا قاتل پکچر لگائی ہوئی ہے انہوں نے، ایکسلنٹ تاہم میں نے انہیں ریکوسٹ سینڈ کی تھی کہ وہ مجھے اپنے کونٹیکس میں ایڈ کر لیں۔'' وہ بتاتا گیا۔

''حیدر! چھوڑو بھی۔''

''کیوں یہ کیا بات ہوئی علینہ! وہ واقعی کمال ہیں بھئی اور تم نے مجھ سے اتنی اہم بات چھپائی۔''

''اس میں بتانے والی کیا بات ہے؟'' وہ ناگواری سے بولی۔

''پھر بھی۔''

''کم آن! کیا کوئی اور موضوع نہیں گفتگو کے لئے۔'' وہ بے زاری سے بولی، حیدر نے ٹھٹک کر اس کے بتدریج بدلتے تاثرات نوٹ کیے تھے اور سر ہلا کر کوئی اور بات کرنے لگا۔

☆☆☆

آنکھیں تلخیوں سے بھری ہوئی پیالیاں ہیں
دل کوئی دکھا ہوا زخم
آتی جاتی ہوئی سانس
دل کو چھیل کر گزرتی ہے
پیالیاں اور زیادہ بھر جاتی ہیں

ناشتے کی میز پر بے حد خاموشی تھی۔

''نوفل!'' انہوں نے اپنے ہینڈسم بیٹے کو دیکھا۔

''جی پاپا!'' اس نے سر اٹھایا۔

''کہاں مصروف ہو آج کل؟''

''بس روٹین ورک چل رہا ہے۔''

''بہت برڈن لے لیا ہے تم نے کام کا، میں چاہ رہا تھا تم کچھ دن ویکشن پہ چلے جاؤ۔''

''اس کی ضرورت نہیں پاپا۔'' وہ سر جھٹک کر بولا تھا۔

''ضرورت ہے بیٹا، اس طرح تو تم تھک جاؤ گے۔'' وہ پیار سے بولے۔

''کیا ویکشن پہ جاؤں پاپا، سارا سنگاپور میرا دیکھا ہوا ہے، بنکاک کی صورتحال بھی کچھ مختلف نہیں، تو اتنے کراؤڈ سٹی میں رہتے ہوئے کیا ویکشن انجوئے کی جا سکتی ہیں۔'' وہ بے زاری سے بولا تھا۔

''تم نیچر انجوائے کرنا چاہتے ہو تو کنچن بوری کیوں نہیں جاتے وہاں ہمارا ہٹ ہے، وہاں رہو کچھ دن انجوائے کرو، اصل میں نوفل میں تمہیں اتنا سنجیدہ مزاج قطعاً نہیں دیکھنا چاہتا بیٹا، ابھی کیا عمر ہے تمہاری اور تم مجھ سے زیادہ سنجیدہ مزاج ہو گئے ہو، مجھے خوف آتا ہے، بلکہ سچ تو یہ ہے کہ مجھے لگتا ہے کہ تم میں بوڑھی روح سماتی جا رہی ہے، خود کو بدلو میرے شیر، حادثات زندگی کا حصہ ہوتے ہیں اب تو اتنا عرصہ ہو گیا، کہیں دل لگا لو یار، نہ شادی کے لئے مانتے ہو نہ کوئی لڑکی پسند ہے تمہیں، مجھے بتاؤ میں کیا کروں؟'' وہ اسے سمجھاتے سمجھاتے آخر میں بے بسی سے رو دیئے تھے، نوفل نے بے چینی سے انہیں دیکھا۔

''پاپا! آپ اتنے کم حوصلہ تو نہیں ہیں۔'' وہ ان کے شانے تھپک رہا تھا۔

''اولاد کے معاملے میں ہر شخص کم حوصلہ ہوتا ہے۔'' وہ اسے جتاتے ہوئے بولے۔

''اچھا ٹھیک ہے، میں آپ کی ساری باتیں مان لوں گا۔'' اس نے ہتھیار ڈال دیئے۔

اور پھر دوسرے ہی دن کا ذکر ہے اس کی گاڑی کنچن بوری کی طرف بڑھتی جا رہی تھی، ''کنچن بوری'' بنکاک سے ایک سو اٹھائیس کلومیٹر کے فاصلے پر برما کی سرحد پر واقع ہے، کنچن بوری ایک خوبصورت اور سرسبز پہاڑی مقام ہے یہ سیاحت کا مرکز اور بڑا خوبصورت ہل اسٹیشن ہے اس کو گیارہ ڈسٹرکٹ میں منقسم کیا گیا ہے، جن میں سے پانچ اپنے قدرتی مناظر اور تاریخی حوالوں کے باعث سیاحوں کا مرکز نگاہ ہیں، یہاں نیشنل پارکس ہیں، آبشار ہیں اس کی بڑی اور خصوصیت ''تھام لوٹ'' کے تاریخی غار بھی یہیں ہیں، خوبصورت دریا، ''کوائے ریور'' کا دلکش نظارہ بھی یہاں سے کیا جا سکتا ہے اور وہ اسی خوبصورت شہر کی طرف بڑھتا جا رہا تھا جس میں خوشبو تھی پھول تھے، رنگ تھے اور ''وہ'' تھی۔

''وہ۔'' جسے بڑا ڈر لگتا تھا، وہ جواب آزاد تھی۔

مگر اس کی نہیں تھی، اس سے ملنے کا جاں فزا احساس نوفل کی آنکھوں میں چمک بھرتا جا رہا تھا، کنچن بوری کی روشنیاں بتدریج جل اٹھی تھیں نوفل کا ذہن پیچھے کی طرف دوڑنے لگا، بس تین ماہ پہلے ہی کی تو بات تھی جب اس نے آخری بار تارا سے بات کی تھی، کتنا ہائپر ہو گئی تھی وہ بہت چلا رہی تھی وہ اس پر اور رو رہی تھی۔

''میری جان چھوڑ دو نوفل اور بھلا مجھ سے کیا ملے گا تمہیں؟'' کتنا ٹوٹا ہوا لہجہ تھا اس کا اور تب نوفل اسے وضاحت دینا چاہتا تھا، اسے سمجھانا چاہتا تھا کہ ایسا کچھ نہیں تھا، وہ تو صرف اسے بچانا چاہتا تھا مگر اسی وقت وہاں وہ آ گیا، وہ مہروز کمال جو تارا کا شوہر تھا، اس نے فون کو تارا کے ہاتھ سے نیچے گرتے سنا، مگر اس سے زیادہ نہیں، اب کی بار وہ ہار نہیں مان سکتا تھا، ایک بار اس نے اپنے گارڈز ساتھ نہیں لئے تھے اور اسے

اس کا خمیازہ بھگتنا پڑا تھا، مگر اب نہیں، وہ ایک بار پھر اپنے دل کو اجڑتے نہیں دیکھ سکتا تھا، وہ تارا تھی جس میں اسے اپنی پہلی محبت نظر آتی تھی، جو اس کے لئے سب کچھ بنتی جا رہی تھی، وہ برداشت نہیں کر سکتا تھا کہ اس تارا کو کچھ ہو، اس نے اپنے گارڈز ساتھ لئے اور چار منٹ کے قلیل وقت میں وہ تارا کے گھر کے سامنے تھے، اس نے بیل دی اور چند لمحوں کے وقفے کے بعد اس نے انگلی مستقل بیل پہ جما دی اور پھر ایک جان لیوا انتظار کے بعد دروازہ کھل گیا، اسے دیکھتے ہی نوفل کا خون کھول اٹھا تھا، ایک گارڈ نے مہروز کو اندر دھکا دیا اور چند لمحوں بعد وہ اندر تھے، نوفل تیزی سے آگے بڑھا، ٹی وی لاؤنج میں ہی اسے نظر آ گئی، وہ نیچے گری ہوئی تھی، نوفل نے اسے سیدھا کیا تو اس کے لبوں سے چیخ نکل گئی، ستارا کے چہرے سے خون بہہ رہا تھا اور وہ بے ہوش تھی، نوفل کی آنکھوں میں خون اتر آیا اس نے گارڈز کے نرغے میں گھرے مہروز کو دیکھا۔

''مارو اس کو...... اس کی ایک ہڈی بھی سلامت نہیں رہنا چاہیے۔'' نوفل بلند آواز میں دھاڑا تھی، اس کی آواز سنتے ہی گارڈز مشینی انداز میں حرکت میں آ گئے اور مہروز کو ٹھوکروں پر رکھ لیا، چند لمحوں میں ہی وہ لہولہان ہو گیا تھا، وہ مسلسل چیخ رہا تھا اور ان سے اپنا قصور پوچھ رہا تھا، نوفل نے ہاتھ اٹھا کر گارڈز کو رکنے کا کہا۔

''طلاق دو اس لڑکی کو۔'' اس کا لہجہ سرد اور خونی تھا۔

''کیوں؟ تم کون ہو؟ اور کیا لگتے ہو اس کے؟'' مہروز نے نڈھال ہوتے ہوئے بھی زہریلے لہجے میں پوچھا تھا، نوفل نے آگے بڑھ کر زوردار تھپڑ اس کے منہ پہ مارا۔

''جتنا پیسہ چاہیے وہ میں دوں گا تم سے جو کہا ہے وہ کرو۔'' اس نے لالچی کو لالچ سے پھنسایا۔

''مگر کیوں؟'' وہ پھر بولا۔

''کہا نا سوال نہیں، طلاق دو اسے۔'' نوفل نے اسے ایک اور تھپڑ مارا۔

''دیکھو! مجھے مت مارو، جب تک مجھے بتاؤ گے نہیں، میں کچھ نہیں کروں گا، خواہ تم مجھے مار ڈالو۔'' وہ ہٹ دھرمی سے بولا تھا۔

''تو ٹھیک ہے، تمہارا مرنا ہی بہتر ہے، طلاق نہ سہی، بیوہ ہی سہی۔'' نوفل نے سفاکی سے کہا اور اس کا اشارہ پاتے ہی گارڈز نے ریوالور اس کی کنپٹی پہ ٹکا دیا، مہروز کے چہرے پہ موت کی زردی چھا گئی تھی اور پھر ان کے درمیان ایک پرامن معاہدہ طے پا گیا جس کے مطابق مہروز کمال نے اسے طلاق دے دی، ایک ملین بھات کے بدلے وہ ستارا کمال بھلا کیا چیز تھی اور پھر وہ کون سا غیرت مند مرد تھا، جسے کوئی فرق پڑتا، اس کے فوراً بعد نوفل تارا کو سنبھالے ہاسپٹل کی سمت بھاگا تھا۔

مگر ابھی شاید آزمائش باقی تھی، تارا کے سر میں کوئی ایسی چوٹ آئی تھی جس نے اسے بے ہوشی صحرا میں پھینک دیا تھا، نوفل کو لگتا وہ پاگل ہو جائے گا وہ اس کے پاس بیٹھ کر گھنٹوں خود کو کوستا رہتا، روتا رہتا، ڈاکٹرز کا کہنا تھا کہ یہ بے ہوشی اگر طویل ہو گئی تو کوما میں بھی بدل سکتی تھی۔

نوفل کا دل جیسے آندھیوں کی زد میں آیا ہوا چراغ تھا، وہ دن رات اس کی فکر میں گھل رہا تھا اور پھر ایک دن اسے ہوش آ گیا، اس کی اٹینڈنٹ نے اسے غلطی سے یہ بتا دیا کہ تارا کو یہاں اس کا شوہر لے کر آیا تھا، وہ شاید یہی سمجھی تھی کہ نوفل ہی اس کا شوہر ہے اور کچھ دیر بعد ہوش مندی کا یا عارضی وقفہ ختم ہو گیا وہ پھر سے بے ہوش ہو گئی۔

نوفل نے اپنا سر پیٹ لیا تھا، مگر وہ بتدریج دوبارہ ہوش میں آ گئی جسمانی طور پہ وہ بالکل صحت مند تھی۔

مگر یہاں آ کر نوفل ٹھٹک گیا، وہ اسلام کے بارے میں بنیادی باتوں سے تو واقف تھا مگر یہ بھی سچ تھا کہ وہ کوئی بہت اچھا مسلمان نہ تھا، جبھی اس نے ایک مسلم اسکالر سے یہ مسئلہ پوچھ لیا، پھر اسے پتا چلا کہ وہ تین ماہ کے لئے عدت میں تھی، جس میں وہ کسی نامحرم سے ملنے کے قابل نہ تھی، تب اس نے سامنے آئے بغیر تارا کو کچن پوری والے کاٹیج میں شفٹ کروا دیا، حالانکہ وہ بے چاری یہی سمجھتی رہی تھی کہ وہ یہ سب مہروز کروا رہا تھا۔

اس کاٹیج میں اس کے ساتھ ایک ملازمہ بھی تھی، مائے پانگ نامی یہ تھائی ملازمہ انگلش سے یکسر نابلد تھی اور خالصتاً مینڈرن بولتی تھی، نوفل کو جبھی یہ فکر نہ تھی کہ تارا اس سے کچھ اگلوا سکے گی، دوسری طرف اس نے سختی سے گارڈز کو یہ ہدایت کی تھی کہ تارا کو باہر نہیں نکلنے دیا جائے گا، باقی اس کاٹیج میں ضرورت کا سارا سامان تھا اور وہ ملازمہ بھی، روزمرہ کی اشیاء مارکیٹ سے لے آتی تھی، وہ اس کے ساتھ کسی بھی قسم کے رابطے میں نہ رہا تھا، مگر آج ساری پابندیاں ختم ہو گئیں تھیں، وہ اپنی تارا سے ملنے جا رہا تھا، اس کے اندر سرشاری پھیل رہی تھی اور اس کی سبز آنکھیں ہیروں کی مانند دمک رہی تھیں، مگر اندر ہی اندر دل کے نہاں خانوں میں کچھ درد بھی کروٹیں لے رہا تھا۔

مجھے موت سے نہ ڈرایا کرو
میں تو محبت سے ڈرتا ہوں
محبت موت سے نہیں ڈرتی
محبت کسی بھی شے سے نہیں ڈرتی
محبت صرف بچھڑ جانے سے ڈرتی ہے

اسے وہ سنہری بالوں والی پری یاد آئی تھی۔

☆☆☆

''مغل ہاؤس'' میں اٹھتی دبی دبی سرگوشیاں بڑی حیران کن تھیں، تایا لوگوں کا متفقہ فیصلہ تھا کہ اب وہ عباس سے بات کر کے سبیلہ بیگم کے ہاں جانے کا سوچیں جبھی وہ سب آج پھر اسی موضوع کو ڈسکس کر رہے تھے۔

''بابا! میں چاہتا ہوں آپ آج لازماً عباس سے بات کر لیں۔'' وقار نے حتمی انداز میں کہا، جس پر احمر مغل نے اثبات میں سر ہلایا تھا، مگر حقیقت تھی کہ اس نازک اور پیچیدہ صورتحال میں وہ سب عباس کے متوقع ردعمل سے خاصے خوفزدہ تھے، مگر یہاں بھی حسب معمول وقار نے ہی معاملہ سنبھالا تھا۔

''آؤ عباس۔'' اس کے اندر آنے پہ تایا جان نے کہا، عباس نے حیرت سے بھی اس گول میز کانفرنس کو دیکھا۔

''جی تایا ابو! آپ نے بلایا تھا۔'' وہ وقار کے ساتھ آن بیٹھا۔

''ہاں وہ کچھ ضروری بات کرنا تھی تم سے۔'' احمر مغل نے ہنکارہ بھر کر وقار کو اشارہ کیا، وقار چند لمحے خاموش رہے ایک نظر سب کو دیکھا، آہستہ سے عباس کے شانے پہ ہاتھ رکھا اور دھیرے دھیرے بولنے لگے اور مدعا کوئی اتنا لمبا چوڑا تو تھا نہیں جو لمبا دورانیہ کھینچتا، مگر عباس کے چہرے پہ زلزلے کے آثار تھے۔

''بھائی! یہ...... آپ۔'' وہ کچھ بول نہ سکا۔

''دیکھو عباس! یہ ہم سب کی شدید خواہش ہے ہم جانتے ہیں وہ لڑکی پیاری ہے اور بے قصور بھی، ذرا سوچو ہم اسے کیسے دنیا کی ٹھوکروں میں ڈال دیں، کیا کمی ہے اس میں؟'' احمر مغل نے

اسے سمجھایا تھا۔

عباس نے بے دردی سے لب کچلے اور سب کی طرف دیکھا، احمد تایا بڑی پر امید نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے، جبکہ بابا کی نظروں میں التجا اور چہرے پہ بے چینی تھی، عباس کے اندر ہلچل مچنے لگی۔

''بابا! میں سمجھ نہیں پا رہا، میں کیا کروں؟'' اس نے بے بسی سے سر جھکا۔

''عباس! تم ایزی ہو کر فیصلہ کرو، ہم سب تمہارے ساتھ ہیں اور پھر تم بھی تو سبین جیسی لڑکی کو پسند کرتے ہو نا؟'' وقار نے حوصلہ دیا۔

''ان جیسی لڑکی بھائی انہیں نہیں۔'' وہ دھیمی آواز میں بڑبڑایا تھا۔

''ایک ہی بات ہے یار!'' وقار نے خوشدلی سے اس کا شانہ تھپکا۔

''ایک بات نہیں نا، آخر آپ سب کو یہ کیا سوجھی اور پھر میں ہی کیوں؟'' وہ سراپا احتجاج تھا۔

''دیکھو بیٹا تم نے ٹھیک کہا تم ہی کیوں؟ مگر سنو سچ یہ ہے کہ جو تمہاری طبیعت ہے وہ مجھے پسند ہے ورنہ شاہ بخت بھی تو ہے مگر تمہیں پتا ہے کہ اس کا مزاج کتنا مختلف ہے، اس کی دنیا ہی اور ہے، تم ایک نرم مزاج اور ٹھنڈی طبیعت کے انسان ہو اور با آسانی سبین کو سنبھال سکو گے، وہ بکھر گئی ہے بیٹے اور یاد رکھو، اس کے قصوروار ہم ہیں، ہمیں اس کا کفارہ ادا کرنا ہے۔'' احمد تایا نرمی سے کہہ رہے تھے۔

''میں سمجھ نہیں پا رہا تایا ابو! مجھے تھوڑا وقت چاہیے۔'' وہ سر جھکا کر بولا تھا اس کی حالت خاصی ابتر تھی۔

''ضرور لو وقت، لیکن فیصلہ مثبت کرنا اور یہ دل سے بات نکال دو کہ وہ تمہارے کم ظرف، بھائی کی بیوی رہ چکی ہے، دل سے یہ بات نکال کر بس اتنا سوچو کہ وہ کتنی پیاری اور آئیڈیل لڑکی ہے، جو ہر لحاظ سے تمہیں سوٹ کرتی ہے۔'' احمر پہلی بار بولے، اس نے سر ہلا دیا اس کی پیشانی پہ پسینے کے قطرے چمک رہے تھے۔

''میں جاؤں۔'' اس نے اجازت چاہی۔

''ہاں۔'' انہوں نے کہا تو وہ تیزی سے باہر نکل گیا۔

اور اب وہ تنہا کھڑا روم کی بالکونی میں کب سے اسی موضوع کو سوچے جا رہا تھا، وہ نہ تو اسٹیٹس کانشش تھا اور نہ ہی پیپل کانشش اسے کبھی یہ پریشانی نہیں ہوئی تھی کہ لوگ کیا کہیں گے وہ اس جھنجھٹ سے آزاد تھا، ہاں البتہ وہ یہ ضرور پریشان تھا کہ سبین کیا سوچیں گی؟ یہ سوچ اسے حیران کر رہی تھی، وہ صرف دل سے سوچ رہا تھا اور دل کے اندر نہاں خانوں میں کہیں یہ احساس تھا کہ وہ واقعی یہ کفارہ بھر سکتا تھا، اس نے سوچا کیا وہ سبین کو خوشیاں دے سکے گا؟ کیا وہ اس کا کھویا ہوا اعتماد لوٹا سکے گا؟ کیا وہ اسے ایک مکمل زندگی دے پائے گا؟ اور کیا وہ اس سے محبت کر سکے گا؟ ایک ایسی لڑکی جو بقول شخصے ٹھکرائی ہوئی اور برتی ہوئی لڑکی تھی، جو اس کے بھائی کی بیوی تھی، کیا وہ اسے اپنا کر اپنے گھر والوں کی امیدوں پر پورا اتر سکے گا؟ بڑی کڑی آزمائش تھی، بڑی قاتل کشمکش تھی۔

''کس دوراہے پہ لا کھڑا کیا آپ نے بابا جان!'' اس نے بال مٹھیوں میں نوچتے ہوئے سوچا تھا۔

(باقی آئندہ ماہ)

سندس جبیں

آٹھویں قسط

اس کی سوچ کا دائرہ مختلف سمتوں میں حرکت کر رہا تھا، پتا نہیں اسے وہاں کھڑے کتنی دیر گزر گئی، رات بتدریج بھیگتی جا رہی تھی، اس نے تھک کر سر جھٹکا اور قدم شاہ بخت کے کمرے کی طرف بڑھا دیے، وہ اپنے عزیز دوست نما بھائی سے سب کچھ شیئر کر کے اس سے مشورہ لینا چاہتا تھا اور اسے یقین واثق تھا کہ اس سے بات کر کے لازما وہ کسی حتمی نتیجے پر پہنچ جائے گا، اس نے آہستگی سے بخت کے کمرے کا دروازہ کھولا اور اندر آ گیا، کمرہ خالی تھا، اس نے ادھر ادھر دیکھا، باتھ روم سے پانی گرنے کی آواز آ رہی تھی، وہ بیڈ پر لیٹ گیا، بڑی دھیمی سی مہک ہر چیز کو اپنی لپیٹ میں لئے ہوئے تھی، یوں جیسے ابھی ابھی ایئر فریشنر چھڑکا گیا ہو، عباس نے اس خوشگوار خوشبو کو ایک طویل سانس لے کر محسوس کیا اور تکیہ اٹھا کر چہرے پر دھر لیا، اسے یکدم کسی سخت سی چیز کا احساس ہوا اس نے اپنے کندھے کے نیچے ہاتھ مارا تو ٹھٹک گیا، وہاں کچھ تھا، اس

ناولٹ

نے سیدھے ہوتے ہوئے دیکھا اور اس کی نگاہ ساکت رہ گئی، اس کے سامنے ایک برانڈڈ سگریٹ کیس اور سنہرا لائٹر پڑا تھا۔

''شاہ بخت اور اسموکنگ؟'' اسے جھٹکا لگا تھا، اس نے تیزی سے سوچا کہ اسے کیا کرنا ہے پھر اس نے تیزی سے اٹھ کر کیس اور لائٹر اپنی پاکٹ میں گھسیڑا، تکیے کو واپس اس کی جگہ رکھا اور باہر نکل گیا۔

☆☆☆

نوفل کنچن پوری پہنچ چکا تھا مگر اس نے براہ راست ستارا کے پاس جانے کی بجائے اپنے کسی اور ہٹ پہ رہائش کا سوچا تھا، وہ ابھی اس سے ملنے کی کنڈیشن میں نہ تھا، وہ اسے خاصا بے وقوف بنا چکا تھا یہ کہہ کر کہ وہ ایک افریقی نیگرو تھا،

اب یوں ایکدم سے جانا شاید مناسب نہ ہوتا، اس دن وہ سارا دن کمرے میں ریسٹ کرتا رہا۔

شام کے وقت اس نے ستارا کے ہٹ پہ موجود اس میڈ مائے یونگ سے رابطہ کیا تھا اور اسے تارا سے بات کروانے کا کہا، کچھ دیر بعد وہ ستارا سے بات کر رہا تھا۔

''کیسی ہو تارا؟'' وہ بے تابی سے بولا تھا۔

''نوفل! تت..... تم؟'' وہ حیرت سے سن ہوگئی۔

''تم ٹھیک ہو تارا؟''

''تم نے کیوں فون کیا نوفل؟ مہروز کو پتا چل جائے گا۔'' وہ سہمی ہوئی تھی، وہ ابھی تک یہی سمجھ رہی تھی کہ اسے مہروز نے اس ہٹ میں رکھا ہوا تھا۔

نوفل کے ذہن نے تیزی سے آگے کا پلان سوچا، وہ فی الحال کسی صورت خود سامنے نہیں آنا چاہتا تھا اور نہ ہی اسے یہ بھنک پڑنے دینا چاہتا تھا کہ یہ سب اس نے کروایا تھا۔

''اس کی فکر مت کرو تارا! میں نے بڑی مشکل سے اس میڈ کو پیسوں کا لالچ دے کر اس بات پہ راضی کیا ہے کہ یہ میری تم سے بات کروا دے، اس لئے اب مجھے بتاؤ کہ تم کہاں ہو؟ اور کیسی ہو؟''

''میں ٹھیک نہیں ہوں، نوفل! بہت پریشان اور اداس ہوں اور کہاں ہوں؟''

''یہ تو میں نہیں جانتی نوفل! لیکن یہ کوئی ہل اسٹیشن لگتا ہے۔'' وہ رونے لگی۔

''ہاں اتنا تو مجھے معلوم ہے میں جلد ہی اس میڈ سے سب اگلوا لوں گا تم مجھے یہ بتاؤ یہ باہر کس وقت جاتی ہے؟'' وہ سوچے سمجھے منصوبے کے تحت بول رہا تھا۔

''یہ شام چار بجے گھر سے جاتی ہے اور روز مرہ کی اشیاء کی خریداری کر لاتی ہے۔''

''ٹھیک ہے تم فکر مت کرو، میں تمہیں یہاں سے نکالنے کی کوشش کروں گا۔'' وہ کہہ رہا تھا۔

''مگر مہروز......؟'' وہ ہچکچا گئی۔

''اس کو دفع کرو، اس کا بندوبست میں کر کے آیا ہوں۔''

''کیا مطلب؟'' وہ حیران ہوئی۔

''وہ خبیث کہتا ہے تمہیں طلاق دے چکا ہے اور یہ اب کی نہیں تین مہینے پہلے کی بات ہے۔'' نوفل نے روانی سے کہا۔

''کیا؟'' تارا کی چیخ بڑی بلند تھی۔

''تم کیا کہہ رہے ہو نوفل؟'' وہ شاکڈ تھی۔

''یہ سچ ہے اور وہ کہہ رہا تھا کہ وہ طلاق کے پیپرز تمہارے گھر پاکستان بھی بھجوا چکا ہے۔'' وہ اسی روانی سے جھوٹ بولتا گیا۔

''نہیں تم جھوٹ بول رہے ہو، ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟ پھر مجھے اس ہٹ میں کس نے قید کیا ہوا ہے؟'' وہ حواس باختہ سی بول رہی تھی۔

''اس کا میں جلد پتا لگوا لوں گا مگر فی الحال تم یہ کرو کہ مجھے اپنے گھر کا نمبر لکھواؤ، میں رابطہ کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔''

''میں خود اس فون سے کوشش کروں؟''

''نہیں، وہ میڈ شاید تمہیں ایسا کرنے نہ دے، اب جلدی بولو نمبر، میں کل تک لازماً کوشش کروں گا کہ سب کچھ معلوم کروا سکوں، ٹھیک ہے۔'' نوفل نے فون بند کر دیا۔

فون کو ہتھیلی پہ رکھے وہ پرسکون انداز میں چیئر پہ جھول رہا تھا اس کی آنکھوں میں لطف آمیز چمک تھی، سب کچھ اس کی توقع کے مطابق ہو رہا تھا یہ سب اس لئے کر رہا تھا کہ اس کہانی میں حقیقی رنگ بھر سکے۔

مگر اگلے دن واقعی اس نے ستارا کے گھر فون کیا تھا، اس کی بات ستارا کی بڑی بہن عائشہ سے ہوئی تھی، اس نے انہیں بتایا کہ وہ ستارا کو جانتا ہے اور وہ اسے ایک روڈ پر زخمی حالت میں ملی تھی، جس پر عائشہ بے قرار ہو کر رونے لگیں اور اس سے تقاضہ کرنے لگیں کہ وہ ان کی ستارا سے بات کروا دے، مگر نوفل نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ وہ گھر سے باہر ہے اور تارا اس کے پاس نہیں رہ رہی، وہ کسی خاتون کے ساتھ رہتی ہے، اس نے عائشہ کو کنوینس کیا کہ وہ فوراً سے پیشتر سنگاپور آنے کی کوشش کریں، انتظامات وہ خود کر لے گا، وہ تو اڑ کر آنا چاہتی تھیں، کافی دیر وہ دیگر تفصیلات پہ بات کرتا رہا، جب اس نے فون بند کیا تو تقریباً سب کچھ طے ہو چکا تھا، اس کا خیال بڑا سیدھا تھا، اسے یقین تھا کہ آئندہ بھی ویسا ہی ہوگا جیسا اس نے سوچا، اس کا ارادہ تھا کہ جیسے ہی عائشہ سنگاپور آئیں وہ ان سے ستارا سے شادی کی بات کر لیتا اور یوں خوش اسلوبی سے وہ اس کی اپنی بن جاتی جبکہ اس کی عدت بھی پوری ہو چکی تھی اور اس سب کا بڑا مقصد دراصل ستارا کی نظروں میں اپنی پوزیشن کلیئر رکھنا تھا۔

☆☆☆

بڑی نفیس سی سجاوٹ سے بھرا لان تقریباً تمام مہمانوں سے بھر چکا تھا، ہر طرف بڑی چہل پہل تھی، حبا نے آج خوبصورت سیاہ فراک پہنی تھی، مرینہ نے اسے خصوصی طور پر پارلر سے تیار کروایا تھا وہ نہیں چاہتی تھیں کہ حبا کسی طور بھی کم نظر آئے اور یوں وہ خوب سجی بنی ہوئی بڑی پیاری لگ رہی تھی، سفیر اور اس کی فیملی بھی آ چکی تھی، تیمور احمد نے اس کا تعارف سفیر سے کروایا تو سفیر کی آنکھوں میں اس کے لئے واضح پسندیدگی اتر آئی تھی جس نے حبا کے اندر ناگواری کا احساس بھر دیا تھا، وہ سوائے اسید کے اور کسی کو اچھا نہیں لگنا چاہتی تھی، کتنی بے وقوفانہ سی خواہش تھی اس کی۔

اس نے نظر دوڑا کر اسید کو ڈھونڈا جو گلاب کی باڑ کے پاس کھڑا اسد سے محوِ گفتگو تھا، اسد آج اتفاقاً ہی اسلام آباد آ گیا تھا، جس پہ اسید بے حد خوش تھا، اب بھی سفید شرٹ اور بلیک پینٹ میں مسکراتا ہوا بہت شاندار لگ رہا تھا، حبا کے اندر دہکتی آگ میں چند مزید انگارے سلگنے تھے، اس کی آنکھوں میں نمی اترنے لگی، اس نے تیزی سے خود کو سنبھالا اور ایکسکیوزمی کہتے ہوئے وہاں سے دور ہٹ گئی، اس کی نظر مسلسل اسید پہ تھی، کچھ دیر بعد جب اس نے اسد کو وہاں سے ہٹتے دیکھا تو وہ اسید کی سمت بڑھ گئی، وہ اسے دیکھ کر چونکا مگر نظر انداز کر گیا۔

''کافی موڈ خوشگوار لگ رہا ہے جناب کا۔'' حبا نے خوشدلی سے کہا۔

''تو؟'' وہ سپاٹ آواز میں بولا۔

''تو یہ کہ کافی ہینڈسم لگ رہے ہو۔'' وہ گہری مسکراہٹ سے بولی تھی، اسید نے تیز نظروں سے اسے گھورا تھا۔

''شٹ اپ میں تمہارے منہ نہیں لگنا چاہتا۔'' وہ سختی سے بولا تھا، حبا زہریلے انداز میں ہنس پڑی۔

''اچھا چلو دیکھ لیتے ہیں کون کیا نہیں کرنا چاہتا۔''

''یہ فنکشن تمہارے لئے آرگنائز کیا گیا ہے حبا! اس لئے تمہیں اسے انجوائے کرنا چاہیے، میرے ساتھ الجھنے کا فائدہ؟'' اسید نے اس کو سمجھانا چاہا۔

''فائدہ؟ نقصان؟ محبت میں یہ سب تو نہیں دیکھا جاتا اسید؟'' وہ عجیب سی نظروں سے

اسے دیکھ رہی تھی۔

''محبت؟ ہونہہ، تم کیا جانو حبا تیمور! محبت کیا ہوتی ہے؟'' وہ سرد مہری سے بولا تھا۔

''تمہیں لگتا ہے مجھے نہیں پتا محبت کیا ہوتی ہے؟ چلو کوئی بات نہیں میں ثبوت دے دیتی ہوں کہ مجھے واقعی پتا ہے کہ محبت کیا ہوتی ہے اور انسان سے کیا ''کروا'' لیتی ہے۔'' اس نے ''کروا'' پہ زور دے کر کہا۔

''تم کیا کرنا چاہتی ہو؟'' اسید نے الجھی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

''تم میرے ساتھ ایسا کیسے کر سکتے ہو اسید؟'' وہ ایک قدم پیچھے ہٹتے ہوئے بلند آواز میں بولی تھی، اس کی بلند آواز نے اردگرد موجود لوگوں کو فوراً متوجہ کیا تھا، اسید حیرانی سے اس کی ایکٹنگ دیکھ رہا تھا۔

''اسید! تم یہ نہیں کر سکتے، میں تمہیں ایسا نہیں کرنے دوں گی۔'' اس کی آواز مزید بلند ہوتی جا رہی تھی۔

''کیا بکواس کر رہی ہو تم، کیا کیا ہے میں نے؟'' وہ دھیمی آواز میں بولا۔

''تم مجھے اس راہ پہ لا کے تنہا نہیں چھوڑ سکتے اسید مصطفیٰ! تم مجھے دھوکہ نہیں دے سکتے، میں محبت کرتی ہوں تم سے۔'' اس نے ہذیانی انداز میں چیختے ہوئے اسید کی شرٹ کا کالر ہاتھوں میں دبوچ لیا تھا، اسید کا رنگ سفید پڑ گیا وہ ساکت اسے دیکھتا رہ گیا۔

''اور...... تم بھی تو محبت کرتے ہو مجھ سے، پھر اب پیچھے کیوں ہٹ رہے ہو، بولو، کیا ملے گا تمہیں میری زندگی برباد کر کے، کیا؟'' وہ اسے جھنجھوڑ رہی تھی اور ساتھ ساتھ رو رہی تھی، ہجوم سے اٹھتی آوازوں نے ایکدم سے اسید کا دماغ ری سٹارٹ کیا تھا۔

''دماغ درست ہے تمہارا؟ کیا فضول بکواس کر رہی ہو؟'' اس نے طیش سے کہتے ہوئے اپنا کالر چھڑوانا چاہا مگر ناکام رہا حبا کی گرفت بڑی مضبوط تھی اور اس کے لمبے ناخن جو خوبصورت سی نیل پالش سے سجے تھے اس کے سینے پر چبھ رہے تھے۔

''میرے ساتھ یہ مت کرو اسید! خدا کے لئے، میں مر جاؤں گی، سنا تم نے میں جان دے دوں گی کس بات کا ڈر ہے تمہیں؟ پاپا کا؟ مگر میں کیا کروں؟ میں کسی اور سے شادی کا سوچ بھی نہیں سکتی میں، میں تو صرف تم سے محبت کرتی ہوں، اللہ کے لئے مجھ پہ رحم کرو اسید! میرے ساتھ یہ نہ کرو، تم تو مجھ سے محبت کرتے ہو پھر ایکدم سے یوں راستہ کیوں بدل رہے ہو؟ کیا مل جائے گا تمہیں یہ سب کر کے۔'' وہ روتی ہوئی گھٹنوں کے بل زمین پر گر گئی، اسید تو یوں کھڑا تھا جیسے پتھر کا ہو چکا ہو وہ نہیں جانتا تھا کہ اردگرد کھڑے لوگ اسے کس طرح کی نظروں سے دیکھ رہے تھے، تیمور احمد کہاں تھے؟ مرینہ نے حبا کو روکا کیوں نہیں تھا اور اسد؟ اس کے دماغ کے کنکشنز جیسے فریز ہو گئے تھے، پھر اس نے مرینہ اور تیمور احمد کو اپنی طرف بڑھتے دیکھا اور تیمور احمد نے جن نظروں سے اسے دیکھا تھا اس کا دل چاہا کاش وہ مر جائے، وہ وہیں کھڑا کھڑا مر جائے۔

مرینہ اب جھک کر گری ہوئی حبا کو اٹھا رہی تھیں، مہمان واپس جا رہے تھے اس نے سفیر کے والدین کو غصے سے بھرے گاڑی کی سمت بڑھتے دیکھا اور سفیر کو زور دار طریقے سے کار کا دروازہ بند کرتے پھر وہ وہیں گر گیا، اس نے اپنا سر دونوں ہاتھوں میں جکڑ لیا جس میں درد کی شدید لہریں اٹھ رہی تھیں کسی نے اس کے شانے پہ ہاتھ رکھا تھا اس نے سر اٹھا کر دیکھا تھا، وہ اسد

تھا۔

''یہ سب کیا ہے اسید؟'' اس کے لہجے کی بے یقینی اسید کو مار گئی۔

''وہ جھوٹ بولتی ہے اسد! میں نے کچھ نہیں کیا۔'' وہ وحشت زدگی سے چلایا۔

''میں تو اسے ہمیشہ بہن سمجھا تھا۔'' وہ اپنی سرخ نم آنکھیں بند کرتا بڑبڑایا تھا۔

''پھر اس نے یہ سب کیوں کیا؟'' اسد نے حیرانی سے کہا۔

''میں نہیں جانتا...... مگر میں، میں...... پاپا کو ضرور بتاؤں گا، میں نے کچھ نہیں کیا، وہ جھوٹ بولتی ہے۔'' وہ بے ربطی سے کہتا اٹھ کر اندر کی طرف بڑھا تھا۔

لاؤنج میں صوفے پہ حبا بیٹھی رو رہی تھی اور مرینہ اسے ساتھ لگائے چپ کروا رہی تھیں، تیمور احمد غصے اور طیش کے عالم میں ٹہل رہے تھے، اسید کو اندر آتا دیکھ کر ان کی آنکھوں میں گویا خون اتر آیا تھا۔

''پاپا میں......'' بات اسید کے منہ میں ہی رہ گئی، تیمور احمد کے زور دار تھپڑ نے اس کو تھرا دیا تھا۔

''بکواس بند کرو، کون سا باپ؟ میں تمہارا باپ نہیں ہوں، سمجھے اور وہی کیا نا تم نے، وہی کیا نا جس کا مجھے ڈر تھا، اسی دن سے ڈرتا تھا میں، اسی دن سے۔'' وہ دھاڑ رہے تھے۔

''میں نے کچھ نہیں کیا یہ جھوٹ بولتی......''

اس بار تیمور احمد نے اس کے بائیں گال پہ تھپڑ مارا تھا۔

''ایک لفظ اور نہیں، میں تمہاری گندی زبان سے کوئی صفائی نہیں سننا چاہتا، تم نے ثابت کر دیا تم ایک غلیظ باپ کی اولاد ہو اور آستین کے سانپ بھی، اتنے سالوں تک میں نے تمہیں اس لئے دودھ پلایا کہ تم میرے ہی گھر میں نقب لگا دو۔'' وہ زہر اگل رہے تھے۔

اس بار اسید خاموشی سے انہیں دیکھتا رہا، ایک پل میں برباد ہونا کسے کہتے ہیں اسے پتا چل گیا تھا۔

''آپ گالی دے سکتے ہیں، حق رکھتے ہیں، آپ جو کھلاتا ہے اس کا اتنا حق تو بنتا ہے۔'' وہ دھیمی آواز میں بڑبڑایا تھا۔

''بکواس بند کرو اپنی، یہ تم تھے جس کی وجہ سے میری معصوم بیٹی نے یہ قدم اٹھایا۔''

''میں نے اسے ڈکٹیشن نہیں دی تھی کہ وہ یہ سب کر لے۔'' اس بار اسید بھی بلند آواز میں بولا تھا۔

''مگر اسے اس حد پر لانے والے تو تم ہی تھے، بولو کوئی جواب ہے تمہارے پاس؟''

''میں اسے بھلا کیوں مجبور کروں گا؟'' وہ حیرت سے چلایا تھا۔

''میری ساری پراپرٹی پر قبضہ جمانے کا اس سے اچھا ذریعہ اور کیا ہو سکتا تھا کہ میری بیٹی سے شادی کر لیجائے اور اس کے لئے تم نے اسے ورغلایا اور......'' اسید نے طیش سے ان کی بات کاٹ دی۔

''میں لعنت بھیجتا ہوں آپ کی پراپرٹی پر اور آپ کی بیٹی پر۔'' وہ نفرت سے دھاڑا تھا۔

''زبان سنبھال کر بات کرو۔''

''آپ بھی ذرا دھیان سے بات کریں ایک بیٹی کے باپ ہیں، میرا کیا ہے میں تو مرد ہوں میری خامی کوئی یاد نہیں رکھے گا مگر آپ کی بیٹی کی خامی کوئی بھولے گا نہیں اور جو یادگار تماشا آج اس نے لگایا ہے وہ تو بھلانے کے قابل ہے بھی نہیں۔'' اسید نے طنزیہ کہا تھا لیکن تھا تو سچ، تیمور احمد کا رنگ زرد پڑ گیا، اس پہلو پر تو انہوں

نے سوچا ہی نہ تھا۔

''اوہ..... تو تم یہ چاہتے ہو، مگر تمہیں کیا لگتا ہے اسید مصطفیٰ میں تمہیں یوں چپ چاپ نکلنے دوں گا، میری بیٹی کو سارے زمانے میں ذلیل کروا کر تم خود سکون سے رہو، ناممکن، تم آج اور اسی وقت حبا سے نکاح کرو گے اور یہ میرا فیصلہ ہے۔'' وہ سخت اور فیصلہ کن انداز میں بولے تھے۔

''آپ کا فیصلہ؟ مائی فٹ، میں اس کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتا۔'' وہ پھنکار اٹھا تھا۔

''بکواس بند کرو اپنی۔'' مرینہ نے غصے سے چیخ کر کہا تھا، اسید چونک کر متوجہ ہوا۔

''ماما! آپ کچھ نہیں جانتی ہیں۔''

''نہیں ہوں میں تمہاری ماں، کاش تم نے میری کوکھ سے جنم ہی نہ لیا ہوتا نہ آج مجھے یہ دن دیکھنا پڑتا، میری پوری زندگی کی ریاضت برباد کر دی ہے تم نے، تم انسان نہیں ہو، سانپ ہو، بچھو ہو، ظالم شخص۔'' وہ بے بسی سے بولتی رونے لگ گئیں۔

اسید کے اعصاب تن گئے، ماں کو یوں روتے دیکھنا بے حد مشکل اور کٹھن کام تھا، وہ ان کی طرف بڑھا تھا۔

''ماما! میرا یقین کریں میں نے ایسا کچھ نہیں کیا، یہ جھوٹ بولتی ہے۔'' وہ زچ ہو گیا تھا۔

''کیوں بولے گی وہ جھوٹ؟ کیا مفاد ہے اس میں اس کا؟''

''وہ بدلہ لینا چاہتی ہے مجھ سے۔'' وہ پھٹ پڑا تھا۔

''کیسا بدلہ؟ اور تم نے کون سا اس کے خزانے دبا لئے ہیں؟ مجھے چکر مت دو اسید، کوئی تو آس دلائی تھی نا تم نے اسے جو یوں اس نے ایک دم سے اتنا بڑا قدم اٹھایا ورنہ نہ وہ کسی مفروضے کی بنا پر کیوں اپنا تماشا بنا لیتی، جھوٹ مت بولو اسید۔'' وہ افسوس سے بول رہی تھیں۔

''آس؟'' اسید نے دھندلی نگاہ حبا پہ ڈالی تھی جو سر گھٹنوں میں دیئے روئے جا رہی تھی، اس کا دل پھٹ جانے کو تھا۔

''میرے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے جو آپ کو یقین دلا سکے کہ میں بے قصور ہوں، آپ کو میری زبان پہ بھروسہ کرنا پڑے گا۔'' وہ آہستگی سے بولا تھا۔

''ایک جھوٹے شخص کی زبان پہ ہم کیوں یقین کریں، مرینہ آپ نکاح کی تیاری کریں، میں ضروری انتظامات کر لوں اور حبا بیٹے آپ اپنے کمرے میں جائیں۔'' تیمور احمد نے حتمی انداز میں کہا تھا، اسید ہتھے سے اکھڑ گیا۔

''آپ سب کا دماغ خراب ہو چکا ہے مگر میرا درست ہے، آپ کی بیٹی سے نکاح کرنے سے بہتر میں مر جانا پسند کروں گا، سنا آپ نے، آپ کی پراپرٹی آپ کا گھر اور آپ کی بیٹی آپ کو مبارک ہو، میں یہاں سے جا رہا ہوں۔'' اسید نے بگڑے ہوئے تاثرات کے ساتھ قدم باہر کی سمت بڑھا دیئے۔

''ٹھہرو رک جاؤ۔'' تیمور احمد نے کہا، وہ رک گیا۔

''بڑے شوق سے جاؤ مگر اپنی ماں کو ساتھ لے جانا نہ بھولنا۔'' انہوں نے سرد لہجے میں کہا، دھمکی بڑی روایتی سی تھی مگر اس کے سوا چارہ بھی تو نہ تھا۔

''کیا مطلب؟'' وہ الجھ گیا۔

''میں ابھی اور اسی وقت اسے طلاق.....''

بات ان کے منہ میں تھی مگر مرینہ کی چیخ نے کاٹ دی۔

''تیمور احمد خدا کے لئے میرا گھر برباد نہ

کریں، اس عمر میں اجڑ کر میں کہاں جاؤں گی؟'' وہ سسک کر تیمور کے قدموں میں گر گئیں تھیں۔

اس سے زیادہ اسید کے ضمیر نے اسے برداشت کرنے کی اجازت نہ دی تھی، وہ آگے بڑھا اور مرینہ کے بازوؤں پر ہاتھ رکھ دیئے۔

''ماما! میں تیار ہوں۔'' اس کی آواز بڑی اجنبی تھی۔

یوں بھی ہوتا ہے کہ اعتبار کی ٹوٹی دہلیز پر
جن سے سچ سیکھا ہو وہ بھی سچے نہیں رہتے

☆☆☆

''علینہ!'' حیدر نے اکیڈمی کے بینچ پہ بیٹھے علینہ کو پکارا۔

''ہوں۔'' وہ پتا نہیں کہاں گم تھی۔

''پتا ہے شاہ بخت نے کیا کیا؟''

''کیا؟'' وہ ٹھٹک گئی۔

''اس نے میری ریکوئسٹ کو ریجکٹ کر دیا۔''

''تو اس میں اتنا افسردہ ہونے کی کیا بات ہے، وہ ایک خود پسند اور خود پرست شخص ہے۔'' اس کا لہجہ کھردرا تھا۔

''پتا نہیں مگر مجھے دکھ ہوا تھا۔''

''اوہ کم آن حیدر، ڈونٹ بی سلی، ایک قطعی غیر متعلق شخص کی ٹینشن لینا بالکل فضول بات

''وہ تمہارا کزن ہے لینا۔''

''سو واٹ مجھے فرق نہیں پڑتا۔'' اس نے شانے جھٹکے۔

''کیوں لینا، میں نے نوٹ کیا ہے کہ تم اس کے نام پر بہت ہائپر ہو جاتی ہو، تمہیں اس سے کیا پرابلم ہے؟ تمہارا رویہ بہت سے سوال پیدا کر رہا ہے۔'' وہ کریدنے والے انداز میں بولا تھا۔

''بس وہ مجھے اچھا نہیں لگتا، بہت عجیب سا ہے۔'' وہ سنبھل کر بولی تھی، حیدر نے بغور اسے دیکھا تھا۔

''اچھا چلو اٹھو کچھ کھاتے ہیں۔'' اس نے بات بدلی۔

وہ دونوں تک شاپ کی سمت بڑھ گئے، انہوں نے کافی لی اور ڈسپوزایبل کپ پکڑے واپس باہر آ گئے۔

''ایک بات کہوں لینا۔''

''ہوں۔''

''یہ پوری دنیا Cause and effect کے اصول کے تحت چلتی ہے، سائنس ہر چیز کے پیچھے لوجک ڈھونڈتی ہے، میں بھی نفسیات کا اسٹوڈنٹ ہوں، لیکن اس کے باوجود بھی میں یہ یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ محبت کی کوئی وجہ نہیں ہوتی، یہ تو بس مقدس صحیفے کی مانند کچھ منتخب لوگوں کے دلوں پہ نازل ہوتی ہے، سائنس میں اس کی کوئی لوجک نہیں ہے کہ کیوں ایکدم سے ایک انسان دوسرے کو اتنا عزیز ہو جاتا ہے کہ ساری دنیا بے مایا اور ثانوی لگنے لگتی ہے؟ میں محبت پہ یقین رکھتا ہوں کیوں کہ اب تک مجھے مادیت پرستی اور منطق نے اپنے جال میں نہیں الجھایا، میں جانتا ہوں کہ بعض دفعہ محبت بس دوسرے کی ہنسی سے مشروط ہو جاتی ہے، بعض دفعہ کسی کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر یہ دل چاہتا کہ اس کائنات کو آگ لگا دی جائے جیسے خیالات ہی محبت ہیں، میں مانتا ہوں مگر مجھے اس بات کی سمجھ نہیں آئی کہ نفرت بغیر وجہ کے کیسے کی جا سکتی ہے؟''

''نفرت ہاں یہی سچ ہے حیدر، نفرت واقعی بغیر وجہ کے نہیں ہوتی۔'' اس نے سر ہلایا۔

''تو پھر تم شاہ بخت سے نفرت کیوں کر رہی ہو، ایسی کون سی وجہ ہے تمہارے پاس؟'' وہ فوراً

بولا تھا، علینہ پھیکے چہرے کے ساتھ اسے دیکھتی رہی۔

"تم آخر اس بات کو چھوڑ کیوں نہیں دیتے حیدر، میرے ساتھ بار بار اس کے متعلق بات مت کرو پلیز، مجھے تکلیف ہوتی ہے۔" وہ التجائیہ انداز میں بولی تھی، حیدر کے چہرے پر ندامت ابھر آئی۔

"او کے۔"

علینہ کچھ کہے بغیر مڑی اور بینچ پر پڑی اپنی کتابیں سمیٹنے لگی، حیدر کے لیکچرز ختم ہو چکے تھے اور اس کی اسائنمنٹس کا کام بھی نمٹ چکا تھا۔

"مجھے تمہیں کچھ بتانا تھا علینہ۔" وہ بھی وہیں آ گیا۔

"کیا؟" وہ بدستور مصروف تھی۔

"میں پرسوں کی فلائٹ سے لندن جا رہا ہوں، مزید پڑھنے کے لئے کچھ کورس کرنے ہیں۔" وہ آہستگی سے بولا۔

"کیا؟" علینہ کے ہاتھ سے کافی کا مگ چھوٹ گیا وہ خالی نظروں سے حیدر کو دیکھے جا رہی تھی۔

☆☆☆

سنگاپور کے ریلوے اسٹیشن پہ وہ خود عائشہ کو لینے کے لئے موجود تھا، جیسے ہی وہ باہر آئیں نوفل نے آگے بڑھ کر اپنا تعارف کروایا، عائشہ حیران سی اسے دیکھتی رہ گئیں، وہ ان کی حیرت کو انجوائے کرتا واپسی کا سارا راستہ ان سے نرم لہجے میں گفتگو کرتا آیا تھا جو زیادہ تر سنگاپور کے حوالے سے تھی، مقامات اور اہم تفریحی جگہوں سے متعلق تھی، وہ اس کی باتوں کو بظاہر دلچسپی سے سن رہی تھیں مگر در پردہ ان کا ذہن پاکستان میں تھا۔

ستارہ کی گمشدگی ہی کسی قیامت سے کم نہ تھی کجا اس کا ملنا اور وہ بھی ایک قطعی غیر متعلق شخص کی فراہم کردہ اطلاعات کے توسط سے کسی نعمت غیر متوقع سے کم نہ تھا، گھر میں ایک کہرام مچ گیا تھا، ابا جو قریب قریب زندہ لاش بن چکے تھے جیسے پھر سے جی اٹھے، عائشہ کے ہنگامی کاغذات روانگی انہوں نے کس طرح دن رات کی بھاگ دوڑ کے بعد بنوائے تھے، یہ وہی جانتے تھے۔

اور اب سب کی امیدوں کا مرکز نوفل صدیق تھا جس کے مطابق ستارہ کہاں تھی وہ جانتا تھا اور اب اس کے بلیک فام شناخت اور ہائی لیونگ اسٹینڈرڈ کو دیکھتے ہوئے وہ کچھ اور سوچنے پر مجبور ہو گئی تھیں۔

"آخر اسے ستارہ کے بارے میں کیسے معلوم ہے؟ اور اسے ستارہ میں کیا دلچسپی ہے؟"

☆☆☆

عباس اس وقت بابا کے سامنے بیٹھا تھا اور موضوع گفتگو "سبین" تھی، کافی تفصیلی بات کرنے کے بعد اس نے نبیلہ بیگم سے مشورہ کیا تھا۔

"امی جان! میں چاہتا ہوں کہ آپ کے بات کرنے کے بعد میں خود ملوں سبین سے۔" اس نے کہا، رضامندی تو وہ ان کے دے ہی چکا تھا، مگر دل کی تسلی کے لئے اسے سبین سے ملنا ہی تھا۔

"ہاں وہ تو کوئی مسئلہ نہیں، بات طے ہو جائے ایک بار، پھر تم مل آنا اور جو بات کرنا ہو گی کر لینا۔" احمر مغل نے اسے تسلی دی تھی۔

"ہم لوگ نکاح کی بات فائنل کر رہے ہیں اور تمہیں کیا کرنا ہے ملاقات کر کے، وہ آ جائے تب کر لینا باتیں۔" نبیلہ نے کسی قدر خفگی سے کہا تھا۔

"امی جان! کچھ باتیں ہیں جو میں کرنا چاہتا ہوں پلیز۔" وہ کچھ التجائیہ انداز میں بولا تھا۔

"ہاں تو ہم کب تمہاری بات ٹال رہے ہیں بچہ، جو تم کہو گے وہی کر لیں گے۔" احمر نے اس کا ہاتھ دبایا اور اسے اشارہ کیا تھا۔

احمر کے تسلی آمیز انداز پہ اس نے اطمینان سے سر ہلایا اور اٹھ کھڑا ہوا، اپنے کمرے میں آ کر وہ بڑی دیر تک سوچتا رہا۔

"سبین احتشام!" اس کے لبوں پہ ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی تھی، زندگی آسان ہو سکتی تھی اگر وہ تھوڑی محنت و جدوجہد سے کام لیتا تو......!

اگلے دن "مغل ہاؤس" کے بڑے اور سر گردہ افراد سبین کے گھر گئے تھے، عباس آفس میں ہی تھا جب اسے وقار کا فون آیا تھا۔

"جی بھائی۔" اس نے کہا۔

"کیا بات ہوئی؟"

"کچھ نہیں یار! بات تو تقریباً فائنل ہی سمجھو مگر سبین کی حالت بہت بری ہے وہ آمادہ نہیں اور ان کی والدہ نے اس کی رائے لینے سے سراسر انکار کر دیا ہے، بلکہ وہ کافی خوش ہیں کہ برباد شدہ بچی کو ہم دوبارہ سے اپنا رہے ہیں اور ایک بڑی عجیب بات ہوئی، مجھے اس کی والدہ کی باتوں سے لگا کہ وہ سبین کو ہی ذمہ دار سمجھتی ہیں اس طلاق کا، مجھے بہت دکھ ہوا مگر موقع ایسا تھا کہ ہم کسی قسم کی وضاحت نہیں کر سکتے تھے کہ غلطی سبین کی قطعاً نہ تھی، ہمارا بیٹا ہی......" وقار نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"بے غیرت تھا۔" عباس نے سرد مہری سے بات مکمل کی تھی، وقار چند لمحے خاموش رہے۔

"یہ بتاؤ کب مل رہے ہو سبین سے؟ میرے خیال سے کل شام مل لو، بابا نیکسٹ فرائیڈے نکاح رکھ رہے ہیں، تو یہ ٹھیک رہے گا کہ تم اس سے پہلے بات کر لو، تا کہ اسے اپنا مائنڈ میک اپ کرنے میں آسانی ہو، ویسے میرے خیال سے وہ ایڈجسٹ کرنے میں زیادہ وقت نہیں لے گی، وہ لڑکی ہے یار! اور لڑکیوں میں بڑی لچک ہوتی ہے خود کو ماحول کے مطابق ڈھالنے کی۔" وہ اسے سمجھا رہے تھے، عباس نے بڑے دھیان سے ان کی باتیں ذہن نشین کر لی تھیں۔

فون بند کرنے کے بعد وہ چند لمحے چیئر پہ بیٹھا رہا پھر اٹھ کر شاہ بخت کے کمرے کی طرف بڑھ گیا اور جب اس کے آفس کا دروازہ کھول کر اس نے اندر جھانکا تو شاہ بخت کو کمپیوٹر پہ بری طرح مصروف دیکھ کر وہیں رک گیا۔

"آ جاؤں؟"

"پوچھنے کی کیا بات ہے، آ جاؤ۔" بخت حیران ہوا، عباس آگے بڑھ آیا، اس کے سامنے چیئر پہ ٹک گیا۔

"یقین نہیں آتا یہ تم ہو؟ اتنے سنجیدہ، اتنے ذمہ دار؟" عباس ہنسا بخت اسے گھورنے لگا۔

"مجھے تم سے کچھ بات کرنا تھی۔" عباس سنجیدہ ہو گیا۔

"سبین کے متعلق؟" بخت کا اندازہ درست تھا۔

"ہاں۔" اس نے سر ہلایا۔

"کیا بات رہ گئی ہے عباس؟ جو ہو رہا ہے ٹھیک ہی تو ہے، ہونے دو۔" اس نے کہا۔

"ہاں، مگر کچھ خدشات ہیں میرے دل میں، کیا وہ مجھے قبول کر لیں گی؟" دل کا خون زبان پہ آ ہی گیا تھا۔

"اسے کرنا پڑے گا۔" بخت کا لہجہ بے لچک تھا۔

"میں اپنی ذات لاگو نہیں کرنا چاہتا ان پر؟"

"یہ کیا بے وقوفی ہے عباس! تم سیدھے اس

سے بات کیوں نہیں کرتے؟"
"نہیں کر سکتا ہمت نہیں ہے مجھ میں۔" وہ شکستگی سے بولا۔
"کیا ہو گیا عباس، تم نے تو لڑکیوں کو بھی مات دے دی ہے۔" بخت نے افسوس سے کہا، عباس نے اسے گھورا تھا۔
"جب تم میری جگہ آؤ گے تب تم سے پوچھوں گا۔"
"میں تمہاری طرح کنفیوز نہیں ہوں گا بلکہ سیدھے دو ٹوک بات کروں گا۔" بخت نے مذاق اڑایا۔
"ٹھیک ہے مگر مجھے تو کچھ بتاؤ وہ کیا کہتے ہیں......"
مجھ کو بھی کوئی ترکیب سکھا دے یار! جڑائے
عباس کے انداز پہ بخت کھلکھلا کر ہنسا تھا۔
"ترکیب؟ سوری...... تجھے پتا ہے میں نے آج تک فلرٹ نہیں کیا۔" وہ شرارتاً بولا۔
"بخت بے وفا، بدتمیز، دفع ہو جا۔" عباس بھنا کے اٹھا اور باہر نکل گیا، وہ اسے آوازیں دیتا رہ گیا مگر عباس ان سنی کر کے چلا گیا۔
اور یہ اگلی شام کا ذکر تھا جب کریم کلر کے کرتا شلوار میں ملبوس عباس ان کے گھر موجود تھا، آنٹی گھر نہیں تھیں، سبین نے چھوٹی زرمین نے اسے ڈرائنگ روم میں بٹھایا تھا۔
"زرمین گڑیا! میں آپ کی آپی سے ملنے آیا ہوں۔" اس نے شائستگی سے مدعا بیان کیا تھا۔
"جی بھائی! میں انہیں بلاتی ہوں۔" وہ کہتی باہر نکل گئی۔
عباس نے اضطرابی کیفیت میں دایاں پاؤں ہلانا شروع کر دیا، کچھ دیر بعد زرمین اندر آئی تو کچھ خجل سی تھی۔
"وہ بھائی آئم سوری، مگر آپی کہہ رہی ہیں کہ وہ آپ سے ملنا نہیں چاہتی ہیں۔" شرمندگی کے احساس سے عباس کا رنگ دہک اٹھا، وہ بے ساختہ اٹھ کھڑا ہوا۔
"اٹس اوکے میں چلتا ہوں۔"
"مگر بھائی آپ بیٹھیں تو سہی، چائے۔" وہ گڑبڑا کر بولی تھی۔
"پھر سہی۔" وہ پھیکے چہرے سے باہر نکلا اور تیز تیز سیڑھیاں اترتا گیا، مایوسی اور توہین کا غبار سا اس کے سینے میں بھر گیا تھا، سبین کا رویہ حیران کن ہی نہیں تذلیل آمیز بھی تھا، وہ اسے ملتی تو سہی بھلے برا ہی بولتی مگر کچھ کہتی تو سہی مگر اس نے تو سامنے آنے سے ہی صاف انکار کر دیا تھا، شادی کے لئے رضامندی دینے کے باوجود اس کا رویہ عباس کو یہ سمجھانے کے لئے کافی تھا کہ وہ اسے قبول نہیں کر رہی، وہ لب بھینچ کر ایک کے بعد ایک خیال سوچتا جا رہا تھا، جب مغل ہاؤس کی عمارت سامنے آ گئی، اس نے ہارن دیا اور گاڑی اندر لیتا گیا، لان میں ہی اسے وقار مل گئے۔
"مل آئے سبین سے؟" انہوں نے چھوٹتے ہی پوچھا۔
"جی۔" مختصراً کہا۔
"ہو گئی تسلی؟"
"ہوں ہو گئی بات۔" وہ بڑے سنجیدہ ایکسپریشن کا مظاہرہ کرتے ہوئے آگے بڑھ گیا، وقار نے کسی قدر الجھی ہوئی نظروں سے اس کی پشت کو دیکھا تھا۔

☆☆☆

یہ تیمور احمد کے گھر کا منظر تھا، جہاں انہوں نے اپنے بے حد قریبی چند دوستوں اور رشتہ داروں کو انوائٹ کیا تھا، اس ایمرجنسی کے نکاح پہ سب ہی حیران تھے مگر یہ موقع جواب طلبی کا نہ تھا، ڈیکوریشن تو پہلے ہی کی ہوئی تھی جبھی کام چل گیا،

مرینہ نے حبا کو دوبارہ سے تیار کیا تھا، البتہ کپڑے انہوں نے اسے بدلنے کا نہیں کہا تھا کہ لباس اس کا اسٹائلش اور بہترین تھا۔
دوسری طرف اسید بھی اسی پینٹ شرٹ میں ملبوس تھا، چہرے پر کئی پانی کے چھپاکے مار لینے کے باوجود بھی وہ شکستگی کے آثار نہیں مٹا پایا تھا، اس کی آنکھوں میں گہری سرخی پھیلی ہوئی تھی اور اسد اسے کافی دیر سمجھاتا رہا تو جواباً وہ کچھ نہ بولا تھا۔
"اسید! تمہیں سمجھ آ رہی ہے نا میں کیا کہہ رہا ہوں۔" وہ کچھ جھلا گیا۔
"نہیں۔" وہ غائب دماغی سے بولا۔
"کیا پاگل پن ہے؟" وہ اسے ڈانٹتے ہوئے بولا۔
"ایک بات بتاؤ اسد؟"
"کیا؟"
"تم نے میرا یقین نہیں کیا نا؟" اس کا لہجہ عجیب سا تھا، جواباً اسد نظر چرا گیا۔
"بات یہ نہیں ہے اسید، میرے یقین کرنے یا نہ کرنے سے کیا فرق پڑتا ہے۔" وہ سنجیدگی سے کہہ رہا تھا، اسید نے جیسے اس کی بات سنی ہی نہیں۔
"تمہیں لگتا ہے اس سب میں میرا ہاتھ ہے؟"
"تم اس کا اتنا خیال کرتے تھے، اس کے لئے فکرمند رہتے تھے، اس کا تمہاری زندگی میں اتنا اہم رول رہا ہے اور آخری بات یاد ہے تم نے کہا تھا کہ تم نے اسے قدم قدم چلنا سکھایا تھا اور تم اسے تنہا کر کے کھائی میں دھکا نہیں دے سکتے تو اب تمہیں کیا مسئلہ ہے، اچھا ہی تو ہو رہا ہے تم دونوں ایک دوسرے کو بہتر طور پر سمجھتے ہو، زندگی آسان ہو جائے گی اور اب شکل کے زاویے درست کر لو، یوں لگ رہا ہے جیسے کاک بارہ پہ سیٹ ہو گیا ہے۔" وہ تفصیلی کہتا آخر میں مزاحیہ انداز میں بولا تھا، اسید خاموشی سے اسے دیکھتا رہا، اسے مات کے معنی آج پتا چل گئے تھے، کوئی چیز جیسے آری کی مانند اس کے وجود کو کاٹ رہی تھی۔
"اس کا مطلب جو رہا ہے میرا پورا ہاتھ ہے اس میں اور مجھے اسے ایزاٹ قبول کر لینا چاہیے۔" وہ خودکلامی کے سے انداز میں بولا تھا۔
"خود کو سنبھالو اب یار، بہت ہو گیا ہے، کیوں ٹینس ہو رہے ہو؟"
"میری پوری زندگی برباد ہو گئی ہے اسد، اور تم کہہ رہے ہو ٹینشن نہ لوں؟" وہ چلا اٹھا تھا، ماتھے پہ کئی شکنیں ایکدم نمایاں ہوئیں تھیں۔
"وہ اتنی بری لڑکی نہیں ہے کہ تم زندگی برباد ہونے کا واویلا شروع کر دو۔" وہ تلخی سے بولا، اس سے پہلے کہ وہ کچھ بولتا مرینہ خانم اندر آ گئیں۔
"اسید اٹھ جاؤ باہر تقریب شروع ہو رہی ہے۔" وہ اس کے قریب آ کر بولی تھیں، دونوں اٹھ کھڑے ہوئے، جگمگ چمکتے لان میں بنے اسٹیج پہ حبا اس کے پہلو میں بیٹھی ہوئی تھی، نکاح خواں نے ابتدائی کلمات ادا کرنے کے بعد اس سے سوال کیا تھا۔
"اسید مصطفیٰ ولد مصطفیٰ احمد کیا آپ کو حبا تیمور احمد بعوض حق مہر ایک لاکھ روپے سکہ رائج الوقت اپنے نکاح میں قبول ہے؟" اسید کی مٹھیاں بھینچ گئیں اور ضبط کی شدت سے انگلیاں مڑ گئیں۔
"یہ کون ہے اسید؟"
"میری بہن ہے حبا!" اسے یاد تھا کہ اس نے یہ جواب دیا تھا اپنے دوستوں کو۔
"قبول ہے۔" اس کی آواز صاف اور بلند

تھی، ساتھ بیٹھی حبا کا دل زور سے دھڑکا تھا اور پھر اس کا دل چاہا وہ کسی کی پرواہ کیے بغیر اسید کا منہ چوم لے یا پھر اٹھ کر دھمال ڈالنا شروع کر دے، اس نے سر جھکا کر اپنی گہری مسکراہٹ ضبط کی تھی ورنہ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ چلا چلا کر سب کو بتائے کہ۔

''میں جیت گئی، میں حبا تیمور نہیں، حبا اسید ہوں اور میں نے جو چاہا وہ پالیا۔''

فتح کے احساس سے سرشار اس نے نکاح نامے پہ سگنیچر کیے تھے، ماحول میں ایک خوشگوار ہلچل تھی، سب انہیں مبارک باد دے رہے تھے۔

''تم نے بہت اچھا فیصلہ کیا تیمور، بیٹا بھی تمہارا اور بیٹی بھی، اچھا ہے گھر کی پراپرٹی گھر میں رہے گی۔'' یہ تیمور احمد کے کزن تھے۔

فرط ضبط سے اسید نے سختی سے لب بھینچ لئے تھے ورنہ اس کا دل چاہ رہا تھا وہ ہر چیز ٹھوکروں میں اڑاتا چلا جائے، مگر رشتوں کے ریشم نے اسے اس بری طرح جکڑا تھا کہ وہ ہلنے کے قابل نہ رہا تھا۔

''تم نے ٹھیک کہا تھا اسد، وہ اتنی بری نہیں کہ میری زندگی برباد ہو جائے مگر میں اتنا برا ضرور ہوں کہ اس کی زندگی برباد کر دوں۔'' اس نے زہر زہر سوچوں سمیت خود سے کہا اور اٹھ کر اندر کی طرف بڑھ گیا۔

لاؤنج خالی تھا، وہ رکے بغیر سیدھا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا، دروازہ کھولتے ہی وہ ٹھٹک کر رکا تھا۔

کمرے کے وسط میں حبا کھڑی تھی نہیں بلکہ اک عالم سرشاری میں جھوم رہی تھی، لہرا رہی تھی اور اس کا گھیر دار فراک اڑتے ہوئے ایک دلکش منظر پیش کر رہا تھا، اسے دیکھ کر وہ رک گئی، اسید نے اندر آ کر دروازہ اپنے پیچھے بند کر دیا۔

''تم پیکنگ کر لو، ہم آدھے گھنٹے تک لاہور کے لئے نکل رہے ہیں۔'' اس نے بے تاثر لہجے میں کہا اور آگے بڑھ کر کپ بورڈ کے پٹ کھول لئے، اپنے ساری ڈاکومنٹس اور نوٹس ایک بیگ میں رکھنے کے بعد وہ واپس مڑا اور باہر نکل گیا، حبا جامد سی وہیں کھڑی تھی۔

زندگی کو بدلنے میں وقت نہیں لگتا مگر وقت کو بدلنے میں زندگی لگ جاتی ہے، وہ دروازہ ناک کر کے اندر آیا تھا۔

تیمور احمد اور مرینہ خانم نجانے کون سی بحث میں الجھے ہوئے تھے اسے دیکھ کر چونک کر خاموش ہوئے تھے۔

''تمہیں اس وقت اپنے کمرے میں ہونا چاہیے اسید؟'' مرینہ خانم کے لہجے میں کیا نہیں تھا، سرد مہری، ناگواری اور تحکم، اس نے خالی آنکھوں سے ماں کو دیکھا تھا اور اس پل اس کی آنکھوں کی سرخی مزید بڑھ گئی۔

''میں آپ کا زیادہ وقت نہیں لوں گا، چند باتیں کرنے آیا ہوں۔'' اس نے دونوں کا چہرہ دیکھا تھا۔

''میں نہیں جانتا کہ آپ کے دماغ میں یہ شک کس نے بھرا ہے کہ میں حبا کے ذریعے آپ کے بزنس اور پراپرٹی کو ہتھیانا چاہتا ہوں، مگر اس کے باوجود آپ نے حبا کو میرے نکاح میں دے دیا ہے کیا اب آپ کو ڈر نہیں کہ میں حبا کے ذریعے آپ پر دباؤ ڈالنے کی کوشش کروں گا اب آپ کے وہ سارے واہمے اور شکوک و خدشات کہاں گئے، میں نے ساری زندگی آپ کی Paracite (طفیلیا) بن کے گزاری ہے حالانکہ اصولی طور پر مجھے فرق پڑنا تو نہیں چاہیے مگر میں......'' وہ اتنا ہی بول پایا تھا کہ تیمور احمد نے ترش روئی سے اس کی بات کاٹی تھی۔

''تو اب تم یہ کہنے آئے ہو کہ تمہاری غیرت جاگ گئی ہے اور تم اسے اپنے بل بوتے پر کما کر کھلاؤ گے۔'' انہوں نے تمسخر اڑایا۔

''میں اسے لے کر لاہور جا رہا ہوں۔''

''کیا مطلب؟'' مرینہ بے چینی سے کھڑی ہو گئیں۔

''تم وہاں عمر بھائی کے پاس جاؤ گے؟''

''نہیں اور میں کہاں جاؤں گا یہ میں آپ کو قطعی طور پر نہیں بتا سکتا، مجھے امید ہے کہ ہم دوبارہ نہیں ملیں گے۔'' اس نے سانپ سے مشابہ پھنکارتی آواز میں کہا اور والٹ نکال لیا۔

''میں یہاں سے صرف اپنے ڈاکیومنٹس لے کر جا رہا ہوں۔'' اس نے والٹ میں سے تمام کریڈٹ کارڈز نکال کر ٹیبل پر رکھ دیئے۔

''تمہارا دماغ خراب ہو چکا ہے اسید، کیسی باتیں کر رہے ہو اور یہ سب کیا تماشا ہے۔'' مرینہ بے تابی سے اس کی طرف بڑھی تھیں اور اس کا شانہ جھنجھوڑتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

''نہیں میں تو مستقل تماشے سے جان چھڑا رہا ہوں آپ کی۔'' وہ بہت سکون سے بولا تھا۔

''سن لیا مرینہ خانم، تمہارا بیٹا اب خود کمائے گا۔'' وہ استہزائیہ ہنسے تھے۔

''اسید یہ کیا بے وقوفی کر رہے ہو، میری بات سنو تم کیسے جا سکتے ہو اور حبا کو لے کر، ناممکن کہاں رہو گے تم، لوگ اور وہ کیسے ایڈجسٹ کرے گی، تم ایسا کچھ نہیں کر رہے، سنا تم نے میں تمہیں یہ نہیں کرنے دوں گی۔'' مرینہ خدشات سے کانپتی ہوئی اس کے بازو کو سختی سے تھامے کہہ رہی تھیں۔

اسید نے ایک لفظ بولے بغیر ان سے اپنا بازو چھڑایا اور باہر نکل گیا، تیمور احمد اور مرینہ اس کے پیچھے ہی نکلے تھے۔

''تم ہو کیا؟ تمہارے پاس کون سا بینک بیلنس ہے جو تم میری بیٹی کو علیحدہ رکھنے کا دعویٰ کر رہے ہو، حیثیت کیا ہے تمہاری؟'' لاؤنج کے بیچوں بیچ کھڑے تیمور بلند آواز میں چلائے تھے۔

خون کے زبردست دباؤ سے اسید کا چہرہ تاریک ہو گیا تھا، اس نے مٹھیاں بھینچ لیا اور خاموشی سے انہیں گھورتا رہا اور اس خاموشی نے انہیں مزید بڑھاوا دیا تھا۔

''تم میری بیٹی کو کہیں نہیں لے جا سکتے، کان کھول کر سن لو۔'' اس بار ان کا لہجہ پہلے سے زیادہ برا تھا۔

''ایک بات آپ بھی بھول رہے ہیں تیمور احمد، حبا تیمور اب میری بیوی ہے اور کوئی قانون اسے مجھ سے دور نہیں کر سکتا، میں جہاں چاہوں گا اسے رکھوں گا اور جو چاہوں گا اس کے ساتھ کروں گا۔'' وہ بلند آواز میں بولا تھا اور یہ آواز کسی بھی لحاظ و مروت سے عاری تھی، مرینہ کا رنگ بدل گیا۔

''شرم کرو، کس طرح بات کر رہے ہو اپنے باپ سے۔'' انہوں نے بلا دریغ جھڑکا تھا۔

''یہ شخص میرا باپ نہیں، یہ کبھی تھا ہی نہیں، یہ صرف آپ کا شوہر ہے، سنا آپ نے۔'' اسید نے ماں کو لاجواب کر دیا۔

''حبا...... حبا نیچے آؤ۔'' وہ اوپر چہرہ کر کے دھاڑا تھا، اگلے تین منٹ لاؤنج میں خاموشی رہی تھی، دفعتاً وال کلاک نے بارہ کا گھنٹہ بجایا تھا، خاموشی ایک لمحے کو ٹوٹی تھی، اسی دوران حبا دو بیگ گھسیٹتی ہوئی باہر نکلی تھی، اس نے اسید کا بیگ بھی اٹھایا ہوا تھا، جب وہ نیچے پہنچی تو اسید نے اس کے ہاتھ سے بیگ جھپٹا اور اسے باہر چلنے کا کہا۔

''مم...... مگر ہم جا کہاں رہے ہیں اور میں

ماما سے تو مل لوں۔'' وہ رک گئی، اسید نے اسے تیز نظروں سے گھورا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے قریباً گھسیٹتا ہوا لے گیا، وہ دو نفوس اب بھی خاموش و ساکت کھڑے تھے، پل میں ہی بازی پلٹ گئی تھی بلکہ الٹ گئی تھی۔

اور جب فیض آباد کے بس اسٹینڈ سے ٹائٹ کوچ پہ سوار ہوئے اسید نے آخری بار اسلام آباد کو دیکھا تو اس کے اندر کچھ ہوا تھا۔

کیوں میری راہیں مجھ سے پوچھیں گھر کہاں ہے
کیوں مجھ سے آ کے دستک پوچھے در کہاں ہے
راہیں ایسی جن کو منزل ہی نہیں
ڈھونڈو مجھے اب میں رہتا ہوں وہیں
دل ہے کہیں اور دھڑکن ہے کہیں
سانسیں ہیں مگر کیوں زندہ میں نہیں

بس میں ٹیپ ریکارڈ بج رہا تھا، اسید کی بند آنکھوں کے پیچھے شدید درد و چبھن کی لہر اٹھی تھی، اس نے زور سے آنکھوں کا مسا تھا۔

ریت بنی ہاتھوں سے یوں بہہ گئی
تقدیر میری بکھری ہر جگہ
کیسے لکھوں پھر سے نئی داستاں
غم کی سیاہی دکھتی ہے کہاں

اس کے سر درد میں کچھ مزید اضافہ ہوا تھا، اس نے سر زور سے سیٹ کی بیک سے ٹکرایا تھا اور لب چبانے لگا۔

درد کا دائرہ پھیلتا ہی جا رہا تھا، اذیت بڑھتی جا رہی تھی اور اس کے اندر جمتی کہر بھی بڑھ رہی تھی۔

ایسی بھی ہوئی تھی مجھ سے کیا خطا
تو نے جو مجھے دی جینے کی سزا

اس کے اندر رونے کی خواہش بڑھتی جا رہی تھی، اس نے اپنے ساتھ بیٹھی حبا کو دیکھا جو باہر کے نظاروں میں گم تھی اور لمحہ بھر میں ہی اس کے سارے احساسات بھک سے اڑ گئے تھے۔

زندگی کا رخ اب بدل چکا تھا اور بازی جیتنے کے شوق میں ہر حد سے گزر جانے والی حبا یہ نہیں جانتی تھی کہ اس نے کیا کھو دیا تھا، اس نے اسید مصطفیٰ کو کھو دیا تھا جسے پانے کے چکر میں اس نے سب کچھ تباہ کر دیا تھا

☆☆☆

آنسو قطار در قطار اس کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے، اس کا رنگ زرد اور آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں وہ اسے خاموش کروانے کی سب تدابیر اختیار کر چکا تھا مگر وہ بدستور روئے جا رہی تھی۔

''لینا، پلیز اسٹاپ، چلو چہرہ صاف کرو۔'' وہ ذرا سختی سے بولا تھا۔

علینہ نے چہرہ شکوہ کناں نظروں سے اسے دیکھا اور آنکھیں پونچھ لیں۔

''تم نے میرے ساتھ ایسا کیوں کیا حیدر؟ کیوں کیوں مجھے ہنسنا سکھایا، کیوں مجھے بولنا سکھایا، کیوں اپنا عادی بنایا؟''

''بولو حیدر خدا کے لئے کیوں کیا میرے ساتھ ایسا، اب میں کیا کروں گی، میں کس سے باتیں کروں گی، اب مجھے کوئی بھی چپ بیٹھا دیکھ کر یہ نہیں پوچھے گا کہ میں بولتی کیوں نہیں، اب مجھے کوئی نہیں ہنسائے گا اور کوئی مجھے ہنسنے کو نہیں کہے گا، تم نے کیا کر دیا ہے میرے ساتھ، کیا تمہیں احساس ہے، کیوں آئے تم میری زندگی میں کیوں؟'' وہ سوال کر رہی تھی اور حیدر کو خود پہ ضبط پانا مشکل ہونے لگا تھا، وہ اس کے پاس بیٹھ گیا۔

''تم میری دوست ہو علینہ، بہت خاص اور پیاری دوست اور ہمیشہ رہو گی، رشتے دو قسم کے ہوتے ہیں، ایک وہ جو ہمیں گاڈ گفٹڈ ملتے ہیں جیسے ماں باپ بہن بھائی اور کزنز اور دوسرے وہ جو انسان خود بناتا ہے، جیسے دوست اور دشمن، میرے پاس پہلے قسم کے رشتوں کی خاصی کمی ہے علینہ، تم جانتی ہو میری ماں کا میں اکلوتا بیٹا ہوں اور ان کی سب امیدوں کا مرکز بھی اور دوسری قسم میں میں دشمنی افورڈ کر سکتا نہیں تو سب کو دوست بنا لیتا ہوں اور تم بھی میری بہت اچھی دوست ہو، بہت سے لوگ ہمیں ملتے ہیں اور بعض کے ساتھ ہمارا قلبی تعلق بھی بن جاتا ہے مگر ضروری نہیں وہ ہمیشہ ہمارے ساتھ رہیں اور اگر میں مزید یہاں رہتا بھی تو کتنی دیر؟ زیادہ سے زیادہ دو ماہ، اس کے بعد تو مجھے جانا ہی پڑتا نا تو پوزیٹو لی سوچو علینہ ہم وقتی طور پر الگ ہو رہے ہیں، ہم ملتے رہیں گے۔'' وہ اپنے مخصوص نرم و دل پذیر لہجے میں اسے سمجھا رہا تھا، علینہ نے اس پل آنکھیں کچھ اور شدت سے صاف کی تھیں۔

''ہم دوبارہ کبھی نہیں ملیں گے حیدر، تم اچھی طرح جانتے ہو میں ایک روایتی گھرانے سے تعلق رکھتی ہوں، جہاں میں کبھی بھی تمہیں Openly بلا نہیں سکتی اور نہ ہی یہ کسی کو بتا کر سکتی ہوں کہ تم میرے دوست ہو، اس اکیڈمی میں دوبارہ تم نہیں آؤ گے اور چند دنوں تک میں بھی اکیڈمی چھوڑ دوں گی تو ثابت ہوا کہ ہم کبھی نہیں ملیں گے۔'' وہ سنجیدگی سے بولی تھی۔

''ہم فون پر رابطہ رکھیں گے۔'' حیدر نے تجویز دی۔

''لینڈ لائن پہ میں تم سے بات کر نہیں سکتی اور سیل فون میرے پاس ہے نہیں۔'' اس نے کہا۔

''سیل فون تمہیں میں گفٹ کر دیتا ہوں۔'' اس نے فوراً کہا۔

''مجھے چور راستے مت دکھاؤ حیدر۔'' وہ افسردگی سے ٹوک گئی، حیدر بے ساختہ شرمندہ ہو گیا۔

''سوری میرا یہ مطلب نہیں تھا۔''

''اٹس اوکے چلوں کافی دیر ہو گئی، بھائی کہہ رہے تھے آج آؤں گا لینے۔'' وہ لاپرواہی کا تاثر دیتے ہوئے بولی، ہاتھ سے باہر نکلی لٹیں سمیٹی اور بیگ کندھے پہ ڈال کر باہر نکل گئی۔

حیدر کی نظر نے بہت دور تک اس کا پیچھا کیا تھا، وہ دونوں نہیں جانتے تھے کہ کون، کہاں اور کب کس سے ملے گا اس کا فیصلہ اوپر کیا جاتا ہے اور آئندہ وہ کب اور کن حالات میں ملنے والے تھے اس کا اندازہ دونوں کو نہیں تھا۔

☆☆☆

''مغل ہاؤس'' میں عباس اور سبین کے نکاح کی تیاری تقریباً مکمل تھی، یہ ایک دن پہلے کی بات تھی جب لاؤنج میں آمنہ نے عباس کو پکڑ لیا۔

''ہاں بھئی دولہا صاحب کدھر؟'' عباس نے شپٹا کر انہیں دیکھا کہ شاید وہ طنز کر رہی ہوں۔

''جی۔''

''بھئی اپنی شاپنگ کر لو، یا وہ بھی ہمیں ہی کرنا ہوگی۔'' وہ چھیڑ رہی تھیں۔

''اس کی کیا ضرورت ہے بھابھی، سب کچھ تو ہے میرے پاس۔'' وہ حقیقت پسندی سے بولا تھا۔

''کر لو بات، تم نے تو کام ہی ختم کر دیا ہے۔'' وہ ہنس پڑیں۔

''دولہا کی شاپنگ ذرا اسپیشل ہوتی ہے عباس، تم سے اچھا تو بخت ہے کہے بغیر ہی اپنی شاپنگ کمپلیٹ کر چکا ہے۔''

''اس کی تو کیا بات ہے۔'' وہ آہستگی سے ہنسا۔

''تو بس پھر اس کے ساتھ جاؤ اور کچھ خرید لو، ٹھیک ہے۔'' انہوں نے کہا تو وہ سر ہلاتا ہوا سیڑھیاں چڑھ گیا۔

کچھ دیر بعد شاہ بخت خود ہی اسے ڈھونڈتا ہوا آیا تھا اور اسے ساتھ گھسیٹ لے گیا، زیادہ اپنی مرضی کی اور کچھ اس کی مرضی کی شاپنگ اسے کروانے کے بعد وہ اسے لے کر پزا ہٹ آ گیا، دو لارج پزا آرڈر کرنے کے بعد بخت نے اسے فوکس کرلیا۔

''ہوں عباس کیا فیل ہو رہا ہے؟'' وہ شرارت سے پوچھنے لگا، عباس ہنس دیا۔

''ابھی تو کچھ فیل نہیں ہو رہا۔''

''ارے وہ کیوں؟''

''اتنے مشکل سوال مت پوچھو یار۔''

''وہ کیوں اور اس میں مشکل کیا ہے اب تو تمہاری سبین سے بھی بات ہو گئی، اب کیا چیز پریشان کر رہی ہے تمہیں؟'' بخت نے کریدا۔

''ایسی کوئی بات نہیں بخت، بس تم دعا کرنا کہ میں تم سب کی امیدوں پر پورا اتر پاؤں، بہت بھاری بوجھ ہے میرے اوپر، اللہ مجھے استقامت دے۔'' وہ سنجیدہ ہو گیا۔

''توقعات کا بوجھ بہت بھاری ہوتا ہے عباس، میں جانتا ہوں بس تو تنگ مت کرنا اور ظرف کا پیالہ چھلکنے مت دینا یار، ورنہ وہ ٹوٹ جائے گی اور سن میں نے کل تیرے روم کی ڈیکوریشن کے لئے بات کر لی ہے ایونٹ آرگنائزرز سے، تجھے کوئی اعتراض؟ اور ہے بھی تو آئی ڈونٹ کیئر۔'' وہ اپنے مخصوص لہجے میں بولتا اسے ہنسنے پر مجبور کر گیا۔

''ویسے بخت ایک بات تو بتاؤ۔''

''کیا؟'' اس نے پزا کی بڑی سی بائٹ لی۔

''تم کب شادی کرو گے؟''

''تمہارا انجام دیکھنے کے بعد۔'' وہ اطمینان سے بولا، عباس نے اسے گھوری ڈالی۔

''شرم کرو۔''

''کیوں جب ایسے سوال پوچھو گے تو ایسا جواب ہی ملے گا، ویسے آپس کی بات ہے، مجھے کوئی لڑکی پسند کرے گی؟'' بخت نے معصومیت کے ریکارڈ توڑ دیئے، عباس کا قہقہہ چھوٹا تھا۔

''ہاں کیوں نہیں، ہر سیر کا سوا سیر ہے، تم جیسے گدھے کو کوئی بے وقوف اور عقل سے پیدل مل ہی جائے گی۔'' عباس نے ایک لوہار کی کرتے ہوئے سارے بدلے چکا دیئے تھے، مگر وہ بھی بخت تھا اپنے نام کا ایک۔

''ہاں اب تو میں خوش امید ہوں جب تجھ جو ایک نمبر کا گھامڑ اور الو ہے کو سبین جیسا ہیرا مل سکتا ہے تو مجھے بھی کوئی نہ کوئی مل جائے گی۔'' وہ جواباً چوٹ کرتے ہوئے بولا تھا۔

دونوں ہنس دیئے، اگلے دن صرف بزرگ ہی جانا چاہتے تھے مگر شاہ بخت نے احمد مغل کے سامنے ایسا شاندار مقدمہ لڑا کہ، انہیں مانتے ہی بنی اور یوں وہ سب خوش و خرم سبین کو لینے چل دیئے۔

نکاح کا بندوبست گھر میں ہی کیا گیا تھا، مغل ہاؤس کے مکین دونوں فلورز میں سما گئے، نکاح کے بعد ہلکی پھلکی ریفرشمنٹ تھی کیونکہ لبے چوڑے مینو سے احمد مغل نے دانستہ سبیلہ بیگم کو منع کر دیا تھا۔

سبین آج ایک کامدار شلوار قمیض میں ملبوس تھی جبکہ عباس گرے ٹو پیس میں تھا جلد ہی یہ جوڑا اپنے آشیانے کی سمت روانہ ہو گیا۔

شاہ بخت کی شوخیاں عروج پر تھیں اور خلاف توقع آج رمشہ کا موڈ بھی اچھا تھا جبھی

معمول کی نوک جھوک چل رہی تھی، گھر پہنچ کر انہوں نے دونوں کو لاؤنج میں بیٹھا کر اپنی محفل سجالی، تائی جان نے لاکھ سر پٹخا کہ رات گہری ہو رہی ہے مگر کوئی اٹھنے کے موڈ میں تھا ہی نہیں، جبھی وہ ہار مان کے اندر کی طرف بڑھ گئیں عباس تو خاصا محظوظ ہو رہا تھا مگر سبین سر جھکائے خاموش تھی اور اس نے کسی بات پر کوئی ردعمل نہ دیا تھا۔

عباس نے دو تین بار اچٹتی ہوئی نظر اس پہ ڈالی تھی پھر سیدھا ہو گیا، کچھ دیر مزید گزرنے کے بعد آمنہ اور رمشہ سبین کو اوپر عباس کے کمرے میں چھوڑ گئیں۔

سبین کو پہلا جھٹکا کمرے کی خوبصورت اور متاثر کن ڈیکوریشن نے دیا تھا، کیا اس کی آمد کسی کے لئے خوشی کا باعث تھی، اس کے اندر احساس حیرانی جاگا تھا، اس گھر نے اسے ہمیشہ حیران ہی کیا تھا۔

پتا نہیں جو ہوا تھا وہ ٹھیک تھا یا غلط مگر سبین کو غلط لگ رہا تھا، اتنا زیادہ کہ اپنی ذات ہی بے معنی لگ رہی تھی بھلا کیا زندگی تھی اس کی؟ ماں نے شادی کی، شوہر نے لو اسٹینڈرڈ کا طعنہ دے کر رد کیا اور پھر سارے خاندان کے آگے اسے ذلیل کر کے چھوڑ دیا تھا اور بات یہاں ہی ختم نہیں ہوئی تھی، اس نام نہاد شوہر کا بھائی آ گیا ہمدرد بن کے جب وہ اس کی بھابھی نہ رہی بلکہ کبھی بنی ہی نہ تھی، تو پھر وہ آ گیا، رحم اور ہمدردی کا چغہ پہن کر ترس کا نقاب اوڑھے اور ماں ایک بار پھر خوش امید کہ مطلقہ بیٹی کا گھر بس جائے اس سے بڑی اور کیا خوشی ہو سکتی تھی بھلا؟ نوے فی صد دیگر ماؤں کی طرح ان کا بھی خیال یہی تھا کہ اس طلاق میں قصوروار سراسر ان کی بیٹی ہی تھی جسے گھر بسانے اور بتانے کا ڈھنگ نہ آیا تھا اور یہ تو مغل ہاؤس کی اعلیٰ ظرفی تھی کہ وہ اسے پھر سے اپنی بہو بنا رہے تھے ورنہ انہیں کیا پڑی تھی کہ وہ ایک مطلقہ کو لے جاتے، وہ ان کی اعلیٰ ظرفی پہ تہہ دل سے مشکور و ممنون تھیں اور شاد بھی، اس بات سے قطع نظر کہ سبین کی کیا کیفیت تھی، مجبور اور بے بس لڑکی۔

کتنا عام سا کردار ہے ہمارے معاشرے کا، مگر کثرت میں بے پناہ ہر دوسرا گھر ایسی کہانیوں سے بھرا ہے ہر تیسری لڑکی ایسے ہی کسی ایموشنل بلیک میل کا شکار ہے۔

اب اسے اسی گھر میں رہنا ہے اپنی تمامتر گزشتہ تذلیل کو ذہن میں رکھتے ہوئے اپنے نئے شوہر کو جو کہ خطرناک حد تک پچھلے شوہر سے مشابہت رکھتا تھا، قبول کرنا تھا، اس کی فرماں برداری کرنا تھی اور اگر وہ اسے ماضی کا طعنہ دینے کی کوشش کرے تو برداشت کا سبق دہرانا تھا اور اگر وہ اس سے خوش نہیں ہوا تو اسے تن من کی بازی لگا کر اسے منانا تھا، اسے عزت نفس، وقار اور Self esteem کو بھول جانا چاہیے تھا اور یاد رکھنا تھا تو صرف اتنا کہ عباس مغل نے اس پر جو احسان کیا تھا وہ اتنا قیمتی اور بھاری تھا کہ وہ ساری زندگی کی خدمت گزاری کے بعد بھی یہ احسان چکا نہیں سکتی تھی، وہ تو اس عظیم شخص کے سامنے سر بھی نہیں اٹھا سکتی تھی، وہ اس قابل کب تھی بھلا؟

اسے عباس کے حوالے سے کسی قسم کی کوئی خوش فہمی لاحق نہیں تھی اور یہ سوال اور زیادہ خوفناک تھا کہ اگر اس سب میں عباس کی رضا مندی تھی تو کیوں تھی؟ وہ کس بنا پر یہ سب کر رہا تھا؟ وہ کیا چاہتا تھا؟

وہ سوچوں کی عمیق گہرائی سے کبھی نہ نکلتی مگر دروازہ آہستگی سے کھلا اور وہ سوچوں کے جال سے نکلی تو عباس کو روبرو پایا، سبین کی دھڑکن مدھم ہو گئی تھی۔

رشتے ناطے، محبت خلوص اور وفا...... یہ سب چیزیں اس کی زندگی میں اس قدر بے معنویت اختیار کر چکی تھیں کہ وہ ان کے بارے میں کچھ سوچنا بھی نہیں چاہتا تھا، مگر ان رشتوں نے اسے یوں جکڑا تھا کہ......!

اسید کی سوچ کا ارتکاز ٹوٹا، گاڑی کو بریک لگے اور وہ چند ثانیوں کے لئے اپنی سوچوں سے چونکا تھا۔

تیمور احمد نے اسے پچیس سال آسائشات سے بھرپور زندگی دی تھی مگر ان کی بیٹی نے اپنے ہاتھوں سے ایک گڑھا کھود دیا تھا جس میں وہ خود تو گری ہی تھی مگر ساتھ اسے بھی لے ڈوبی تھی، اب جو شخص اس کے ساتھ تھا وہ چوٹ کھایا اور بلبلایا انسان تھا اور ایسا شخص کسی دوسرے کو کیا دے سکتا ہے؟ سوائے نفرت اور اذیت کے؟؟؟

وہ رات...... وہ لمحے...... اس کی زندگی میں ایک بھیانک سچائی کی مانند موجود تھے اور ان سے نگاہ چرانے کا کوئی فائدہ نہ تھا وہ مٹنے والے نہیں تھے، جو آگ حبا تیمور نے اس کے اندر دہکائی تھی وہ اتنی آسانی سے بجھنے والی نہ تھی، اسے اس آگ سے اپنا وجود روشن کرنا تھا اور پھر اس میں حبا تیمور کو جلانا تھا۔

حبا تیمور نہیں جانتی تھی کہ اس رات اس نے اسید مصطفیٰ کے اندر سے انسانیت کا درد اس کے وجود سے اشرف المخلوق ہونے کا لبادہ بہت آسانی سے کھینچ لیا تھا اور اس نے اپنی عریاں روح کو ڈھانپنے کے لئے اب کے بار جو لباس پسند کیا تھا وہ ''حیوانیت'' کا لباس تھا، اس لباس کے اندر زہر تھا، اتنا تیز اتنا زہریلا کہ بڑی شدت سے کسی کو ڈسنے کی خواہش اس کے خون دوڑ رہی تھی۔

حبا تیمور نے اپنی خود غرضی میں اس بے غرض انسان کو ایک سرسراتا ہوا ناگ بنا دیا تھا جس کے اندر بہت سا زہر جمع ہو گیا تھا اور اسے بہر حال کسی کو ڈسنا تھا اپنا یہ زہر باہر انڈیلنا تھا اور وہ کسی...... حبا تیمور کے علاوہ اور کون ہو سکتا تھا، اسید مصطفیٰ اس بار بھی غلط تھا دھوکہ کھا گیا تھا، ہار گیا تھا۔

پھر یقین کی بساط پہ تجھ سے
میں بہت اعتماد سے ہارا ! ! !

☆☆☆

عباس کا ہر اٹھتا قدم سبین کے دماغ پہ ہتھوڑے کی طرح برس رہا تھا، اس کا دل چاہ رہا تھا وہ زور زور سے روئے اور اس سے پوچھے کہ ''عباس مغل! میں تو مجبور تھی، مگر تم تو مجبور نہیں تھے، مرد مجبور نہیں ہوتا پھر تم نے ایسا کیوں کیا؟''

وہ اس کے سامنے آ کر بیٹھ گیا، سبین کے اندر گھٹن ہونے لگی، اس کے ہاتھ ہولے ہولے لرز رہے تھے، اس نے یہ کپکپاہٹ چھپانے کی خاطر مٹھیاں بھینچ لیں تھیں۔

''سبین!'' عباس کی آواز پہ اس کا سر کچھ مزید جھک گیا، وہ چند لمحے بغور اسے دیکھتا رہا پھر ہاتھ بڑھا کر اس کا چہرہ اوپر اٹھا دیا، دونوں کی نظر ملی، سبین کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں اور ان میں کیا نہیں تھا؟ دکھ، غم، شکایت اور بے بسی! عباس نے ہاتھ پیچھے ہٹا لیا۔

''آپ ناراض ہیں؟'' وہ آہستگی سے بولا۔

''کس بات پر؟'' سبین نے تیزی سے کہا۔

''اس شادی میں آپ کی رضامندی تھی؟'' اب کی مرتبہ اس کا سوال زیادہ واضح تھا۔

''اب اس بات کی اہمیت ہے؟'' سبین کا لہجہ دھیما مگر ترش تھا۔

''اہمیت ہے سبین!'' وہ زور دے کر بولا،

چند لمحے ایک مہیب خاموشی طاری رہی، پھر سبین نے سر جھکا لیا۔

''ہوں شامل تھی۔'' جواب مختصر تھا اور لہجہ اتنا آہستہ تھا کہ وہ بمشکل سن پایا، مگر اس مختصر مگر جامع جواب نے عباس کے چہرے کی رونق بحال کر دی تھی۔

''اس دن جب میں آپ سے ملنے آیا تھا تو آپ ملی نہیں تھیں، کیوں؟'' عباس کو اس دن کی اہانت یاد آئی تو پوچھ بیٹھا۔

''وہ میری بے وقوفی تھی۔'' اس نے انتہائی سچائی سے اپنا تجزیہ کرتے ہوئے کہا۔

''اوہ جسٹ لیو اٹ۔'' عباس نے سر جھٹکا اور اس کے ہاتھ تھام لئے، سبین کی ساری جان ہاتھوں میں سمٹ آئی تھی۔

''آپ کے ہاتھ بہت پیارے ہیں سبین۔'' اس نے سبین کے ہاتھ کی پشت سہلاتے ہوئے دھیمے سے کہا تو سبین نے جھٹکے سے سر اٹھا کر اسے دیکھا، عباس کی آنکھوں کا تاثر بہت مختلف تھا، یہ ایک طلب اور استحقاق سے معمور مرد کی آنکھیں تھیں، وہ نا سمجھ نہیں تھی، جبھی نظر جھکا گئی۔

''میں چینج کر لوں؟'' اسے اپنی آواز اجنبی سی لگی۔

''ضرور، بھابھی بتا رہی تھیں کہ آپ کے لباس اس کپ بورڈ میں پڑے ہیں۔'' عباس نے وارڈ روب کی طرف اشارہ کیا، وہ سر ہلاتی ہوئی اٹھ گئی، اس نے ایک آرام دہ شلوار قمیض منتخب کی اور باتھ روم کی سمت بڑھ گئی، کپڑے تبدیل کرنے کے بعد اس نے منہ ہاتھ دھویا، بالوں کو کھول کر ڈھیلی سی چٹیا بنائی اور اتارا ہوا کامدار سوٹ تہہ لگا کر باہر لے آئی، اسے لا کر وارڈ روب میں رکھ دیا، عباس بڑی سی سلائیڈنگ ونڈو کے پاس کھڑا تھا، پھر اس نے پردہ برابر کیا اور اس کی طرف مڑ آیا جو کہ گلوں سے خوش رنگ بیڈ کے نزدیک کھڑی تھی، اس کے چہرے پہ الجھن تھی۔

''کیا بات ہے؟''

''کچھ نہیں۔'' وہ بیڈ کی پٹی پہ ٹک گئی۔

''دودھ پی لیں، کومل نے بتایا تھا کہ آپ نے اپنی والدہ کے گھر بھی کچھ نہیں کھایا تھا۔'' عباس نے سائیڈ ٹیبل پہ رکھا دودھ کا گلاس اس کی طرف بڑھایا تھا۔

''دل نہیں چاہ رہا۔'' وہ بے زاری سے بولی۔

''دل کی مت سنیں، میری بات مانیں۔'' وہ دھونس سے بولا۔

''ہاں پہلے دن ہی اپنا آپ فراموش کر کے جی حضوری شروع کر دوں؟'' وہ اندر ہی اندر کڑھ کر سوچ رہی تھی، گلاس تھام لیا، دودھ نیم گرم اور خوش ذائقہ تھا، اس نے مجبوراً چند گھونٹ لے کر گلاس پرے ہٹا دیا، پھر اٹھ کر گلاس سائیڈ ٹیبل پہ رکھ دیا۔

''آپ تھکی ہوئی لگتی ہیں، لیٹ جائیں۔'' عباس نے کہا اب پتا نہیں یہ مشورہ تھا یا حکم وہ سمجھ نہیں سکی۔

''مجھے عشاء کی نماز ادا کرنی ہے۔'' وہ وضو کرنے کے لئے واش روم کی سمت بڑھ گئی، عباس وہیں کھڑا رہ گیا، مضطرب اور بے چین۔ کچھ دیر بعد وہ اندر آئی تو عباس نے اس کے بن کہے ہی اسے جائے نماز تھما دیا تھا۔

جسے وہ ایک طرف بچھا کر نماز میں مشغول ہو گئی، عباس خاموشی سے بستر پہ دراز ہو گیا، مگر جلد ہی بے چینی نے اسے احساس دلایا کہ وہ ایزی ڈریس میں نہیں تھا، وہ لباس تبدیل کرنے کے خیال سے اٹھ گیا، باتھ روم گیا تو چینج کرنے

کی بجائے شاور لینا شروع کر دیا، اچھی طرح اپنا دماغ ٹھنڈا کرنے کے بعد وہ واپس باہر آیا تو ایک حیران کن منظر اس کا منتظر تھا، لائٹس آف تھیں اور سبین بیڈ کے ایک کونے پہ دراز تھی، اس کے اندر ایک عجیب احساس نے سر اٹھایا، وہ آگے بڑھا اور بیڈ پہ بیٹھ گیا، چند لمحے وہ بے حس و حرکت رہا پھر اسے ٹھنڈک کا احساس ہوا اس نے کمبل کھولا اور اوڑھتے ہوئے اسے بھی اوڑھا دیا، اپنا تکیہ سبین کے قریب کیا اور لیٹ گیا، دوسری طرف فوراً اس کی موجودگی کو نوٹس کیا گیا تھا، وہ کچھ اور آگے سرک گئی، عباس نے اس کے شانے پہ ہاتھ رکھا تھا اور گویا غضب ہو گیا۔

''ہاتھ مت لگاؤ مجھے۔'' وہ تڑپ کر اس کا ہاتھ جھٹک چکی تھی، عباس کا رنگ غصے اور ذلت کے احساس سے دہک اٹھا۔

''آپ...... جانتی ہیں آپ کیا کہہ رہی ہیں؟'' وہ تلخی سے بولا۔

''بہت اچھی طرح سے جانتی ہوں۔'' وہ ذرا بھی نہیں جھجکی۔

''اور انجان بننے کا ڈھونگ رچانا بند کر دو۔'' وہ زہر زہر لہجے میں بولی تھی۔

''مجھے جھوٹ بولنے کی عادت نہیں ہے، میں آپ سے کہہ رہا ہوں نا کہ میں کچھ نہیں جانتا۔'' وہ تیزی سے بولا۔

''میں مان ہی نہیں سکتی عباس کہ اس گھر میں رہتے ہوئے تم بے خبر ہو گے بلکہ یوں کہو کہ میری ذلت کے تماشے کی روداد مجھ سے سننا چاہتے ہو، تو سن لو اس نے کہا تھا میں اس کے معیار پہ پوری نہیں اترتی، اس لئے وہ مجھ سے کوئی رشتہ نہیں بنائے گا، یہ شادی ایک کاغذی شادی تھی اور پھر اس نے سب کے سامنے اس بات کا اقرار کیا تھا کہ وہ مجھے اس قابل ہی نہیں سمجھتا تھا کہ......'' وہ ہذیانی انداز میں چیختے ہوئے سسک اٹھی۔

''اس کے نزدیک میری کوئی حیثیت کوئی اہمیت نہیں تھی اور اس کا ثبوت اس نے ہمیشہ دیا، میں کیسے مان لوں کہ تم وہ نہیں کرو گے جو اس نے کیا تھا، میں...... ایک ٹھکرائی ہوئی عورت ہوں عباس احمر مغل! اور تمہیں تو فخر کرنا چاہئے کہ تم نے مجھے اپنا کر دنیا میں ہی جنت خرید لی، عظمت کے مینار پہ چڑھنے کا بہت شوق تھا نا تمہیں؟ بہت ہمدرد بنتے تھے نا تم میرے...... پتا چل گیا ہے مجھے۔'' وہ دکھی تھی، اس کے اندر کا درد لفظوں کی صورت باہر نکل رہا تھا، وہ اداس تھی اور آنے والے وقت کا خوف اس کے چہرے پہ جھلک رہا تھا، وہ ایک کم ظرف مرد کے ہاتھوں ذلیل ہونے کے بعد دوسرے کے پاس آ تو گئی تھی مگر اسے اپنانے سے گریزاں تھی، وہ احساس کمتری میں مبتلا تھی، وہ دوبارہ رد ہونے کی ہمت نہیں رکھتی تھی اور یہ سب اس کے الفاظ سے عیاں تھا۔

عباس جیسے کسی خلا میں معلق ہو گیا تھا، وہ کئی ثانیے سبین کو ناسمجھی کی کیفیت میں دیکھتا رہا۔

''سبین آپ!'' اس نے بولنا چاہا مگر شدت جذبات سے اس کا گلا رندھ گیا اس نے بے ساختہ تسلی دینے کی خاطر دونوں ہاتھ سبین کے گرد لپیٹے تھے۔

''میں نے ہر ممکن کوشش کی اپنا گھر بچانے کی عباس! مگر پھر بھی امی نے مجھے ہی مورد الزام ٹھہرایا، میرا کیا قصور تھا اگر اس شخص نے مجھے پسند نہیں کیا تھا، میں کیوں......'' وہ روتے روتے اس کے ساتھ لگ گئی، عباس نے اسے مضبوطی سے اپنے ساتھ لگا لیا، اس نے عباس کی قمیض اپنے آنسوؤں سے بھگو دی تھی، وہ اسے تھپکتا رہا، بہلاتا رہا، تسلی دیتا رہا۔

پھر اس نے سبین کو لٹا دیا اور آہستہ آہستہ اس کی پشت تھپکتا رہا جیسے کسی روتے ہوئے شیر خوار بچے کو بہلایا جائے پھر وہ سو گئی، اس کے چہرے پہ آنسوؤں کی لکیریں تھیں، عباس نے اسے ٹھیک سے کمبل اوڑھایا اور خود بھی سیدھا لیٹ گیا اس کی نظریں چھت پہ معلق تھیں، وہ حیران تھا اور اس سے زیادہ خوش، اس کی وجہ کتنی مضبوط تھی، سبین جس شخص کے ساتھ رہی تھی وہ تو گھٹیا تھا مگر اپنی کم ظرفی کے باوجود اس نے سبین کو وقت گزاری کے لئے شکار نہیں بنایا تھا۔

وہ خوش قسمت تھا کہ اس کی قسمت میں ایک شفاف، اجلی اور خالص لڑکی تھی، جس کے دل و ذہن کی سلیٹ پہ اپنا نام لکھنا اس کے لئے کوئی بہت مشکل نہ تھا۔

ذرا سی توجہ، ڈھیر ساری محبت اور دل سے کی گئی عزت اس کے لئے وہ ہتھیار بن سکتے تھے جن سے وہ یہ معرکہ سر کر سکتا تھا، اس نے مسکرا کر سوئی ہوئی سبین کو دیکھا اور دل سے اپنے رب کا شکر گزار ہو گیا تھا اور اس کے بعد اپنے ماں باپ کا جنہوں نے اس سے ایک بروقت ایک صحیح فیصلہ کروایا تھا، رات نصف سے زیادہ بیت چکی تھی، وہ اپنی خوشی کی شدت بانٹنا چاہتا تھا مگر وہ سو رہی تھی، عباس چند لمحے خود پہ ضبط کرتا رہا پھر اس نے بار مان کر سبین کی طرف کروٹ لے لی، ہلکی کی مدھم روشنی میں اس نے اس کی روشن پیشانی کو چوما اور پھر اسے خود میں چھپا لیا۔

''تجھے کیا پتا سبین؟ تو کتنی خاص ہے، تو...... تو سچا موتی ہے، جس کی چمک دمک بس میری آنکھوں کے لئے ہے، میں کتنا خوش نصیب ہوں، تو کیا جانے؟'' وہ ادب کے سارے قرینے بھول کر قربتوں کی طرف رواں دواں تھا، اس کے ہر ہر اعضاء سے سرشاری پھوٹ رہی تھی، اس کی لمس میں کسی گھڑی دلربائی اور اور گہرائی بڑھی تھی جب سبین کی آنکھ کھل گئی، اس نے خود کو اس دلکش حصار میں مقید پایا تو رنگت میں گلابیاں گھلتی چلی گئیں، وہ مزاحمت کرنا چاہتی بھی تو ناکام ٹھہرتی کہ مقابل کی پیش قدمی میں ایسی والہانہ وارفتگی اور بے خودی تھی کہ اس نے خود کو مکمل طور پر محصور محسوس کیا تھا مگر نہیں محصور محفوظ و مامون۔

عجب سنجوگ ہے جاناں!
یہ کیسا روگ ہے جاناں؟
بڑے بوڑھے بتاتے تھے
کئی قصے سناتے تھے
مگر ہم مانتے کب تھے؟
یہ سب کچھ جانتے کب تھے؟
کہ بہت پختہ ارادے
کس طرح سے ٹوٹ جاتے ہیں؟
ہمیں ادراک ہی کب تھا؟
ہمیں کامل بھروسہ تھا
ہمارے ساتھ کسی صورت بھی
ایسا ہو نہیں سکتا
یہ دل بھی قابو سے بے قابو
ہو نہیں سکتا
مگر!!!
پھر یوں ہوا جاناں!!!
نہ جانے کیوں ہوا جاناں
جگر کا خون ہوا ایسا
تیرے ابرو کی اک جنبش پر
تیرے قدموں کی آہٹ پر
گلابی مسکراہٹ پر
تیرے سر کے اشارے پر
صدائے دل ربانہ پر
چہرائے معصومانہ پر

نگاہ قاتلانہ پر
جفائے مجرمانہ پر
ادائے کافرانہ پہ
گھائل ہوگئے ہم بھی
بڑے بے باک پھرتے تھے
مائل ہوگئے ہم بھی
سخاوت کرنے آئے تھے اور
سائل ہوگئے ہم بھی
بڑے بوڑھوں کی ان
باتوں کے قائل ہوگئے ہم بھی!!!

☆☆☆

''نوفل! تم مجھے ستارا کے پاس کب لے کر جاؤ گے؟'' عائشہ نے صبح سے کوئی پچاسیویں مرتبہ پوچھا تھا، نوفل نے فون پاکٹ میں ڈالا اور طویل سانس لے کر ان کی طرف متوجہ ہوگیا۔

''میں کوشش کر رہا ہوں، اصل میں اسے جس جگہ پہ رکھا گیا ہے وہ پہاڑی علاقہ نچن پوری ہے جہاں سے اسے نکالنا اتنا آسان نہیں ہے، مجھے ڈر ہے کہ مہروز کے آدمی اسے کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش نہ کریں۔'' اس نے پریشانی سے کہا۔

''تو تم کوشش کرو نا کہ پولیس کی مدد سے.....'' انہوں نے فوراً مشورہ دینا چاہا مگر نوفل نے ان کی بات قطع کردی۔

''نہیں یہ بالکل الگ معاملہ ہے اور پولیس کو انوالو کرنے سے ستارہ بھی زد میں آئے گی، جو کہ میں قطعاً نہیں چاہوں گا، آپ یہاں کے میڈیا کو جانتی نہیں ہیں، یہ معاملے کو اس قدر ہائی لائٹ کریں گے کہ جینا دوبھر ہو جائے گا۔'' وہ دانستہ انہیں ڈرا رہا تھا۔

''خیر میڈیا کی بات تو تم رہنے دو، ہمارے پاکستان کے میڈیا نے پوری دنیا کے میڈیا کو پیچھے چھوڑ دیا ہے۔'' وہ جل کر بولی تھیں، نوفل سر جھٹک کر ایک نمبر ڈائل کرنے لگا۔

☆☆☆

یہ ناشتے کے بعد کا منظر تھا، بیڈ روم میں دونوں کی ایک بحث چھڑی ہوئی تھی۔

''سبین! آخر اس میں پرابلم کیا ہے؟ ولیمہ کا ریسپشن تو دینا پڑتا ہے نا؟'' وہ جھلا کر کہہ رہا تھا۔

''مجھے نہیں پتا بس، تم کیوں سمجھنے پہ آمادہ نہیں ہو عباس؟ میں لوگوں کو فیس نہیں کر سکتی، وہ سب جانتے ہیں مجھے ایاز کی وائف کی حیثیت سے اور اب.....'' وہ بے چینی سے لب کچلنے لگی، عباس کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔

''مجھے اس سے فرق نہیں پڑتا۔'' عباس نے اسے باور کروا دیا تھا، وہ چند لمحے خاموش رہی۔

''مگر مجھے پڑتا ہے، میں لوگوں کی گفتگو کا موضوع اور ہمدردیوں کا مرکز نہیں بن سکتی۔'' وہ سسک کر بولی تو آنکھیں نمکین پانیوں سے بھرنے لگیں۔

''آپ لوگوں کی اتنی فکر مت کریں۔'' عباس نے ٹوکا۔

''نہیں کروں گی مگر تم میری فکر کرو پلیز یہ سب ہونے سے روکو، میں اس سب کا حصہ نہیں بن سکتی۔'' اس کا لہجہ دوٹوک تھا، عباس چند لمحے خاموش رہا پھر اٹھ کر باہر نکل گیا، سب آفس جا چکے تھے جبکہ شاہ بخت ابھی ادھر ہی تھا، وہ نیچے آیا تو لاؤنج میں شاہ بخت موجود تھا، وہ شاید دیر سے اٹھا تھا جبھی اب چائے پی رہا تھا، جبکہ پاس ہی رمشہ فون کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کر رہی تھی، وہ انہی کی طرف چلا آیا، شاہ بخت چائے کا مگ چھوڑ کر کھڑا ہوگیا۔

''گڈ مارننگ جگر۔'' اس نے عباس کو گلے لگا لیا۔

''صبح بخیر۔'' عباس کچھ جھینپ سا گیا، صبح سے اسے سب یونہی پروٹوکول دے رہے تھے۔

''کیسے ہو؟'' بخت نے اس کے شانوں پہ ہاتھ رکھ کر پوچھا۔

''ٹھیک ہوں کچھ بات کرنا تھی۔'' عباس نے فوراً اس کا دھیان خود سے ہٹایا۔

''کون سی بات؟'' وہ دونوں ساتھ ساتھ بیٹھ گئے۔

''صبح بھائی اور بابا کہہ رہے تھے کہ ایک دو دن تک کوئی ٹائم سیٹ کریں، ولیمے کے ریسپشن کا مگر سبین اس کے لئے ایگری نہیں ہیں۔'' وہ آہستہ سے بتانے لگا۔

''کیا مطلب؟ کیوں؟'' وہ حیران ہوا۔

''بس وہ ہی پیپل کونشس..... ڈرتی ہیں کہ لوگ کیا کہیں گے؟ کہہ رہی تھیں وہ فیس نہیں کر سکتیں۔'' عباس کا لہجہ افسردہ تھا۔

''تو تم انہیں سمجھاؤ نا۔''

''میں نے کوشش کی مگر.....'' وہ بات مکمل نہیں کر پایا۔

''صاف کہو نا عباس کہ وہ ٹیپیکل مڈل کلاس لوئر کمپلیکس کا شکار ہے۔'' رمشہ نے نخوت سے مداخلت کی۔

''مائنڈ یور لینگویج رمشہ۔'' عباس کا رنگ بدل گیا۔

''اڑے۔'' وہ طنزیہ ہنسی۔

''اس میں برا ماننے کی کیا بات ہے؟ سچ ہی کہا میں نے، اگر اس نے یونیورسٹی کی شکل بھی دیکھی ہوتی تو ڈیفنیٹلی اس کی Thinking کچھ اور ہوتی۔''

''جسٹ شٹ اپ رمشہ۔'' شاہ بخت سے برداشت نہ ہوا تھا، وہ غرا اٹھا تھا۔

''یو شٹ اپ تم سے بات کون کر رہا ہے؟'' وہ غصے سے بولی۔

''تم جیسی بدتمیز لڑکی سے میں بات کرنا بھی پسند نہیں کرتا۔'' وہ چیخ کر کہہ رہا تھا، رمشہ کو آگ لگ گئی۔

''تم ہوتے کون ہو مجھ سے اس طرح بات کرنے والے، خود کیا ہو تم، فضول انسان۔'' وہ حلق پھاڑ کر چلائی تھی، شاہ بخت کا جیسے دماغ ہی الٹ گیا اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا اس نے آگے بڑھ کر سیدھے ہاتھ کا ایک بھرپور تھپڑ رمشہ کے منہ پہ مارا تھا، وہ لڑکھڑا کر صوفے پر گری اور اس کی دلدوز چیخ پورے لاؤنج کو ہلا کر رکھ گئی۔

''تمہاری اتنی جرأت کہ تم مجھے گالی دو، تمہیں تو میں.....'' وہ دھاڑ رہا تھا، عباس نے یکدم اسے سختی سے جکڑ کر پیچھے ہٹایا تھا۔

''شاہ بخت کیا کر رہے ہو؟ پاگل ہوگئے ہو تم۔''

''چھوڑو مجھے، اسے میں گالی دینے کا مطلب سمجھاؤں ذرا، یہ سمجھتی کیا ہے اپنے آپ کو، جب چاہے جو چاہے بکواس کرتی پھرے اس کا تو میں دماغ ٹھکانے لگا دوں گا۔'' وہ خود کو چھڑا کر آگے بڑھا، لہجہ انتہائی بگڑا ہوا تھا۔

''ہاں ہاں میں دوں گی گالی، کیا کر لو گے؟ میرا منہ بند کروا لو گے؟'' وہ حلق کے بل چلا رہی تھی۔

''تم ہو گھٹیا بلکہ ذلیل، جاہل اور..... بے غیرت بھی ہو جبھی تو مجھ پہ ہاتھ.....'' اس بار وہ بات مکمل نہیں کر سکی تھی، شاہ بخت نے بے دریغ اسے دو تین طمانچے مارے اور شاید وہ مزید بھی لگا دیتا مگر عباس نے اسے دور کھینچ لیا۔

(باقی آئندہ ماہ)

سندس جبیں

نویں قسط

''بس کرو بخت، کیا ہو گیا ہے تمہیں، اتنا ہائپر ہونے کی کیا ضرورت ہے۔'' عباس کا رنگ اڑ گیا تھا۔

زیتون تائی ہکا بکا سی تھیں، جبکہ رمشہ روتی ہوئی باہر نکل گئی۔

''یہ کیا ہو رہا تھا؟'' وہ بلند آواز میں بولیں۔

''آپ کے سامنے ہی ہے، کس طرح بدتمیزی کر رہی تھی وہ، ذرا بھی تمیز نہیں اسے پڑھی لکھی جاہل۔'' شاہ بخت تنفر سے کہتا باہر نکل گیا، جبکہ عباس بے چارہ وہیں رہ گیا۔

''کیا ہوا تھا عباس؟'' وہ اس سے پوچھنے لگیں۔

''کچھ نہیں تائی امی میں اور بخت اپنی بات کر رہے تھے کہ درمیان میں رمشہ بولنے لگ گئی، بخت نے اسے منع کیا تو وہ اس کے گلے پڑ گئی،

ناولٹ

پتا ہی ہے، وہ کہاں برداشت کرتا ہے کسی کی بات، اس نے تھپڑ مار دیا، باقی کا تو آپ کو پتا ہی ہے آپ کے سامنے ہوا سب کچھ۔'' وہ خاموش ہو گیا۔

''سمجھ نہیں آتی، اس لڑکی کو کیا ہو گیا ہے، عجیب سی حرکتیں کرنے لگی ہے، پہلے وہ ریڈیو والا شوشہ چھوڑا تھا اب باپ کو تنگ کر رہی ہے کہ مجھے اسلام آباد سے ایم فل کرنا ہے بھلا بتاؤ کیا لاہور میں یونیورسٹیز نہیں ہیں۔'' وہ تھکی تھکی سی صوفہ پہ بیٹھ گئیں۔

''آپ اسے سمجھائیں تائی امی۔''

''کیا سمجھاؤں؟ وہ آمادہ بھی تو ہو، میں بھینس کے آگے بین کب تک بجاؤں، یہ لڑکی تو میرے لئے مسئلہ بنتی جا رہی ہے۔'' انہوں نے ہاتھ سر پہ رکھ لیا۔

عباس لاجواب سا ہو کر انہیں دیکھے گیا وہ تو اپنا مسئلہ ڈسکس کرنے آیا تھا مگر بات کسی اور ہی رخ پہ جانکلی تھی۔

"اب بتاؤ جب اس کے بابا اور بھائی پوچھیں گے تو کیا جواب دوں گی، باپ تو اس کا میرے پیچھے پڑ جائے گا کہ میں نے اس کی تربیت ٹھیک نہیں کی، میں کیا کروں؟ یہ پتا نہیں کیوں اتنی بے لحاظ ہوتی جا رہی ہے، اب کومل اور علینہ کو ہی لے لو، کیسی سلجھی ہوئی بچیاں ہیں، مجال ہے بھی بلند آواز میں بات بھی کی ہو۔" وہ کڑھ رہی تھیں۔

"آپ فکر مت کریں، انہیں کوئی نہیں بتائے گا۔" وہ تسلی دینے لگا۔

"کوئی نہ بتائے، وہ خود ہی بتا دے گی۔" وہ جل کر بولیں تو عباس ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔

☆☆☆

یہ کنچن بوری کا منظر تھا، وہی شاداب، سرسبز پہاڑی علاقہ جو کہ ٹورسٹ کے لئے بڑی کشش رکھتا تھا، نوفل اس وقت ایک ہٹ میں عائشہ کے ساتھ موجود تھا، اس کے کچھ آدمی اس ہٹ کی نگرانی کر رہے تھے جس میں ستارہ موجود تھی۔

کچھ دیر بعد وہ عائشہ کو اپنی گاڑی میں لے کر اس ہٹ کی طرف جا رہا تھا، کچھ دور اس نے گاڑی درختوں کے بیچ روک لی، اس کے اشارے پر اس کے آدمی حرکت میں آگئے، ہٹ میں صرف تین لوگ تھے، سب سے پہلا چوکیدار جو کہ نگرانی پہ معمور تھا، دوسری وہ ملازمہ اور تیسری ستارہ!

گارڈز نے بہت آسانی سے چوکیدار کو بے ہوش کر کے ایک طرف ڈالا اور دروازے کھول دیئے۔

نوفل نے اشارہ کیا تو عائشہ فوراً اتر کر اندر کی طرف بڑھ گئیں، برآمدے میں ہی انہیں ستارہ نظر آ گئی، وہ لپک کر اس کی طرف بڑھی تھیں، ستارہ نے حیرت سے آنکھیں کھول کر انہیں دیکھا، جیسے اسے اپنا وہمہ جان بیٹھی ہو۔

"ستارہ...... میری بہن...... تارہ......" وہ اس سے لپٹ گئیں۔

"آپی! آپ...... یہاں...... کیسے؟" وہ جیسے ابھی تک شاک میں تھی۔

"مجھے نوفل یہاں تک لایا ہے، چلو نکلو یہاں سے، کہیں کوئی آ نہ جائے، چلو ستارہ وہ باہر گاڑی میں ہے، چلو۔" ارد گرد کوئی نہیں تھا جبھی وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر لے گئیں، پتا نہیں وہ سارے آدمی اور ملازمہ کہاں غائب ہو گئے تھے مگر اس سے انہیں کیا سروکار ہو سکتا تھا؟ وہ باہر آئیں اور تیزی سے گاڑی کا بیک ڈور کھول کر پہلے ستارہ کو بٹھایا اور پھر خود بیٹھ گئیں۔

"دیکھو نوفل! ستارہ آ گئی، اب چلو۔" وہ خوشی سے چہک کر بولیں تھیں۔

ستارہ کی نظروں نے بے تابی سے ڈرائیونگ سیٹ پہ بیٹھے آدمی کو دیکھا تھا، اس نے گردن موڑی، وہ اجنبی نقوش کا حامل تھا۔

"سوری میم! سر تو جا چکے ہیں، میں آپ کو چھوڑ دوں گا۔" اس آدمی نے شستہ انگریزی میں کہا، پھر اس نے گاڑی سٹارٹ کر دی، ستارہ کو بے حد مایوسی ہوئی۔

"حیرت ہے ابھی تو ادھر ہی تھا، میں تمہیں کیا بتاؤں ستارہ، وہ کیسا ہے بس یوں سمجھو وہ انسان نہیں فرشتہ بنے ہمارے لئے وہ، کیا نہیں کیا اس نے؟" عائشہ فرط خوشی سے کہنے لگی۔

"آپی! آپ یہاں آئیں کیسے؟" اس نے بات بدلی۔

"بس ذرا تسلی سے بیٹھ لیں، پھر بتاتی ہوں تمہیں سب کچھ۔" وہ مسکرائی تھیں۔

کچھ دیر بعد وہ اسی طرز کے بنے ہوئے ایک اور ہٹ میں پہنچ گئیں، یہ وہی ہٹ تھا جہاں نوفل عائشہ کو لے کر آیا تھا۔

"میرے خیال میں نوفل ادھر ہی ہو گا۔" عائشہ اسے لے کر اندر کی طرف آ گئیں، ستارہ کی نظریں بے چینی سے ادھر اُدھر دیکھ رہی تھیں، مگر چند منٹ بعد جبکہ وہ سارا ہٹ دیکھ چکی تھیں، انہیں پتا چل گیا کہ وہ وہاں سے جا چکا تھا، ستارہ بجھ سی گئی۔

"میرے خیال سے وہ کسی کام سے گیا ہو گا، آ جائے گا۔" وہ بولیں۔

"آؤ...... بیڈروم میں چلو۔" وہ ستارہ کو لے کر بیڈروم میں آ گئیں، ستارہ کو ایسی کوئی خوش امیدی نہیں تھی کہ وہ آئے گا، وہ جانتی تھی کہ وہ اس سے ملنے سے کتراتا تھا، اس کا سامنا کرنا نہیں چاہتا تھا جبھی تو عین موقع پر وہ غائب ہو گیا تھا، وہ خاموشی سے بستر پہ دراز ہو گئی، عائشہ اس کے پاس بیٹھنے لگیں، پھر اٹھ گئیں۔

"میں چائے بنا کے لاتی ہوں، تم بھی ذرا ریلیکس ہو جاؤ، پتا نہیں کب سے وہاں تھی۔" وہ چلی گئیں۔

اور پیچھے اس کو تنہا چھوڑ گئیں، اس کے خیالوں اور یادوں سمیت، نوفل نے اپنا کہا سچ کر دکھایا تھا، اس ستارہ کو آزاد کرا لیا تھا، مگر وہ خود کہاں تھا، وہ مضطرب سی ہو کر اٹھ بیٹھی۔

کچھ دیر بعد عائشہ آ گئیں، چائے پیتے ہوئے دونوں بہنیں جب باتوں میں مصروف ہوئیں تو وقت گزرنے کا پتہ ہی نہ چلا۔

"پتا ہے ستارہ! اس کمینے مہروز نے پاکستان فون کر کے کہا تھا کہ تم گھر سے بھاگ گئی ہو، اف میرے اللہ بتا نہیں سکتی تمہیں میں کہ گھر میں کیا

عذر مچا تھا، بس یوں سمجھو کہ ہم جیتے جی مر گئے تھے۔ کچھ سمجھ ہی نہ آتی تھی کہ کیا کریں، کدھر جائیں کس سے مدد مانگیں، بس یوں لگتا تھا کہ ہم مسلسل اندھیرے میں ہیں، ایسے میں مہروز کی طرف سے بھیجا گیا طلاق نامہ، آہ کیسے بتاؤں کیا گزری ہم پہ، یہ تو نوفل، اللہ بھلا کرے اس کا، اسے لمبی زندگی دے، آسانیاں عطا کرے، اس کا احسان ہے ہم پر، ایک دن اس کا فون آیا، جب اس نے بتایا کہ وہ ستارہ کے بارے میں بات کرنا چاہتا ہے، تو مجھ سمیت سب کو سکتہ ہو گیا، ہم تو تم سے بدگمان تھے اور تمہیں رو چکے تھے مگر نوفل نے ہمیں ساری سچائی سے آگاہ کیا اور تب مت پوچھو اماں کا کیا حال تھا، اتنا رو رہی تھیں اور کہتی تھیں۔"

"تم میری بیٹی سے بدگمان تھے نا، دیکھو اس کی پاکیزگی ظاہر ہو گئی۔"

"پھر نوفل نے مجھ سے بات کی اور یہاں آنے کا کہا، میں تو اڑ کے آنا چاہتی تھی مگر کچھ قانونی رکاوٹیں تھی، میرا پاسپورٹ بننا تھا، کاغذات، ویزہ، ٹکٹ، کوئی ایک کام تو نہ تھا مگر ابا ہائے میرے پیارے ابا میں صدقے جاؤں کتنا ساتھ دیا، کتنی بھاگ دوڑ کی انہوں نے، کچھ نوفل بھی مدد کر رہا تھا اور یوں میں پندرہ دن کے وزٹ ویزے پہ یہاں آ گئی۔" وہ ذرا دیر کو رکیں۔

"آپ کو نوفل لینے گیا تھا؟"

"ہاں بالکل، یہ لمبی سی گاڑی میں، اس کی سج دھج دیکھنے کے قابل تھی، کیسا شاندار گھر ہے اس کا۔" وہ نوفل کی تعریفوں میں رطب اللسان ہو گئیں، ستارہ نے سر جھٹکا اسے اندازہ تھا کہ یہ سب اس کے مالکوں کا ہو گا۔

"اب تم مجھے بتاؤ، کیا ہوا تھا؟" انہیں اپنی بپتا سنانے سے فرصت ملی تو اس سے دریافت کرنے لگیں۔

"آپ کو نوفل نے نہیں بتایا؟"

"بتایا تھا مگر میں......" اس نے ان کی بات روک دی۔

"میں کچھ دیر سو جاؤں آپی!" وہ آزردگی سے کہتی ہوئی تکیے پہ سر رکھ کے سیدھی لیٹ گئی۔

"ہاں کیوں نہیں، مجھے خیال نہیں رہا سو جاؤ تم۔" وہ اس پہ کمبل درست کرکے اٹھ گئیں۔

☆☆☆

خالی شریانیں!!!

ہائے پیاس ہائے پیاس پکارتی ہیں
ایسے عالم میں
لگتا ہے آنکھیں خون سے بھر گئی ہیں
ہر روز رات بیمار ہو جاتی ہے
ہر روز دن مر جاتا ہے
خواہشوں اور آرزوؤں کی طرح ہم
دنیا کے کس کونے میں سر چھپائیں
کس گوشے میں پناہ ڈھونڈیں
لاشیں واویلا مچاتی ہیں
قبریں ہائے ہائے چلانے لگ جاتی ہیں
ایک قبرستان سے دوسرے قبرستان کا سفر
کتنا مفید ہو سکتا ہے
قبر بدل لینے سے
سزائیں تبدیل نہیں ہو جائیں گی

یہ قبر نما کمرہ، حیران کن ہی نہیں خوفناک بھی تھا، ایک چھوٹی اور تنگ سی راہداری نما جگہ تھی جس میں سیڑھیاں تھیں، دس گیارہ سیڑھیوں کے بعد منظر کھل جاتا تھا، یہ نیچی چھت والا کمرہ، جس کے ایک کونے میں الماری رکھی تھی لوہے کی اور دوسرے میں ایک سنگل بیڈ تھا، سامنے کے رخ پہ ایک کچن نما کارنر سیٹ تھا دو سیلپس جن میں سے

ایک پر سنک بنا تھا، دوسرے پر چولہا رکھا تھا اور یہ مختصر سی جگہ پر کچن کی ضرورت پوری کر رہی تھی، اسی رخ پہ چلتے ہوئے کمرے کے آخری کونے میں واش بیسن تھا اور ذرا اندر کو جا کر باتھ روم تھا۔

حبا خاموشی سے کمرے کے وسط میں کھڑی تھی، خاموش اور خوفزدہ اور حیران، ان کا سامان وسط میں دھرا تھا۔

"یہ کیا ہے اسید! یہ ہم کہاں آ گئے ہیں؟" اس نے سوال کیا، وہ کچھ بولے بغیر ایک طرف بنے واش بیسن کی طرف چلا گیا، قدرے جھک کر اس نے نل کھولا اور آستین کہنیوں تک فولڈ کر کے منہ دھونے لگا۔

"میں تم سے کچھ پوچھ رہی ہوں۔" وہ اس بار جھلا کے بولی، اسید نے خود پہ بے پناہ ضبط کرتے ہوئے سلوموشن میں نل بند کیا اور آستین سیدھی کرتا اس کی طرف پلٹ آیا۔

اب وہ دونوں آمنے سامنے تھے اور تب حبا نے اس کے بھیگے چہرے کو دیکھا اور اس پہ سجی ان دو حسین آنکھوں کو جو کہ بہت بدل چکی تھیں، ان آنکھوں کا تاثر آج ہمیشہ سے مختلف تھا، کیا تھا وہاں؟ نفرت، وحشت اور سب سے بڑھ کر اجنبیت، جس نے سب سے زیادہ حبا کو تکلیف پہنچائی تھی۔

"دو باتیں ہمیشہ یاد رکھنا حبا تیمور!"

"نمبر ایک:۔ دوبارہ مجھ سے سوال کرنے کی غلطی مت کرنا۔"

"نمبر دو:۔ آئندہ مجھے اس انداز میں مخاطب مت کرنا، رشتے بدل چکے ہیں، طرز تخاطب بھی بدل جانا چاہیے۔" اس کی آواز سے ساری نرمی اور شائستگی رخصت ہو چکی تھی، اب وہاں صرف تپش تھی اور کرختگی۔

حبا کسی تصویر کی مانند ساکت تھی، بے جان اور حیران اور خاموش بازی الٹ گئی تھی، وہ ناقابل یقین تھی، بھلا ایسے کیسے ہو سکتا تھا، اپنی زندگی کی یہ بازی تو اس نے سب کچھ داؤ پر لگا کر جیتی تھی، اسے تو ایک فیصد بھی یقین نہیں تھا کہ مرینہ اور تیمور اس کے کیے گئے ڈرامے سے متاثر ہو جائیں گے، بلکہ اس کا یقین کر لیں گے۔

دوسرے اگر وہ اسید کو قصوروار سمجھ لیتے تو یہ بھی ضروری نہیں تھا کہ وہ اس کے نکاح پہ آمادہ ہو جاتے، یہ تو سراسر اسید کی بے وقوفی کی وجہ سے اس کا کام بن گیا جس نے بڑے حقارت آمیز انداز میں کہا تھا کہ ان کی بیٹی کی غلطی کوئی نہیں بھلائے گا اور تیمور احمد کو یہی بات کلک کر گئی تھی اور انہیں کچھ اور سوچنے پہ مجبور کر گئی، اب اسید کی بدقسمتی کہ اس کی بات اس کے اپنے گلے کا پھندا بن گئی تھی۔

بہرحال جو بھی ہوا، اس سارے منظر نامے میں سب سے زیادہ فائدہ اس کا اپنا ہوا تھا، اس نے تو بس تھوڑا سا اوور ایکٹ کیا تھا اور باقی کام باقی لوگوں نے خود کر دیا، وہ خوش تھی بے انتہا خوش۔

اسے وہ مل گیا تھا، جس کے لئے وہ بے انتہا جدوجہد بھی کرتی تو نہ پا سکتی، وہ بے وقوف نہیں تھی جانتی تھی کہ کوئی جائز راستہ نہیں تھا، وہ کیا بتاتی اپنے باپ کو؟ کہ اسے اسید سے محبت ہے اور وہ اسے داماد کی حیثیت میں قبول کر لیں، جسے وہ بھی بیٹے کی حیثیت سے قبول نہ کر پائے تھے اسے علم تھا کہ اس مسئلے پہ وہ اپنی جان چھڑکتی ماں سے بھی کچھ کہہ نہ پائے گی۔

تو ثابت ہوا کہ راستہ بند تھا اور اس بند گلی سے نکلنے کے لئے اسے صرف ایک راستہ نظر آیا تھا جسے اختیار کرنے میں اس نے کوئی تامل نہ

برتا تھا، اس نے اندھا دھند اس "چور دروازے" کو اپنایا تھا اور اس کے لئے اسے زیادہ کچھ نہیں کرنا پڑا تھا، بس چند جھوٹ بولنے پڑے تھے، اپنی محبت کا الزام اسید کے سر دھرنا پڑا تھا اور چند آنسو بہانے پڑے تھے اور جیسے کوئی جادو ہو گیا تھا۔

سب کچھ بدل گیا، سارا منظر نامہ اور پل میں سب کچھ اس کی مٹھی میں آ گیا۔

اس نے اسید مصطفیٰ کو حاصل کر لیا تھا، مگر اب؟ یہ کیا ہونے جا رہا تھا؟؟؟

"میں نے تمہیں حاصل کر لیا ہے اسید مصطفیٰ! اب تم میرے ہو، میری شناخت بدل گئی ہے، اب میں "حبا اسید" ہوں، میرے نام کے آگے تمہارا نام ہے، مجھے ڈر ہے یہ خوشی میری جان نہ لے لے، ابھی تو میں نے تمہارے لمس اور ذائقہ بھی نہیں چکھا، تمہارے آرٹسٹک ہاتھ، تمہاری آنکھیں اور بھورے بال اور تم خود، میرا دل چاہتا ہے میں تمہیں اپنی ذات کے اندر تحلیل کر لوں اور ایک بات یاد رکھنا، تم میری والین و آخری خواہش ہو، اگر کسی نے کچھ غلط کرنے کی کوشش کی تو میں جان سے گزر جاؤں گی۔" اس کے اندر یہ سوچ پختگی اختیار کرتی جا رہی تھی۔

☆☆☆

طے یہ پایا تھا کہ سبیلہ بیگم اپنے چند خاص رشتہ داروں کے ساتھ آئیں گی اور ولیمہ کی رسم مختصراً انجام دے دی جائے گی جس کے بعد وہ سبین کو لے کر اپنے گھر چلی جائیں گی۔

بادل نخواستہ ہی سہی مگر سبین نے اس پلاننگ سے اختلاف نہیں کیا تھا، جس کے نتیجے میں "مغل ہاؤس" میں ڈنر دیا گیا اور سبین کے ساتھ عباس بھی ان کی والدہ کے گھر چلا گیا، سبین آج ایک کامدار لونگ شرٹ اور کھلے فلیپر میں تھی، جس میں بلاشبہ وہ بے حد پیاری لگ رہی تھی، عباس آج شلوار قمیض میں ملبوس تھا، جب وہ لوگ گھر پہنچے تو رات کی تاریکی اپنے ابتدائی حصے میں داخل ہو چکی تھی، عباس اندر آ کر بے تکلفی سے صوفہ پہ براجمان ہو گیا، شرمین فوراً اس کے پاس آ گئی۔

"بھائی! چائے لاؤں۔"

"ضرور۔" وہ مسکرایا تھا۔

سبین اندر کہیں تھی، جبکہ خالہ جان اپنے مہمانوں کو رخصت کر رہی تھیں، کچھ دیر بعد وہ چائے لے کر آ گئی، عباس نے چائے ختم کی تو خالہ جان آ گئیں۔

"عباس! بیٹے تم خوش ہو نا؟" وہ پوچھنے لگیں اور اس کا پس منظر اب عباس سے پوشیدہ تو نہ تھا، جبھی وہ بہت جاندار طریقے سے مسکرایا تھا۔

"جی خالہ! میں بہت خوش ہوں۔"

"تمہیں سبین سے کوئی شکائیت تو نہیں؟" وہ خدشات واوہام میں مبتلا تھیں۔

"وہ اتنی اچھی ہیں کہ مجھے ان سے کوئی شکایت ہو ہی نہیں سکتی۔" وہ بہت سکون سے بولا، ان کے چہرے کی رنگت قدرے بحال ہو گئی تھی۔

"جیتے رہو، خوش رہو۔" وہ دعائیں دیتی اٹھ گئیں۔

"وہ...... بھائی! آپی آپ کو بلا رہی ہیں۔" شرمین نے اسے کہا تو وہ سر ہلاتا ہوا اٹھ کر اس کے پیچھے چلا گیا۔

وہ ایک بیڈ روم میں چلی گئی، عباس اندر داخل ہوا تو زمین کو بھی وہیں پایا، سبین الماری کے آگے کھڑی تھی، کمرے کی سیٹنگ قدرے انٹیک سٹائل تھی، بھاری پردے، براؤن بڑے بڑے ڈیزائن والا فرنیچر اور جہازی سائز نواڑی پلنگ، جس پر نقش نگاری کا خوبصورت کام تھا۔

"عباس! میں چاہ رہی تھی کہ آپ چینج کر

لیں۔" سبین نے الماری سے ایک ہینگ شلوار قمیض نکال کر تھمایا تھا، عباس اس کے طرز تخاطب پہ چونکا تھا، وہ اسے آپ کیوں کہہ رہی تھی، شاید اپنی بہنوں کے سامنے، اس نے خود سے سوچا۔

"یہ سوٹ امی نے بنوایا ہے آپ کے لئے۔" وہ اس کے ہاتھ میں موجود سرمئی شلوار کرتا کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔

"اوکے زمین! مجھے باتھ روم کا رستہ دکھا دیجئے۔" وہ شائستگی سے بولا۔

"جی آیئے میرے ساتھ۔" وہ سر ہلاتی ہوئی آگے بڑھ گئی، تعمیراتی لحاظ سے یہ گھر پرانی وضع کا تھا جبھی باتھ رومز اور واش رومز الگ الگ بنے ہوئے تھے، کیونکہ وضع دار گھرانے اس بات کو معیوب سمجھتے کر یہ خیال کرتے تھے کہ سونے والے کمروں کے ساتھ باتھ رومز بنوائے جائیں۔

بات یہاں سے شروع ہوئی تھی کہ جب تقسیم کے بعد سبیلہ اور نبیلہ بیگم کے دادا حضور پاکستان آئے تو انہیں سرکاری الاٹمنٹ میں تین منزلہ گھر ملا، جسے انہوں نے صرف اس وجہ سے قبول نہ کیا کہ واش رومز گھر کے اندر بنے ہوئے تھے، "مغل ہاؤس" کا معاملہ بالکل الگ تھا، اس کی تعمیر میں قدیم اور جدید کا حیرت انگیز ملاپ تھا، جو کہ بڑوں اور نوجوان نسل کی مشترکہ کاوش کا نتیجہ تھا۔

عباس لباس تبدیل کر کے لوٹا تو سبین کو بیڈ پہ اضطرابی حالت میں پاؤں نیچے لٹکا کر بیٹھا دیکھا، حیران سا آگے بڑھا تھا۔

"آپ نے چینج نہیں کیا، کیوں؟" عباس نے استفسار کیا، سبین نے سر اٹھا کر الجھی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا اور پھر سر نیچے گرا لیا، وہ اس کے برابر بیٹھ گیا۔

"کیا بات ہے سبین؟"

"صبح رشتہ اور بخت کے درمیان کیا ہوا تھا؟" وہ پوچھ رہی تھی، عباس سیدھا ہو کر بیٹھ گیا، یعنی معاملے کی بن گن اسے مل چکی تھی۔

"وہ ان کی آپس کی کوئی بات تھی۔" عباس نے مناسب سمجھا کہ لاعلمی کا اظہار کر دے، اس کے جواب پر سبین نے بہت رنجیدگی سے اسے دیکھا تھا۔

"وہ ان کے آپس کی بات نہیں تھی، وہ میری بات تھی عباس!" وہ آزردگی سے بولی۔

"کیا مطلب؟ کیا کہنا چاہتی ہیں آپ؟"

"کچھ نہیں۔" وہ چند لمحے خاموش رہی، پھر سر اٹھایا تو چہرے پہ موجود رنجیدگی مزید بڑھ چکی تھی۔

"آپ کس طرح لاعلم ہو سکتے ہیں عباس؟ ہماری بات آپ کے سامنے ہی تو ہوئی تھی۔" عباس شپٹا سا گیا مگر فوری بات بدل گیا۔

"یہ آپ مجھے ایسا کیوں مخاطب کر رہی ہیں؟" وہ دانستہ شوخی سے بولا۔

"یہی سوال میں آپ سے بھی کر سکتی ہوں۔" اس کا لہجہ سادہ سا تھا۔

"بڑی سالڈ ریزن ہے میرے پاس، مجھے اچھا لگتا ہے۔" وہ گہری مسکراہٹ کے ساتھ بولا، سبین یکدم جھاگ کی مانند بیٹھ گئی۔

"آپ کے پاس کیا ریزن ہے؟" وہ اسے چھیڑ رہا تھا، یقیناً وہ اس کا جواب بھی یہ سننا چاہتا تھا، سبین چند لمحے خاموش رہی۔

"آپ کا احترام کرنا مجھ پر فرض ہے۔" دھیما لہجہ، عباس نے بے ساختہ ہلکا سا قہقہہ لگایا۔

"ویری گڈ، میں آپ کا مجازی خدا ہوں اس لئے۔" وہ پھر ہنسا۔

"چلیں یہ بتائیں کہ اور کیا کیا فرض ہے آپ پہ۔" وہ اب لازماً اسے تنگ کر رہا تھا۔

''جو آپ کہیں۔'' اس کا لہجہ بڑا تابعداری لئے ہوئے تھا۔

''جو بھی...... ہوں......'' وہ سوچ میں پڑ گیا، مگر اسے ایسا کوئی حکم یاد نہ آیا جو وہ سبین کو یہ ثابت کرنے کے لئے دے سکتا کہ وہ ایک حاکمیت پرست شوہر ہے۔

''دیکھیں ذرا، اتنا اچھا موقع ہے میرے پاس آپ سے اپنی باتیں منوانے کا مگر افسوس مجھے کچھ یاد نہیں آ رہا۔'' وہ بے چارگی سے بولا۔

''آپ بڑی خوبصورتی سے مجھے میری بات سے ہٹا رہے ہیں۔'' سبین سنجیدگی سے بولی۔

''خوبصورتی سے یاد آیا کہ اس وقت آپ بہت خوبصورت لگ رہی ہیں۔'' وہ مسکرایا اور سبین کا ہاتھ تھام لیا۔

''عباس! پلیز۔'' اس نے احتجاجاً ہاتھ کھینچ لیا۔

''آخر آپ اس بات کو کیوں کر لینا چاہتی ہیں؟'' وہ جھلا سا گیا۔

''کیوں کہ وہ سب مجھے رمشہ نے خود بتایا تھا۔'' وہ بھی تلخی سے بولی، عباس دم بخود رہ گیا۔

''کیا مطلب؟''

''آج وہ آئی تھی میرے کمرے میں اور اس نے صاف الفاظ میں مجھے باور کروایا کہ بخت نے صرف میری وجہ سے اس پہ ہاتھ اٹھایا اور یہ کہ میں......'' وہ روہانسی ہو کر رک سی گئی، پھر بڑے عجیب سے لہجے میں بولی تھی۔

''اگر میں آپ کے طبقے سے تعلق نہیں رکھتی تو اس میں میری کیا غلطی ہے؟ مگر غلطی تو یہ ہے کہ میری کہ میری شادی آپ سے ہوگئی، اگر میں نے یونیورسٹی کی شکل نہیں دیکھی تو اس میں بھی میری غلطی ہے، میرا باپ نہیں تھا عباس، میں یتیم ہوگئی تھی بڑی کم عمری میں، میری ماں نے گریجویشن کس طرح کرنے دیا مجھے، یہ میں ہی جانتی ہوں، میرا بھائی بھی نہیں تھا جو مجھے پروٹیکشن دے سکتا، کتنے خوف تھے ہماری زندگی میں؟ جس گھر میں کوئی مرد نہ ہو عباس، اس کا کرب صرف وہی جان سکتا ہے جو اس تجربے سے گزرتا ہو، میری بھی زندگی میں خواب تھے، میں بھی آگے پڑھنا چاہتی تھی میں نے بی اے تک ایجوکیشن حاصل کی تھی، میں اسپیشل ایجوکیشن میں ماسٹرز کرنا چاہتی تھی، گونگے بہرے لوگوں کی تعلیم، میں ان کے احساسات سمجھنا چاہتی تھی مگر خدا کا شکر ہے میں نے یہ کر نہیں لیا، پتا ہے کیوں؟'' وہ روتے روتے سر اٹھا کر پوچھنے لگی، عباس کے چہرے پہ سکوت طاری تھا۔

''جب ہم زندہ سلامت، مکمل اعضاء والے لوگوں کو نہیں سمجھ سکتے، تو نامکمل لوگوں تک جانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، میں ایسے ہی خوش ہوں مطمئن ہوں، میں جیسی ہوں ویسی ہی ٹھیک ہوں۔'' وہ مضبوطی سے کہہ رہی تھی ساتھ ساتھ الٹے ہاتھ کی پشت سے گال صاف کر رہی تھی، عباس کے اندر اتھاہ ندامت اترنے لگی۔

''سبین! میں...... میرے پاس الفاظ نہیں ہیں، میں کوئی تسلی کوئی دلاسہ بھی نہیں دے سکتا، میں آپ سے بے حد شرمندہ ہوں، میں آئی ایم رئیلی سوری سبین۔'' اس سے مزید بولا نہ گیا، وہ بے انتہا دکھی ہوا تھا۔

''اس میں آپ کا کیا قصور ہے؟ آپ کیوں سوری کر رہے ہیں؟''

''آپ اس بات کو بھول جائیں، میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ دوبارہ ایسی کوئی بات نہیں ہوگی۔'' اس نے یقین دلانا چاہا۔

''بات یہ نہیں ہے عباس! دکھ تو اس بات کا ہے کہ میں ہائی کوالیفائڈ نہیں ہوں اور اگر کسی دوسرے کے متعلق اس قسم کے خیالات کا اظہار کروں تو شائد مجھے یہ چھوٹ مل بھی جائے کہ ہاں اگر پڑھی لکھی ہوتی تو نہ کرتی، مگر رمشہ اس نے یہ بات کر کے اپنے آپ کو چھوٹا ثابت کیا ہے، میں کمپلیکسز کی ماری ہوں یا نہیں، مگر وہ ضرور ہے۔'' وہ سر جھٹک کر بولی۔

چند لمحوں کے لئے دونوں کے درمیان مزید کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔

پھر سبین اٹھی اور کپڑے تبدیل کرنے کے خیال سے باہر نکل گئی، جب اچھی طرح منہ ہاتھ دھونے کے بعد وہ لوٹی تو عباس ہنوز اسی پوزیشن میں بیٹھا تھا۔

''ایسے کیوں بیٹھے ہیں، لیٹ جائیں۔'' وہ چونک کر سیدھا ہوا پھر سر ہلاتا ہوا پیچھے ہٹ کر بیڈ کراؤن کے ساتھ سر ٹیک لیا۔

سبین نے تیز روشنیاں بجھا کر نسبتاً کم روشنی کا دودھیا بلب جلا دیا پھر کمبل کھول کر عباس کی ٹانگوں پہ ڈالا اور خود بھی بیڈ پہ بیٹھ گئی، ماحول میں کچھ عجیب سا سناٹا اور کشیدگی تھی۔

سبین نے دو تین بار اس کی طرف دیکھا مگر کچھ کہہ نہ سکی کہ اتنی بے تکلفی کب تھی اس کے ساتھ۔

ایک دم سے عباس کا فون جاگ اٹھا، وہ ہڑبڑا کر سیدھا ہوا تھا، اسکرین دیکھی تو بھائی کی کال تھی۔

''السلام علیکم بھائی!''

''علیکم السلام! کیسے ہو عباس یار، یہ گردیزی گروپ کی فائل بہت پرابلم کر رہی ہے اور چند دنوں تک ان کے ساتھ فائنل میٹنگز ہیں، بخت کہیں اور مصروف ہے، میں کیا کروں؟'' وہ خاصی بے چارگی سے کہہ رہے تھے۔

''آپ فکر مت کریں بھائی! میں صبح آ جاؤں گا۔''

''ارے نہیں یار! تمہارے سسرال کا معاملہ ہے۔'' انہوں نے ٹوکا۔

''ایسی بھی بات نہیں ہے بھائی، میں آفس آ جاؤں گا پھر وہیں ڈسکس کر لیں گے، ٹھیک ہے۔''

''ہاں یہ ٹھیک رہے گا، تم چند گھنٹوں کے لئے آ جانا تو اس کو فائنل کر لیں گے۔''

''جی ٹھیک ہے یہ بخت کدھر ہے؟''

''ہا...... کیا پوچھ لیا تم نے سخت موڈ آف ہے اس کا گھر سے نکلا ہوا ہے موبائل بھی بند کر رکھا ہے۔'' وہ سخت پریشان تھے۔

''کیوں؟'' وہ حیران ہوا۔

''وہی معاملہ یار...... صبح جو ہوا، اب تمہیں پتا ہی ہے کہ رمشہ کہاں سہارتی ہے اس کی بات، بس اچھا خاصا تماشا بنا آج تم لوگوں کے جانے کے بعد، طارق چاچو سے سخت ڈانٹ پڑی بخت کو۔''

''یہ تو غلط بات ہے، بدتمیزی تو رمشہ نے شروع کی تھی۔'' عباس کو بے حد غصہ آیا۔

''ہاں میں مانتا ہوں بابا بھی یہی کہہ رہے تھے مگر یار! چاچو کو اس بات کا غصہ تھا کہ اس نے رمشہ پہ ہاتھ کیوں اٹھایا۔'' وہ بتانے لگے۔

''اچھا سنو، سبین کیسی ہے تم خوش ہو نا؟''

''جی۔'' اس نے یک لفظی جواب دیا، وہ ٹھٹک گئے۔

''مطلب؟ اتنا مختصر جواب، کیا بات ہے؟''

''کچھ نہیں بس یہی رمشہ والی بات۔''

''کیا مطلب اس بات کا سبین کو کیسے پتا چلا؟''

''رمشہ خود بتا کر گئی تھی انہیں بلکہ جتا کر بھی گئی تھیں کہ بخت نے ان کی وجہ سے اس پہ ہاتھ اٹھایا ہے۔'' وہ خلاف مزاج طنز کر گیا۔

''اوہ میرے خدا! یہ لڑکی اس کو واقعی جوتے لگنے چاہئیں، حد ہے اتنا سطحی کیسے سوچ سکتی ہے؟ وہ اور ہم مرے جا رہے ہیں اس کوشش میں کہ سبین کو خوش رکھ سکیں اور وہ بدتمیز اور خود سر لڑکی سب الٹ رہی ہے۔'' وہ بھڑک سے گئے تھے، سبین کے معاملے میں ایک بار پہلے بھی کوتاہی کا نتیجہ بے حد بھیانک نکلا تھا، اب وہ قطعاً ایسا نہیں چاہتے تھے، جبھی ان کے انداز میں بہن کے لئے کوئی رعائیت نہ تھی۔

''خیر جانے دیں اس بات کو۔'' عباس نے ٹالنا چاہا۔

''تم میری سبین سے بات کرواؤ۔'' انہوں نے کہا تو عباس نے فون اس کی طرف بڑھا دیا جو یکطرفہ بات چیت سے معاملے کا متن تو بوجھ چکی تھی۔

''السلام علیکم بھائی!'' اس نے کہا۔

جواباً وہ اس نے دیر تک معافی مانگتے رہے، سبین بے ساختہ شرمندہ سی ہو گئی۔

''اس میں آپ کی کیا غلطی ہے بھائی؟''

''نہیں سبین ہم بڑے ہیں اس معاملے کو دیکھ لیں گے، مجھے یقین ہے کہ تم رمشہ کی یہ نادانی کھلے دل سے بھلا دو گی۔''

''جی بھائی، بالکل۔'' اس نے مسکرا کر کہا، کچھ دیر مزید بات کرنے کے بعد وقار کا فون بند ہو گیا، سبین نے موبائل اس کی طرف بڑھایا تو ابھی تک مسکرا رہی تھی، کیوں نہ ہوتی کہ وقار نے اسے رشتوں کا مان ہی ایسا بخشا تھا۔

''موڈ ٹھیک ہو گیا جناب کا؟'' عباس نے فون تھامتے ہوئے کہا، سبین جھینپ سی گئی۔

''جی ہو گیا۔''

''اب میرا بھی موڈ ٹھیک کریں۔'' عباس نے فرمائش کی۔

''بولیں کیا خدمت کی جائے آپ کی؟'' وہ ہنس دی۔

''ہم خدمت کرنے والوں میں سے ہیں لینے والوں میں سے نہیں۔'' وہ معنی خیزی سے مسکرایا اور دایاں بازو، پھیلا کر اسے قریب کر لیا۔

☆☆☆

یہ آفس کا روایتی سا منظر تھا، شاہ بخت ابھی ابھی آفس آیا تھا، رات دیر سے گھر آنے کے بعد وہ صبح چار بجے کے قریب سویا تھا اور اسی حساب سے صبح بارہ بجے کے قریب اٹھا تھا، اس وقت دن کا ایک بج رہا تھا، ابھی وہ بیٹھا ہی تھا کہ وقار نے اسے اپنے کمرے میں کال کر لیا۔

وہ اٹھا اور باہر نکل آیا، وقار کے کیبن میں گیا تو انہیں ادھر سے ادھر چکر لگاتے پایا۔

''آپ نے بلایا تھا بھائی۔'' بخت نے کہا۔

وقار نے رک کر اسے دیکھا اور جن نظروں سے دیکھا اس کو ہلا کر رکھ دیا، ان نظروں میں اجنبیت تھی، خشونت تھی غصہ تھا، وہ چند لمحے اسے دیکھتے رہے، بخت کے اندر جیسے کوئی گھنٹی سی بج اٹھی۔

''کیا بات ہے؟ آپ ایسے کیوں دیکھ رہے ہیں؟'' وہ بولا، وقار جواب دیئے بغیر اپنی آفس ٹیبل تک گئے، وہاں براؤن پیپر میں لپٹا ہوا کچھ پڑا تھا، پارسل کھلا ہوا تھا جبھی انہوں نے اس کے اندر سے کچھ نکالا اور وہیں کھڑے کھڑے پوری قوت سے شاہ بخت کی طرف اچھالا، وہ بھاری جلد کا کوئی میگزین تھا جو تیز رفتاری سے اڑتا ہوا آیا اور شاہ بخت کے منہ پہ لگا اور پھر اس کے پیروں میں گر گیا۔

''تو یہ کرتے پھرتے ہو تم؟'' ان کی آواز میں زہر تھا، بخت نے زرد رنگت کے ساتھ اپنے پیروں میں گرے ہوئے میگزین کو دیکھا جس کا سرورق خون سے بھیگ رہا تھا اور یہ خون اس کی ناک سے بہہ رہا تھا، یقیناً ناک کے اندر چوٹ آئی تھی۔

مگر وہ اسی طرح بے حس و حرکت نیچے دیکھ رہا تھا اور خون قطرہ قطرہ بوند بوند اس سرورق کو داغ دار کر رہا تھا۔

''یہ کرتے پھرتے ہو تم اور میں مرا جاتا ہوں اس بات کو لے کر کہ کوئی بات میرے بخت کے خلاف مزاج نہ ہو جائے، اس کی کوئی خواہش ایسی نہ ہو جو میں پوری نہ کر سکوں، اس لئے صرف اس لئے تم نے ناجائز فائدہ اٹھایا، ہے نا شاہ بخت!'' ان کے لہجے میں شدید کاٹ تھی، شاہ بخت نظریں جھکائے ہونٹ بھینچے کھڑا تھا

''ارے اس طرح نظریں جھکائے کیوں کھڑے ہو؟ ابھی تو تمہاری مردانگی کا ایک اور کارنامہ ہے میرے پاس۔'' اب وہ آفس ٹیبل کی دراز سے کچھ نکال رہے تھے اور پھر وہ بھی انہوں نے حسب سابق اس کی طرف اچھال دیا۔

اس بار شاہ بخت کا رنگ مزید فق ہو گیا یہ اس کا سگریٹ کیس اور لائٹر تھا، اس کی پیشانی تر ہو گئی۔

''ارے اتنا شرمندہ کیوں ہو رہے ہو؟ آج تم بہت بڑے ہو گئے تم، اپنے فیصلے خود لینے لگے ہو، باتوں کو پوشیدہ رکھنا آ گیا ہے تمہیں، اسموکنگ کرنے لگے ہو ...... اور......'' وہ سخت ناراضگی سے اور طنزیہ ٹون میں بات کر رہے تھے۔

''بھائی پلیز!'' شاہ بخت نے پہلی بار انہیں ٹوکا تھا۔

''جسٹ شٹ اپ۔'' انہوں نے بخت کو کالر سے پکڑ کر زور سے جھٹکا دیا۔

''دل تو چاہ رہا ہے تمہارا منہ تھپڑوں سے اڑا دوں مگر مجبوری یہ ہے کہ تم مجھے بہت پیارے ہو اور کوئی اپنی پیاری چیز کو نقصان نہیں پہنچا سکتا خواہ وہ چیز اسے کتنی ہی تکلیف دے۔'' وہ چلائے تھے پھر اسے یونہی کالر سے پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے باتھ روم میں لے گئے، بیسن کا نل کھولا اور اس کا سر پانی کے نیچے کر دیا

شاہ بخت نے خاموشی سے آگے بڑھ کر دونوں چیزیں اٹھائیں اور باہر نکل آیا، اسے پتا تھا کہ فی الوقت وقار کسی قسم کی وضاحت سننے کے موڈ میں نہ تھے اور اگر وہ ایسا کرنے کی کوشش کرتا تو لازماً ان کے غصے کو مزید ہوا ملتی، جبھی اس نے اس وقت خاموشی ہی بہتر جانی تھی، اپنے روم میں آ کر اس نے سگریٹ کیس اور لائٹر کو دراز میں ڈال دیا اور میگزین اپنے سامنے ٹیبل پہ رکھ دیا، پھر ٹشو لے کر اس کے ٹائٹل کو صاف کرنے لگا، صاف کرنے کے بعد اس نے ٹشو ڈسٹ بن میں پھینکا اور میگزین پہ نظر دوڑائی۔

یہ نیویارک کی معتلی فیشن میگ تھا اور اس کا ٹائٹل خاصا جاذب نظر اور دلکش تھا۔

سیاہ شاندار تھری پیس میں ایک ہاتھ پینٹ کی جیب میں ڈالے دوسرا ہاتھ اپنی کو ماڈل کی کمر کے گرد حمائل کیے، وہ بڑے ذی شان اور باوقار انداز میں کھڑا تھا۔

اس کے ساتھ نیسنی مالکم تھی نیویارک کی ٹاپ کلاس ماڈل، وہ اس وقت ایک ریڈ میکسی میں ملبوس تھی، سیاہ و سرخ کا یہ امتزاج بڑا شاندار اور باکمال لگ رہا تھا، سب سے زیادہ قابل نظر چیز شاہ بخت کی شہد رنگ کی آنکھیں تھیں جنہیں خاص

طور پر فوکس کیا گیا تھا اور اس وقت ان آنکھوں کا تاثر بڑا ساحرانہ تھا، جن سے غرور بے نیازی اور شان استغنا چھلک رہے تھے۔

اس نے ایک طویل سانس لے کر کرسی کی پشت سے ٹکا دیا، اسے پتا تھا کہ اس کا ٹائٹل واقعی قابل دید تھا مگر اندر کچھ بھی ایسا نہ تھا جو قابل ذکر اور دید ہوتا اور وہ یہ بھی جانتا تھا کہ وقار کے اصل غصے کی وجہ بھی یہی اندرونی صفحات تھے، اس نے ہونٹ چباتے ہوئے تیزی سے صفحات پلٹے اور چند لمحوں کے لئے ٹھٹک گیا، سب کچھ اس کی توقع سے بڑھ کر تھا، بدترین یا شاندار؟ اس کا فیصلہ تا حال باقی تھا مگر اس کے نینسی نالکم کے ساتھ دیئے گئے پوز اور اسٹیپس واقعی بولڈ اور خطرناک تھے اس نے سر جھٹک کر میگزین بھی دراز میں ڈال دیا۔

سائیڈ پہ رکھا پانی اٹھایا اور پانی پینے لگا، اگلے چند لمحے اس نے یہ سوچنے میں گزار دیئے کہ اسے وقار سے کن لفظوں میں بات کرنا تھی؟ انہیں کیا وضاحت دینا تھی، ان سے مزید کیا فیورز لینا تھیں، ایسے کون کون سے جھوٹ تھے جو ابھی وہ ان سے مزید بول سکتا تھا؟ وہ جیسے اپنی چیک لسٹ پوری کر رہا تھا۔

غلطی اس سے یہ ہوئی تھی کہ اس نے نیویارک ایجنسی کو اپنے آفس کا پتا دے دیا تھا اس کا خیال تھا کہ پارسل بہر حال اسی کے پاس آئے گا مگر اتفاق سے وہ وقار کے روم میں رکھا گیا، یہ بھی اتفاق ہی تھا کہ وقار نے اسی وقت اس کا نوٹس لے لیا تھا، یہ ایک مزید اتفاق تھا کہ اس کا سگریٹ کیس ان کے ہتھے چڑھ گیا تھا، مگر حیرانی کی بات تو یہ تھی کہ کیسے؟ وہ بہت کم اس کے کمرے میں آتے تھے اور وہ خود بھی لاپرواہ نہیں تھا تو پھر لازمی بات تھی کہ کسی اور کے توسط سے یہ ان تک پہنچا تھا آخر وہ کون تھا؟

وہ سوچ سوچ کر الجھ رہا تھا، کچھ رات بابا کے ہاتھوں ہونے والی عزت افزائی کی وجہ سے موڈ پہلے ہی سخت خراب تھا، مستزاد وقار کی ناراضگی اور غصہ اس کا دماغ گھومنے لگا۔

وہ کچھ دیر انتظار کے بعد اٹھا اور وقار کے کمرے کی طرف بڑھ گیا، وہ اندر داخل ہوا تو انہیں فون پہ محو گفتگو پایا۔

وہ ایک طرف کھڑا ہو کر ان کے فارغ ہونے کا انتظار کرنے لگا۔

''اگر تم معافی مانگنے آئے ہو تو یہ فضول ہے، مجھے تمہارے ایکسکیوز کی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ فون رکھنے کے بعد اس کی طرف دیکھے بغیر بولے اور سامنے پڑی فائل کھول لی۔

''آپ اتنے قدامت پسند ہو رہے ہیں بھائی!'' وہ سپاٹ انداز میں بولا تھا۔

وقار کو اس کی بات کسی چابک کی طرح لگی تھی، وہ بے ساختہ اپنی جگہ سے کھڑے ہو گئے۔

''میں...... میں قدامت پسند ہو رہا ہوں؟ میں؟'' وہ بے یقینی سے اپنی انگلی خود پہ اٹھائے پوچھ رہے تھے۔

''گڈ...... ویری گڈ شاہ بخت! تو تمہارے نزدیک لبرٹی کیا ہے، یہ کہ اگر میں اس شرٹ کو اتار کر ایک طرف پھینک دوں، اپنی عزت اور حیا کے لبادے کو خود سے الگ کر کے ایک غیر محرم...... غیر مسلم لڑکی کے ساتھ اس کی بانہوں میں بانہیں ڈال کر کھڑا ہو جاؤں اس کے کندھے سے کندھا جوڑ کر اس کے گال سے گال ملا کر تصاویر بنواؤں تو پھر میں لبرل کہلاؤں گا، ہوں یہ ہو گی لبرٹی؟ اور اگر میں سب کے اعتماد کو دھوکہ دے کر سگریٹ نوشی کرتا پھروں، ٹھیک ہے، نا یہ لبرٹی ہے؟'' وہ تحقیر و استہزاء سے کہہ رہے تھے، شاہ بخت نے تنک کر انہیں دیکھا۔

''آخر ایسا کیا کر دیا میں نے؟ صرف اسموکنگ ہی تو کر رہا ہوں، آج کل لڑکے کیا کچھ کرتے پھرتے ہیں اور میں......'' وہ جھنجھلا کر کہہ رہا تھا جب وقار کے زوردار تھپڑ نے اسے خاموش کروا دیا، شاہ بخت کا رنگ دہک اٹھا تھا، وائے قسمت اسی وقت دروازہ کھول کر عباس اندر داخل ہوا تھا اور اس کی نظر براہ راست اسی سین پہ پڑی تھی وہ ہکا بکا رہ گیا۔

وقار اور شاہ بخت پہ ہاتھ اٹھا رہے تھے، اسے یقین ہی نہ آیا، اس نے تیزی سے اپنے پیچھے دروازہ بند کر دیا، مبادہ کوئی ورکر دیکھ ہی نہ لے۔

''بھائی یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟'' عباس حواس باختہ سا اس کے قریب آ کے بولا، مگر وہ دونوں اس کی طرف متوجہ نہ تھے۔

''دوسرے لوگوں کی بات کرتے ہو، ڈوب مرو شرم سے، جانتے ہو دوسرے لوگوں کو، جو اتنے دھڑلے سے ریفرنس دے رہے ہو، پتا بھی ہے تمہیں کہ کیا کہہ رہے ہو، کچھ اندازہ نہیں ہے تمہیں۔'' وقار اس کا شانہ سختی سے جھنجھوڑتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

''کیا نہیں ہے تمہارے پاس، کس چیز کی کمی ہے تمہیں، گھر نہیں ہے تمہارا، گھر والے نہیں ہیں، بہن بھائی نہیں ہیں، رشتے نہیں ہیں، پیسہ نہیں ہے، کیا نہیں ہے تمہارے پاس۔'' وقار کا لہجہ فزوں تر ہوتا گیا۔

''اس طرح کی حرکتیں پتا ہے کون لوگ کرتے ہیں، جن کے پاس مسائل کے انبار کے ہوتے ہیں، جن کی ساری زندگیاں غربت کی چکی تلے پستے گزر جاتی ہیں پتا ہے کون سے لوگ جن کی شنی بھی غلط لوگوں میں ہوتی ہے، احساس کمتری سے بھرے لوگ کرتے ہیں اسموکنگ جن کو خود میں کمیاں نظر آتی ہیں اور تم مقابلہ کرنے چلے ہو اپنا ایسے لوگوں سے؟'' وہ مسلسل غصے میں تھے۔

شاہ بخت کے ہونٹ سختی سے بھینچے ہوئے تھے، نظریں جھکی ہوئی تھیں اور مٹھیاں بند تھیں، عباس کے سامنے اتنی تذلیل کا تصور بڑا قاتل تھا۔

''زبان کاٹ دوں گا تمہاری اگر دوبارہ تمہارے منہ سے یہ الفاظ نکلے، چلے ہو اپنا مقابلہ کرنے دوسروں سے۔'' انہوں نے اسے پرے دھکا دیا وہ لڑکھڑا کر پیچھے پڑے صوفہ پر گرا تھا۔

''بھائی پلیز بس کریں...... پلیز...... کیا ہوا ہے؟'' عباس بے چارہ گھبرایا ہوا سا بولا تھا۔

''اور ایک بات کان کھول کر سن لو میری شاہ بخت مغل! اپنی حیثیت اور حد یاد رکھو، مجھ سے دوبارہ اس انداز میں اس لہجے میں بات کرنے کی جرأت کی نا تو منہ توڑ دوں گا تمہارا...... اگر آج کچھ ہونا تو میرے بل بوتے پہ، اگر میں تمہارے آگے کھڑا نہ ہوتا تو میں دیکھتا تم کیا کرتے اور کیا کر سکتے؟ اور یہ بھی یاد رکھنا اگر یہ تمہارے کارنامے میری ٹیبل کی بجائے بابا یا چاچو کی ٹیبل پہ جاتے تو کھڑے کھڑے تمہیں جائیداد سے عاق کر کے گھر سے باہر نکال کھڑا کرتے، پھر میں دیکھتا تم کیا ہو؟'' ان کا لہجہ تحقیر آمیز تھا۔

''اور آخری بات ہمیشہ یاد رکھنا ''مغل ہاؤس'' والوں کے حوصلے بڑے بلند ہیں، یہاں اصولوں پہ سمجھوتہ نہیں کیا جاتا اگر کوئی ان اصولوں کو توڑنے کی کوشش کرے گا تو وہ الگ کر دیا جائے گا، تنہا ہو جائے گا اگر نواز اور ایاز کو رد کیا جا سکتا ہے تو تیسرا نام شاہ بخت بھی ہو سکتا ہے، اتنا جگرا ہے ہمارا، میں حشر کر دوں گا تمہارا اگر تم نے

میرے سامنے سر اٹھانے کی کوشش کی تو......'' ان کا حرف حرف زہر سے بھرا ہوا تھا، چند لمحے وہ رک کر گہرے گہرے سانس لے کر خود کو کمپوز کرتے رہے۔

''فائل کمپلیٹ ہے عباس؟ چلو آؤ۔'' کچھ دیر بعد انہوں نے عباس سے کہا اور باہر نکل گئے؛ لہجہ اتنا تحکمانہ تھا کہ وہ بلا چوں چراں کیے ان کے پیچھے باہر نکل گیا۔

کمرے میں ایک زہرناک خاموشی تھی اور یہ خاموشی شاہ بخت کے اندر اتر رہی تھی، دھندلے پیروں کے ساتھ، ہولے ہولے دھیمے دھیمے اس نے یہ سب کیوں کیا تھا؟ جواب تھا مگر وہ دینا نہیں چاہتا تھا۔

☆☆☆

''میں تم سے ملنا چاہتی ہوں نوفل! تم کہاں ہو؟'' یہ اگلی صبح کا ذکر تھا جب نوفل نے Hutt کے لینڈ لائن پہ فون کیا تھا تو ستارہ نے اٹھایا تھا۔

''کیسی ہو تارا؟'' وہی اس کا ٹھنڈا لہجہ معمول کے مطابق تھا۔

''میں ٹھیک ہوں، بالکل ٹھیک ہوں پلیز، نوفل مجھے ملو۔'' وہ رونے لگ گئی، وہ چند لمحے خاموش رہا۔

''یہ ممکن نہیں تارا۔'' وہ مضطرب تھا۔

''کیوں؟ کیوں؟ ممکن نہیں، اب کس بات کا ڈر ہے تمہیں؟ اب کون سی رکاوٹ ہے تمہاری راہ میں؟'' وہ چلانے لگی۔

''میں کوشش کر رہا ہوں تمہارے پیپرز مل جائیں، چند دنوں تک تم واپس پاکستان جا سکو گی۔'' وہ غیر جذباتی انداز میں بتا رہا تھا۔

''بھاڑ میں گئے پیپرز، سنا تم نے، میری بات کو ٹالو مت نوفل۔'' وہ بھڑک اٹھی۔

''اس بات کو چھوڑ دو تارا۔'' وہ آہستگی سے کہہ رہا تھا۔

''کیوں چھوڑ دوں؟ نوفل تمہیں کون سی چیز روک رہی ہے، پلیز مجھے بتاؤ پلیز مجھ سے مت چھپاؤ، تم نے مجھ پہ بہت احسانات کیے ہیں میں اسے بھی تمہارا احسان سمجھوں گی، مجھ پر ایک یہ احسان مزید کر دو۔'' وہ بدستور سسک رہی تھی۔

''یہ ناممکن ہے۔'' وہ قطعیت سے بولا اور فون بند کر دیا، ستارہ گم صم بیٹھی رہ گئی۔

☆☆☆

تمہیں پانے کی چاہت میں
روشنی ہم سفر کر لی
مگر پھر یوں ہوا!!!
جب تم ملے
تو......!

اندھیروں سے دوستی
کر لی......!

وہ کمرہ نہیں تھا ایک تاریک قبر تھی جو حبا کی قسمت میں لکھ دی گئی تھی اور قبر سے فرار کا کوئی چارہ نہیں ہوتا۔

وہ صبح کے چار بجے کے قریب یہاں پہنچے تھے، اسید منہ دھونے کے بعد اس اکلوتے بستر پہ آ کے سو گیا، حبا ششدر سی دیکھتی رہ گئی، اشارہ بڑا واضح تھا، وہاں ''حبا'' کی جگہ نہیں تھی، اس نے بے چینی سے کمرے میں نگاہ دوڑائی وہاں ایسا کوئی سیٹنگ نہ تھی جسے وہ اپنے سونے کی جگہ کے طور پر استعمال کر پاتی، خون کے گھونٹ پی کر وہ ساتھ لائے بیگز کی طرف متوجہ ہو گئی۔

دیوار کے ساتھ لگی الماری کے پٹ وا کیے تو وہ چوں چراں کی تیز آواز پیدا کرتے ہوئے کھل گئے۔

اس نے چند لمحے الماری کی اندرونی حالت کا جائزہ لیا اور پھر کپڑے ترتیب سے رکھنے لگی،

اسید نے تو صرف اپنے ڈاکومنٹس رکھے تھے، یہ اس کی اپنی ذہانت تھی کہ اس نے اسید کے کپڑے اور جوتے جتنے ہاتھ لگے تھے فوراً ٹھونس لیے تھے، اس نے الماری میں سب کچھ بڑے قرینے سے رکھا اور پھر اس کے پٹ بند کر دیئے ایک بار پھر چوں چوں کی تیز آواز ابھری تھی۔

اس کام سے فارغ ہو کر وہ کچن رینج والی جگہ پہ آ گئی، وہاں چند ضرورت کے برتن دھرے تھے اس نے ہر جگہ چھان ماری وہاں کچھ بھی کھانے پینے سے متعلقہ چیز نہ پڑی تھی، وہ سخت ہلکان ہوئی اسے بے حد بھوک لگ رہی تھی، اسی عالم میں اس نے پانی کے دو گلاس پیئے اور واش بیسن کی سمت آ گئی، منہ ہاتھ دھویا اور پھر کمرے کی طرف رخ موڑ کر اس سوچ میں مشغول ہو گئی کہاں سویا جائے؟

☆☆☆

سیین کے اندر وہ اطمینان اترا ہوا تھا جو سارے جہانوں کی دولت ملنے کے بعد بھی شائد کسی کو حاصل نہ ہونے پائے: عباس کا رویہ اس کے لیے صرف اچھا نہیں تھا بلکہ اس کی توقعات سے بڑھ کر بھی تھا، وہ قطعاً اس کی امید لے کر یہاں آئی تھی، اسے یقین تھا کہ شکل وصورت میں بابا سے مشابہت رکھنے والا عباس کہیں نہ کہیں بابا بھی اس سے ملتا جلتا ہوگا، مگر عباس کے گزشتہ تین دنوں کے رویے نے اسے ورطہ حیرت میں ڈال دیا تھا۔

یہ تو اسے فوراً ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ بے حد حساس تھا، جس طرح وہ اس کی باتوں کو سن کر ششدر رہ گیا اور پھر جس طرح اس نے سیین کو سنبھالا وہ اس کے لئے ناقابل یقین تھا، وہ اس سے ایسے برتاؤ کر رہا تھا جیسے وہ کسی محل کی شاہ زادی ہو اور وہ اس کا ادنیٰ سا خادم، جس ادب اور احترام کی مٹھاس سے بھرے لہجے میں وہ اسے ''آپ'' کہتا تو سیین ایسے محسوس کرتی گویا وہ کتنی اہم اور قابل عزت ہستی ہو اور رمشہ والی بات پہ اس کا ری ایکشن بھی بڑا غیر متوقع تھا، وہ کب توقع کر رہی تھی کہ وہ اس سے متعلقہ بات کو یوں اہمیت دے گا مستزاد رات میں آنے والا وقار کا فون، وہ بے حد خوش تھی مگر ابھی اس کے لئے مزید بھی کچھ باقی تھا۔

اگلی صبح جبکہ ابھی وہ سیین کی طرف ہی تھے، عباس نے خالہ کو ناشتہ بنانے سے منع کیا اور ساتھ ہی نرمین اور شرمین کو تیار ہونے کا کہہ دیا۔

''ہم ناشتہ ریڈی میڈ لے کر آئیں گے۔'' اس نے اعلان کیا۔

''اور یہ گڑیا اور چندا کی پسند کا ہوگا۔'' اس نے جھٹ سے نک نیم بھی رکھ دیئے، خالہ ہنس پڑیں۔

''یہ کیسے نام ہیں بیٹا؟''

''یہ دونوں مجھے علینہ کی طرح ہی عزیز ہیں خالہ! اور علینہ بھی تو گڑیا ہی ہے بس یہ میرے منتخب کردہ نام ہیں، مجھے امید ہے میری ان ننھی شاہ زادیوں کو ضرور پسند آئیں گے۔'' وہ نرمی سے محبت بھرے انداز میں بولا تھا، سیین کے چہرے کی چمک دو چند ہوئی اور مسکراہٹ گہری نرمین اور شرمین کے چہرے جگمگا اٹھے۔

''تھینک یو بھائی۔'' وہ کورس میں بولیں پھر ہنس پڑیں۔

کچھ دیر بعد وہ تینوں تیار ہو کر چلے گئے، عباس نے کچھ ان کی پسند اور کچھ اپنی پسند کا ناشتہ لیا اور واپس آ گئے، وہ ناشتے پہ مسلسل خوشگوار موڈ میں باتیں کرتا رہا، اس کے بعد وہ آفس چلا گیا، تین گھنٹوں بعد جب وہ لوٹا تو لنچ کی تیاری ہو رہی تھی، وہ بستر پہ لیٹ گیا اور موبائل پہ کوئی نمبر

پریس کرنے لگا اسی وقت سبین اندر آئی۔

''آپ کی طبیعت ٹھیک ہے؟'' وہ اسے اس وقت بستر پہ لیٹے دیکھ کر متوحش سی بولی، عباس کے چہرے کے تاثرات فوراً بدلے تھے۔

''جی میں ٹھیک ہوں ایک کپ چائے مل سکتی ہے؟'' وہ بولا لہجہ بالکل نارمل تھا۔

''جی میں لاتی ہوں۔'' وہ واپس مڑی۔

''آپ کے ہاتھ کی ہو تو۔'' اس کی فرمائش پہ سبین نے اسے گردن موڑ کر دیکھا مسکرائی اور کہا ''جی ضرور'' اور باہر نکل گئی، عباس کی نظر اسے دیکھتی رہی، پھر اس نے سر تکیے پہ ڈال دیا اور فون ایک طرف پھینک دیا، شاہ بخت کا موبائل ابھی تک آف تھا، آفس میں آج جو کچھ ہوا تھا وہ اتنا حیران کن اور صدماتی تھا کہ اس کے حواس تا حال اس واقعے کو قبول کرنے میں متامل تھے، پھر اس نے گھر کا نمبر ملایا فون علینہ نے اٹھایا تھا۔

''عباس بات کر رہا ہوں، کیسی ہو علینہ؟''

''بھائی میں ٹھیک ہوں آپ اور بھابھی کیسی ہیں؟ اور آپ گھر کب آئیں گے؟'' وہ بے حد خوش تھی۔

''آج شام تک لوٹ آئیں گے، تم یوں کرو ذرا بخت کو دیکھو، وہ گھر ہے یا نہیں؟''

''جی میں دیکھتی ہوں آپ ہولڈ کیجئے گا۔'' اس نے کہا، کچھ دیر بعد وہ بولی تھی۔

''بھائی وہ گھر نہیں ہیں، ان کا روم لاکڈ ہے۔''

''او کے۔'' عباس نے مزید بات کیے بغیر رابطہ ختم کر دیا، اسے بے حد افسوس ہو رہا تھا کہ اس نے بخت کا سگریٹ کیس اور لائٹر وقار کو کیوں دیئے تھے کاش اس نے ایسا نہ کیا ہوتا، اسے اگر ذرا سا بھی شک ہوتا کہ وقار کا ری ایکشن اتنا Aggressive اور سخت ہو گا تو وہ انہیں بھنک بھی نہ پڑنے دیتا، اسے تو لگا تھا کہ وقار ہمیشہ کی طرح اسے پیار سے سمجھائیں گے، اس کی پیشانی چومیں گے اور اس کے بال سنوار کر کہیں گے ''میرے شیر کو کیا چاہیے؟ یار فکر مت کرو ابھی میں ہوں ناں؟''

اور وہ ان سے خوب سارے لاڈ اٹھوانے کے بعد مان جائے گا اور پھر ٹھنک کر اپنی فرمائشیں جھاڑنے لگے گا۔

مگر اس بار سب کچھ الٹ گیا تھا، وقار کسی صورت اس کے بارے میں بات کرنے پہ آمادہ نہ تھے، عباس نے بات کرنا چاہی تو انہوں نے اسے سختی سے جھاڑ دیا تھا جواباً وہ اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔

شام کو وہ لوگ لوٹ آئے تھے، دونوں کو ہاتھوں ہاتھ لیا گیا، ایک خاصی خوشگوار گپ شپ چل رہی تھی جس میں بخت ندارد۔

عباس نے وقار کو دیکھا تو وہ چاچو سے باتوں میں مصروف تھے۔

''چچی جان! بخت نظر نہیں آ رہا؟'' عدیل نے نیلم چچی سے پوچھ لیا۔

''پتا نہیں بیٹا گھر نہیں آیا ابھی تک، تم اسے فون تو کرو۔'' وہ تشویش سے بولیں۔

''اس کا نمبر بند ہے میں کافی دیر سے ٹرائی کرتا رہا ہوں، اب دوبارہ کرتا ہوں۔'' عباس نے کہتے ہوئے پھر سے اس کا نمبر ملایا تھا مگر اس بار بھی اسے مایوسی ہوئی تھی، اس کا نمبر ابھی تک بند جا رہا تھا، عباس نے تفکر سے اس صورتحال پر غور کیا تو دل بے چین ہو اٹھا، شاہ بخت بنیادی طور پر گرم الطبع تھا اسی بنا پر ہمیشہ ہی اسے ٹینشن والے معاملے سے دور رکھنے کی کوشش کی جاتی تھی، مگر ہوتا اس کے برعکس تھا، ہمیشہ ہی وہ الجھا دینے والے پریشان کن معاملات میں انوالو ہو

جایا کرتا اور نہ ہوتا تو گھر میں کوئی نہ کوئی بات اس کے مزاج کے خلاف ہو جایا کرتی تھی اور پھر اس کا چیخنا چلانا اور غصہ اف توبہ گھر بھر میں سب ہی اس کے غصے سے خائف رہتے تھے اور کوشش بھی کیا کرتے تھے کہ اس سے نہ ہی الجھا جائے۔

مگر آج جو ہوا تھا اس میں وقار نے حقیقتاً شاہ بخت کے ہوش ٹھکانے لگا دیئے تھے۔

عباس اب اس کی غیر موجودگی کو لے کر خاصا پریشان ہو رہا تھا، وہ کہاں تھا؟

☆☆☆

ڈاکٹر شاہ کا سائیکاٹری کلینک ایک قلیل عرصے میں بہت بڑا نام کمانے میں کامیاب ہو گیا تھا، وہ صبح دس بجے کلینک میں آتا تھا اور رات آٹھ بجے گھر واپسی کے لئے اٹھتا تھا اور اس سارے پریڈ میں وہ بمشکل لنچ کے لئے آدھا گھنٹہ نکال پاتا تھا، چائے تو اسے اپنے کلائنٹ (نفسیاتی زبان میں مریض کو پیشنٹ نہیں بلکہ کلائنٹ کہا جاتا ہے) کے ساتھ ہی پینا پڑتی تھی، اس کے اس تیزی سے بڑھتی ہوئی مقبولیت کے پیچھے لازماً کوئی خاص ''دعا'' تھی ورنہ لاہور جیسے شہر میں جہاں نفسیاتی ماہرین علاج کی بہتات تھی اتنی جلدی کسی پہ تک اور خصوصاً نئے سائیکاٹرسٹ کی جگہ بنانا بڑا ناممکن اور حیران کن تھا۔

دوسری وجہ شاید اس کی پرسنالٹی اور رویہ بھی تھا، وہ گہری ذاتی دلچسپی لے کر اپنے کلائنٹس کا علاج کرتا تھا۔

اس نے اپنا آج کا شیڈول چیک کیا، Things to do کی اتنی لمبی لسٹ تھی کہ وہ گھبرا گیا، چند ضروری چیزوں پہ ٹک کرنے کے ساتھ اس نے آج کے سب سے ضروری اپائنٹمنٹ کو دیکھا اور چونکا۔

وہ کوئی ایس پی تھا جو گزشتہ کئی دنوں سے اس سے ملاقات کا خواہش مند تھا مگر ڈاکٹر شاہ کے پاس اس سے زیادہ ضروری میٹنگز تھیں جبھی وہ اسے ڈیلے کرتا رہا مگر آج اس نے سب سے پہلے اس ایس پی کو بلایا تھا۔

ایک گھنٹے کے بعد اس کو اس کے آنے کی اطلاع دی گئی، ڈاکٹر شاہ نے اسے فوراً اندر بلا لیا، کچھ دیر بعد جو شخص اندر آیا اس نے ڈاکٹر شاہ کو ٹھٹکا دیا تھا وہ ایک دراز قد اور مضبوط جسم لئے ایک شاندار شخصیت کا حامل تھا، اس کی رنگت بے حد چمکدار اور سفید تھی اور سیاہ ذہین آنکھیں ذہانت کی چمک سے معمور تھیں اس کے بال بھی بھورے سے تھے جو بڑے ملائم تھے اور اگرچہ وہ پیچھے کی طرف بنائے گئے تھے وہ پھسل کر آگے کو گرے ہوئے تھے، سب سے حیرت انگیز چیز یہ تھی کہ اس کے نقوش میں روایتی پولیس آفیسرز کی کرختگی مفقود تھی۔

ڈاکٹر شاہ نے اس کے ہاتھوں کا جائزہ لیا اور ایک بار پھر ٹھٹکا وہ ہاتھ کسی کرخت اور سرد مزاج انسان کے نہ تھے وہ ہاتھ بڑے شفاف اور مضبوط تھے اور ان پہ کسی فنکار یا تخلیق کار کے ہاتھوں کا سا گمان ہوتا تھا۔

ڈاکٹر شاہ نے فوری طور پر اپنے اس کلائنٹ کے بارے میں ایک بات یادداشت میں بٹھائی تھی۔

''وہ غلط جگہ پہ تھا، غلط شعبہ میں تھا، اس شخص کو پولیس فیلڈ میں نہیں ہونا چاہیے تھا۔'' یہ شعبہ اس کی جاندار شخصیت کے منافی تھا، اس کے ساتھ صرف دس منٹ کی تعارفی بات چیت کے دوران ہی ڈاکٹر کو اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ ایک نرم مزاج انسان تھا اور اس کی Philenthrooist اس کے لہجے میں جھلکتی تھی۔

''یہ ایس پی۔'' اس کی کلائنٹ ہسٹری میں ایک حیرت انگیز اضافہ تھا، وہ اس کے اب تک کے کلائنٹس میں پہلا شخص تھا جیسے اس بات کا ذاتی طور پر احساس تھا کہ وہ نارمل شخص نہیں تھا اسے نفسیاتی علاج کی ضرورت تھی۔

''آپ کو کیا لگتا ہے آپ کی زندگی میں کہاں خلا ہے؟'' ڈاکٹر شاہ نے پوچھا۔

''میری زندگی صرف خلا ہے۔'' وہ آنکھیں بند کیے آرام دہ کرسی پہ جھول رہا تھا، کمرے میں ٹھنڈک اور دھندلا اجالا تھا جو اس کے اعصاب کو متاثر کر رہا تھا اس کے جواب نے ڈاکٹر شاہ کو سن کر دیا تھا۔

''آپ ایسا کیوں سوچ رہے ہیں، ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ آپ غلط رخ دیکھ رہے ہوں تصویر کا۔''

''تصویر کے دونوں رخ ایک جیسے ہیں: بھیانک اور اذیت ناک۔'' اس کے چہرے پہ کرب چھلکا تھا۔

''آپ شادی شدہ ہیں؟'' اس بار سوال مختلف تھا۔

''ہاں۔'' کرب کچھ مزید بڑھا تھا۔

کچھ دیر مزید یہ گفتگو جاری رہی پھر ملتوی کر دی گئی، ڈاکٹر شاہ اس سے تفصیلی گفتگو کرنا چاہتے تھے جس کے لئے یہ ماحول غیر مناسب تھا۔

☆☆☆

عائشہ آپی کا خیال تھا کہ اب اسے ان کے ساتھ پاکستان چلنا چاہیے، وہ چپ چاپ رضا مند ہوگئی کہ اس کے سوا کوئی چارہ ہی نہ تھا، وہ کس بنا پہ رکتی جبکہ وہ شخص قطعاً کوئی سرا پکڑانے کو تیار نہ تھا، کوئی اس کی ڈور بھی تو نہیں تھامی تھی اس نے اور وہ وہاں ٹھہرتی بھی تو کس بنا پہ؟

امید کا سایہ ہے نہ رستہ ہے نہ منزل
ہم کتنے اکیلے ہیں محبت کے سفر میں

ستم بالائے ستم یہ کہ کل رات جب وہ سوئی تو نوفل آیا تھا اور عائشہ کو اس کے پیپرز اور پاسپورٹ ٹکٹ کے ہمراہ دے گیا تھا اور وہ بے خبر سوتی رہ گئی، جب اسے پتا چلا کہ وہ آیا تھا تو وہ اپنے بال نوچ کے رہ گئی، کمرہ بند ہو کر پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے اسے کے لبوں سے بے اختیار نکلا تھا۔

نی سسی بے خبرے
تیرا لٹیا شہر بھنبھور

وہ اس کے اتنا نزدیک آکے پھر سے دور چلا گیا تھا اور وہ اسے کچھ بھی نہ کہہ پائی سوائے اپنی بے بسی پہ آنسو بہانے کے۔

''آپی! وہ کیسا تھا؟'' اس نے بے تابی سے پوچھا۔

''مطلب؟ جیسا پہلے تھا۔'' وہ لاپرواہی سے کہتیں ہنس پڑیں۔

''میرا مطلب ہے جب میں نے دیکھا تھا تب تو وہ کافی Healthy تھا۔'' وہ نظر چرا کر کہہ رہی تھی۔

''اچھا نہیں اب تو کافی اسمارٹ لگ رہا تھا، ہائٹ تو ہے ہی زبردست باقی نین نقشوں کا کیا بتاؤں، نیگرو ہے، پتا ہی ہے تمہیں اور جب اردو بولتا ہے تو اتنا مضحکہ خیز لگتا ہے کہ کیا بتاؤں۔'' وہ آخری بات پہ ہنس دیں تھیں۔

''اس نے یہ نہیں کہا کہ وہ مجھ سے ملنا چاہتا ہے۔'' اس کی بے تابی حد سے سوا ہو رہی تھی، عائشہ نے اس بار قدرے دھیان سے اس کا جائزہ لیا تھا۔

''کیا بات ہے ستارا، وہ ہمارا محسن ہے اور یہ اس کا احسان ہے کہ اس نے تمہیں ہم تک پہنچا دیا، اس سے زیادہ کی توقع مت کرو۔'' ان کا لہجہ

خبردار کرنے والا تھا، ستارا کا رنگ بدل گیا وہ نچلا لب کچلتی ہوئی واپس مڑ گئی۔

''تم بہت غلط کر رہے ہو نوفل۔'' بیڈ پہ گر کے پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے وہ خود کلامی کر رہی تھی۔

☆☆☆

حبا اس وقت ''بزم ادب سوسائٹی'' کے شعبہ تقریر کے آفس میں موجود تھی۔

''میم! پلیز یہ ٹاسک بہت ہارڈ ہے میں نہیں کر سکوں گی، آپ پلیز میرا ٹاپک چینج کر دیں۔'' وہ اکتائی ہوئی سی لگ رہی تھی۔

''بالکل نہیں، یہ ٹاپک سب سے ہاٹ اور ٹف ہے جو بھی اسے جیتے گا آٹومیٹکلی پوزیشن لے گا۔'' مس خنساء احمد علی کا لہجہ دوٹوک تھا۔

''آپ ٹاپک چینج کریں میں آپ کو پوزیشن لے کر دکھاؤں گی۔'' وہ چیلنج کرنے والے انداز میں بولی تھی۔

''بات یہ نہیں ہے حبا! میں ذاتی طور پر چاہتی ہوں کہ آپ اس ٹاپک کو لیں، اس کو آپ سے بہتر اور کوئی نہیں کر سکتا۔'' ان کے لہجے کا یقین حبا کو مجبور کر گیا، کچھ دیر مزید بحث و تمحیص کے بعد حبا کو ہار ماننا پڑی، جس وقت وہ کالج سے لوٹی، اسید اور پاپا کو لاؤنج میں موجود پایا، وہ کچھ حیران سی آگے بڑھ آئی۔

پاپا اسید کو کچھ ڈکٹیٹ کروا رہے تھے اور اسید لیپ ٹاپ پہ محفوظ کر رہا تھا، وہ مسکراتی ہوئی آگے بڑھی تھی۔

''السلام علیکم پاپا!'' وہ آگے بڑھ کر دونوں بازو پھیلا کر پاپا اور اسید کے درمیان آ بیٹھی ایک بازو تیمور کے گرد پھیلایا اور ان کا گال چوما اور دوسرا بازو اسید کے شانے کے گرد حمائل کر کے سر ان کے شانے پہ رکھ دیا۔

تیمور احمد کے سامنے اسید کو حبا کا یہ التفات اور لاڈ قطعاً نہ بھایا تھا، مگر ہمیشہ کی طرح اس نے بروقت اپنے تاثرات پہ قابو پایا تھا، اس کا سر زمی سے سہلایا اس ''بزرگانہ شفقت'' کے مظاہرے پہ تیمور اپنی مسکراہٹ نہ روک سکے، حبا بھی مسکرا کر سیدھی ہو گئی۔

''آج آپ اس وقت گھر؟ اور اسید کے ساتھ مصروف ہیں خیریت؟'' حبا ان سے استفسار کرنے لگی۔

''ہاں، وہ کچھ کام تھا آپ بتاؤ کالج میں سب ٹھیک ہے؟'' تیمور اس سے دریافت کرنے لگے، وہ اچھل پڑی۔

''ارے کیا یاد کروا دیا، پتا ہے پاپا مجھے اس بار اسپیچ کے لئے جو ٹاپک دیا گیا ہے نا وہ تو بس میرے حواس گم کر دے گا، اسید پلیز میری ہیلپ کرو نا۔'' وہ لاڈ سے بولی تھی۔

''وہ تو کروں گا ہی، مگر ٹاپک کیا ہے؟'' اسید نے پوچھا۔

وہ سر ہلاتے ہوئے بیگ میں سے کچھ تلاشنے لگی جبھی مرینہ اندر آ گئیں۔

''حبا! تم کالج سے کب آئیں اور ابھی تک انہیں کپڑوں میں ملبوس ہو، غلط بات بیٹے، چلو فوراً اٹھو اور لباس تبدیل کر کے آؤ، میں کھانا لگوا رہی ہوں۔'' انہوں نے فوراً ڈانٹا تھا۔

''اوکے ماما!'' وہ بیگ سنبھالتی اٹھ گئی۔

کچھ دیر بعد وہ لوٹی تو ایک زرد رنگ کی کھلے کھلے پھولوں والی قمیض اور سفید شلوار میں تھی دوپٹہ اکٹھا ہو کر گردن سے لپٹا ہوا تھا اور بال شانوں پہ پھیلے ہوئے تھے، جن سے پانی کی بوندیں گر رہی تھیں، کھانا کھانے کے بعد تیمور احمد تو واپس اپنے آفس چلے گئے، جبکہ حبا، اسید کے کمرے میں آ گئی، اس کے ہاتھ میں ایک فائل

تھی جس میں چند کاغذ کلپڈ تھے اور بال پوائنٹ اور ساتھ وہ چٹ، اسید پہلے ہی لیپ ٹاپ آن کر چکا تھا۔

''ہاں بولو کیا ٹاپک ہے؟'' وہ گوگل پہ سرچ کرنا چاہ رہا تھا، حبا نے چٹ اس کی طرف بڑھائی اور خود اس کے ٹیبل پہ ٹانگیں لٹکا کر بیٹھ گئی، اسید نے ایک نظر ہاتھ میں پکڑی چٹ پہ دوڑائی اور ٹھٹک گیا۔

''Domestic violence in Pakistan۔''

''یہ کیسا ٹاپک ہے؟'' وہ الجھ کر بولا۔

''یہی تو ہے میں کہہ رہی تھی کہ یہ کتنا فضول اور بور ٹاپک ہے لیکن میڈم خنساء کا کہنا ہے کہ یہ کرنٹ افیئر کے حوالے سے سب سے زیادہ مضبوط موضوع ہے جس پر جی بھر کر بولا جا سکتا ہے۔'' وہ بے چارگی سے کہہ رہی تھی۔

''ہوں بات تو ٹھیک ہے ان کی۔'' وہ اب اسکرین پہ متوجہ تھا جبکہ ہاتھ کی بورڈ پہ چل رہے تھے۔

''اس سے متعلقہ میٹریل مل جائے گا نا؟'' وہ خدشات میں مبتلا تھی۔

''امید تو ہے۔''

''اور اگر نہ ملا تو؟''

''کچھ نہ کچھ تو کر ہی لیں گے مل کر حبا، کیا ہو گیا ہے تمہیں، بی پوزیٹو ڈیئر۔'' وہ نرمی سے بولا، حبا کی مسکراہٹ بے اختیار تھی۔

''اور جب تم ساتھ ہو تو مجھے یقین ہے کہ کچھ نہ کچھ نہیں بلکہ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔'' اس کے انداز میں کسی داسی کا سا یقین بول رہا تھا، اس کی بات پر اسید نے لمحہ بھر کو پلکیں اٹھا کر اسے دیکھا اور پھر سے نگاہ اسکرین پہ جما دی۔

''یہ تو بڑا کچھ کھل رہا ہے، میرے خیال سے ہمیں اس پہ بنی کوئی دستاویزی رپورٹ دیکھنی چاہیے، اس سے کافی مدد ملے گی۔'' اس نے مزید چند بٹن دبائے اور سرچنگ پروسس دیکھنے لگا۔

کچھ دیر بعد وہ دونوں سر جوڑے دھڑا دھڑ کھلتے صفحات کے ساتھ محو گفتگو تھے، سب سے پہلے اسید نے اسے violence کی ڈیفنیشن لکھوائی اور پھر اس کی وہ مروج اقسام جو کہ پاکستان میں پائی گئی ہیں۔

سرچنگ کے دوران اسید کے ہاتھ ایک رپورٹ لگی جو کہ پولیس ڈیپارٹمنٹ کی طرف سے بنائی گئی تھی، وہ واقعی بڑے کام کی چیز ثابت ہوئی تھی۔

''یہ بہت Eloquentpiece ہے، اس سے پہلے تو سب فضول ہی مل رہا تھا، اس میں آرڈر اور Sequence ہے۔'' اسید بے حد خوشی سے بولا تھا۔

''ہاں بالکل اس کی ڈی ٹیل کھولو۔'' حبا نے جوش سے کہا، اسید نے سر ہلاتے ہوئے بٹن دبائے، حبا اس کی کرسی کے پیچھے کھڑی تھی، دونوں ایک ساتھ ہی اس رپورٹ کو پڑھ رہے تھے، جیسے جیسے وہ پڑھنے لگے، حبا کا رنگ بدلتا گیا۔

''اسید یہ...... یہ کیا ہے؟'' حبا لرزاں سی اس سے پوچھ رہی تھی، اسکرین پر اب Violence victims کی ڈیٹیل نظر آ رہی تھی، کسی لڑکی کو اس کے شوہر نے غصے کے عالم میں قتل کر دیا تھا، کسی کو سسرال والوں نے جلا ڈالا، کوئی غیرت کے نام پہ قتل ہوئی تو کوئی خوف سے خود اپنی جان لے بیٹھی تھی۔

اور پھر ایک سب سے دل دہلا دینے والے کیس سامنے آیا تھا، یہ مراد پور کی ایک جواں سال لڑکی فاخرہ کی دردناک آپ بیتی تھی جسے اس کے شوہر نے جھوٹ بولنے کے جرم میں اتنا مارا تھا کہ اس کا ایک بازو تین جگہ سے فریکچر ہو گیا تھا اور صرف اسی پہ بس نہ کیا تھا بلکہ اسے دھکے دے کر گھر سے نکال دیا تھا۔

خیر آباد کی نوراں بی بی گھریلو تنازعے پہ جس کے شوہر نے اس کا سر مونڈ دیا تھا، حبا تھرا سی گئی تھی، بہت دیر وہ کچھ بولنے کے قابل نہ رہی تھی۔

''میرے اللہ! یہ...... مرد...... انسان ہیں یا جانور؟'' وہ شدید متاثر ہوئی تھی، لہجہ بھیگا ہوا تھا، اسید نے گردن موڑ کر اسے دیکھا، اس کا رنگ زرد ہو رہا تھا، اس کی قمیض کے رنگ کی طرح۔

''خود پہ پریشر لینے کی کیا ضرورت ہے حبا، اس طرح تو تم اپنی طبیعت خراب کر لو گی، بیٹھو ادھر۔'' اسید نے فوراً اٹھ کر اس کو بازو سے پکڑا اور بیڈ پہ بٹھا دیا، پھر پانی کا گلاس بھر کر اس کی طرف بڑھایا تھا، حبا نے چند گھونٹ لئے اور گلاس اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام لیا، اس کے ہاتھوں میں خفیف سی لرزش تھی، اسید کو لگا کہ وہ گلاس گرا نہ دے اس نے گلاس حبا کے ہاتھوں سے لے لیا، وہ ابھی تک یک ٹک اسکرین کو گھور رہی تھی جہاں نوراں بی بی کی تصویر نظر آ رہی تھی۔

''حبا! اٹس او کے۔'' اسید نے نرمی سے اسے سمجھایا تھا، وہ بے ساختہ سسکیاں بھرنے لگی۔

''کوئی مرد اتنا ظالم کیسے ہو سکتا ہے؟ وہ لڑکی...... وہ بھی تو انسان ہے نا اسید، اسے کتنا درد ہوا ہو گا، کیا مردوں کو اللہ سے ڈر نہیں لگتا، اتنی بری طرح مارا اسے؟'' وہ بے حد افسردہ تھی۔

''اگر تم اسے اتنا سر پہ سوار کر لو گی تو روسٹرم پہ تمہارا کیا حال ہو گا؟'' اس بار اسید نے اسے ذرا سختی سے ڈانٹا تھا۔

وہ جواب دیئے بغیر چہرہ صاف کرنے لگی، اسید کی بات واقعی ٹھیک تھی کچھ دیر بعد وہ پھر سے کام میں مصروف ہو گئے، اسید نے اب کی بار خود سے ایک اسپیچ کا خاکہ مکمل کر دیا تھا۔

''اس کو تیار کب کرنا ہے تم نے؟''

''کل سے شروع کروں گی، آج موڈ نہیں۔'' وہ سست سی لگ رہی تھی۔

''اوکے۔'' اسید نے اسے جانے دیا۔

اگلے دو دن میں اس نے حبا کو تیاری کروا دی تھی، حبا کے دردمند جذبات کا رخ موڑ کر اس کی تقریر کو Effective بنایا تھا۔

یہ کمپیٹیشن چیمبر آف کامرس میں منعقد کیا گیا تھا، حبا ایک پرائیوٹ کالج میں تھی اور یہ کمپیٹیشن اس کالج کی دیگر برانچز سے متعلقہ سٹوڈنٹس کے درمیان ہو رہا تھا۔

حبا نے اسید کی ڈھیروں منتیں کی تھیں کہ وہ ضرور آئے چاہے کچھ دیر کے لئے ہی سہی۔

''میں پوری کوشش کروں گا آنے کی، اگر تم نے اپنی جذباتیت کی وجہ سے اس Speech کو خراب کیا نا حبا تو اچھا نہیں ہو گا۔'' وہ ڈانٹتے ہوئے بولا تھا۔

''تم وہاں آنا پھر سب ٹھیک ہو گا۔'' اس نے بھی بڑا مشروط جواب دیا تھا، جواباً اسید اسے گھور کر رہ گیا۔

اور اب جب کہ وہ مکمل طور پہ تیار ہو کر فنکشن کے لئے نکل رہی تھی، اسید اسے پورچ میں نظر آ گیا، شاید وہ بھی کہیں جانے کے لئے نکل رہا تھا۔

''میں جا رہی ہوں، تمہارا انتظار کروں گی۔'' وہ اس کے پاس آ کے ٹھہر گئی، اس نے اس وقت ایک سفید کلیوں والا فراک چھوڑی دار پاجامے کے ساتھ پہنا ہوا تھا، ہاتھ میں سفید چھوٹا سا کلچ تھا، آنکھوں میں گہرا کاجل اور سر پہ سفید

اسکارف لپیٹا ہوا تھا۔

''ا.......و.......کے.......بی.......کو.......

لفٹیننٹ۔'' وہ رک کر بولا تھا، حبا نے تیز اور گہری نظر سے دیکھا تھا وہ اس وقت ڈارک بلیک پینٹ شرٹ میں تھا، جو ہمیشہ کی طرح اس کی شاندار شخصیت میں اضافہ کررہا تھا۔

''پھر سیاہ رنگ پہن لیا تم نے، کیوں پہنتے ہو یہ رنگ، نظر لگ جائے گی۔'' حبا نے جھلا کر کہتے ہوئے اپنے دائیں ہاتھ کی سب سے چھوٹی انگلی کے ساتھ اپنی آنکھ کے کونے کو چھوا، وہ سیاہ ہوگیا، پھر اس نے شرارت سے اسید کی طرف دیکھا اور انگلی اس کے ناک پہ پھیر دی، اور کھلکھلا کر ہنسی۔

''یہ......کیا کیا تم نے؟'' وہ بوکھلا گیا۔

حبا پھر سے ہنسی، وہی تیز کھنکتی ہوئی سرشار ہنسی جس میں بے فکری نمایاں تھی، اسید نے خفگی سے اسے دیکھا جس پہ حبا کی ہنسی فوراً رک گئی، اسید نے دایاں ہاتھ اٹھا کر ناک کی نوک صاف کرنا چاہی مگر حبا نے فوراً ٹوک دیا، اس کے بعد اس نے اپنا سفید کلچ کھولا اور ٹشو نکال لیا، پھر بڑی احتیاط اور نرمی سے اس کے ناک کی نوک صاف کی، سفید ٹشو پہ ایک دھندلا سا دھبا پھیلا تھا۔

اس نے ٹشو کو اسی دھیان سے تہہ کیا اور واپس رکھ لیا، کسی متاع حیات کی طرح......!

''وش یو ویری ویری گڈ لک۔'' وہ مسکرایا تھا۔

''تھینک یو۔'' وہ چنچل انداز میں ہنسی اور واپس مڑ گئی۔

چیمبر آف کامرس کا ہال لوگوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا، اتنا کہ تل دھرنے کی جگہ بھی نہ تھی۔

گیارہ بجے کے قریب فنکشن شروع ہوگیا، سب ہی امیدوار بھرپور تیاری کے ساتھ آئے تھے، ہر ایک کا موضوع منفرد اور مکمل معلومات پہ مبنی تھا، حبا اپنے مضمون کی تفصیلات دیکھتی دل ہی دل میں اس ایس پی کی شکر گزار ہوں گی جس کی بنائی ہوئی رپورٹ اس کے کام آگئی تھی، پولیس ڈیپارٹمنٹ کی طرف سے بنائی گئی اس ویڈیو کے پیچھے ساری محنت کسی ایس پی کی تھی۔

پھر چند امیدواران کے بعد حبا تیمور کا نام لیا گیا، وہ بڑھتی دھڑکنوں کے ساتھ اٹھی تھی۔

وہ روسٹرم پہ آئی، اس نے ایک نظر اس بھرے ہال پہ ڈالی اور پھر جب وہ بولنا شروع ہوئی تو مجمع کو جیسے سانپ سونگھ گیا۔

''پاکستان میں گھریلو تشدد کی وجوہات......؟ ہمارا معاشرہ مرد کا معاشرہ ہے اس میں خواتین کی اپنے حق کے لئے جنگ انہیں معتوب و مغضوب بنا دیتی ہے، اس عورت کو بڑا سخت ناپسند کیا جاتا ہے جو اپنے شوہر کو دوبدو جواب دے لیکن اگر کوئی مرد اپنی بیوی پہ ہاتھ اٹھاتا ہے تو یہ ناممکن ہے کہ وہ جواباً اسے کوئی جسمانی نقصان پہنچانے کی کوشش کرے، تشدد، مار پیٹ اور ایذا رسانی ایسے ظالم ہتھیار ہیں جو کسی بھی ذی نفس کو جسمانی طور پر تو نقصان پہنچاتے ہی ہیں مگر اس کے وقار، تشخص اور انا کو بھی کچل ڈالتے ہیں، ذرا اس عورت کی ذہنی کیفیت کا اندازہ کیجئے جس کو اس کے شوہر نے جی بھر کر اپنی اذیت پسندی کی تسکین کا نشانہ بنایا ہو کیا وہ کبھی دوبارہ اس کے سامنے سر اٹھا کر بات کر سکے گی؟ نہیں......بالکل نہیں......وہ اس کے سامنے تو کیا کسی دوسرے کے سامنے بھی نظر اٹھانے کے قابل نہ رہے گی، پاکستان میں ہر دس خواتین میں سے آٹھ گھریلو تشدد کا شکار ہیں، صرف رواں سال میں ایسے 356 کیسز سامنے آئے ہیں جن میں شوہر کی مار پیٹ کی وجہ سے عورتیں اسپتال پہنچ گئیں، مر

گئیں، یا اپنے والدین کے گھر چلی گئیں، میں نے تحقیقات کیں تو پتا چلا کہ دارالامان میں آنے والی خواتین کا دو فیصد ایسی خواتین پر مشتمل ہے جو کہ اپنے شوہروں کے ظلم و ستم سے تنگ آچکی تھیں، مجھے سمجھائیے کیوں مرد شوہر بن کر فرعون کی کرسی پہ بیٹھ جاتا ہے؟ کیا ایسا کرنے سے اس کی مردانہ آنا اور غیرت کو تسکین ملتی ہے؟ مجھے جواب دیجئے، خیر آباد کی نوراں کے مونڈے ہوئے سر کا قصوروار کون ہے؟ وہ بھی تو ایک مرد ہے، جو شاید خود کو نمرود سمجھ بیٹھا ہے؟''

''میرے آقا محمدؐ کا فرمان ہے ''عورتوں کے معاملے میں اللہ سے ڈرتے رہو'' تو اس معاشرے کا مرد کیوں نہیں ڈرتا؟ کیا یہ معاشرہ اسلامی ہے؟ مجھے جواب دو...... جواب دو مجھے۔''

''اے اہل اسلام! تم عورتوں کو اپنے بستروں پہ جگہ دیتے ہو، ان کے ہاتھ کا پکا کھانا کھاتے ہو، ان سے اپنی نسل بڑھاتے ہو، ان سے بیٹوں کی خواہش رکھتے ہو، وہ بیٹے جن کی چاہ میں تم لوگ دیوانے ہوئے جاتے ہو، وہ بھی ان عورتوں کے بطن سے پیدا ہوتے ہیں تو پھر...... تو پھر تم لوگ عورت کی عزت کیوں نہیں کرتے؟ تم عورت کو حقیر سمجھتے ہو؟ پیر کی جوتی سمجھتے ہو، کیا یہ ہے تمہارا وقار؟ یہ ہے تمہاری مردانگی؟ تم لوگ یہ کیوں نہیں سمجھتے کہ عورت کی عزت میں تمہاری عزت ہے۔''

غالب نے انسان کو حیوان ناطق کہا ہے مگر میرے مطابق ہمارا مرد صرف حیوان ہے

''تو دوستو! یاد رکھو، جو قومیں اچھی مائیں نہیں بناتیں وہ اچھا مستقبل بھی ڈیزرو نہیں کرتیں، تم لوگ اپنی نام نہاد غیرت کی تسکین کے لئے عورت کو دباتے ہو مگر یہ بھول جاتے ہو کہ دبا ہوا لاوا آتش فشاں بن کر پھٹتا ہے اور اتنی تباہی لاتا ہے اپنے ساتھ جو باقی کچھ سلامت نہیں رہنے دیتی تم لوگ اپنی اکڑ اور بے جا غرور سے کبھی عورت کا دل نہیں جیت سکتے۔''

کون آنکھوں تلے دفن حکایات پڑھے
کون لفظوں کے پس حسرت و معانی ڈھونڈے
کون کومل سی ہنسی کے پیچھے
دل کی کرلاہٹ سنے
کون تصویر کے ماضی میں اتر کر دیکھے
کون دن رات کے منظر میں جمی برف
کے صحراؤں کو محسوس کرے
ہم جو دل ہاتھوں میں لے کر پھرا کرتے تھے
آج اس دل میں کئی زخم لئے پھرتے ہیں
اور وہ ہاتھ بھی اب ساتھ کلائی کے نہیں
موم کے حوصلے
ماتھے پہ سجا کر پھرنا
جب سے دستور ہو
کوئی مجبور ہو
اور کوئی ایسا...... کہ مجبوری کے بھی قابل نہیں
ہم انہیں لوگوں کی بستی میں
سر عام سجے پھرتے ہیں
جن کے جسموں پہ سجا کرتے ہیں کالے کپڑے
خوف کو باقی بچا ہی کیا ہے؟
دور ہوتے ہیں اور دکھ بھی نہیں
مسکراتے ہیں...... اور سکھ بھی نہیں
رات سے نکلیں تو تم کو دیکھیں
گھات سے نکلو تو ہم کو دیکھو
ایسے ماحول میں اب تم ہی کہو
کون آنکھوں کے تلے دفن حکایات پڑھے
کون ایسا ہے؟
جو منہ سے ابھی نکلی نہیں، بات پڑھے
کون یہ درات پڑھے؟

تالیوں کی گونج، سیٹیوں کا شور، حیا نے نم

افسردہ آنکھیں لئے ایک بار ہال میں دیکھا تھا تلاشتی بے چین نگاہیں لئے پھر اس کی نظر رک گئی، ٹھہر گئی، جم گئی، ہاں وہ وہاں تھا، اسید مصطفیٰ وہاں تھا، دونوں ہاتھوں سے اس کے لئے تالیاں بجاتا، اسے داد دیتا، جب وہ پرائز شیلڈ وصول کر رہی تھی، کیا داد دینے والے ہاتھ، ہمیشہ داد دیتے ہیں؟

☆☆☆

آج ستارہ کی فلائٹ تھی، صبح سے ہی وہ بے حد خاموش تھی، عائشہ پیکنگ میں اتنی مگن تھیں کہ اس کی غیر ضروری خاموشی کو محسوس ہی نہ کیا تھا، جب وہ تیار ہو کر Hutt سے نکلنے لگیں تھیں تو نوفل کا فون آ گیا، عائشہ نے اٹھایا، وہ ان سے ائیرپورٹ جانے اور فلائٹ کی ٹائمنگ کے متعلق بات کرتا رہا، پھر اس نے ستارا سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کی۔

''ہیلو۔'' اس نے آہستہ سے کہا آواز گہرے کرب میں ڈوبی تھی۔

''میری دعا ہے تم ہمیشہ خوش رہو، اللہ پاک تمہیں بہت آسانیاں دے اور تمہاری آنے والی زندگی میں ایسی کوئی آزمائش نہ ہو، فی امان اللہ۔'' نوفل نے بہت آہستہ سے گہرے اور دعائیہ انداز میں کہا تھا۔

ستارہ کا دل ڈوبنے لگا، نیچے اور نیچے دور کہیں گہری کھائیوں میں، اس لب کے لرزے اور کچھ کہنے کی جدوجہد میں کپکپا کر رہ گئے، نوفل نے ایک گہری سانس لے کر فون رکھ دیا۔

ستارا جیسے کسی سکتے کی سی کیفیت میں چلی گئی تھی، وہ تیار ہو کر باہر آ گئیں، ڈرائیور انہیں لینے کے لئے آیا ہوا تھا، ائیرپورٹ جانے تک کا سارا راستہ وہ اسی کیفیت میں تھی۔

تو کہانی ختم ہو گئی؟

اتنی جلدی؟ مہروز کمال سے شروع ہونے والی یہ کہانی بدنامی سے ہوتی ہوئی طلاق پہ ختم ہو گئی تھی اب جب وہ واپس جا رہی تھی تو اس کی ہتھیلیاں خالی تھیں اور شاید بنجر بھی اور اس کہانی کا تیسرا کردار، نوفل صدیق، جس میں اتنی ہمت ہی نہ تھی اور جو اپنے بلیک ہونے کی کمپلیکس میں اس سے مل ہی نہ سکا، روپوش رہتے ہوئے اس کے لئے اتنا کچھ کر گیا تھا، بنا کسی غرض و مطلب کے؟ مستقبل کیا تھا؟ شاید کسی تاریک خلا کی طرح تھا؟ اور کہانی کا تیسرا کردار کھو گیا تھا، گم شدہ تھا۔

فلائٹ کی اناؤنسمنٹ کی جا رہی تھی، ستارا نے آگے بڑھتے ہوئے اپنے پیروں کو دیکھا جن کو لاتعداد یادوں کی بیڑیوں نے جکڑ لیا تھا، ان کو تو اب ساری عمر اس کے وجود میں کسی آسیب کی طرح رہنا تھا۔

(باقی آئندہ)

سندس جبیں

ناولٹ

دسویں قسط

پارک کی فضا میں صبح کی خوشگوار ہلچل نظر آ رہی تھی، وہ دونوں نفوس واکنگ ٹریک پہ تھے۔

''آپ کو جاگنگ کی عادت نہیں ہے؟''

''نہیں۔''

''واک؟''

''نہیں۔''

''جم جاتے ہیں؟''

''اب نہیں جاتا۔''

''پہلے جاتے تھے؟''

''ہاں۔''

''اب کیوں نہیں جاتے؟''

''دل نہیں چاہتا۔''

''کیوں؟''

''پتا نہیں۔''

''پارٹیز، گیٹ ٹو گیدرز اور پکنک وغیرہ پہ جاتے ہیں؟''

''نہیں۔''

''آپ اینٹی سوشل ہیں؟''

''شاید۔''

''دل نہیں چاہتا آپ کا؟''

''نہیں۔'' اس بار ان کے درمیان لمبی خاموشی رہی۔

''آپ اپنے مجرموں پہ کس قسم کا تشدد کرتے ہیں؟'' اس بار سوال بہت چونکانے والا تھا، وہ ایک جھٹکا کھا کے سیدھا ہوا۔

''کیا مطلب؟'' اس نے اضطراب سے پوچھا۔

''تشدد کی بھی قسمیں ہوتی ہیں نا؟ جسمانی ٹارچر، نفسیاتی ٹارچر، آپ کون سا پسند کرتے ہیں۔'' اس کے اطمینان سے پوچھے گئے سوال پہ ایس پی کا رنگ اڑ گیا۔

''کیا کہنا چاہتے ہیں آپ؟'' وہ کپکپائے

لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

ڈاکٹر شاہ بڑے معنی خیز انداز میں مسکرایا تھا، اسے اپنے مطلب کا پوائنٹ مل چکا تھا۔

''آپ میرا مطلب اچھی طرح سمجھ رہے ہیں ایس پی صاحب! پولیس اور تشدد کا آپس میں بڑا مضبوط تعلق ہے، بس یوں سمجھ لیجئے اٹوٹ انگ ہیں اور میری نظر سے وہ رپورٹ گزری Domestic violence۔'' ان کی بات ادھوری رہ گئی۔

وہ جھٹکے سے مڑا اور تیز تیز قدم اٹھاتا وہاں سے دور جا رہا تھا، ڈاکٹر شاہ خاموشی سے اسے دور جاتا دیکھا اسے حیرانی نہیں تھی، اسے اس ردعمل کی توقع تھی۔

☆☆☆

عباس نے ایک نظر سوئی ہوئی بین کو دیکھا پھر احتیاط سے اٹھا اور کمرے سے باہر آ گیا، اس نے شاہ بخت کے کمرے میں جھانکا وہ خالی تھا، اس کی پریشانی میں کچھ مزید اضافہ ہوا تھا، اس نے موبائل اٹھایا اور اس کے نمبر پہ کال کی وہ ہنوز بند رہا تھا، اس نے دوسرا فون وقار کو کیا تھا۔

''رات کے ایک بجے تم جاگ رہے ہو؟ کیا بات ہے عباس؟'' وقار نے پہلی بیل پہ فون اٹھالیا تھا، تحیر سے کہا۔

''بخت ابھی تک گھر نہیں آیا اور اس کا موبائل نمبر بھی آف ہے۔'' عباس تیزی سے بولا۔

''میں اسٹڈی میں ہوں ادھر آؤ۔'' وقار نے کہا۔

عباس نے فوراً فون بند کیا اور تیزی سے سیڑھیاں اتر آیا، اسٹڈی کا دروازہ کھول کر وہ اندر داخل ہوا تو وقار آرام کرسی پہ نیم دراز تھے اور گود میں کوئی کتاب بند پڑی تھی جسے غالباً وہ کچھ دیر پہلے پڑھ رہے تھے، عباس کو دیکھ کر اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

''میں حیران ہوں کہ آپ اب تک لاعلم ہیں، اس کا فون دوپہر سے بند ہے، روم بھی لاکڈ ہے اور گاڑی بھی پورچ میں نہیں ہے۔'' عباس رکے بغیر بولا تھا، وقار سپاٹ چہرے کے ساتھ اسے دیکھتے رہے۔

''میں جانتا ہوں وہ کہاں ہے؟ بچپن سے ہی عادت ہے اس کی، غلطی کر کے چھپ جاتا ہے، تسلیم نہیں کرے گا۔'' ان کا لہجہ طنزیہ تھا، عباس خاموش رہا۔

''آؤ چلو میرے ساتھ۔'' وقار نے کتاب سائیڈ ٹیبل پہ رکھی اور باہر نکل گئے، وہ بھی عقب میں تھا، وقار نے اپنی گاڑی نکالی تھی۔

دونوں نے گاڑی روڈ پہ ڈالی تو روشنیاں گل ہوتی نظر آ رہی تھیں، وقار نے تیز رفتاری سے گاڑی آگے بڑھائی، چونکہ رات کا وقت تھا اور ٹریفک بھی کم تھا جبھی وہ قلیل وقت میں اپنے مقررہ حدف تک پہنچ گئے۔

یہ نسبتاً غیر معروف پارک تھا جہاں اس وقت لوگوں کی آمد و رفت مزید کم ہو چکی تھی، وقار بڑے مانوس انداز میں ایک مخصوص گوشے کی طرف بڑھتے گئے، یہ درختوں کے گھنے جھنڈ میں رکھا بینچ تھا جس پہ کوئی ذی نفس بیٹھا نظر آ رہا تھا۔

''بخت! یہ تم ہو...... حد ہو گئی بے وقوفی کی، اٹھو چلو گھر۔'' عباس کی اسے دیکھ کر جیسے جان میں جان آئی تھی، اس نے لپک کر بخت کا بازو پکڑ لیا تھا۔

''مجھے کہیں نہیں جانا۔'' بھرپور اجنبیت سے کہتے ہوئے وہ اپنا بازو چھڑوایا۔

''فضول باتیں مت کرو، بچگانہ پن کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔'' عباس بھڑک اٹھا۔

''تمہیں میری بات سمجھ نہیں آئی۔'' شاہ بخت اس بار بلند آواز میں بولا تھا۔

''اور تمہیں میری بات...... اٹھو یار بس کو، بند کرو پاگل پن۔'' عباس اس بار نسبتاً ٹھنڈے انداز سے بولا۔

''مجھے میرا پاگل پن کرنے دو اور تم میرے گارجین بننے کی کوشش مت کرو۔'' وہ سرد مہری سے بولا۔

عباس کو دھچکا لگا، وہ خاموشی سے کھڑا رہا، پھر وقار آگے آ گئے، اس کے ساتھ بیٹھے، بازو اس کے شانے کے گرد پھیلایا اور پیار سے اس کے بالوں میں ہاتھ چلایا تھا۔

''ارے میرے شیر...... میرے سکندر...... میرے بلند بخت...... اتنی ناراضگی؟ اتنا غصہ؟ اس بے چارے کا کیا قصور ہے؟ وہ تو تمہاری محبت میں مرا جا رہا ہے، سو نہیں پایا پریشانی کی شدت سے اور تم اسے ڈانٹ رہے ہو، غلط بات بیٹے! غصہ ہے ضرور نکالو مگر بے قصور پہ نہیں، مجھ سے ناراض ہو تو مجھ پہ نکالو نا اپنی ناراضگی۔'' وہ اتنے میٹھے لہجے میں طنز کر رہے تھے کہ یہ اندازہ کرنا مشکل نہ تھا کہ وہ پیار کی مار مار رہے تھے، شاہ بخت سے کچھ بولا نہیں گیا۔

''چلو اٹھو جوان باقی جھگڑا گھر چل کر کرتے ہیں۔'' انہوں نے اسے کھینچ کر کھڑا کیا اور اسی طرح اس کو ساتھ لگائے گاڑی کی طرف بڑھ گئے، عباس بھی ساتھ تھا۔

''عباس تم بخت کی گاڑی میں آؤ۔'' وقار نے کہا، عباس سر ہلاتا ہوا شاہ بخت کی گاڑی کی طرف بڑھ گیا، وقار نے اسے آگے بٹھایا اور خود گھوم کے ڈرائیونگ سیٹ پہ آ گئے، گاڑی اسٹارٹ کر کے روڈ پہ ڈالی تو شاہ بخت اب بھی کسی اسٹیچو کی طرح ساکت تھا۔

''مجھے ہٹ دھرمی پسند نہیں ہے شاہ بخت! غلطی کر کے تسلیم کرنا سیکھو، تسلیم کرو گے تو اصلاح کر سکو گے۔'' انہوں نے بے لچک لہجے میں کہا۔

''آئم سوری بھائی۔'' وہ سر جھکائے بولا تھا۔

''تمہارا لہجہ سپاٹ ہے، یعنی تم ابھی بھی خود کو حق پہ سمجھ رہے ہو، جب دل سے تمہیں غلطی کا احساس ہو تب سوری کرنا۔'' وہ بڑے اطمینان سے اس کا تجزیہ کر کے اسے جتا گئے، شاہ بخت لب بھینچ کر رہ گیا، یہ کتنا بڑا نقصان تھا کہ وہ اسے اتنا جانتے تھے، ورنہ شاید بات ختم ہو جاتی۔

''آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔'' اس بار وہ پست لہجے میں بولا۔

''تم وعدہ نہیں کر رہے اس کا مطلب ہے تمہیں خود پہ بھروسہ نہیں کہ تم ان چیزوں سے دور رہ پاؤ گے یا نہیں؟'' اس بار وہ کڑے انداز میں باور کروا رہے تھے، شاہ بخت نے مزید کچھ نہیں کہا۔

''بہتر ہوگا کہ تم مجھے یہ بتا دو کہ تم یہ سب کیوں کر رہے ہو؟ تمہاری عقل کو جنوں نے کھا لیا ہے یا ویسے ہی بے غیرت ہو گئے ہو؟ دوسرے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تم نے یہ سب کسی کے ایکسپلائٹ کرنے پہ کیا ہو مگر کوئی کیسے تمہیں بلیک میل کر سکتا ہے جب تک اس کے ہاتھ میں تمہاری کوئی کمزوری نہ ہو، سچ بتاؤ کہیں اس رستے پہ آگے تو نہیں بڑھ گئے، کتنا آگے جا چکے ہو بولو، کہیں بات ڈرنک تک تو نہیں آن پہنچی؟'' وہ خدشات و اوہام میں مبتلا تھے۔

''بھائی پلیز۔'' وہ تڑپ اٹھا۔

''ایسا کچھ نہیں ہے۔''

''تو پھر مجھے یہ بتاؤ وہ شاندار شوٹ کس کے کہنے پہ کیا تم نے، ایسی کیا مجبوری تھی تمہیں احساس ہے شاہ بخت کہ ہمارا معاشرہ بھلے ہی روز بروز ماڈرنزم کی طرف بڑھتا جا رہا ہے مگر ہمارا گھر بہت حد تک اس چیز سے دور ہے، اس بے ہودگی کی اجازت آرٹ کے نام پہ تمہیں کوئی نہیں دے سکتا، سمجھے تم۔'' وہ تحکمانہ اور رعب دار آواز میں بولے تھے۔

''جی میں جانتا ہوں اور وعدہ کرتا ہوں کہ دوبارہ ایسی غلطی نہیں ہوگی پلیز، پلیز مجھے معاف کر دیں، مجھ سے آپ کی ناراضگی برداشت نہیں ہو رہی، خدا کے لئے اپنا لہجہ بدلیں، میں عادی نہیں اس کا، مجھے لگ رہا ہے میرا دماغ پھٹ جائے گا، کتنا طنز کرتے ہیں آپ۔'' وہ ٹوٹے ہوئے اعصاب لئے بہت بکھر سا گیا تھا۔

''مجھے بھی ایسے ہی تکلیف ہوئی تھی۔'' انہوں نے پھر جتایا۔

''اچھا نا پلیز۔'' وہ روہانسا ہو کر ان کے کندھے سے لگ گیا، وقار کے لبوں پہ ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی! انہوں نے ایک ہاتھ سے گاڑی سنبھالتے ہوئے دوسرا ہاتھ اس کے شانے پہ پھیلا لیا اور پھر اس کے بالوں کو سہلاتے ہوئے چوما، وہ ان کے التفات پہ کھل اٹھا۔

''آئی لو یو بھائی، آپ دنیا کے سب سے اچھے بھائی ہیں۔'' اس کی مسکراہٹ میں زندگی کی جھلک تھی، وہ بچوں کی طرح ان سے لپٹ گیا۔

''تو...... تو میرا شہزادہ ہے، میرا شاہ بخت۔'' وہ مسکرائے تھے، مگر دل میں بہت فکر مندی سے سوچ رہے تھے۔

''میرا بچہ مس گائیڈ ہو گیا ہے۔''

''کون ہے اس کے پیچھے؟''

☆☆☆

''آپ رات کہاں تھے عباس؟'' سبین نے عباس سے پوچھا، آج صبح جبکہ وہ آفس جانے کے لئے تیار ہو رہا تھا، ٹائی باندھتے عباس کے ہاتھ تھم گئے۔

''ایک ضروری کام تھا۔'' وہ عام سے لہجے میں بولا۔

''رات کے ایک بجے؟'' وہ بولی وہ قدرے چونکا۔

''مردوں کے سو مسائل ہوتے ہیں۔'' وہ بیڈ پہ بیٹھ کر شوز پہننے لگا، سبین اسے دیکھتی رہی، اس میں ایاز کی گہری مشابہت تھی، اسے بے حد تکلیف ہوئی، وہ بات کو ٹال رہا تھا۔

''آپ بتانا نہیں چاہتے؟'' وہ آزردگی سے بولی۔

عباس نے ایک دم سر اٹھا کر اسے دیکھا، اس کے چہرے پہ حیرت تھی، اس نے سبین کا ہاتھ پکڑ کر اسے قریب بٹھا لیا۔

''جان! آپ اتنا افسردہ کیوں ہو رہی ہیں، کوئی خاص بات نہیں ہے بخت کی گاڑی خراب ہو گئی تھی تو اسے پک کرنے گیا تھا بھائی بھی ساتھ تھے آپ کو تو پتا ہے شاہ بخت کے کام بس اسی طرح کے ہوتے ہیں الٹی قسم کے...... آدھے گھنٹے میں ہم واپس بھی آ گئے تھے۔'' وہ بڑی روانی سے بات بدل کر بولا تھا، اسے تسلی دینے کی خاطر دایاں بازو اس کے گرد حمائل کیا تھا، سبین کی آنکھیں ڈبڈبا سی گئیں۔

''اور میں نے پتا نہیں کیا کچھ سوچ لیا تھا۔'' وہ روہانسی ہو گئی۔

''کیا؟'' عباس نے پوری توجہ سے اس کی دائیں آنکھ سے بہتا موتی اپنی انگلی پہ چن لیا۔

''پتا نہیں کہاں سے اتنے سارے خدشات، وہم اور خوف جمع ہو گئے تھے میرے اندر، مجھے لگا آپ...... آپ کسی اور کے پاس......'' وہ آنسوؤں کے بوجھ کے سبب بات مکمل نہیں کر پائی، عباس نے بے یقینی سے اسے دیکھا اس کے ہاتھ کٹی ہوئی ٹہنیوں کی مانند نیچے گر گئے۔

''آپ کو مجھ پہ شک تھا؟'' وہ بڑبڑایا تھا۔

''میں...... وہ......؟'' سبین بے ربط سی ہو گئی۔

''آپ نے مجھ میں ایسی کوئی اخلاقی برائی دیکھی جو آپ کو ایسا لگا؟'' وہ بے حد ڈس ہارٹ لگ رہا تھا۔

''بظاہر تو کوئی خرابی ایاز میں بھی نہیں تھی۔'' وہ نظر چرا گئی۔

''میں ایاز نہیں ہوں، مجھے اس کے ساتھ کمپئر مت کیا کریں۔'' وہ تلخی سے کہتا کھڑا ہو گیا۔

''آپ دونوں کی آپس میں گہری مشابہت ہے۔'' وہ بے ساختہ بولی پھر پچھتائی۔

''افسوس میں اپنی شکل بدلوانے پہ قادر نہیں ہوں، ویسے آپ کو تو میری شکل دیکھ کر بڑی تکلیف ہوتی ہوگی، ایاز یاد آ جاتا ہوگا۔'' وہ سخت اذیت پسندی سے بولا تھا۔

''میرا یہ مطلب نہیں تھا عباس، میں تو صرف......'' وہ سبین کا رنگ زرد پڑ گیا تھا، اس نے کوئی صفائی دینا چاہی مگر عباس نے فوراً اس کی بات قطع کر دی۔

''مجھے وضاحتوں سے نفرت ہے۔'' وہ تیزی سے باہر نکل گیا، سبین خاموشی سے بیٹھی بند دروازے کو دیکھتی رہی۔

''آپ کو بھلے ہی وضاحتوں سے نفرت سہی عباس مگر مجھے یہ جاننے کی جستجو ہے کہ آپ نے مجھ سے شادی کیوں کی تھی؟'' وہ خود کلامی کے سے انداز سے بولی تھی، آنکھوں میں گہری سوچ کی پرچھائیاں تھیں۔

☆☆☆

”مجھے یہاں لانے کا مقصد کیا ہے اسید۔“ دو دن بعد وہ اس کے سامنے کھڑی سراپا سوال تھی، ان دونوں کے حالات کچھ اس طرح تھے کہ وہ صبح کا گیا شام کو آتا تھا، کھانا ریڈی میڈ لے آتا اور تھکا سا آتے ہی بیڈ پہ دراز ہو کر سو جاتا، حبا نے یہ دو دن ایڈونچر سمجھ کر خوب انجوائے کیا تھا، کمرے کی اچھی طرح ڈسٹنگ کی، کچن کارنر صاف کیا، باتھ روم کی واشنگ کی، صرف شوق شوق میں، رات کو وہ مزے سے ٹھنڈے فرش پہ دراز ہو جاتی، اسید سے اس کی کوئی بات نہیں ہوئی تھی، مگر آج تیسرے دن وہ اکتا کر پوچھنے لگی۔

اسید نے اسے کڑی نظروں سے دیکھا اور آگے بڑھنا چاہا، مگر حبا نے اس کا بازو تھام کر روک دیا۔

”میں تم سے کچھ پوچھ رہی ہوں اسید۔“ وہ جتا کے بولی۔

اور بس غضب ہو گیا، اسید نے لمحہ بھر میں ہی حواس کھوئے تھے، شاید وہ ضبط کی انتہا پہ تھا اور یہ ضبط ذرا سی ٹھیس لگنے سے بکھر گیا تھا، اس نے نفرت سے حبا کا ہاتھ جھٹکا اور پھر بائیں ہاتھ کا تھپڑ اس کے گال پہ مارا، وہ کربناک انداز میں چیخی اور لڑکھڑا کر دیوار سے ٹکرائی۔

”سمجھائی تھی نا تمہیں ایک بات، بولو۔“ وہ اس کی گردن دائیں ہاتھ کے شکنجے میں کس کر بولا اور دباؤ مزید بڑھا دیا، حبا کی آنکھیں پھٹنے لگیں۔

”کہا تھا نا تمہیں کہ دوبارہ مجھ سے سوال مت کرنا، بولو سمجھایا تھا نا کہ اس لہجے میں مجھ سے بات مت کرنا، تمہارے دماغ میں بات نہیں نکتی کیا؟“ وہ دھاڑا تھا، حبا کا رنگ فق ہو گیا، حیرت جیسے ثبت ہو کر رہ گئی تھی۔

”تم کیا جاننا چاہتی ہو؟ کیا یہ کہ میں تمہیں یہاں کیوں لے کر آیا ہوں یا یہ کہ میں تمہارے ساتھ کیا کرنا چاہتا ہوں، فکر مت کرو بہت جلد سب کچھ سامنے آ جائے گا، تب تمہارے لبوں پہ سوال نہیں ہوں گے۔“ وہ زہریلے لہجے میں کہتا پیچھے ہٹ گیا۔

وہ پھر لباس تبدیل کر کے باہر نکل گیا، رات کے ساتھ بج رہے تھے جب وہ لوٹا تھا، حبا بیڈ پہ دراز تھی۔

وہ آج صبح سے بھوکی تھی مگر اس نے اس وقت اسید کے لائے ہوئے شاپرز کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔

”تمہیں کیا لگتا ہے اسید، میں ہار مان لوں گی، تم سے معافی مانگ لوں گی، ایسا کچھ نہیں ہو گا میں نے جو کیا بالکل ٹھیک کیا اور مجھے اس پہ کوئی شرمندگی نہیں، نہ کبھی ہو گی، میں کبھی یہ تسلیم نہیں کروں گی کہ میں غلط تھی۔“ وہ مطمئن تھی۔

وہ شرٹ اتار رہا تھا جب اس نے حبا کی ٹھنڈی آواز میں اس کے یہ الفاظ سنے، وہ اس کی طرف پلٹ آیا۔

”I wish کہ ایک ماہ بعد تم اپنے ان الفاظ پہ قائم رہ پاؤ۔“ وہ سرسراتے ہوئے لہجے میں بولا، حبا نے اس کی طرف دیکھنے سے گریز کیا تھا۔

”کھانا بناؤ، میں راشن لے آیا ہوں۔“ وہ حکمیہ انداز میں بولا تھا۔

”تمہیں کیا لگتا ہے تم سارا دن گھوم پھر کر آؤ گے اور میں تمہاری چاکری کروں گی؟ ناممکن...... میں تمہارے باپ کی ملازمہ نہیں ہوں اور نہ ہی تمہاری باندی، سمجھے تم، مجھ پہ حکم چلانے سے پہلے سوچ لینا، ہونہہ، کھانا بناؤ، مائی فٹ۔“ وہ تیکھے اور تیز لہجے میں بولی تھی، ساتھ ہی پیر پٹخا تھا، گویا غصہ نکالا تھا، اسید پہ جیسے بجلی گری تھی، وہ ایک

جھٹکے سے اس کی طرف پلٹ آیا، ہاتھ میں پکڑی شرٹ ایک طرف پھینک دی۔

”میرا خیال تھا تم چند دن ریسٹ کر لو، مگر بیٹی کی طرح تمہیں حساب کتاب کی بہت جلدی ہے، اپنے بزنس مین باپ کی طرح جو صرف یہی سوچتا ہے کہ اسے کتنا نفع ہو گا مگر اس بات کا یقین رکھو حبا تیمور، کہ اس بار سارے خسارے صرف اور صرف تمہارے حصے میں آئیں گے۔“ وہ بیڈ کے کنارے پہ کھڑا تھا، انداز اتنے خونی تھے کہ حبا کو جھرجھری آ گئی، بدقت خود کو سنبھال پائی۔

”مثلاً کیا کرو گے تم؟“ وہ استہزائیہ بولی۔

”بہت جلد تمہیں پتا چل جائے گا۔“

”تم کسی کو تکلیف نہیں دے سکتے اسید، تم ایک بے حد نرم دل اور اچھے انسان ہو، مجھے یقین ہے۔“ وہ مطمئن تھی، اسید کے اندر سناٹے اترنے لگے، کیسی مار ماری تھی اس نے؟

”مجھے یہ بھی یقین ہے کہ تم بھی مجھ سے اتنی ہی محبت کرتے ہو جتنی کہ میں۔“ وہ اس بار ہنسی تھی اور یہ ہنسی اسید کے اندر جلتی آگ میں پٹرول کی طرح لگی، وہ اور شدت سے جلنے لگا۔

”بکواس بند کرو، نہیں کی میں نے تم سے محبت، نفرت کرتا ہوں میں تم سے شدید نفرت۔“ وہ بلند آواز میں دھاڑا تھا، حبا ذرا بھی نہیں ڈری۔

”اچھا تو پھر کوئی عملی انتقام لو نا مجھ سے، یہ کیا صرف خالی دھمکیاں دیے جا رہے ہو۔“ بات ابھی حبا کے منہ میں ہی تھی کہ وہ کسی وحشی اور جنگلی شیر کی طرح اس پہ آ پڑا، حبا کی چیخ بڑی بے اختیار تھی۔

”تمہیں کیا لگا، تم نے مجھے فتح کر لیا، میں تمہیں بتاؤں گا مرد فتح کا جشن کیسے مناتا ہے، یاد ہے تمہیں ٹام جیری بہت پسند تھے اور تم ہمیشہ ٹام کی سائیڈ لیتی تھیں کیونکہ تمہیں بلیاں بہت پسند تھیں اور مجھے بلیوں سے نفرت ہے، آج تک تم نے بس چوہے اور بلی کی لڑائی دیکھی تھی آج کتے اور بلی کی بھی دیکھ لینا اور ایک آخری بات مرد اپنی فتح کا جشن مفتوح عورت کو روند کر مناتا ہے، یاد رکھنا حبا تیمور، میں تمہارا وہ حشر کروں گا کہ تم اپنی پہچان بھول جاؤ گی۔“ وہ کسی اژدھے کی طرح پھنکار رہا تھا۔

حبا کی دھڑکن مدھم ہونے لگی، وہاں دو انسان نہیں تھے دو درندے رہ گئے تھے، ایک جنون کی انتہا کو پہنچا ہوا تھا اور دوسرا بے بسی کی انتہا پہ تھا، کمرے میں اب صرف ایک بے بسی کی چیخیں تھیں، دل روز کربناک اور درد میں ڈوبی چیخیں جو کہ بتدریج کراہوں میں بدلتی گئیں اور کسی کی درندگی کی تیز دھار تھی جو ہر چیز کاٹ ڈالنے پہ اتری ہوئی تھی، کسی کی بے رحمی تھی جو ہر چیز ملیا میٹ کر رہی تھی، انسانیت، ہمدردی، دردمندی، خلوص اور سب سے بڑھ کر محبت وہاں سے روتے ہوئے نکل گئے تھے، اب وہاں صرف کرب تھا، آنسو تھے، اذیت تھی اور مار ڈالنے کی خواہش کتے نے اپنی وحشت و بربریت سے بلی کی نرم و نازک کھال کو ادھیڑ ڈالا تھا، کہا جاتا ہے ہر رات کی سحر ہے مگر اس رات کی سحر جانے کہاں رہ گئی تھی شاید ایک معصوم کی تقدیر کی مانند سو گئی تھی یا کھو گئی تھی۔

میری روح میں میری سانس میں\
وہ جو زہر بن کے اتر گیا......!\
یہ وہ کرب ہے، یہ وہ گھاؤ ہے\
میرے یار نے جو مجھے دیا......!\
یہ تو آگ ہے یہ شرار ہے\
یہ کیسا وصل یار ہے؟؟؟؟

اور پھر صبح ہو گئی، ایک دہشت ناک اور درندگی بھری شب کی سحر جس نے آگہی کی اذیت سے اسے اس طرح روشناس کروایا تھا کہ وہ گونگی

ہوگئی تھی، ساری زندگی بولنے کے قابل نہ رہی تھی۔

لڑکھڑاتے ہوئے وہ آئینے کے آگے آن کھڑی ہوئی، آئینہ اسے کیا دکھا رہا تھا، ایک سانولی رنگت، عام سے نقوش والی لڑکی، جس کے ہونٹ نیلے پڑے ہوئے تھے، جس کے چہرے، گردن اور سارے وجود پہ گہرے زخموں کے نشان تھے، ایک لمبی کھرونچ اس کے دائیں گال سے شروع ہو کر اس کی گردن سے ہوتی ہوئی نیچے تک چلی گئی تھی، کچھ نشان کاٹنے کے تھے، اس نے لرزتے ہاتھ سے اپنا چہرہ چھوا تھا۔

''میں...... کون ہوں؟'' وہ حیرت سے آئینے کو دیکھ رہی تھی۔

''میں...... میں؟'' اسے جھٹکا لگا، درد کی ایک شدید لہر پنڈلی سے اٹھی اور سارے وجود میں پھیل گئی، وہ اپنا بوجھ سہار نہیں پائی اور لڑکھڑا کر نیچے گر گئی، اس کے دونوں ہاتھ اپنے سر پہ تھے، اسے اپنا نام یاد نہیں آ سکا تھا، اسے اس کی پہچان بھلا دی گئی تھی۔

☆☆☆

ستارہ پاکستان آ گئی تھی، اس کا والہانہ استقبال کیا گیا تھا، وہ اماں سے لپٹ کر جو روئی تو ہر ایک کو رلا دیا۔

''مجھے اب کسی اور کے پاس مت بھیجئے گا اماں! مجھ میں اب مزید ذلیل ہونے کا حوصلہ نہیں بچا، مجھے اب خود سے دور مت کیجئے گا، اب سکت نہیں رہی۔'' وہ پھوٹ پھوٹ کر روتی رہی۔

''نہیں میری بچی، بس اب تجھے دل میں چھپا کر رکھوں گی۔'' وہ اس کو ساتھ لگائے خود بھی رو رہی تھیں۔

سب سے ملنے کے بعد وہ کمرے میں آئی تو کتنی ہی دیر گم صم بیٹھی رہی، عینی کی شادی کی تیاری عروج پہ تھی گھر بھر میں سامان بکھرا ہوا تھا، وہ حسرت سے ہر چیز کو دیکھتی رہی، عینی کتنی خوش قسمت تھی کہ اس کی زندگی میں سب کچھ نارمل تھا اور وہ کتنی بد قسمت تھی، کتنا عجیب واقعہ ہوا تھا اس کی زندگی میں، وہ بس بیٹھی سوچتی رہی، پہلی بار دل میں ماں باپ سے شکوہ جاگا تھا، کاش انہوں نے اسے اتنی دور نہ بھیجا ہوتا، تو اس کی زندگی کو یہ نوفل نامی روگ نہ لگتا، اگر انہوں نے اس کو اپنے ملک میں بیاہا ہوتا تو شاید اس کے حصے میں یہ بدنامی نہ آتی، لوگوں کی چبھتی ہوئی نظریں اور معنی خیز اشارے نہ آتے، مگر یہ ضروری تو نہیں تھا، سچ یہ ہے کہ جو اس کی قسمت میں رقم تھا وہ ہوا تھا، اس بحث سے کیا فائدہ کہ کس کا زیادہ ہاتھ تھا اور کون قصوروار نہیں تھا؟

☆☆☆

یہ اسلام آباد میں تیمور احمد کے گھر کا منظر تھا، وہ اس وقت بیڈ پہ نیم دراز کسی میگزین کا مطالعہ کر رہے تھے جبکہ مسز مرینہ بے چینی سے کروٹیں بدلتی آخر اٹھ بیٹھیں۔

''تیمور میرا دل بہت گھبرا رہا ہے۔'' وہ بے حد پریشان تھیں۔

''کیوں خیریت تو ہے؟'' وہ میگزین سے نظریں ہٹا کر بولے۔

''آپ اتنی خاموشی سے اتنے سکون سے کیسے بیٹھ سکتے ہیں، میری بچی کا کچھ پتا کروائیں، مجھے بہت فکر ہو رہی ہے، خدا معلوم وہ اسے کہاں لے گیا ہے۔'' وہ رو دینے کو تھیں۔

''میری اسد سے بات ہوئی تھی، وہ اسے ڈھونڈ رہا ہے، آپ فکر مت کریں وہ مل جائیں گے، ویسے بھی وہ زیادہ سے زیادہ کسی دوست کے ہاں ہی ٹھہرا ہوگا، اس کا کون سا وہاں ٹھکانہ ہے؟'' وہ تسلی دینے لگے۔

''پھر بھی تیمور، مجھے آج نیند نہیں آ رہی، تین دن ہو گئے میں نے حبا کو نہیں دیکھا، وہ تو مجھ سے ایک دن بھی بھی دور نہیں رہی، پتا نہیں کہاں ہے کس حال میں ہے۔'' وہ رونے لگیں۔

''دل چھوٹا مت کریں مرینہ، ایک بات تو ہم دونوں جانتے ہیں کہ اسید حقیقتاً حبا کو بہت چاہتا ہے، اس کی کتنی کیئر کرتا ہے تو ہم کیوں اتنے پریشان ہو رہے ہیں، جوان خون ہے غصہ کر گیا ہے جب غصہ اترے گا تو آ جائے گا واپس۔'' وہ مطمئن سے کہہ رہے تھے مگر مرینہ کو کسی کی بات کا یقین نہیں تھا اور نجانے کیوں ان کا دل تڑپ تڑپ کر پکار رہا تھا کہ وہ یقیناً تکلیف میں تھی بے حد تکلیف میں۔

☆☆☆

روم روم سے چھلکتا ہوا درد
رگوں میں لہو کی جگہ بہتا ہوا دکھ
آنکھ میں وحشت سے منجمد آنسو
بے فیض ساعتیں، بے نور بصارتیں
ہر سانس اذیت ہر آن ملامت
لب پہ ٹھہری ہوئی سسکیاں!!!!
اور جامد چپ کا قفل
سینے میں معدوم ہوتی دھڑکنیں
ٹوٹی ہوئی خواہشیں......!
درد سے بوجھل جسم و جاں......!
اور ڈوبتی ابھرتی نبضیں!
اسی کو جینا کہتے ہیں تو میرے مولا!
مجھے اور نہیں جینا اب کے......!

وہ دیوار سے ٹیک لگائے بہت دیر سے اسی حالت میں پڑی تھی، اس کی آنکھوں کی پتلیاں ساکت تھیں اور اس کمرے میں زہریلی سرگوشیاں کے سائے دوڑ رہے تھے۔

''تم اس دنیا کی سب سے بدصورت گھٹیا اور غلیظ عورت ہو حبا تیمور۔'' کیسی بے بسی اور نامرادی تھی کہ وہ اپنا آپ داؤ پہ لگا کے بھی حبا تیمور ہی تھی حبا اسید نہیں بن پائی تھی۔

''اور اس میں قصور تمہارا نہیں، تمہارے باپ کا ہے یہ اسی کے گندے خون کا اثر ہے اور میں اتنے سال اس گند کو، پاک کرنے کی کوشش کرتا رہا، کتنا بڑا احمق ہوں نا میں؟ تمہیں تو پاک کر نہ سکا البتہ غلاظت میں ڈوب کر اپنا وجود ضرور داغدار کر بیٹھا ہوں، تم نے ایک چال چلی اور سمجھ لیا کہ جیت تمہارے حق میں آ گئی، میں اسے تمہاری ہار میں بدل دوں گا، اس چھت کے نیچے میرے ہاتھوں تمہیں ایک پل سکون کا نہیں ملے گا، تمہیں کوئی آسانی ملے؟ میں تم پر اس حد تک زندگی تنگ کر دوں گا کہ تم موت کی دعائیں مانگو گی، میں تمہارا وہ حشر کروں گا کہ لوگ تمہیں بھیک بھی نہیں دیں گے، تھوک دیں گے تمہارے اوپر، غلاظت کے ڈھیر پر۔'' انتقام کی جھلستی ہوئی آگ تھی جس میں وہ اسے جلاتا رہا۔

وہ کمرہ واقعی اس کی قبر بن گیا تھا، مگر...... زندہ انسان کی قبر، وہ لڑکھڑاتے ہوئے اٹھی، وہ کمرے میں نہیں تھا، وقت پتا نہیں کیا ہوا تھا، اس جگہ پہ کوئی وال کلاک نہیں تھا، وہ ان شاپرز کی طرف بڑھی اور ساری چیزیں نکال کر شیلف پہ رکھ دیں، وہی چند مخصوص مصالحہ جات، گھی، دالیں اور لہسن پیاز وغیرہ، وہ سوچ سوچ کر چیزوں کو اپنی جگہوں پہ رکھنے لگی، پھر کمرے کی طرف واپس آ گئی، بستر ٹھیک کیا تو کچھ اور بھی یاد آیا تھا۔

''میں تمہیں اپنے بستر پہ جگہ نہیں دوں گا، تم اس قابل نہیں ہو، تمہاری جگہ وہ ہے، ٹھنڈا کھردرا فرش۔''

اس نے تیزی سے سر جھٹکا اور زور سے

آنکھیں بند کر لیں، اسے مزید جو یاد آ رہا تھا وہ اتنا تکلیف دہ تھا کہ وہ اسے ذہن میں بھی دہرانا نہیں چاہتی تھی، اس نے لرزتے ہوئے ہاتھوں سمیت بستر کی سلوٹیں درست کیں اور اندر بڑھتی بے چینی کو چھپاتی اٹھ کر باتھ روم کی سمت بڑھ گئی، وہاں اسید کے اتارے ہوئے کپڑے لٹکے تھے، وہ واپس باہر آئی، سرف کا پیکٹ نکالا اور واپس آ گئی، غسل خانے میں نہانے کا پانی بھرنے کے لئے ایک درمیانے سائز کا ٹب پڑا تھا، اس نے اس ٹب میں پانی بھرا اور مٹھی بھر کر سرف انڈیل دیا، کچھ دیر ہاتھ مارتی رہی، جھاگ کے بلبلے بننے لگے تو اس نے اسید کے کپڑے بھگو دیئے، کچھ دیر انہیں دونوں ہاتھوں سے ملتی رہی، دفعتاً اس کی کلائی کے زخم سے خون رسنے لگا، سرخ بوندیں، پانی میں گرنے لگیں، اب کے بار کچھ اور یاد آیا تھا۔

''روز کے کپڑے روز دھویا کرو، خشک ہونے میں وقت لگتا ہے، یہاں تمہارے باپ کا بھیجا ہوا لانڈری سسٹم تو ہے نہیں۔''

پانی اب داغدار ہو رہا تھا، وہ چونک کر کلائی پیچھے ہٹا گئی، اس نے بے تاثر نظروں سے کلائی کو دیکھا اور پھر سر جھٹک کر اپنا کام کرنے لگی، کپڑے دھونے کے بعد اس نے کمرہ صاف کرنا شروع کر دیا، بڑے دھیان اور احتیاط سے صفائی کرتے ہوئے اسے اب کی بار بھی کچھ یاد تھا۔

''مجھے اس کمرے میں ہمیشہ صفائی ستھرائی نظر آنی چاہیے، گرد کا ایک ذرہ بھی نہیں ہونا چاہیے، تمہارے جیسے گندگی کے ڈھیر کو برداشت کر رہا ہوں، اسے ہی کافی سمجھو، ورنہ حشر کر دوں گا تمہارا۔'' وہ چند لمحے کچھ سوچتی رہی پھر خود کو سنبھال کر اٹھی اور ڈیٹول ملا پونچھا مارنے لگی، اس کے بعد اس نے اچھی طرح ہاتھ پیر دھوئے اور کچن کارنر کی طرف آ گئی، اس نے دال ماش نکالی اور کنکر چننے لگی، بڑی توجہ کے ساتھ اس نے دال پکائی، اس بار کچھ یاد آیا تھا۔

''کھانا ہمیشہ اتنا بنایا کرو جتنا ایک وقت میں ختم ہو سکے، یہاں فریج کی سہولت تو ہے نہیں جو تم فریز کر سکو اور میں قطعاً گوارہ نہیں کروں گا کہ تم سالن باسی کر کے پھینکتی پھرو، آفٹر آل یہ میری حلال کی کمائی ہے تمہارے برعکس مین باپ کا پیسہ نہیں۔''

اس نے سالن بنا کر آٹے کا ڈبا دیکھا تو وہ خالی تھا، شاید وہ آٹا لانا بھول گیا تھا، وہ ہاتھ جھاڑ کر کچن کی دیوار سے لگ کر بیٹھ گئی، سردی کی شدت میں ہلکا سا اضافہ ہو گیا تھا، اس کے ہاتھوں کے زخم مسلسل پانی میں کام کرنے کی وجہ سے خراب ہو گئے تھے، وہ چند لمحے اپنے ہاتھوں کا جائزہ لیتی رہی، پھر انہیں گود میں رکھ لیا، اسے وہاں بیٹھے دو گھنٹے گزر چکے تھے مگر اس کی حالت ہنوز وہی تھی، پھر اس نے سیڑھیوں پہ کسی کی چاپ سنی، اسید اوپر آ رہا تھا۔

وہ اضطراب میں کھڑی ہو گئی، وہ سفید شرٹ اور بلیو جینز میں بے حد تھکا ہوا تھا، حبا نے اسے دیکھ کر فوراً نظر چرا لی۔

''السلام علیکم!'' اس کی آواز بھی ہوئی پست تھی۔

اسید نے سر ہلانا بھی مناسب نہیں سمجھا تھا جواباً سلامتی بھیجنا تو دور کی بات، وہ منہ ہاتھ دھونے چلا گیا، حبا وہیں کھڑی رہی۔

''کھانے میں کیا ہے؟'' وہ ٹاول سے منہ پونچھتا اس کی طرف آ گیا۔

''دال ماش۔''

''تو لے آؤ۔'' اس نے ٹاول حبا کی طرف پھینکا، جو اس کے منہ پہ لگا۔

''وہ روٹی نہیں ہی آتا نہیں تھا۔'' وہ بمشکل بول پائی تھی۔

''تو یہ بکواس تم صبح بھی کر سکتی تھیں۔'' اس نے تیز نظروں سے اسے گھورا اور واپس مڑا۔

''وہ..... میں..... آٹا نہیں گوندھ سکتی۔'' وہ ہکلا سی گئی تھی۔

''کیوں؟ کیا تکلیف ہے تمہیں؟'' وہ چبھتی ہوئی نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

حبا نے لرزتے ہوئے ہاتھ آگے کر دیئے، وہ زخمی تھے اور کھرنڈ اچھل گئے تھے، اسید کے لبوں پہ ایک استہزائیہ مسکراہٹ آ گئی۔

''جو ہاتھ کسی پہ بہتان لگانے کے لئے اٹھتے ہیں انہیں تو کاٹ ڈالنا چاہیے۔'' اس کا لہجہ بے لچک بے رحم اور سرد تھا۔

حبا کانپ اٹھی، اس کا سر کچھ مزید جھک گیا، اسید نے ایک نفرت بھری نگاہ اس پہ ڈالی اور تیز تیز قدم اٹھاتا سیڑھیاں اتر گیا۔

مجھے درس دے تو فنا کا
میرا عشق میں برا حال کر
مجھے دے سزا کوئی سخت سی
مجھے اس جہاں میں مثال کر
میری اصل صورت بگاڑ دے
کسی عشق بھٹی میں گال کر

وہ گھٹنوں میں بازو دیئے سسک رہی تھی۔

☆☆☆

عباس، وقار کے آفس میں گیا تو وہ اسے دیکھ کر چونک گئے، وہ بہت ست اور پژمردہ لگ رہا تھا، ناک کی نوک سرخ ہو رہی تھی۔

''کیا بات ہے عباس طبیعت ٹھیک ہے؟'' وہ تشویش سے پوچھنے لگے۔

''پتا نہیں، تھکن سی ہو رہی ہے، شاید فلو بھی ہو رہا ہے۔''

''تم گھر چلے جاؤ میڈیسن لے لو اور ریسٹ کرو اٹھو، جاؤ اگر ڈرائیو کرنے کا موڈ نہیں تو ڈرائیور کو لے جاؤ۔'' وہ فیصلہ کن انداز میں بولے تھے۔

''نہیں میں خود چلا جاؤں گا۔'' وہ اٹھ گیا۔

''ٹھیک ہے میڈیسن لیتے ہوئے جانا۔'' انہوں نے تاکید کی، وہ سر ہلاتا ہوا باہر نکل گیا، بہت سلو ڈرائیو کرتے ہوئے جس وقت وہ گھر پہنچا دوپہر ہو رہی تھی، گھر میں اس وقت لنچ کی تیاری ہو رہی تھی۔

''عباس بیٹا! کیا بات ہے، اس وقت طبیعت تو ٹھیک ہے؟'' نیلم چچی اسے اس وقت دیکھ کر حیران ہو رہی تھیں۔

''جی چچی! بس طبیعت کچھ ٹھیک نہیں، آرام کروں گا تو ٹھیک ہو جاؤں گا۔'' وہ آہستہ سے بولا۔

''ہاں ٹھیک ہے تم جاؤ کمرے میں، میں سبین کو بھیجتی ہوں۔'' وہ کچن میں چلی گئیں، عباس سیڑھیاں چڑھتا گیا، بستر پہ گر کے اس نے دایاں بازو موڑ کے آنکھوں پہ رکھ لیا۔

اگلے چند منٹ بعد کمرے میں افراد کا غول سا امڈ آیا، امی جان، علینہ، کومل، آمنہ بھابھی اور رمشہ بھی کہیں آخر میں سبین بھی تھی۔

''عباس بیٹا کیا بات ہے؟'' نبیلہ بیگم نے قدرے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا، وہ سیدھا ہو کے بیٹھ گیا۔

''ارے امی جان پریشانی کی کوئی بات نہیں میں بالکل ٹھیک ہوں، بس ایسے ہی تھوڑی تھکان محسوس کر رہا تھا جبھی گھر آ گیا۔'' اس نے نرمی سے وضاحت دی۔

''تھکن تو ہو گی، ویسے کس نے کہا تھا کہ شادی کے پانچویں دن ہی آفس جا گھسو۔'' آمنہ

بھابھی نے خفگی سے کہا۔

''یہ کیا بات ہوئی شادی کے بعد آفس نہیں جاتے کیا؟'' وہ ہنس پڑا۔

''جاتے ہیں ضرور جاتے ہیں مگر میرا خیال تو یہ ہے کہ تم دس پندرہ دن کہیں گھوم پھر آؤ، تھوڑی تفریح ہو جائے گی۔'' نبیلہ بیگم نے پرخیال انداز میں کہا۔

''بہت اچھی تجویز ہے چچی جان! آج وقار آئیں گے تو میں بات کرتی ہوں۔'' آمنہ بھابھی فوراً رضامند ہو گئیں۔

''ارے بھابھی جان! ایسا غضب نہ کیجئے گا بھائی سمجھیں گے آپ کے کندھے پہ بندوق رکھ کے چلا رہا ہوں۔'' عباس نیا پلان سیٹ ہوتا دیکھ کر بوکھلا گیا۔

''کیوں اس میں کیا غلط ہے بھائی! بھابھی کا آئیڈیا شاندار ہے۔'' کومل نے جھٹ حمایت کی۔

''اور وقار کی بات تم رہنے دو بیٹے، ایسا کام کا جنونی، تو یہ اپنی دلیمہ کی تقریب میں سے اٹھ کر کوئی ڈیلیگیشن اٹینڈ کرنے چلا گیا تھا۔'' نبیلہ بیگم نے خاصا جل کر انکشاف کیا، بے ساختہ ایک قہقہہ پڑا۔

''اور تھکن کس بات کی ہو گئی، ویسے بھائی مجھے تو لگ رہا ہے آپ کو فلو کے ساتھ بخار ہو رہا ہے۔'' کومل نے اس کا ماتھا چھوا اور حرارت محسوس کرنے پہ تشویش سے بولی، وہ اس کے پاس ہی بیڈ پہ بیٹھی ہوئی تھی جبکہ دوسری طرف علینہ تھی۔

''ہاں لگ تو مجھے بھی ایسا ہی رہا ہے۔'' عباس بولا۔

''او ہو ایسے ہی ہم تمہیں ڈسٹرب کر رہے ہیں، چلو بھئی اٹھ جاؤ سب عباس تم آرام کرو۔''

آمنہ فوراً اٹھ گئیں، سب نے ان کی تقلید کی۔

''سبین میں تمہارا اور عباس کا لنچ بھجوا دیتی ہوں۔'' جاتے جاتے کہہ گئیں، علینہ اور کومل بھی چلی گئیں، جبکہ رمشہ وہیں بیٹھی رہی۔

''آئم سوری عباس۔'' سب کے جانے کے بعد وہ آہستگی سے بولی تھی، عباس خاموشی سے اسے دیکھتا رہا، وہ جانتا تھا وہ اس دن والی بدتمیزی پہ معافی مانگ رہی تھی۔

''اٹس او کے رمشہ۔'' وہ اس کے علاوہ اور کیا کہتا، سبین بھی بیڈ کے آخری سرے پہ بیٹھی چونک سی گئی تھی۔

''آئم سوری بھابھی، میں نے بہت بدتمیزی کی تھی، مجھے اس بات نے مزید تکلیف دی تھی کہ آپ نے مجھے کچھ کہا نہیں تھا، میں اور عباس بہت اچھے دوست رہے ہیں، پھر پتا نہیں کیوں ایکدم سے سب کچھ غلط ہو گیا، مجھے تو چاہیے تھا کہ میں اس کی اچھی زندگی کو وشز دیتی اسے مگر..... میں بالکل اچھی دوست نہیں ہوں، ہے نا عباس؟'' اس کی آنکھوں میں آنسو چمک رہے تھے، سبین بے ساختہ اٹھ کر اس کے پاس آئی اور اسے ساتھ لگا لیا۔

''تم بہت اچھی ہو رمشہ، اور تم دونوں کی دوستی کا بھی مجھے اندازہ ہے، پاگل میں کون سا یہاں نئی آئی ہوں۔'' وہ اسے چمکارنے لگی۔

''رمشہ! ڈونٹ بی سلی، ہم آج بھی اچھے دوست ہیں اور رہی وشز کی بات تو ڈیئر آوارگی سے ڈنر کروا دو ہمیں، دشمنی وشز۔'' وہ شرارت سے بولا، رمشہ بے ساختہ ہنس پڑی۔

''کیوں نہیں ضرور۔''

''چلو اب سیدھی ہو کر بیٹھ جاؤ، کیوں سبین کا کاندھا بھگو رہی ہو۔'' اس نے چھیڑا، رمشہ جھینپ کر سیدھی ہو گئی۔

''تم بھول رہے ہو عباس کہ لڑکی کی اہمیت فیملی کے لئے زیادہ ہوتی ہے بانسبت شوہر کے۔'' وہ ہنستے ہوئے بولی۔

''بالکل نہیں، میری بیگم پبلک پراپرٹی نہیں ہیں، آمنہ بھابھی کی طرح۔'' اس کے کہنے پہ رمشہ کا قہقہہ بلند تھا۔

''اتنے پوزسیو ہو تم؟ مجھے یقین نہیں ہو رہا اور یہ آمنہ بھابھی کو کیا کہا تم نے، بتاؤں گی انہیں بلکہ بھائی کو کہ عباس صاحب کے یہ ویوز ہیں آپ کی بیگم کے بارے میں۔'' وہ تنگ کرنے پر اتر آئی، عباس ہنستا گیا۔

''بھائی کو بتاؤ گی ضرور مگر میری پیاری دوست یہ یاد رکھنا کہ وہ پہلے میرے بھائی ہیں پھر کچھ اور۔'' عباس ذرا بھی متاثر نہیں ہوا تھا۔

''ہاں میں بھول گئی تھی وہ تو آمنہ بھابھی سے بھی زیادہ پبلک پراپرٹی ہیں۔'' وہ جل کر بولی، عباس کے ساتھ ساتھ اس بار سبین کا قہقہہ بے ساختہ تھا، رمشہ بھی ہنستی ہوئی اٹھ گئی۔

''او کے تم ریسٹ کرو اور بھابھی جان ذرا ان کے حال کی فکر کریں، شادی کے تیسرے دن ہی بیمار کر لیا خود کو۔'' وہ جتاتی ہوئی باہر نکل گئی، کمرے میں اب بالکل خاموشی تھی، سبین نے اٹھ کر عباس پہ کمبل ڈالا اور پھر اس کے پاس بیٹھ کر پھرتے سے اس کی پیشانی پہ ہاتھ رکھا اور پریشان ہو گئی۔

''آپ کا ٹمپریچر تو بڑھ رہا ہے عباس۔''

''ہاں کسی کی بے اعتباری نے گھائل کر ڈالا ہے۔'' وہ از حد رنجیدہ تھا، سبین گم صم سی ہو گئی۔

''جس انسان کو جی بھر کر ٹھکرایا گیا ہو، دوسروں کے سامنے رد کیا گیا ہو، وہ کسی پہ اعتبار نہیں کر سکتا۔'' وہ ٹوٹ گئی تھی۔

''میں نے تو سب کچھ آپ کے سامنے رکھ دیا تھا، اپنا آپ عیاں کر دیا، دل کھول کر دکھا دیا اگر اس کے باوجود بھی آپ مجھے ایاز کا طعنہ دیں گے تو پھر میں کیا کر سکتی ہوں۔'' اس نے روانی سے بہتے آنسو پونچھے، اسی وقت دروازے پہ کھٹکا ہوا، وہ اٹھی اور باتھ روم میں چلی گئی، ملازمہ کھانا لے کر آئی تھی، عباس نے اسے ٹیبل پہ ٹرے رکھ کر جانے کا کہہ دیا۔

☆☆☆

یہ وسط لاہور کے ایک ماڈرن اور ویل آرگنائزڈ کمرشل ایریا کا منظر تھا جہاں ایک نئے ہوٹل کی تیاری عروج پہ تھی، تعمیر و توسیع کا کام تقریباً مکمل ہو چکا تھا، لکڑی کی پلیننگ اور چھتوں کی سیلنگ اور دروازوں کا کام تا حال باقی تھا جس کے لئے ''مغل انڈسٹریز'' سے گفت و شنید جاری تھی۔

یہ میٹنگ دو نفوس کے درمیان ہو رہی تھی، سید معصب شاہ (جو کہ اس ہوٹل کے اونر تھے) اور شاہ بخت مغل (جو مغل انڈسٹریز کا نمائندہ تھا)۔

معصب شاہ اسے اپنی ڈیمانڈز بتا رہے تھے، جنہیں شاہ بخت برق رفتاری سے لیپ ٹاپ میں محفوظ کر رہا تھا، اس کے بعد وہ انہیں اپنی انڈسٹری کے کیے گئے گزشتہ Projects کی Graphics اور Styles بتانے اور دکھانے لگا، دونوں حضرات کے درمیان یہ گفتگو شستہ انگریزی میں ہو رہی تھی، جس وقت وہ اپنے ڈیل فائنل کر کے اٹھے، لنچ آور شروع ہو چکا تھا۔

''Mr, Mughal! would you like to share my lunch?'' معصب شاہ نے مسکرا کر اس سے پوچھا۔

''Yeah! why not, its my

honour sir!" شاہ بخت بھی مسکرایا۔

دونوں لنچ ٹیبل پہ آ گئے، لنچ کے دوران وہ رسمی گفتگو سے نکل کر کچھ گپ شپ کرنے لگے، شاہ بخت بہت نفاست سے چائنیز کی ڈش فورک کی مدد سے کھا رہا تھا جب اس نے معصب شاہ کو خود پہ نگاہ جمائے پایا، وہ حیران نہیں ہوا، لوگ اس سے مل کر ہمیشہ ٹھٹک جاتے تھے، پلٹ کر دیکھنے پہ مجبور ہو جاتے تھے، ایسا اس لئے بھی تھا کہ وجاہت و خوبروئی کے ساتھ ساتھ اس میں ایک فطری تمکنت و وقار بڑی شان سے موجود تھا، اس کے اطوار بڑے شاہانہ تھے۔

"O, man you have a perfect photo genic face, why you don,t try flim?" معصب شاہ کی بات پہ شاہ بخت کو اچھو لگ گیا، وہ کھانستا چلا گیا، حالانکہ اس وقت وہ صرف ہنسنا چاہ رہا تھا، اس نے سر اٹھایا تو اس کی دلکش شہد رنگ آنکھیں پانیوں سے بھری ہوئی تھیں۔

"Mr. shaw! im a perfessional model" اس نے مسکرا کر انکشاف کیا تھا، جواباً معصب شاہ کی بے یقین نگاہیں دیکھ کر اسے گدگدی سی ہونے لگی، وہ ان کی نگاہوں میں اپنے لئے پسندیدگی کی تحریر پڑھ چکا تھا۔

رات جب وہ وقار کو آج کی میٹنگ کی تفصیل بتانے بیٹھا تو بڑے تفاخر سے معصب شاہ کی بات بھی دہرائی تھی، وقار اسے ہنستے دیکھ کر خود بھی ہنس پڑے تھے۔

☆☆☆

کمرے میں دھندلا اجالا تھا اور قدرے گرمی بھی، کاؤچ پہ ایک ذی نفس دراز تھا، ڈاکٹر شاہ نزدیک ہی جھولنے والی کرسی پہ بیٹھے تھے۔

"آپ کو تشدد پسند ہے؟" وہ بہت گہری آواز میں بول رہے تھے۔

"ہاں ہر پولیس والے کو پسند ہوتا ہے۔" وہ کسی معمول کی طرح بولا، یوں لگتا تھا اسے کسی تنویمی عمل یا ہپناٹزم سے گزارا گیا تھا، جس کے نتیجے میں اس کا شعور سو گیا تھا اور لاشعور بیدار ہو کر وہ سب خفیہ و پوشیدہ راز اگلنے والا تھا جو کہ حواس میں رہتے ہوئے وہ مر کر بھی نہ بتا پاتا۔

"کس قسم کا؟"

"ہر قسم کا، نفسیاتی، جسمانی، جذباتی اور جنسی۔" وہ اٹکے بغیر بولا، صرف ایک چیز اسے یہ بتانے سے منع کرتی تھی اس کا نام عہدہ، شہرت، لیکن لاشعور ان باتوں سے بے نیاز تھا جبھی سب اگل رہا تھا۔

"کیوں؟"

"مجھے تسکین ملتی ہے۔" وہ سپاٹ انداز میں بولا تھا اس کی آنکھیں بدستور بند تھیں۔

"کس پہ تشدد کر کے آپ پچھتائے؟" اس بار سوال مضبوط و بھاری تھا۔

معمول کے چہرے کے تاثرات میں تبدیلی نظر آئی، یوں جیسے وہ زبردست کشمکش میں ہو، ڈاکٹر شاہ نے اس کی مذاحمت دیکھی تو فوراً تیز آواز میں اپنا سوال دھرایا، اسے پتا تھا وہ اس شخص کو زیادہ دیر اپنی دسترس میں نہیں رکھ پائے گا، وہ ایک کامیاب پولیس آفیسر تھا، بے حد مضبوط اعصاب کا مالک..... زیادہ دیر اس کے شعور کو سلانا ناممکن ہی تھا۔

"اس پہ..... اسے میں نے جب بھی مارا، مجھے بہت تکلیف ہوئی، میں نے اسے ہر طرح سے ٹارچر کیا، بہت زیادہ..... بہت۔" وہ شدید ہیجان کی زد میں آ گیا تھا، چہرے کے تاثرات بھی بتدریج بدل رہے تھے۔

"کون تھا وہ کون؟" ڈاکٹر شاہ کا لہجہ جارحانہ ہوتا گیا۔

"وہ..... نہیں..... مجھے..... نہیں پتا۔" وہ اس کا شعور سخت مذاحمت کر رہا تھا، اس کا دماغ جاگ رہا تھا۔

ڈاکٹر شاہ ایک طویل سانس لے کر رہ گیا، آخر کار گرہ کا ایک سرا ہاتھ آ ہی گیا تھا۔

☆☆☆

ایک پرائیوٹ کالج میں گزارے لائق تنخواہ اور ناتجربہ کاری کی بناء پہ عارضی بنیادوں پر تقرری سے اسے بھلے ہی اخراجات قابو کرنے میں مشکل ہو رہی تھی مگر بہرحال خالی ہاتھ سے بہتر تو وہ چند ہزار تھے جو اسے تنخواہ کی صورت میں ملتا تھے، اس کے علاوہ اسے سیکنڈ ٹائم ایک انگلش اکیڈمی میں دو گھنٹے میں تین کلاسز مل گئیں تھیں جن کے کچھ مزید مالی مدد ملنے کا امکان پیدا ہو گیا تھا، یوں وہ صبح سات بجے کا نکلا رات چھ بجے لوٹتا تھا، بے حد تھکا ہوا، اکتایا اور غصیلا اور ایسے میں اگر غلطی سے حبا اس سے الجھ پڑتی تو وہ اس کا حشر کر ڈالتا۔

ابھی تو رات باقی ہے
یہ ڈھل جائے تو سو جانا
گھڑی بھر کو دل ناداں
سنبھل جائے تو سو جانا
یہ جلتے ہونٹ اور یہ
نیند میں ڈوبی ہوئی آنکھیں
ذرا ٹھہرو مجھے بھی نیند آ جائے
تو سو جانا.....!
حسین ہو تم، تمہیں کیا غم
تمہیں تو نیند پیاری ہے
ہمارا حال مت پوچھو کہ
ہم پر رات بھاری ہے
ہمارے سر قیامت ہے
یہ ٹل جائے تو سو جانا
ابھی تو رات باقی ہے
یہ ڈھل جائے تو سو جانا

یہ رات کے ساڑھے نو کا وقت تھا، سردی کی شدت میں اضافہ ہو چکا تھا، پتا نہیں یہ کیسی کالونی تھی جہاں کوئی ذی نفس تھا نہ کوئی زندگی کی ہلچل، کمرے میں مکمل اندھیرے کا راج تھا، اسید کو روشنی میں سونے کی عادت نہیں تھی اور نائٹ بلب اس کمرے میں تھا نہیں، مگر اس کمرے میں تو اور پتا نہیں کیا کیا نہیں تھا؟

گھر میں موجود راشن تین چار دالوں پر مشتمل تھا جو کہ وہ اکیڈمی سے ملنے والے روپوں سے لایا تھا، کالج سے سیلری تو مہینے کے آخر میں ہی ملنا تھی، اس تنگ دستی کے عالم میں وہ پبلک ٹرانسپورٹ کے دھکے کھانے پہ مجبور تھا اور اس کالونی تک پہنچنے تک اسے بیس منٹ کا پیدل سفر کرنا پڑتا تھا اور تھکن کے عالم میں آنے کے بعد وہ کھانا کھاتا اور بمشکل کل کے لیکچرز تیار کر پاتا تھا، آج بھی ایک تھکان بھرا دن گزرا تھا، وہ سونے کے لئے لیٹا تھا مگر پتا نہیں کیوں اس کے سر میں شدید درد ہو رہا تھا، وہ سو نہیں پا رہا تھا، مگر ایک اور چیز بھی مزاحم تھی اس کی راہ میں حبا کی سسکیاں، وہ گھٹ گھٹ کر رو رہی تھی، وہ کچھ دیر تک برداشت کرتا رہا، پھر اٹھا بیٹھا، ہاتھ بڑھا کر لائٹ جلا دی، وہ کچن کارنر کی دیوار کے ساتھ لگ کر زمین پہ بیٹھی تھی، اسید نے اکثر اسے وہاں بیٹھے دیکھا تھا۔

"کیا مسئلہ ہے تمہارے ساتھ؟ سونے کیوں نہیں دے رہیں تم؟" وہ چلایا تھا، حبا کی سسکیاں تھم گئیں، اسید نے کوفت سے اسے

دیکھا۔

''کیا بات ہے؟'' اب کی بار قدرے نارمل انداز میں بولا تھا، حبا پھر سے رونے لگی، اسید نے گہری سانس لے کر خود پہ قابو پایا پھر کمبل ہٹا کر اٹھا اور اس کے پاس چلا آیا۔

''کیا تکلیف ہے تمہیں؟'' اس نے سختی سے حبا کا بازو ہلایا۔

''میں یہاں نہیں رہ سکتی، مجھ سے تنہا نہیں رہا جاتا، مجھے ڈر لگتا ہے، مجھے یہاں سے لے جاؤ اسید پلیز، مجھے یہاں بہت ڈر لگتا ہے پلیز، میری بات مان لو، پاپا ہم سے ناراض نہیں ہیں، تو پھر کیوں اس کوٹھری میں وقت ضائع کر رہے ہو، تم چلو یہاں سے، میں پاپا سے کہہ کر تمہیں جاب دلوا دوں گی، سب ٹھیک ہو جائے گا، میری بات مانو، چلو یہاں سے۔'' وہ منت بھرے انداز میں بول رہی تھی۔

''اتنی جلد ہار مان لی تم نے؟'' اسید کے لبوں پہ استہزائیہ مسکراہٹ تھی، حبا نے چونک کر اسے دیکھا۔

''میں نے ہار نہیں مانی اور نہ مانوں گی، سنا تم نے، میں تم سے محبت کرتی ہوں اسید مصطفیٰ اور تمہیں حاصل کرنے کے لئے میں جو کر سکتی تھی میں نے کیا اور دیکھو اب تم میرے ہو۔'' وہ بھی اسی ٹون میں بولی، اسید کا چہرہ دھواں دھواں ہو گیا۔

''تم نے ایسا کیوں کیا حبا؟ کیا ملا تمہیں یہ سب کر کے؟ مجھے یوں سب کے سامنے ذلیل کیوں کیا تم نے؟ میں نے کبھی تمہیں نہیں ورغلایا، کبھی تمہیں غلط سبق نہیں سکھایا، پھر تم نے یہ کہاں سے سیکھا؟ میں نے ساری زندگی تمہاری تربیت کی، تمہیں سچ بولنا سکھایا پھر تم نے مجھ پہ اتنا بڑا الزام کیوں لگا دیا کیسے اتنا بڑا بہتان باندھا تم نے؟ کیوں؟ تم اچھی طرح جانتی ہو میں تمہارے بارے میں کسی قسم کے جذبات رکھتا تھا؟ پھر بھی تم نے...... کیوں حبا کیوں؟'' آج اتنے دنوں میں پہلی بار وہ اس سے سوال کر رہا تھا اور اس کا لہجہ بھیگا ہوا تھا، بے یقینی، افسردگی، افسوس اور دکھ بول رہے تھے اس کی آواز میں۔

حبا چند لمحے اسے دیکھتی رہی، پھر آہستہ سے ہاتھ بڑھا کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''تم نے پوچھا، میں نے ایسا کیوں کیا؟ بڑا سادہ سا جواب ہے اس کا، تمہیں پانے کے لیے، تم نے پوچھا کیا ملا یہ سب کر کے؟ میرا نام کے آگے تمہارا نام لگ گیا ہے اسید، ذرا سوچو تو کس قدر حسین ہو گیا میرا نام، حبا اسید۔'' اس نے خواب ناک لہجے میں سرگوشی کی تھی۔

''ہاں...... تم نے ٹھیک کہا، تم نے مجھے کبھی نہیں ورغلایا، کبھی غلط سبق نہیں دیا، ہاں یہ سچ ہے تم نے میری بہترین تربیت کی اس میں بھی کوئی شک نہیں، ہاں میں جانتی تھی کہ تم مجھے بہن سمجھتے تھے مگر یہ رشتہ تم نے خود ہی ختم بھی تو کر دیا تھا اور بارہا مجھے جتایا بھی تھا، اگر تمہیں یاد ہو تو، دوسرے جب تم کسی طرح بھی میرے نہیں ہو سکتے تھے تو مجھے کچھ تو کرنا تھا، یہ ایک فلم اسٹوری نہیں ہماری زندگی تھی، میں یہ ڈھنڈورا نہیں پیٹ سکتی تھی کہ تم خوش رہو میرے لئے بس، یہی کافی ہے، ناممکن...... یہ کوئی بارہویں صدی تو ہے نہیں، تم اچھی طرح جانتے ہو آج کا انسان خود غرض ہے، ہاں مجھے اقرار ہے میں خود غرض ہوں، مجھ میں تمہیں کھونے کی ہمت نہیں تھی، میں اپنی نظروں سے تمہیں کسی اور کا ہوتے نہیں دیکھ سکتی تھی، اس سے پہلے میں اسے شوٹ ضرور کر دیتی، یہ گھسی پٹی بات بھی نہیں کر سکتی تھی کہ مجھے تمہارے وجود کی نہیں روح کی چاہ ہے، کیا مذاق ہے

وجود میرا ہوگا تو روح تک جاؤں گی نا۔"

"آخری بات تم نے پوچھا میں نے تمہیں سب کے سامنے ذلیل کیوں کیا؟ اس عظیم جرأت کے لئے میرے پاس کوئی وضاحت ہیں سوائے اس کے کہ میرے پاس اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا اور یہ کہ میں نے تم پہ الزام کیوں لگایا؟ معاف کرنا، تم مجھ سے محبت کرتے ہو مجھے پتا ہے ہاں یہ ضرور ہے کہ میرے الفاظ غلط تھے، اسے اگر تم بہتان کہتے ہو تو میں کیا کر سکتی ہوں، ان آخری دو باتوں کے لئے میں قصور وار ہوں مجھے تسلیم ہے، تم جو سزا دینا چاہو مجھے قبول ہوگی۔"

اس کا لہجہ مضبوط تھا، مدلل تھا، دوٹوک تھا اور بے لچک بھی۔

اس ساری گفتگو کے دوران اسید کے چہرے نے کئی رنگ بدلے تھے، مگر اب اس بات چیت کے آخر میں اس کا چہرہ سرخ پڑ گیا تھا، اس کے لب بھینچ گئے اور آنکھوں میں ایسی سرخی اتڑ آئی تھی جو اپنے مطلوبہ شکار کو دیکھ کر کسی خون آشام درندے کی آنکھوں میں ابھرتی ہو، اس کے بھاری ہاتھوں کا بوجھ حبا کے شانوں پہ آپڑا۔

"سزا تو تمہیں ملے گی، جانتی ہو بہتان کی سزا کیا ہے؟ پتا ہے تمہیں؟ 80 کوڑے اور ایک باشعور ذی نفس کی تکریم اور عزت نفس کو روندنے کی سزا کیا ہونی چاہیے اور کسی کا اعتبار توڑنے کی سزا؟ اور کسی کو خود سے نفرت کرنے پہ مجبور کر دینے کی سزا؟ اور کسی کی تذلیل کی سزا؟ تمہارا ریکارڈ تو بہت گندا ہے حبا، کس کس جرم کی سزا بھگتو گی؟ آؤ ذرا اپنے حوصلوں کی دیوار دیکھ لو، کیا کچھ سہہ سکتی ہو، کیا برداشت کر سکتی ہو؟ خود غرض شخص بزدل ہوتا ہے، جانتی ہو فرد جرم عائد کی جا چکی ہے، اقرار جرم بھی ہو چکا، اب کوئی دلیل کوئی اپیل کام نہ آئے گی، اب صرف سزا سنائی جائے گی۔" اس کی آواز سرسراری تھی، حبا کا رنگ سفید پڑتا جا رہا تھا۔

"میں ہار نہیں مانوں گی اسید مصطفیٰ!" اس کا لہجہ ناقابل فہم سا تھا، وہ بلند آواز میں ہنسا۔

"بات ہار جیت سے بہت آگے نکل گئی ہے حبا تیمور!" اس نے اسے گھورا۔

"تمہیں کیا لگتا ہے زبردستی کے رشتے سے کچھ حاصل ہو جاتا ہے اور اس طرح...... یہ سب کر کے تمہیں کیا لگتا ہے مجھے حاصل کر لوگی...... ناممکن...... مجھ سے کچھ حاصل نہیں ہوگا تمہیں؟" وہ حتمی لہجے میں بولا تھا۔

"اور اگر میں تم سے معافی مانگ لوں تو۔" وہ کچھ سوچ کر بولی تھی، اسید اس کی ذہانت اور شاطر ذہنیت پہ دنگ سا رہ گیا، وہ کتنی ہوشیاری سے بازی پلٹتا دیکھ کر رنگ بدل گئی تھی۔

حبا کا دل دھڑکنا بھول گیا، وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے اسے دیکھتی رہی۔

☆☆☆

عینی کی شادی میں تقریباً دو ماہ رہتے تھے اور ستارا فارغ نہیں رہنا چاہتی تھی، جبھی وہ اس دن ابا کے پاس آ گئی۔

"ابا! میں کہیں جاب کرنا چاہتی ہوں۔" اس نے آہستگی سے کہا ابا بے تحاشا چونک گئے۔

"جاب؟ کوئی اسکول وغیرہ میں پڑھانا چاہتی ہو؟"

"میرا دماغ نہیں خراب ہوا جو اس سائیکالوجی میں ایم ایس سی کرنے کے بعد اسکول جاب کروں، میں کسی کلینک میں پریکٹس کرنا چاہتی ہوں۔" اس نے فیصلہ کن انداز میں کہا، ابا چند لمحے خاموش رہ گئے۔

"ٹھیک ہے بیٹی، میں کوشش کرتا ہوں، اپنے جاننے والوں کو کہتا ہوں۔" وہ ایک طویل سانس لے کر بولے تھے۔

ستارا کچھ کہے بغیر اٹھ گئی، چند دنوں کی کوشش کے بعد وہ ستارا کے لئے خوشخبری کی نوید لائے تھے۔

"یہ کوئی شاہ کلینک ہے، میں نے بات کر لی ہے انہیں اسسٹنٹ کی ضرورت ہے، ٹائمنگ تھوڑی ٹف ہے وہ تم خود ڈسکس کر کے فائنل کر لینا۔" وہ تفصیل سے بتا رہے تھے، ستارا کے لبوں پہ ایک اطمینان سے بھرپور مسکراہٹ آ گئی۔

"ٹھیک ہے میں کر لوں گی کل بلایا ہے انہوں نے؟"

"ہاں۔"

"ہوں ٹھیک ہے۔" وہ اٹھ گئی، جب اماں کو پتا چلا کہ وہ جاب کرنا چاہتی ہے تو وہ کتنی ہی دیر گم صم رہی تھیں۔

"میں اپنی زندگی اب بیکار اور تلخ سوچوں کی نظر نہیں کر سکتی اماں! پلیز مجھے یہ کر لینے دیں۔" اس نے التجائیہ انداز میں کہا، جواباً وہ کچھ نہ کہہ سکیں۔

چند دن بعد اس نے باقاعدہ جوائن کر لیا، اس کی ٹائمنگ صبح دس بجے سے لے کر شام چار بجے تک کی تھی، اس کا خیال تھا کہ ڈاکٹر شاہ کوئی بوڑھا، ادھیڑ عمر سا شخص ہوگا، مگر اتنے ینگ اور فریش ڈاکٹر کو دیکھ کر وہ ورطہ حیرت میں پڑ گئی وہ خوش مزاج اور نرم دل انسان تھا، مستزاد سیلری پیکج بھی بہت اچھا دے رہا تھا، ستارا کو یقین تھا کہ اسے وہاں کوئی مشکل پیش نہیں آئے گی۔

☆☆☆

یہ ویک اینڈ تھا، مغل ہاؤس میں خوشگوار ہلچل تھی، یہ ہلچل خصوصاً رمشہ کے لئے تھی۔

کوئی "حسیب نعمان" تھا جس کا پرپوزل رمشہ کے لئے آیا تھا، سب سے حیرت انگیز بات یہ تھی کہ رمشہ بالکل نارمل ری ایکٹ کر رہی تھی، ورنہ شاہ بخت کے ریجیکشن کے بعد وہ جس بری طرح ٹوٹ گئی تھی اس کے بعد کومل کو یہ توقع کم ہی تھی۔

"حسیب نعمان!" کا بیک گراؤنڈ تو خاصا مضبوط تھا، اپنا سرامکس کا بزنس تھا، پرسنالٹی بھی پرکشش تھی اور سب سے مزے کی بات جس کا بعد میں بے حد ریکارڈ لگایا گیا وہ یہ تھا کہ موصوف ریڈیو لسنر تھے اور رمشہ کی سریلی آواز پہ دل ہار بیٹھے تھے، بہرحال گھر بھر میں ہی پرجوش و خوش تھے، غالب امکان تھا کہ یہ پرپوزل قبول کر لیا جائے گا۔

اگلی صبح سنڈے تھا اور مغل ہاؤس ہمیشہ سنڈے بڑا بے فکر سا منانے کا عادی تھا، جس کا جب دل چاہتا اٹھتا، اپنی پسند کا ناشتہ بنایا اور گھومنے پھرنے نکل گئے ورنہ ریڈی میڈ ناشتہ چلتا اور دوستوں کی جانب دوڑ لگتی۔

اس وقت صبح کے گیارہ بجے کا وقت تھا، مغل ہاؤس ہنوز نیند میں ڈوبا ہوا تھا، رات سے عباس کی طبیعت مزید بگڑی ہوئی تھی، اس کا بخار تیز ہو گیا تھا، سبین رات دیر تک جاگتی رہی تھی اور اس کی تیمارداری میں لگی رہی تھی، جبھی وہ بھی آج لیٹ اٹھی تھی ورنہ وہ خاصی سحر خیز تھی، وہ منہ ہاتھ دھو کر بال بنا کے ٹیرس پہ چلی آئی، دھوپ اب فرحت بخش لگ رہی تھی، اس نے ریلنگ پہ ہاتھ جما کے نیچے دیکھا، گیٹ کھل رہا تھا اس کے ساتھ ہی ایک ایمبولینس اندر داخل ہوئی تھی جس کا سرخ ہوٹر بڑی دل دہلا دینے والی آواز میں بج رہا تھا، سبین کا دل دھک سے رہ گیا۔

(باقی آئندہ)

کاسۂ دل

سندس جبیں

گیارہویں قسط

اس نے دھک دھک کرتے دل کے ساتھ دیکھا، ایمبولینس کا ہوٹر اب بند ہو چکا تھا، وہ تیزی سے واپس پلٹی، احتیاط سے پردہ برابر کیا عباس سو رہا تھا، جبھی وہ اسے ڈسٹرب کیے بغیر تیزی سے سیڑھیاں اترتی نیچے آ گئی، لاؤنج خالی تھا، وہ جلدی سے وقار کے کمرے کی طرف بڑھی، بے تاب سی دستک دی پھر دوبارہ دی، کچھ دیر بعد دروازہ کھل گیا، آمنہ تھیں سوئی آنکھیں لیے رات کے لباس میں۔

''بھابھی! بھائی کہاں ہیں؟ باہر ایمبولینس آئی ہے۔'' وہ تیزی سے بولی۔

''کیا؟ ایمبولینس مگر کیوں؟'' آمنہ کی آنکھیں پوری طرح کھل گئیں، وہ تیزی سے واپس مڑیں اور سوئے ہوئے وقار کا شانہ ہلانے لگیں۔

''وقار! اٹھیں وقار باہر ایمبولینس آئی ہے، یا اللہ خیر! ہمارا تو گھر سے کوئی بھی باہر نہیں تھا۔'' وہ بڑبڑائی تھیں، وقار کی نیند یکدم ٹوٹی تھی وہ جھٹکے سے اٹھ بیٹھے، پھر افراتفری میں جوتا پہن کر باہر لپکے تھے، سیین بھی ساتھ ہی تھی جبکہ آمنہ افتاداں وخیزاں لباس تبدیل کرنے کو لپک گئیں، وقار معاملہ معلوم کرنے کے لئے باہر بڑھے تھے، سیین واپس ہوئی اور امی جان کے کمرے کی طرف بڑھ گئی، انہیں بتایا تو وہ بھی بے حد پریشان ہو گئیں، اسی وقت وقار واپس آ گئے، ان کا رنگ فق ہوا تھا اور آنکھیں بھری ہوئی، سیین نے انہیں بے حد پریشانی کے عالم میں طارق چچا کے کمرے کی طرف بڑھتے دیکھا تھا، بات اتنی بڑی تھی کہ چند لمحوں میں ہی پورے گھر میں کہرام مچ گیا تھا۔

ناولٹ

"شاہ نواز ایک کار ایکسیڈنٹ میں وفات پا گیا تھا۔" نیو یارک سے ایاز اس کی میت لے کر پاکستان آیا تھا۔

پتا نہیں "مغل ہاؤس" کی خوشیوں کی میعاد اتنی مختصر کیوں ہوتی تھی؟ سبین نے عباس کو اپنے آنسو چھپانے کی خاطر ہتھیلی آنکھوں پر رکھتے دیکھ کر سوچا تھا، دکھ اتنا بڑا تھا کہ ہر آنکھ اشکبار تھی، شاہ بخت کا ردعمل سب سے زیادہ خوفناک تھا، وہ سویا ہوا تھا جب اسے جگایا گیا اور اس ہولناک حادثے کا بتایا گیا تو وہ ننگے پیر ہی باہر بھاگا تھا، پھر اس کی پھٹی آنکھوں نے وہ منظر دیکھا، لاؤنج کے بیچوں بیچ میت کا بند تابوت، بڑے تایا کے سینے سے لگ کر روتے طارق چاچو (شاہ نواز اور شاہ بخت کے والد) دھاڑیں مار مار کر روتی نیلم چچی، رمشہ، علینہ، کومل، مہتاب تائی، نبیلہ چچی اور سب کو سنبھالنے کے چکر میں نڈھال سی اپنے آنسو پونچھتی آمنہ اور سبین۔

وہ آہستہ آہستہ آگے آیا، ایک جامد ٹھہری ہوئی نگاہ اس بند تابوت پہ ڈالی اور پھر کسی روبوٹ کی طرح پیچھے ہٹتا ہوا سیڑھی پہ جا بیٹھا، عباس اس کے پاس آ کر اسے ساتھ لگا کے رونے لگا، مگر وہ اسی طرح بیٹھا رہا، نظریں تابوت پہ جمائے۔

"بخت...... کچھ بولو...... ایسے چپ نہ رہو۔" وہ اسے جھنجھوڑ رہا تھا، مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوا، وہی جامد چپ طاری تھی اس پہ۔

وقار فون پہ سب دوست احباب کو بہت افسردگی اور رنجیدگی سے اس حادثے کی اطلاع دے رہے تھے، ایاز سرخ آنکھیں لئے خاموشی سے ایک طرف کھڑا تھا۔

"بابا...... بھائی...... امی! کوئی اس کو ہلائے، یہ کچھ بول کیوں نہیں رہا۔"

وقار نے فون سے نظر ہٹا کر اسے دیکھا اور تیزی سے اس کی طرف بڑھے تھے، نیلم چچی بھی اس کی طرف آ گئیں، عباس نے ایک طرف ہٹ کر انہیں جگہ دی تھی، انہوں نے پاس بیٹھتے ہوئے شاہ بخت کو ساتھ لگا لیا اور رونے لگیں۔

"روتا کیوں نہیں تو، چلا گیا ہو، جس کا تجھے انتظار رہتا تھا اب نہیں آئے گا وہ، رو لے آج کھل کے۔" وہ اس کا بازو ہلا رہی تھیں مگر شاہ بخت کی حالت میں کوئی فرق نہیں پڑا تھا، لوگ اکٹھے ہونے لگے، افسوس، اظہار تعزیت، آنسو، تسلی دلاسے، سبھی کچھ چلتا رہا، دو گھنٹوں بعد اس کی میت کو دفنانے کا وقت آ گیا، جنازہ اٹھانا تھا۔

وقار، ایاز، عباس اور بخت چار کندھے پورے تھے، مگر بخت اپنی جگہ سے ہلا بھی نہیں تھا، وقار نے اس کی منتیں کی چھوڑیں تھیں۔

"بخت! وہ تمہارا منتظر ہے اسے کندھا نہیں دو گے، حق ہے اس کا، اٹھ جاؤ میرے بچے، ہمت کرو اسے اب کسی کی ضرورت نہیں رہی مگر تمہارا فرض تو بنتا ہے نا، اس کا آخری حق اسے دے دو بخت، چلو میرے ساتھ اٹھو۔" وہ اسے ہاتھ پکڑ کر اٹھانے کی کوشش کرتے نڈھال ہوئے جا رہے تھے، وہ اسی طرح بے حس و حرکت رہا، اس کا وجود گویا پتھر کے بے جان ٹکڑے میں ڈھل گیا تھا، ناکام ہونے کے بعد وہ پیچھے ہٹ گئے۔

"اس کی حالت ٹھیک نہیں ہے وقار! اسے سکتہ ہو گیا ہے۔" احمر مغل خوف و حیرت میں مبتلا صدمے سے بولے تھے۔

اس کی حساسیت و جذباتیت تو سب پہ عیاں تھی، شاہ بخت کی حالت میں جب کسی طرح بھی کوئی فرق نہ پڑا تو مجبوراً اسے ہاسپٹل لے جانا پڑا تھا، اس کے پرانے معالج ڈاکٹر سلطان بے حد متفکر ہو گئے تھے جب سارا معاملہ ان کے علم میں آیا تھا۔

"آپ کو اچھی طرح علم ہے وقار! شاہ بخت کی ذہنی حالت کیسی ہے؟ وہ خوفناک حد تک Sensitive ہے، پھر بھی آپ نے اتنی بڑی اطلاع یوں ایکدم سے اسے دے دی، آپ کو چاہیے تھا پہلے اسے ذہنی طور پر تیار کر لیتے۔" انہوں نے وقار کو ڈانٹا تھا۔

"آپ کی بات ٹھیک ہے ڈاکٹر مگر اس وقت سچویشن اس طرح کی تھی کہ کسی کو بھی اس چیز کا دھیان نہیں رہا۔" وقار ایک طویل سانس لے کر بولے تھے۔

"بہرے حال میں ٹریٹ منٹ شروع کر رہا ہوں، ہوپ فار دا بیسٹ۔" وہ آگے بڑھ گئے، آدھے گھنٹے بعد وہ انہیں اپنے آفس میں لے گئے۔

"فی الحال اسے ٹرنکولائزر کے زیر اثر رکھا گیا ہے، اس کی حالت نازک ہے ایسے میں ہم اسے اگر Adrenaline کا انجکشن دے کر رولانے کی کوشش کرتے یا اس کے اعصاب میں ہیجان پیدا کیا جاتا تو یہ اس کے لئے مزید نقصان دہ بھی ہو سکتا تھا، نروس بریک ڈاؤن کا خطرہ بھی تھا، چونکہ اس کی یہ حالت پچھلے کئی گھنٹوں سے تھی اس لئے مجھے خدشہ تھا کہ اگر نارمل سکتہ کے پیشنٹس والا ٹریٹ منٹ کیا گیا تو اس کے برین میں خدانخواستہ کوئی پرابلم کریٹ ہو سکتی تھی، اس صورت حال میں جبکہ وہ میگرین کا پیشنٹ تھی ہے، فی الحال اسے چند گھنٹوں تک Sedatives کے زیر اثر رکھا جائے گا اس کے بعد جب اسے ہوش آئے گا تب دیکھا جائے گا کہ اس کا ردعمل کیا ہوتا ہے۔" وہ تفصیل بتا کر چپ ہو گئے، وقار کچھ کہے بغیر ٹیبل پہ کچھ کریدتے رہے۔

"آپ نے بتایا نہیں وقار! ہوا کیا تھا؟" انہوں نے پوچھا۔

"کچھ بتانے کے لئے ہے ہی نہیں ڈاکٹر، شاہ نواز گزشتہ کئی سالوں سے نیو یارک میں تھا، شاہ بخت کا بڑا بھائی تھا، بخت بچپن میں اس سے بہت اٹیچ رہا تھا، جب اس نے بی بی اے کے ایگزامز دیئے تو چھٹیوں میں نواز کے پاس چلا گیا، بس وہیں سے یہ "سر درد کی سوغات" لایا تھا، پھر پتا نہیں اس کو کیا ہوتا چلا گیا، گھر میں اگر کوئی نواز کی بات کرتا تو جھگڑ پڑتا، یوں جیسے اسے نواز کے نام سے چڑ ہو گئی ہو، خیر چند ماہ پہلے بخت پھر نیو یارک گیا تھا، اس مرتبہ وہ نواز سے ملا یا نہیں، میں نہیں جانتا، میں نے یہی سمجھا کہ لازماً وہ اس سے نہیں ملا ہو گا جبھی اس نے مجھ سے تذکرہ نہیں کیا تھا اور اب یوں اچانک شاہ نواز کی کار ایکسیڈنٹ میں ڈیتھ، بہت دل دہلا دینے والا حادثہ ہے ہماری فیملی کے لئے، چاچو اور چچی کی حالت بہت بری ہے، احمر چاچو کو چند ماہ پہلے ہی ہارٹ اٹیک ہوا تھا، پتا ہی ہے آپ کو، عباس بھی بیمار ہے، پتا نہیں یہ سب کیوں ہو رہا ہے۔" وقار بے حد پریشان اور افسردہ تھے۔

"اللہ پاک آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آزمائشیں دور کرے آمین۔" ڈاکٹر سلطان نے ان کا شانہ تھپتھپایا تھا، وقار سر ہلا کر اٹھ گئے۔

گھر فون کر کے انہوں نے سب کی تسلی

کروادی تھی، کسی کو بھی آنے سے سختی سے منع کر دیا تھا، کہ عباس کی طبیعت پہلے ہی ناساز تھی، ایاز کسی گنتی میں تھا ہی نہیں، بابا دونوں چاچوؤں کو سنبھال رہے تھے جبکہ خواتین ہاسپٹل آ کر صرف مزید پریشان ہی ہو سکتی تھیں، اس وقت شام ڈھل رہی تھی جب شاہ بخت کی آنکھیں کھلیں۔

☆☆☆

مر جانا، چلے جانا نہیں ہوتا
چلے جانے والے کبھی نہ کبھی ضرور لوٹ آتے ہیں
نا بھی آئیں، آس پھر بھی رہتی ہے
مر جانے والے کبھی نہیں لوٹتے
نا ہی کوئی امید، کوئی آس، کوئی چراغ
کوئی لو باقی رہتی ہے
بس رات رہ جاتی ہے
کالی، سیاہ رات
کال دکھ جیسی
دکھوں کے بھی رنگ ہوتے ہیں
موت کا دکھ کالا ہوتا ہے
سیاہ اور تاریک
مر جانے والے کبھی نہیں لوٹتے
اور پیچھے رہ جانے والوں کو روند جاتے ہیں
کالے اور سیاہ رنگ والے دکھ کے پتھروں تلے

وقار کا مہربان چہرہ اس پہ جھکا تھا، شاہ بخت کی احساس سے عاری نگاہ ان کے چہرے سے ٹکرائی اور یکلخت زندہ ہو گئی، وہ آہستہ آہستہ اٹھ بیٹھا تا حال وہ سلیپنگ سوٹ میں تھا، یہ ایک سیاہ شرٹ اور ٹراؤزرز تھا جس پہ سلور پٹی تھی شرٹ کے ایک دو کو چھوڑ کر سارے بٹن کھلے ہوئے تھے۔

''بھائی! وہ چلے گئے، مجھ سے ملے بغیر چلے گئے۔'' وہ گھٹی گھٹی آواز میں بولا تھا، وقار نے اسے گلے لگا لیا۔

''ایسا کیوں کیا انہوں نے میرے ساتھ؟ میں نے ان کی ہر بات مانی پھر بھی وہ...... وہ جو کہتے گئے میں کرتا گیا، میں اب کیا کروں؟ انہوں نے تو مجھ سے وعدہ کیا تھا آنے کا، انہوں نے اپنا وعدہ کیوں توڑ دیا؟'' وہ بے حد خوفزدہ تھا، یوں جیسے اپنے آنسوؤں کو روک رہا ہو۔

''اب میں کیسے انہیں ان کا وعدہ یاد دلاؤں گا؟ وہ ایسے کیوں چلے گئے، مجھ سے بات کیے بغیر، وہ تو کہتے تھے وہ پاکستان آئیں گے، میرے ساتھ رہیں گے، سوئمنگ کریں گے، رگبی کھلیں گے اور خوب گھومیں گے، وہ تو...... انہوں نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ بہت سارے دن میرے ساتھ رہیں گے، انہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ وہ ضرور آئیں گے، انہوں نے شرط رکھی تھی، میں نے مان لی۔'' وہ اب گھٹ گھٹ کر آہستہ سے رو رہا تھا، وقار بھی رو رہے تھے۔

''کیسی شرط؟'' وہ اس کی پشت سہلاتے چونک سے گئے۔

''انہوں نے کہا تھا، بخت! مجھے کچھ رقم چاہیے کسی سے ادھار لیا ہے وہ چکانا ہے، میں نے فوراً کہا میں آپ کو اپنے اکاؤنٹ میں سے نکلوا دیتا ہوں، انہوں نے انکار کر دیا، کہنے لگے اس سے گھر کے افراد شک میں پڑ جائیں گے کہ اتنی بڑی رقم تم نے کہاں خرچ کی، تم بس میرا کہا مان لو، میں کیا کرتا، میرے پاس اور کوئی چارہ نہیں تھا میں نے حامی بھر لی اس وقت مجھے بالکل اندازہ نہیں تھا کہ وہ مجھ

سے شوٹ کروانا چاہ رہے ہیں، مجھے نیویارک میں اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ لوگ میری کمرشل ویلیو سے آگاہ ہو چکے ہیں، مگر میرا کسی کے ساتھ کام کرنے کا موڈ نہیں تھا، مگر نواز بھائی نے مجھے مجبور کر دیا، میں نے انہیں بے حد سمجھایا کہ میں نے ہمیشہ سولو شوٹ کیے ہیں مجھے کپل شوٹ کا کوئی تجربہ نہیں، مگر انہوں نے میری ایک نہیں سنی، یوں میں نے ان کے دباؤ میں آ کر فینسی مالکم کے ساتھ کپل شوٹ کیا، میں نے سب سے جھوٹ بولا، آپ سے بھی، آپ مجھ سے پوچھتے رہے، کہ میں نے یہ سب کس وجہ سے کیا، کس کے کہنے پہ کیا؟ مگر میں نے آپ کی ساری ڈانٹ کھا لی، آپ نے سخت سے سخت الفاظ استعمال کیے میرے لئے مگر میں نے منہ نہیں کھولا، کیونکہ میں نہیں چاہتا تھا کہ آپ کی نظروں میں ان کی عزت و وقعت کم ہو جائے، میں قطعاً یہ برداشت نہیں کر سکتا تھا، جبھی میں نے آپ کو سچ نہیں بتایا اور دیکھیں انہوں نے مجھ سے اپنی ساری باتیں منوا لیں مگر میری ایک بات بھی نہیں مانی، مجھے استعمال کیا انہوں نے اور ہمیشہ کی طرح جھوٹی آس پہ ٹرخا کے خود کہاں چلے گئے ہیں؟ اب وہ کبھی واپس نہیں آئیں گے۔'' اب اس کا رونا مزید کربناک ہو گیا۔

وقار سن ذہن کے ساتھ سب سن رہے تھے، البتہ دل میں یکا یک شاہ نواز کے خلاف نفرت کا طوفان سا ابل پڑا تھا آخر وہ ہی ذمہ دار تھا شاہ بخت کو ورغلانے کا، اسے مس یوز کرنے والا، اس لمحے انہیں اس کی موت کا ذرا بھی دکھ نہیں ہو رہا تھا، اس قدر خود غرض شخص اسی سزا کا مستحق تھا، مگر ابھی کچھ مزید ایسا تھا جو ان کی نظروں سے اوجھل تھا۔

☆☆☆

ستارہ کو ڈاکٹر شاہ کے کلینک پہ کام کرتے دو ہفتے ہو چکے تھے، کام زیادہ مشکل نہ تھا، اس وقت دن کے بارہ بج رہے تھے، ڈاکٹر کی غالباً اس وقت کوئی اپائنٹ منٹ نہیں تھی، جبھی اس نے ستارہ کو چائے بجھوانے کا کہا، اس سے پہلے کہ ستارہ چائے کا آرڈر دیتی، اسے کسی کے آنے کی اطلاع ملی، وہ طویل سانس لے کر رہ گئی۔

''آپ بھیج دیجئے گیسٹ کو۔'' اس نے انٹرکام اٹھا کر کہا، اسی وقت اسے قدموں کی چاپ سنائی دی، اس نے سر اٹھائے بغیر آنے والے کو بیٹھنے کا کہا۔

''ہیلو مس!'' کسی قدر بھاری اور مکمل غیر ملکی لہجہ۔

''یور نیم۔'' اس نے انٹرکام اٹھاتے ہوئے پوچھا، انگلیاں ہنوز نمبر ڈائل کرنے میں مصروف تھیں۔

''مصعب شاہ۔''

''سر کوئی مصعب شاہ آئے ہیں۔'' اس نے رابطہ ملنے پہ کہا۔

''جی اوکے سر۔'' اس نے ریسور رکھ کر کہا۔

''آپ جا سکتے ہیں۔'' اس نے کہتے ہوئے پہلی بار سر اٹھایا تھا اور اگلی بات کرنا بھول گئی، آنکھیں چندھیا سی گئیں، اتنی دھماکے دار ٹھکا دینے والی اور جھٹکا دار پرسنالٹی تھی مقابل کی خالصتاً غیر ملکی نقوش، خوبصورت سنہرے بال اور گہری سبز آنکھیں، اس نے تیزی سے سر جھٹک کر خود پہ قابو پایا تھا۔

وہ نا سمجھنے والے انداز میں اس کو دیکھتا رہا، ستارہ کو لگا شاید وہ اردو سے نابلد تھا۔

Dr, shaw is waiting”
for hou, you may go‘‘اس بار
وہ شستہ انگریزی میں بولی تھی۔
مقابل کے لبوں پہ مسکراہٹ آگئی، ستارہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔
”شکریہ محترمہ۔“ وہ اردو میں کہہ کر اٹھا اور اندر کی طرف بڑھ گیا۔
”ایں، یہ مجھے بے وقوف بنا کر گیا ہے۔“ اسے اپنی حماقت کا احساس ہوا تھا۔

☆☆☆

ڈسے ہوئے لوگ تریاق نہیں بنتے، چوٹ کھایا ہوا شخص کسی کو کچھ نہیں دے سکتا سوائے نفرت اور اذیت کے اور انا اور مردانگی پہ ہوا حملہ مرد کسی قیمت پہ معاف نہیں کرتا اور حبا اتنے سنگین جرائم میں ملوث تھی؟

پتا نہیں پہلے اسے ان سب باتوں کی سمجھ کیوں نہیں آئی تھی اور پتا نہیں اسے پہلے کسی بھی بات کی سمجھ کیوں نہیں آئی تھی، اسید کہتا ہے:۔

”جو لوگ اندر سے بدصورت ہوتے ہیں، خدا ان کی شکلیں بھی بدصورت اور بھیانک بنا تا ہے۔“

وہ ٹھیک کہتا ہے حبا تیمور کیا تھی، بدصورتی کا مجسمہ، ایک جھوٹی مکار اور سازشی ذہنیت رکھنے والی لڑکی، جس کا ظاہر بھی اس کے سیاہ اور مکروہ دل کی طرح گھناؤنا بدصورت اور بھیانک ہے۔

اب اس نے تسلیم کرلیا ہے، پہلے وہ جھگڑتی تھی، زور زور سے بولتی تھی اسے یاد دلانے کی کوشش کرتی تھی کہ وہ اسے کہا کرتا تھا، چہرے مہرے، حسب نسب اور مالی حیثیت کچھ نہیں ہوتی۔

”اللہ صرف دل دیکھتا ہے، تقویٰ دیکھتا ہے۔“

مگر اب وہ جھگڑتی نہیں تھی، وہ بھلا کس بنا پہ جھگڑا کرتی، اسید اتنا سچا تھا، وہ کبھی جھوٹ نہیں بولتا تھا، جبکہ اس نے تو ساری زندگی جھوٹ ہی بولا تھا۔

اسید کہتا ہے:۔

”اللہ حسین ہے اور حسن پسند کرتا ہے۔“

جبکہ وہ تو بدصورتی کی اعلیٰ ترین مثال ہے، گندگی اور غلاظت کا ڈھیر ہے، جس سے صرف تعفن ہی اٹھتا ہے، جس طرح دھتورے میں سو سال شہد ٹپکاتے رہو، وہ میٹھا نہیں ہوتا اسی طرح وہ بھی کبھی پاک نہیں ہو سکتی۔

وہ کہتا ہے۔

”تم ناپاک ہو، غلاظت کا ڈھیر ہو۔“

جب وہ نماز پڑھتی ہے تو وہ بڑی حقارت سے اسے دیکھتا ہے اور ہنستا ہے۔

”تم اتنا دھوکہ کیسے کر لیتی ہو حبا تیمور! انسانوں سے بھی دھوکہ، اللہ سے بھی دھوکہ، یہ مکاری یہ ریاکاری تمہیں دوزخ تک لے جائے گی اور تمہیں پتا ہے اللہ کو مکاری پسند نہیں، وہ تمہیں پسند نہیں کرتا میری طرح، کیونکہ وہ بھی تمہاری حقیقت جانتا ہے اور جب سب لوگ جان جائیں گے تو وہ بھی تم سے نفرت کریں گے اور تمہارے منہ پہ تھوک دیں گے، جس طرح کے میں۔“ وہ اس پر تھوک دیتا ہے اور ایسا اکثر ہوتا ہے مگر اب اسے تذلیل نہیں محسوس ہوتی، وہ اتنا خوبصورت، اتنا وجیہہ اور شاندار ہے، وہ غلط نہیں کہہ سکتا، وہ بالکل ٹھیک کرتا ہے اس کے ساتھ، وہ کہتا ہے، ”محبت صرف خوبصورت لوگوں سے کی جاتی ہے۔“ وہ صحیح کہتا ہے، بھلا

بدصورت لوگ کہاں اس قابل ہوتے ہیں کہ ان سے نرمی برتی جائے، ان سے محبت کی جائے، نہیں وہ کچھ ڈیزرو نہیں کرتے، حبا تیمور کچھ ڈیزرو نہیں کرتی، ہاں..... پہلے وہ جھگڑتی تھی، روتی تھی، کہتی تھی۔

''اسید! مجھے جو دل چاہے کہو، مگر میری محبت پہ شک نہ کرو، میں نے تمہیں بہت چاہا ہے۔'' وہ دھاڑیں مار مار کر روتی تھی اور وہ بہت استہزائیہ ہنستا ہے کہتا ہے۔

''بھلا تم جیسے لوگ کیا جانیں محبت، تم صرف وجود کے پیچھے پاگل ہو صرف خوبصورتی کے لئے، قصور تمہارا نہیں ہر ذی نفس ایسا ہی ہوتا ہے خود میں موجود کمی دوسروں سے پوری کرنا چاہتا ہے۔''

مگر اب وہ بھی تسلیم کر چکی ہے کہ اس نے صرف خوبصورتی اور وجود کی چاہ کی تھی، وہ غلط تھی، وہ مان گئی۔

اور جب اقرار جرم ہو ہی چکا تو سزا بھی دے دی گئی، قید تنہائی اور وہ بھی اس کال کوٹھری میں، جہاں بارہ تیرہ گھنٹوں بعد اسے اس کوٹھری کے داروغہ کی شکل دیکھنے کو ملتی تھی، دوسری سزا جسمانی تھی، آخر وہ حق رکھتا تھا، اسے مارتا پیٹتا یا اپنا حق وصول کرتا اس کے لئے سب جائز تھا، وہ اتنی گناہ گار تھی، اتنی بد کردار تھی کہ سر اٹھانے کی بھی حقدار نہ تھی، وہ جو چاہتا اس کے ساتھ کرتا بلکہ جو بھی کرتا کم تھا۔

اور ایسا ہی تھا، وہ جی بھر کر اسے ٹارچر کرتا تھا، اسے بے رحمی سے نوچتا، اسے گالیاں دیتا تھا، اس پہ ہنستا تھا اس کا مذاق اڑاتا تھا اور جب وہ روتی تھی، کرب سے چلاتی تھی تو وہ بہت محظوظ ہوتا تھا، حبا کی چیخیں اسے بڑی تسکین دیتی تھی اور یہ سب کرتے ہوئے وہ کہیں سے بھی حبا کا اسید نہیں لگتا تھا وہ تو کوئی بے روح درندہ بنتا جا رہا تھا، جو احساسات سے قطعاً مادرا تھا اور ایک دن جب وہ سردی کی شدت میں ناکافی گرم لباس کی وجہ سے فرش پہ بیٹھی کپکپا رہی تھی اسے اپنی آخری اسپیچ یاد آئی تھی۔

''Domestioc violence in pakistan۔'' حالانکہ اب اسے کچھ یاد نہیں رہتا تھا، اسے یہاں آئے دو ماہ ہونے والے تھے، اسے بس یہ یاد تھا ورنہ حقیقت تو یہ تھی کہ اسے اب ماما اور پاپا کے چہرے بھی بھولنے لگے گئے تھے وہ تصور میں ماما یا پاپا کا چہرہ لاتی تو وہ دھندلا تصور ہوتا تھا، مگر آج پتا نہیں کیسے اسے یاد آ گئی وہ اپنی تقریر۔

اس نے کہا تھا۔

''جس عورت کو اس کے شوہر نے جی بھر کے ہراساں کیا ہو، اپنی اذیت پسندی کا نشانہ بنایا ہو وہ کبھی اس کے سامنے سر نہیں اٹھا سکتی بلکہ وہ تو شاید کسی کے سامنے بھی نظر اٹھانے کے قابل نہیں رہتی۔'' اس نے ٹھیک کہا، وہ اس سے نظر ملا کر بات نہیں کرتی تھی، کر ہی نہیں سکتی تھی، اس نے کہا تھا۔

''تشدد، مار پیٹ اور ایذا رسانی ایسے ہتھیار ہیں جو کسی بھی ذی نفس کو جسمانی نقصان تو پہنچاتے ہی ہیں مگر اس کے وقار تشخص اور انا کو بھی کچل ڈالتے ہیں۔''

وہ بھی اپنا نام اپنی پہچان بھول گئی تھی، کہ اسے تو بس وہ گالیاں یاد تھیں جن سے وہ اسے مخاطب کرتا تھا، اسے لگنے لگا تھا کسی دن وہ بھی مراد پور کی فاخرہ کی طرح اپنے ٹوٹے بازو اور خیر آباد کی نوراں کی طرح اپنے مونڈھے

ہوئے سر کے ساتھ کسی ٹی وی چینل پہ تماشائی بیٹھی ہو گی اور لوگ اس پہ ہنس رہے ہوں گے۔

اسید نے ٹھیک ہی کہا تھا اس بار سارے خسارے حبا کے حصے میں آئے تھے، ایک آگ تھی جو ہر گزرتے دن اس کے وجود کو جلائے جا رہی تھی۔

انسانیت کا لباس حبا نے خود اس کے تن سے کھینچا تھا اور جواباً جو لباس اس نے چنا تھا وہ حیوانیت کا لباس تھا اور اس حیوان نے اپنی ساری وحشت، درندگی، بربریت اس کے اندر انڈیل دی تھی، وہ حقیقتاً ایک کوڑیالہ ناگ بن گیا تھا جو ہر روز اسے ڈستا تھا اور اس کا تن نیلا پڑتا جاتا تھا اس زہر سے، اس قبر میں ہر شب اسے عذاب دیا جاتا تھا، اسید نے ٹھیک کہا تھا اس کے جرم بہت زیادہ تھے اور حوصلوں کی دیوار تو چند دن بعد ہی ڈھے گئی تھی اور وہ اس کے ملبے تلے پڑی سسکتی رہتی تھی اور ملبہ ہر روز گزرتا رہتا تھا اور وجود کی راکھ جمع ہوتی چلی جاتی۔

میں نے اپنی جن آنکھوں میں تجھے بسایا تھا
وہ تو مدت ہوئی جل کر راکھ ہو چکی ہیں
جانے کیسی بری نظر لگی
کسی بے رحم کی بددعا کی طرح
تم اندازہ تو لگا سکتے ہو؟
کہ اذیت ناک راکھ سے
جھانکتے پھرنا کتنا مشکل ہو سکتا ہے

☆☆☆

وہ انہیں دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔

"کیسے ہیں مصعب بھائی آپ؟" اس نے بڑھ کر مصافحہ کیا اور انہیں بیٹھنے کا کہہ کر خود بھی اپنی میز کے پیچھے سے نکل آیا۔

"میں ٹھیک ہوں تم سناؤ۔" دونوں صوفوں پہ بیٹھ گئے۔

"بالکل ٹھیک ٹھاک ہوں، آپ کے پاس کہاں سے وقت نکل آیا؟"

"بس نکل آیا، سوچا تمہارا کلینک دیکھتا چلوں، ویسے تم نے یہ اسسٹنٹ کب رکھی؟" مصعب اس سے پوچھ رہا تھا۔

"حال ہی میں رکھی ہیں، بہت اچھی خاتون ہیں۔" اس کے لہجے میں احترام تھا، مصعب مسکرایا وہ جانتا تھا کہ وہ ہر شخص و رشتے کا بلاتخصیص احترام کرنے کا عادی تھا، وہ اسے ابھی وقوع پذیر ہونے والا واقعہ بتانے لگا۔

"کیا آپ انہیں بے وقوف بنا کے آ رہے ہیں، غلط بات، وہ تو بڑی بے ضرری ہیں، میں آپ کو ان سے ملواتا ہوں۔" اس نے انٹرکام اٹھا کر ستارہ کو اندر آنے کا کہا، کچھ لمحوں بعد وہ دروازہ کھول کر اندر آ گئی، وہ اس وقت ایک گرم سرمئی شلوار قمیض میں ملبوس تھی، لمبے بال جوڑے کی شکل میں سمیٹے ہوئے تھے، چہرہ کسی بھی قسم کی آرائش سے مبرا تھا، حتیٰ کہ کانوں میں بھی کسی طرح کے ائیر رنگز وغیرہ نہیں تھے، یہی حال کلائیوں کا تھا، وہ بھی سنگھار سے خالی تھیں۔

"آیئے مس ستارہ ان سے ملیئے یہ مصعب شاہ ہیں میرے ماموں زاد بھائی، حال ہی میں لاہور شفٹ ہوئے ہیں اور بھائی یہ مس ستارہ ماہم ہیں۔" ڈاکٹر شاہ نے دونوں کا تعارف کروایا تھا۔

"مصعب بھائی کے بارے میں آپ کو ایک بات بتا دوں کہ یہ صرف شکل و صورت سے فارنر لگتے ہیں اور اگر یہ دوبارہ آپ کو بے

وقوف میرا مطلب ہے آپ غلط فہمی کا شکار نہ ہو جائیں، یہ چھ زبانیں بول سکتے ہیں جن میں اردو بھی شامل ہے۔" وہ ہنستا ہوا بتا رہا تھا۔

"اٹس اوکے میں جاؤں۔" وہ ہلکا سا مسکرا کر بولی، اس نے سر ہلا کر اجازت دی، وہ فوراً باہر نکل گئی۔

"اچھی خاتون ہیں۔" مصعب نے با آواز بلند تبصرہ کیا جو کہ اچھی خاتون نے دروازے سے نکلتے وقت بخوبی سن لیا تھا اور زیر لب بدتمیز بولی تھی۔

"ہاں جی اب آپ بتائیں کیسے آنا ہوا؟ ہوٹل کا کام کہاں تک پہنچا اور ماموں کیسے ہیں؟"

"پاپا ٹھیک ہیں، ہوٹل کا کام بس تھوڑا ہی رہ گیا، شاید دو ہفتوں تک مکمل ہو جائے اور باقی رہا میرے آنے کا مقصد؟ تو وہ کچھ اس طرح ہے کہ جو فرم میرے ہوٹل میں کارپینٹرنگ کا کام کر رہی ہے "مغل انڈسٹریز" ان کی فیملی میں کوئی ڈیتھ ہو گئی ہے، میں جانا چاہ رہا ہوں ان کی طرف، یہ رہا گھر کا ایڈریس۔" اس نے ایک کارڈ نکال کر رکھا۔

"افسوس کے لئے جانا تو بنتا ہے، دکھائیں ذرا کارڈ۔" اس نے کارڈ تھاما۔

"مغل ہاؤس گلبرگ فیز۔" اس نے بلند آواز میں پڑھا۔

"تو پرابلم کیا ہے؟"

"تم بھی چلو میرے ساتھ۔"

"ٹھیک ہے چلتا ہوں، اپنی گاڑی میں چلیں گے؟"

"ہاں تمہاری کوئی اپائنٹ منٹ تو نہیں؟"

"نہیں۔"

"اوکے چلو۔" وہ دونوں کھڑے ہو گئے، کچھ دیر بعد ان کی گاڑی سڑک پہ رواں دواں تھی۔

"ویسے بھائی آپ کبھی ان کے فیملی ممبرز سے ملے ہیں؟ یا آپ کی ساری ڈیلنگ کسی منیجر کے تھرو ہوئی تھیں؟" اس نے احتیاط سے موڑ بدلا۔

"ہاں ملا ہوں، بڑا پیارا سا ایک سال کا تھا، نام بھی بڑا منفرد تھا۔" وہ رک کر سوچنے لگا۔

"پیارا نام تھا نا جبھی یاد نہیں رہا۔" وہ ہنسا، مصعب نے خفیف سا ہو کر اسے گھورا۔

"مجھے یاد نہیں رہا، ہنسو تو مت۔"

"اوکے۔" وہ فوراً سیریس ہو گیا، کچھ دیر بعد ان کی گاڑی مغل ہاؤس کے گیٹ پہ تھی۔

☆☆☆

اسی رات اسے ڈسچارج کر دیا گیا تھا، وہ دونوں گھر لوٹے تو لاؤنج میں سب ہی گھر والے براجمان تھے شاہ بخت نڈھال اور تھکا ہوا سا صوفہ پہ بیٹھا تو نیلم ان کے پاس آ گئیں، شاہ بخت ان کی گود میں منہ چھپا کر رونے لگا۔

"وہ اتنی جلدی کیوں چلے گئے؟ ابی اب میں کیا کروں گا؟" ماحول شدید تناؤ کا شکار ہونے لگا، رکے آنسو رواں ہو گئے عباس نے اسے چچی جان سے الگ کر کے اپنے ساتھ لگا لیا۔

"بس کرو بخت! دیکھو ہم سب تمہارے پاس ہیں نا۔" وہ اسے تسلی دینے لگا، کومل بھی پاس بیٹھی تھی، رمشہ بھی کھڑی تھی۔

"خوش قسمت تو تم ہو، عباس دیکھو عباس

تمہارے پاس تو بھائی ہے نا، بہن بھی ہے، کومل کے پاس بھی سب کچھ ہے، میرے پاس کیا ہے، میں تو اکیلا ہوں۔" وہ بڑا وحشت زدہ ہو رہا تھا۔

"ایسا نہیں ہے بخت بھائی! آپ کے پاس بھی سب کچھ ہے، وقار بھائی، عباس بھائی، میں، رمشہ، علینہ، ہم سب بھی تو آپ کے بہن بھائی ہیں نا۔" کومل اپنے آنسو پونچھتے ہوئے تسلی دے رہی تھی ایاز کا کہیں نام نہ تھا۔

کچھ دیر مزید تناؤ کا یہی عالم رہا، وہ اب نڈھال ہو رہا تھا، تھکان اور نقاہت اس کے ہر عضو سے عیاں تھی، وہ صوفہ پہ نیم دراز ہو گیا۔

"میں ادھر سو جاؤں، بہت تھکن ہو رہی ہے۔" وہ صوفے پہ لیٹ گیا، لہجہ غنودگی میں ڈوبا ہوا تھا۔

"ادھر بے آرام مت ہو، بخت اٹھو کمرے میں چلو۔" وقار نے نرمی سے اٹھایا، وہ روبوٹ کی مانند اٹھ بیٹھا۔

"بین دودھ گرم کر کے بھجوا دیجئے گا۔" عباس اسے لے کر اوپر چلا گیا، اپنے کمرے میں پہنچ کر وہ سیدھا لیٹ گیا۔

"ایسے مت سوؤ، نیند نہیں آئے گی تمہیں، اس لباس سے دوائیوں کی سمیل آ رہی ہے پہلے لباس تبدیل کر لو۔" عباس نرمی سے اسے ہاتھ پکڑ کر اٹھا کر بولا، چند لمحے وہ بے زاری سے بیٹھا رہا۔

"دل نہیں چاہ رہا میرا۔"

"نہاؤ مت، بس لباس تبدیل کر لو۔" عباس نے کہا وہ سر ہلا کر بیڈ سے نیچے اتر آیا۔

اسی وقت علینہ اندر داخل ہوئی، ٹرے میں دودھ کا گلاس رکھے۔

"عباس بھائی نیچے آپ کے دوست آئے ہیں۔" اس نے کہا اور گلاس سائیڈ ٹیبل پہ رکھ دیا۔

"ٹھیک ہے میں دیکھتا ہوں، علینہ تم اسے یہ گلاس ختم کروا کے واپس آنا او کے۔" وہ باہر نکل گیا، علینہ اپنی دھن میں تکیے ٹھیک کرنے میں مصروف تھی، جبکہ وہ ایک اور نائٹ سوٹ نکال کر باتھ روم جانا چاہتا تھا، جب اس کی نظر پہلی بار علینہ پر پڑی، اس نے نائٹ سوٹ ایک طرف پھینک دیا اور اس کی طرف چلا آیا۔

"سب میرے پاس آئے، مجھے دلاسہ دیا، تم کیوں نہیں آئیں علینہ؟" وہ بہت افسردگی سے بولا تھا۔

"آپ کو پتا ہے میں ان گھر والوں کی گنتی میں شامل نہیں ہوں۔"

"مگر میری گنتی میں تو تم سب سے پہلے نمبر پہ ہو۔" اس کے لہجے میں کچھ اتنا عجیب تھا کہ علینہ نے یکلخت سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔

"مجھے افسوس ہے۔" وہ آہستگی سے بولی اور واپس مڑی۔

"کس بات پر؟"

"آپ پر۔" اس نے دوٹوک کہا۔

"کیا مطلب؟" اس کی پیشانی پر شکن ہو گئی۔

"مطلب صاف ظاہر ہے میں آپ کے پاس ایسے انسان کی تعزیت کے لئے آؤں جسے نام کے سوا میں جانتی تک نہیں، جسے کئی سالوں سے اس کے ماں باپ نے نہیں دیکھا تھا، یہ کچھ فضول نہیں لگتا؟ اور آپ کی شکایت بالکل غلط ہے، کیا آپ کو بھی یہ لگا کہ وقار یا عباس آپ کے بھائی نہیں ہیں؟ معاف کیجئے گا مجھے نہیں لگتا شاہ نواز بھی کبھی آپ کے لئے اتنا کچھ کر پاتے جو وقار بھائی نے کیا، آپ نے نوٹ کیا، آخر آپ اس گھر کی متنازعہ ہستی کیوں بنتے جا رہے ہیں، یہ صرف اور صرف وقار بھائی کی بے جا طرف داری کا نتیجہ ہے جس نے باقی سب کے دلوں میں یہ احساس پیدا کیا کہ آپ کو ضرورت سے زیادہ چھوٹ ملی ہوئی ہے، مگر اپنی بے حسی اور خود غرضی کا عالم دیکھئے آپ کہ ایسے شخص کو رو رہے ہیں جس کا اس گھر میں کبھی نام ہی نہیں لیا گیا ہو سکتا ہے آپ اپنے بچپن میں ان سے بہت اٹیچ رہے ہوں مگر آخر وقار بھائی بھی تو اتنے سالوں سے آپ کو اپنے پروں تلے چھپائے سارے گھر کی مخالفت مول لیے ہوئے ہیں، ان کا کیا؟ آپ احسان فراموش بھی ہیں جبھی تو آپ نے اتنی آسانی سے خود کو ان سے الگ کر لیا یہ کہہ کر کہ آپ کا کوئی بہن بھائی نہیں، بہت افسوس ناک بات ہے اور تکلیف دہ بھی، مگر مجھے انسانیت کے ناطے پھر بھی شاہ نواز کی موت کا افسوس ہے کیونکہ چاچو اور چچی بہت دکھی اور افسردہ ہیں اور بہر حال وہ آپ کے بڑے بھائی بھی تھے، سو مجھے واقعی ان کی اس اچانک ڈیتھ کا دکھ ہے، خدا ان پر رحم کرے۔" وہ بولی نہیں تھی، پھٹ گئی تھی، طنز و استہزائیہ میں لپٹا لہجہ شاہ بخت کو انگاروں میں دھکیل گیا، وہ واپس جانے کے لئے مڑ گئی۔

"ایک منٹ ایسے نہیں جا سکتی ہو تم، وضاحتوں کی ضرورت ہے۔" وہ بھڑک کر اس کے سامنے آ گیا، شرٹ کے بٹن سارے کھلے ہوئے تھے علینہ نے فوراً نظر پھیری تھی۔

"میں آپ کی وضاحتیں کیوں دوں؟" وہ حیرت سے بولی۔

"اگر وقار بھائی مجھ سے اتنا پیار کرتے ہیں تو اس سے تمہیں کیا پرابلم ہے؟ تم کیوں جیلس ہو رہی ہو؟" وہ طنز کرنے لگا۔

"جیلس؟ مائی فٹ۔" وہ تڑپ کر بولی تھی۔

"اور تم اتنے سکون سے کیسے شاہ نواز بھائی کو غیر متعلق شخص قرار دے سکتی ہو، وہ میرا بھائی تھا علینہ احمر مغل، قرض دار نہیں تھا کسی کا۔" وہ بھڑک اٹھا تھا۔

علینہ نے ایک طرف سے ہو کر باہر نکلنا چاہا، شاہ بخت نے بازو کھڑا کر کے راستہ مسدود کر دیا۔

"میرا راستہ چھوڑیں۔" اسے ساری زندگی کا غصہ انہی لمحوں میں آیا تھا، حد تھی نا ایسے مشکل حالات میں بھی اس شخص کو اپنی پڑی تھی۔

"میری باتوں کا جواب دیئے بغیر نہیں جا سکتیں تم یہاں سے۔" وہ چیلنج کرتے ہوئے بولا، علینہ نے سرخ چہرے کے ساتھ اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورا اور اس کے بازو کے نیچے سے نکلنا چاہا مگر وہ پوری طرح تیار تھا ایک دم سے اس کا بازو تھاما اور پیچھے کی طرف دھکا دیا، علینہ کا پیر رپٹا اور وہ لڑکھڑا کر بیڈ پہ گری اور کراہ پڑی، بیڈ کے قریب کھڑا شاہ بخت Curve شیپ میں اس پہ جھک آیا اور دونوں ہاتھ اس کے کندھوں پہ جما دیئے، وہ بلبلا اٹھی تھی۔

"تمہیں مجھ سے اتنی پرخاش کیوں ہے؟" اس کی دھیمی آواز سرسرا رہی تھی۔

"آج بتا ہی دو علینہ، آج ساری سچائی کھول دو، تم مجھے نظر انداز کرتی ہو ہمیشہ سے،

میں جانتا ہوں، لیکن یہ نفرت کیوں؟ کس بات کا بدلہ لے رہی ہو؟ بولو، ایسا کون سا نقصان پہنچایا ہے میں نے تمہیں؟ آج بتا دو، سارے ازالے کر دوں گا۔'' وہ پھنکارا، علینہ کا رنگ سفید پڑ گیا، اس نے پوری قوت سے شاہ بخت کے ہاتھ اپنے شانوں سے ہٹانے کی کوشش کی، جس کے نتیجے میں اس نے علینہ پر گرفت مزید مضبوط کر دی تھی۔

''مجھے یہاں سے جانے دو شاہ بخت! تم حد سے بڑھ رہے ہو۔'' وہ چلائی تھی۔

''آپ سے تم کا سفر بہت جلدی نہیں طے کر لیا تم نے، خیر مجھے تم سے احترام کروانے کا کوئی شوق نہیں، چلو چھوڑو، مجھے آج صرف حقیقت جاننا ہے، کم آن ہری اپ، جتنی جلدی سچ بولو گی، اتنی جلدی یہاں سے جانے دوں گا۔'' اس کا لہجہ سفاک تھا، علینہ سہم گئی، چند لمحے اسے گھورتی رہی۔

''سچ جاننے کا بہت شوق ہے تمہیں، تو سنو، سچ یہ ہے کہ میں تم سے نفرت کرتی ہوں، کیونکہ تم ایک خود غرض اور خود پسند انسان ہو، سنا تم نے۔'' وہ بلند آواز میں بولی تھی، شاہ بخت کی آنکھیں جل اٹھیں۔

''اور اگر یہ خود غرض انسان تمہیں ساری زندگی کے لئے جھیلنا پڑ جائے تو؟'' وہ مسکرا رہا تھا مگر اس کی آنکھیں اس کی مسکراہٹ کا ساتھ نہیں دے رہی تھیں، مگر وہ شاید علینہ کے آزاد ہاتھوں کو بھول گیا، علینہ نے یکلخت بے قابو ہو کر اسے زناٹے دار طمانچہ مارا تھا۔

''شٹ اپ۔'' وہ تنفر سے بولی اور اٹھنے کی کوشش کی، وہ ذرا بھی متاثر نہیں ہوا مگر اس کا رنگ بدل گیا تھا۔

''اب تو تم بس انتظار کرو کہ میں کیا کرتا ہوں؟ مجھے چھیڑ کر تم نے بہت بڑی غلطی کی ہے تمہیں اندازہ ہی نہیں کہ میں کس حد تک جا سکتا ہوں۔'' اس کے لہجے میں دھمکی تھی اور غیر معمولی ملائمت، وہ اسے چھوڑ کر سیدھا ہو گیا آنکھیں ایک عجیب احساس سے سلگ رہی تھیں، علینہ تیزی سے اٹھی اور چلائی تھی۔

''آئی ہیٹ یو شاہ بخت۔'' وہ روتے ہوئے وہاں سے بھاگتی ہوئی نکل گئی، وہ ایک بار پھر ساکت کھڑا رہ گیا تھا۔

☆☆☆

لاؤنج میں ایک اذیت ناک خاموشی تھی، آنے والے مہمان سیدھے یہیں آئے تھے، ابتدائی سلام دعا کے بعد انہوں نے اپنا تعارف کروایا۔

''میں معصب شاہ ہوں اور یہ میرے کزن حیدر عباس شاہ ہیں، میں سٹار لائٹ ہوٹل کا مالک ہوں، آپ کی فرم سے ووڈ ورک کا پروجیکٹ چل رہا ہے میرا۔'' احمر مغل نے سمجھنے والے انداز میں سر ہلایا تھا، معصب ان سے حادثے کی تفصیلات پوچھنے لگا، وہ از حد رنجیدہ تھے، ساری بات جان کر معصب گہرے تاسف و دکھ کی لپیٹ میں آ گیا تھا کچھ ایسا ہی حال حیدر کا بھی تھا۔

''بہت افسوس ہوا انکل، بہت ناگہانی موت تھی اور سب سے بڑھ کر افسوس ناک بات تو یہ ہے کہ وہ آپ کے پاس بھی نہیں تھے بہت دکھ ہوا۔'' معصب از حد افسردگی سے بولا تھا۔

''بس بیٹا، رب کی رضا میں راضی ہیں ہم۔'' احمر مغل نے مدھم لہجے میں کہا تھا، اس وقت ایک ملازمہ چائے کی ٹرالی گھسیٹتے ہوئے لے آئی۔

''ارے انکل! اس تکلف کی کیا ضرورت تھی۔''

''کوئی بات نہیں بیٹا، آپ پہلی بار آئے ہیں۔'' زیتون تائی نے نرمی سے کہا، اسی وقت علینہ اندر داخل ہوئی، آنے والے مہمانوں کی ان کی طرف پشت تھی، اسے وقار کو بلانے بھیجا گیا تھا۔

''السلام علیکم!'' اس نے کسی کی طرف دیکھے بغیر سلام کیا۔

''تایا ابو! بھائی تو سو رہے ہیں آپ کو پتا ہے پوری رات جاگتے رہے ہیں، آپ کہیں تو عباس بھائی کو بلا دوں؟'' اس نے کہا معصب نے دیکھا وہ اسمارٹ اور خوبصورت سی لڑکی تھی، لائٹ براؤن گرم شلوار سوٹ میں ملبوس تھی۔

''وہ بھی کب ٹھیک ہے، آپ ادھر آؤ ان سے ملو۔'' احمر مغل نے اسے پاس بلا لیا، وہ ان کے قریب آ کر بیٹھی اور سیدھے ہو کر سامنے دیکھا اور بس دیکھتی رہ گئی، آنکھیں پھیل گئیں۔

''ہاں، وہ وہاں تھا، حیدر عباس وہاں تھا وہ بہت بدل گیا تھا مضبوط کسرتی وجود بہترین ٹو پیس میں بے حد جچ رہا تھا۔''

''یہ میری بیٹی علینہ ہے، گریجویشن کر رہی ہے۔'' انہوں نے کہا۔

''مجھے تو لگا تھا یہ اولیولیز کی اسٹوڈنٹ ہوں گی۔'' معصب نے بے ساختہ کہا۔

احمر مغل ہلکا سا مسکرا دیئے، جبکہ علینہ اسی طرح بیٹھی رہی۔

''حیدر بیٹا! آپ کیا کرتے ہو؟''

''انکل! حیدر سائیکاٹرسٹ ہے، اس کا اپنا ''کلینک'' ہے۔'' حیدر کی بجائے معصب نے جواب دیا۔

''بابا! میں جاؤں؟'' وہ ایکدم سے کھڑی ہو گئی، اپنا لہجہ خود کو ہی اجنبی لگا تھا۔

''ہاں اور شاہ بخت کو بھیج دیجئے۔'' ان کے کہنے پہ وہ سر ہلا کر آگے بڑھ ہیں، آہستہ آہستہ سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اس نے شاہ بخت کے کمرے کا دروازہ ناک کیا تھا، اندر سے یس کی آواز آئی تھی، اس نے وہیں کھڑے کھڑے دروازہ کھول دیا۔

''تایا ابو آپ کو بلا رہے ہیں، آپ سے کوئی ملنے آیا ہے۔'' اس نے پتا نہیں کہاں دیکھ کر کہا تھا اور کسی روبوٹ کی طرح واپس مڑ گئی، اپنے کمرے میں آ کر اس نے دروازہ بند کر دیا۔

''تم کیوں واپس آئے ہو حیدر! تمہیں واپس نہیں آنا چاہیے تھا۔'' وہ اپنی نم آنکھیں میچتے ہوئی بڑبڑائی تھی۔

☆☆☆

فضا میں ٹھنڈک کا رچاؤ تھا، گزشتہ دو دنوں میں سردی یکدم ہی بڑھی تھی، عباس اس وقت ٹیرس پہ بیٹھا تھا، جبکہ سبین نماز پڑھ رہی تھی، اس نے دعا کے بعد جائے نماز اٹھایا اور ایک طرف رکھ کر ٹیرس پہ آ گئی۔

''عباس! آپ کی طبیعت پہلے ہی ٹھیک نہیں ہے اس سردی کی وجہ سے مزید اپ سیٹ ہو جائیں گے، اٹھیں اندر چلیں۔'' اس نے کہا، عباس خاموش بیٹھا رہا۔

''اٹھ جائیں نا پلیز۔'' اس نے عباس کے شانے پہ ہاتھ رکھا تھا۔

اور یہی منظر لان میں کب سے بیٹھے ایاز کی نظروں میں آ گیا تھا اسے اب تک سبین کی مغل ہاؤس میں قیام کی وجہ تسمیہ سمجھ نہیں آئی

تھی، گھر کے سب لوگ اسے نظر انداز کر رہے تھے، اگر وہ خود سے ناشتے یا کھانے کے وقت ٹیبل پہ آ جاتا تو ٹھیک ورنہ ملازمہ کے ہاتھ بھجوا دیا جاتا، ایاز سے یہ تذلیل آمیز رویہ برداشت نہیں ہو رہا تھا، عباس تو اس کی طرف دیکھتا بھی نہ تھا، اسے وجہ سمجھ نہیں آ رہی تھی، آخر سبین سے Separation اس کا خالصتاً ذاتی معاملہ تھا سب لوگ پتا نہیں کیوں یہ بات سمجھنے پہ آمادہ نہیں تھے، جتنی بار وہ سوچتا اسے جھنجھلاہٹ سی ہوتی تھی۔

''حیران مت ہو ایاز۔'' یہ رمشہ کی آواز تھی جو اس کے ساتھ کھڑی تھی، پتا نہیں وہ وہاں کب آئی تھی۔

''کیا مطلب؟'' وہ الجھ گیا۔

''عباس اور سبین کو دیکھ کر الجھ گئے ہو نا؟ حیران مت ہو، عباس نے سبین سے شادی کر لی ہے۔'' وہ بہت اطمینان سے بولی۔

''کیا؟'' وہ حیرت سے چلا اٹھا، رمشہ مطمئن انداز میں مسکرائی تھی۔

''ہاں اور الحمدللہ دونوں بہت خوش ہیں۔'' وہ جتا رہی تھی، ایاز ضبط کا دامن تھامے رہ گیا، پھر ایک جھٹکے سے واپس مڑ گیا۔

''خود غرض۔'' رمشہ زیر لب بڑبڑا کر آگے بڑھ گئی۔

دور ٹیرس پہ بیٹھا عباس اب کھڑا ہو گیا تھا، چند منٹ وہ ریلنگ پہ ہاتھ رکھ کر لان میں دیکھتا رہا، پھر واپس کمرے کی طرف مڑ گیا۔

''کھانا کھائیں گے؟'' سبین نے اسے بیڈ پہ بیٹھتے دیکھ کر پوچھا، اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''آپ تھکے ہوئے ہیں عباس تھوڑی دیر ریسٹ کر لیں۔'' وہ فکر مند تھی۔

''تھکی ہوئی تو آپ بھی ہیں۔'' اس نے عجیب سے انداز میں کہا، سبین خاموش رہی۔

''آپ مجھ سے ناراض ہیں؟'' عباس نے اچانک پوچھا۔

''نہیں، ایسی کوئی بات نہیں۔'' اس نے سنبھل کر کہا، عباس چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔

''میں آپ کو کبھی دکھ نہیں دینا چاہتا سبین، آپ مجھے بہت عزیز ہیں، اگر کبھی نادانستگی میں ایسا ہو جائے تو مجھے معاف کر دیجئے گا۔'' وہ بہت افسردہ تھا۔

''ایسا کچھ نہیں ہے عباس، آپ خوامخواہ پریشان ہو رہے ہیں۔'' اس نے بے ساختہ ٹوکا۔

اس کے جواب پہ عباس نے کچھ کہے بغیر سر اس کی گود میں ڈال دیا۔

''میں سونا چاہتا ہوں، پلیز مجھے سلا دیں۔'' اس کی آواز میں مدھم گزارش تھی، سبین کے ہاتھ بے ساختہ اس کے بالوں میں چلنے لگے۔

اگلی صبح وہ جاگا تو سبین وہاں نہیں تھیں اس کا سر تکیے پہ رکھا تھا، اس نے اطراف میں نظر دوڑائی سبین جائے نماز پہ بیٹھی تھیں، ہاتھ دعا کے لئے اٹھے تھے، اس نے آنکھیں پھر موند لیں، اس نے محسوس کیا وہ اس کے برابر آن بیٹھی تھی پھر سبین نے کچھ پڑھا اور اس کے ماتھے پہ پھونک ماری اور اس پھونک کی تاثیر عباس کی پیشانی سے ہوتی ہوئی اس کے دل تک پہنچی اور روح میں پھیل گئی، اس نے بے ساختہ آنکھیں کھول دیں، وہ نماز کے سٹائل میں دوپٹہ لپیٹے ہوئے تھی اور اس کا تر و تازہ چہرہ بڑا صاف شفاف اور پاکیزہ لگ رہا تھا، وہ اسے آنکھیں کھولتے دیکھ کر چونکی نہیں

تھی بس اپنی انگلی کی پور سے اس کی آنکھوں کے پپوٹے چھوئے، عباس کو محسوس ہوا ان میں سوجن تھی، اس نے پھر آنکھیں بند کر لیں، سبین آہستہ آہستہ انگلی اس کی آنکھوں پہ پھیرتی رہی، پھر وہ رک گئی، عباس نے آنکھیں کھولیں تو وہ گلاس میں پانی ڈال رہی تھی، اس نے دوپٹہ ڈھیلا کیا اور پانی پینے لگی وہ خاموشی سے اس کی گردن میں ہونے والی ہلچل دیکھتا رہا، ابھری ہوئی رگیں اور بہتا پانی، وہ چند لمحے پلکیں نہیں جھپکا سکا، یہ منظر اس کی یادداشت میں جیسے ہمیشہ کے لئے ثبت ہو گیا اور یہ اس کی زندگی کے یادگار مناظر میں سے ایک تھا۔

سبین نے گلاس ایک طرف رکھا تو اسے اپنی طرف متوجہ پایا اور پھر عباس نے اپنا دایاں ہاتھ بڑھایا اور اس کے لبوں پہ اٹکے پانی کے چند قطروں کو اپنی انگلی کی پور پر چن لیا اور پھر اس بھیگی انگلی کو بڑی عقیدت سے باری باری اپنی دونوں آنکھوں پہ پھیر لیا، سبین کے ہاتھ پیر سنسنا اٹھے وہ ایک سیکنڈ میں اس کا مدعا جان گئی تھی اور اس پل جیسے اس کی جان پہ بن آئی تھی، اس نے عباس کو دیکھا جس کی آنکھیں بند تھیں۔

''میری آنکھوں میں شدید درد ہو رہا ہے، ایسے لگ رہا ہے کتنی راتوں سے نہیں سو پایا۔'' وہ اسی طرح سیدھا لیٹا بولا تھا جبکہ آنکھیں بدستور بند تھیں۔

سبین بے اختیار اس پہ جھک گئی اور پھر بھیگے لبوں کا جانفزا لمس عباس نے اپنی آنکھوں پہ محسوس کیا، اس کی روح میں اس مسیحائی کی تاثیر نے اجالا کر دیا تھا، اس نے سبین کو اپنے ساتھ لگا لیا۔

باہر دھندلا اجالا پھیلا تھا اور دھند کے مرغولے سے ہر طرف چھائے ہوئے تھے، مگر ان کے درمیان موجود دھند کا موسم چھٹ چکا تھا، کچھ دیر بعد وہ نیچے آئی کچن میں آ کر اپنی مطلوبہ چیزیں نکالیں اور پاستا بنانے لگی، ساتھ والے چولہے پہ چائے رکھی غیر معمولی تیز رفتاری سے اپنا کام ختم کرنے کے بعد اس نے پاستا پلیٹ میں نکالا چائے کپوں میں ڈالی اور ٹرے میں سیٹ کر کے اوپر کی طرف بڑھ گئی، باہر کی ٹھنڈک اور خنکی کے مقابلے میں اندر کا موسم بہت حدت بخش تھا، عباس ہنوز بستر میں تھا، سبین نے ٹرے بیڈ پہ رکھ دیا۔

''اب اٹھ بھی جائیں، میں ناشتہ بھی بنا لائی ہوں اور آپ نے اب تک بستر نہیں چھوڑا۔'' وہ خفگی سے بولی۔

''دل ہی نہیں چاہ رہا۔'' وہ سستی سے اٹھ گیا، سبین نے مستعدی سے آگے بڑھ کر اسے گرم شلوار قمیض تھمایا، کچھ دیر بعد وہ تبدیل شدہ لباس میں دھلے ہوئے چہرے کے ساتھ باہر آیا تھا، بیڈ پہ بیٹھ کر اس نے سبین کا آنچل تھاما اور چہرہ صاف کرنے لگا، سبین کی مسکراہٹ بے ساختہ تھی۔

''صبح صبح آپ کو اتنی زحمت ہوئی، کچھ دیر بعد ناشتہ بن ہی جاتا۔'' عباس نے کہا۔

''ابھی صرف ساڑھے چھ ہوئے ہیں عباس، ناشتہ تو دس بجے بنے گا اور آپ نے تو رات بھی کھانا نہیں کھایا تھا، جبھی میں نے پاستا بنایا ہے کہ کچھ ہلکا پھلکا سا ہو، کچھ آپ کی طبیعت بھی بہتر نہیں ہے، یہ تو ہوگئی وضاحت، سو اب شروع کریں۔'' وہ مسکرائی، عباس سر ہلا کے پلیٹ پہ جھک آیا، پاستا شاندار تھا۔

''آپ کے ہاتھ میں بہت ذائقہ ہے۔'' اس نے توصیفی انداز میں سر دھنا۔

"مجھے پتا ہے۔" وہ شوخی سے بولی، انداز سے گہرا اطمینان جھلک رہا تھا۔

☆☆☆

میری طرف مت دیکھو
مجھے میری بریدہ ٹانگوں
شکستہ بازوؤں اور گھائل دل نے چاروں طرف
سے گھیر رکھا ہے
ڈسے ہوئے لوگ تریاق نہیں بن سکتے
تمہاری مجبوریاں اپنی جگہ
میری مجبوریاں بھی تو اپنی ہی جگہ ہیں
پچھلی بار آسمان جس جگہ سے ٹوٹ کر مجھ پہ گرا
تھا
اب اس سے ساتھ والی جگہ سے پھر لٹک آیا
ہے
تم چاہو تو مجھ پہ ہنس سکتے ہو
آسمان کے دوسرے ٹکڑے کے گرنے سے
پہلے
ہوسکتا ہے بعد میں تمہیں بھی موقع نہ مل سکے

اور اگر اس کمرے میں الارم والی گھڑی نہ ہوتی تو وہ شاید کبھی نہ جان پاتی کہ کب دن رات سے ملا اور کب رات نے دن کا منہ دیکھا، آج بھی ایک معمول کی صبح تھی اس کی آنکھ کھلی تو کمرے میں مکمل تاریکی تھی، خیر اب تو وہ اس تاریکی کی عادی ہو چکی تھی، اس نے جلدی جلدی منہ دھویا اور اسید کے کپڑے نکال کر رکھے پھر لائٹ جلا دی، صد شکر کہ وہ کمبل میں منہ دیئے سو رہا تھا ورنہ یقیناً نیا فصیحتہ کھڑا ہو جاتا لائٹ کے جلنے پہ۔

وہ بھی کیا کرتی یہاں بجلی کا شارٹ فال خطرناک حد تک بڑھا ہوا تھا، وہ ہر روز رات کو پریس کرنے کے بارے میں سوچتی مگر بجلی ندارد، اس نے زمین پر ایک موٹی سی چادر بچھائی اور استری کا سوئچ پلگ میں لگا دیا، تیز تیز ہاتھ چلا کر اس نے پینٹ شرٹ پریس کی، موزے نکال کر رکھے، گرم جیکٹ اور پالش شدہ شوز بھی رکھے اور پھر کچن کی طرف بڑھ گئی، اسے اسید کو کبھی نہیں جگانا پڑا تھا وہ ہمیشہ خود اٹھ جاتا تھا اس لئے وہ بے فکر ہو کر ناشتہ بنانے میں مصروف ہو گئی، اس نے تازہ آٹا گوندھا اور پھر ایک طرف رکھ کر چائے کا پانی رکھنے لگی، خشک دودھ کی چائے بنانے کے بعد اس نے توا چڑھایا اور پراٹھا بنانے لگی، اس دوران اسید اٹھ چکا تھا، اس کے بعد اس نے انڈہ فرائی کیا اور ٹرے میں ناشتہ رکھا، ایک پراٹھا تلا ہوا انڈہ اور چائے کا کپ، اس نے ٹرے لا کر بیڈ پہ رکھ دیا، اسید نہا کر اس وقت بیسن کے آگے کھڑا بال بنا رہا تھا، اس کے بعد وہ بیڈ پہ آ کر بیٹھ گیا اور ناشتہ کرنے لگا، حبا خاموشی سے ایک طرف کھڑی رہی۔

"یہ سر پہ کیوں سوار ہو؟ نوالے گنو گی کیا؟" وہ جھلا کر بولا، حبا نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا پھر کچھ کہے بغیر دوبارہ کچن کارنر والی سائیڈ پہ چلی گئی۔

کچھ دیر بعد اسید کا سیل فون بج اٹھا، یہ اس نے چند دن پہلے ہی لیا تھا کیونکہ سیل کے بغیر اسے کافی مشکل پیش آ رہی تھی۔

فون پہ بات کرنے کے دوران ہی وہ افراتفری میں اٹھ کھڑا ہوا، فون بند کر کے جیب میں ڈالا، جلدی جلدی اپنے لیکچر پیپرز سمیٹے اور کتابیں اٹھائیں، یقیناً اسے جلدی آنے کا کہا گیا تھا۔

حبا نے ہاتھ میں پکڑی راشن کی لسٹ دیکھی اور تیزی سے اس کے سامنے آ گئی۔

"کیا تکلیف ہے اب تمہیں؟ کیوں کالی بلی کی طرح راستہ کاٹنے آ جاتی ہو؟" اس نے پتھر پھوڑے۔

"وہ میں یہ......" اس نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا۔

"شٹ اپ، ٹائم نہیں میرے پاس تمہاری فضول بکواس کے لئے۔" اس نے تلخی سے کہا اور آگے بڑھ گیا۔

حبا پھیکے چہرے کے ساتھ اسے جاتا دیکھتی رہی، اس نے روح شکن سناٹے میں اسید کے سیڑھیاں اترنے، دروازہ کھل کر بند ہونے اور پھر اس میں چابی گھومنے کی آواز سنی، وہ دروازہ باہر سے لاک کر کے جایا کرتا تھا، اس نے ہاتھ میں پکڑی لسٹ کو دیکھا، دو دن سے راشن ختم ہو رہا تھا اور آج تو کچھ بھی نہیں بچا تھا، وہ بے جان ٹانگوں کے ساتھ زمین پہ بیٹھ گئی، سوال یہ تھا کہ آج کیا پکے گا، اپنی تو اسے چنداں فکر نہ تھی مگر مسئلہ تو اسید کا تھا وہ صبح کا ناشتہ کر کے جو جاتا تو رات واپسی پہ ہی کھانا کھاتا تھا اور اگر اس کے لئے کھانا تیار نہ ہوا تو؟ اور اس تو کے آگے کی جگہ خالی تھی، اس نے دل ہی دل میں رات کے لئے خود کو تیار کرنا شروع کر دیا، حالانکہ غلطی اس کی نہیں تھی وہ دو دن سے اسے راشن لسٹ دینے کی کوشش کر رہی تھی، مگر اسے پتا تھا کہ غلطی اس کی ہی ثابت کی جائے گی، قصور وار اسے ہی ٹھہرایا جائے گا۔

اس نے اسید کے ناشتے کی ٹرے اٹھا کر اپنے سامنے رکھ لی، انڈہ ختم ہو گیا تھا مگر آدھا بچا چائے کا مگ اور پراٹھا موجود تھا، اس نے نوالہ توڑا اور چائے میں ڈبو کر کھانے لگی۔

یکدم ماضی کی ایک خوشگوار یاد اس کے سامنے آ گئی، اس نے سر جھٹک کر اس یاد سے پیچھا چھڑانا چاہا مگر بے سود اور پتا نہیں کیوں نوالہ حلق میں پھنس گیا تھا اس نے ٹھنڈی چائے کا گھونٹ بھرا تو آنکھوں میں پانی آ گیا۔

یہ چند سال پہلے کی بات تھی۔

حبا اور اسید دونوں اسٹڈی میں بیٹھے ہوئے اپنا اپنا کام تقریباً ختم کر کے اٹھنے ہی والے تھے جب مرینہ ٹرے میں دودھ اور کافی لے کر آ گئیں، حبا نے برا سا منہ بنا کے دودھ پینا شروع کر دیا، اسید کی بھاپ اڑاتی کافی کو اس نے خاصی حسرت بھری نظروں سے دیکھا تھا، اسید نے ایک گھونٹ لے کر کپ واپس ٹیبل پہ رکھا کہ اس کا فون بجنے لگا تھا، وہ فون پہ بات کرنے لگا، حبا نے فوراً دودھ کا گلاس واپس رکھا اور اسید کا کافی کا مگ اٹھا لیا، تیز تیز گھونٹ بھرتے ہوئے اس نے اسید کو دیکھا، وہ متوجہ نہ تھا، اس نے آدھا مگ پی کر واپس رکھا اور پھر سے گلاس اٹھا لیا، اسید فون سے فارغ ہوا تو آدھا کپ کافی دیکھ کر اس کی آنکھیں پھیل گئیں، اس نے مشکوک نظروں سے حبا کو دیکھا جو بڑی معصومیت سے سر جھکائے دودھ پینے میں مصروف تھی۔

"حبا!" اس نے پکارا، انداز تنبیہی تھا۔

"ہوں۔" اس نے سر اٹھایا پھر خود پہ قابو نہ پا کر کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"میرا دل چاہ رہا تھا کافی پینے کو۔" وہ چنچل انداز میں بولی تھی۔

"اب تو یہ میرے پینے والی نہیں رہی۔" وہ تاسف سے بولا۔

"کیوں؟" حبا کے انداز میں گہرا استعجاب تھا۔

"تم نے جھوٹی جو کر دی ہے۔" اس نے

جتایا، حبا کا رنگ پھیکا پڑ گیا۔

"سوری میں تمہارے لئے دوبارہ بنا لاتی ہوں۔" وہ ہونٹ چباتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی، اسید اس کا چہرہ دیکھ کر ہنس پڑا۔

"میں تو مذاق کر رہا تھا حبا! اتنا سنجیدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔" اس نے حبا کو بازو سے پکڑ کر واپس بٹھایا۔

"یہ انتہائی فضول بات ہے۔" وہ پھٹ پڑی۔

"یہ مذاق تھا، اتنا گھٹیا مذاق، میرا دل بند ہو جاتا تو، آخر کیوں نہیں پی سکتے تم میری جھوٹی کافی، میں کیا مسلمان نہیں ہوں۔" وہ بنا رکے بولتی گئی۔

"ارے اتنا سویئرری ایکشن، کول ڈاؤن بے بی۔" اسید نے اس کا سر سہلایا، وہ کچھ کہے بغیر اسے گھورتی رہی، اسید کو ہنسی آنے لگی۔

"سوری کروں تم سے؟" اب کے بار وہ سنجیدگی سے بولا۔

"اس کی ضرورت نہیں۔" وہ تیز لہجے میں بولی، اسے شرمندہ دیکھنا کب مقصود تھا اسے۔

"تو پھر؟" اس نے استفسار کیا۔

"تو پھر یہ کہ تمہاری سزا یہ ہے کہ تم دودھ پیو گے اور میں کافی۔" اس نے دھونس سے کہا، اسید اس کی ذہانت پہ کھلکھلایا تھا۔

"کیا بات ہے آپکی حبا بی بی! سزائیں دینے میں ملکہ حاصل ہے آپ کو۔" اس نے دودھ کا گلاس اٹھالیا تھا۔

"ہاں تو اور کیا، میرا دل چاہتا ہے تمہیں بڑی سخت سی سزا دوں۔" وہ جذباتیت سے بولی۔

"وہ کس جرم میں؟" وہ بلبلایا تھا۔

"اچھا لگنے کے جرم میں۔" وہ اطمینان سے کافی کے گھونٹ لے رہی تھی۔

"مطلب؟" وہ حیران ہوا۔

"ہاں، جتنے اچھے تم ہو، اتنا اچھا ہونا نہیں چاہیے اور اصولاً اتنا اچھا ہونے پہ ٹیکس لگنا چاہیے اور چونکہ تم ٹیکس نہیں دیتے جبھی سزا تو ملنی ہی چاہیے۔" وہ مسکراہٹ دبا کے بولی تھی، اسید کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

"ہوں تو کیا سزا دو گی تم مجھے؟" اس نے دلچسپی سے پوچھا۔

"دل تو چاہتا ہے تمہیں جادو کے زور پہ اپنے بس میں کر لوں اور تم سے وہ سب کرواؤں جو میں چاہتی ہوں۔" اس نے کہا۔

"اطلاعاً عرض ہے میں کاٹھ کا الو نہیں ہوں۔" وہ اطمینان سے بولا، حبا نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔

"پتا ہے مجھے، اسی لئے میرا دل چاہتا ہے تمہیں سونے کے پنجرے میں قید کر لوں۔" اس کے انداز میں شدت تھی۔

"وہ کیوں؟" وہ اب خوب لطف لے رہا تھا۔

"تا کہ کوئی تمہیں مجھ سے جدا نہ کر سکے۔" اس نے آہستگی سے کہا، پھر سر اس کے شانے پہ رکھ دیا، اسید نے نرمی سے اس کا کندھا تھپکا۔

"فضول باتیں مت سوچا کرو، ایسا کچھ نہیں ہے۔" اس نے تسلی دی۔

"پتا نہیں مجھے ایسا کیوں لگتا ہے، شاید میں عدم تحفظ کا شکار ہوں تمہیں لے کر۔"

"مجھے لے کر، وہ کیوں؟" وہ حیرت سے بولا۔

"پتا نہیں اسید کیا بات ہے، پتا نہیں مجھے تمہیں بتانا چاہیے بھی یا نہیں۔" وہ سخت الجھن میں تھی۔

"ایسی کون سی بات ہے؟" اس نے حبا کا چہرہ اپنے شانے پر سے اٹھایا۔

"مجھے Night mares آتے ہیں، پچھلے کچھ عرصے سے۔" وہ بہت مضطرب ہو گئی۔

"Night mares؟" وہ حیران سا تھا۔

"ہاں اور بہت عجیب، میں دیکھتی ہوں بہت خوبصورت جگہ ہے، سرسبز پہاڑی علاقہ اور ہم دونوں سب سے اونچی چٹان پہ کھڑے ہیں اور نیچے بہت دل فریب، نیلا دریا بہہ رہا ہے میں تمہیں اس دریا کی طرف متوجہ کروانا چاہتی ہوں میں تمہارا بازو پکڑ کر تمہیں وہاں لاتی ہوں مگر پھر یکلخت سب کچھ بدل چکا ہوتا ہے، وہ دریا نیلا نہیں ہوتا، وہ سرخ ہوتا ہے یا شاید زرد آگ جیسا، میں اسے دیکھ کر ڈر کر پیچھے ہٹتی ہوں، تو اردگرد کا منظر بھی تبدیل ہوتا ہے، وہاں سبزے کا نام ونشان نہیں ہوتا، صرف بنجر، کالی اور ویران چٹانیں اور پھر یکلخت کوئی مجھے دھکا دے دیتا ہے میں نیچے، بہت نیچے آگ وخون کے اس دریا میں گرنے لگتی ہوں، میں بہت چلاتی ہوں، تمہیں مدد کے لئے بلاتی ہوں مگر تم وہیں کھڑے مجھے دیکھتے رہتے ہو، مجھے بچانے کی کوشش نہیں کرتے اور اسی دوران میری آنکھ کھل جاتی ہے۔" حبا تیز تیز بول رہی تھی اس کے ماتھے پہ پسینہ چمک رہا تھا اس نے الٹے ہاتھ سے ماتھا صاف کیا تھا۔

"چھوٹی چھوٹی باتوں پہ اسٹریس لینا چھوڑ دو حبا، یہ صرف بے معنی خواب ہے ایسا کچھ نہیں ہے وہم ہے تمہارا۔" اس نے تسلی دی۔

"لیکن اسید!" حبا نے کچھ کہنا چاہا۔

"اوں ہوں تمہیں لگتا ہے میں تمہیں کسی مشکل میں اکیلا چھوڑ سکتا ہوں، تو پھر فضول خدشات پالنے کا مطلب، چلو اٹھو ٹینشن فری ہو کر سوؤ۔" اسید نے نرمی سے اس کا گال تھپکا اور اسے بازو سے پکڑ کر کھڑا کر دیا، حبا چند لمحے اسے دیکھتی رہی تھی، پھر سر ہلا دیا تھا۔

"تم واقعی بہت خاص ہو اسید، میں ایسے ہی تو تمہارے لئے پاگل نہیں؟" اس نے سوچا تھا، وہ ایک طویل سانس لے کر واپس حال میں لوٹ آئی۔

اس نے سامنے پڑی ٹھنڈی چائے کا گھونٹ بھرا جو اب بدذائقہ ہو چکی تھی، یہ لت بھی اسے اسید سے ہی لگی تھی۔

"میرا خوب سچ تھا وہ Night mare نہیں تھا ایک سائن تھا میری اس بدتر زندگی کے بارے میں اور میں بے وقوف جان ہی نہ پائی۔" اس نے ٹرے اٹھاتے ہوئے سوچا تھا، اس کے اندر گہری اذیت سرائیت کرتی جا رہی تھی۔

☆☆☆

علینہ کے ریگلیکلز تھے، وہ اپنی پریکٹیکل نوٹ بک کو لے کر بیٹھی ہوئی تھی ویسے تو وہ نوٹ بک مکمل کر چکی تھی اور یہ چیک بھی ہو چکی تھی مگر دوسری لڑکیوں کے دیکھنے دکھانے میں اس کی کچھ ڈائیگرامز اور گرافس رف ہو رہے تھے، اس نے سوچا کہ انہیں دوبارہ سے ری نیو کر لے، وہ پنسل، سکیل اور نوٹ بک لے کر بڑی دیر سے بیک یارڈ کی سیڑھیوں پہ

www.paksociety.com

بیٹھی ہوئی تھی، کافی زیادہ کام مکمل ہو چکا تھا، اس نے بور ہو کر ایک طرف چیزیں رکھیں اور دائیں ہاتھ سے اپنا شانہ دبایا، کافی دیر ایک پوز میں بیٹھنے سے درد محسوس ہو رہا تھا۔

''تھک گئی ہو؟'' علینہ نے پیچھے مڑ کر دیکھا وہ ایاز تھا، اس کے ہاتھ میں مگ تھا۔

''ہوں تھوڑا سا۔'' وہ بولی، ایاز اس کے برابر آن بیٹھا۔

''پریکٹیکل کب ہے تمہارا؟'' ایاز نے پوچھا، وہ کچھ حیران ہوئی، وہ کیسے جانتا تھا۔

''اس فرائی ڈے کو۔''

''ہوں تیاری کیسی ہے، خاص طور پر وائیوا کی؟'' ایاز نے چائے کا گھونٹ لے کر پوچھا۔

''کچھ خاص نہیں۔'' وہ آہستہ سے بولی۔

''کیوں؟''

''مجھے لگتا ہے وائیوا میں کنفیوز ہو جاؤں گی۔'' وہ افسردہ ہو گئی۔

''یہ تو اچھی بات نہیں ہے، ایسا کیوں لگتا ہے تمہیں؟'' ایاز نے استفسار کیا۔

''پتا نہیں شاید مجھ میں کونفیڈنس نہیں ہے۔'' وہ مضطرب سی ہو گئی تھی۔

''کونفیڈنس اس لئے نہیں ہے کہ تم سب سے الگ تھلگ رہتی ہو، سب کے درمیان بیٹھا کرو، گھلا ملا کرو۔'' ایاز کا لہجہ نرم تھا۔

''مجھ عادت نہیں ہے۔'' اس نے گویا بات ہی ختم کر دی۔

''کیوں علینہ؟ ایسا کیوں ہے؟ مجھے بتاؤ میں تو تمہارا بھائی ہوں، مجھ سے شیئر کرو، وہ جو تم اپنے اندر دبا رکھتی ہو۔''

''آپ تو چلے جائیں گے۔'' اس کا لہجہ بہت عجیب تھا۔

''تو کیا ہوا، ہم رابطے میں رہیں گے، میں تمہیں کال کر لیا کروں گا تمہارے پاس اپنا سیل فون تو ہوگا؟'' اس نے استفسار کیا، علینہ نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''نہیں ہے، اوہ نو، تم گریجویشن کر رہی ہو اور تمہارے پاس اپنا نمبر نہیں ہے، حیرت انگیز۔'' وہ سخت حیران ہوا تھا۔

''کبھی ضرورت ہی نہیں پڑی۔'' وہ سادگی سے بولی۔

''بہت حیران کن بات ہے، خیر میں تمہیں جانے سے پہلے سیل لے کر دے دوں گا۔'' ایاز نے کہا۔

''نہیں اس کی ضرورت نہیں۔'' علینہ نے فوراً منع کر دیا، ایاز خاموش رہ گیا۔

''چائے پیو گی۔'' اس نے مگ علینہ کی طرف بڑھایا، اس نے کوئی سوال نہ کیا تھا، کوئی وضاحت نہ مانگی تھی۔

''تھینکس۔'' علینہ نے مگ تھام لیا۔

''ایک بات پوچھوں؟'' ایاز سامنے دیکھ رہا تھا۔

''جی پوچھیں۔'' اس نے اپنے ہینڈسم سے بھائی کو دیکھا۔

''کیا تم بھی مجھے غلط سمجھتی ہو؟'' علینہ اس کے سوال پہ ہکا بکا سی رہ گئی، وہ اس کے سوال کا مطلب جان گئی تھی، وہ یقیناً سبین کے بارے میں اس کی رائے جاننا چاہ رہا تھا۔

''میرے علم میں تو پوری بات ہی نہیں، میں کیا رائے دے سکتی ہوں۔'' اس نے شانے اچکائے۔

''چلو فرض کرو، تمہیں شادی کرنے کو کہا جائے جبکہ تم راضی نہیں ہو؟ تو کیا تم مان جاؤ گی؟''

''نہیں۔'' وہ کچھ دیر بعد سوچ کر بولی۔

''اور اگر تم پر دباؤ ڈالا جائے بلکہ پورا گھر تم پہ چڑھ دوڑے پھر؟''

''تو میں شاید اپنی بات پہ قائم نہ رہ سکوں۔'' وہ کچھ جھجک کر بولی۔

''یعنی ہتھیار ڈال دو گی؟'' اس نے پوچھا۔

''ظاہر ہے میں سب کے سامنے کھڑی نہیں رہ سکتی۔'' وہ اس بار دوٹوک بولی تھی۔

''ایگزیکٹلی، یہی تو میں کہنا چاہتا ہوں، یہی میری پوزیشن تھی، مجھ پر اس قدر دباؤ ڈالا گیا تھا کہ میرے پاس یہ شادی کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا، مجھے مجبور کر دیا گیا تھا علینہ، جبکہ میری مرضی شامل نہیں تھی۔'' وہ وضاحت دے رہا تھا، علینہ خاموشی سے چائے کا مگ تھامے سامنے دیکھتی رہی۔

''اب ان باتوں کا کیا فائدہ، بھائی اور بھابھی خوش ہیں۔'' اس نے ایاز کو لاجواب کر دیا۔

''ہاں اب ان باتوں کا کیا فائدہ۔'' وہ بڑبڑایا۔

''تم اپنا کام مکمل کرو، میں چلتا ہوں۔'' وہ اٹھ کر چلا گیا۔

علینہ وہیں بیٹھی رہی، کسی سوچ میں گم، کس قدر عجیب بات تھی، ایاز خود کو حق بجانب سمجھتا تھا، علینہ نے سوچا یہ کوئی انوکھی بات نہ تھی مغل ہاؤس میں ہر شخص خود کو حق پہ سمجھتا تھا، ایاز جس نے بڑے اطمینان سے سبین کو تماشا بنا دیا تھا اور خود کو ڈی فنڈ بھی کر گیا تھا، عباس جو ایاز کی شکل دیکھنے کا روادار نہیں تھا، شاہ بخت جو اپنے Utopia سے باہر آنے کو تیار ہی نہ تھا، ایک رشتہ تھی جو کبھی بخت کی سب سے اچھی دوست ہوا کرتی تھی، اب اسے یوں نظر انداز کرتی تھی جیسے دیکھا ہی نہ ہو، حیرت سی حیرت تھی۔

(باقی آئندہ)

بارہویں قسط

"علینہ احمر مغل" کی شخصیت لاتعداد متضاد مجموعوں کی پیکر تھی، وہ اس وقت بیس سال کی تھی اور گریجویشن کے ایگزامز دے چکی تھی اور عجیب بات تھی کہ جب سے اس نے ہوش سنبھالا تھا وہ اس بات پہ حیران تھی کہ وہ اسے اتنا اچھا کیوں لگتا تھا؟ اور کیا اس کی دلکش شہد رنگ آنکھیں سب کو اپنے حصار میں اسی طرح جکڑ لیتی تھیں جس طرح علینہ کو، ایسی کیا سحر کاری تھی کہ وہ بچ نہیں پائی تھی۔

مگر پتا نہیں کب اور کیسے وہ اس حقیقت کو تسلیم کرنے میں کوئی عار محسوس نہ کرتی تھی کہ وہ گھر بھر کا لاڈلا اور چہیتا تھا اور وجہ پتا نہیں کیا تھی، شاید اس کی حد سے بڑھی ہوئی حساسیت یا پھر، یا پھر وقار، ہاں ایسا ہی تھا یا شاید اسے لگتا تھا کہ گھر میں اس کی مقبولیت کی وجہ صرف وقار تھے اس میں ذاتی طور پر ایسی

ناولٹ

کوئی خوبی نہ تھی کہ اسے اتنا چاہا جاتا، ہاں وہ ذہین تھا مگر ذہین تو عباس بھی تھا، وہ ہینڈسم تھا مگر ہینڈسم تو مغل ہاؤس کے سارے بیٹے تھے، پھر کیا بات تھی، وہ جان نہیں پائی تھی مگر وہ اس کی طرف کھنچتی تھی، مگر اپنی طبیعت اور مزاج کے برعکس اس نے خود کو مضبوطی سے دبایا تھا، اس کے قریب جانے سے روکا تھا، اس نے لاکھ چاہا کہ علینہ سے فرینک ہو سکے مگر علینہ نے ہر بار خود کو چکنا گھڑا بنا لیا، وہ ششدر کر رہ جاتا، لیکن اصل حقیقت کچھ اور تھی، سچ یہ تھا کہ علینہ احمر مغل قطعاً ایک نارمل لڑکی نہیں تھی۔

سب نارمل لوگوں کی طرح اسے بھی غصہ آتا تھا مگر وہ اسے نکالتی نہیں تھی نہ ظاہر کرتی تھی، اندر ہی اندر دباتی رہتی تھی، نارمل لوگوں کی طرح وہ بھی احساسات وجذبات سے
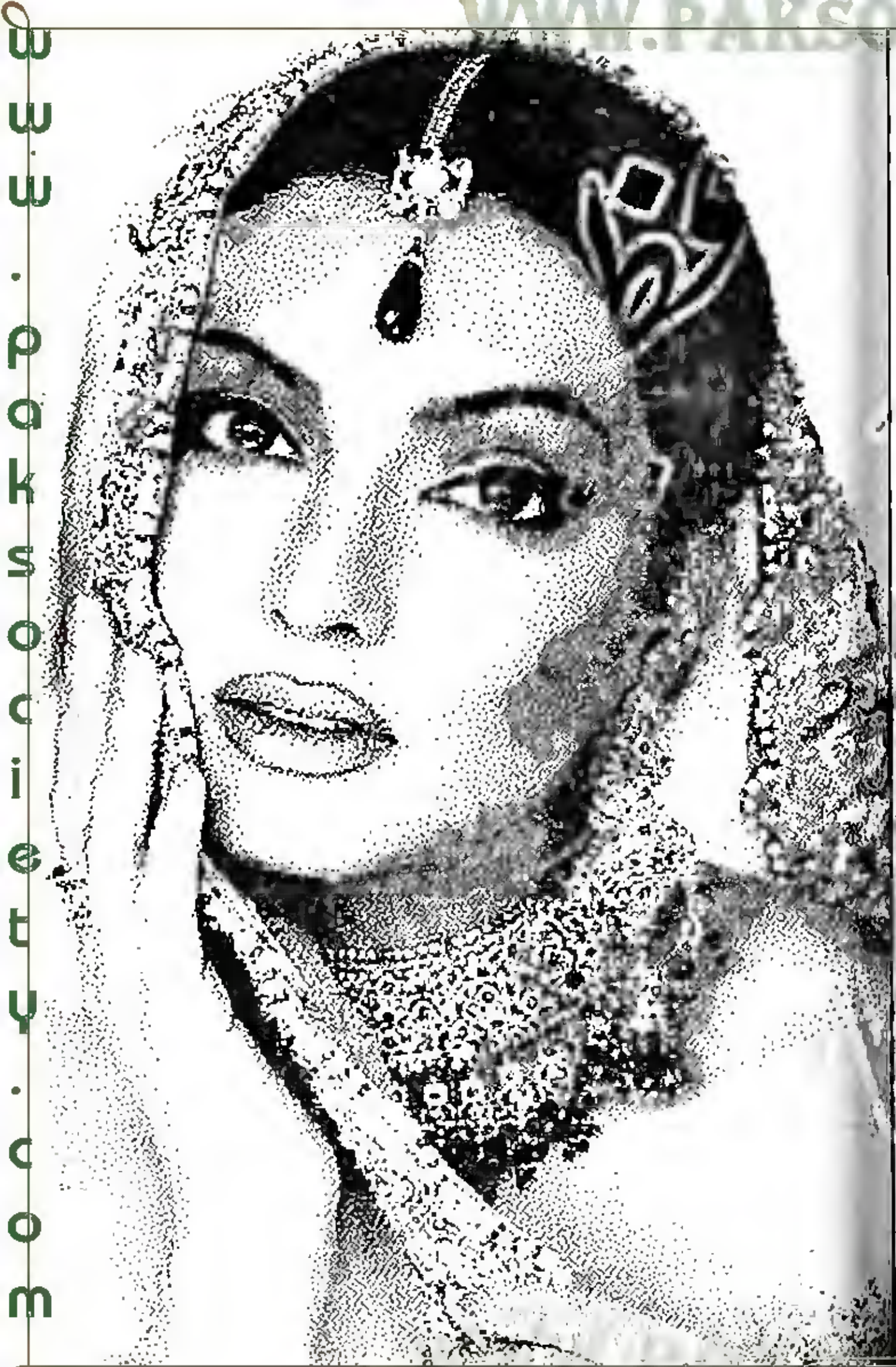
بھرپور بھی مگر ان کے اظہار سے ہمیشہ کتراتی تھی اور اسے کبھی بروقت اپنے احساسات کو بیان کرنا نہ آیا، عام لوگوں کی طرح اسے بھی بہت سی باتیں بری لگتی تھیں مگر وہ انہیں ڈسکس کرنے کی بجائے اندر ہی اندر کڑھتی رہتی تھی۔

بہت بار اس کا دل چاہا تھا کہ وہ شاہ بخت سے پوچھے کہ وہ اس کی تصویر کیوں بنانا چاہتا تھا؟

بہت بار اس نے سوچا کہ وہ شاہ بخت سے پوچھے کہ آخر وہ اسے گفٹ کیوں دینا چاہتا تھا، خواہ ایک گھڑی ہی سہی۔

وہ شاہ بخت سے سوال کرے کہ وہ اتنا ہائپر کیوں تھا؟

اور وہ شاہ نواز کے نام پہ اتنا ہائپر کیوں ہو جاتا تھا؟

کیا Obssession اسے اس نام سے؟؟؟

کتنی ہی دفعہ اس نے سوچا کہ وہ اس سے دریافت کرے کہ آخر رمشہ اور شاہ بخت کے جھگڑے میں اس کا نام کیوں آیا اور کہاں سے آیا تھا۔

آخر علینہ کا کیا لنک تھا، اس کی تو کوئی دوستی ہی نہ تھی ان دونوں سے تو پھر، وہ اس سے جاننا چاہتی تھی کہ وہ اسے ایکدم سے یوں نظر انداز کیوں کرنے لگا تھا، یوں جیسے وہ موجود ہی نہ ہو مگر، درحقیقت وہ خود بھی اسے یوں ہی نظر انداز کرتی تھی تو پھر جب وہ کر رہا تھا تو برا کیا ماننا، مگر انسانی فطرت، عجیب ہے، خود کو حق پہ پاتی تھی اور دوسرے کو غلط سمجھتی تھی۔

وہ حیران تھی کہ شاہ بخت کا ردعمل، شاہ نواز کی موت پہ بہت ٹھٹکا دینے والا تھا اور غیر متوقع بھی اور جو اس کے بعد ہوا وہ علینہ احمر مغل کے لئے اس قدر خوفناک اور دل دہلا دینے والا تھا کہ وہ دو دن بعد بھی اس سہم کے حصار سے نکل نہ پائی تھی، یہ شاہ بخت تھا، کس قدر ناقابل یقین سی بات تھی، وہ ششدر سی تھی، اس شخص کی جرأت حیران کن ہی نہیں تباہ کن بھی تھی، یہ تو وہ ہمیشہ سے جانتی تھی کہ وہ نڈر تھا مگر اس قدر بے خوف ہوگا اس کا اندازہ اسے اب ہو رہا تھا۔

اور طرہ یہ کہ اسے دھکا بھی دیا تھا اس ہاتھ سے اب تک جلن اٹھتی محسوس ہوتی تھی کہ یہ ہاتھ شاہ بخت پہ اٹھا تھا، وہ حیران سی تھی اپنی اس قدر اضطراری حرکت پہ، اپنی ہمت پہ، اس نے اس شخص پہ ہاتھ اٹھایا تھا جس پہ شاید اس کا باپ بھی نہیں اٹھا سکا تھا، کیسا ستم تھا بلکہ ستم بالائے ستم تھا۔

اور اب وہ اپنی رکتی دھڑکنوں کے ساتھ لحہ بہ لحہ سوچ سوچ کر مر رہی تھی کہ وہ کیا کرے گا، اس نے امکانات پہ غور کرنا شروع کر دیا تھا۔

"کیا کرے گا زیادہ سے زیادہ، بھائی کو بتا دے گا تو بتا دے میں بھی انہیں بتاؤں گی کہ اس نے مجھ سے بدتمیزی کی تھی۔" اس نے پہلا امکان ذہن میں لا کے خود کو تسلی دی تھی۔

"لیکن وہ کیسے بتا پائے گا اس سے تو اس کی انسلٹ ہوگی۔" ظاہر ہے ایک لڑکی سے تھپڑ کھانا کوئی قابل عزت بات تو نہ تھی، اور اگر وہ تھپڑ کا بتاتا تو لازماً اس کی وجہ بھی بتانا پڑتی اور یقیناً اس کے لئے ٹھوس وجہ کا ہونا ضروری تھا، پھر تو اسے ساری بات بتانا پڑے گی، اس نے دوسرے امکان کو بھی رد کر دیا۔

یوں ایک کے بعد ایک خیال رد کرتے ہوئے اس کو یقین ہو گیا کہ وہ قطعاً کسی کے علم میں یہ واقعہ لانے کی پوزیشن میں نہیں تھا اس صورت میں جبکہ کچھ عرصہ پہلے اس نے رمشہ پر خود ہاتھ اٹھایا تھا اور یہ بعید از گمان ہی لگتا تھا کہ کوئی اس کی بات کا یقین کرتا جبکہ علینہ کا سابقہ ریکارڈ یکسر اس قسم کی بدتمیزیوں سے مبرا تھا، بہت دیر تک اس معاملے پہ سر کھپانے کے بعد وہ بالکل مطمئن ہو گئی تھی کہ شاہ بخت نے صرف اسے دھمکایا تھا، حقیقتاً وہ ایسا کوئی قدم اٹھانے کی کوشش نہیں کرے گا۔

مگر وائے قسمت کہ وہ اپنی معصومیت، بچپنے، کم علمی اور سادگی میں اس کے سب سے اہم جملے کو بھول گئی تھی، شاہ بخت نے کہا تھا۔

"اور اگر یہ خود غرض شخص تمہیں ساری زندگی جھیلنا پڑ جائے تو؟" وہ یہ دھمکی یکسر فراموش کر گئی تھی۔

☆☆☆

شاہ نواز کی وفات کو دس روز ہو چکے تھے، مغل ہاؤس پھر سے اپنی روٹین پہ جا چکا تھا، ایاز تا حال پاکستان میں ہی تھا اور سب گھر والوں کی بے نیازی اور بے رخی اس کے اعصاب کو اچھا خاصا توڑ رہی تھی اس وقت وہ سب رات کا کھانا کھا رہے تھے، ترتیب بدل چکی تھی، سبین اب عباس کے ساتھ بیٹھی تھی، جبکہ اس کے بالکل سامنے ایاز بیٹھا تھا، اس نے عباس کی پلیٹ تیار کر کے اس کی طرف بڑھائی تھی، جبھی ایاز نے اسے سلاد پکڑانے کو کہا۔

سبین نے نظر اٹھائے بغیر سلاد کی ڈش اس کی طرف کھسکا دی البتہ اس دوران اس کے چہرے پہ پھیلتی ناگواری، عباس کی نظروں سے مخفی نہ رہ سکی تھی، کچھ دیر بعد ایاز نے اسے پھر مخاطب کر لیا۔

"سبین! پلیز پانی۔" سبین نے ناگوار نظریں اٹھا کر اسے دیکھا اور چیئر دھکیل کر کھڑی ہو گئی، سب بے اختیار چونکے، اس نے قدم آگے بڑھائے اور ایک لفظ کہے بغیر تیز تیز قدم اٹھاتی باہر نکل گئی، عباس سن سا وہیں بیٹھا رہ گیا۔

"بابا آئم سوری، پلیز آپ کھانا کھائیے میں دیکھتا ہوں۔" اس نے مدافعانہ انداز میں کہا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر نکل گیا، یہ سب کچھ صرف چند سیکنڈز میں ہی وقوع پذیر ہو گیا تھا، وہ اپنے کمرے میں آیا تو سبین بیڈ پہ بیٹھی تھی، اس کا چہرہ غصہ ضبط کرنے کی کوشش میں سرخ پڑ رہا تھا اور آنکھیں نم لگ رہی تھیں، عباس کے ذہن میں ایک دم سے ایک منظر ری کال ہوا تھا، جب وہ اور وقار سبین کی عدت کے دوران ان کے گھر گئے تھے تب بھی وہ یوں ہی بیڈ پہ بیٹھی رو رہی تھی، فرق صرف یہ تھا کہ تب وہ اپنے گھر تھی، عباس کے اختیار و دسترس سے دور تھی مگر اب وہ اس کے ذاتی کمرے میں تھی اس کی اپنی ملکیت تھی، ایک اور مماثلت ضرور تھی، تب بھی اس کی تکلیف کا سبب ایاز تھا اب بھی وہی شخص اسے ایذا پہنچانے کی وجہ تھا، عباس کا غصہ اس وقت سبین کی بدتہذیبی پہ بری طرح بیٹھ گیا، وہ آگے بڑھا۔

"اس طرح کھانا چھوڑ کے آنے کا فائدہ؟" اس نے نرمی سے کہا، سبین نے ہونٹ چباتے ہوئے اسے دیکھا اور خود پہ ضبط نہ پا کے بے ساختہ بکھر گئی۔

"میں اس شخص کو ایک منٹ بھی

برداشت نہیں کر سکتی عباس۔'' اس کے آنسو بہنے لگے۔

عباس نے اسے ساتھ لگا لیا، نرمی سے اس کے آنسو صاف کیے اور اس کی پیشانی کو چوما تھا۔

''آپ نے ایسا کرنے کو کوئی بھی نہیں کہہ رہا۔'' اس کا تسلی بھرا لہجہ سبین کو ڈھارس ملی۔

''وہ شخص مجھے پریشان کرنے کی کوشش کر رہا ہے عباس! کل بھی جب میں کچن میں تھی، مجھے چائے کا کہہ گیا، میں امی جان کی وجہ سے انکار نہیں کر سکی مگر اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ وہ مجھے اپنی ملازمہ سمجھ کر ایکسپلائٹ کرتا پھرے، مجھے یہاں نہیں رہنا، مجھے اماں کی طرف بھجوا دیں، کم از کم تب تک جب تک وہ یہاں ہے۔'' وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔
عباس ملائمت سے اسے تھپکتا رہا، مگر اندر ہی اندر ایاز کے لئے پلتا غصہ کچھ اور بڑھا تھا۔

''بے وقوفی مت کریں، یہ آپ کا گھر ہے، ویسے بھی مجھے امید ہے کہ وہ چند دنوں تک ویسے ہی دفع ہو جائے گا یہاں سے۔'' اس نے سمجھایا۔

''مگر میں اس کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی۔'' وہ اس بار قدرے بلند آواز میں بولی، عباس نے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں لے لیا۔

''کس بات کا ڈر ہے؟ یہ میرے دل کا فیصلہ ہے سبین، میں نے تجھے اپنی آمادگی کے ساتھ اپنایا تھا جبکہ اس وقت میں اس بات سے بھی بے خبر تھا کہ یہ پیپر میرج تھی، تمہیں میرا یقین کیوں نہیں آتا، تو صرف میری ہے، صرف میری سبین تجھے دل و دماغ کی بھرپور آمادگی کے ساتھ اپنایا ہے میں نے، تم سر سے پیر تک میری ملکیت ہے، حرف حرف پڑھ چکا ہوں تجھے اور جان لے کہ ہر مرد یہ کھوج رکھتا ہے کہ کہیں وہ صرف جسم کی سلطنت کا فاتح تو نہیں، کہیں دل کا علاقہ کسی اور کے قبضے میں تو نہیں، یہ کھوٹ مرد کی برداشت اور مردانگی کا امتحان ہوتا ہے میری جان، تجھے سر سے پیر تک جان چکا ہوں تو ان چھوئی کلی سے زیادہ پاک اور حیادار ہے، میں تیرا شوہر ہوں، میں گواہی دیتا ہوں، کیونکہ میں بدباطن مرد نہیں ہوں، میں نے کبھی کسی کو دھوکہ نہیں دیا اور تیری سچائی اور پاکیزگی میرا انعام ہیں۔'' بے تکلف لہجے میں کہے الفاظ کیا تھے ٹھنڈے پھاہے تھے جو سبین کے دل کو نرمی سے چھو گئے اور کانوں میں کسی امرت کی طرح انڈیل دیئے گئے جو اس کی نس نس میں پھیل کر اس کے تنے ہوئے اعصاب پر سکون کر گئے تھے۔

اس کے ہم سفر نے کتنی چاہت سے اسے معتبر کر دیا تھا، اسے سرخرو ہونے کا مان بخشا تھا، سبین نے بے ساختہ اس کے گرد اپنے بازو لپیٹ دیئے اور خود کو اسے کے سہارے چھوڑ دیا، عباس کے لبوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی اس نے بڑی محبت اور احتیاط سے اسے سنبھالا تھا۔

محبت کی کہانی یہ
محبت کی زبانی ہے
محبت کا میں راجہ ہوں
محبت تم سی رانی ہے
تمہیں کیسے بتاؤں میں
مجھے تم سے محبت ہے

☆☆☆

بہت دنوں سے اسے بخار ہو رہا تھا اور اس بات سے اسید مصطفیٰ بے خبر نہیں تھا، اس غضب کی سردی میں ناکافی بستر کے ساتھ فرش پہ سونے کا کوئی تو نتیجہ نکلنا تھا، لیکن صرف ایک وجہ تو شاید ناکافی ہو، کم خوراکی، مسلسل ٹینشن، رونا دھونا، رات دیر تک جاگنا، تذلیل اور سب سے بڑھ کر اس کوٹھری کی تنہائی، اتنے سارے عناصر کے ساتھ تو کوئی آہنی اعصاب کا مالک شخص بھی ڈھے جاتا وہ تو پھر ناز و نعم میں پلی لڑکی تھی، کب تک مقابلہ کرتی۔

ایسا نہیں تھا کہ اس نے یہ سب بڑی آسانی سے قبول کر لیا تھا، ایڈجسٹ ہو گئی تھی، اس نے اپنے ضبط اور حوصلے کو آخری حد تک آزمایا تھا، اس نے مزاحمت کا حق ادا کر دیا تھا، اس نے بہت مار کھائی تھی مگر اپنے موقف سے نہ ہٹی تھی، مگر کب تک، آخر کار اس نے مان لیا، اس نے تسلیم کر لیا، بھلے ہی وہ ایک پر آسائش زندگی گزار کر آئی تھی مگر جب سب کچھ نہ رہا تو اس نے بھی اس زندگی سے سمجھوتہ کر لیا جس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا، وہ بہت عام سی لڑکی نکلی تھی، کمزور اور بزدل یا شاید بن گئی تھی یا پھر بنا دی گئی تھی، اس نے ماضی کو یاد کرنا چھوڑ دیا، اس نے بولنا چھوڑ دیا، اس نے یہ بھول جانے کی کوشش بھی شروع کر لی تھی کہ وہ کیا تھی اور اب کیا بن گئی، مگر اس سارے سمجھوتے، جھکاؤ اور خاموشی کے باوجود بھی اسے معافی نہیں ملی تھی، اس کی سزا میں کمی نہیں آئی تھی اور کچھ بھی نہ بدلا تھا، البتہ وہ بہت بدل گئی تھی اور اس وقت وہ فرش پہ بچھے قالین پہ کمبل اوڑھے لیٹی تھی جو اسید پتا نہیں کہاں سے لایا تھا، شاید یہ دونوں چیزیں سیکنڈ ہینڈ خریدی گئی تھیں کیونکہ وہ استعمال شدہ لگتی تھیں اور انہیں حبا کی طرف پھینکتے ہوئے اس نے بڑے زہر خند انداز میں کہا تھا۔

''میں نہیں چاہتا کسی دن مجھے تمہاری ٹھنڈ میں اکڑی ہوئی لاش ملے، پھر میرے انتقامی پلان کا کیا ہو گا اور میں قطعاً تمہیں اتنی آسان موت مرنے نہیں دے سکتا۔'' اس کے لہجے کی سفاکی حبا کے اندر کسی زہریلی سوئی کی طرح پیوست ہو گئی تھی اور ایسی پتا نہیں کتنی سوئیاں اس کے ہاتھوں سے حبا کے جسم میں اتاری گئی تھیں، اسے تو تعداد بھی یاد نہ رہی تھی۔

البتہ اس وقت بخار کی شدت سے تڑپتے ہوئے اس کا ذہن بالکل خالی تھا، اس نے کمبل سر تک اوڑھ رکھا تھا جس کے سبب اس کے حلق سے نکلتی کراہیں کمرے کی فضا میں نہیں پھیل رہی تھیں، اسے شدید پیاس لگ رہی تھی، ناچار وہ خود کو سنبھالتی اٹھی کمبل ایک طرف ہٹایا تو دھک سے رہ گئی، اسید جاگ رہا تھا اور ہاتھ میں سلگتا ہوا سگریٹ تھا، وہ نظریں چراتی ہوئی پانی پینے بڑھ گئی، واپس مڑی تھی جب اسید کی آواز کانوں میں گونجی۔

''ادھر آؤ۔'' حبا کی ٹانگیں لرز اٹھیں، وہ آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھ آئی۔

''ادھر لیٹ جاؤ۔'' اسید نے اپنے پہلو کی طرف اشارہ کیا، حبا کا سرخ چہرہ پل میں زرد پڑ گیا وہ اس کو نہ نہیں کہہ سکتی تھی، ورنہ اسے غصہ آ جاتا جو یقیناً بہت بھیانک طریقے سے اس پہ نکلتا اور وہ اپنی بیماری کی وجہ سے اتنی نڈھال ہو رہی تھی کہ قطعاً اس پوزیشن میں نہ تھی کہ اس کی جارحیت برداشت کر پاتی، البتہ اس وقت اس کا ارادہ کیا تھا، وہ جان نہیں

گئی تھی۔

''سنا نہیں تم نے۔'' اسید نے بلند آواز میں کہتے ہوئے اس کے لئے لحاف اٹھا کر جگہ بنائی تھی، حبا کے پاس اور کوئی راستہ نہ تھا، اس نے قدم آگے بڑھایا اور لیٹ گئی، اگلے ہی پل اسید نے کروٹ لیتے ہوئے لحاف برابر کر دیا، حبا کا دل کسی پاتال میں گرنے لگا، اس کا ارادہ کیا تھا وہ جان چکی تھی، وہ اسے اذیت دینا چاہتا تھا، ایسا کون سا پہلی بار ہو رہا تھا، اس سے پہلے بھی وہ ایسا ہی کرتا رہا تھا، اسے اپنے پاس بلاتا، اسے جی بھر کے نوچتا کھسوٹتا اور جب دل بھر جاتا تو اسے کسی دھتکارے ہوئے جانور کی طرح پرے دھکا دے دیتا تھا۔

''اسید، پلیز میں ٹھیک نہیں ہوں۔'' اس کے کپکپاتے لبوں سے ایک سسکی آزاد ہوئی تھی جواباً اسید نے کچھ کہنے کی بجائے سگریٹ لبوں میں دبایا اور دائیں ہاتھ سے اس کا ماتھا چھوا پھر گال اور پھر گردن، وہ واقعی آگ کی مانند جھلس رہی تھی۔

''واقعی بہت آگ ہے تمہارے اندر، اسے ٹھنڈا کر دوں؟'' اس کا لہجہ خونی تھا، حبا کا تنفس تیز ہو گیا اور آنکھیں پھیل گئیں۔

اسید نے سگریٹ کا ایک طویل کش لیا اور دھواں اس کے چہرے پہ چھوڑ دیا، وہ بری طرح کھانسنے لگی، دونوں ہاتھ منہ پہ رکھے، آنکھوں سے نکلتے پانی کو روکنے میں ناکام رہی تھی جبھی ہاتھ ہٹا لئے، اس کا سانس بری طرح بگڑ گیا، اس نے زور زور سے سینے پہ ہاتھ مسلتے ہوئے رحم کی آس میں اس کی طرف دیکھا تھا۔

''پانی، اللہ کے واسطے تھوڑا پانی۔'' وہ زور زور سے رو رہی تھی اور بمشکل بول پا رہی تھی، اسید بڑے سکون سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا یوں بھی یہ منظر اس کی تسکین کا سامان تھا اس نے حبا پر سے نظر ہٹائے بغیر ہاتھ بڑھا کر سائیڈ ٹیبل پہ رکھا گلاس اٹھایا اور اسے پکڑانے کی بجائے اس کے چہرے پہ الٹ دیا، یخ بستہ پانی اس کا چہرہ بھگوتا ہوا اطراف میں بہہ گیا، وہ چند لمحے کے لئے سناٹے میں آ گئی تھی، پھر لرزتے ہوئے ہاتھ اس کے آگے جوڑ دیئے۔

''اللہ کا واسطہ مجھے معاف کر دو، میں بیمار ہوں اسید، مجھ سے سہا نہیں جا رہا، مجھ پہ رحم کرو، مجھ پر ترس کھاؤ، صرف آج مجھے جانے دو، تمہیں تمہاری ماں کا واسطہ۔'' وہ کربناک آواز میں بولی تھی، اسید خاموشی سے اسے دیکھتا رہا، جیسے بہرہ ہو گیا ہو، حبا کو یاد آیا ایسی حیوانی چمک اس نے اسید کے چہرے پہ کب دیکھی تھی جب آج سے دس سال پہلے اسید نے اس کے ہاتھ گرم چائے سے جلا دیئے تھے اور اسے سیڑھیوں سے دھکا دے دیا تھا۔

''میں مر جاؤں گی۔'' اس نے جیسے سرگوشی کی تھی۔

''کاش۔'' وہ یوں بولا جیسے کہہ رہا ہو مر کے دکھاؤ۔

''کاش تم مر جاتیں حبا تیمور! تم جیسی بد کردار عورت نے مجھے تو تباہ کر ہی دیا پتا نہیں اور کتنوں کو کرو گی۔'' اس کے لہجے کا زہر حبا کی رگ رگ میں اتر گیا، ہاں اس نے بہتان لگایا تھا مگر وہ اس کی سزا بھگت چکی تھی، اسید کا لیدر بیلٹ پتا نہیں کتنی بار اس کی کھال ادھیڑ چکا تھا اور 80 کوڑوں کی سزا پتا نہیں کتنی بار دہرائی جا چکی تھی، مگر پھر بھی وہ معطون و مغضوب تھی۔

''اور اگر میں مر جاؤں اسید تو تم مجھے

اپنے ہاتھوں سے دفن کرو گے نا؟'' وہ بہت عجیب سے لہجے میں پوچھ رہی تھی، اس کے آنسو ٹھہر گئے تھے۔

''نہیں میں تمہیں راوی کے پل پہ پھینک دوں گا جہاں سے گزرنے والی گاڑیاں تمہارے اس بدبودار غلیظ اور نجس وجود کو سینکڑوں ٹکڑوں میں بدل دیں گے، تمہارے اس بدصورت چہرے کو ناقابل شناخت بنا دیں گیں۔'' اس کے لبوں سے نکلتے الفاظ کسی تیزاب کی مانند اس کو جلا گئے، اس نے ہاتھ ڈھیلے چھوڑ دیئے، اس کے اندر اس پل مرنے کی خواہش بہت شدید ہو رہی تھی، اس نے مزاحمت ترک کر دی اور پھر، کمرے کی دیواریں تنگ پڑنے لگیں اور نیچی چھت اس پہ گرنے لگی، وہ بے جان کھلونے کی مانند اس کے وجود سے کھیلتا رہا اور پھر ہمیشہ کی طرح بے زار ہو کر اسے پرے دھکیل دیا اور خود کروٹ لے کے سو گیا۔

وہ روم روم سے ابلتے درد کے ساتھ اٹھی اور دیوار کا سہارا لے کر لڑکھڑاتی ہوئی ڈریسن کے آگے لگے آئینے کے سامنے جا کھڑی ہوئی، بکھرے بالوں والی اور سوجی متورم آنکھیں لئے زخم زخم وجود کے ساتھ یہ حبا تیمور جانے نہیں کون تھی۔

''بدکردار، ناپاک، نجس، غلیظ۔'' گالیاں سنگریزوں کی صورت اس پہ برسنے لگیں اور وہ لہولہان ہونے لگی اور کمرے کی ہر بے جان شے اسے بدصورت پکارنے لگی۔

''جینے کا کوئی حق میرے پاس نہیں، مگر مرنے کا حق میرے پاس ہے۔'' اس نے جنونی کیفیت میں اسید کا شیونگ ریزر اٹھایا اور بلیڈ نکال لیا، اگلے ہی پل دائیں ہاتھ سے اسے مضبوطی سے پکڑا اور بائیں کلائی پہ پھیر دیا، سرخ سرخ خون کی ایک دھار چھوٹی، وہ تو پہلے ہی دیوار کے سہارے کھڑی تھی اب جھٹکے سے نیچے گری، بایاں ہاتھ سامنے گرا اور خون ایک لمبی لکیر بناتا ہا بہنے لگا۔

حبا کی آنکھیں بند ہو رہی تھیں، وہ جانتی تھی اسید گہری نیند میں تھا اور جب تک وہ جاگے گا حبا ہمیشہ کے لئے سو چکی ہوگی، اس نے آخری بار ماما، پاپا کے چہرے تصور میں لانے کی۔

میری خواہشوں کا مزار ہے
یہ کیسا وصل یار ہے!

کوشش کی وہ ناکام رہی اس کے ذہن کے پردے پر بس ایک چہرہ ساکن تھا اور وہ چہرہ اسید کا چہرہ تھا۔

☆☆☆

ڈاکٹر حیدر نے ستارہ کے آگے ایک فائل کھسکائی اور خود بھی اپنے آگے پڑی فائل کھول لی۔

''میں چاہتا ہوں مس ستارہ، اس کیس کو میرے ساتھ آپ ہینڈل کریں۔''

''ضرور سر، مجھے فیلڈ ورک کر کے دلی خوشی ہوگی مگر مجھے کرنا کیا ہوگا؟'' وہ مسکرائی۔

''آپ کو اس ایس پی کی وائف سے ملنا ہوگا، ان سے ڈسکشنز کریں، خاص طور پر دونوں کی ذاتی زندگی کے بارے، یہ پتا لگانے کی کوشش کریں کہ آخر ایسا کیا ہوا ہے ان کی زندگی میں؟ اور یہ سب اگلوانے کے لئے آپ کو ایک سائیکاٹرسٹ سے زیادہ خود کو ان کا دوست ثابت کرنا ہوگا کیونکہ بہرحال اتنے اعلیٰ عہدے پر فائز شخص کی وائف کوئی معمولی خاتون قطعاً نہیں ہوں گی اور میں ہرگز نہیں

چاہوں گا کہ وہ آپ کی اصل شناخت سے واقف ہوں۔" وہ اسے بریف کر رہا تھا۔

"ٹھیک ہے، سر آپ کی ہدایات یاد رکھوں گی میں، مگر مجھے یہ معلوم نہیں کہ ان کے کیس کی Basics کیا ہیں؟"

"ڈونٹ وری، اس فائل میں سب کچھ موجود ہے، اس کو اچھی طرح اسٹڈی کریں اور پھر اپنا لائحہ عمل طے کیجئے۔"

"او کے آئی ول ٹرائے مائے بیسٹ۔"

"گڈ آپ یہ فائل لے جایئے۔" ڈاکٹر حیدر نے کہا۔

اس نے سر ہلاتے ہوئے فائل اٹھائی اور باہر نکل گئی، رات اس فائل کی اسٹڈی کرنے بیٹھی تو حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے اس پہ۔

ایس پی نے سول سپریئر سروس کے امتحان میں سیکنڈ پوزیشن لی تھی اور اپنی مرضی سے پولیس ڈیپارٹمنٹ منتخب کرنے کے بعد براہ راست ایس پی کے عہدے پہ فائز ہو کر آیا تھا، اس کا سروس ریکارڈ بے حد شاندار تھا، وہ ملک دشمن عناصر کے لئے موت کا فرشتہ تھا، مجرموں کے ساتھ بے حد ظالم، سنگدل اور سفاک تھا، جو بھی اس کے شکنجے میں آیا بچ کر نہیں نکلا، دو ناجائز اسلحہ ڈیلرز کے اڈوں پہ جب ریڈ کیا گیا تو انہوں نے پکڑے جانے کے خوف سے خودکشی کر لی تھی، وہ اپنے سینئرز کا بہت چہیتا تھا اور بہت سے کیس صرف اسی وجہ سے اسے ریفر کیے گئے تھے۔

Maritial state میں اس کی شادی کو تین سال ہو چکے تھے اور وہ ایک بیٹی کا باپ تھا۔

ستارہ نے ایک طویل سانس لے کر فائل بند کر دی، وہ بے حد حیران تھی ایک بے حد ہینڈسم اور چارمنگ پرسنالٹی رکھنے والا یہ شخص جس کا کیریئر عروج پہ تھا کیسے ایک نفسیاتی عارضے کا شکار ہو گیا تھا، یہ دنیا عجائبات کا گھر ہے، اس نے سوچا اس کی اپنی کہانی کیا کم عجیب تھی، کوئی سنتا تو مانتا ہی نہ، اسے پھر سے کوئی یاد آیا تھا، وہ فائل لے کر اٹھی اور اسے احتیاط سے دراز میں رکھ دیا، اسی دم عینی نے اندر قدم رکھا، وہ شاپروں سے لدی پھندی تھی، اس کی شادی کے دن قریب تھے جبھی روز مارکیٹس کھنگالی جاتیں۔

"عینی! اتنا کچھ کیا خرید لاتی ہو؟" وہ اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

"تمہیں اپنی ڈاکٹری سے فرصت ملے تب نا۔" وہ جل کر بولی، ستارہ ہنس پڑی۔

"اچھا دکھاؤ تو۔"

"وہ تو دکھا ہی دوں گی، مگر تمہیں ذرا بھی یاد ہے کہ تمہاری بہن کی شادی ہے اور بجائے تم میری مدد کرنے کے، الٹا تمہارے ڈریسز کی شاپنگ بھی مجھے ہی کرنا پڑ رہی ہے، حد ہے نا۔" وہ شاپروں میں سے چیزیں نکال رہی تھی۔

"سوری پیاری بہنا، تم فکر مت کرو، تمہارے لئے میں پورے ایک ہفتے کی چھٹی لوں گی۔" ستارہ نے اسے بہلایا۔

عینی خوش خوش اسے شاپنگ دکھانے لگی، ستارہ بظاہر تو مگن تھی مگر در پردہ اس کا دھیان اب بھی ایس پی کیس کی طرف تھا۔

☆☆☆

لاؤنج میں سبین، کومل اور علینہ بیٹھی تھیں، رمشہ ریڈیو گئی ہوئی تھی، جب شاہ بخت قدرے بگڑے ہوئے تاثرات کے ساتھ نیچے آیا۔

"کیا تم سب بہری ہو، کب سے فون بج رہا ہے۔" اس نے بلند آواز میں کہا، وہ تینوں چونک کر متوجہ ہوئیں اور ساتھ ہی شرمندہ بھی کیونکہ ٹی وی چل رہا تھا جبھی کسی کو بھی پتا نہیں چل سکا تھا کچھ وہ بری طرح باتوں میں مصروف تھیں، جبکہ شاہ بخت نے ناگواری سے فون اٹھالیا۔

"ہیلو۔" اس نے کہا، پھر دوسری طرف سے بات سنتا رہا، پھر اس نے فون ایک طرف ڈال دیا۔

"علینہ تمہارا فون ہے۔" علینہ بے ساختہ چونک کر کھڑی ہو گئی۔

"میرا فون؟"

"کوئی علشبہ ہے۔" وہ سرسری انداز میں کہتا آگے بڑھ گیا، علینہ نے الجھتے ہوئے فون اٹھالیا۔

"ہیلو۔" اس نے کہا۔

"کیسی ہو لینا؟" ایک نرم اور مہربان آواز اس کے کانوں میں پڑی، وہ جیسے سکتے میں چلی گئی، حیدر؟

"پریشان مت ہو، میں نے ہی علشبہ سے فون کروایا ہے۔" حیدر نے اسے تسلی دی تھی۔

"میں ٹھیک ہوں اور تم۔" وہ بدقت بول پائی۔

"فائن، تم سناؤ سب کیسا جا رہا ہے، فون شاہ بخت نے اٹھایا تھا نا؟" وہ مسکراتا ہوا پوچھ رہا تھا۔

"ہاں۔" علینہ نے ایک طویل سانس بھری، ظاہر ہے اس دن وہ اور مصعب، شاہ بخت سے مل چکے تھے۔

"فون کیسے کیا؟" اس نے سرسری لہجے میں پوچھا۔

حیدر چند لمحے خاموش رہا، شاید اسے اس سوال کی توقع نہ تھی۔

"تمہاری خیریت جاننے کے لئے۔" کچھ توقف کے بعد وہ آہستگی سے بولا۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں، دوبارہ زحمت مت کرنا۔" اس بار لہجہ سرد تھا۔

"تم ناراض ہو؟" حیدر ٹھٹک گیا۔

"نہیں کیونکہ ناراضگی کی کوئی وجہ نہیں ہے۔"

"تو تم اس طرح بات کیوں کر رہی ہو علینہ، ہم اچھے دوست ہیں۔" وہ الجھ کر کہہ رہا تھا۔

"ہم اچھے دوست تھے۔" علینہ نے تصحیح کی۔

"پھر بھی، تمہارے اس رویے سے میں کیا سمجھوں۔" وہ افسردہ ہوا۔

"یہی کہ دوستی کی یہ گاڑی مزید نہیں چل سکتی۔" اس کا انداز اب بھی دوٹوک تھا۔

"علینہ!" وہ جیسے ساکت رہ گیا۔

"میں نے بہلاووں سے بہلنا چھوڑ دیا ہے، امید کرتی ہوں تم میری بات سمجھ جاؤ۔" اس نے کھٹاک سے فون بند کر دیا، کنپٹیاں جیسے سلگ رہی تھیں، شاہ بخت اب کومل کے ساتھ بیٹھا باتیں کر رہا تھا، جبکہ سبین وہاں نہیں تھیں، غالباً کسی کام سے گئی تھیں، وہ بھی اٹھ گئی۔

"علینہ!" شاہ بخت کی آواز پہ وہ رک گئی پھر مڑی اور سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"ایک کپ کافی۔" وہ بڑے سکون سے

آرڈر کر کے کھڑا ہو گیا۔

''میرے کمرے میں دے جانا۔'' وہ سیڑھیاں چڑھنے لگا، علینہ وہیں کھڑی اس کی پشت کو گھورتی رہی، وہ کیا کرنا چاہ رہا تھا، وہ سمجھنے سے قاصر تھی، پھر سر جھٹک کر خود کو سنبھال کر مڑی اور کچن کی طرف بڑھ گئی، غائب دماغی سے کافی پھینٹ رہی تھی جب رمشہ اندر آئی، فریج سے بوتل نکالی اور وہیں کھڑے کھڑے پینے لگی۔

''علینہ کیا کر رہی ہو؟''

''شاہ بخت کی کافی بنا رہی ہوں۔'' اس نے پلٹے بغیر جواب دیا۔

''اوہ اچھا۔'' رمشہ نے معنی خیزی سے کہا اور باہر نکل گئی۔

وہ اپنے دھیان میں الجھی ہوئی تھی، غور نہ کر سکی کہ شاہ بخت کی بات پہ وہ اس طرح معنی خیزی سے بات کیوں کر کے گئی تھی، اس نے کافی بنائی اور اس کے مخصوص خوب بڑے سے سیامگ میں انڈیلی، شاہ بخت کی طرح اس کی استعمال میں آنے والی چیزیں بھی خاص تھیں، جیسے اس کا یہ مخصوص سیامگ، اسے سیاہ اور سرخ رنگ پسند تھے اور اس کے پاس موجود چیزوں میں ان دو رنگوں کی کثرت تھی جبکہ علینہ کو اس کے برعکس سفید اور گلابی رنگ پسند تھے۔

مزاج کا یہ نمایاں فرق رنگوں کے انتخاب سے ہی نظر آتا تھا، اس نے مگ ٹرے میں رکھا اور اس کے کمرے کی طرف بڑھنے لگی، راستے میں سیمین بھابھی ملیں۔

''کہاں جا رہی ہو؟ اور یہ کافی؟''

''شاہ بخت کی ہے۔'' اس نے آہستہ سے کہا البتہ اندر ہی اندر جھلا پڑی تھی، یوں لگتا تھا سب کو ساری پوچھ پڑتال آج ہی کرنا ہے، اس کے کمرے کا دروازہ بجایا تو اس کی آواز آئی۔

''دروازہ کھلا ہے۔''

وہ کچھ اور سٹپٹائی کہ ہمیشہ کی طرح اس کا جواب یس کی بجائے آج مختلف تھا، وہ اس کے کمرے میں جانا نہیں چاہتی تھی مگر اس کے اس جواب کا مطلب یہی تھا کہ اندر جانا پڑے گا، ناچار اس نے قدم اندر کی طرف بڑھا دیئے۔

دھیرے سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی تو باتھ کا دروازہ ٹھک سے بند ہونے کی آواز آئی، اس نے اطمینان بھرا سانس لیا یقیناً وہ شاور لے رہا تھا، اس نے مگ سائیڈ ٹیبل پہ رکھا اور ٹرے سے ڈھک دیا، واپس مڑی ہی تھی جب نظر اس کے کمپیوٹر ٹیبل پہ پڑے بلکہ بکھرے انبار پہ پڑی، فائلز، کاغذات اور وہ میگزین جو اس کی توجہ کا مرکز بنا تھا، نیچے دبے ہونے کی وجہ سے علینہ بس اس کا معمولی سا حصہ ہی دیکھ پائی تھی جس پہ شاہ بخت کی فوٹو نظر آ رہی تھی، اس نے تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر بے ساختہ وہ میگزین کھینچا اور پورے ٹائٹل پہ نظر پڑتے ہی ٹھٹک گئی، وہاں ایک شاندار فل شوٹ کی پہلی شاہکار تصویر نظر آ رہی تھی، بلیک تھری پیس میں شاہ بخت اپنی ماڈل کے ساتھ کھڑا تھا اور ساتھ ہی بڑا سا کیپشن لگا تھا۔

The new face of the year, mr, shaw bahkat with nanci malkum یہ امریکہ کا بڑا مشہور ویکلی میگزین تھا۔

علینہ کا تجسس اپنے عروج پہ پہنچ گیا اس

نے تیزی سے اگلا صفحہ الٹنا چاہا مگر اسی تیزی سے اس کی کلائی کسی کی مضبوط گرفت میں آ گئی، وہ شاہ بخت تھا علینہ کا رنگ اڑ گیا، اس نے ایک لفظ کہے بغیر وہ میگزین اس سے چھینا اور میز کے دراز میں ڈال دیا، علینہ کی کلائی ابھی تک اس نے جکڑی ہوئی تھی، اب وہ اس کی طرف پلٹا، علینہ نے نظر چرائی وہ بڑی چبھتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''So, princess alina! where are your manners and moral values?'' اس کے چبھتے سوال پہ وہ کچھ اور شرمندہ ہوئی۔

''I am sorry i was just curious.'' اس نے وضاحت دینا چاہی، مگر شاہ بخت نے اس کی بات کاٹی۔

''Stop it just for the sack of your curiosity you were checking my personals.'' اس نے تڑپ کر کہا تھا ساتھ ہی اس کی کلائی کو جھٹکا دیا، وہ بلبلا کر رہ گئی۔

''Im extremely sorry pleace let me go.'' وہ بے حد شرمندہ لگ رہی تھی، شاہ بخت نے اس کی کلائی چھوڑ دی، علینہ نے ڈرتے ڈرتے ہوئے اس کا چہرہ دیکھا جو کہ بھیگا ہوا تھا، یقیناً وہ بس منہ دھونے گیا تھا جبکہ علینہ نے اپنی غلط فہمی میں سمجھا کہ شاید وہ شاور لینے گیا تھا اور اپنی لاپرواہی سے اب وہ بڑی طرح شرمندہ تھی، وہ اب آئینے کے سامنے کھڑا بال بنا رہا تھا، علینہ نے عافیت اسی میں سمجھی کہ بھاگ نکلے، بخت ہوا اس تجسس پہ۔

اپنے کمرے میں آ کر کتنی ہی دیر وہ سوچتی رہی، کلائی جیسے جل رہی تھی، مگر آخر اس میگزین میں ایسا کیا تھا، جو اس نے یوں ری ایکٹ کیا اس سے پہلے بھی تو وہ اس کے شوٹس دیکھتے رہتے تھے۔

☆☆☆

تیمور احمد کو کسی اہم سیمینار کے سلسلے میں لاہور آنا تھا، مرینہ بھی آنا چاہتی تھیں مگر اس میں دو رکاوٹیں حائل تھیں، ایک یہ کہ تیمور کو تو بس ایک دن کا تھا، انہیں فوراً واپس اسلام آباد آنا تھا، دوسرے یہ کہ کئی ماہ گزر چکے تھے اور اسد کی سر توڑ کوششوں کے باوجود وہ حبا اور اسید کا پتا نہیں ڈھونڈ پایا تھا۔

سو ان کا آنا بے کار ہی تھا، دوسری طرف اسد اب از حد تشویش میں مبتلا تھا، وہ اسید کو جانتا تھا سمجھتا تھا ایسا اسے لگتا تھا مگر اب اسے احساس ہو رہا تھا کہ وہ کس قدرے بے خبر و بے وقوف تھا، اسید کو تو وہ سرے سے سمجھ ہی نہ پایا تھا، اس کی یوں حبا کو لے کر پراسرار روپوشی اور اسد کی جاں توڑ محنت کے باوجود بھی اسے ڈھونڈنے میں ناکامی نے اسے خطرناک حد تک خوفزدہ کر دیا تھا، آخر یوں کرنے کا مطلب کیا تھا۔

تیمور اور مرینہ کی تشویش کا تو تذکرہ ہی کیا، کتنی بار مرینہ ہاسپٹلائز ہو چکی تھیں، ٹینشن لینے سے ان کا بی پی شوٹ کر جاتا تھا اور اب تو ان کے معالج نے انہیں وارننگ دے دی تھی کہ اگر انہوں نے اپنا بی پی نارمل رکھنے کے اقدامات نہ کیے اور ٹینشن لینا نہ چھوڑا تو انہیں ہارٹ پرابلم بھی ہو سکتی تھی۔

تیمور دوہری مصیبت میں تھے ایک حبا کی گمشدگی اور دوسرے مرینہ کی بیماری، وہ جیسے

چکی کے دو پاٹوں میں پس رہے تھے، اس وقت بھی وہ اسد کے سامنے بیٹھے تھے۔

"میں اتنا پریشان ہوں انکل کہ بتا نہیں سکتا، مجھے تو لگتا ہے کہ وہ لاہور میں ہے ہی نہیں، ورنہ اب تک میں اسے ڈھونڈ چکا ہوتا۔" اسد نے کہا۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو اسد! مگر تم اس کے دوستوں سے پوچھو، ذرا دوستانہ ماحول میں، کیونکہ یہ ممکن ہی نہیں وہ کسی کی مدد کے بغیر ادھر سٹ ہو سکتا۔" تیمور نے دوٹوک کہا۔

"شاید آپ کی بات ٹھیک ہو انکل! مگر اس کے ادھر کوئی خاص دوست نہیں ہیں میرے توسط سے چند شناسا تھے، ان سے میں آل ریڈی معلومات لے چکا ہوں وہ قطعاً بے خبر ہیں۔" اسد نے کہا۔

"ہو سکتا ہے اس نے انہیں پابند کر دیا ہو۔"

"یہ ممکن نہیں ہے اور آپ ایک بات بھول رہے ہیں انکل! اسید یہاں بچپن سے آ رہا ہے لاہور اس کے لئے قطعاً اجنبی نہیں ہے، اسے اگر یہاں کہیں ایڈجسٹ ہونا ہے تو اسے میری مدد کی بھی ضرورت نہیں پڑ سکتی۔" اسد نے ان کی خوش فہمی دور کی، تیمور کچھ مزید متفکر ہو گئے۔

"مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آ رہا، اسد بیٹا! پلیز آپ کچھ کرو، اس بار بھی میں ناکام لوٹا تو شاید مرینہ برداشت نہ کر پائیں۔"

"میں کوشش کرتا ہوں انکل کہ کوئی حل نکل آئے۔"

کچھ دیر مزید اسی موضوع پہ گفتگو کرنے کے بعد وہ دونوں اٹھ گئے، تیمور احمد نے اپنے سیمینار میں شرکت کی اور واپس جانا چاہتے تھے یہاں سے انہیں عمر کے ہاں (مرینہ کے بھائی) کی طرف جانا تھا، جہاں سے ڈنر کے بعد رات دس بجے کے قریب ان کی فلائٹ تھی۔

مگر سوئے اتفاق انہیں سیمینار روم سے باہر آتے ہوئے اسی ہوٹل کی لابی میں اپنے ایک پرانے دوست مل گئے، یہ ڈاکٹر سلطان تھے، وہ اسی ہوٹل کے ہال میں آ گئے، چائے پینے کے ساتھ ڈھیروں باتیں ہوتی رہیں۔

"تمہاری ایک ہی بیٹی تھی تیمور! کیسی ہے وہ، پڑھ رہی ہے۔" سلطان نے یاد آنے پہ پوچھا۔

"ہاں شادی کر دی اس کی۔" وہ سنبھل کر بولے۔

"بہت اچھی بات ہے مبارک ہو، یہاں پاس میں ہی میرا کلینک ہے، آؤ تمہیں دکھاؤں۔"

"تم پریکٹس نہیں کرتے؟"

"ہاں کرتا ہوں، صبح کو گورنمنٹ جاب پہ ہوتا ہوں، شام کو اپنے کلینک پہ، چھوٹا سا ہے، صرف پانچ رومز میں، تمہیں تو پتا ہے زیادہ بھیڑ بھاڑ مجھے پسند نہیں۔" وہ دونوں ساتھ چلتے باہر آ گئے۔

"یہ تو اچھی بات ہے، باقی سب ٹھیک ہے؟"

"ہاں، اللہ کا شکر ہے۔"

ڈاکٹر سلطان انہیں لے کر اپنے کلینک میں آ گئے، تیمور احمد بھی ان کی کمپنی انجوائے کر رہے تھے اور کچھ دیر کے لئے ان کے ذہن سے اپنی پریشانی بھی نکل گئی تھی، وہ ان کے کلینک کا راؤنڈ لے رہے تھے۔

"بیٹی کی شادی کہاں کی تیمور؟"

ہیں لاہور میں۔

"اوہ یہ تو خوشی کی بات ہے، فیملی میں کی؟"

"نہیں بس آج کل کے بچوں کی پسند، ماننا پڑتی ہے سلطان۔" ان کے اندر تھکن اترنے لگی، ڈاکٹر سلطان نے ذرا چونک کر انہیں دیکھا۔

"ہاں بچوں کی پسند کو ترجیح دینا پڑتی ہے تیمور، وقت بدل گیا ہے لیکن میرے خیال سے بہتر بھی یہی ہے کہ آخر انہیں زندگی گزارنا ہے کل کو ہمارے بچے ہمیں یہ الزام نہیں دے سکتے کہ بھئی آپ کی وجہ سے ہمارے ساتھ یہ ہو گیا۔" انہوں نے مسکرا کر بات کا تاثر بدلا تھا۔

تیمور ہنکارا بھر کر رہ گئے، کچھ دیر بعد وہ دونوں ان کے آفس میں آ گئے، چائے کا ایک اور دور چلا تھا، وہ باتوں میں مصروف تھے جب دھاڑ سے ایک نرس دروازہ کھول کر اندر آئی۔

"سر! روم نمبر تین کی پیشنٹ کو ہوش آ گیا ہے اور ان کی ذہنی حالت پہلے ہی درست نہیں ہے۔" وہ تیزی سے بولی۔

"اوہ، میں آ رہا ہوں۔" ڈاکٹر سلطان فوراً اٹھ کھڑے ہوئے۔

☆☆☆

منظر ڈاکٹر حیدر کے کلینک کا تھا۔

"سر! میں دو دفعہ جا چکی ہوں مگر مجھے ان کی وائف نہیں ملیں، وہ پٹھان چوکیدار اور گارڈز بس یہی بتاتے ہیں "بی بی ادھر نہیں اے" ستارہ نے ان کے انداز میں بتایا تو حیدر ہنس پڑا۔

"آپ کو اس بات کا دھیان رکھنا چاہیے تھا کہ ایس پی صاحب کی موجودگی میں آپ قطعاً وہاں نہ جائیں کیونکہ وہ آپ کو جانتے ہیں۔"

"سر! میں نے اس بات کا پورا دھیان رکھا تھا۔"

"تو ٹھیک ہے پھر ہم انتظار کرتے ہیں کہ وہ واپس آ جائیں۔"

"بالکل، تبھی ہم کچھ پیشرفت کر سکیں گے، سر! وہ مجھے ایک ویک کی چھٹی چاہیے۔" ستارہ نے کسی قدر جھجکتے ہوئے کہا۔

"خیریت؟" وہ چونکا۔

"جی سر وہ میری بہن کی شادی ہے۔" ستارہ نے شادی کارڈ اور درخواست ایک ساتھ اس کے سامنے رکھے، حیدر ان کا معائنہ کر کے ہنس پڑا۔

"یہ ایپلیکیشن کے ساتھ انویٹیشن؟ آپ مجھے رشوت دے رہی ہیں؟"

"ارے نہیں سر! ایسی کوئی بات نہیں مجھے دلی خوشی ہوگی آپ ضرور تشریف لائیے گا۔" اس نے شائستگی سے کہا۔

"ضرور میں پوری کوشش کروں گا آنے کی۔"

"اپنی فیملی کو بھی لائیے گا سر!"

"چلیں ٹھیک ہے، اب آپ نے فیملی انویٹیشن دے دیا ہے تو آپ کی چھٹی Approv کرنا ہی پڑے گی۔" وہ پھر سے ہنسا اس بار ستارہ بھی ہنسی تھی، حیدر نے قلم اٹھایا اور ستارہ کی درخواست پہ سائن کرنے لگا۔

حیدر کے ساتھ علشبہ اور ممی تو جا رہی تھیں مگر مصعب بھی تھا، آج بارات تھی۔

"ویسے پرسنلی مجھے بہت برا فیل ہو رہا ہے، تمہاری اسسٹنٹ نے مجھے انوائٹ نہیں

کیا، تو پھر میں مفت میں بن بلایا مہمان بن رہا ہوں۔'' مصعب نے کسی قدر ہچکچاہٹ کے ساتھ کہا۔

''اوہ...... ہو...... آپ اتنے کانشس کیوں ہو رہے ہیں، انہوں نے دو فیملی کہا ہے جناب اور آپ بھی ہماری فیملی کا حصہ ہیں، ویسے بھی مجھے یقین ہے اتنے حسین وجمیل بندے کو دیکھ کر کوئی بھی مجھ سے سوال نہیں کرے گا الٹا سب خوش ہوں گے کہ واہ یار بالکل فارنر ہے۔'' حیدر نے تسلی کروانے کے ساتھ ساتھ مذاق اڑایا، مصعب نے اسے گھورا۔

''تم مجھے اپنے ساتھ نمونے کے طور پر لے جا رہے ہو؟''

''نہیں عجوبے کے طور پر۔'' حیدر کی بے ساختہ بات پہ سب کھلکھلا کر ہنس پڑے۔

''سمجھ لوں گا تمہیں۔'' مصعب نے منہ پہ ہاتھ پھیر کر بدلہ لینے کی نوید دی تو حیدر کا قہقہہ چھوٹا۔

''ذرا اس کے بلند و بانگ قہقہے دیکھو علشبہ! کوئی مانے گا یہ سائیکاٹرسٹ ہے، پورے جوکر ہو حیدر۔'' مصعب نے فوراً ہی لتاڑا تھا اسے، وہ سب گاڑی کی طرف بڑھ رہے تھے۔

''تو آپ کا مطلب ہے میں اپنے کلینک میں ایک کھوپڑی اور نیچے دو ہڈیاں لگا کے سجا لوں ساتھ لکھ دوں خطرہ 440 وولٹ، تب سائیکاٹرسٹ لگوں گا؟ توبہ ہے بھائی، میں دوسرے لوگوں کو نارمل کرتا ہوں، اللہ کے فضل سے خود کو بالکل ٹھیک ہوں۔'' حیدر نے دفاعیہ انداز میں کہا۔

اس بار ہنسنے کی باری مصعب کی تھی، اسی نوک جھوک میں وہ میرج ہال میں پہنچ گئے، ممی نے حیدر سے دینے دلانے کے بارے میں پوچھا تھا تو وہ ازلی لاپرواہی سے ہنس کے ٹال گیا کہ یہ سراسر خواتین کے شعبہ ہے، ممی کا خیال تھا کہ ستارہ کی ساری فیملی کے کپڑے اور ساتھ سلامی دے دی جائے، مگر حیدر کی لاعلمی پہ وہ سر پیٹ کر رہ گئیں، انہوں نے کتنی بار اس کی منتیں کی تھیں۔

''حیدر جاند! ذرا اس سے فون کر کے پوچھو کہ اس کے گھر کے افراد کتنے ہیں؟'' جواباً وہ ان پر چڑھ دوڑا۔

''بالکل نہیں، میں کیا اچھا لگوں گا ان سے یہ دریافت ہوا کہ آپ کے گھر کے افراد کتنے ہیں میری ممی نے شاپنگ کرنا ہے، حد ہے، آپ رہنے دیں، کچھ دوسرے تکلفس وغیرہ لے لیں۔'' اس نے نیا آئیڈیا دیا تھا، مجبوراً انہیں سرنڈر کرنا پڑا۔

وہ میرج ہال پہنچے تو حیدر کی ستارہ فوراً ہی نظر آ گئی، وہ انہیں دیکھتے ہی ان کی طرف لپکی تھی۔

''السلام علیکم سر!'' اس نے خوشی خوشی کہا۔

''وعلیکم السلام، کیسی ہیں آپ؟'' وہ بھی مسکرایا۔

''الحمدللہ سر! آپ کا بہت شکریہ آپ تشریف لائے۔'' وہ ممنون ہوئی۔

''تکلفات کو چھوڑیے، یہ میری ممی ہیں، یہ علشبہ میری سسٹر اور ان سے آپ مل چکی ہیں مصعب بھائی ہیں۔'' حیدر نے تعارف کروایا۔

ستارہ گرمجوشی سے ان سے ملی البتہ مصعب سے نظر ملتے ہی گڑبڑا گئی، دل میں جلائی تھی۔

''یہ یہاں کیوں آیا ہے؟''

''آیئے سر میں آپ کو اپنی فیملی سے ملواؤں۔'' وہ انہیں لے کر اماں ابا کی طرف چلی آئی، ماحول خاصا خوشگوار اور خوبصورت تھا سب آپس میں چہلیں کرنے میں مصروف تھے، ستارہ نے انہیں نشستوں پہ بٹھایا اور خود پھر کہیں مصروف ہو گئی۔

مصعب کی نگاہ اس پہ ساکت رہی تھی، وہ آج اس دن سے یکسر مختلف لگ رہی تھی، اس دن تو کتنی سادہ سی تھی، جبکہ آج وہ کامدار لانگ شرٹ اور چوڑی دار پاجامے میں تھی، ہلکا سا میک اپ کیا گیا تھا کانوں میں ننھے ننھے آویزے نظر آ رہے تھے اور اس کے بال، جنہیں دیکھ کر مصعب تو جیسے پاگل سا ہو اٹھا تھا، چوٹی کی شکل میں باندھے گئے تھے اور وہ اس کی لانگ شرٹ کے ساتھ ہی ختم ہو رہے تھے، اتنے لمبے بال اور اتنے خوبصورت، مصعب بہت دیر اس کے بالوں کو دیکھتا رہا، کھانا شروع ہوا تو وہ کمپنی دینے کے خیال سے پھر ان کے پاس آ بیٹھی۔

''آپ کی بڑی سسٹر کی شادی ہے؟ آپ سب سے چھوٹی ہیں؟'' حیدر نے دریافت کیا۔

''نہیں سر! عینی مجھ سے چھوٹی ہے۔'' اس نے کہا۔

''اوہ تو ان کی شادی پہلے ہو رہی ہے، تو آپ کی کیوں نہیں؟'' حیدر نے سوال کیا پھر فوراً ہی شرمندہ ہو گیا۔

''معاف کیجئے گا مجھے آپ کے ذاتی معاملات میں مداخلت نہیں کرنا چاہیے تھی۔''

''ارے نہیں سر، ایسی کوئی بات نہیں، مجھے ڈائیورس ہو چکی ہے۔'' اس نے بڑے اطمینان سے کہا اور اٹھ گئی۔

''میں عینی کو دیکھوں، برائیڈل روم میں بیٹھ بیٹھ کے تھک نہ گئی ہو۔'' وہ کہتی ہوئی چلی گئی۔

''ڈائیورس؟'' حیدر زیر لب بڑبڑایا، اس کا چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا۔

☆☆☆

اسید بہت گہری نیند میں تھا، گہری اور پرسکون نیند، اس نے بے خبری میں کروٹ لی اور ہاتھ بے ساختہ سائیڈ ٹیبل پہ رکھے شیشے کے گلاس پہ جا پڑا، شیشے کا گلاس تھا زور دار آواز کے ساتھ نیچے گرا اور چھناک سے چکنا چور ہو گیا، اسید کی آنکھیں کھل گئیں، وہ بے اختیار اٹھ کر بیٹھ گیا، ٹوٹے گلاس کی کرچیوں پر نظر پڑی تو ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔

اس نے پھر سے لیٹنا چاہا مگر نظر ایک دم سے سامنے پڑی اور پھر واپس نہ آ سکی، اسے شبہ ہوا کہ شاید وہ اپنے حواس میں نہیں تھا، مگر کمرے کی لائٹ تو جل رہی تھی، اسے یقین کرنا پڑا کہ سامنے نظر آتا منظر حقیقت تھا، اس کے کسی خواب کا شاخسانہ نہیں تھا، اگلے ہی لمحے اسے جیسے کرنٹ لگا، وہ برق رفتاری سے آگے بڑھا، یہ کمرہ اتنا بڑا تو تھا نہیں کہ اسے پہنچنے میں وقت لگتا۔

سامنے ہی بیسن کے قریب جائے نماز پہ بے ترتیب سی پڑی ہوئی تھی اس کی بائیں کلائی سامنے تھی اور اس سے رسنے والا خون اب ایک گول دائرے کی صورت میں جمع ہو کر ایک ننھے سے تالاب کا منظر پیش کر رہا تھا۔

اسید وحشت زدہ سا ہو کر اس کے قریب گھٹنوں کے بل جھک گیا، اس کے پاس پڑا دوپٹہ اٹھایا اور کس کر اس کے بازو پہ باندھ دیا، اب وہ تیز تیز سیڑھیاں اتر رہا تھا، اس

نے دروازہ کھولا اور پھر واپس اوپر آیا، اسے بازوؤں میں اٹھایا اور اسی رفتار سے باہر نکل آیا، اس نے دروازہ دوبارہ لاک کیا اور چلتا گیا، اس کے پاس کوئی ذاتی سواری تو تھی نہیں اور یہاں نزدیک کسی ٹیکسی کا ملنا محال تھا، بے بسی کے عالم میں اس کا دل چاہ رہا تھا وہ حبا کو سچ مچ کسی گاڑی کے آگے پھینکے اور خود ہاتھ جھاڑتا ہوا واپس چلا جائے، کتنے جتنوں سے وہ سب سے نزدیکی کلینک میں پہنچنے میں کامیاب ہوا تھا یہ وہی جانتا تھا، رات کا آخری پہر، ویرانی اور بے بسی وخوف کا عالم، وہ جیسے کچھ اور بھی زہریلا ہو رہا تھا۔

ہمیشہ کی طرح کلینک انتظامیہ نے اسے خودکشی کیس قرار دے کر آپریٹ کرنے سے انکار کر دیا، اسید کا دل چاہ رہا تھا کسی دیوار سے سر دے مارے۔

''سر! پلیز میری بات سنیں، یہ سائیکی کیس ہے، میں آپ کو اس کی رپورٹس دکھا دوں گا، پلیز آپ اسے ایڈمٹ کریں، یہ مر جائے گی ڈاکٹر پلیز، آپ جو ضمانت کہیں گے میں دینے کو تیار ہوں۔'' اس نے بڑے التجائیہ انداز میں ڈاکٹر کی منتیں کی تھیں۔

''دیکھو مسٹر! میں اسے ایڈمٹ کر رہا ہوں لیکن اگر اسے کچھ ہو گیا تو میں قطعاً ذمہ دار نہیں ہوں گا، چلو ان فارمز پہ سائن کر دو۔''

اسید نے سر ہلاتے ہوئے تیزی سے قلم پکڑا اور سائن کر دیے، چند سیکنڈز کے اندر حبا کو او ٹی لے جایا گیا، وہ بے چینی وغصے کے عالم میں ٹھنڈے کوریڈور میں چکراتا رہا، اس کا دماغ گرم ہو رہا تھا۔

لیکن وہ یہ ماننے پہ تیار نہیں تھا کہ اسے حبا کے اس خوفناک اور بولڈ قدم نے ڈرا دیا تھا، اس وقت تو صرف اس کے دل میں ڈھیر سارا غصہ جمع ہو رہا تھا جو کہ وہ اس پہ نکالنا چاہتا تھا۔

''میں تمہارا حشر کر دوں گا حبا تیمور! آخر تم نے کیا ثابت کرنا چاہا ہے؟'' اس کی نس نس میں انگارے دوڑ رہے تھے، جب ڈاکٹرز واپس آئے تو اسے اپنے آفس میں کال کیا تھا۔

''بیٹھو مسٹر......؟''

''اسید مصطفیٰ سر۔'' وہ ان کے سامنے بیٹھ گیا۔

''ہوں کرتے کیا ہو؟'' انہوں نے اگلا سوال کیا۔

اسید کچھ الجھا، شاید وہ اس کی مالی حیثیت کا اندازہ لگانا چاہ رہے ہوں، اسید نے سوچا۔

''انگلش لیکچرار ہوں؟'' اس نے سنبھل کر کہا۔

''ہوں، ادب پڑھاتے ہو؟'' اسید نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''اس لڑکی سے تمہارا کیا رشتہ ہے؟''

''بیوی ہے میری۔'' اسید نے یوں کہا جیسے اپنے گناہوں کا اعتراف کر رہا ہو۔

''بیوی ہے۔'' وہ بڑبڑائے پھر اسے بریف کرنے لگے۔

''اس کی حالت اب بہتر ہے، اس کا بلڈ بہت ضائع ہو گیا تھا وہ اسے دیا جا رہا ہے؛ لیکن اس کے تفصیلی طبی معائنے سے جو بات سامنے آئی ہے وہ بہت شاکنگ ہے۔'' اب انہوں نے اپنے سامنے پڑی فائل کھول لی۔

''یہ ڈاکٹر فرح کی رپورٹ ہے انہوں نے اس کا تفصیلی معائنہ کیا ہے۔'' وہ فائل میں

کلپڈ کاغذ کو نکال کر پڑھ رہے تھے۔

''اس پہ بری طرح تشدد کیا گیا ہے اور کس قسم کا کیا گیا ہے یقیناً تم جانتے ہی ہو، آخر اس کے شوہر ہو، جہاں تک تمہاری رسائی ہے کسی اور کی نہیں اور اس کے وجود کی سلطنت کو اجاڑنے والا تمہارے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے مسٹر اسید! مجھے افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے کہ اگرچہ تم ادب کے استاد ہو مگر احساس تمہیں چھو کر نہیں گزرا۔'' وہ سرد مہری سے کہہ رہے تھے۔

''ڈونٹ مائنڈ ڈاکٹر! اٹس مائی پرسنل میٹر۔'' وہ سپاٹ لہجے میں کہہ کر اٹھ گیا۔

''شٹ اپ، تمہیں اندازہ ہی نہیں تم نے کیا کیا ہے؟ اگر وہ سائیکی پیشنٹ ہے تب بھی اس درندگانہ سلوک کی تمہارے پاس کوئی وجہ نہیں ہے اور میرے ساتھ اس طرح بات کر کے تم اپنی راہ کھوٹی مت کرو، میرے ایک فون پہ پولیس اور میڈیا یہاں ہو گا پھر میں دیکھوں گا کہ تمہارے پاس کتنے جوابات ہیں؟ اور کیا ثبوت ہیں اس بات کے کہ وہ نفسیاتی مریض ہے یہ بھی تم میڈیا کو دکھانا۔'' وہ اس کے گلے پڑ گئے، ضبط کی شدت سے اسید کا رنگ سرخ پڑ گیا۔

''آئم سوری ڈاکٹر! میرا مقصد آپ کو بے عزت کرنا نہیں تھا مگر میں واقعی اس معاملے کو ڈسکس کرنا نہیں چاہتا پلیز۔'' اس بار وہ دھیمے لہجے میں بولا تھا۔

''ٹھیک ہے، مگر میں اسے کل ڈسچارج کر دوں گا، پھر تم جانو اور تمہارے پرسنلز۔'' وہ دوٹوک بولے۔

اسید سر ہلا کے باہر نکل گیا، وہ اس کے روم میں آیا تو وہ بیڈ پہ دراز تھی، آنکھیں بند، ایک ہاتھ پہ بینڈیج دوسرے پہ ڈرپ، ہاسپٹل کے مخصوص لباس میں گردن تک کمبل اوڑھے تھے، اسید نے ایک نظر کے جائزے کے بعد نظر پھیری اور ایک طرف پڑے کاؤچ پہ بیٹھ گیا، یہ خاصا لگژری کلینک تھا اور یقیناً اس کا بل بھی لمبا چوڑا بننے والا تھا، وہ طویل سانس لے کر کاؤچ پہ نیم دراز ہو گیا۔

اگلی صبح شروع ہونے میں صرف گھنٹہ ڈیڑھ ہی باقی تھا، وہ آنکھیں بند کر کے لیٹا رہا پھر اٹھا اور گھر کی طرف چلا گیا، اسے پتا تھا یہاں مریض کی دیکھ بھال کے لئے کسی گھر والے کا ہونا ضروری نہیں تھا، نرسز خود ہی سنبھال لیتی تھیں، جبھی وہ متعلقہ نرس کو بتا کر نکل آیا کہ اس کے بڑے ضروری لیکچرز تھے جو وہ کسی صورت میں اگنور نہیں کر سکتا تھا، اس نے اپنے استری شدہ کپڑے اٹھائے اور شاور لینے چلا گیا، بڑی تیزی سے تیار ہو کر وہ واپس آیا اور اپنے ضروری نوٹس اور فائل اٹھا کر باہر نکل آیا۔

کالج بھی اس کا دھیان حبا کی طرف اٹکا رہا، زہے قسمت آج مہینے کی آخری تاریخ ہونے کی وجہ سے ہاف ڈے تھا۔

وہ کالج سے باہر آیا تو بھوک محسوس ہوئی، اس نے بہتر سمجھا کہ پہلے کچھ کھا لیا جائے پھر ہاسپٹل چلا جائے۔

دوسری طرف حبا کو ہوش آ چکا تھا، پہلے تو اس کی تھکی ہوئی حیران سی نظر ادھر ادھر دیکھتی رہی پھر جب شعور کی کشش جاگی تو تھرا کر رہ گئی، یہ ادراک کہ وہ بچ گئی تھی، یہی اسے مار ڈالنے کو کافی تھا، کیا کیا نہ ستم ڈھائے گا اب وہ شقی القلب؟ وہ تو جو بھی کرے گا کم ہو گا کہ اس کا جرم ہی اتنا بڑا تھا، اپنے متوقع انجام کا

سوچتے ہی اس پر کپکپی سی طاری ہوگئی، اس نے وحشت زدگی کے عالم میں اپنی پٹیوں میں لپٹی کلائی کو دیکھا اور پھر زور زور سے رونے لگی، بے بس انسان کی آخری متاع بس آنسو ہی ہوتے ہیں شاید، ڈاکٹر فرح نے بہت چونک کر اسے دیکھا، اس کے لئے پشیئنٹ کا یہ ردعمل بہت حیران کن تھا۔

"ریلیکس بے بی! یو آر سیو، یو آر آلائیو۔" انہوں نے نرمی سے اسے تھپکا مگر اس کا رونا بتدریج کربناک ہوتا گیا، وہ کچھ بولے بغیر بس روتی جاتی تھی، جب کسی طرح بھی وہ چپ نہ ہوئی تو مجبوراً اسے ٹرنکولائزر دے دیا گیا، وہ آہستہ آہستہ غنودگی میں جانے لگی، کوئی بے تاب سی سسکی اب بھی اس کے لبوں سے پھوٹ پڑتی، اس کے چہرے پہ آنسوؤں کی لکیریں تھیں۔

ڈاکٹر فرح...... سینئر ڈاکٹر سلطان کے سامنے بیٹھی تھیں۔

"سر! وہ لڑکی بالکل نارمل ہے جس طرح سے بے ساختہ وہ روئی ہے اس سے یوں دکھائی دیتا ہے وہ بہت خوفزدہ ہے، میں بالکل نہیں مان سکتی کہ وہ سائیکی پشیئنٹ ہے۔" ڈاکٹر فرح نے پورے واقعہ کی تفصیل بتانے کے بعد آخر میں کہا۔

"بہر حال معاملہ جو بھی ڈاکٹر فرح، ایک بات تو صاف ہے میں اس کیس کو قطعی لینے کی پوزیشن میں نہیں ہوں، میں تو شاید یہ ٹریٹمنٹ بھی نہ کرتا مگر پتا نہیں کیوں مجھے اس بچی کی حالت پہ ترس آ گیا تھا، آج ویسے بھی اسے آج ڈسچارج کر دیا جائے گا۔" ڈاکٹر سلطان نے دوٹوک کہا۔

ڈاکٹر فرح سر ہلا کر اٹھ گئیں، جس وقت اسید وہاں آیا وہ ہنوز غنودگی میں تھی، وہ ڈاکٹر فرح کے پاس آ گیا اس کی حالت کے متعلق جاننے کے لئے۔

"وہ بہتر ہے، ویکنس ہے جو آہستہ آہستہ ہی ریکور ہوگی، تم یہ انجیکشنز لے آؤ اور کاؤنٹر پہ بل پے کردو۔" ان کا موڈ روکھا تھا۔

اسید نے کوئی ردعمل ظاہر کیے بغیر ان کی بات سنی اور نسخہ تھام کر باہر نکل گیا، اسے دوبارہ ہوش آیا تو کمرے میں نیم تاریکی وحدت تھی، شاید سینٹرل ہیٹنگ سسٹم آن تھا، وہ چند لمحے ساکت پڑی رہی، اسے بے حد پیاس محسوس ہو رہی تھی، اس نے اٹھنا چاہا تو بے ساختہ کراہ نکل گئی، پاس بیٹھی نرس ہڑبڑا کر اٹھی، چٹ کی آواز گونجی اور کمرہ جگمگ کرنے لگا۔

"ویٹ آ ون منٹ میم۔" نرس اسے کہہ کر تیزی سے باہر بھاگی ڈاکٹر کو بلانے۔

حبا ساکت پڑی رہی، اس کی نظریں چھت پہ جمی تھیں، اس کے اختیار میں کچھ بھی نہ تھا، مرنا بھی نہیں، اس نے حسرت سے سوچا۔

"یہ زندگی تمہاری اپنی چوائس تھی حبا تیمور! پھر شکوہ کس بات کا؟" اس کے ضمیر نے اسے آئینہ دکھایا، یوں لگا جیسے زخموں پہ نمک چھڑکا گیا ہو، وہ تڑپ گئی ہوگی، فرار ممکن نہیں ہوتا، نہ اپنے گناہوں سے نہ حرکتوں سے اور نہ ان عقل مندانہ فیصلوں سے جو ہم اپنے آپ کو عقل کل سمجھتے ہوئے کرتے ہیں۔

اس نے بھی ایک فیصلہ کیا تھا اور اپنے آپ کو عقل کل سمجھتے ہوئے کیا تھا اور اب ساری زندگی اس کا بھگتان بھگتنا تھا، درد قطرہ قطرہ اس کے اندر اترنے لگا۔

☆☆☆

"کوئی خاص پشیئنٹ ہے کیا؟" ان کے یوں افراتفری میں اٹھنے پہ تیمور نے انہیں پوچھا۔

"خاص نہیں، کریٹیکل کیس ہے، پتا نہیں کیسے مجبور ماں باپ ہیں جنہوں نے اپنی بچی اس بے حس اور ظالم انسان کے حوالے کر دی، خودکشی کا کیس ہے، مجھے بہت افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ یہ ایک Miss match شادی ہے، لڑکا خاصا ہینڈسم ہے اور وہ لڑکی بے چاری بس قبول صورت ہے، تیمور، ہم نے سفید رنگت، نیلی آنکھیں اور ستواں ناک کو ہی کیوں خوبصورتی کا معیار بنا لیا ہے؟ ہم دل کا سفر کیوں نہیں کرتے، ظاہر پہ کیوں مرتے ہیں ہم، اس بچی پر بری طرح تشدد کیا گیا ہے اور شاید شوہر کے ان مظالم سے تنگ آ کر اس نے خودکشی کی ہے، اسے صبح بھی ہوش آیا تھا، بے چاری بری طرح روتی رہی، کچھ بولتی بھی نہیں، پتا نہیں کتنا ڈرایا اور دھمکایا گیا ہے اسے۔" ڈاکٹر سلطان گہرے دکھ سے انہیں بتا رہے تھے، ساتھ چلتے تیمور نے بے دھیانی سے سب سنا۔

"آؤ تیمور! تم کو ملواؤں اس بچی سے، ویسے بھی اس کا وہ جلاد شوہر ادھر نہیں ہے ابھی۔" وہ انہیں لے کر روم نمبر تین میں چلے آئے۔

روم نمبر تین کا دروازہ کھلا اور آنے والوں کی نظر اس پہ پڑی اور پھر جیسے ایک دھماکا ہوا اور کمرے کی چھت اڑتی ہوئی ان پہ آ پڑی۔

انہوں نے اپنی زندگی کے خوفناک ترین لمحے میں بھی نہیں سوچا تھا کہ انہیں کبھی بھی حبا اس حال میں بیڈ پہ پڑی نظر آئے گی، ان کی آنکھیں جیسے پھٹ جانے کو تھیں، تو کیا یہ Miss match شادی حبا اسید کی تھی، ان کی آنکھوں میں جیسے ریت چبھنے لگی، مگر یہ مس میچ کیسے ہو سکتی تھی، حبا نے خود انہیں کئی بار بتایا تھا کہ وہ اسید کو نہیں چھوڑ سکتی، وہ دونوں ایک دوسرے کو بے حد چاہتے تھے تو پھر کیا ہوا؟ تیمور نے کہا۔

"خوبصورت لوگ، بدصورت لوگوں کے ساتھ نہیں چل سکتے۔" اور وہ کیسے لڑ پڑی تھی ان سے، اسید کے حق میں ڈھیروں ڈھیر دلائل دیئے تھے اس نے حبا نے کہا تھا۔

"آپ کو کیا پتا وہ کون ہے جس نے حبا کو زندگی کے احساس سے روشناس کروایا، آپ کو پتا ہے وہ کون تھا جس نے حبا کو شکل و صورت کے کمپلیکس سے نکالا، کیا آپ کو پتا ہے وہ کون ہوتا ہے جو روتی ہوئی حبا کو ہمیشہ ہنسا دیا کرتا ہے، کیا آپ جانتے ہیں میری پسند ناپسند کے بارے میں، وہ اسید ہے پاپا، وہ اسید ہے جس نے مجھے زندگی کے احساس سے روشناس کروایا، مجھے شکل و صورت کے کمپلیکس سے نکالا، جس نے مجھ جیسی بیک بینچر کو پوزیشن ہولڈر بنایا، وہ اسید ہے پاپا جس نے ہمیشہ میری زبان، میرے کردار اور میری سوچ کی حفاظت کی، جانتے کتنا ہیں آپ میرے اور اسید کے بارے میں۔" کتنے دعوے سے کہا تھا اس نے، کتنا یقین تھا اس کے لہجے میں اسید کے حوالے سے کتنا اعتماد۔

پھر اب کیا ہوا تھا؟ ان کے قدموں میں جیسے بھاری بیڑیاں آن پڑیں، وہ ایک قدم بھی آگے نہ بڑھ سکے۔

"تو کیا وہ بے حس اور ظالم شوہر اسید تھا جس نے حبا پہ تشدد کیا تھا؟ اور وہ خودکشی؟" ان کا ذہن جیسے مفلوج ہو رہا تھا۔

''تیمور ادھر آؤ۔'' سلطان نے انہیں آواز دی، انہوں نے میکانکی انداز میں قدم آگے بڑھا دیے، حبا کی آنکھیں بند تھیں اور قطرہ قطرہ آنسو اس کی بند آنکھوں سے بہہ رہے تھے۔

''تو کیا اسید ٹھیک کہتا تھا۔'' ان کے ذہن میں مضبوط شک سرسرایا۔

''یہ سارا کچھ حبا کی یکطرفہ کاروائی تھی، اسید اس میں یکسر ملوث نہیں تھا اور اب وہ اسی بات کا بدلہ لے رہا ہے حبا سے۔'' ان کے اندر ایک دھندلا یقین اترنے لگا، وہ اس کے بیڈ کے قریب چیئر پر بیٹھ گئے، ڈاکٹر سلطان شاید ان سے کچھ کہہ رہے تھے مگر انہوں نے کچھ سنا نہیں اور جھک کر دونوں ہاتھوں سے اس کا چہرہ تھام لیا، کتنا عزیز تھا انہیں یہ چہرہ، کتنا پیارا ان کے ذہن میں حبا کی پیدائش سے لے کر اب تک کے کئی مناظر گھومے۔

وہ بڑی پیاری، کیا مودب سی بچی تھی، پڑھائی میں Nill تھی مگر اس میں کوئی بدتمیزانہ عادات نہ تھیں، طبیعت میں بالکل شوخی و شرارت نہ تھی، جدھر بٹھاؤ، بیٹھ جاتی، پھر ذرا بڑی ہوئی تو مرینہ کے بے حد قریب ہو گئی، مرینہ کی تربیت شاندار تھی، حبا کو دیکھ کر تیمور کے اندر سکون اتر جاتا، اس کی عادتیں بڑی دل موہ لینے والی تھیں، مرینہ اس کی پڑھائی کے متعلق بہت متفکر رہا کرتی تھیں، وہ کچھ اور بڑی ہوئی، تو ایک عجیب واقعہ ہوا وہ اسید کے بہت قریب آ گئی، انہیں شروع سے ہی یہ چیز کھٹکتی تھی، وہ حبا کا اس کے قریب ہونا قطعاً برداشت نہ کر پاتے، پھر وہ حبا کو پڑھانے لگا، انہوں نے سختی سے مرینہ کو کہا کہ وہ کسی ٹیوٹر کا بندوبست کر دیں گے وہ اسید کو منع کر دیں مگر حبا کا شاندار رزلٹ ان کا منہ بند کروا گیا۔

پھر تو جیسے کوئی جادو ہو گیا، حبا بدلنے لگی، اس کے کندھے پہ Sash آ گئی، اس آنکھوں میں چمک اور اسے بولنے کا ہنر آ گیا۔

مرینہ اکثر انہیں بتاتیں، حبا نے ڈبیٹ کمپٹیشن جیتا، آج فلاں کمپٹیشن اور آج فلاں وغیرہ وغیرہ، اس کے کمرے کی ایک دیوار شیلڈز اور ٹرافیز سے بھرنے لگیں اور وہ جانتے تھے کہ یہ وہ شخص تھا، جس کی وجہ سے حبا کے اندر سے ایک اور حبا نکلی تھی، شوخ، پراعتماد، چلبلی، ہنس مکھ اور حیران کن، وہ جانتے تھے کہ کیمیا گر وہ شخص تھا جس نے حبا کی ساری کیمسٹری ہی بدل دی تھی۔

وہ اپنی ننھی پری کو یوں کامیابیوں کی جانب رواں دواں دیکھتے تو دل میں بے حد متشکر ہو جاتے، انہیں حبا کی یوں اسید پہ Dependence بالکل پسند نہ تھی، وہ اپنی بیٹی کو اس سے دور رکھنا چاہتے تھے مگر وہ اس میں اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود ناکام ہو گئے، وہ دن بدن اس کے قریب ہوتی گئی۔

پھر اس کی اولیولز میں فرسٹ پوزیشن نے جیسے تہلکہ سا مچا دیا، وہ بے انتہا خوش تھے مگر وہ تتلی کی مانند اسید کے گرد منڈلاتی رہی، وہ اسید کو تنبیہ کرتے رہے کہ وہ حبا سے دور رہے، جواباً وہ بھڑک اٹھتا کہ اگر ان میں صلاحیت ہے تو وہ اس سے دور کر لیں، انہوں نے بارہا حبا کو سمجھانا چاہا مگر وہ ان سے الجھ پڑتی، پھر شاید اسید کی عقل میں ان کی بات سما گئی، وہ حبا کو خود سے دور کرنے لگا، تیمور کے اندر اطمینان اترنے لگا، وہ تو سمجھے تھے کہ سب ٹھیک ہو گیا، مگر نہیں شاید وہ غلط تھے، پھر سب کچھ الٹ گیا، سب غلط ہو گیا۔

مگر اس بات کا یقین ان سارے گزرے سالوں میں ہمیشہ سے انہیں تھا کہ اسید حبا کو کبھی نقصان نہیں پہنچا سکتا تھا اور اسی یقین کے سہارے وہ ان مہینوں میں اتنے پرسکون رہے تھے اور اب ان کی خوش فہمیاں ان کے منہ پہ مار دی گئیں تھیں، کس قدر ناقابل یقین تھا کہ اسید نے حبا پہ ہاتھ اٹھایا تھا اور سب سے خوفناک اور دل دہلا دینے والی چیز، حبا کی خودکشی، وہ ششدر سے اسے دیکھ رہے تھے۔

''حبا! میری بیٹی۔'' انہوں نے اس کا ماتھا چوما، ان کے ہاتھ لرز رہے تھے، انہوں نے اس کے ماتھے کو چھوا جس پہ نیل تھے پھر اس کے سوجے ہونٹ کو، جو درمیان سے پھٹ کر پھول گیا تھا پھر اس کے گال کو جس پہ لمبی لمبی خراشیں تھیں، وہ اس کا سر سینے سے لگا کر گھٹ گھٹ کر رونے لگے۔

ڈاکٹر سلطان دم بخود کھڑے تھے ان کے لئے اب یہ سمجھنا مشکل نہیں رہا تھا کہ وہ ان کی بیٹی تھی۔

''اوہ......تو...... تیمور رج یہ تمہاری بیٹی ہے، مائی گاڈ ائم اسپیچ لیس۔'' ڈاکٹر سلطان کو بولنے کے لئے الفاظ نہیں مل رہے تھے۔

''ہاں سلطان یہ مجھ بدنصیب کی بیٹی ہے۔'' وہ بھیگی آواز میں بولے تھے، اس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دے پاتے دروازے میں اسید کی صورت نظر آئی، وہ تیمور کو وہاں دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا، پھر اندر کی طرف بڑھ آیا۔

''واہ، کیا تاریخی ملن ہے باپ بیٹی کا۔'' اس نے استہزائیہ انداز میں کہا۔

تیمور جیسے کرنٹ کھا کر سیدھے ہوئے اور اس کی طرف جارحانہ عزائم سے لپکے، قریب تھا کہ وہ اسید سے الجھ پڑتے مگر ڈاکٹر سلطان نے انہیں روک لیا۔

''نہیں تیمور! یہاں نہیں، یہ ہاسپٹل ہے، دوسرے مریض ڈسٹرب ہوں گے پلیز تم دونوں کا آپس میں جو بھی معاملہ ہے یہاں مت حل کرو، کہیں بیٹھ کر تسلی سے بات چیت کرو، یوں لڑنا بھڑنا مناسب نہیں۔''

ان کے کہنے پہ تیمور خون کے گھونٹ پی کر ایک طرف ہو گئے، ڈاکٹر سلطان تیزی سے باہر نکل گئے۔

''تم نے......تم نے میری بیٹی کے ساتھ یہ سب کیوں کیا؟'' وہ جیسے پاگل ہو رہے تھے۔

''میں نے تو آپ سے کبھی نہیں پوچھا کہ آپ مرینہ خانم کے ساتھ جو کرتے رہے کیوں کرتے رہے؟'' وہ سینے پہ ہاتھ باندھ کے دیوار سے پشت ٹکا کر کھڑا ہو گیا۔

''تم پوچھ سکتے بھی نہیں کیونکہ وہ میری بیوی ہے۔'' وہ طنزیہ بولے۔

''ویری گڈ، تو آپ یہ کیوں بھول رہے ہیں کہ یہ میری بہن نہیں، میری بیوی ہے۔'' اس کے لبوں پہ زہریلی مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

''تم ایک رزیل آدمی ہو بلکہ تمہیں آدمی کہنا انسانیت کی توہین ہے تم سفید چہرے والے شیطان ہو۔'' وہ ضبط کھو کر چیخ کر بولے تھے۔

اسید کی مسکراہٹ ایک پل میں غائب ہو گئی، وہ ایک قدم آگے بڑھا اور ان کے مقابل آ کھڑا ہو گیا۔

''گالی تو میں بھی دے سکتا ہوں تیمور

احمد! مگر دوں گا نہیں کیونکہ یہ تو بے بسوں کا ہتھیار ہے اور میں بے بس نہیں ہوں۔" وہ ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سرسراتے لہجے میں بولا تھا۔

"بے بس تو میں بھی نہیں ہوں اسید! میں اپنی بیٹی کو ایک منٹ تمہارے پاس نہیں رہنے دوں گا، میں اسے اپنے ساتھ لے کر جاؤں گا۔" وہ بھی فیصلہ کن انداز میں بولے، اسید طنزیہ ہنس پڑا۔

"ضرور آپ اسے واقعی لے جا سکتے ہیں۔" وہ ہاتھ جھاڑ کر پیچھے ہٹا اور پھر حبا کی طرف مڑ آیا۔

"تم اپنے پیرنٹس کے پاس جانا چاہتی ہو نا، ویسے بھی تم انہیں یاد کر کر کے اتنا روتی ہو، سو تم چلی جاؤ۔" وہ بڑے سکون سے حکم دے رہا تھا، حبا پلکیں جھپکائے بغیر اسے دیکھے جا رہی تھی۔

"مجھے کہیں نہیں جانا، مجھے کہیں نہیں جانا۔" وہ سسک کر بولی۔

"ارے تیمور احمد سمجھایئے اپنی بیٹی کو، مانا عشق اندھا ہے مگر ایسی بھی کیا بے تابی، چند دن کی دوری بھی گوارا نہیں۔" وہ سفاکی سے اس کی ذات کے پرخچے اڑا رہا تھا۔

حبا کا رنگ زرد پڑ گیا، وہ بے بسی کے احساس سے چور چور کچھ مزید ٹوٹ گئی، اسید اب واپس مڑ چکا تھا۔

"میں کاؤنٹر پہ بل پے کر چکا ہوں۔" وہ بے تاثر انداز میں کہہ کر باہر نکل گیا۔

تیمور احمد اب ساکت کھڑے روتی ہوئی حبا کو دیکھ رہے تھے، پھر تھکے قدموں سے اس کی سمت بڑھ گئے۔

"بس کرو بیٹے، بس کرو، چلو گھر چلیں، تمہاری ماں بہت بیمار ہے تمہارا یہ حال دیکھ کر اس پہ کیا گزرے گی ذرا سوچو، سنبھالو خود کو۔" وہ ٹوٹے پھوٹے انداز میں اسے تسلی دے رہے تھے۔

"سب ختم ہو گیا پاپا۔" وہ تب سے پہلی بار ان سے مخاطب ہوئی تھی۔

میں ٹھنڈے توے کی روٹی ہوں
مجھے بے دھیانی میں ڈالا گیا
مجھے بے دردی سے پلٹا گیا
مرے کتنے ٹکڑے اکھڑ گئے
میں ٹھیک سے سینکی جا نہ سکی
میں کسی چنگیر میں آ نہ سکی
میرا پسنا، گندھنا اور جلنا
بے کار گیا، میں ہار گئی
اک بے دھیانی مجھے مار گئی

کمرے میں باپ بیٹی کی سسکیاں آپس میں مدغم ہو رہی تھیں۔

☆☆☆

"اس ساری کج بحثی اور پریشانی کا بس ایک ہی حل ہے تایا ابو، کہ کراچی والی فرم میں ہر وقت کسی ایک کو موجود ہونا چاہیے ورنہ امید واثق ہے کہ اس فرم کو عنقریب بند کرنا پڑے گا۔" وقار نے گہری سانس لے کر عباس کو دیکھا جو بڑی تسلی سے احمد مغل کو حل پیش کر رہا تھا۔

"ظاہر ہے عباس! یہ تو مجھے بھی سمجھ آ رہا ہے بیٹے، مگر مسئلہ تو یہی ہے کہ وہاں کون ٹھہرے، ظاہری بات ہے جو بھی جائے گا اسے مستقل وہاں رہائش اختیار کرنا پڑے گی۔" تایا ابو نے کہا۔

"یہی تو مسئلہ ہے، وہاں کون جائے؟" وقار نے کہا۔

"اگر آپ لوگ اجازت دیں تو میں کچھ کہوں؟" عباس نے کہا۔

"اس میں اجازت کی کیا بات ہے بولو بھئی۔" بابا جان اس کے انداز پہ مسکرا دیئے۔

"اگر میں اور سبین کراچی شفٹ ہو جائیں تو۔" اس کے کہنے پہ لمحہ بھر کو سب چپ سے ہو گئے۔

"بات تو تمہاری قابل عمل ہے عباس مگر......" وہ بجھے ہوئے انداز میں بولے تھے۔

"یہ مسئلہ اب خوفناک صورتحال اختیار کر چکا ہے بھائی، جبھی میں نے یہ حل دیا، کیونکہ آپ کی یہاں موجودگی بے حد ضروری ہے، شاہ بخت تو اکیلا رک نہیں سکتا، جبکہ سبین میرے ساتھ ہوں گی تو سہولت ہو جائے گی، باقی جو آپ کی مرضی۔" عباس نے کہا۔

"بات تو ٹھیک ہے تمہاری، ایسا ہی ہے واقعتاً مگر اس کے لئے سب کی رائے لے لینی چاہیے۔" تایا جان نے کہا۔

کچھ ہی دیر میں بات گھر بھر میں پھیل چکی تھی اور اس حوالے سے چہ میگوئیاں بھی شروع ہو گئیں، جب شاہ بخت کو پتا چلا تو وہ تپا ہوا اس کے کمرے میں چلا آیا، عباس وارڈ روب میں سر دیئے پتا نہیں کیا کر رہا تھا۔

"تم یہ فیصلہ ایاز کی وجہ سے کر رہے ہو؟" وہ غصے سے بولا، عباس نے حیرت سے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"میرا دماغ فی الحال درست کام کر رہا ہے، ہوا کسی بے وقوفی میں نہیں کر رہا۔" وہ دو ٹوک بولا۔

"دماغ درست ہے تو پھر اتنا احمقانہ فیصلہ کیوں کر رہے ہو؟" وہ تپ اٹھا۔

"احمقانہ، حد ہے تم سے بخت، میرے بھائی یہ حالات کا تقاضا ہے، کسی کو وہاں جانا ہے نا، تو میں کیوں نہیں اور ویسے بھی وہاں کسی کو جانا بے حد ضروری ہے تم یہ کیوں نہیں سمجھتے کہ میں نے ٹھیک فیصلہ کیا ہے مجھے سبین کی وجہ سے کافی سہولت ہو جائے گی۔" وہ رسان سے کہہ رہا تھا۔

"اور میں، میرا کیا ہو گا، مجھے تمہاری بغیر رہنے کی عادت نہیں ہے۔" وہ ضدی انداز میں پیر پٹخ کر بولا، عباس کا چہرہ چمک اٹھا اور لب مسکرا دیئے۔

"بڑا اہم ڈائیلاگ تم نے مجھ پہ ضائع کر دیا ہے، یار شادی کرواؤ اور اپنی بیوی سے یہ ڈائیلاگ بولنا، ویسے بھی تم نے کہا تھا نا کہ میرا انجام دیکھنے کے بعد کرو گے شادی، تو دیکھ لیا، میرا تو انجام بخیر ہو گیا اب تم اپنی سوچو۔" وہ اسے یاد دلا رہا تھا۔

"بھاڑ میں گئی شادی، بس تم کہیں نہیں جا رہے۔" وہ زور دے کر بولا۔

"ارے یار، ہر معاملے کو جذباتیت کی عینک پہن کر دیکھنا لازم ہے کیا تمہارے لئے، بی پریکٹیکل بخت، معاملہ حساس نوعیت کا ہے ورنہ میں کبھی بھی ایسا قدم نہ اٹھاتا، مجھے بھی پتا ہے میں وہاں جا کر بڑی شدید قسم کی ہوم سک نیس کا شکار ہو جاؤں گا مگر میں بے حس نہیں بن سکتا، آخر ہم کب تک وقار بھائی سے گدھے کی طرح کام لیتے رہیں، آخر تم بھی جانتے ہو میرے بعد دوسرا اور آخری آپشن وہی تھے سو مجھے یہ اسٹیپ لینا پڑا، باقی رہا آنے جانے کا سوال تو جگر، لاہور یہاں ہی ہے کراچی کون سا امریکہ سے آگے چلا گیا ہے 80 منٹ کی فلائٹ ہے میرے بھائی۔" وہ تسلی

سے بولتا آخر میں ہنسا۔

بخت جو بڑے دھیان سے اس کی بات سن رہا تھا اچانک سر اٹھا کر بولا۔

"ویسے ایک بات تو قابل گرفت مل گئی مجھے۔"

"کون سی؟" اس کی سنجیدگی پہ عباس نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"یہی کہ تم نے بھائی کو گدھا کہا ہے۔" اس کے معصومیت سے کہنے پہ دونوں کا بے ساختہ قہقہہ گونجا تھا۔

"یار! پلیز مت جاؤ، میں تمہیں بہت مس کروں گا۔" بخت بے اختیار اس سے لپٹ کر افسردگی سے بولا تھا۔

عباس نے متانت سے اس کی پشت تھپکی، عین اسی وقت کومل اور علینہ ہنستی ہوئیں اندر آئی تھیں۔

"ایک تو مجھے یہ سمجھ نہیں آتا یہ بخت بھائی ہر ایک سے لاڈ کیوں اٹھواتے رہتے ہیں، کبھی بابا کبھی چاچو کبھی بھائی تو کبھی عباس بھائی، بھلا ایسا کیوں ہے علینہ؟" کومل نے شرارت سے اسے دیکھ کر بخت کی ٹانگ کھینچی، شاہ بخت اس کی بات پہ ہنستا ہوا عباس سے الگ ہو گیا۔

"چاہے جانا بھی بعض دفعہ نشہ بن جاتا ہے کومل۔" علینہ نے بظاہر مسکرا کر کہا مگر اس کے اصل معنی شاہ بخت کھلسا گئے۔

"اپنی اپنی قسمت کی بات ہے کومل، کوئی کوئی ذی نفس ایسی قسمت لے کر آتے ہیں کہ سب انہیں چاہنے پہ مجبور ہوتے ہیں۔" اس نے جوابی حملہ کیا۔

"خیر سب تو نہیں چاہتے۔" اس نے غیر ارادی طور پہ اپنا دفاع کیا۔

"سب ہی چاہتے ہیں میری بہنا۔"

عباس نے بخت کی فیور کی۔

"ہاں چاہے ان میں ذاتی طور پہ کوئی ایبلٹی ہو یا نہ ہو۔" اس بار حملہ براہ راست تھا، شاہ بخت کے ہونٹ بھینچ گئے۔

"سارے حساب چکائیں گے میری پیاری عینا، الزامات کی فہرست طویل ہوتی جا رہی ہے اور میں ادھار کا قائل نہیں، جلد بہت جلد۔" شاہ بخت کا ذہن آگے اڑانیں بھر رہا تھا۔

علینہ اور کومل اب عباس سے خوش گپیوں میں مصروف ہو چکی تھیں وہ آہستہ سے باہر نکل آیا، اس کے قدم وقار کے کمرے کی طرف اٹھ رہے تھے۔

☆☆☆

"مجھے ستارہ کی فیملی بہت پسند آئی ہے حیدر۔" یہ مصعب تھا، آج سنڈے تھا اور وہ دونوں بڑی تسلی سے لان چیئر پہ بیٹھے تھے، اوائل دسمبر کے دن تھے، ہلکی سی تیکھی دھوپ بڑی فرحت بخش تھی، حیدر کے ہاتھ میں پائن ایپل کاٹن تھا، اس نے فورک سے پائن ایپل کا ٹکڑا اٹھایا اور منہ میں ڈالتے ہوئے جانچنے والی نظر سے مصعب کو دیکھا۔

"ستارہ کی فیملی؟ ہاہاہا، خالی ستارہ کہتے کیا لاج آتی ہے آپ کو؟" اس نے مذاق اڑایا۔

"بس یہی سمجھ لو۔" مصعب خفیف سا ہو گیا۔

"کس قسم کی اچھی لگتی ہیں؟" وہ سنجیدگی سے بولا۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ میرے بھائی کہ یہاں اچھا لگنے کی بس ایک ہی قسم ہے اور اس کا نتیجہ عام

طور پر شادی ہے، ورنہ اس مشرقی معاشرے میں دوستیوں کی گنجائش نہیں ہے۔" حیدر نے اسے باور کروایا۔

"جانے دو حیدر! تمہارا معاشرہ اب اتنا زیادہ بھی مشرقی نہیں رہا۔"

"میں مانتا ہوں مگر وضعدار گھر میں اب بھی لڑکے لڑکی کی دوستی کو اچھی نظروں سے نہیں دیکھا جاتا۔" اس نے دفاع کیا۔

"بہر حال وہ تو ایک الگ بات ہے۔"

"تو پھر بتایا نہیں آپ نے کہ ستارہ آپ کو کس قسم کی اچھی لگی ہیں؟" مصعب کو اس پہ فخر ہوا، یہ اتنا بالحاظ و تمیز دار سا اس کا چھوٹا اور کس قدر احترام سے اس کا نام لے رہا تھا ورنہ لڑکے اور وہ بھی آج کل کے کہاں کسی کی غیر موجودگی میں اتنے احترام و عزت سے کسی کو بلاتے ہیں اور وہ بھی ایک لڑکی کو، ناممکن ہی لگتا ہے۔

"حیدر! سچ تو یہ ہے کہ مجھے وہ ہر طرح سے اچھی لگی ہے۔" اس کی آنکھوں میں چمک آ گئی۔

"تو شادی کریں گے؟" حیدر نے براہ راست پوچھا۔

"ہاں پتا نہیں کیوں اسے پہلے دن دیکھ کر مجھے احساس ہوا کہ وہ میرے لئے ہے، میرا حصہ ہے، میرے وجود، میری روح کا گمشدہ حصہ، میں اس سے بہت زیادہ ملا نہیں مگر اتنا جانتا ہوں کہ وہ بہت خاص ہے، میں اسے اپنانا چاہتا ہوں۔" اپنائیت اور سادگی کا سنہرا سا عکس اس کے وجیہہ چہرے کو اور بھی خوبصورتی بخش رہا تھا، حیدر چند لمحے اسے دیکھتا رہا لمحہ بھر کو اس کا دل چاہا کہ وہ اس کی Fantacy قائم رہنے دے مگر سچ اسے کبھی نہ کبھی تو پتا چلنا ہی تھا۔

"آپ کا جذبہ قابل تحسین ہے مگر......" اس نے ٹن میز پہ رکھا اور سیدھا ہو گیا۔

"مگر؟" مصعب نے اس کا چہرہ دیکھا۔

"آپ واقعی سنجیدہ ہیں؟" اس نے لبوں پہ آئی بات روک کے پوچھا۔

"تو تمہارا کیا خیال ہے، جھک مار رہا ہوں؟" مصعب برا مان گیا۔

"پھر تو آپ کے لئے سچ جاننا اور بھی زیادہ ضروری ہو گیا ہے۔"

"کیسا سچ؟" اس نے پلکیں اٹھائیں۔

"ستارہ میرڈ ڈائیورسڈ۔" وہ آہستگی و افسردگی سے بولا، نظر جھکائی تھی کہ مصعب کے تاثرات دیکھنے کا حوصلہ نہ تھا۔

"میں کبھی یقین نہ کرتا اگر انہوں نے مجھے خود نہ بتایا ہوتا۔" وہ آہستگی سے میز کے کنارے انگلی پھیر رہا تھا، مصعب اٹھ کھڑا ہوا۔

"آپ اس معاملے پہ دوبارہ سوچیے گا۔" حیدر نے اس کی پشت کو دیکھتے ہوئے کہا۔

مصعب کچھ کہے بغیر آگے بڑھ گیا، حیدر خالی نظروں سے اسے دیکھتا رہا اسے یقین نہیں تھا کہ مصعب بھی ایک روایتی مرد ثابت ہو گا؟ اسے بھی اس بات سے فرق پڑ سکتا ہے کہ ستارہ پہلے سے شادی شدہ تھی؟ ہو سکتا ہے وہ اس معاملے پہ غور کریں تو کوئی درمیانی راہ نکال سکیں؟

حیدر نے سوچا، پھر پائن ایپل کاٹن اٹھا کر اندر کی طرف بڑھ گیا۔

☆☆☆

کمرے میں تین نفوس تھے، وقار، ایاز

اور شاہ بخت!

"مجھے تو اس بات پہ حیرت ہے کہ بخت نے آپ کو لاعلم رکھا۔" ایاز نے سرد مہری سے کہا۔

"اس میں ایسی کوئی بات نہیں تھی کہ بھائی کو باعلم رکھا جاتا۔" بخت بلبلا کر بولا

"یہ تو تم اب بھائی کو بتانا اس کا فیصلہ وہ خود کر لیں گے۔" ایاز قصداً مسکرا کر اٹھا تھا، بخت لب بھینچے ماتھے پہ شکن لئے اسے دیکھتا رہا، وہ باہر نکل گیا۔

"میں تو تم سے یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ مجھے پورا سچ بتاؤ، پتا نہیں کہاں کہاں کیا کیا چھپایا ہے تم نے؟" وقار کا لہجہ افسردہ تھا، شاہ بخت نے بے چین ہو کر انہیں دیکھا۔

"میں نے آپ سے کوئی جھوٹ نہیں بولا بھائی۔"

"ایک اور جھوٹ۔" وقار نے سختی سے کہا۔

"او کے میں اب آپ کو پورا سچ بتاؤں گا مگر وعدہ کریں مجھ سے۔"

"کیسا وعدہ؟" وہ چونک کر بولے۔

"آپ یہ سب جاننے کے بعد میرے بھائی سے نفرت نہیں کریں گے، انہیں برا نہیں سمجھیں گے۔" وہ التجائیہ انداز میں بولا تھا، وقار نے حیران ہو کر اسے دیکھا اس کی آنکھیں نم ہو رہی تھیں۔

"ایسی کون سی بات ہے بخت؟"

"جب میں بی بی اے کرنے نیویارک گیا تو بہت خوش تھا، مجھے نواز بھائی سے ملنا تھا انہیں سرپرائز دینا تھا جبھی میں نے انہیں اپنے آنے کا نہیں بتایا، ائیرپورٹ سے کیب لے کر سیدھا براڈوے ان کے اپارٹمنٹ پہنچا، بہت پرجوش تھا میں بیل بجاتے ہوئے، جب دروازہ کھلا تو میں چند لمحوں کے لئے بوکھلا سا گیا، وہاں نواز بھائی کی جگہ ایک خوبصورت لڑکی کھڑی تھی، مجھے لگا میں نے غلط اپارٹمنٹ کی بیل دے دی ہے میں معذرت کر کے واپس مڑنا چاہتا تھا مگر مجھے اس نے روک لیا وہ مجھے جانتی تھی، میں حیران تھا، وہ مجھے اندر لے گئی، کچھ دیر میں سب کلیئر ہو گیا۔"

"وہ شیرون کورے تھی۔" نواز بھائی کی گرل فرینڈ، ان کے ساتھ رہتی تھی، میں جتنے دن وہاں رہا ایک عذاب میں مبتلا رہا، نواز بھائی کی یہ اخلاقی ابتری بہت اذیت ناک تھی اور ستم تو یہ کہ ان کی یہ گرل فرینڈ jew تھی اور آپ کو پتا ہے jews اپنا مذہب نہیں بدلتے، وہ دونوں ڈرنک کرتے، اسموکنگ کرتے، بارز میں جاتے اور میں بے وقوفوں کی طرح انہیں دیکھتا رہتا، حالانکہ میں جانتا تھا کہ نیویارک ایک آزاد شہر تھا وہاں شخصی آزادی کا ڈھنڈورا بڑے زور و شور سے پیٹا جاتا تھا مگر میرے لئے یہ بات ناقابل قبول تھی کہ نواز بھائی بھی ان جانوروں کے ہجوم میں شامل ہو گئے تھے جو انسان کہلانے کے قابل نہ تھے، باقی بعد کے حالات تو آپ کے علم میں ہی ہیں وہاں سے آنے کے بعد مجھے شدید قسم کا میگرین ہوا اور...... اس کے بعد مجھے ان سے نفرت سی ہو گئی، انہوں نے صرف اپنی آخرت برباد نہیں کی تھی "مغل ہاؤس" کی تربیت بھی بدنام کر دی تھی۔

اور اب جب میں نیویارک گیا تو ان سے ملا، پتا نہیں کیوں میں خود کو روک نہ پایا تھا، مجھے ان سے بے حد محبت تھی یا شاید یہ صرف بچپن کی Affiliation کا اثر تھا، اس

بار انہوں نے مجھے یہ جھانسہ دیا کہ وہ اور شیرون جلد شادی کر لیں گے، پھر وہ کپل شوٹ اور باقی تو میں نے آپ کو بتایا تھا نا کہ انہیں روپے چاہیے تھے، جبھی انہوں نے مجھے ایکسپلائٹ کیا اور میں بڑی آسانی سے بلیک میل ہو گیا اور اب آخری بات، اس ایکسیڈنٹ کی وجہ میں نے آپ سے چھپائی، میں کیسے بتاتا بھائی مجھ میں حوصلہ نہیں تھا، اس ایکسیڈنٹ کی وجہ ان کا اوور ڈرنک ہونا تھا، پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کے مطابق ان کے معدے میں الکحل کی کافی مقدار موجود تھی اور شیرون بھی ان کے ساتھ ہی اس حادثے میں مر گئی۔" شاہ بخت بات ختم کر کے کھڑکی کے پار نظر آتے لان کو دیکھ رہا تھا، جہاں دھند کے قافلے اتر رہے تھے۔

"میں نے زندگی میں بہت سی غلطیاں کی ہیں اور ان میں سے زیادہ تر اپنی حساسیت اور بے وقوفی کے ہاتھوں کی ہیں، مجھے آج تک یہ سمجھ نہیں آئی کہ جو واقعہ سب لوگوں پہ نارمل اثر کرتا ہے وہ میری نفسیات کو کیوں ہلا کے رکھ دیتا ہے، لہجوں کا فرق مجھے کیوں اس قدر شدت سے چبھتا ہے اور محبتیں سمیٹنے کی عادت مجھے اس قدر کیوں ہو گئی ہے، علینہ شاید ٹھیک ہی کہتی ہے، چاہے جانا بھی نشہ بن جاتا ہے اور خوبی قسمت تو دیکھئے کہ میں نے جس کو چاہا، انہوں نے مجھے استعمال کیا، میں کیسے بتاتا آپ کو، مجھ میں ہمت نہیں تھی کہ میں ان کی بدکرداری کو لفظوں میں ڈھال پاتا، میں پہلے ہی ٹوٹ چکا تھا، ان کا بت آپ کی آنکھوں میں کیسے گراپاتا؟ مجھ میں حوصلہ نہ تھا اور اب جبکہ وہ چلے گئے ہیں کبھی واپس نہیں آ سکیں گے انہیں برے لفظوں میں یاد مت کیجئے گا، میری التجا ہے آپ سے۔" وہ بہت ٹوٹے ہوئے لہجے میں بول رہا تھا، وقار کے اندر ڈھیروں تھکن اترنے لگی۔

(باقی آئندہ)

سندس جبیں

تیرہویں قسط

ایک قبر وہ ہوتی ہے جو مرنے کے بعد زمین پہ انسان کے لئے کھودی جاتی ہے، ایک قبر وہ ہوتی ہے جو انسان اپنے اعمال کے ہاتھوں خود اپنے لئے خریدتا ہے اور یہ قبر اس کے راستے کی رکاوٹ بن جاتی ہے، وہ مرنے سے پہلے زندہ دفن ہونے کا تجربہ کر لیتا ہے، حیا تیمور بھی اپنے ہاتھوں کھودی اس قبر میں گھٹنوں کے بل جا گری تھی اور باہر نکلنے کا راستہ بھول گئی تھی۔

تیمور احمد اسے لے کر لاہور سے اسلام آباد پہنچے تو بے حد دلگرفتہ اور افسردہ تھے اور ان گزرے مہینوں کے عذاب کے بعد جب اس نے اندر قدم رکھا تو لڑکھڑا گئی تھی۔

کاغذی محبت کے
کاغذی دلاسوں پر
رنگ برنگ خوابوں کے
دیس جانے والوں کو

ناولٹ

یہ پیغام بھی پہنچے
اس نگر کا ہر راہی
وادی محبت سے
لوٹ کے جب آتا ہے
ہنسنا بھول جاتا ہے
پیار جیسے جرم کے
عمر بھر تاوان میں
اپنی روح چھوڑ کر
خواب کے نگر سے بس
جسم ساتھ لاتا ہے

تیمور احمد نے مرینہ کو فون کر کے بس اتنا ہی بتایا تھا کہ ''ان کے پاس ایک سرپرائز ہے۔'' وہ بے چاری کب جانتی تھیں کہ یہ کیسا ''سرپرائز'' تھا اور جب انہوں نے حیا کو دیکھا تو ان کے قدموں تلے زمین نکل گئی تھی، وہ جیسے کسی خلا میں معلق ہو گئیں جہاں نہ ہوا تھی نہ زندگی کے آثار،

اسی کیفیت میں وہ آگے بڑھیں اور حبا کو یوں تھام لیا جیسے وہ کوئی آبگینہ ہو اور پھر سخت متوحش سی ہو کر تیمور کو دیکھنے لگیں۔

"کیا ہوا ہے اسے؟ کیا کوئی ایکسیڈنٹ ہوا ہے؟ یہ زخمی کیوں ہے تیمور؟ یہ...... بینڈیج ......؟" وہ اسے لے کر صوفے پہ بیٹھی تھیں، ازحد پریشانی سے اس کے ماتھے کے بینڈیج کو چھوا، پھر سوجے ہوئے ہونٹ اور رخسار کی خراشوں کو دیکھا اور پھر اس کے ہاتھوں کو جو زخمی تھے، حبا کی آنکھیں بند تھیں اور اس نے سر مرینہ کے شانے پہ رکھا ہوا تھا، تیمور نے تلخی سے انہیں دیکھا تھا۔

"اسید نے مارا ہے اسے۔" ان کے انداز میں تھرا دینے والی تلخی تھی۔

مرینہ پہ جیسے بجلی گری تھی، وہ فق رنگت لئے انہیں دیکھتی رہ گئیں یوں جیسے ان کی بات سمجھنے کی کوشش کر رہی ہوں۔

"باقی تفصیلات آپ اس سے جان لیجئے گا۔" وہ کہہ کر آگے بڑھ گئے، مرینہ ناسمجھی کی کیفیت میں بیٹھی رہ گئیں۔

☆☆☆

"مغل ہاؤس" کے در و دیوار میں خاموشی کا راج تھا، دو دن بعد عباس اور سبین کراچی شفٹ ہو رہے تھے، گھر میں اس کی تیاریاں ہو رہی تھیں، جو کہ تقریباً آخری مراحل میں داخل ہو رہی تھیں، اس رات کومل اور علینہ سبین کی جگہ سب کو دودھ اور چائے پہنچانے کی ذمہ داری نبھا رہی تھیں۔

"میں سب کو دے آئی ہوں علینہ! اب تم یہ کافی بخت بھائی کے کمرے میں پہنچا دو۔" کومل نے ٹرے کیبن میں رکھتے ہوئے کہا۔

"میں؟ نہیں میں نہیں جا رہی پلیز تم ہی دے آؤ نا؟" علینہ نے فوراً انکار کر کے کہا، ابھی وہ پچھلا تجربہ بھولی نہیں تھی۔

"علینہ! پلیز میں تھک گئی ہوں اور بس بخت بھائی کے کمرے تک ہی تو جانا، اوکے میں سونے جا رہی ہوں۔" کومل کہہ کر باہر نکل گئی۔

علینہ تذبذب کی کیفیت کچھ دیر کھڑی رہی، پھر سر جھٹک کر کافی کا مگ اٹھایا اور باہر نکل آئی، لاؤنج کی گھڑی میں وقت دیکھا تو پونے گیارہ بج رہے تھے، وہ آہستہ آہستہ سیڑھیاں چڑھنے لگی۔

اس کے کمرے کے سامنے پہنچ کر اس نے ایک طویل سانس لے کر خود کو پرسکون کرنا چاہا تھا اور پھر آہستہ سے دروازہ بجایا، کچھ دیر انتظار کیا مگر جواب ندارد، اس نے دوسری بار دستک دینے کی بجائے دروازے کا ہینڈل گھمایا، وہ کھل گیا، علینہ اندر داخل ہو گئی، کمرہ خالی تھا مگر ٹیرس کی سلائیڈنگ ونڈو کھلی ہوئی تھی وہ آگے بڑھ گئی۔

ریلنگ سے کمر ٹکائے شاہ بخت کی علینہ کی طرف پشت تھی، یکدم وہ اس کی آہٹ محسوس کر کے پلٹا، علینہ کو جھٹکا لگا اس کے چہرے پہ حیرت نظر آئی تھی اور پھر خوف، اس نے ایک نظر شاہ بخت کو دیکھا اور اس کے ہاتھ میں دبے سگریٹ کو، شاہ بخت نے تیزی سے سگریٹ نیچے پھینکا اور بوٹ سے مسل کر ٹیرس کی ریلنگ سے لان میں پھینک دیا اور جب وہ پلٹا تو اس کے تاثرات ازحد بگڑے ہوئے تھے۔

"تم کس کی اجازت سے یہاں آئی ہو؟" وہ ترشی سے بولا تھا، علینہ نے ایک لفظ کہے بغیر کافی ایک طرف پڑے میز پہ رکھی اور واپس مڑنے لگی تھی جب بازو شاہ بخت کے مضبوط ہاتھ کی گرفت میں آ گیا۔

"میرا بازو چھوڑو شاہ بخت۔" اس نے غصے سے کہا۔

"ورنہ کیا کرو گی؟" شاہ بخت کا لہجہ اشتعال دلانے والا تھا۔

"میں تمہارے منہ پہ ایک تھپڑ ماروں گی۔" اس کا غصہ مزید بڑھا تھا، شاہ بخت نے کچھ کہے بغیر اس کے دونوں بازو اس کی پشت سے پیچھے لے جا کر اپنے دائیں ہاتھ میں اس کے دونوں ہاتھ جکڑ لئے، اس کے نازک ہاتھ شاہ بخت کی مضبوط اور کھردری ہتھیلی میں بری طرح مسلے گئے، وہ تلملا اٹھی تھی، اس نے بے ساختہ خود کو چھڑانے کے لئے مزاحمت کی تھی، شاہ بخت نے بہت محظوظ ہو کر اسے دیکھا۔

"اب کیا کرو گی؟" وہ طنز سے بولا، علینہ کا غصہ فزوں تر ہوتا گیا۔

"تمہیں شرم آنی چاہیے اس طرح کی گھٹیا حرکتیں کرتے ہوئے۔" وہ پھنکار کر بولی۔

"شٹ اپ، گھٹیا حرکتیں میں نہیں تم کر رہی تھیں، میری جاسوسیاں کرتی پھرتی ہو تم۔" وہ غرایا تھا۔

"جسٹ شٹ اپ، میرا دماغ خراب ہے جو میں یہ سب کروں، میری طرف سے تم بھاڑ میں جاؤ، اسموکنگ کرو یا ڈرنکنگ؟ آئی ڈونٹ کیئر۔" وہ تڑپ اٹھی، پیچھے ہٹی تھی سردی شدید ہونے کے سبب اس نے گرم شال اوڑھی ہوئی تھی جو کہ خاصی بڑی تھی اس کے پیچھے ہٹنے پہ وہ اس کے پیر میں الجھی اور سر سے اتر کر پیچھے رہ گئی، علینہ کا رنگ دہک اٹھا، بے بسی اور خوف نے اسے ہلا کر رکھ دیا تھا۔

"میں کہہ رہی ہوں، مجھے چھوڑو، مجھے جانے دو۔" وہ چلائی تھی۔

شاہ بخت نے دانت پیس کر اسے گھورا تھا اور اسے اندر کی طرف دھکیلا، ایک کندھے پہ اٹکی شال وہیں گر گئی، شاہ بخت نے اسے دیوار کے ساتھ لگا دیا، ٹیرس اوپن تھا اور بالکل ساتھ عباس کا کمرہ تھا، وہ نہیں چاہتا تھا کہ عباس سن لے۔

"میرے سامنے اونچی آواز میں بات مت کرو۔" اس نے وارننگ دی تھی۔

"اچھا...... ورنہ کیا؟ رمشہ بالکل ٹھیک کہتی تھی تم ایک گھٹیا اور بے غیرت انسان ہو جو حیا سے عاری ہے اور......" علینہ نفرت سے کہہ رہی تھی مگر بات اس کے منہ میں ہی رہ گئی شاہ بخت کا بائیں ہاتھ کا تھپڑ اس کے گال کی خبر لے گیا، علینہ کے حلق سے ایک اضطراری چیخ نکلی تھی اسے لگا جیسے اس کا جبڑا ٹوٹ گیا ہو، وہ بے ساختہ رونے لگی، کیا وہ اس تھپڑ کا بدلہ لے رہا تھا؟ اسی وقت دروازہ کھلا اور دروازے میں عباس کی صورت نظر آئی تھی، شاہ بخت کی دروازے کی طرف پشت تھی جبھی وہ فوری طور پہ دیکھ نہیں سکا تھا، عباس کو دیکھ کر علینہ کا رنگ بدل گیا۔

وہ بلند آواز میں رونے لگی یکلخت شاہ بخت کو عجیب سا احساس ہوا وہ بے ساختہ پلٹا اسے جھٹکا لگا وہاں عباس کو کھڑا پایا تھا اس نے میکانکی انداز میں علینہ کے ہاتھ چھوڑ دیئے، عباس کے چہرے کے تاثرات بڑے عجیب تھے، دکھ، حیرت بے یقینی ثبت تھی وہاں، اس نے اِدھر اُدھر نظر دوڑائی اور جلد ہی اسے اپنی مطلوبہ چیز نظر آ گئی تھی، اس نے آگے بڑھ کر ٹیرس کے فرش سے علینہ کی شال اٹھائی اور روتی ہوئی علینہ کو اوڑھا دی اور پھر اسے ساتھ لگا لیا، علینہ کی شرم کے مارے نظریں زمین میں گڑ گئیں، اس کا دل چاہا وہ مر جائے، شاہ بخت کو یکایک معاملے کی سنگینی کا اندازہ ہوا۔

"دیکھو عباس! بات وہ نہیں ہے جو تم سمجھ رہے ہو۔" وہ تیزی سے بولا، عباس نے ایکدم ہاتھ اٹھا کر اسے روکا، اس کی نظروں کی نفرت بخت کو مار گئی تھی۔

"مجھے وضاحتوں کی ضرورت نہیں۔" اس کا لہجہ بہت اجنبی تھا، وہ علینہ کو اسی طرح ساتھ لگائے وہ آگے بڑھنے لگا تھا جب شاہ بخت تیزی سے ان کے آگے آن کھڑا ہوا، علینہ اسی طرح رو رہی تھی۔

"تم میری بات سنے بغیر نہیں جا سکتے۔" شاہ بخت بے حد مضطرب تھا۔

"کون سی بات سنانا باقی رہ گئی ہے؟" عباس نے اس لمحے بے پناہ ضبط کر کے پوچھا تھا اس سے۔

"تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے، تم میری بات نہیں سمجھ رہے، تم علینہ سے پوچھ لو۔" وہ تیز تیز بولا۔

"میں تمہیں الو کا پٹھا نظر آتا ہوں کیا میں جانتا نہیں کہ تم کیا کھیل کھیلنا چاہتے تھے۔" عباس ضبط کھو کر پھٹ پڑا تھا، شاہ بخت کا رنگ سرخ ہو گیا۔

"اپنا منہ بند رکھو اور پہلے اس سے پوچھ لو اس کے بعد باقی بکواس کر لینا۔" وہ دھاڑ کر بولا تھا۔

"کیا پوچھوں میں اس سے؟ میں اندھا ہوں مجھے نظر نہیں آتا کیا ہو رہا تھا یہاں پر؟" عباس کے اشتعال میں مزید اضافہ ہوا تھا، یکدم دوڑتے قدموں کی آوازیں آنے لگیں، کھلے دروازے میں ایک ساتھ کئی چہرے نظر آئے تھے۔

"کیا ہو رہا ہے یہاں پر؟" سب سے آگے تایا جان تھے، وہ آگے بڑھ آئے، عباس کے اندر اطمینان اتر آیا، وہ علینہ کو چھوڑ کر الگ ہو گیا۔

"یہ آپ کو شاہ بخت بتائے گا۔" عباس کے انداز میں آگ لگا دینے والی تپش تھی۔

تایا جان نے تیز نظروں سے شاہ بخت کو دیکھا اور پھر علینہ کو، ان کے چہرے پر تفکر کے سائے گہرے ہو گئے، کمرے میں اس وقت طارق چاچو، نیلم چچی، وقار اور نبیلہ تائی موجود تھیں۔

"وقار! دروازہ بند کر دو۔" احمد مغل نے بڑے ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا تھا، وقار نے فوراً ان کی ہدایت پہ عمل کیا تھا۔

وہ صوفے پہ بیٹھ گئے، ان کی دیکھا دیکھی باقی سب بھی اِدھر اُدھر بیٹھ گئے، شاہ بخت کی تشویش میں اضافہ ہوا تھا۔

"علینہ! اِدھر آؤ بیٹا۔" انہوں نے علینہ کو پکارا، وہ آہستہ سے ان کی طرف بڑھی اور ان کے نزدیک زمین پہ گر گئی، پھر سر ان کے گھٹنوں پہ رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

(بخت! کیا کر بیٹھے ہو؟) نیلم چچی نے ہول کر سوچا تھا، تایا جان کا ہاتھ علینہ کے سر پہ ٹھہر گیا تھا۔

"کیا ہوا ہے شاہ بخت!" ان کی آواز میں سرد مہری تھی۔

"کچھ بھی نہیں ہوا تایا ابو! عباس کو غلط فہمی ہوئی ہے وہ تو بس ویسے ہی میں......" شاہ بخت نے بے ربطی سے بولنا شروع کیا مگر بات مکمل نہ کر پایا تھا۔

"ہوں...... غلط فہمی؟ عباس کو کیا غلط فہمی ہوئی ہے؟ عباس تم بتاؤ؟" تایا جان اب کے عباس سے مخاطب ہوئے تھے۔

"میں چاہتا ہوں آپ علینہ سے شروع کریں۔" وہ مضطرب تھا۔

"کیوں؟ تم سے کیوں نہیں؟"

"کیونکہ میں نہیں جانتا میرے آنے سے پہلے کیا ہوا تھا؟" اس کا لہجہ مدھم اشتعال لئے ہوئے تھا۔

"ٹھیک...... علینہ...... مجھے بتاؤ کیا ہوا تھا؟ دیکھو بیٹا روؤ مت، ہم سب تمہارے پاس ہیں، چلو بتاؤ مجھے۔" وہ اس کا سر تھپک رہے تھے، انداز تسلی دینے والا تھا، علینہ کا رونا تھم سا گیا۔

"تایا ابو! میں شاہ بخت کو کافی دینے آئی تھی، میں نے دروازہ بجایا مگر کوئی جواب نہ ملا، مجھے یہی لگا کہ شاہ بخت واش روم میں ہو گا، میں دروازہ کھول کر اندر آ گئی مگر کمرے میں کوئی نہیں تھا، میں آگے آئی تو ٹیرس کا دروازہ کھلا ہوا تھا میں کافی لے کر اِدھر ہی آ گئی۔" اتنا کہہ کر علینہ چپ ہو گئی۔

"پھر کیا ہوا؟" طارق مغل نے بے چینی سے پوچھا، شاہ بخت کے اضطراب میں اضافہ ہو گیا، وہ جانتا تھا کہ وہ کیا بتانے جا رہی تھی اور افشائے راز کا خوف، وہ لب کچل کر رہ گیا، وہ بولنے جا رہی تھی اور وہ اسے روک نہیں سکتا تھا، اقتدار کا وہ تخت جس پہ وہ پچھلے کئی سالوں سے کھڑا تھا اب اس کے پیروں کے نیچے ہل رہا تھا۔

"اس کے بعد کیا ہوا بیٹا؟" تایا جان نے پوچھا۔

"شاہ بخت وہاں کھڑا، سگریٹ پی رہا تھا۔" وہ کہہ رہی تھی۔

شاہ بخت نے لب بھینچ کر اپنے اندر اٹھتے شدید اشتعال پہ قابو پانے کی کوشش کی تھی، وہ جانتا تھا اب تایا جان جو بھی قیامت اٹھائیں گے کم ہو گی، انہیں سگریٹ نوشوں سے شدید نفرت تھی اور اسی وجہ سے ان کا گھرانہ اس لت سے محفوظ تھا مگر اب شاہ بخت کا حشر یقیناً بہت برا ہونے والا تھا، علینہ کے فقرے نے ان پہ جیسے آسمان توڑ ڈالا تھا، وہ بدلے ہوئے رنگ کے ساتھ ششدر سے شاہ بخت کو دیکھتے رہ گئے، وہ نظریں چرا گیا۔

"میں نے کافی کا مگ سائیڈ ٹیبل پہ رکھا اور واپس مڑنے لگی مگر اس نے بازو پکڑ کر روک لیا۔" اس کی سسکیاں تیز ہو گئیں۔

"اس نے مجھے کہا کہ میں اس کی جاسوسیاں کرتی پھرتی ہوں، میں نے اس سے کہا کہ میرا بازو چھوڑ دو ورنہ میں تمہارے منہ پہ تھپڑ ماروں گی اس نے میرے دونوں ہاتھ پیچھے کر کے پکڑ لئے میں نے چھڑانے کی کوشش کی مگر میں کامیاب نہیں ہو سکی، میں نے پیچھے ہٹنا چاہا تو میری چادر...... پیر سے الجھ کر اتر گئی، میں نے اس سے دوبارہ کہا کہ مجھے چھوڑ دو مگر اس نے مجھے ٹیرس سے کمرے کی طرف دھکا دیا جس کی وجہ سے میری شال گر گئی، میں بہت ڈر گئی مجھے بہت رونا آیا تھا اور......" وہ پھر بات روک کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی، تایا جان اس کا سر تھپک رہے تھے اور ان کا چہرہ ضبط کی شدت سے سرخ ہو رہا تھا۔

"تم نے کیا دیکھا عباس؟" انہوں نے علینہ سے مزید کچھ نہیں پوچھا تھا اور عباس سے مخاطب ہوئے تھے۔

"میں اور سبین جاگ رہے تھے، مجھے وہم سا ہوا کہ شاید میں نے علینہ کی آواز سنی ہے مگر اس کا کمرہ تو نیچے تھا اور آواز ٹیرس کی طرف سے آئی تھی میں نے اپنے کمرے کی سلائیڈنگ ونڈو سے پردہ ہٹا کر دیکھا تھا تو شاہ بخت کا ٹیرس خالی تھا میں شاید اپنا وہم جان کر پیچھے ہٹ جاتا مگر مجھے علینہ کے بلند آواز سے بولنے کی آواز آئی، ہاں الفاظ سمجھ نہیں آ سکے تھے، میں سبین کو وہیں چھوڑ کر شاہ بخت کے کمرے کی طرف آ گیا، دروازہ لاک نہیں تھا میں اندر داخل ہوا تو میری عقل ماؤف ہو کر رہ گئی، بہت عجیب منظر دیکھا میں نے، میں نے شاہ بخت کو علینہ کے منہ پر تھپڑ

مارتے دیکھا اور اس نے علینہ کے دونوں ہاتھ موڑ کر جکڑے ہوئے تھے اور اسے دیوار کے ساتھ لگایا ہوا تھا، مجھے دیکھ کر شاہ بخت پیچھے ہٹ گیا، میں نے علینہ کی چادر ڈھونڈ کر اسے اوڑھائی اور اسے لے کر باہر نکلنے لگا، اسی وقت آپ سب لوگ یہاں آگئے۔" عباس بات مکمل کر کے خاموش ہو گیا۔

تایا جان نے عباس کے خاموش ہونے پہ شاہ بخت کو دیکھا۔

"تم کچھ کہنا چاہتے ہو؟" ان کے اندر میں تپش تھی، شاہ بخت نے بمشکل اعصاب پہ قابو پا کے خود کو بولنے پہ آمادہ کیا۔

"مجھے اچھا لگا کہ علینہ نے آپ کی پوری بات ایمانداری سے بتائی ہے، اگر آپ اس کی بات پوری ہونے دیتے تو یقیناً وہ آپ کو یہ بھی بتا دیتی کہ میں نے اسے تھپڑ کیوں مارا تھا، مجھے اس پہ غصہ تھا، بے حد، بے تحاشا اور آپ جانتے ہیں کیوں؟ کیونکہ اس نے مجھے گالی دی تھی اور میں کوئی بزدل مرد نہیں ہوں اور نہ ہی اتنے ٹھنڈے دماغ کا، کہ ایک لڑکی سے گالی سن لوں؟" شاید وہ اپنے سرد اور زہریلے لہجے میں اور بھی کچھ کہتا مگر طارق مغل ایک دم سے اٹھ کر اس کے مقابل آگئے۔

"کس بات پہ غصہ آیا تھا تمہیں؟ گالی دینے پہ، اس سے پہلے بھی تم نے رمشہ پہ ہاتھ اٹھایا تھا تب بھی یہی وجہ تھی ہے ناں شاہ بخت!" وہ غرا کر بولے تھے، شاہ بخت نا سمجھنے والے انداز میں انہیں دیکھتا رہا۔

"بحیثیت مرد تمہیں اس بات کا تو احساس ہے کہ تمہیں گالی دی گئی ہے، تو اس بات کا کیوں نہیں کہ آخر تمہیں ہی کیوں دی گئی ہے؟ وقار، ایاز، عباس کو کیوں نہیں؟" ان کا لہجہ مزید خطرناک ہوا تھا۔

وہ بخوبی محسوس کر سکتا تھا کہ اس کے تخت طاؤس کو اب جھٹکے لگ رہے تھے۔

"چاچو! آپ کیا کر رہے ہیں، پلیز آپ......" وقار اٹھ کر ان کے نزدیک چلے آئے۔

"نہیں وقار! تم بیچ میں مت بولنا۔" ان کا لہجہ اتنا قطعی اور دوٹوک تھا کہ وقار انہیں دیکھ کر رہ گئے۔

"ہاں تو ہاتھ اٹھاؤ مجھ پہ...... مارو مجھے بھی، تم بزدل مرد نہیں ہو ناں؟" طارق ایک بار پھر اس کی طرف متوجہ ہو چکے تھے، انہوں نے شاہ بخت کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر اسے پیچھے کی طرف دھکا دیا، وہ لڑکھڑایا۔

"بابا پلیز۔" وہ احتجاجاً بولا تھا مگر اس سے طارق کو مزید غصہ آیا تھا۔

"لعنت بھیجتا ہوں میں تمہارے باپ ہونے پہ، تمہیں ذرا سی بھی غیرت نہیں آئی اس معصوم پہ ہاتھ اٹھاتے ہوئے، کتنے بڑے انسان ہو تم شاہ بخت!"

"بس کیجئے۔" وہ بلند آواز میں ہاتھ اٹھا کر بولا، طارق کو اس کے انداز نے پاگل سا کر دیا تھا، وہ بے قابو ہو کر آگے بڑھے اور اگلے ہی لمحے دائیں ہاتھ کا بھرپور طمانچہ شاہ بخت کے گال پہ پڑا، نیلم چچی کے منہ سے چیخ نکل گئی۔

"میں بس کر دوں؟ تم کیوں نہیں بس کر دیتے؟ ہمارے صبر اور ضبط کا امتحان لینا بند کر دو شاہ بخت، تمہارے نزدیک بس تم اہم ہو، کسی دوسرے کی عزت ہے نہ اہمیت کیوں؟ تمہاری فرعونیت دن بدن بڑھتی جا رہی ہیں، کیا چاہیے تمہیں؟ ایسی کیا کمی رہ گئی تھی تمہاری تربیت میں جو اس قسم کی حرکتیں کرتے پھرتے ہو، بولو۔"

انہوں نے ایک اور تھپڑ مارا، شاہ بخت کا رنگ اب زرد پڑ رہا تھا، مگر وہ نظریں زمین پہ گاڑے بالکل خاموش تھا۔

"ہاں تم کیسے بولو گے؟ تمہارے پاس تو جواب ہی نہیں ہے مگر میرے پاس ہے، یہ سب اس لئے کر رہے ہو کہ خود تمہاری کوئی بہن نہیں ہے، ہے نا، جبھی اس قدر بے خوف ہوئے پھرتے ہو، ارے نہ سمجھو اس کو بہن، کزن بھی نہ سمجھو مگر اتنا تو سوچ لو کہ وہ بھی کسی کی بیٹی ہے اس بات کی بھی حیا نہیں آئی تمہیں؟"

وقار نے بے حد مضطرب ہو کر پہلو بدلا، کسی قدر مشکل میں تھے وہ، کچھ کر نہیں سکتے تھے، جبکہ نبیلہ بیگم گم صم سی بیٹھی تھیں، کچھ یہی حال تایا جان کا تھا۔

"میرا دل چاہ رہا ہے دوبارہ تمہاری شکل بھی نہ دیکھوں۔" وہ ہانپ سے گئے تھے، بے ساختہ علینہ کے پاس آگئے۔

"علینہ! بچی اس کی طرف سے میں معافی مانگتا ہوں، خدا کے لئے اسے معاف کر دو۔" وہ بے حد رنجیدہ تھے، علینہ تڑپ اٹھی۔

"چاچو پلیز۔" وہ پھر رو پڑی۔

علینہ نے ہتھیلی کی پشت سے آنکھیں رگڑ کر شاہ بخت کو دیکھا اور اس کی نگاہ میں بڑی کاٹ تھی۔

"یہ میرا کچھ نہیں لگتا چاچو، میرا اس کے ساتھ کوئی رشتہ نہیں ہے۔" وہ مضبوط لہجے میں کہہ کے وہاں سے اٹھی اور چادر تھام کر بھاگتی ہوئی باہر نکل گئی، کمرے میں مرگ کی سی خاموشی تھی اور پھر وہ ہاں وہی مغرور شہزادہ "شاہ بخت" کسی معزول شہزادے کی طرح گھٹنوں کے بل زمین پہ گر گیا، اس کے دونوں ہاتھ سر پہ تھے، وقار تڑپ کر اس کی طرف بڑھے تھے۔

"وقار رات بہت کافی ہو گئی ہے، سونے کے لئے چلنا چاہیے۔" تایا جان کی سرد آواز نے انہیں روک دیا، وہ بے بس سے ہو گئے۔

"چلو۔" انہوں نے دروازے کی طرف اشارہ کیا، ایک ایک کر کے سب باہر نکلتے چلے گئے اور پھر دروازہ بند ہو گیا۔

وہ وہیں تھا، گھٹنوں کے بل گرا سر دونوں ہاتھوں سے تھامے، آج انہونی ہوئی تھی، آج کرامت ہوئی تھی، آج وہ ہوا تھا جس کی کسی کو توقع تھی نہ امید۔

آج شاہ بخت مغل کو اس کے تخت طاؤس سے پورے وقار اور شان سے منہ کے بل گرا دیا گیا تھا۔

☆☆☆

"تم سچ کہہ رہے ہو حیدر، حیرت انگیز۔" ممی نے ساری بات سننے کے بعد کہا۔

"ستارا ویسے تو مجھے بھی اچھی لگی ہے مگر اس مسئلے کے بعد مصعب کے لئے فیصلہ واقعی مشکل ہو گا۔" ان کا اشارہ کس طرف تھا وہ فوراً جان گیا۔

"کوئی مشکل نہیں ممی! مصعب کون سا ٹپیکل پاکستانی مرد ہے جسے اس بات سے فرق پڑتا ہو کہ ستارا Divorced ہیں یا Vidow فضول بات ہے، اگر اتنی مکمل زندگی گزارنے کے بعد انہیں اب ستارا پسند آئی ہیں تو مجھے امید ہے کہ یہ پسندیدگی معمولی نوعیت کی نہیں ہو گی اور وہ اس بات سے یقیناً متاثر نہیں ہوں گے۔" حیدر نے کہا۔

"ہوں مجھے بھی ایسا ہی لگتا ہے، بہرحال انتظار کرو کہ مصعب کیا فیصلہ کرتا ہے؟" انہوں نے کہا۔

"پہلے میں نے سوچا تھا کہ انہیں خود کال کر

ہوں، پھر اس خیال کو رد کر دیا، کہ اس کا کیا فائدہ ہو سکتا ہے وہ ڈسٹرب ہوں اور میرا فون انہیں مزید پریشان کر دے، بس جبھی میں خود ان کی کال کا انتظار کر رہا ہوں۔" وہ بولا، وہ سر ہلا کر اٹھ گئیں، وہ چند لمحے بیٹھا کچھ سوچتا رہا۔

"علشبہ ایک کپ چائے تو پلا دو۔" اس نے کچن میں مصروف علشبہ کو آواز لگائی اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا اور اسی شام جب وہ کمپیوٹر پہ بہت مصروف تھا، معصب کی کال آگئی۔

"آپ کیسے ہیں بھائی؟" حیدر نے فوراً کال پک کی تھی۔

"میں ٹھیک ہوں، تم کیسے ہو حیدر؟" معصب نے پوچھا، اس کے لہجے میں کیا تھا حیدر جان نہیں سکا۔

"میں بھی ٹھیک ہوں۔" حیدر نے کہا۔

"کیا کر رہے ہو؟" معصب نے پوچھا۔

"کمپیوٹر پہ بیٹھا ہوں، ویک اینڈ کی واحد مصروفیت۔" وہ مسکرا کر بولا۔

"مصروف تو نہیں ہو؟ میں کچھ دیر تم سے بات کرنا چاہ رہا تھا۔" معصب کا لہجہ مدھم گزارشی تھا۔

"اتنا بھی مصروف نہیں ہوں کہ آپ سے بات ہی نہ کر سکوں۔"

"حیدر! میں بہت الجھن میں ہوں۔"

"میں سمجھ سکتا ہوں مگر مجھے لگا تھا کہ آپ کو اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔" وہ ریفرنس بوجھ گیا تھا جبھی صاف گوئی سے بولا تھا۔

"غلط سمجھے ہو، مجھے پاپا کے ری ایکشن کا ڈر ہے۔" وہ فوراً ٹوک گیا۔

"ماموں اتنے کنزرویٹو نہیں ہو سکتے۔" وہ بے ساختہ بولا۔

"کنزرویٹو؟ نہیں وہ کنزرویٹو نہیں ہیں اور مجھے نہیں لگتا انہیں اس بات سے کوئی فرق پڑے گا۔" معصب نے بھی بے ساختہ کہا۔

"تو کیا آپ کو فرق پڑتا ہے؟" حیدر نے پوچھا، معصب جواباً خاموش ہو گیا اور یہ خاموشی اتنی لمبی ہو گئی کہ حیدر کو پکارنا پڑ گیا۔

"بھائی؟"

"ہوں۔" اس کی ہلکی سی ہوں نے حیدر کو احساس دلایا کہ فون منقطع نہیں ہوا تھا۔

"تو پھر کیا سوچا ہے آپ نے؟" حیدر نے اس بار محتاط انداز میں پوچھا۔

"بہت زیادہ سوچنے کا کیا فائدہ ہوتا مجھے جبکہ کم سوچنے کے بعد بھی نتیجہ وہی نکلنا تھا، آف کورس میں اسے واقعی پارٹنر بنانا چاہتا ہوں اور مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ Divorced ہے مگر پاپا......" وہ روانی سے بولتا رک گیا۔

"کیا آپ کا مطلب ہے ماموں کوئی ایشو کھڑا کریں گے؟ ناممکن وہ اتنے لبرل ہیں، مجھے نہیں لگتا ایسا کچھ کریں گے وہ۔" حیدر نے فوراً اسے رد کر دیا۔

"ہمارا یہ لبرل ازم اور مساوات کی علمبرداری صرف ملک سے باہر تک چلتی ہے حیدر، پاکستان میں داخل ہو کر پاپا صرف سید زادہ صاحب رہ جاتے ہیں۔"

"اوہ آپ کا مطلب ہے ماموں کو کاسٹ پرابلم ہو گا۔" حیدر فوراً بولا۔

"نہیں۔"

"تو پھر۔" حیدر اس بار قدرے جھلایا۔

"تم جانتے ہو پاپا اسٹیٹس کانشس ہیں۔" معصب نے کہا۔

"اوہ تو، تو یہ بات ہے، مگر ستارا کی فیملی ایسی بھی گری پڑی نہیں ہے۔" حیدر کو نامعلوم کیوں برا لگا تھا۔

"میں اپنی بات کب کر رہا ہوں۔" معصب ان کا لہجہ محسوس کر کے فوراً وضاحت دینے لگا۔

"آپ نے ماموں سے بات کی؟"

"نہیں۔"

"تو پھر تو فضول بات ہے، آپ مفروضوں پہ بات کر رہے ہیں، آپ پہلے ان سے ڈسکس تو کر لیں، ان کی رائے لیں، ان کو قائل کرنے کی کوشش کریں اگر وہ نہ مانے تو پھر دیکھیں گے کہ کیا ہو سکتا ہے۔" حیدر نے اس بار قدرے ہلکا پھلکا ہو کر کہا۔

"نہیں میں بات نہیں کروں گا، تم اور پھپھو کرو گے۔" معصب نے اس بار اطمینان سے کہا۔

"میں اور ممی کریں گے لیکن کیوں؟" حیدر حیران ہوا تھا۔

"ہاں پھپھو یہی ظاہر کریں گی کہ ستارا انہیں میرے لئے پسند آئی ہے اور وہ پاپا کو منائیں گی اور تم ذرا ستارا کی دو چار خوبیاں بتا دینا۔" اس نے گائیڈ لائن دی، حیدر ہنس پڑا۔

"اچھا ٹھیک ہے جناب، بات کرتا ہوں میں ممی سے اور آپ کی ساری اسکیم بتاتا ہوں پھر جو بھی ڈیسائڈ ہوا آپ کو بتا دوں گا۔"

"زیادہ غور و فکر والی تو بات ہی نہیں، ہیڈ لائن میں تمہیں دے چکا ہوں، باقی تفصیلات تم اپنی مرضی کی طے کر لو، مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" اس بار معصب ہنسا تھا، حیدر نے مطمئن ہو کر فون بند کر دیا۔

☆☆☆

مرینہ خانم کمرے میں داخل ہوئیں تو وہاں گہرا اندھیرا تھا، انہوں نے لائٹ جلائی تو انہیں عجیب سا احساس ہوا، حیا کمرے میں تاریکی کیے آرام دہ کرسی پہ جھول رہی تھی، اس کی آنکھیں بند تھیں۔

"حیا اتنے اندھیرے میں کیوں بیٹھی ہو بیٹا، تمہیں تو اندھیرا کبھی اچھا نہیں لگا۔" وہ پیار سے بولیں۔

حیا نے آنکھیں کھول کر انہیں دیکھا، اس کی آنکھوں میں بے تحاشا وحشت تھی، مرینہ کو اس سے خوف محسوس ہوا، یہ حیا کی آنکھیں نہیں تھیں، اس کی آنکھیں تو بڑی روشن چمکدار تھیں، جن میں زندگی دھڑکتی تھی، جبکہ یہ آنکھیں وہ نہیں تھیں، یہ تو قبریں تھیں، جن میں موت تھی اور خواب، ارمان، یقین، محبت، وفا، مان اور زندگی کے لاشے دفن تھے، یہ آنکھیں قبرستان تھیں اور اس کو وجود کھنڈر۔

"وہ کہتا تھا دوسروں کی زندگیاں تاریک کرنے والوں کا روشنی پہ کوئی حق نہیں، وہ سچ کہتا تھا۔" اس کے حلق سے سرسراتی آواز نکلی تھی۔

"یہ کیا کہہ رہی ہو حیا؟" وہ الجھ گئیں۔

"روشنی بجھا دیجئے، یہ میری آنکھوں میں چبھتی ہے۔" اس نے پھر سے آنکھیں بند کر لیں۔

"کیا ہو گیا ہے تمہیں، کتنا بدل گئی ہو دیکھو جب سے آئی ہو نہ ڈھنگ سے کھانا کھایا ہے اور نہ کمرے سے نکلتی ہو، تین دن ہو گئے تمہیں آئے ہوئے بیٹا بس کرو، اتنی ضد اچھی نہیں ہوتی، اسید سے کیا جھگڑا ہوا وہ بھی نہیں بتایا، مجھے اس طرح کیوں پریشان کر رہی ہو حیا۔" وہ پیار سے اس کے سر پہ ہاتھ پھیر رہی تھیں۔

"آپ پریشان مت ہوں، بس مجھے اکیلا چھوڑ دیں۔" وہ بدستور اسی طرح بیٹھی رہی۔

"حیا مجھے اس طرح تنگ مت کرو، تمہارے اور اسید کے درمیان جو بھی جھگڑا ہے

اسے یہاں بلا لیتے ہیں پھر مل بیٹھ کر حل کر لینا، اتنی ناراضگی اچھی نہیں ہوتی، شادی ہو گئی تم دونوں کی، کوئی کھیل نہیں گڈے گڑیا کا، سب ٹھیک ہو جائے گا بیٹا چلو اٹھو، آؤ لان میں چلیں دیکھو کتنی پیاری دھوپ نکلی ہے، وہاں بیٹھتے ہیں چائے پیتے ہیں آؤ نا۔" انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھانا چاہا، وہ چند لمحے اپنے ہاتھ کو ان کے ہاتھوں میں دبا دیکھتی رہی، اس کا کمزور، سانولا اور پتلا ہاتھ مرینہ کے سفید خوبصورت اور نرم ہاتھ میں تھا، اس نے آہستگی سے اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ سے نکال لیا۔

"مجھے دھوپ اچھی نہیں لگتی اور چائے پینے کی عادت نہیں رہی۔" وہ کہہ کر اٹھی اور مرینہ کی طرف دیکھے بغیر باتھ روم میں بند ہو گئی۔

مرینہ کے لئے اس کا رویہ بہت صدماتی تھا، وہ کبھی بھی توقع نہیں کر سکتی تھیں کہ حبا ان سے اس طرح پیش آ سکتی تھی اور سب سے بڑھ کر اس کی بدلی بلکہ بگڑی ہوئی عادتیں، وہ گم صم سی رہ گئی تھیں، وہ جانتی تھیں کہ حبا اور اسید کے درمیان یہ کوئی پہلا جھگڑا نہیں تھا وہ اس سے پہلے بھی ہزاروں بار جھگڑا کر چکے تھے جن میں کچھ جھگڑے تو خاصے سنجیدہ قسم کے تھے مگر اس کے باوجود بھی وہ ایک دوسرے سے مکمل لاتعلق نہیں ہو پاتے تھے اور اب تو وہ ایک مضبوط تعلق میں بندھ گئے تھے، کتنی حیرت کی بات تھی کہ اب اسید اس سے یوں لاتعلق ہو چکا تھا، وہ کتنی کمزور ہو گئی تھی، کتنا گر گئی تھی اس کی صحت، وہ بے حد فکرمند تھیں، اس کی کلائی کا زخم اب بہتر تھا مگر حقیقت کیا تھی وہ ابھی تک لاعلم ہی تھیں نہ تو تیمور احمد نے انہیں کچھ بتایا تھا اور نہ ہی حبا کچھ بتانے پہ آمادہ تھی، وہ بھی فی الوقت حبا کو سنبھلنے کا موقع دینا چاہ رہی تھیں، جبھی خاموشی سے اٹھ کر باہر نکل گئیں۔

حبا آئینے کے سامنے کھڑی تھی، آئینہ اسے وہ دکھا رہا تھا جو وہ دیکھنا نہیں چاہتی تھی، اس کا اصل چہرہ تھا وہاں اور کتنا بھیانک تھا، وہ گم صم خود کو دیکھ رہی تھی، وہاں وہ لڑکی تھی جو ٹھکرائی اور روندی ہوئی تھی۔

"تھوکی ہوئی عورت۔" اس نے خود کے لئے ایک بہتر لفظ ڈھونڈا تھا اور اسے اس سے بہتر اور کچھ نہ لگا تھا۔

محسوس کر کے دیکھتے
دل میں اتر کے دیکھتے
تم ساتھ جی کے دیکھتے
تم ساتھ مر کے دیکھتے

نہ یہ جیت ہے نہ یہ ہار ہے
یہ کیسا وصل یار ہے
وصل یا اذیت ہے
وصل یا ندامت ہے
یہ وصل تو رقابت ہے
یہ وصل ہی قیامت ہے
میرا اور وہی میرا پیار ہے
یہ کیسا وصل یار ہے

وہ میکانکی انداز میں منہ پہ پانی کے چھینٹے مارتی گئی، کچھ دیر بعد اس نے چہرہ آئینے میں دوبارہ دیکھا، سب کچھ ویسا ہی تھا، اس کی گڑھوں میں دھنسی آنکھیں اسی طرح خالی اور وحشت ناک تھیں، اس کے ابھرے ہونٹ پہ زخم کا کھرنڈ بھی اتنا ہی بدصورت تھا، اس کے پچکے گال بھی اسی طرح سے موجود تھے، اس کا چہرہ اتنا ہی بھیانک اور بدصورت تھا جتنا کہ اسید اسے بتاتا تھا، یا شاید اس سے بھی زیادہ۔

خود سے نفرت کا پہلا بیج پھوٹا تھا دل میں، اسے اپنی شکل سے نفرت ہوئی تھی، زہر لگا تھا اپنا

آپ خود کو "مجسم بدصورتی" اسے اپنے لئے ایک اور لفظ یاد آیا۔

"ایک وقت آئے گا سب لوگ تم پہ تھوک دیں گے۔" اسید کی زہریلی سرگوشی اس کے گرد لہرائی تھی، اس نے اپنے بال مٹھیوں میں جکڑ لئے۔

"کیوں کی میں نے وجود کی چاہ؟ کیوں میں نے خوبصورتی کو معیار بنا لیا تھا؟" اس نے وحشت کے عالم میں آئینے میں دیکھا۔

"کوئی اور مجھ پہ کیا تھوکے گا اسید، میں خود اپنے آپ پہ تھوکتی ہوں۔" اس نے آئینے پہ تھوک دیا، پھر بے جان سے انداز میں تیز رفتار تھا یا اس کے آنسو، وہ نہیں جانتی تھی۔

"کیوں بنایا مجھے ایسا، کیا قصور تھا میرا، کیوں بدصورتی میرے چہرے پہ مل دی، کیوں میرا ظاہر خوبصورت نہ بنایا تم نے اور اگر مجھے یہ سب نہیں دینا تھا تو شعور کیوں دیا، کیوں احساس کا عذاب میرے سر پہ ڈال دیا، کیوں مجھے بے حس نہیں بنایا، مجھے جاہل کیوں نہ رہنے دیا، کیوں کیا میرے ساتھ ایسا؟ اگر میرا مقدر صرف ذلت و رسوائی ہی تھا تو مجھے عزت کا ذائقہ کیوں چکھایا، مجھے ذلیل ہی پیدا کیا ہوتا؟ اگر میرے خوابوں کی تعبیریں ہمیشہ نامکمل اور تاریک رہنا تھیں تو مجھے خواب دیکھنے والی آنکھیں کیوں نوازیں تم نے؟ مجھے تاروں بھرا آسمان کیوں دیا، جب میری قسمت کے آسمان پہ صرف محرومی اور تاریکی تھی؟ مجھے روشنیوں کا مسافر کیوں بنایا جب میری تقدیر میں اندھیرے تھے؟"

"اللہ!" وہ بلک بلک کر رو رہی تھی۔

"تو میرے ساتھ بات کیوں نہیں کرتا، مجھے میرے سوالوں کے جواب کون دے گا؟"

"وہ" جو مساوات کا علمبردار بنا پھرتا تھا، مجھے غلیظ گالیاں دیتا ہے، مجھے نجس اور ناپاک کہتا ہے، مجھ سے نفرت کرتا ہے، میں بے بس ہوں، نہ اسے مجھ پہ رحم آتا ہے نہ تجھے، کیونکہ تو بھی تو خاموشی سے سب میرے ساتھ ہوتا دیکھتا رہا، وہ مجھے بے جان کٹھ پتلی سمجھ کے توڑتا موڑتا رہا، مجھے گالیاں دیتا تھا، مجھے بدترین تشدد کا نشانہ بناتا رہا اور تو..... تو نے اس کے دل میں میرے لئے رحم نہیں ڈالا کیوں؟ ذرا سا تو ترس کھا لیتا مجھ پہ، مجھے جواب چاہیے، ورنہ میں بھی اس کی بات پہ یقین کر لوں گی، وہ کہتا ہے تو مجھ سے نفرت کرتا ہے، میں ماننے پہ مجبور ہو جاؤں گی۔" وہ تڑپ رہی تھی، جواب ایک گہری خاموشی کے سوا کچھ نہ تھا۔

☆☆☆

تین دن گزر چکے تھے، کل ہی سبین اور عباس کراچی روانہ ہو گئے تھے اور باوجود شدید خواہش کے عباس کو اس معاملے میں خاصی تکلیف کا سامنا کرنا پڑا تھا کیونکہ شاہ بخت اس سے ملا نہیں تھا، وہ اس کے نمبر پہ کالز کرتا رہا مگر وہ مسلسل آف جا رہا تھا، آفس سے بھی وہ غائب تھا، وہ بہت بجھے دل کے ساتھ جانے سے پہلے گھر میں پھرتا رہا، مگر ایک اور حیرت انگیز واقعہ ہوا تھا۔

وہ اور سبین رات کو سونے کے لئے کمرے میں آئے تو دروازہ پہ دستک ہوئی، عباس اٹھ کر آیا اور دروازہ کھول دیا، اگلے ہی لمحے اسے چونکنا پڑا، وہاں ایاز کھڑا تھا، عباس کے چہرے پہ کبیدگی آ گئی، اس نے فوراً دروازہ بند کرنا چاہا مگر ایاز نے اپنا پیر رکھ دیا۔

"بات کرنی ہے تم سے۔" ایاز نے کہا۔

"مگر مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی۔" اس نے دوٹوک کہا، اس کے لہجے نے ایاز کو ٹھٹکایا، وہ

اسے کس طرح مخاطب کر رہا تھا۔

''تمیز سے بات کرو اور تمہیں میری بات سننا ہوگی۔'' ایاز نے اس کا کندھا تھاما، انداز خشونت بھرا تھا۔

عباس جواب دینے کی بجائے اسے گھورتا رہا، چند لمحے دونوں ایک دوسرے کو نظروں میں تولتے رہے پھر عباس نے ایک طویل سانس لے کر دروازے کا ہینڈل چھوڑا اور ایک طرف ہٹ گیا، ایاز اندر آ گیا اور اپنے پیچھے دروازہ بند کر دیا، بیڈ پہ بیٹھی سبین کے تاثرات بھی خاصے بگڑ گئے تھے، وہ تیزی سے ٹانگیں بیڈ سے نیچے لٹکا کر اٹھی اور قریب تھا کہ وہ کمرے سے نکل جاتی جب ایاز کی آواز نے اسے روکا۔

''ایک منٹ سبین، کدھر جا رہی ہو تم؟ مجھے تم دونوں سے بات کرنی ہے ادھر ہی رکو۔'' اس کے لہجے میں کچھ ایسا تھا جس نے سبین کے بڑھتے قدم تھما دیئے تھے، اس نے الجھن بھری نظروں سے عباس کو دیکھا تھا، وہ بھی ایاز کو ہی دیکھ رہا تھا۔

''بیٹھ جاؤ۔'' ایاز نے خاصے تحکمانہ لہجے میں کہا، عباس چند لمحوں کے توقف کے بعد بیڈ کے کونے پہ ٹک گیا، جبکہ وہ اسی طرح کھڑی رہی۔

''سبین بیٹھ جاؤ۔'' اس بار ایاز کا لہجہ نسبتاً دھیما تھا۔

سبین نے نچلا لب دانتوں تلے دبا کر عباس کو دیکھا جو اس کی طرف متوجہ نہیں تھا پھر نا چاہتے ہوئے بھی بیٹھ گئی۔

''تم مجھ سے کس بات پہ ناراض ہو عباس؟'' ایاز نے پوچھا، عباس کے ماتھے پہ شکن آ گئی اس نے کرخت تاثرات سے انہیں گھورا۔

''آپ جانتے ہیں۔'' اس بار اس کا انداز تخاطب قدرے سنبھلا ہوا تھا۔

''نہیں میں نہیں جانتا، تم مجھے بتاؤ۔'' اس نے چیلنجنگ انداز میں کہا۔

''آپ کو لگتا ہے سبین کا معاملہ اتنا چھوٹا تھا کہ میں اسے بھلا دوں؟'' عباس پھٹ پڑا، ایاز نے سمجھنے والے انداز میں سر ہلایا تھا۔

''رشتوں کے ساتھ انصاف کرنا سیکھو عباس، تم مجھ سے اس لئے قطع تعلق کیے ہوئے ہو کیونکہ میں نے اسے چھوڑ دیا، اگر میں اسے ساتھ رکھتا، تو تب تم خوش رہتے مگر ہم دونوں کا کیا، میں اس سے جھگڑتا، اسے برا بھلا کہتا، اسکے ساتھ بدتر سلوک کرتا تو کیا تب بھی تم خوش رہتے، نہیں بالکل نہیں، تم مجھے ایک برا انسان سمجھتے اور میری شکل بھی دیکھنا پسند نہ کرتے اور فرض کرو میں اس سے شادی کر کے نیویارک سے واپس ہی نہ آتا، تب تم کیا کر لیتے؟ حقیقت پسند بن کر سوچو عباس ہر شخص کی زندگی میں اس کی اپنی ترجیحات ہوتی ہیں اپنی ویلیوز اور Norms ہوتی ہیں اور کم از کم میرے جیسا آدمی ایک ان چاہے رشتے کو نبھا نہیں سکتا تھا، بجائے اس کے کہ میں ساری عمر کا روگ اسے لگاتا میں نے اسے چھوڑ دیا، ایک بہتر فیصلہ کیا۔'' وہ مسلسل بول رہا تھا عباس خاموشی سے اسے دیکھتا رہا، ہمیشہ کی طرح وہ ہر بات کا جواب ہر دلیل اپنی جیب میں لئے ہوئے پھر رہا تھا۔

''مجھ سے تمہاری ناراضی میرے لئے بہت حیران کن ہے اور کسی حد تک احمقانہ بھی، ایک بات یاد رکھو عباس، میں صرف اپنے ماں باپ اور سبین کو جواب دہ ہوں تمہیں نہیں، تم مجھ سے کس بنا پر ناراض ہو، میں تمہیں یہ نہیں کہہ رہا کہ تم خود کو میری جگہ پہ رکھ کر سوچو، کیونکہ ایسا ممکن ہی نہیں ہم دونوں کے مزاجوں میں زمین آسمان کا فرق ہے، تم میں لچک ہے مجھ میں نہیں ہے، تم زندگی کو کمپرومائز کر کے گزار سکتے ہو، میں نہیں اور ویسے بھی زندگی ہر شخص کے احساسات کا مختلف تجربہ ہے، ایک ہی چیز کے بارے میں سو لوگوں کی رائے لو گے تو وہ ایک دوسرے سے قطعاً مختلف ہوگی، ورنہ پوچھ تو تم سے میں بھی یہ سکتا ہوں کہ آخر تم نے سبین سے شادی کیوں کی، لیکن میں پوچھوں گا نہیں، تم دونوں خوش ہو میرے لئے کافی ہے مجھے سوال کرنے کی عادت نہیں، نہ ہی میں ہمیشہ کے لئے یہاں رہنے آیا ہوں اور نہ ہی تم لوگوں کی زندگی میں دخل اندازی کرنے، چند دن مزید یہاں ہوں پھر چلا جاؤں گا مگر تمہاری ناراضگی میرے لئے تکلیف دہ ہے عباس، تم میرے بھائی ہو، مجھے غلط سمجھتے ہو تو ضرور سمجھو مگر اپنے اندر اتنا حوصلہ بھی پیدا کرو کہ کسی دوسرے کا نظریہ جان سکو، امید ہے بات تمہاری سمجھ میں آ گئی ہوگی، مختصراً اتنا جان لو کہ میں سبین کو تکلیف نہیں دینا چاہتا تھا، جبھی اسے سہولت سے آزاد کر دیا اور اس کا حق مجھے میرا مذہب دیتا ہے، تم خدائی فوجدار مت بنو چلتا ہوں۔'' وہ اٹھ کھڑا ہوا، عباس لاجواب ہو گیا تھا، وہ دونوں بھی کھڑے ہو گئے، عباس خاموش رہا تھا مگر سبین نہیں۔

''آپ واقعی بہت انصاف پسند اور اعلیٰ سوچ کے حامل ہیں ایاز، آپ کا بہت بہت شکریہ کہ آپ نے میرے لئے اتنا بولڈ اسٹیپ لیا۔'' سبین کا لہجہ مستحکم تھا، عباس اور ایاز نے بیک وقت چونک کر اسے دیکھا۔

''خوشی ہوئی کہ تم نے میری بات سمجھ لی۔'' ایاز نے کہا اور عباس کے قریب آ گیا۔

''زندگی کو فیئر اینڈ سوکیئر طریقے سے گزارنا سیکھو عباس، ایک رشتے کو لے کر اتنا ٹچی اور پوزیسو ہو جانا کہ باقی سارے لوگ نظر انداز ہو جائیں کچھ ٹھیک نہیں ہے، ہم پر صرف ہمارا اپنا نہیں، دوسروں کا بھی حق ہوتا ہے میرے بھائی۔'' ایاز نے گہرے لہجے میں کہا، عباس چند لمحے خاموش رہا، پھر پیش قدمی کر کے آگے بڑھا اور ایاز کے کندھوں پہ ہاتھ رکھ کر دھیمے سے بولا تھا۔

''آئم سوری بھائی۔'' وہ بے حد شرمندہ تھا، ایاز نے اسے ساتھ لگا لیا۔

''اٹس اوکے یار، ایک غلط فہمی تھی دور ہو گئی بات ختم۔'' ایاز نے اس کا کندھا تھپکا۔

''اوکے اب تم لوگ آرام کرو۔'' وہ باہر نکل گیا، سبین اور عباس کے درمیان اس موضوع پر کوئی بات نہ ہوئی تھی اور اگلی صبح وہ کراچی روانہ ہو گئے مگر عباس کے لئے اس بات کی تکلیف کم نہیں تھی کہ کہاں تو شاہ بخت اس سے اتنا ناراض ہوا تھا کہ وہ کراچی جا رہا ہے اور کہاں وہ اس کو شکل دکھانے کا روادار بھی نہ تھا، اسے ملے بغیر کراچی آنے کا عباس کو بے حد قلق تھا۔

☆☆☆

''اگر آپ مجھے کچھ نہیں بتائیں گے تو مجھے کیسے پتا چلے گا تیمور، آخر ہوا کیا ہے، حبا بھی چپ سادھے بیٹھی ہے، مجھے بتائیں میں کیا کروں، آخر آپ اسید کو کیوں نہیں بلاتے آپ تو اس سے مل کر آئے ہیں اسے بلائیں یہاں پر، ہم اس سے بات تو کریں، مسئلہ حل کرنے سے ہی ختم ہوگا، ایسے تو نہیں ہوگا۔'' مرینہ آج کافی دنوں کے انتظار کے بعد آخر بولنے پہ مجبور ہو گئیں کہ وہ دونوں باپ بیٹی تو چپ کا روزہ رکھ بیٹھے تھے اور کچھ بتانے پہ آمادہ نہ تھے۔

''وہ کہیں نہیں جائے گی نہ ہی اسے کوئی لینے آئے گا، آپ یوں سمجھیں کہ وہ کہیں گئی ہی نہیں تھی۔'' تیمور احمد نے مختصری بات کر کے

موضوع ہی ختم کر دیا، مرینہ نے دہل کر انہیں دیکھا۔

"کیا مطلب ہے آپ کا؟ اس کی شادی ہو چکی ہے تیمور۔" انہوں نے جیسے یاد دلایا۔

"بھول جائیں اسے۔" وہ بے نیازی سے بولے۔

"کیا مطلب بھول جاؤں؟ کیسے بھول جاؤں؟ نکاح ہوا ہے دونوں کا۔" وہ بوکھلا گئیں۔

"میں نے کہا نہ بھول جائیں کہ ان چار مہینوں میں کچھ ہوا تھا، وہ اب یہیں رہے گی۔" وہ اس بار سختی سے بولے، مرینہ کے اندر کوئی بھاری درد آلود شے کلبلائی تھی۔

"تو گویا بس میرے بیٹے کو نکالنا مقصود تھا۔" انہوں نے گہری اذیت سے سوچا تھا، پھر خاموشی سے وہاں سے اٹھ گئیں۔

اگلی صبح انہوں نے حیا کو دیکھا جو کہ اپنے کمرے کی کھڑکی میں کھڑی تھی۔

"حیا!" انہوں نے پکارا۔

"جی!" وہ مڑے بغیر بولی تھی۔

"تیمور بتا رہے تھے کہ اب تم یہیں رہ گی، واپس نہیں جاؤ گی، وہ چاہ رہے ہیں تم دوبارہ سے کالج جوائن کر لو۔ بات کی ہے انہوں نے تمہارے پرنسپل صاحب سے، وہ پر یقین ہیں کہ تم کور کر لو گی، تم اپنا مائنڈ میک اپ کر لو، پرسوں سے تمہیں کالج جانا ہے، میں کل ملازمہ کو بھجوا دوں گی وہ تمہارے ساتھ مل کر تمہاری چیزیں تیار کروا دے گی۔" وہ مختصر اور بے تاثر لہجے میں بات مکمل کرنے کے بعد اس کے تاثرات اور جواب جانے بغیر باہر نکل گئیں۔

"کالج؟" اس کے اندر پھیلی ویرانی اور سناٹے میں یہ لفظ ایک کراہ کی صورت گونجا تھا، اذیت سے اس کا رواں رواں جکڑا گیا، وہ بے دم سی ہو کر کھڑکی کے پٹ سے لگ گئی، اس کی بے خواب آنکھوں میں آنسو جمع ہونے لگے اور درازوں سے بھرا دل کسی آندھی کی زد میں آ کر ہچکولے کھانے لگا۔

"کیا اب بھی کوئی خواب میرا رستہ دیکھ رہا ہے؟" پھر وہ میکانکی انداز میں نفی میں سر ہلانے لگی تھی، الٹے ہاتھ سے آنکھیں صاف کیں تو ہاتھ کی پشت بھیگ گئی۔

"مجھ جیسے لوگ جو دوسروں کی آنکھوں کو بے خواب کر دیں، انہیں خواب دیکھنے کا کوئی حق نہیں۔" اس نے خود کلامی کی تھی۔

"مجھے کوئی حق نہیں پہنچتا میں اپنے لئے کوئی خواب دیکھوں، دوسروں کی راہ کھوٹی کر کے میں کیسے منزل پہ جا سکتی ہوں، مجھے کوئی اختیار نہیں میں زندگی میں کچھ حاصل کر سکوں اور ویسے بھی میں کتنی بھی ڈگریاں حاصل کر لوں، رہوں گی تو ایسی ہی نا، بدصورت اور بد کردار۔" وہ نفرت سے بڑبڑا رہی تھی، اس کی منفی سوچ پہلے سے زیادہ خطرناک ہو رہی تھی، اس کے سر میں شدید درد ہو رہا تھا، اس نے سر دونوں ہاتھوں میں تھاما اور کھڑے قد سے لہرا کر نیچے گری تھی اور پھر کالج جانے کی نوبت ہی نہ آئی تھی۔

اسی دوپہر جبکہ وہ دو گھنٹوں کی بے ہوشی کے بعد ہوش میں آئی تو ڈاکٹر ثمرین نے مرینہ کو بتایا تھا۔

"Marina! you are going to be grand mother۔"

☆☆☆

اس نے ویٹرز کو ڈشز ٹیبل پہ سجاتے دیکھ کر حیرت سے سوچا تھا کہ اس نے کل رات سے کھانا نہیں کھایا تھا، ورنہ ایسا کبھی نہیں ہوا تھا۔

اس نے کھانا شروع کیا تھا، موبائل اس نے اپنے سامنے میز پہ رکھ لیا تھا، اس کا ذہن پھر سے ثمر کی طرف الجھا تھا، اس نے تیزی سے سر جھٹکا تھا، محبت، اعتماد، یقین، مان، ایک پل میں سب کچھ بھک سے اڑ گیا تھا، اس کے اندر تلخی اتری تھی اس نے چمچ پلیٹ میں رکھتے ہوئے پانی کا گلاس اٹھا لیا، ایک گھونٹ لیتے ہوئے اس نے ادھر اُدھر نظر دوڑائی اور یکلخت ٹھٹک گیا اسے وہم ہوا اس نے گلاس ایک طرف رکھ کر دوبارہ دیکھا، دائیں طرف کے آخری میز پہ بیٹھا وہ شخص بلاشبہ وہی تھا، اس کے ساتھ ایک اور شخص بھی موجود تھا جس کی اس کی طرف پشت تھی۔

"طلال بن مصعب۔" اس نے حیرت سے آنکھیں لئے دوبارہ اسے دیکھا۔

"یہ پاکستان کب آیا؟ اور اس نے مجھے بتایا کیوں نہیں؟" اس نے سوچا، وہ دونوں بھی کھانا کھا رہے تھے اور ساتھ ساتھ باتیں کر رہے تھے۔ اس نے کچھ سوچ کر سامنے پڑا موبائل اٹھایا اور اس کا نمبر ملایا، بیل جا رہی تھی اس نے نظر مصعب پہ جماتے ہوئے دیکھا، وہ یکدم چونکا تھا پھر اس نے اپنی جیب سے موبائل نکال کر دیکھا اور پھر کچھ مزید حیران ہوا تھا، مگر پھر اس نے یکدم کال ڈسکنکٹ کر دی اور موبائل لاپرواہی سے اپنے سامنے ٹیبل پہ ڈال دیا، شاہ بخت کو جھٹکا لگا تھا، اس کو یقین نہیں آیا تھا طلال بن مصعب نے اس کی کال کاٹ دی تھی، وہ بے یقین تھا، ایسا کیسے ہو سکتا تھا؟ آخر ساری دنیا یکدم اس کے خلاف کیوں ہو گئی تھی، اس نے کان کے ساتھ لگے فون میں سے آتی آواز کو حیرت اور بے چینی سے سنا جو کہہ رہی تھی کہ اس کا مطلوبہ نمبر بند ہے، طلال بن مصعب نے صرف کال ہی نہیں رد کی تھی بلکہ موبائل ہی بند کر دیا تھا کہ وہ دوبارہ کال ہی نہ کر سکے۔ اس نے ڈھیلے ہاتھوں سے موبائل کان سے ہٹا لیا، ایک لمحے کو تو اس کا دل چاہا کہ وہ سیدھا اٹھ کر جائے اور طلال بن مصعب کے منہ پر ایک تھپڑ دے مارے، مگر اگلے ہی پل وہ اس سوچ پر خفیف سا ہو کر رہ گیا اگر اس باپ کے ہاتھوں تھپڑ پڑے تھے تو یقیناً اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ اپنا بدلہ اور جلن یوں دوسروں پہ نکالتا پھرے، اسے اپنی سوچ پہ افسوس ہوا، اس نے سامنے دوبارہ دیکھا، طلال اب اس شخص کے دونوں ہاتھ تھامے کچھ کہہ رہا تھا اور اس کے چہرے کے تاثرات بڑے عاجزانہ اور منت بھرے تھے جیسے وہ کسی بھی قیمت پہ اپنی بات منوا لینا چاہتا ہو، خواہ عاجز ہو کر، جھک کر ہی سہی، شاہ بخت نے بے زاری اور خفگی سے سر جھٹکا۔ وہ دوسرا شخص کون تھا؟ وہ کوشش کے باوجود بھی دیکھ نہ سکا، سامنے پڑے کھانے میں اس کی دلچسپی ایکدم ختم ہو چکی تھی، اس نے بل ادا کیا اور باہر نکل آیا۔

ڈرائیو کرتے ہوئے اس نے ٹیپ آن کر دیا، گاڑی میں بلند آواز سے جسٹن بابر کا فاسٹ نمبر گونجنے لگا، اس کی پریشانی اور مایوسی قدرے بڑھی تھی اور گاڑی اس کے قابو سے باہر ہو کر ایک موٹر سائیکل سوار کو کچل گئی، اسے ہوش تو تب آیا جب اس نے پولیس کو اپنے سر پہ کھڑے پایا، وہ حواس باختہ ہو گیا تھا، یہ ایک اور اتفاق تھا کہ اس وقت اس روڈ پہ پولیس کا ناکا موجود تھا اور چند بڑے افسران بھی نظر آ رہے تھے، دو منٹ کے اندر اندر اس کی گاڑی کو پولیس فورس نے گھیر لیا، ایک نے زور دار آواز کے ساتھ گاڑی کا فرنٹ ڈور کھولا تھا۔

"باہر نکلو۔" اس کی کرختگی سے کہے گئے جملے کے ساتھ ہی اسے کالر سے گھسیٹ کر باہر نکال لیا گیا، سڑک پہ بے حد افراتفری کا عالم تھا،

ساری ٹریفک رکی ہوئی تھی، گاڑیوں اور موٹر سائیکل سواروں کے ہارن چیخ رہے تھے اور اسی شور میں دل دہلا دینے والی آواز کا ہوٹر بجاتی ایمبولینس بمشکل اس رش میں جگہ بناتی آن پہنچی تھی، سڑک کے اس حصے میں زخمی شخص پڑا تھا اس کی موٹر سائیکل کو اس سے الگ کر دیا گیا تھا اس کی فائل ایک طرف پڑی تھی اور اس میں سے صفحات نکل کر اِدھر اُدھر بکھر چکے تھے اس زخمی کے گرد پولیس کا گھیرا تھا اور ایمبولینس کی آمد کے بعد وہ اسے اٹھا کر ایمبولینس میں منتقل کر رہے تھے، وہ بے چارہ بری طرح زخمی تھا اور اس کا خون تیزی سے بہہ رہا تھا۔

پولیس فورس نے اسے گھیرے میں ہی نہیں لیا تھا بلکہ سختی سے جکڑ بھی لیا تھا، وہ اتنا حیران اور خوفزدہ تھا کہ کچھ بول نہیں پا رہا تھا، اسی وقت اس نے ایک شخص کو آگے بڑھتے دیکھا اور پھر ارد گرد کھڑے جوانوں کو محتاط ہوتے دیکھا، شاہ بخت نے اس پہ نظر جما کے اسے دیکھا، وہ فل یونیفارم میں تھا اور اس کے سینے پہ سجے پھول اور بیج سے اس کے رینک کا اندازہ کیا جا سکتا تھا، شاہ بخت نے اس کا نام پڑھا، پھر عہدہ اور پھر اسے اپنا خون خشک ہوتا محسوس ہوا تھا۔

''وہ ایس پی تھا۔''

اور اس کے باوجود کہ وہ ایک بڑا ہینڈسم بندہ تھا اس کے تاثرات قطعاً دوستانہ نہیں تھے اس کے بھورے اور سنہرے مائل سلکی بال غالباً پیچھے کو بنائے گئے تھے مگر وہ بہت ملائم ہونے کی وجہ سے پھسل کر اس کے ماتھے پہ آ گئے تھے، اس کی آنکھیں بہت چمکدار اور روشن تھیں اور اس کا رنگ بڑا کھلا اور سفید تھا۔

مگر اس کے ہونٹ بھینچے ہوئے تھے اور آنکھوں میں خشونت و سفاکیت تھی، اس نے نزدیک آ کر شاہ بخت کی آنکھوں میں جھانکا۔

''تم امیر زادوں کا یہ بڑا مسئلہ ہے، سڑک کو باپ کا باغ سمجھ کر گاڑی چلاتے ہو۔'' اس کی آواز کسی پھنکار سے مشابہ تھی، شاہ بخت کا رنگ سرخ پڑ گیا۔

''آفیسر! میری بات سنیں...... میں......''
اس نے تیز آواز میں کچھ کہنا چاہا۔

''کیا دھمکی دینا چاہتے ہو؟'' ایس پی نے اس کی بات کاٹی تھی، اس کی بات پہ شاہ بخت کو فوراً ایک خیال سوجھا تھا۔

''میں دھمکی نہیں دینا چاہتا، میں بس اپنے بھائی سے بات کرنا چاہتا ہوں۔'' شاہ بخت نے نہایت تحمل کا مظاہرہ کیا تھا۔

''کیوں تمہارا بھائی کیا گینگسٹر ہے، ڈان ہے یا پھر...... وزیراعظم کا سالا۔'' وہ حقارت سے بولا تھا، انداز تمسخر اڑانے والا تھا، پولیس کے جوانوں میں دبی دبی ہنسی پھیلی تھی۔

''دیکھیں آفیسر! میں نے جان بوجھ کر نہیں کیا یہ سب، میں اپنے ہوش میں نہیں تھا۔'' وہ صفائی دینے والے انداز میں بولا تھا۔

''اوہ۔'' ایس پی نے ایک معنی خیز اوہ کی تھی۔

''ایک تو غلط موڑ کاٹا، دوسرا ایک جوان آدمی کو موٹر سائیکل سمیت کچل ڈالا اب کہتے ہو ہوش میں نہیں تھا۔'' ایس پی نے تفہیمی انداز میں سر ہلایا تھا۔

''اس کا مطلب تم......'' یکلخت ایس پی نے اس کا کالر تھاما اور اسے زور سے جکڑ کر سرسراتے لہجے میں پوچھا تھا۔

''Have you drunk?'' شاہ بخت چیخ پڑا تھا۔

''زبان سنبھال کر بات کرو، سب کو اپنے جیسا سمجھتے ہو، بے غیرت اور گھٹیا، مجھے جانتے نہیں ہو تم، میں کیا طوفان کھڑا کر سکتا ہوں تمہیں اندازہ ہی نہیں ہے، میں میڈیا کا آدمی ہوں آفیسر، مجھ سے الجھ کر تم اچھا نہیں کر رہے ہو۔'' شاہ بخت نے وہی کیا تھا جو کوئی بھی لوز ٹمپر اور بے وقوف شخص کر سکتا تھا، اس نے بلاسوچے سمجھے بلند آواز میں بیسیوں پولیس کے آدمیوں کے درمیان ایک خاصے معزز اور اعلیٰ عہدے دار کو دھمکیاں دے ڈالی تھیں۔

وہ ایس پی چند لمحے تو گنگ سا کھڑا رہا پھر اس نے تیزی سے خود کو سنبھالا تھا، اس کا رنگ بدل گیا تھا۔

''اس کی تلاشی لو۔'' اس نے سرد مہری سے حکم جاری کیا، فوراً ہی ایک آدمی آگے بڑھا اور بڑی مہارت سے اس کی تلاشی لینے لگا، چند منٹ کے بعد اس نے شاہ بخت کا موبائل، گلاسز اور سیل فون اپنے قبضے میں لے لئے پھر اس نے والٹ کھول کر شناختی کارڈ نکال لیا۔

''شاہ بخت ولد طارق مغل۔'' آدمی نے بلند آواز میں پڑھا۔

''ہوں...... لے چلو اسے، ذرا آج دیکھیں تو سہی کہ اس شاہ بخت کی گمشدگی کیسے ہمارے قدموں کے نیچے سے زمین سرکاتی ہے، آخر یہ میڈیا کا آدمی ہے، کمشنر اور آئی جی صاحب تو ہمیں لائن حاضر کر دیں گے۔'' ایس پی نے اپنی بات کے اختتام پر ایک زہریلا قہقہہ لگایا تھا۔

''چلو۔'' دو تین آدمیوں نے اسے زبردستی دھکیل کر پولیس موبائل میں پھینکا تھا۔

''مجھے بات کرنے دو آفیسر تم یہ غلط کر رہے ہو، مجھے اپنے گھر والوں کو انفارم کرنے دو، تم ایسا نہیں کر سکتے۔'' وہ چیخ رہا تھا مگر وہاں کسی کو پرواہ نہیں تھی، وہ سب ایسی التجاؤں کے عادی تھے، چند منٹ کے سفر کے بعد وہ اسے پولیس اسٹیشن لئے گئے تھے، وہاں اسے الگ تھلگ کمرے میں بند کر کے وہ واپس چلے گئے، وہ پاگلوں کی طرح انہیں پکارتا رہ گیا، اس کا خوف و پریشانی سے برا حال تھا وہ جانتا تھا وہ اس سے بدسے بدتر سلوک کرنے والے تھے، اس کا واسطہ کبھی اس قسم کی سچویشن سے پڑا ہی نہ تھا ورنہ ہینڈل کر لیتا، مگر جس قسم کا ان کا رویہ تھا یہ بات بعید از مکان ہی دکھائی دیتی تھی اور مستزاد اسے وقار کی بیساکھیوں کی عادت پڑی ہوئی تھی، ہر معاملے میں ہمیشہ وہ ہی اس کے آگے کھڑے ہوتے تھے، کسی گھنے مہربان بادل کی طرح مگر اب ایکدم اسے اپنے سر پہ کڑی دھوپ کا چبھتا ہوا تلخ سایہ محسوس ہو رہا تھا۔

آخر دو گھنٹوں کے جان لیوا انتظار کے بعد دروازہ کھلا اور ایس پی صاحب کے ساتھ دو پولیس فورس کے آدمی اندر آ گئے، انہوں نے عقابی نظروں سے کمرے کا جائزہ لیا اور پھر اس کے دائیں بائیں منکر نکیر کی مانند آ کر کھڑے ہو گئے، اس نے دیکھا وہ ایس پی ایک کرسی گھسیٹ کر بیٹھ چکا تھا۔

''شاہ بخت مغل، پروفیشنل ماڈل ہو، خاندانی بزنس کر رہے ہو، تعلیم ایم بی اے، ہائٹ چھ فٹ تین انچ، اکلوتے رہ گئے ہو کیونکہ حال ہی میں تمہارے بھائی کی ڈیڈ باڈی پاکستان آئی تھی، ریکارڈ تو صاف نظر آ رہا ہے، کوئی گرل فرینڈ بھی نہیں ہے، حیرت انگیز لگتا ہے، مگر ایسا ہی ہے، ہاں مگر......'' وہ جیسے نیوز بلیٹن پڑھ رہا تھا، سپاٹ بے تاثر انداز میں، پھر وہ خاموش ہوا اور شاہ بخت کا موبائل سامنے کر لیا اور اس کے ٹچ اسکرین پہ انگلی پھیرنے لگا، پھر وہ رک گیا جیسے اپنی مطلوبہ چیز مل گئی ہو، اس نے موبائل شاہ بخت

کی آنکھوں کے سامنے لہرایا۔

"یہ پرنسز علینہ کون ہے؟" وہ بڑے استہزائیہ انداز میں پوچھ رہا تھا، شاہ بخت نے خون کے گھونٹ پی کر اسے دیکھا تھا، اسکرین پہ علینہ کی تصویر ساکن تھی۔

دونوں ہاتھ سینے پہ باندھے اپنے خوبصورت انداز اور بے نیازی سے کرسی پہ کسی شہزادی کی طرح براجمان تھی، یہ خوبصورت تصویر شاہ بخت نے اس کی بے خبری میں لی تھی اور پھر ہمیشہ کے لئے محفوظ کرلی تھی، ایک دن بڑے موڈ میں بیٹھے ہوئے اس نے اس Pic کو ٹائٹل کر دیا تھا۔

"Princess Alina!" پھر خود ہی کافی دیر ہنستا رہا تھا، مگر جانے کیا سوچ کر اس نے اسے ڈیلیٹ نہیں کیا تھا اور اس وقت اس کی ایک پل کی بے اختیاری، بے بسی اس کے سامنے تھی۔

"تمہیں دوسروں کے ذاتیات میں دخل اندازی کا کوئی حق نہیں آفیسر۔" وہ بلند آواز میں بولا تھا۔

اس نے ترچھی نظروں سے بخت کو گھورا اور پھر طنزیہ انداز میں سر جھکا کر موبائل پہ کچھ اور کھولنے والا تھا کہ شاہ بخت نے طیش کے عالم میں جھپٹا مارا اور اس سے بھی زیادہ مستعد اور چوکنا پولیس فورس نے فوراً اسے سنبھال لیا تھا، موبائل ایس پی کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گر پڑا تھا اور اس کی ٹچ اسکرین پہ دراڑیں یوں پڑ گئیں تھیں جیسے مکڑی کا جالا اور یہ دراڑیں علینہ کے خوبصورت چہرے پہ پھیلی ہوئی اسے بدصورت بنا رہی تھیں، ایس پی نے خونی نظروں سے اسے دیکھا، فون اس نے وہیں گرا رہنے دیا اور اٹھ کر اس کے مقابل آ گیا۔

شاہ بخت کو اگر دونوں بازوؤں سے جکڑا نہ گیا ہوتا تو یقیناً اب تک وہ نتائج سے بے پرواہ ہو کر اس پر ٹوٹ پڑتا۔

"میرا فون مجھے واپس کرو، یو باسٹرڈ۔" آخر شاہ بخت کے ضبط کی حد ٹوٹ گئی تھی وہ بلند آواز میں چلا چلا کر اس کو گالیاں دینے لگا، خوف و وحشت اور بے بسی کے احساس نے اسے سارے بدتر نتیجوں سے بے پرواہ کر دیا تھا، مگر اگلا لمحہ اس پہ بہت بھاری پڑا تھا، ایس پی کا ہاتھ برق کی مانند گھوما اور شاہ بخت کے دائیں گال پہ پڑا تھا۔

"بہت بدتمیز ہو تم، اتنی گندی زبان تو مجھے استعمال کرنی چاہیے، پولیس والا ہوں مجھ پہ تو سوٹ بھی کرے گی مگر تم، غرور کس بات کا ہے پیسے کا یا اس شکل و صورت کا۔" وہ بہت خراب لہجے میں کہہ رہا تھا، آنکھوں سے جیسے شرارے پھوٹ رہے تھے۔

"اسے سکھاؤ کہ بات کس طرح کی جاتی ہے اور یہ کہ گاڑی کس طرح چلائی جاتی ہے۔" وہ بہت معنی خیز لہجے میں کہہ کر مڑا اور باہر نکل گیا۔

اب وہ ان دونوں آدمیوں کے رحم و کرم پہ تھا اور وہ اس سے بد سے بدترین سلوک کرنے والے تھے، یہ ان کے تاثرات بخوبی بتا رہے تھے۔

☆☆☆

حیدر کو یہ تو علم نہیں ہو سکا تھا کہ ممی نے ماموں کو کس طرح منایا تھا، کون سے دلائل دیئے تھے کون سی وضاحتیں دی تھیں، مگر بہرحال اتنا ضرور ہوا تھا کہ ماموں اور ممی ستارا کے گھر جا رہے تھے، اس نے بھی جانا چاہا تھا مگر ممی نے اسے روک دیا تھا۔

"ابھی تمہارے جانے کا کوئی جواز نہیں ہے حیدر، اگر سلسلہ کچھ بنا تو پھر آنا جانا لگا ہی رہے گا

مگر ابھی نہیں، ابھی مجھے وہاں کے حالات کا کچھ جائزہ لینے دو، ماحول کو اپنے حق میں ہموار کرنے دو، پھر دیکھتے ہیں۔" انہوں نے نرمی سے اسے سمجھایا تھا۔

وہ فوراً ان کی بات سمجھ گیا تھا، جبھی سر ہلا کے رہ گیا تھا، مصعب بھی آج ادھر ہی تھا اور یہ ستارا کے گھر کا منظر تھا، وہ اپنے سر کی ممی کو دیکھ کر تو حیران تھی مگر ان کے ساتھ کھڑے بارعب اور باوقار آدمی کو دیکھ کر کنفیوزڈ بھی ہو گئی تھی۔

"یہ میرے بھائی صاحب ہیں، مصعب کو تو آپ نے دیکھا ہی تھا نا، وہ ان کے بیٹے ہیں۔" انہوں نے ستارا کی والدہ کو بتایا۔

جو انہیں دیکھ کر عجیب کشمکش و پیچ میں پڑتی نظر آ رہی تھیں، ان کی آمد کا مقصد کیا تھا؟ وہ سمجھ نہیں پا رہی تھیں، جب ستارا اندر آئی اور باوجود اس کے کہ وہ دوپٹے سے سر ڈھانپے ہوئے تھی اس کی لمبی چوٹی قمیض کے پچھلے دامن کو چھو رہی تھی، وہ ایک دلکش سراپے کی مالک خوبصورت لڑکی تھی وہ ساکت رہ گئے تھے، وہ مصعب کی پسند تھی یا ان کی بہن کی، وہ الجھ سے گئے تھے، مگر اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ وہ انہیں پسند آئی تھی، وہ اس سے ہلکی پھلکی گفتگو میں مصروف ہو گئے اور یہ جان کر انہیں خاصی خوشی ہوئی تھی کہ وہ ایک پراعتماد پڑھی لکھی اور قابل لڑکی تھی، ان کو خاصا اطمینان ہوا تھا کہ وہ شائستہ مزاج کی حامل تھی۔

مگر جب ستارا کو ان کی آمد کا مقصد پتا چلا تو اس کے چہرے پہ ایک رنگ آ کر گزر گیا تھا، وہ بہت مضطرب نظر آنے لگی تھی، جبکہ اماں بھی بوکھلا کر رہ گئی تھیں۔

بھلا کبھی مخمل میں ٹاٹ کا پیوند لگا کرتا ہے، وہ خاصے اونچے طبقے سے تعلق رکھنے والے لوگ تھے، انہیں بے ساختہ ایک مثال یاد آئی تھی جس کا مطلب کچھ یوں تھا کہ "اونٹوں سے دوستی رکھنے کے لئے گھر کے دروازے اونچے کرنے پڑتے ہیں۔" مگر یہ سب ان کے اپنے خیالات تھے، حیدر کی ممی نے بہت آس و امید لئے مصعب کا پرپوزل ان کے سامنے رکھا تھا کہ اماں مزید تذبذب میں پڑ گئی تھیں۔

"آپ ستارا کے والد سے بات کر لیں، مصعب کو تو آپ نے دیکھ رکھا ہے، ہمیں امید ہے فیصلہ یقیناً بہتر ہی ہو گا۔" وہ بڑی مطمئن و خوش تھیں۔

ستارا سپاٹ چہرے کے ساتھ ان کی بات سنتی رہی، واقعہ اتنا عجیب تھا کہ اس کا ذہن تسلیم کرنے کو تیار نہ تھا، صرف دو سرسری ملاقاتوں کے بعد ایکدم یوں شادی کا پیغام کتنا عجیب تھا، مگر پاکستان میں ہوتے ہوئے نہیں، یہاں صرف ایک نظر دیکھنے بعد ہی لوگ شادی کے لئے تیار ہو جاتے تھے۔

رات کو جب ابا نے اس سے بات کی اور مرضی جاننے کی کوشش کی تو وہ کافی دیر چپ رہی تھی۔

"مجھے شادی نہیں کرنی ابا، کسی سے بھی نہیں۔" وہ بڑی ٹھہری ہوئی آواز میں بولی تھی۔

"بہت گھسی پٹی بات ہے بیٹا، مجھے کوئی مضبوط وجہ بتاؤ۔" وہ دوٹوک بولے۔

"میرے پاس آپ کو بتانے کے لئے ایک ہی بات، ایک ہی وجہ کافی ہے ابا، مجھے اور کوئی جواز نہیں دینا، سوائے اس کے۔" وہ آہستہ سے کہہ رہی تھی۔

"میں ایک دفعہ یہ تجربہ کر چکی ہوں وہی کافی ہے، مجھے دوبارہ ایسی کسی گیم اور تماشے کا حصہ نہیں بننا۔"

”میں تمہیں ایک جذباتی لڑکی نہیں سمجھتا ہوں ستارا، ایک انتہائی فضول اور احمقانہ بات کر رہی ہو، پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتی اور پھر ہمیں کبھی نہ کبھی تو یہ فیصلہ لینا ہے تو ابھی کیوں نہیں، وہ اچھے لوگ ہیں ضروری نہیں دوبارہ بھی ہمیں ایسے لوگ ملیں۔“ وہ تفصیل سے گویا ہوئے تھے، وہ ایک بار پھر چپ ہوگئی، اسے زندگی میں پہلی بار اندازہ ہوا تھا کہ وہ والدین سے بحث کرنا کتنا مشکل کام ہوتا ہے، وہ کچھ دیر مزید اس ٹاپک پہ بات کرتے رہے مگر جلد ہی ستارا نے جان لیا تھا کہ وہ ان سے دلائل میں جیت نہیں سکے گی۔

”ایک فیصلہ میں نے اور تمہاری ماں نے کیا تھا تمہارے لئے، وہ غلط ثابت ہوا اب دوسرا فیصلہ تم کرو گی، اس کا مکمل اختیار تمہارے پاس ہے میں تم پہ کسی قسم کا دباؤ نہیں ڈالوں گا، مگر تم اس سے ایک بار مل لو پھر جو بھی تمہارا فیصلہ ہوگا مجھے منظور ہوگا مگر اس طرح نہیں، جو بھی کرنا خوب سوچ سمجھ کر کرنا ستارا، اگر تمہیں لگے کہ اس میں ایسی کوئی بھی خوبی نہیں کہ گزارہ کیا جا سکے تو میں پھر مان لوں گا۔“ وہ اسے سمجھا رہے تھے، ستارا نے اپنے آپ کو بے حد بے بس محسوس کیا تھا۔

”ابا! آپ نے ٹھیک کہا مگر میں فی الحال شادی کے لئے تیار نہیں ہوں، مگر پلیز یہ مت سوچیں کہ قصور آپ کا تھا، قصور آپ میں سے کسی کا نہیں تھا بلکہ میری قسمت کا تھا ابا......“ وہ افسردگی سے بولی۔

”تم اس سے ملو گی نا؟“ وہ آس سے بولے، ان کا چہرہ ایک مجبور باپ کا چہرہ تھا جس پہ فیصلے کی ناکامی رقم تھی اور آنے والے دنوں کا خوف مترشح تھا، وہ اپنی بیٹی کو پھر سے بستا دیکھنا چاہتے تھے، ستارا کے اندر مجبوری کی ایک زنجیر مضبوط ہوگئی، وہ ان کی آس ختم نہیں کر سکی تھی اور بجھے دل سے ہی سہی مان گئی تھی، ان کے پاس کتنے بے شمار دلائل تھے، معاشرے کا خوف، لوگوں کی باتیں، اکیلی عورت کی نا بے بسی، وہ خاموشی سے سنتی رہی تھی اور بالآخر متفق ہوگئی تھی کہ اس کے ابا بالکل درست کہہ رہے تھے وہ اکیلی لڑکی مرد کے اس معاشرے میں بغیر مرد کے زندگی کا گاڑی نہیں چلا سکتی تھی، مگر وہ اس بات پہ متفق نہیں ہوئی تھی کہ شادی ”مصعب شاہ“ سے ہی کر لینی چاہیے، وجہ......؟ پتا نہیں کیوں......! مگر شادی بعض چیزوں کے بارے میں وضاحتیں یا جواز نہیں دیئے جا سکتے، مگر پھر بھی وہ اس سے ایک بار ملنے کا ارادہ حتمی رکھتی تھی، پھر اس کے بعد جو بھی ہوتا دیکھا جاتا۔

☆☆☆

یہ ”شاہ کلینک“ تھا وہ اس وقت فارغ بیٹھا ہوا اپنے کلائنٹ کا انتظار کر رہا تھا جب اس نے ستارا کو افراتفری میں اندر آتے دیکھا۔

”سر! وہ باہر آپ کی گاڑی کے ساتھ ایک اور گاڑی رکی ہوئی ہے اور اس کی پچھلی سیٹ پہ کوئی آدمی گرا ہوا ہے، یوں لگتا ہے بے ہوش ہے۔“ وہ ابھی ابھی آئی تھی اور آتے ہوئے اس نے وہ گاڑی اور اس میں موجود آدمی کو مارک کیا تھا۔

”گاڑی اور بے ہوش آدمی؟“ وہ حیرانی سے بڑبڑایا۔

”جب میں صبح آیا تب تو وہاں کچھ نہ تھا، بہر حال میں دیکھتا ہوں۔“ وہ اٹھ کر باہر نکل گیا، اس نے گاڑی کا ایک نظر جائزہ لیا، یہ بلیک B-M تھی، اس نے گاڑی کا پچھلا دروازہ کھولا اور بے ترتیبی سے پڑے شخص کو سیدھا کیا، اگلے ہی لمحے اس کو کرنٹ لگا تھا، وہ اس کو کیسے بھول سکتا تھا؟ کیسے پہچاننے میں غلطی کر سکتا تھا؟ وہ شاہ بخت تھا۔

اس نے اس کا چہرہ دیکھا جو بری طرح خون آلودہ، ورم زدہ تھا اور وہ شدید زخمی لگ رہا تھا، اس نے سیدھا ہوئے ہوئے گاڑی کا دروازہ بند کر دیا اور اگلے دروازے کو کھول کر ڈرائیونگ سیٹ پہ براجمان ہوگیا، چابی اگنیشن میں موجود تھی، اس نے گاڑی سٹارٹ کی تو ستارا اسے اپنی طرف آتی نظر آئی۔

”ستارا! میں اسے لے کر ہاسپٹل جا رہا ہوں، آپ ایس پی صاحب کی ٹائمنگ چینج کر دیجئے گا اور آج شام تک کی کوئی اپائنٹمنٹ رکھ لیجئے گا۔“ وہ تیزی سے گاڑی ریورس کر رہا تھا، ستارا سر ہلا کر واپس اندر کی طرف بڑھ گئی۔

اس نے گاڑی ڈاکٹر سلطان کے کلینک کی طرف موڑ لی، کیس ایسا تھا کہ وہ سرکاری ہسپتال جانے کا رسک نہیں لے سکتا تھا اور ڈاکٹر سلطان سے اس کی پرانی شناسائی تھی، اکثر سیمینار اور ڈسکشنز وغیرہ میں ان سے ملاقات ہوتی رہتی تھی، وجہ غالباً یہ بھی تھی کہ انہیں سائیکاٹری میں بے حد دلچسپی تھی اور حیدر سے اکثر وہ اپنے کسی پیشنٹ کو ڈسکس کیا کرتے تھے، شاید وہ ان کا کوئی خاص پیشنٹ تھا۔

انہی سوچوں میں گم اس نے گاڑی روکی اور اسے کلینک میں شفٹ کروانے لگا، ڈاکٹر سلطان اسے کوری ڈور میں مل گئے۔

”ارے حیدر! تم یہاں؟“ وہ بے حد حیران ہوئے۔

”جی سر! ایک ایمرجنسی ہے پلیز آپ اسے فوراً ایڈمٹ کریں۔“ وہ تیزی سے بولا۔

”وہ تو کر لوں گا مگر مجھے بتاؤ تو سہی کون زخمی ہے؟“ انہوں نے پوچھا۔

”بس دوست ہی سمجھ لیں، ہوا کیا ہے یہ تو میں بھی نہیں جانتا، آپ چیک اپ کر کے بتائیں مجھے، بظاہر تو زخمی لگ رہا ہے۔“ اس نے بتایا۔

”عجیب بات ہے بھئی تمہیں تو خود کچھ نہیں پتا، خیر میں چیک اپ کر کے بتاتا ہوں کیا معاملہ ہے؟“ وہ آگے بڑھ گئے جہاں شاہ بخت کے اسٹیچر کو وارڈ بوائز گھسیٹتے ہوئے روم میں شفٹ کر چکے تھے، حیدر وہیں کھڑا ہوگیا، وہ عجیب شش و پنج میں پڑ گیا تھا کہ اس کے گھر والوں سے رابطہ کرے یا نہ کرے، کیا وہ اب تک بے خبر تھے؟ وہ کچھ سوچ کر باہر کی سمت آگیا، گاڑی تو پتا نہیں اس کی تھی یا نہیں مگر دیکھ لینے میں کیا حرج تھا، ہو سکتا تھا کہ اسے اپنے مطلب کی کوئی چیز مل جاتی جس سے وہ یہ جان سکتا کہ آخر قصہ کیا تھا؟ اور کتنی عجیب سی بات تھی کہ گاڑی کی ظاہری حالت سے قطعاً ظاہر نہیں ہو رہا تھا کہ اس کا کوئی ایکسیڈنٹ ہوا تھا، دوسری عجیب چیز شاہ بخت کا پچھلی سیٹ پہ گرا ہونا تھا، کہیں کوئی دشمنی کا چکر تو نہیں اس نے گاڑی کی تلاشی لینے کے لئے دروازہ کھولتے ہوئے ٹھٹک کر سوچا تھا، جس کا ثبوت یہ بھی تھا کہ گاڑی کی ہر چیز نارمل حالت میں تھی یہاں تک کہ ڈیش بورڈ پر موبائل فون، والٹ اور گلاسز تک موجود تھے، اس نے فون اٹھا لیا، یہ ٹچ سسٹم تھا اور بڑے اعلیٰ برانڈ کا، اس نے دائیں انگلی سے اسکرین کو چھوا اگلے ہی لمحے اسکرین روشن ہوگئی اور اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا آگیا۔

دونوں ہاتھ سینے پہ باندھے وہ بے نیازی سے کرسی پہ براجمان تھی اور اس کے نیچے آخر کے کونے پہ سفید رنگ کا Princess Alina لکھا ہوا تھا، ہاں وہ شہزادی ہی تو تھی، مگر اس شہزادی کے چہرے پہ خراشیں اور دراڑیں کیوں تھیں؟ یہ کون سا حادثہ تھا؟ آخر کیا ہوا تھا؟ اگر یہ

شاہ بخت کا موبائل تھا تو اس میں علینہ کی تصویر کیوں تھی؟ اس نے موبائل سے چھیڑ چھاڑ کرنا چاہی مگر اس کی اسکرین اسٹل ہو گئی تھی، اس نے لب بھینچ کر والٹ اٹھایا اور اندر جھانکنے لگا، کارڈز، کیش اور وہی سب جو کسی کے والٹ میں ہو سکتا تھا، اس سے پہلے کہ وہ کچھ کرتا، اس کے سیل کی گھنٹی بجنے لگی، اس نے فون اٹھایا تو سر تھے۔

"حیدر! تم کہاں ہو؟ فوراً میرے پاس آؤ۔" وہ مرتعش آواز میں بولے تھے، حیدر چونکا۔

"کیا ہوا سر؟ خیریت میں آ رہا ہوں۔" وہ فوراً بولا اور دروازہ کھولا اور کلینک کی طرف چل پڑا، ڈاکٹر سلطان اسے اپنے روم میں ملے تھے، ان کا رنگ اڑا ہوا تھا اور وہ بے حد مضطرب نظر آ رہے تھے۔

"حیدر! تم شاہ بخت کو کیسے جانتے ہو؟" وہ لپک کر اس کے پاس آئے۔

"براہ راست تو نہیں جانتا مگر ایک آدھا بار ہوا کیا؟ آپ نے اسے دیکھ لیا؟ اتنی جلدی؟" وہ پوچھنے لگا۔

"تم نے اس کے گھر میں انفارم کیا؟" وہ اس کے سوال نظر انداز کر کے پوچھنے لگے۔

"نہیں ابھی بس کرنے والا تھا۔" حیدر نے الجھ کر کہا۔

"مگر ہوا کیا ہے بتائیں تو سہی۔" وہ جھلا گیا۔

"ابھی پتہ چل جاتا ہے۔" انہوں نے اپنا سیل فون نکالا اور کوئی نمبر ملانے لگے، کچھ دیر بعد کال پک کر لی گئی۔

"سلطان بات کر رہا ہوں، وقار شاہ بخت کہاں ہے؟" انہوں نے تیز لہجے میں پوچھا۔

"شاہ بخت کل رات سے لاپتا ہے ڈاکٹر، ہم پاگل ہو چکے ہیں اسے ڈھونڈ ڈھونڈ کر، سارے ہاسپٹل، سارے پولیس اسٹیشنز چیک کر لیے مگر وہ کہیں نہیں ہے۔" وقار رو دینے والے تھے۔

"کوئی جھگڑا ہوا آپ کے ساتھ؟"

"نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں۔" وقار نے نفی کی۔

"اس وقت کہاں ہیں آپ؟"

"پولیس اسٹیشن جا رہا ہو گمشدگی کی رپورٹ درج کروانے۔" وہ بے حد رنجیدہ تھے۔

"اس کی ضرورت نہیں، آپ میرے کلینک آ جائیں۔" وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولے۔

"کیا مطلب ہے آپ کا؟" وہ ٹھٹک گئے۔

"مغل ہاؤس" میں کل رات سے کہرام برپا تھا، شاہ بخت گھر نہیں آیا تھا، وہ سب پاگلوں کی طرح اسے ہر ممکنہ جگہ کھوج چکے تھے، نیلم چچی کا بی پی ٹینشن کی وجہ سے اتنا لو ہو گیا تھا کہ انہیں ہاسپٹل لے جانا پڑا تھا اور اب وقار کو آنے والا ڈاکٹر سلطان کا فون۔

"آپ کے پاس آ جاؤں کیوں؟" ان کی چھٹی حس بیدار ہو گئی۔

"شاہ بخت یہاں ہے۔"

"کیا؟ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟ وہ آپ کے پاس ہے؟" وقار چلا اٹھے۔

"ہاں میرے پاس ہے۔"

"لیکن کیوں؟ کیا ہوا ہے اسے وہ ٹھیک تو ہے نا؟" وقار تیزی سے سوال پہ سوال کر رہے تھے۔

"بس آپ آ جائیں۔" انہوں نے فون بند کر دیا، وقار نے گاڑی فل اسپیڈ پہ چھوڑ دی۔

(باقی آئندہ)

ناسئہ دل

سندس جبیں

چودھویں قسط

اس نے کال ملائی اور بیل جانے کی آواز سننے لگا۔

''یس۔'' ستارا نے فون اٹھا کر کہا۔

''مس ستارا! آج کی اپائنٹمنٹ کینسل کر دیجئے Im a little bit busy۔'' اس نے اپنے مخصوص سرد اور بے تاثر لہجے میں کہا۔

''اوکے سر، نئی اپائنٹمنٹ؟'' اس نے پوچھا۔

''فی الحال نہیں۔'' اس نے کہتے ہوئے کال منقطع کر دی، فون ہاتھ میں پکڑے وہ کچھ دیر خاموشی سے ایزی چیئر پہ جھولتا رہا پھر اٹھا اور شاور لینے کے لئے باتھ روم کی سمت بڑھ گیا، کچھ دیر بعد وہ باتھ گاؤن میں باہر آیا تو اس کی بیوی موجود تھی، وہ تیار ہونے میں اس کی مدد کرنے لگی، وہ یونیفارم پہن رہا تھا، وہ خاموشی سے اس کی شرٹ کے بٹن بند کرنے لگی، پھر کف لنکس لگائے اور شوز اس کے نزدیک لا کر رکھ دیئے، وہ صوفہ پہ بیٹھ کر شوز پہننے لگا، اس سے فارغ ہو کر

ناولٹ

اس نے بیلٹ باندھا اور بال بنانے لگا اور پھر اس کی طرف مڑا جو کہ ایک طرف کھڑی تھی، کمرے میں مکمل خاموشی تھی، وہ چند لمحے اس کا چہرہ دیکھتا رہا، اس کی بیوی کا چہرہ، اس کا عزیز تر چہرہ، ان کی شادی کو چار سال ہو چکے تھے مگر وہ آج بھی پہلے دن جیسی لگی اسے، اسے ان دونوں کا پہلا تعارف یاد آیا تھا۔

''نور کہاں ہے؟'' اس کی بیوی ایک فرمانبردار اور سلیقہ مند عورت تھی جو اس وقت اس کا والٹ اور اس کی ریسٹ واچ اس کی طرف بڑھا کر کہہ رہی تھی۔

''میں نے مسز وکٹوریہ سے بات کر لی ہے، تم آج اسے لے جاؤ اور ایڈمیشن کی فارمیلٹیز پوری کر لو۔'' اس نے والٹ جیب میں رکھا اور

واچ باندھنے لگا، وہ اپنی بیٹی کو پلے گروپ میں ایڈمٹ کروانا چاہ رہا تھا، وہ تذبذب کے عالم میں اسے دیکھتی رہی، پھر نظر چرا گئی۔

''پلیز میں ایسا نہیں چاہتی، مجھے فورس نہ کریں۔'' وہ نم لہجے میں بول رہی تھی سر جھکا ہوا تھا، پرفیوم اسپرے کرتا اس کا ہاتھ رک گیا، وہ دو قدم کا فاصلہ طے کر کے اس کے قریب آ گیا۔

''کسی فیصلے کا اختیار تو میرے پاس رہنے دو۔'' اس کا لہجہ مدھم تھا۔

''آپ کی اپائمنٹ تھی آج۔'' وہ بات بدل گئی، اب اِدھر اُدھر بکھری چیزیں سمیٹ رہی تھی۔

''پلیز میں بہت تکلیف میں ہوں مجھے اور اذیت مت دو۔'' وہ کربناک آواز میں بولا تھا۔

تولیہ اٹھاتے ہوئے اس کے ہاتھ رک گئے، وہ بےساختہ مڑی اور اس کو دیکھا، یونیفارم میں ملبوس، اونچا لمبا، خوش پوش و خوبصورت اور اس کے ملائم بال سلیقے سے سنورے ہوئے تھے۔

''I do not want to hurt you, never a single tome Please trust me okey i will go۔'' اس کی آنکھوں کی نمی بڑھ گئی تھی اور آواز بھرا گئی تھی، اس نے بمشکل بات پوری کی اور باہر نکل گئی۔

☆☆☆

''کیا ہے یہ سب؟ کیا ہے بولو۔'' مرینہ نے حبا کو دونوں بازوؤں سے پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالا تھا، وہ ابھی ہوش میں آئی تھی۔

''بولتی کیوں نہیں ہو؟ میں تمہارا منہ توڑ دوں گی، جواب دو مجھے۔'' انہوں نے اس کا شانہ ہلایا، حبا بےیقینی سے انہیں دیکھتی رہی جیسے ان کا مدعا سمجھ نہ پا رہی ہو۔

''تمہارا باپ کہتا ہے، تمہارا کالج دوبارہ شروع کروا دوں، تم اب یہیں رہو اور تم یہ گل کھلا کے بیٹھی ہو، خیر کوئی بات نہیں اب تیمور کو یاد آ جائے گا کہ تم ''شادی شدہ'' ہو۔'' ان کا لہجہ استہزائیہ و زہریلا تھا۔

''کیا ہوا ہے ماما؟'' وہ ان کے تیور دیکھ کر سہم گئی تھی۔

''میں بتاؤں میں......؟ تم نہیں جانتی ہو کیا ہوا ہے؟'' انہوں نے غصے سے پاگل ہوتے ہوئے اس کے منہ پہ زوردار تھپڑ مارا تھا، حبا کے منہ سے چیخ نکل گئی، اس کا رنگ پھیکا پڑ گیا تھا۔

''ماں بن رہی ہو تم۔'' وہ اسی تلخی سے بولتی گئیں۔

''میری تربیت کو ذلیل تو کیا ہی تھا تم نے، تمہارے باپ نے بھی بڑی رعونت سے میرے بیٹے کو گھر سے نکالا، اب مناؤ دونوں مل کر خوشیاں، ایک ڈھول سر پہ رکھ کے ناچو۔'' مرینہ کو خود پہ قطعی قابو نہ رہا تھا وہ ہذیانی انداز میں چلا رہی تھیں، حبا کا رنگ سفید پڑ چکا تھا۔

''تھک گئی میں پوچھ پوچھ کر، کہ آخر ہوا کیا تھا؟ مگر کچھ نہیں بتایا تم نے مجھے، بس تیمور نے جھٹ سے کہہ دیا ''اسے اسید نے مارا ہے۔'' ہوا کیا تھا؟ وجہ کیا تھی یہ نہیں بتایا، اب سنائی ہوں تمہارے باپ کو یہ خوشخبری۔'' وہ اٹھ کر کمرے سے نکل گئیں وہ وہیں بیٹھی رہی خاموش اور گم صم، اس کے اندر پھیلی ویرانی میں ایک بازگشت پھیل رہی تھی اور یہ تلخ سرگوشی اس کا دل کھرچ رہی تھی، اپنے نوکیلے ناخنوں سے، وہ درد سے بےحال ہوتی ہوئی بیڈ پہ اوندھی گر گئی۔

اور یہ پورا دن گزر جانے کے بعد کی بات تھی جب وہ رات کے اندھیرے میں بیک لان کی گھاس پہ بیٹھی تھی، کتنی بار اس کا دل چاہا کہ وہ

سب کچھ بھول کر ماں کے گلے لگ کر انہیں سب کچھ بتا دے، انہیں ایک ایک زخم دکھائے، ایک ایک خراش کی اذیت بتا بتا کر روئے، یوں کہ نڈھال ہو جائے اور پھر وہ مر جائے اس دنیا سے دور چلی جائے، کاش ایسا ممکن ہو پاتا، کاش وہ انہیں بتا پاتی کہ اس نے کیا صلہ پایا، مگر یہ ممکن ہی نہ تھا، مرینہ خانم نے اسے ایک ہی لفظ ''میرا بیٹا'' کہہ کر باور کروا دیا تھا کہ وہ ''اسید مصطفیٰ'' کی ماں ہیں۔

اس کا دل چاہا کاش کوئی دروازہ کوئی روزن اسے ایسا نظر آتا جسے وہ اس دنیا سے فرار کا ذریعہ بنا لیتی اور پھر مڑ کر نہ دیکھتی، مگر کاش ایسا ممکن ہو پاتا، کاش وہ اعمال کی اس گھڑی سے چھٹکارا پا سکتی اور پھر زندگی میں واپس جا پاتی، مگر چھٹکارا پانا اتنا آسان کب تھا؟ وہ سن ہوتے اعصاب کے ساتھ وہیں بیٹھی رہی، بہت دیر بعد اس نے تیمور احمد کی موجودگی کو محسوس کیا تھا۔

''کیا ہوا ہے حبا؟ ایسا یہاں کیوں بیٹھی ہو بیٹا؟ اتنو سردی کتنی بڑھ گئی ہے۔'' انہوں نے پیار سے اس کے سر پہ ہاتھ رکھا۔

''مجھے واپس بھجوا دیں پاپا۔'' حبا کی آواز مستحکم تھی یوں جیسے وہ اندر ہی اندر کوئی فیصلہ لے چکی ہو۔

''کیوں کیوں؟ جانا چاہتی ہو واپس؟'' وہ غصے میں آ گئے۔

''کیونکہ میں آپ پر بوجھ نہیں بننا چاہتی۔''

''حبا!'' وہ ششدر سے رہ گئے۔

''ایسا کیوں کہا تم نے؟ بوجھ اللہ تمہارے حال پہ رحم کرے، میری اکلوتی بیٹی ہو، کون سا ڈھیر لگا ہے میرے گھر اولاد کا، کیوں سوچا تم نے ایسا؟ بولو نا، بتاؤ مجھے آخر ایسا کیا ہوا تھا لاہور اسید کے ساتھ کس بات پہ جھگڑا ہوا تمہارا؟'' وہ اب

پوچھ رہے تھے، حبا نے دل پر بڑھتے اس بوجھ کو دیکھا جو اس کا سانس گھونٹ دینے کے درپے تھا اور پھر بے ساختہ لرزتے ہاتھ ان کے بازو پہ جما دیئے۔

"آپ ٹھیک کہتے تھے پاپا، ہم بدصورت لوگ، خوبصورت لوگوں کے ساتھ نہیں چل سکتے، گر جاتے ہیں لڑکھڑا کر یا تھک کر، ابھی میں نے اس بدصورتی کا خراج نہیں بھرا، مجھے اس کے پاس بھجوا دیں، وہ مجھے یہاں رہنے نہیں دے گا۔" وہ سسک اٹھی، وہ کانپ رہی تھی، تیمور سناٹے میں رہ گئے۔

"حبا جی میری بچی، مجھے بتاؤ تو سہی ہوا کیا تھا؟" وہ اسے ساتھ لگا کر خود بھی رونے لگے، وہ کچھ نہ بولی بس روتی رہی، پھر بہت دیر بعد بولی تھی۔

"وہاں بہت اندھیرا تھا اور بہت تنہائی اور بھوک، میں نے چار ماہ ایک قتل کے مجرم کی طرح کال کوٹھڑی میں گزارے ہیں پاپا، میرا خدا گواہ ہے کہ میں نے کھلی ہوا اور آسمان کی شکل یہاں آ کر دیکھی، مجھے سب کچھ بھول گیا ہے، سب کچھ بس ایک بات یاد رہ گئی ہے۔ بس یہ یاد ہے کہ میں اس دنیا کی سب سے بری لڑکی ہوں اور میں نے ایک پاکباز مرد پہ جھوٹا الزام لگایا ہے، وہ کہتا تھا کہ بہتان کے لئے اٹھنے والے ہاتھوں کو کاٹ دینا چاہیے، میں نے آپ سوچ بھی نہیں سکتے میں نے یہ دن وہاں پہ کیسے گزارے ہیں، کاش میں آپ کو بتا سکوں کہ میں نے وہاں کیا کچھ سہا ہے؟ میں دھوکہ کھا گئی پاپا، میں اس کے ظاہر سے دھوکہ کھا گئی، پتا ہے ان مہینوں میں یہی سوچتی رہی ہوں کہ میں نے ایسا کیوں کیا؟ بہت سوچا، بہت سوچا مگر جواب وہی ملا کہ میں خود غرض ہو گئی تھی، میں نے صرف اپنے بارے میں سوچا، صرف یہ سوچا کہ وہ مجھے مل جائے، کسی بھی طرح مل جائے، اس کے لئے مجھے جو طریقہ سمجھ آیا میں نے اختیار کر لیا، جانتے ہیں کیوں؟" وہ باپ کے بازو پہ سر رکھے بلک بلک کر رو رہی تھی، تیمور کے لئے اسے اس حالت میں دیکھنا بڑا کٹھن تھا وہ ان بازوؤں پلی اکلوتی بیٹی تھی جس کے ماتھے پہ بل دیکھ کر انہیں باقی ہر بات بھول جاتی تھی۔

"پتا نہیں کب سے مگر یہ خیال میرے دل میں بڑا پختہ تھا کہ لوگ سیرت کی بجائے صورت سے متاثر ہوتے ہیں اور پاپا میں بدقسمتی سے خوبصورتی کے پیمانے پہ پوری نہیں اترتی تھی، میں لوگوں کو کب تک اپنی صلاحیتوں اور ذہانت سے متاثر کر پاؤں گی، میں نے سوچا کہ اسید تو مجھ سے اتنی محبت کرتا ہے، بس مجھے اسے پانا ہے ہر حال میں اور دیکھیں میری بدبختی کی انتہا، میرے ذہن میں یہ سوچ مضبوط تھی کہ وہ میرا بھائی نہیں ہے اور یہ سوچ میرے دل میں پختہ کرنے والے آپ تھے، آپ تھے پاپا جنہوں نے مجھے یہ سمجھایا کہ وہ میرا بھائی نہیں ہے، میں نے ضمیر کی جاگتی حسوں کو سلا دیا، کیا کرتی، چارہ ہی نہ تھا، آپ کو اب کیا جاننا ہے پاپا؟ یہ میری بے حسی کی کہانی ہے، یہ میری ...... میری رزالت اور ذلالت کی داستان ہے یہ میری عزت نفس اور تکریم کا تماشا ہے، مجھ میں یہ بتانے کا حوصلہ نہیں، مجھے مت پوچھیں، کچھ مت پوچھیں، مجھ میں بتانے کا حوصلہ نہیں ہمت نہیں پاپا۔" وہ اب سر دونوں ہاتھوں میں تھامے رو رہی تھی۔

"مجھے کچھ یاد نہیں، میں کچھ یاد نہیں کرنا چاہتی۔" وہ بڑبڑا رہی تھی، تیمور شکست خوردہ قدموں سے اٹھ کر اندر کی طرف بڑھ گئے، وہ وہیں بیٹھی رہی، اب وہ بالکل چپ تھی اور یہ چپ بڑی تباہ کن ثابت ہوئی تھی۔

صد شکر کہ میری یادداشت گم ہو چکی ہے
میرے لئے کسی صدا کی بازگشت ممکن نہیں
تحفظ کبھی کبھی خود بخود ہی سو جاتا ہے
تم وہی ہو نا جو مجھے یاد نہیں رہے
سنا ہے!
میری یادداشت گم ہونے سے پہلے مجھے
بس تم ہی یاد رہ گئے تھے!

یہ اس سے اگلی صبح کی بات تھی جب مرینہ اسے جگانے کے لئے آئیں، وہ اٹھی ہوئی تھی اس کی آنکھیں سرخ اور سوجی ہوئی تھیں اور وہ بیڈ پہ کراؤن سے ٹیک لگائے ہوئے تھی۔

"حبا! اٹھو بھی منہ ہاتھ دھو لو، تیمور تمہیں ناشتے کی ٹیبل پہ بلا رہے ہیں۔" رات کی نسبت اب وہ پرسکون تھیں۔

"مجھے کمرے میں ہی بھجوا دیں۔" وہ کہتی ہوئی اٹھی اور جوتا پہن کر واش روم کی سمت بڑھ گئی۔

مرینہ نے اس کے لہجے کو جانچا اور پھر خاموشی سے باہر نکل گئیں، وہ ان باپ بیٹی کے موڈز کو سمجھ نہیں پا رہی تھیں، تیمور بھی رات سے بے حد پریشان اور غمگین تھے مرینہ کو چونکہ اپنا غصہ تھا جبھی انہوں نے بھی پوچھا نہیں اور اب حبا کی حالت وہ سر جھٹک کر اس کے لئے ناشتے کی ٹرے سیٹ کروانے لگیں، انہوں نے ٹرے وہاں بھجوائی اور خود تیمور کی طرف بڑھ آئیں مگر وہ حبا کے کمرے میں داخل ہو رہے تھے وہ بھی پیچھے چلی آئیں، اندر کا منظر اس بار بھی مختلف نہ تھا، وہ بیڈ پہ بیٹھی ہوئی تھی اور اس کے آگے ناشتے کی ٹرے پڑی تھی، تیمور کو دیکھ اس کے چہرے کے تاثرات یکسر بدل گئے تھے، وہ بے پروائی اور سرد مہری جو صبح مرینہ کو نظر آئی تھی اب یکسر غائب ہو چکی تھی، تیمور نے آگے بڑھ کر اس کے سر پہ ہاتھ رکھا تو وہ بلک اٹھی، اس کا چہرہ یوں بھیج گیا تھا جیسے ویران اجڑی بنجر زمین، آنسو بڑی برق رفتاری سے اس کے چہرے کو بھگو رہے تھے، تیمور بمشکل خود پہ قابو پاتے ہوئے اسے سنبھالنے لگے۔

"پاپا! ماما سے کہیں مجھے معاف کر دیں، ساری غلطیاں سارے گناہ تو میرے ہیں، کسی کا کوئی قصور نہیں، نہ آپ کا، نہ ماما کا اور نہ ہی اسید کا۔" وہ اب دونوں ہاتھوں سے اپنے چہرے کو پونچھ رہی تھی۔

"ایسی باتیں نہ کرو، تمہاری طبیعت پہلے ہی ٹھیک نہیں ہے۔" مرینہ نے آگے بڑھ کر اسے ساتھ لگا لیا، وہ خود پہ ضبط نہیں کر سکی تھیں، وہ حبا تھی ان کی بیٹی جس کے لئے انہوں نے ہمیشہ اسید کو نظر انداز کیا تھا، وہ بھی انہیں ساری باتیں بھول گئیں۔

تیمور خاموشی سے باہر نکل گئے، احتساب کے دن شروع ہو رہے تھے باوجود اس کے کہ یہ دنیا بدلے کی جگہ نہیں ہے۔

☆☆☆

وقار بڑے زور دار طریقے سے ڈاکٹر سلطان کے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئے تھے۔

"ڈاکٹر پلیز مجھے بتائیں وہ کہاں ہے؟" وہ بے چینی سے پھٹ پڑنے کو تھے، ان کے چہرے سے شدید غم و پریشانی کے آثار نمایاں تھے۔

"ریلیکس وقار! خود کو سنبھالیں پلیز۔" ڈاکٹر سلطان نے انہیں شانوں سے تھام کر کرسی پہ بٹھایا اور پھر پانی گلاس میں ڈال کر انہیں تھمایا، وہ پانی پینے لگے۔

"مجھے بتائیں وہ کیسا ہے؟ وہ ٹھیک ہے نا؟ وہ آپ کے پاس کیسے پہنچا؟" وہ گلاس ایک طرف رکھ کر پھر سے پوچھنے لگے۔

”مجھے افسوس ہے میں آپ کی کوئی حوصلہ افزاء بات نہیں بتا سکتا، ڈاکٹرز اسے ٹریٹمنٹ دے رہے ہیں۔“ وہ آہستگی سے بولے۔

”ٹریٹمنٹ؟ کیسا ٹریٹمنٹ؟ اسے کیا ہوا ہے؟“ وہ حواس باختہ ہوگئے۔

”ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔“

”مگر کیوں، آپ کو کیسے معلوم نہیں، آپ تو اس کے معالج ہیں۔“ وقار بلند آواز میں بولے۔

”مگر میں اسے ہینڈل نہیں کر رہا، میں لے آپ سے رابطہ کرنے کے لئے آفس آنا تھا جبھی نہیں کر سکا، مگر پھر بھی میں آپ کو اتنا ضرور بتا سکتا ہوں کہ اسے بری طرح تشدد کا نشانہ بنایا گیا ہے، بہت شدید چوٹیں آئی ہیں اسے۔“ ڈاکٹر سلطان نے مختصر ترین الفاظ میں بتایا تھا، وقار کا رنگ فق ہوگیا۔

☆☆☆

حیدر تا حال نہیں لوٹا تھا، جس کی وجہ سے ستارا نے آج کے ڈے ٹائمنگ کی ساری ملاقاتیں ملتوی کر دی تھیں اور اس وقت بیٹھی پریشان ہو رہی تھی پہلی بات تو یہ کہ وہ اجنبی جانے کس حال میں تھا جسے حیدر اسپتال لے کر گیا تھا اور دوسری پریشان کن بات ”معصب شاہ“ تھا، گو کہ بات اتنی آگے نہیں بڑھی تھی، مگر ذہن میں جگہ بنا رہی تھی اور ذہن مسلسل اس کے متعلق سوچے جا رہا تھا، اس نے یہ تو ارادہ کیا ہوا تھا کہ اس نے ایک بار معصب شاہ سے ضرور ملنا تھا، مگر اس وقت وہ یہ سوچ رہی تھی کہ اسے معصب سے کیا باتیں کرنا ہیں، ایک بات تو صاف تھی کہ وہ اسے نوفل کے بارے میں ضرور بتائے گی، لیکن اگلے ہی لمحے اس نے سر جھٹک دیا، نوفل کے ساتھ اس کا کوئی رشتہ نہیں تھا، وہ اسے کس رشتے سے متعارف کرواتی اور اس خیال کے ساتھ ہی اسے نوفل یاد آ گیا۔

بو کر زمین دل پہ تیری آرزو کے بیج
بیٹھے ہیں کسی غریب زمیندار کی طرح

اس کی آنکھوں میں جلن ہونے لگی، وہ عجیب شخص اب ایک گم گشتہ یاد بنتا جاتا تھا اور ستارا اسے یاد کر کے نئے سرے سے نڈھال ہو گئی، ایک خفیہ راز کی مانند بن گیا تھا وہ جسے ستارا حل ہی نہ کر پائی اور وہ زندگی کی بھیڑ میں، انسانوں کے جنگل میں کھو گیا۔

ایسا نہیں تھا کہ اسے ابا کی باتوں سے کوئی اختلاف تھا مگر دل تھا کہ اب کسی کو ساتھی بنانے کا روادار ہی نہ تھا، اس نے سر جھٹک کر سامنے پڑی فائل کھول لی، مگر بہت دیر تک اسے کچھ سمجھ نہ آ سکا۔

”بزدل۔“ اس نے زیر لب نفرت سے کہا اور انٹرکام اٹھا کر چائے کا کہنے لگی، چائے پینے کے بعد اس نے دو تین کلائنٹس نمٹائے اور اس وقت وہ لنچ کرنے کا سوچ رہی تھی جب اس نے حیدر کو اندر آتے دیکھا، وہ چونک گئی۔

”سر! آپ بہت دیر لگا دی آتے ہوئے، خیریت رہی نا، اب کیسا ہے وہ؟“ وہ کھڑی ہو کر تیز تیز بولتی گئی۔

”ایڈمٹ کروا دیا ہے اسے، ٹریٹمنٹ جاری ہے۔“ وہ مختصر سا کہہ کر اپنے روم کی طرف بڑھ گیا۔

ستارا نے بغور اس کے چہرے کا جائزہ لیا تھا، وہ بے حد ڈسٹرب اور افسردہ نظر آ رہا تھا، ستارا کو افسوس نے آن گھیرا، نرم دلی اور حساسیت تو حیدر پہ ختم تھی، اس نے ایک غیر متعلق شخص کی پریشانی اتنی سر پہ سوار کی تھی کہ شکل سے ظاہر تھا، وہ اس کے پیچھے نہیں گئی تھی بلکہ اس کے لئے چائے بھجوا دی، اسی وقت انٹرکام بج اٹھا۔

”چائے کے لئے شکریہ، مس ستارا، پلیز دس منٹ بعد تشریف لایئے گا، مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنا ہے۔“ حیدر کہہ رہا تھا۔

”او کے سر!“ اس نے حامی بھری اور فون بند کر دیا۔

ٹھیک دس منٹ بعد وہ حیدر کے آفس میں موجود تھی۔

”میں آپ سے معصب بھائی کے بارے میں بات کرنا چاہتا ہوں۔“ حیدر نے بات شروع کی، ستارا نے سنبھلتے ہوئے اس کا چہرہ دیکھا جس پر از حد سنجیدگی طاری تھی۔

”کیسی بات؟“ وہ پوچھنے لگی۔

”وہ آپ سے ملنا چاہتے ہیں، کیونکہ آپ کے بابا نے بھی ممی سے یہی کہا ہے کہ فیصلہ مکمل طور پر آپ کا ہوگا، تو کیا بہتر نہ ہوگا کہ آپ اور بھائی مل بیٹھ کر کوئی فیصلہ لے لیں۔“ وہ شائستگی و وقار سے کہنے لگا، ستارا خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔

”ویسے تو یہاں اس آفس میں بھی بات ہو سکتی ہے مگر میرے خیال سے یہ ماحول کوئی اتنا ریزن ایبل نہیں ہے، اگر آپ کو سوٹ ایبل لگے تو کسی بھی جگہ، مائنڈ مت کیجئے گا، میری مراد کسی ڈیٹ سے نہیں میں تو صرف سجیشن دے رہا ہوں۔“ وہ مسکرایا۔

”مجھے آپ سے اتفاق ہے۔“ ستارا نے کہا۔

”شکریہ، ایسا ہی اتفاق کوئی اگر انڈو پاک کے مذاکرات میں ہوا ہوتا تو آپ یقین کریں اب تک ہمارے بہت سے تجارتی اور سفارتی مسائل حل ہو چکے ہوتے۔“ وہ شگفتہ مزاجی سے بولا، ستارا مسکرا دی۔

اور اگلے دن جب اس نے آفس میں قدم رکھا تو معصب شاہ وہاں پہلے سے تشریف فرما تھے، وہ حیران رہ گئی، بہترین تھری پیس میں وہ کوئی پرفیکٹ بزنس مین نظر آتا تھا۔

”السلام علیکم!“ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

”وعلیکم السلام!“ ستارا نے تیزی سے نظر پھیر کر بیگ ٹیبل پہ رکھا۔

”کیسی ہیں آپ؟“ وہ شائستگی سے پوچھ رہا تھا۔

”فائن۔“ اس نے اپنے آفس ٹیبل پہ پڑی اشیاء کو خواہ مخواہ دوبارہ درست کر کے رکھنا شروع کر دیا، وہ خود کو یہ باور کروانے میں ناکام تھی کہ اس شخص کی موجودگی سے متاثر نہیں تھی۔

”بات کرنا تھی آپ سے۔“ وہ اس کی نظر اندازی کو محسوس کرتا بولا تھا۔

”مجھے بھی۔“ ستارا نے بے ساختگی سے کہتے ہوئے اسے دیکھا، وہ ہولے سے مسکرا دیا اور اس پل اس کی سبز آنکھیں جگمگا اٹھی تھیں۔

”مگر یہاں نہیں، کسی پرسکون جگہ پر جہاں کوئی مداخلت نہ ہو۔“ اس نے کہا۔

”یہ جگہ بھی پرسکون ہے۔“ ستارا کو نا معلوم کیوں برا لگا تھا۔

”مگر میں کمفرٹیبل نہیں ہوں۔“ معصب نے آہستگی سے کہا، ستارا چپ سی ہوگئی۔

”میں سر سے بات کر لوں۔“ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

”ضرور...... ویسے میں حیدر سے بات کر چکا ہوں۔“ معصب نے بتایا تو وہ سر ہلاتی ہوئے حیدر کے آفس کی طرف بڑھ گئی۔

کچھ دیر بعد وہ دونوں ایک پارک میں موجود تھے، جو کہ واکنگ ڈسٹینس پہ تھا، موسم میں خنکی تھی، ستارا نے گرم شال مضبوطی سے لپیٹ لی، وہ دونوں درختوں کے درمیان ٹہل رہے

تھے۔

"آپ میری اس جرأت پر مجھ سے خفا ہیں ستارا؟" مصعب کا تجزیہ کمال کا تھا، ستارا نے چونک کر اسے دیکھا وہ بالکل سیدھ میں دیکھ رہا تھا۔

"آپ آفس جا رہے تھے؟" ستارا نے بات بدلنے کے لئے پوچھا۔

"جی۔" وہ مختصراً بولا۔

"مجھے آپ کے اس اچانک فیصلے کی کوئی وجہ سمجھ نہیں آئی۔" ستارا نے کہا، اس کے لہجے میں الجھن تھی۔

"کیا یہ وجہ کافی نہیں کہ میں آپ کو اپنانا چاہتا ہوں۔" وہ مضبوط لہجے میں بولا، ستارا اسے دیکھ کر رہ گئی۔

"آپ میرے بارے میں کتنا جانتے ہیں؟" وہ عجیب سے انداز میں بولی۔

"کیا مطلب؟" وہ اس کے سوال پہ حیران ہوا۔

"سر نے آپ کو یہ تو بتایا ہو گا کہ میں ڈائیورسیڈ ہوں۔" وہ سپاٹ انداز میں بولی تھی۔

"مجھے اس سے فرق نہیں پڑتا۔" وہ بے ساختہ بولا۔

"کیوں؟" اس کا لہجہ تند ہوا۔

وہ اسے جواب دینے کی بجائے سامنے دیکھتا رہا، خاموشی کے اس طویل وقفے میں وہ دونوں خشک پتوں پہ چلتے رہے، پھر ستارا تھک کر ایک بینچ پر بیٹھ گئی، مصعب نے بھی اس کی تقلید کی تھی۔

"بہت سی باتوں کے جوابات ضروری نہیں ہوتے۔" مصعب نے آہستگی سے کہا، خاموشی کا وقفہ ٹوٹ گیا۔

"مجھ سے شادی کیوں کرنا چاہتے ہیں آپ؟"

"اس سوال کا جواب میں آپ کو ابھی نہیں دے سکتا۔" وہ شگفتہ مزاجی سے بولا۔

"کیا مطلب؟"

"اس کا موقع یہ نہیں ہے، تھوڑا انتظار کرنا پڑے گا آپ کو۔" وہ اس بار مسکرایا، ستارا جو بڑے دھیان سے اسے دیکھ رہی تھی یکدم خفیف سی ہو گئی۔

"ستارا! حقیقت یہ ہے کہ میں جو کچھ آپ کے لئے محسوس کرتا ہوں اسے بیان کرنے سے قاصر ہوں، مگر میں آپ کو اپنانا چاہتا ہوں، آپ کو ہم سفر بنانا چاہتا ہوں اور اس کے لئے مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ آپ کا ماضی کیا تھا۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔

"اچھا۔" ستارا کے لبوں پہ طنزیہ مسکراہٹ آ گئی۔

"کیا اس بات سے بھی کوئی فرق نہیں پڑے گا کہ میں کسی اور سے محبت کرتی ہوں۔" اس نے مصعب کا رنگ بدلتے دیکھا، وہ دھواں دھواں چہرے سے اس کی طرف دیکھتا رہ گیا۔

☆☆☆

کیا ہے جو اک شخص ہمارا نہیں ہوا
کار جنوں میں کس کا خسارہ نہیں ہوا
اک عمر دسترس میں ہماری رہا ہے وہ
افسوس اس کے دل پہ اجارہ نہیں ہوا

وہ بڑی دیر سے کھڑکی میں کھڑی تھی، اسے اسلام آباد آئے دو ماہ ہو چکے تھے، اب تو اسے تسلسل سے رونا بھی نہ آتا تھا، اتنا رو چکی تھی، اسید نے پلٹ کر کوئی خبر نہ لی تھی، بلکہ اس نے تو شاید شکر کیا تھا، وہ تو جیسے ہی اسے منحوس و مصیبت سمجھتا تھا۔

یہ احساس بہت جان لیوا تھا، اس نے بے ربط سوچوں کے ساتھ خود کو بیڈ پہ گرا دیا اور آنکھیں بند کر لیں اور اسید ایک بار پھر اس کے پاس تھا وہ بے حد پریشان تھی۔

"تم اتنی دیر سے کیوں آئے ہو؟ تم کہاں تھے؟" وہ پچھلے چار گھنٹوں سے پاگلوں کی طرح اس کا انتظار کر رہی تھی، اس وقت رات کا ایک بج رہا تھا، اسید نے تپتی ہوئی ایک نظر اس پہ ڈالی اور آگے بڑھنے لگا۔

"خدا کے لئے کچھ تو بتاؤ۔" وہ پھر سے بولی تھی، اسید نے ایک لمحے کے لئے اپنے اندر جمع شدہ غصے اور نفرت کو دیکھا اور دوسرے ہی لمحے اس پہ جھپٹا۔

"مجھ سے سوال کرتی ہو، ہوتی کون ہو بولو؟ کیا؟" ایک زبردست دھکے سے وہ لڑکھڑا کر دیوار سے ٹکرائی اور پھر نیچے گر گئی۔

"میں تمہاری بیوی ہوں، سنا تم نے، حق رکھتی ہوں تم سے پوچھنے کا۔" وہ بلند آواز میں چلائی تھی، اسید کی آنکھوں میں یک بیک خون اتر آیا۔

"بیوی؟ حق؟" وہ استہزائیہ ہنسا اور پھر گھٹنوں کے بل جھک کر اس کے بال مٹھی میں جکڑ لئے، وہ اذیت سے بلبلا اٹھی۔

"میں تمہارے جیسی عورت کو باندی بھی نہ بناؤں اور تم بیوی بننے چلی ہو اور حق؟" اس نے زہر خند لہجے میں کہتے ہوئے اس کے بالوں کو کھینچا وہ چیخ پڑی، اسید نے اس کے منہ پہ تھوک دیا۔

"یہ حق ہے تمہارا۔" وہ تذلیل و توہین سے پتھرا سی گئی اور اس کی آنکھوں میں زندگی کی جوت بجھ گئی تھی۔

"مجھ سے سوال کرنے کی جرأت کیسے ہوئی تمہیں، اپنی اوقات یاد رکھو۔" اس نے اس بار الٹے ہاتھ کا تھپڑ مارا تھا اسے، حبا نے یکلخت بہت عجیب سی حرکت کی، اس نے دونوں ہاتھوں سے اسید کا کالر جکڑ لیا، اس کے دونوں ہاتھ لرز رہے تھے۔

"مجھے اپنی اوقات یاد ہے، تم ذرا اپنے گریبان میں بھی جھانک لو۔" وہ بول رہی تھی اور آنسو بے اختیار گالوں پہ بہہ رہے تھے۔

"کیا تم وہ اسید مصطفیٰ ہو جو عالمگیر انسانیت کی بات کرتا تھا، محبت کا علمبردار تھا اور اخلاص و ایثار کا پیکر تھا، میں ذلیل ہوں، گھٹیا ہوں، بے غیرت ہوں، میں منافق ہوں، ہاں ہوں مگر تم کیا ہو؟ کبھی یہ سوچا ہے۔"

اسید نظریں اس پہ جمائے اس کی باتیں سن رہا تھا، اس کے چہرے کے تاثرات بہت عجیب تھے، یوں جیسے کوئی اجنبی سرزمینوں پہ جا نکلے یا پھر گزری صدیوں کے قصے سنے تو حیرت زدہ رہ جائے، پھر اس کے تاثرات بدل گئے، اس کے چہرے پہ ایک بے روح درندے کی سی تندی چھا گئی، اس نے اپنے گریبان پہ رکھے اس کے ہاتھ کو اپنے بائیں ہاتھ سے جکڑا اور جھٹکے سے پیچھے ہٹا دیا، شدید ترین نفرت کی لہر نے اس کے ذہن کو مفلوج کر دیا تھا اس نے حبا کو دیکھا، اس حبا کو جس کے پیچھے اس نے اپنی زندگی اجاڑ ڈالی تھی، پھر اس کے بھیگے چہرے کو اور پھر اس کے لرزتے وجود کو اور پھر اس پہ پل پڑا، اس نے حبا کے چہرے پہ زور سے ہاتھ مارا، اس کے ہاتھ کی ضرب حبا کے ناک پہ لگی اور خون بہنے لگا، وہ کرب سے چلائی، وہ بے رحمی سے اسے مارنے لگا۔

"مجھے کچھ یاد نہیں، نہیں یاد کرنا چاہتا میں، اگر تم نے دوبارہ مجھ سے اس طرح کی باتیں کرنے کی کوشش کی تو میں تمہارا حشر کر دوں گا۔"

وہ دھاڑ رہا تھا۔

وہ گھٹنوں میں منہ چھپا کر خود کو بچانے کی کوشش کرتی پیچھے کو کھسک رہی تھی، وہ ہاتھ اس پہ اٹھ رہے تھے جن کی چاہ میں اس نے سب کچھ خاک میں ملا دیا تھا، وہ پیچھے ہوتی ہوئی دیوار سے لگ گئی۔

''بس کرو، خدا کے لئے بس کرو، مجھے مت مارو۔'' وہ بلک رہی تھی مگر وہ خدا نہیں تھا جو معاف کر دیتا، وہ تو بس ایک انسان تھا، کم ظرف انسان جو بدلہ لینے کی تاک میں رہتا ہے۔

''کیوں معاف کر دوں؟ کیسے معاف کر دوں؟ تم نے کیا تھا؟ تمہارے باپ نے کیا تھا؟'' وہ بے قابو ہو رہا تھا۔

''میرا ایک رشتہ تھا وہ بھی تم نے چھین لیا، میری ماں، میرا یقین کھو دیا میں نے، اب بلاؤ اپنے ماں باپ کو، ان سے کہو تم کو بچائیں بلاؤ، میں دیکھتا ہوں یہاں تمہیں کون بچانے آتا ہے؟ کون روکتا ہے میرے ہاتھ؟'' وہ نفرت سے زہریلا ہو رہا تھا، حبا کے ناک اور منہ سے خون بہہ رہا تھا۔

''ماما! پاپا......!'' وہ رو رہی تھی، اذیت سے نڈھال ہو رہی تھی مگر کوئی اسے بچانے نہیں آیا تھا، پھر اس نے بھی خود کو بچانے کی جدوجہد ترک کر کے مکمل طور پر مزاحمت چھوڑ دی۔

''اللہ......رحم۔'' اس کے ہاتھ کٹے ہوئے ٹہنوں کی مانند نیچے گر گئے، اس کا رنگ زرد پڑ گیا تھا۔

''اگر تم نے دوبارہ بکواس کرنے کی کوشش کی نا تو زبان کھینچ لوں گا۔'' وہ وارننگ دے رہا تھا، وہ سسکتی رہی۔

''تم خدا نہیں ہو؟'' وہ بمشکل بول پائی تھی۔

''ٹھیک کہا تم نے۔'' وہ وحشیانہ انداز میں ہنسا۔

''میں خدا نہیں ہوں مگر تمہارے اختیارات میرے پاس ہیں، تم مجبور ہو، بے بس اور بے چارہ بھی۔'' اس نے رعونت سے کہتے ہوئے اس کی پسلیوں میں ٹھوکر ماری، وہ درد سے چلاتی دہری سی ہو گئی، لوگوں نے عیسیٰ کو صلیب پہ چڑھا دیا تھا وہ تو کسی قطار شمار میں ہی نہ تھی، اس کے آنسو، آہیں، التجائیں سب بیکار تھیں۔

''ماما، پاپا! کہاں ہیں آپ، میرے پاس آئیں مجھے بتائیں میں کیا کروں، مجھے بچائیں، پاپا مجھے بچالیں پاپا دیکھیں میرا خون بہہ رہا ہے۔'' وہ اپنے خون آلود چہرے پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے وحشت زدہ ہو کر چلا رہی تھی، اس کی سانس پھول رہی تھی، وہ بے حد خوفزدہ تھی، اس کی تسلسل سے گونجنے والی چیخوں نے ماحول کو یکدم بدل دیا تھا، دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنائی دیں اور پھر دھاڑ کی آواز سے دروازہ کھلا اور سرینہ خانم، تیمور احمد کے ساتھ اندر آ گئیں۔

تیمور احمد کا دم تو ویسے ہی آج کل حلق میں اٹکا رہتا تھا، اب جو دروازہ کھول کر وہ اندر داخل ہوئے تو حبا کی حالت بے حد خراب تھی، غالباً اس نے کوئی خوفناک، ڈراؤنا خواب دیکھا تھا، وہ بے ساختہ اس کی طرف بڑھے اور اسے ساتھ لگا لیا، وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ یہ خواب سچ تھا۔

''حبا! کیا ہوا بیٹا؟ دیکھو میں تمہارے پاس ہوں، کوئی برا خواب دیکھا ہے؟'' وہ زور زور سے رو رہی تھی۔

''پاپا! اس نے مجھے بہت مارا ہے، دیکھیں میرے چہرے سے خون بہہ رہا ہے، اس سے کہیں مجھے معاف کر دے مجھے مت مارے اور کتنی سزا دے گا وہ مجھے، میں مر جاؤں گی پاپا،

اسے کہیں مجھ پہ ترس کھائے، مجھ پہ رحم کرے، بس کرے مجھے اس سے بچالیں، مجھے بچالیں۔" وہ ان سے لپٹ کر چیخ رہی تھی، مرینہ ساکت سی کھڑی تھیں، حبا کے الفاظ ناقابل یقین تھے۔

"میں آپ کے پاس ہوں حبا میری بچی، کسی نے نہیں مارا آپ کو، اسید یہاں نہیں ہے، دیکھو میں آپ کے پاس ہوں۔" وہ اسے تسلی دے رہے تھے مگر حبا کی وحشت کسی طور کم نہ ہوئی تھی۔

"وہ یہیں ہے، مجھے پتا ہے وہ ادھر ہی ہے وہ آجائے گا، وہ آپ کو بھی مارے گا، وہ کسی سے نہیں ڈرتا، وہ اللہ سے بھی نہیں ڈرتا، وہ سب کو مار دے گا وہ سب کچھ ختم کر دے گا، پاپا آپ چھپ جائیں، جائیں چلے جائیں، میں اس سے کہوں گی وہ مجھے مارلے، آپ کو کچھ نہ کہے، آپ جائیں یہاں سے۔" وہ ہذیانی انداز میں چیخ رہی تھی، مرینہ یوں اسے دیکھ رہی تھیں جیسے آج پہلی بار اس سے متعارف ہوئی ہوں، وہ بڑی عجیب باتیں کر رہی تھی، وہ کہہ رہی تھی کہ اسید نے اسے مارا، ناممکن یہ بھلا کیسے ہوسکتا تھا، تو کیا تیمور احمد ٹھیک کہتے تھے، ان کا ذہن سائیں سائیں کر رہا تھا۔

"کوئی نہیں یہاں پر، میں کہہ رہا ہوں نا؟" تیمور احمد اسے جھنجوڑ کر بولے تھے، مگر حبا اسی طرح روتی جارہی تھی۔

"وہ یہیں ہے، آپ جھوٹ بولتے ہیں مجھے پتا ہے وہ آجائے گا، وہ کہتا ہے میں بدکردار بدصورت اور......" وہ ہچکیاں لے رہی تھی اور اس کا سارا جسم لرز رہا تھا اور حبا تیمور پاگل ہوگئی۔

جن ہاتھوں نے کبھی اسے کمپلیکسز کی دلدل سے باہر کھینچا تھا انہیں ہاتھوں نے اسے ذلت کی کھائی میں دکھا دے دیا تھا۔

☆☆☆

"وقار! مجھے افسوس ہے کہ میرے پاس آپ کے لئے کوئی اچھی خبر نہیں ہے، ہم نے شاہ بخت کا ٹریٹمنٹ کردیا ہے، مگر اس کی حالت......" ڈاکٹر سلطان کی بات ادھوری رہ گئی۔

"اسے ہوا کیا ہے؟" وقار نے ان کی بات کاٹ دی تھی۔

"دو Ribs ڈیمج ہوئی ہیں، دایاں بازو شدید زخمی تھا، چیک اپ کے بعد پتا چلا کہ فریکچر ہے اور چھوٹے موٹے ان گنت زخم ہیں مگر چہرے کو خاص طور پر نشانہ بنایا گیا ہے، جس کی وجہ سے اس کی بائیں آنکھ شدید متاثر ہوئی ہے ہو سکتا ہے اس سے اس کی آئی سائیٹ پہ بھی اثر پڑا ہو مگر اس کا صحیح اندازہ زخم بھرنے کے بعد مکمل طبی معائنے سے ہی لگایا جا سکے گا، باقی اس بات کو یقینی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ اسے بہت پروفیشنل طریقے سے مارا گیا ہے ورنہ کم از کم چہرے کو نشانہ خاص طور پر نہیں بنایا جا سکتا۔" ڈاکٹر سلطان خاموش ہو گئے، وقار خالی نظروں سے انہیں دیکھتے رہے۔

"کوئی اس کے ساتھ اس طرح کا سلوک کیسے کر سکتا ہے ڈاکٹر، جب کہ ہماری کسی کے ساتھ کوئی دشمنی بھی نہیں ہے۔" وہ ذہنی طور پر مکمل خالی ہو چکے تھے، انہیں بالکل سمجھ نہیں آرہی تھی کہ وہ کیسے ری ایکٹ کریں، شدید اعصابی دھچکے نے انہیں سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے بالکل معذور کر دیا تھا، شش و پنج کے اس لمحے میں انہوں نے بے اختیار سوچا کہ کہیں یہ علینہ کو تھپڑ مارنے اور اس کے بعد طارق مغل سے اپنی ذلت آمیز توہین کا ردعمل تو نہیں تھا اور اس سوچ کے ذہن میں آنے کے بعد چند لمحوں کو تک وہ کچھ سوچنے کے قابل نہ رہے تھے، مگر پھر انہوں نے سر جھٹک دیا، ایسا

ممکن ہی نہ تھا، شاہ بخت خود کو کیسے تکلیف دے سکتا تھا؟ اور پھر بھلا وہ خود کیسے؟

وہ پتھرائے ہوئے سے وہاں سے اٹھے تھے، ڈاکٹرز نے انہیں فی الحال شاہ بخت سے ملنے سے منع کر دیا تھا، وہ کوری ڈور میں تھے جب انہیں ''مغل ہاؤس'' انفارم کرنے کا خیال آیا، انہوں نے تیزی سے سیل فون نکالا اور گھر کا نمبر ڈائل کرنا چاہا مگر اسی وقت کسی نے ان کے کندھے پہ ہاتھ رکھا، وہ بے ساختہ مڑے اور اپنے سامنے ڈاکٹر حیدر عباس شاہ کو پایا۔

''ارے حیدر! آپ یہاں؟'' وہ حیران ہوئے۔

''جی کیسے ہیں آپ؟'' حیدر ان سے مصافحہ کرنے لگا۔

''میں ٹھیک ہوں اور آپ؟''

''میں ہی شاہ بخت کو یہاں لے کر آیا ہوں۔'' حیدر نے کہا، وقار چونک گئے۔

''آپ؟ کیا مطلب وہ آپ کو کدھر ملا اور یہ کیا کوئی ایکسیڈنٹ تھا؟ مگر ڈاکٹرز تو کہہ رہے تھے کہ اس پر تشدد کیا گیا ہے تو پھر...... یہ کیا؟'' وقار اضطراب میں بولتے گئے۔

''میں خود نہیں جانتا، مجھے وہ سڑک پر اپنی گاڑی میں پڑا ہوا ملا تھا اور تب تک مجھے خود کوئی آئیڈیا نہیں تھا کہ یہ شاہ بخت بھی ہو سکتا ہے، میں اسے یہاں لے آیا یہ اس کا والٹ اور سیل فون۔'' حیدر نے مختصر الفاظ میں بتایا، دونوں چیزیں وقار کے ہاتھ میں تھمائیں اور واپسی کے لئے پر تولے، وقار نے فوراً اس کے شانے پہ ہاتھ رکھ کر اسے روکا۔

''پلیز حیدر! رکیں بات سنیں، مجھے آپ سے کچھ جاننا ہے۔'' وقار نے کہا۔

''کیا جاننا ہے آپ کو؟'' حیدر کا لہجہ نا قابل فہم سا تھا۔

''وہ سب جو آپ جانتے ہیں، تفصیلات کے ساتھ۔'' وقار نے فوراً کہا۔

''تفصیلات صرف وہ ہی ہیں جو میں آپ کو بتا چکا ہوں، میں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں جانتا، چلتا ہوں، میں اپنا کلینک اور بہت اہم ملاقاتیں چھوڑ کر یہاں آیا تھا۔'' حیدر کے انداز میں محسوس کی جانے والی سرد مہری تھی، وہ وقار کو کچھ کہنے کا موقع دیئے بغیر ہی آگے بڑھ گیا، وقار چند لمحے اسی طرح کھڑے رہے پھر سر جھٹک کر نظر ہاتھ میں تھامے والٹ اور موبائل پر مرکوز کر دی، والٹ کی تلاشی خاصی تسلی بخش رہی تھی کیونکہ اس میں سب کچھ موجود تھا جبکہ موبائل کو چیک کرتے ہی اس کی اسکرین پہ بیٹری لو کا سگنل آ گیا تھا، انہوں نے اسے تو کیا دیکھنا تھا نظر تو وہ آ گیا جو بہت عجیب تھا، اسکرین پہ پڑی دراڑیں اور ان کے پیچھے جھانکتا چہرہ، وہ نا چاہتے ہوئے بھی حیران رہ گئے تھے، وہ چہرہ علینہ کا تھا۔

اس قدر شدید پریشانی کے عالم میں بھی ان کے لبوں پہ پھیکی سی مسکراہٹ آ گئی، تو آخر ان کا اندازہ درست نکلا تھا، شاہ بخت کے سیل فون میں علینہ کی تصویر کا مقصد کیا ہو سکتا تھا یہ کوئی مبہم بات نہ تھی جس کے معنی ڈھونڈنے میں انہیں وقت لگتا، سر جھٹک کر انہوں نے دونوں چیزیں پاکٹس میں ٹھونس کر آگے بڑھ گئے، شاہ بخت کو ہوش آنے میں دیر تھی اور وہ اس کی موجودہ کنڈیشن کے حوالے سے ڈاکٹر سلطان سے کچھ ڈسکشن کرنا چاہتے تھے۔

☆☆☆

''کیوں چونک کیوں گئے مصب شاہ؟'' ستارا نے بڑی طنزیہ نظروں سے اسے دیکھا، چند لمحوں کے لئے مصب کو خود کو سنبھالنا ناممکن لگا تھا مگر پھر اس کی مضبوط قوت ارادی کام آئی تھی، اس کے چہرے کے تاثرات یک بیک کنٹرول میں آ گئے تھے، وہ جب بولا تو اس کا لہجہ کمپوزڈ تھا۔

''کیا میں جان سکتا ہوں کہ وہ کون ہے؟'' مصب نے آہستگی سے کہا۔

''نہیں اور ویسے بھی یہ بھی آپ کو کیوں بتاؤں؟'' ستارا کے انداز میں تیکھا پن در آیا، مصب کا رنگ پھیکا پڑ گیا۔

''ٹھیک تب پھر آپ کی شادی ان سے کیوں نہ ہو سکی؟'' مصب نے دوسرا سوال کیا تھا۔

''یہ میرا ذاتی مسئلہ ہے۔'' ستارا نے دو ٹوک کہا۔

''اور میں آپ کے ذاتی مسائل میں شامل ہونا چاہتا ہوں ستارا!'' مصب نے سرگوشی میں کہا، ستارا کا رنگ بدل گیا، وہ تڑپ کر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''پلیز...... شٹ اپ۔'' اس کی آواز خاصی بلند تھی۔

''اوکے مگر اس شادی سے انکار کی یہ وجہ یقیناً قابل قبول نہیں ہے۔'' مصب کے انداز میں قطعیت تھی، وہ بھی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''مگر میرے خیال میں یہ وجہ کافی ہے۔'' ستارا نے تیزی سے کہا۔

''کون سی وجہ؟ کیا یہ کہ آپ کسی اور سے محبت کرتی ہیں مگر میرے لئے یہ وجہ کافی ہے کہ میں آپ سے محبت کرتا ہوں۔'' مصب کا لہجہ پہلے سے بھی زیادہ قطعیت بھرا تھا یوں جیسے وہ ستارا کے بیان کو بالکل غیر اہم سمجھتا ہو، اس طرح کھلے اظہار اور بلند آواز میں کہے گئے الفاظ نے ستارا کا رنگ سرخ کر دیا تھا۔

''مگر میرے لئے یہ اہم نہیں ہے۔'' وہ بلند آواز میں بولی۔

مصب نے ہونٹ بھینچ کر اپنے اندر امڈتے ہوئے اشتعال پر قابو پانے کی کوشش کی تھی، مگر پھر جیسے پھٹ سا گیا۔

''تو آپ کے لئے کون اہم ہے وہ شخص جو آپ کا ہو ہی نہ سکا، آپ کا ایکس ہزبینڈ؟'' مصب کا لہجہ کسا تا ہوا تھا۔

''ڈونٹ ٹیل ی، مجھے بے وقوف نہیں بنا سکتیں آپ، یہ بتا کر کہ آپ ابھی تک، کہ آپ ابھی تک اس......''

''غلط...... بالکل غلط۔'' ستارا نے بے حد غصے میں اس کی بات کاٹی تھی۔

''میں لعنت بھیجتی ہوں اس پر، وہ اس قابل ہوتا تو میں یوں ذلیل نہ ہوتی، میری بدقسمتی تو یہ ہے کہ میں اس شخص کی محبت میں مبتلا ہوں جسے میں نے دیکھا تک نہیں۔'' ستارا کا لہجہ بے بسی سے پر تھا، اس نے ایک دم فیصلہ کیا تھا کہ وہ اسے نوفل صدیق کے بارے میں بتا دے شاید یہی بہتر ہو اور وہ اپنا ارادہ بدل دے۔

''کیا مطلب؟'' مصب حیران رہ گیا۔

''ہاں یہی سچ ہے، میں نے اسے دیکھا نہیں مگر میں اس سے محبت کرتی ہوں، یہی سچ ہے کہ میں نوفل صدیق سے محبت کرتی ہوں، اس بات کا احساس کمتری تھا کہ وہ نیگرو ہے اور وہ کبھی میرے سامنے نہیں آیا، مگر کیا یہ بات محبت کے لئے کافی نہیں کہ میں نے اس کا دل دیکھا جو سونے جیسا تھا، ہمارے درمیان صرف آواز کا رشتہ تھا، شاید آپ کو یہ بات بے وقوفانہ لگے مگر یہی سچ ہے، اس کے مجھ پر بے شمار احسانات ہیں، اس نے میری جان بچائی، اس شخص سے جو مجھے ایک ناقابل تلافی نقصان پہنچانا چاہتا تھا، مگر

وہ میرے سامنے نہیں آیا۔" ستارا چہرہ ہاتھوں سے ڈھانپ کر روتی چلی گئی، مصعب ایک لمحے کے لئے کچھ بول نہ سکا۔

"اوہ...... آئم سوری...... میں نے آپ کو ہرٹ کیا۔" وہ بے حد افسردہ ہوا تھا۔

"اٹس او کے۔" ستارا نے گال پونچھے۔

"ٹھیک ہے میں مانتا ہوں کہ آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں مگر اس کے باوجود بھی آپ اپنے ساتھ غلط کر رہی ہیں، جس کو بھی آپ نے دیکھا نہیں جو پتا نہیں کہاں ہے اور ہے بھی یا نہیں، کون جانتا ہے؟" مصعب کا انداز کڑا تھا۔

"پلیز۔" ستارا نے فوراً اسے ٹوک دیا۔

"تو اب آپ کیا چاہتی ہیں؟ میں اپنا پرپوزل واپس لے لوں؟" مصعب نے پوچھا۔

"ظاہر ہے۔" وہ لاپروائی سے بولی۔

"ایکسکیوزمی، یہاں کیا لکھا ہے؟" مصعب کا اشتعال دوبارہ لوٹ آیا تھا اس نے اپنے ماتھے کی طرف اشارہ کیا۔

"کیا یہ لکھا ہے کہ میں بے وقوف ہوں، یا پاگل نظر آتا ہوں آپ کو؟ مجھے یہ باور کروانا چاہتی ہیں آپ کہ آپ مجھ سے اس لئے شادی نہیں کر سکتیں کیونکہ آپ کسی اور کے ساتھ انوالو ہیں، مجھے اس سے فرق نہیں پڑتا ستارا باہم، میرے لئے یہ اہم ہے کہ میں کیا چاہتا ہوں؟" وہ بے حد خودغرض ہو گیا تھا۔

"لیکن آپ ایسا کیسے کر سکتے ہیں؟ ایک ایسے شخص کے ساتھ زندگی کیسے گزاری جا سکتی ہے جو آپ سے محبت ہی نہیں کرتا۔" وہ بلبلا کر بولی تھی۔

"بالکل گزاری جا سکتی ہے، میں ایک لبرل مرد ہوں، کوئی جاہل اور کم ظرف آدمی نہیں ہوں۔" وہ اس بار طنزیہ بولا تھا۔

"میں بہت اچھی طرح جانتی ہوں آپ جیسے مردوں کی لبرٹی۔" وہ دوبدو بولی۔

"بہرحال میں اس پرپوزل کو واپس نہیں لے رہا۔" مصعب کا انداز فیصلہ کن تھا۔

"آپ کا دماغ خراب ہو چکا ہے۔" وہ بھڑک اٹھی۔

"اطلاع کا شکریہ، چلتا ہوں اور امید ہے اب مزید کچھ نیا نہیں ہو گا۔" وہ بہت پرسکون انداز میں کہتا لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے نکلتا چلا گیا، ہٹ دھرمی کی انتہا تھی، ستارا سن سی کھڑی رہ گئی تھی۔

☆☆☆

لٹا کر ہر چیز منزل عشق کی راہ میں
ہم آنس پڑے ہیں آج خود کو برباد دیکھ کر

وہ آئینے کے آگے کھڑی بال بنا رہی تھی، اس نے کندھوں سے نیچے آتے بال درمیان سے مانگ نکال کر اطراف میں ڈال دیئے، چند لمحے وہ اسی طرح کھڑی رہی پھر اس نے کچھ سوچ کر فاؤنڈیشن اٹھا لیا، وہ ہاتھوں کی مدد سے اس نے اپنے سارے چہرے پہ فاؤنڈیشن پھیلایا اور پھر چند لمحے رک کر لپ اسٹک اٹھالی، یہ ایک شوخ سرخ رنگ کا شیڈ تھا، اس نے لپ اسٹک ہونٹوں پہ پھیری اور پھر کچھ اور ڈھونڈنے لگی، اس بار اس نے کاجل منتخب کیا تھا، اس نے اسے آنکھوں میں لگایا اور پھر جیسے تیاری مکمل سمجھ کر ہاتھ چھوڑ کر سیدھی ہو گئی اور آئینے میں غور سے اپنا جائزہ لیا، اناڑی پن سے پھیلایا گیا فاؤنڈیشن اس کے چہرے کے گہرے حلقوں اور سانولی رنگت کو چھپانے میں ناکام ہو گیا تھا، یوں نظر آتا تھا کہ ڈھیر ساری سفیدی پہ سرخ رنگ لگا دیا گیا ہو۔

"بدصورت۔" اس کے اندر بازگشت ہوئی تھی۔

اس نے لرزتے ہوئے ہاتھوں سے اپنے ہونٹ رگڑ ڈالے، سرخ شیڈ سارے چہرے پہ پھیل گیا، اس نے غور سے ایک بار پھر اپنے سارے وجود کا جائزہ لیا اور پھر اسے اپنے ہیت بدلتے وجود سے خوف محسوس ہوا تھا، بے پناہ خوف، اس کی ریڑھ کی ہڈی میں ایک سرد لہر دوڑ گئی، کیا ہونے والا تھا؟ ایک اور وجود اس دنیا میں آنے والا تھا، اس جیسا......؟ وہ واش بیسن کی طرف بڑھ گئی اوک بھر بھر پانی چہرے پہ ڈالتے ہوئے اس نے وہ ساری دعائیں یاد کرنے کی کوشش کی جو اس ساری پچویشن میں وہ مانگتی رہی تھی۔

اس نے اللہ سے کہا تھا اسے بیٹا چاہیے، بالکل اسید جیسا خوبصورت، اس نے کہا تھا کہ وہ جانتی ہے اللہ مجھ سے محبت نہیں کرتا مگر وہ اسید سے تو پیار کرتا ہے اور اسید کو بھی تو بیٹے کی خواہش ہی ہو گی اور وہ جانتی ہے اللہ اسید کی خواہش ضرور پوری کرے گا اور پتا نہیں کیوں مگر اسے یقین تھا کہ اس کی یہ دعا ضرور پوری ہو گی آخر یہ اسید کا معاملہ تھا، اس نے چہرہ پونچھا اور باہر آ گئی۔

رات سے اسد عمر آیا ہوا تھا، وہ لان کی طرف آئی تو وہاں کوئی نہیں تھا وہ ہلکی سی خنکی محسوس کر کے وہاں بیٹھ گئی، کچھ دیر بعد اس نے قدموں کی چاپ سنی، وہ اسد تھا، وہ اس کے برابر آ کر بیٹھ گیا۔

"حبا! پھپھو تمہارے حوالے سے بہت پریشان ہیں۔" وہ آہستگی سے کہہ رہا تھا، حبا نے اس کے چہرے کو دیکھا اور اسے شبہ ہوا کہ اس میں اسید کی مشابہت تھی، اس کو بے ساختہ خوف محسوس ہوا، وہ وہاں سے چلے جانا چاہتی تھی مگر، اس نے دوبارہ اسد کا چہرہ نہیں دیکھا۔

"کیوں پریشان ہیں؟" اسے اپنی آواز اجنبی لگی۔

"تم جانتی ہو بہت اچھی طرح، اپنی حالت دیکھو اور روٹین دیکھو، سارا دن تم کمرے میں بند رہتی ہو اور ساری رات جاگتی رہتی ہو۔" اسد پریشانی سے کہہ رہا تھا حبا کا چہرہ بالکل تاثرات سے عاری رہا، اسے اس بات پہ حیرت تھی کہ اسد کو اس کی فکر تھی؟ کیوں تھی بھلا؟ وہ اس کا کیا لگتا تھا؟

"رات کو نیند نہیں آتی۔" حبا نے کہا۔

"کیوں؟" وہ حیران ہوا۔

"ڈر لگتا ہے۔" وہ بدستور سامنے دیکھ رہی تھی۔

"کس چیز کا ڈر؟"

"آدم زاد کا ڈر۔"

"تم پاگل ہو۔" اسد چلا اٹھا۔

"ہاں۔"

"کس طرح کی باتیں کر رہی ہو؟"

"جو آپ نے پوچھا میں نے بتا دیا۔"

"حبا! ایک بات پوچھوں؟ سچ بتانا۔"

"پوچھ لیں۔"

"تمہارا اور اسید کا جھگڑا کس بات پہ ہوا تھا؟"

"جھگڑا؟ ہماری صلح ہی کب تھی؟"

"کیا مطلب، مجھے مت بتاؤ، کیا میں نہیں جانتا تم دونوں میں کتنی اچھی انڈر اسٹینڈنگ تھی اور کیسے وہ تمہاری فکر میں مرا جاتا تھا۔"

"ہر انسان اپنی بقا کے لئے دوسرے کو مار سکتا ہے، اسی وجہ سے تو دفاع میں کیا جانے والا قتل بھی معاف ہو جاتا ہے۔"

"تم کہنا کیا چاہتی ہو؟" اسد کے اندر جیسے کوئی گھنٹی سی بجی تھی۔

"آپ کیا جاننا چاہتے ہیں؟"

"میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ لاہور میں تم دونوں کے درمیان کیا ہوا تھا؟" اسد نے تیز لہجے میں کہا۔

"کیوں جاننا چاہتے ہیں؟" پہلی بار اس کی آواز مرتعش ہوئی تھی۔

"حق رکھتا ہوں جاننے کا، کیوں کہا تم نے کہ اس نے تمہیں مار دیا ہے؟ جانتی ہو تم اسید مصطفیٰ کون ہے؟ کتنا کچھ کیا ہے اس نے تمہارے لئے؟ کتنا سیکری فائز کیا اس نے تمہارے لئے، جانتی ہو تم؟" اسد بلند آواز میں بولا تھا، حبا کا رنگ زرد پڑ گیا۔

"میں جانتی ہوں مجھے پتا ہے اس نے کتنی قربانیاں دی ہیں، جیسے بعض لوگ قربانیاں دینے والے ہوتے ہیں اور بعض ان کا گوشت کھانے والے، میرا شمار بھی دوسری قسم میں ہوتا ہے، مجھے پتا ہے۔" وہ گھٹی گھٹی آواز میں کہہ رہی تھی۔

"میں نے ساری زندگی بس اس کی قربانیوں کا گوشت کھایا ہے، مگر آپ یہ سوچ کر خود کو ہلکان مت کریں کہ میں نے تاوان نہیں بھرا، قصاص و دیت کے سارے اصول پورے کیے ہیں، کبھی ہاتھ نہیں روکا اس کا، ایک بار بھی نہیں۔" اس کی آنکھوں میں وحشت تھی اور لب لرز رہے تھے۔

"کیا کہہ رہی ہو تم؟" اسد ششدر رہ گیا تھا۔

"یہی جاننا چاہتے تھے نا آپ کہ اس نے مجھے کیسے مار دیا، میں آپ کو اس کا جواب ضرور دوں گی پہلے آپ مجھے بتائیں کیا آپ نے کبھی کال کوٹھڑی میں ایک دن بھی گزارا ہے جہاں کوئی روزن کوئی کھڑکی نہ ہو، کیا آپ نے کبھی بھوک کاٹی ہے جب آپ تنہا ہوں اور دو دن سے آپ نے کچھ نہ کھایا ہو؟ کیا کبھی کسی نے آپ کو گالی دی ہے، کیا کبھی آپ نے درد کی اس انتہا کو محسوس کیا ہے جس کے بعد صرف مرنے کی خواہش باقی رہ جاتی ہے؟" وہ اب براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی اسد کو اس کی آنکھوں سے خوف میں محسوس ہوا وہ کسی مردہ شخص کی طرح تھیں۔

"یقیناً نہیں کیا ہوگا، کر بھی کیسے سکتے ہیں کیونکہ دس فٹ نیچی چھت والے اس سیلن زدہ کمرے میں چار ماہ میں نے گزارے ہیں، آپ نے نہیں کیا آپ اس ذلت کی انتہا کو محسوس کر سکتے ہیں؟ یقیناً نہیں کیونکہ آپ کو کبھی گالی نہیں دی گئی میں نے محسوس کیا تھا کیونکہ اس نے مجھے گالیاں دی تھیں، غلیظ گالیاں جن کو سن کر دل چاہتا تھا کاش کوئی پگھلا ہوا سیسہ کانوں میں ڈال دے کیا کبھی آپ نے اس اذیت و درد کو محسوس کیا ہے جب آپ پر ہاتھ اٹھایا گیا ہو، یقیناً نہیں کیا گیا ہوگا، میں نے کیا ہے، کیا کبھی آپ کو لیدر بیلٹ سے مارا گیا؟ کیا کبھی کسی نے آپ کے جسم کو سگریٹ سے داغا؟ کیا کبھی کسی نے آپ پر تھوکا نہیں، کیونکہ یہ سب میرے ساتھ ہوا ہے، اس لئے آپ میری ذہنی سطح تک آ کر سوچ ہی نہیں سکتے اور کیا جاننا ہے آپ کو؟" وہ منتشر سانسوں کے ساتھ بولی تھی۔

"تم جھوٹ بول رہی ہو، بکواس کرتی ہو، اسید ایسا نہیں کر سکتا۔" اسد چیخا تھا بے یقینی اس کے چہرے پہ ثبت تھی۔

"ماما کہتی ہیں تم بال کیوں نہیں باندھتیں، میں انہیں یہ نہیں دکھانا چاہتی۔" حبا نے کہتے ہوئے دونوں ہاتھوں سے بال سمیٹ دیئے، اس کی نظر اس کی گردن پہ پڑی اور پھسلتی چلی گئی، وہاں مندمل ہو جانے والے زخموں کے نشانات تھے، اسد نے تیزی سے نظر پھیر لی وہ جیسے گونگا ہو

گیا تھا، وہ کچھ بول نہیں سکا۔

"آپ یہ جاننا چاہتے ہیں کہ مجھے نیند کیوں نہیں آتی، مجھے ڈر لگتا ہے، وہ آسیب بن کر چمٹ گیا ہے مجھے، اس کا سایہ میرے پیچھے ہے اور پریشان مت ہوں میں بالکل خود کو اسی قابل سمجھتی ہوں، میں گناہ گار ہوں اس کی اور مجھے سزا ملنی چاہیے، میں اسے ڈیزرو کرتی ہوں۔" وہ خود اذیتی کی انتہا پہ تھی۔

"مجھے یقین نہیں آتا، وہ اتنا کیسے گر سکتا ہے؟ وہ یہ سب کیسے کر سکتا ہے، میں کیا کروں؟ اور تم نے اسے روکا نہیں، کیوں لگتا ہے تمہیں کہ تم یہ ڈیزرو کرتی ہو؟" وہ غصے میں آ گیا۔

"کیونکہ میں بدصورت ہوں۔" وہ جیسے اعتراف کر رہی تھی۔

"کیا بکواس کر رہی ہو؟" وہ جھلا گیا۔

"مجھے کسی سے کوئی شکوہ نہیں، میں اس کی خود ذمہ دار ہوں۔" وہ بے حسی سے کہتی اٹھ کھڑی ہوئی اور آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی وہاں سے چلی گئی، اسد بہت دیر تک وہاں بیٹھا رہا اور اسی شام اس نے مرینہ سے کہا تھا۔

"پھپھو! مجھے بے حد افسوس ہے کہ آپ نے حبا کے معاملے کو سیریس نہیں لیا، وہ اس قدر ذہنی ڈسٹرب ہے اور آپ کو خبر ہی نہیں، آپ کو علم ہی نہیں کہ وہ کس اذیت سے گزر رہی ہے؟ مجھے بتاتے ہوئے بہت دکھ ہو رہا ہے وہ قریب قریب نفسیاتی مریضہ بن چکی ہے، اس ذہنی کیفیت کے ساتھ وہ اپنے لئے مزید مسائل پیدا کر لے گی اور اوپر سے اس کی کنڈیشن بھی......" اسد لب بھینچ کر خاموش ہو گیا، مرینہ ضبط کرتے کرتے بھی رو پڑیں۔

"مجھے کچھ سمجھ نہیں آتا میں کروں تو کیا، ایسا لگتا ہے ہر رستہ بند ہو گیا ہے، اس مشکل سے نکلنے کا کوئی حل سجھائی نہیں دیتا، اسے خود کوئی احساس نہیں، سارا دن پتا نہیں کون سی نمازیں پڑھتی رہتی ہے جب جاؤں جائے نماز پہ بیٹھی ہوتی ہے، اس کے باپ کا حال بھی بس عجیب ہی ہے، سارا دن تو تیمور گھر نہیں ہوتے، رات کو آتے ہیں تو حبا کے پاس بیٹھ جاتے ہیں۔"

"آپ نے جاننے کی کوشش نہیں کی کہ وہ کیا باتیں کرتے ہیں؟" اسد نے حیرت سے کہا۔

"کی تھی ایک دن میں بھی ان کے ساتھ جا کر بیٹھ گئی مگر مجھے یہ بتاتے ہوئے بہت شرمندگی ہو رہی ہے کہ انہوں نے مجھے وہاں سے اٹھا دیا اور کہا کہ وہ میرے ساتھ حبا کی کوئی بات ڈسکس نہیں کرنا چاہتے، اس کے بعد بہر حال مجھ میں اتنی شرم تو تھی کہ دوبارہ ایسی غلطی نہ کروں اور ویسے بھی اسد جب سے حبا اس حال میں لاہور سے اسلام آباد واپس لوٹی ہے مجھے پتا نہیں کیوں یہ یقین سا ہو چلا ہے کہ میرا دانہ پانی اس گھر سے اٹھ چکا ہے، کوئی دن جاتا ہے اور تیمور مجھے اس گھر سے نکال باہر کریں گے۔" وہ تلخی سے کہتی ہوئی رونے لگیں۔

"پھپھو! کیا ہو گیا ہے آپ کو، ایسا کچھ نہیں ہے وہم ہے آپ کا، آپ انکل سے دوستانہ ماحول میں بات کریں، ایسے تو نہیں چلے گا، انہیں آپ کا نہیں تو حبا کا خیال تو کرنا پڑے گا۔" اسد غصیلے انداز میں بولا تھا۔

"مجھے نہیں لگتا ایسا کچھ ہے اور اسد سچ تو یہ ہے کہ اس بچی کے پیچھے میں نے اپنے بیٹے سے بھی ہاتھ دھو لئے ہیں، اب تو بالکل خالی ہاتھ رہ گئی ہوں۔" وہ بے حد مضطرب تھیں۔

اسد جواباً کچھ بھی نہ کہہ سکا، معاملات خطرناک حد تک الجھے ہوئے تھے حبا اپنی بدترین ذہنی کیفیت کے ساتھ یہاں تھی مگر اسید مصطفیٰ

کہاں تھا؟ وہ ابھی تک گم شدہ تھا۔

☆☆☆

اس کی ذات کے اندر سناٹے اتر آئے تھے، یوں جیسے کسی نے یکلخت قوت گویائی سے محروم کر دیا ہو اور اب اسے دنیا یوں لگ رہی تھی جیسے پیر کے نیچے آ جانے والا پتھر جسے کوئی بھی ٹھوکر مار کر دور اڑا دے۔

اس کی ذات یوں مسخ شدہ نظر آتی تھی جیسے دھتکاری ہوئی عذاب شدہ قوم کی اجڑی ہوئی بد حال بستی، سب کچھ گیا تھا بلکہ نہیں سب کچھ ختم ہو گیا تھا، اس کی باوقار اور پرغرور چال میں عجیب سی لنگڑاہٹ آ گئی تھی۔

اس کا خوبصورت چہرہ اور اس پر بے شمار زخموں کے نشان، اس کی سحر انگیز آنکھیں جو راہ چلتوں کو رستہ بھلا دینے پہ قادر تھیں ان کی روشنی مدھم پڑ چکی تھی، دوبار آپریٹ ہونے کے باوجود ان پہ گلاسز کا بدنما دھبہ لگ چکا تھا۔

اسے ہاسپٹل سے گھر آئے تین ہفتے ہو چکے تھے، آج پہلی بار وہ اپنے کمرے سے باہر آیا تھا لاؤنج کے صوفہ پہ بیٹھتے ہوئے اسے یاد آیا کہ وہ اپنے گلاسز کمرے میں ہی بھول آیا تھا، اسے عادت ہی نہ ہو پا رہی تھی، اس نے سگریٹ سلگایا اور ٹی وی آن کر لیا، اسے یاد آیا آج جمعہ تھا، یقیناً سب گھر ہی تھے۔

اس نے چینل سرچ کرتے ہوئے کئی سگریٹ پھونک ڈالے، اس کے پیر کے زخم اب بہتر تھا مگر اتنی دیر یوں ٹانگیں لٹکا کر بیٹھنے سے درد شروع ہو چکا تھا، اس نے اذیت محسوس کر کے ٹانگیں اٹھا کر میز پہ رکھ لیں اور یہی وقت تھا جب مغل ہاؤس کے سارے مرد جمعہ کی نماز ادا کر کے آئے تھے اور سب سے پہلے یہ حسین نظارہ طارق چاچو کی نظر میں آیا تھا اور ایک لمحے کے لئے ان کا دماغ بالکل آؤٹ ہو گیا تھا۔

''کیا بے ہودگی ہے یہ؟'' وہ اس کے سر پہ کھڑے ہو کر چلائے تھے شاہ بخت نے ایک نظر انہیں دیکھا اور پھر بے تاثر نظروں سے سگریٹ ٹیبل پہ پھینک کر ٹانگیں سمیٹ لیں۔

''میں تم سے بات کر رہا ہوں شاہ بخت! یوں بے تاثر نظر آ کر تم کیا ثابت کرنا چاہتے ہو، اور یہ گھٹیا حرکت یوں سرعام کرنے کا مقصد؟'' وہ بالکل آپے سے باہر ہو گئے۔

''ورنہ کیا کریں گے آپ؟'' وہ مکمل طور پر پرسکون تھا۔

''میں تمہیں اٹھا کر اس گھر سے باہر پھینک دوں گا، یہ علی الاعلان بے حیائی اور بدمعاشی یہاں نہیں چلے گی، سمجھے تم۔'' وہ دھمکانے لگے۔

''میں خود بھی اس قید خانے سے تنگ آ چکا ہوں۔'' وہ دوبدو بولا۔

''نواز کو بھی آزادی چاہیے تھی مگر ہوا کیا لاش واپس آئی تھی اس کی، تمہاری بھی آ جائے گی، پتا نہیں کہاں کہاں دشمنیاں مول لی ہوئی ہیں تم نے جو انہوں نے یہ حال کر کے پھینک دیا تمہارا، اچھا ہوتا تم بھی مر جاتے، تمہاری بھی لاش واپس آتی میں اکٹھا ہی رو لیتا اپنی بدبختی پر۔'' طارق بالکل ہی حواس کھو بیٹھے تھے، شاہ بخت کا رنگ سرخ پڑ گیا۔

''چاچو! پلیز کیا بول رہے ہیں آپ، غصہ کم کریں کچھ نہیں ہوا اور بخت تم چلو اپنے کمرے میں، اس طرح کے تماشے کیوں کرتے پھرتے ہو۔'' وقار نے ہمیشہ کی طرح مداخلت کی تھی، مگر طارق کے غصے کو مزید ہوا ملی تھی۔

''تم ہمیشہ اس کی ڈھال بن جایا کرو اور دیکھنا جس طرح یہ ہمیں ذلیل کرتا ہے تمہیں بھی کرے گا، وہ دن دور نہیں ہے وقار یہ تمہیں بھی

خوار کر دے گا، تمہیں اس کی حمایت کرنا بہت مہنگا پڑے گا۔'' وہ وقار کو بھی جھڑکنے لگے۔

''میں بھگت لوں گا۔'' وقار نے روکھائی سے کہا اور اسے کھینچ کر لے گئے، اس شام کسی نے بھی چائے نہ پی اور رات کے کھانے پہ بھی سب کا موڈ بہت آف تھا، شاہ بخت تو ٹیبل پہ آیا ہی نہیں تھا، اگرچہ تھا وہ گھر میں ہی اور جب سب اپنے کمروں میں چلے گئے تو وقار سمیت ایاز، رمشہ اور کومل اسے باہر کھینچ لائے تھے، اسے لے کر جب وہ لاؤنج میں آئے تو علینہ سب کے لئے چائے لے کر آ گئی تھی، چائے کے دوران وقار اسے سمجھاتے رہے۔

''خود کو کیوں مشکل میں ڈال رہے ہو بخت؟ میرے بچے خود کو سنبھالو، حادثات زندگی کا حصہ ضرور ہیں مگر زندگی نہیں، اگر اتنی چھوٹی سی بات کو ذہن پر سوار کر لو گے تو زندہ کیسے رہو گے؟'' وقار نے کہا۔

''آپ مجھے بہلا رہے ہیں؟'' اس کا لہجہ سرد تھا، وقار حیران سے رہ گئے۔

''تو تم کھلونا لے کر بہلو گے؟'' وہ طنزیہ لہجے میں بولے تھے۔

''ہاں مجھے بہلنے کے لئے گڑیا چاہیے۔'' اس نے نظریں اپنے سامنے مرکوز رکھتے ہوئے کہا جہاں علینہ، کومل کے ساتھ بیٹھی تھی پھر اس نے بڑی عجیب حرکت کی اس نے آگے بڑھ کر علینہ کے دونوں ہاتھ تھام لئے۔

''مجھے یہ باربی ڈول چاہیے، میں اس سے کھیلنا چاہتا ہوں، اسے بتائیں گے میرا؟'' اس کے لہجے میں نہ جانے ایسا کیا تھا کہ سب ساکت اسے دیکھتے رہ گئے، جبکہ علینہ کے لب لرزا اٹھے اور آنکھیں جلنے لگیں۔

''آپ کا اور میرا مذاق کا کوئی رشتہ نہیں بنتا۔'' اس نے جھٹکے سے اپنے دونوں ہاتھ چھڑائے اور دوڑتی ہوئی وہاں سے نکل گئی۔

☆☆☆

یہ مقامی پولیس اسٹیشن تھا جہاں نئے ڈی ایس پی کی آمد کی تیاریاں زور و شور سے جاری تھیں، ایسے افسر ہمیشہ ہی ایک مسئلہ بن کر آتے تھے جو مقابلے کے امتحان میں اعلیٰ کارکردگی دکھا کر اس محکمے میں آ تو جاتے تھے مگر ان پر سوار ایمانداری کا خبط ان کے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ بن جاتا تھا، نتیجتاً یا تو بات کسی دور دراز علاقے سے پوسٹنگ پہ ختم ہوتی یا وہ بھی ان کے رنگ میں رنگے جاتے، ماتحت طبقہ ان تمام حربوں سے واقف تھا جن سے وہ ایسے کسی بھی نئے آنے والے افسر کو تگنی کا ناچ نچانے پہ مجبور کر سکتے تھے۔

لیکن اس بار اس نئے آنے والے افسر نے ان کے سارے اندازوں پر پانی پھیر دیا تھا اس نے ان لوگوں کے سارے اعداد و شمار کو غلط کر دیا تھا۔

وہ بے حد تلخ مزاج اور اکھڑ تھا، کسی سے سیدھے منہ بات کرنا تو دور وہ تو کسی کی شکل دیکھنے کا روادار بھی نہ تھا اور اگر بحالت مجبوری کسی کو مخاطب کرنا پڑ جاتا تو اس کی تیوری پہ پڑے بل صاف نظر آتے، اسے صرف حکم دینے کی عادت تھی اور اس کے خلاف ورزی اس کے لئے ناقابل برداشت تھی۔

اس کے آنے سے اس اسٹیشن کی قسمت ہی پھوٹ گئی تھی، اس کی سفاکیت اور کرخت مزاجی نے اس کے ماتحت طبقے کو ایسی نکیل ڈالی تھی کہ کوئی اس کے سامنے پر بھی نہیں مار سکتا تھا۔

اسے یہاں تعینات ہوئے دوسرا ماہ ختم ہونے کو تھا جب ایک شام اس کے آفس کے نمبر

"سر! آپ کے کزن کا فون ہے۔" اس کے پی اے نے کہا۔

وہ ٹھٹک گیا، کزن؟ اس کے اندر جیسے کوئی چھناکا ہوا تھا۔

"اوکے۔" اس نے فوراً سنبھل کر کہا، اس کے پی اے نے لائن ڈائریکٹ کر دی تھی۔

"کیسے ہیں ڈی ایس پی صاحب؟" اس کے کانوں نے ڈیڑھ سال بعد یہ آواز سنی تھی، چند لمحے وہ بالکل شاکڈ رہ گیا، مگر یہ صرف لمحاتی تغیر تھا۔

"کیوں فون کیا؟" اس نے ایک تھرا دینے والی سفاکیت اور لاپروائی سے پوچھا۔

"مجھے معلوم ہے کہ آپ کا وقت بہت قیمتی ہے، میں زیادہ وقت نہیں لوں گا، بات ہی کچھ ایسی تھی کہ آپ کو اپنی ناگوار آواز سنانا پڑ گئی۔" وہ طنزاً بولا تھا۔

"کام کی بات کرو۔" اس نے سرد مہری اور ناگواری سے کہا۔

"سنا تھا اللہ تعالیٰ بے غیرت لوگوں کو بیٹی کی رحمت سے نہیں نوازتا، مگر پتا نہیں آپ کے پیچھے کس کی دعا ہے جو خدا نے یہ رحمت آپ پہ کر دی ہے۔" وہ زہر خند لہجے میں کہہ رہا تھا، ڈی ایس پی چند لمحے کے لئے فریز ہو گیا تھا۔

"کیا بکواس کر رہے ہو؟" وہ دھاڑا تھا۔

"بالکل آپ کو تو یہ بکواس ہی لگے گا، مگر سچ یہی ہے کہ آپ کل شام ایک بیٹی کے باپ بن گئے ہیں۔" اس نے کہتے ہوئے کھٹاک سے فون بند کر دیا تھا۔

☆☆☆

ابا نے ستارا کی مرضی پوچھی تو جواباً وہ کچھ بھی نہ کہہ سکی تھی یا شاید اس کے پاس سارے جواز ختم ہوئے تھے، اس نے خاموشی سے سر جھکا دیا تھا، بعض دفعہ خاموشی سارے مسئلے سلجھا دیتی ہے، اس کا سچ مکمل تھا اب امتحان مصعب شاہ کا تھا جو خود کو ایک لبرل آدمی کہتا تھا، اس نے خود کو حالات کے رحم و کرم پہ چھوڑ دیا تھا، کیونکہ اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہ تھا، وہ شخص خوفناک حد تک خود غرض تھا اور پتا نہیں دو ملاقاتوں میں اسے کیوں اتنا جنونی عشق ہو گیا تھا کہ وہ ہر بات برداشت کرنے کو تیار تھا۔

ابا نے بھی مصعب کو فائنل کر دیا تھا، ویسے بھی اس میں ناپسند کرنے والی کوئی بات تھی ہی نہیں، کچھ دن بعد مصعب کے والد اور حیدر کی ممی علشبہ کے ساتھ آئیں تھیں اور باقاعدہ منگنی کا اعلان کر گئی تھیں اور جب اگلے روز وہ کلینک آئی تو حیدر بے حد خوش تھا، جب اس نے بڑے احترام اور پیار سے اسے "بھابھی" کہا تو ستارا کی آنکھیں جھلملا سی گئیں تھیں۔

"آپ کو پتا ہے میں کتنا خوش ہوں......

اف...... مجھے سمجھ نہیں آ رہی اپنی خوشی کا اظہار کروں کیسے، آپ نے بہت اچھا فیصلہ کیا ہے ستارہ آپ یقین کریں آپ کو کبھی پچھتانا نہیں پڑے گا، آپ کو کبھی افسوس نہیں ہو گا میرا بھائی بہت اچھا ہے۔" وہ چمکتی آنکھوں سے کہتا گیا، ستارا ہنس پڑی۔

"آپ کے بھائی جو ہیں سر۔" حیدر بھی ہنسا تھا۔

"اب آپ اس سیٹ پہ ہی بیٹھیں گی۔" حیدر نے اپنی کرسی کی طرف اشارہ کیا تھا۔

"وہ کیوں؟" ستارا حیران ہوئی تھی۔

"اب آپ میری بھابھی ہیں جناب اور وہاں آپ کی جگہ نہیں بنتی بلکہ آپ کو آفس ہی نہیں آنا چاہیے، بس گھر جائیں اور اچھی اچھی شاپنگ کریں اور خوش رہیں۔" حیدر ہنستے ہوئے کہتا گیا، ستارہ کو اس لمحے اس کے خلوص اور محبت پہ پیار آیا تھا، وہ ہنستے ہوئے سر ہلاتی رہی۔

مگر جھٹکے دار بات تو اگلے دن ہوئی تھی جب اسے پتا چلا تھا کہ مصعب شاہ نے منگنی ریجیکٹ کر کے سیدھا نکاح کا آرڈر جاری کر دیا تھا، وہ ہکا بکا ہی رہ گئی۔

"ابا جان! یہ بہت جلدی ہے۔" اس نے احتجاج کیا تھا، جواباً وہ پرسکون انداز میں مسکرا دیئے۔

"یہ احسن کام جتنی جلدی نمٹ جائے اتنا ہی بہتر ہے۔" وہ خاموش ہی رہ گئی، حیدر کی خوشگوار باتوں نے ذہن کو منتشر نہیں ہونے دیا تھا۔

"آپ کو مجھے گھر سے نکالنے کی اتنی جلدی ہے؟" اس نے منہ پھلا کر کہا۔

"چلو ایسا ہی سمجھ لو۔" وہ خوشدلی سے بولے۔

اسی شام عائشہ آپی اور عینی بھی آ گئی تھیں، سب اس غیر متوقع بات پر بے حد خوش تھے، ایسا ہیرے جیسا لڑکا دوبارہ مل جانا اور وہ بھی بغیر کسی ڈیمانڈ کے یہ کرامت اور معجزے سے کم تو نہ تھا، وہ رات بستر پہ سونے کے لئے آئی تو ذہن میں ایک بھولی بسری یاد کی بازگشت لہرائی تھی۔

"تارا! میں تمہیں تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا۔" اس کے لبوں پہ ایک استہزائیہ مسکراہٹ لہرائی تھی، اب کہاں تھا وہ شخص جو خود بخود جان جاتا تھا کہ وہ تکلیف میں ہے، اب وہ کدھر تھا؟ جو اسے سمجھنے کا دعوے دار تھا، وہ تو شاید بہت دور اپنی دنیا میں گم ہو چکا تھا۔

"جھوٹ صرف جھوٹ بولا تھا تم نے۔" وہ نفرت سے بڑبڑائی، اسی لمحے اس کا سیل جاگ اٹھا۔

"مصعب کالنگ۔" جگمگا رہا تھا، چند لمحوں کے لئے وہ بے تاثر نگاہوں سے سیل فون کی جگمگاتی اسکرین کو دیکھے گئی، اسے حیدر نے مصعب کا نمبر دیا تھا، مگر مصعب نے آج کال پہلی مرتبہ کی تھی، فون بجتا رہا مگر وہ اسے اٹھا نہیں سکی، وہ اٹھانا چاہتی ہی نہیں تھی۔

☆☆☆

اسے پولیس اسٹیشن آئے صرف دو گھنٹے گزرے تھے جب اسے ایمرجنسی کال موصول ہوئی تھی۔

"سر! آپ کی گاڑی کا ایکسیڈنٹ ہوا ہے جس میں بیگم صاحبہ بے بی کو اسکول لے کر جا رہی تھیں، ڈرائیور تو موقع پر ہی جاں بحق ہو گیا ہے جبکہ بیگم صاحبہ کی حالت بے حد نازک ہے اور بے بی معجزانی طور پر محفوظ ہیں۔" اس کے سر پہ جیسے پہاڑ ٹوٹا تھا، وہ سارے کام چھوڑ کر ہاسپٹل بھاگا، اس کی بیوی آئی سی یو میں تھی، کاری ڈور کے ٹھنڈے فرش کی خنکی اس کے اعصاب متاثر کر رہی تھی اگرچہ وہ بے حد مضبوط اعصاب کا مالک تھا، اس نے فون نکالا اور ایک نمبر ملانے لگا۔

(باقی آئندہ ماہ)

سندس جبیں

پندرویں قسط

وہ ہاسپٹلائز تھی، تیمور احمد اور مرینہ خانم بھی وہاں تھے، مرینہ کے پاس تو عورت ہونے کی فور بھی جبھی وہ مسلسل رو رہی تھیں، مگر تیمور احمد مرد ہونے کی حیثیت سے آنسو بھی نہیں بہا سکتے تھے، وہ بس مرینہ کو تسلی دے سکتے تھے اور ایسا ہی کر رہے تھے۔

کب سے ان کی انگلیاں ایک نمبر ملا رہی تھیں مگر دوسری طرف ان کا نمبر دیکھتے ہی کال ڈسکنکٹ کر دی جاتی، ہار کر وہ اپنی سرگرمی موقوف کر کے ایک طرف بیٹھ گئے۔

کچھ دیر کے مزید جاں توڑ انتظار کے بعد ڈاکٹر صائمہ نے انہیں یہ نوید سنائی کہ سزیرین کے بعد حبا نے بچی کو جنم دیا تھا، تیمور کو جیسے نئی زندگی ملی تھی، وہ بے ساختہ فون نکال کر دوبارہ سے وہی مخصوص نمبر پریس کرنے لگے، نتیجہ اس بار بھی وہی تھا، بہت بے بس ہو کر انہوں نے اسد کو فون

ناولٹ

کیا، اسے بیٹی کی خبر دی اور ساتھ ہی درخواست کی تھی۔

''میں نے ڈاکٹر سلطان سے اسید کا نمبر لیا تھا اسے بھی اطلاع کر دوں، مگر وہ میرا فون نہیں اٹھا رہا، کیونکہ وہ میرے نمبر کو پہچانتا ہے، تم کوشش کرو اس سے رابطہ کرنے کی۔'' وہ دھیمے انداز میں کہہ رہے تھے، اسد جواباً کچھ دیر کے لئے بالکل خاموش رہا، اس کا دل چاہا وہ تیمور کو یاد دلائے کہ یہ لہجہ ان کا نہیں، کہاں گیا ان کا طنطنہ اور اکڑ؟ مگر نہ تو یہ مناسب موقع تھا اور نہ ہی وہ اتنا کم ظرف تھا کہ ان سے یہ بات کر سکتا، اس نے حبا کا حال پوچھا، بچی کی مبارک دی اور حامی بھر کر فون بند کر دیا۔

جب حبا کو ہوش آئی تو اسے پتا چلا کہ باہر زمانے بدل چکے تھے اور زندگی کی بساط اس کی بساط لپیٹی جا چکی تھی اور بازی پلٹ گئی تھی، بیٹی کی

خبر سن کر اس کا زرد رنگ کچھ اور بھی زرد پڑ گیا تھا اور آنکھوں کی ویرانی دو چند ہو گئی تھی اور لبوں پہ خاموشی کا قفل کچھ مزید مضبوط ہو گیا تھا، وہ پتھرائی ہوئی آنکھوں سے اپنی گود میں پڑی اس نو مولود بچی کو دیکھتی رہی جو بالکل اس جیسی تھی، اس جیسی سانولی رنگت لئے مقدر اس سے بھی زیادہ سیاہ بخت لائی تھی۔

"ایک اور حبا۔" اس کے اندر پھیلی ویرانی میں بازگشت ہوئی اور وہ اپنی ٹھکرائی ہوئی ذات اور کچلی ہوئی روح کے ساتھ کچھ اور بھی ٹوٹ گئی۔

دو دن بعد جب وہ آئی تو لاؤنج میں کھڑی دیواروں پہ لگی اپنی اور اسید کی تصاویر دیکھتی رہی، پھر اس نے وحشت کے عالم میں انلارجڈ تصویر کو اٹھا کر زمین پہ دے مارا، شیشے کا فریم زوردار آواز کے ساتھ ٹوٹا اور کرچیاں دور دور تک پھیل گئیں۔

"حبا کیا کر رہی ہو، پاگل ہو رہی ہو؟" مرینہ نے حیرت و پریشانی اسے روکنے کی کوشش کی تھی۔

"ہاں پاگل ہوں میں، آپ دور رہیں مجھ سے۔" اس نے چلا کر کہتے ہوئے نفرت سے ان کا ہاتھ جھٹکا تھا۔

"مت کیا کریں میرے ساتھ یہ محبت کے ڈرامہ، سب نفرت کرتے ہیں مجھ سے سب، اللہ بھی مجھے پسند نہیں کرتا اور مجھے اپنے گناہوں کی سزا مل تو گئی ہے، اس کی صورت میں۔" اس نے زہر زہر لہجے میں کہتے ہوئے بچی کی طرف اشارہ کیا تھا۔

"بے وقوفی کی باتیں مت کرو، بیٹا اور بیٹی تو خدا تعالیٰ کی دین ہیں۔" وہ غصے سے بولیں، حبا کے کمزور اور کملائے ہوئے چہرے پہ غصہ پھوٹ پڑا تھا۔

"ہاں پتا ہے مجھے، وہی کر رہا ہے میرے ساتھ یہ سب۔" وہ بڑبڑاتی ہوئی اٹھی اور وہاں سے نکل گئی۔

☆☆☆

"علینہ اور شاہ بخت...... ناممکن۔" طارق مغل نے بے یقینی سے نیلم کو دیکھا تھا۔

"احمر بھائی پاگل ہیں جو جانتے بوجھتے اپنی بیٹی کو کنویں میں دھکا دیں گے، کرتوت دیکھو اپنے بیٹے کے، وہ قابل ہے کہ اسے علینہ جیسی لڑکی ملے۔" انہوں نے تلخی سے کہا، نیلم نے ناراضی اور خفگی سے انہیں دیکھا۔

"بھلا کیا کمی ہے میرے بیٹے میں۔"

"خوبی بھی کوئی نہیں۔" وہ دوبدو بولے۔

"آخر کیوں؟ کیوں وہ اس قابل نہیں کہ اسے علینہ جیسی لڑکی مل سکے، ایسی کون سی خامی ہے میرے بیٹے میں، ایک صرف اپنی خواہش کا اظہار کیا ہے اس نے، کون سا کچھ غلط کیا ہے۔" انہوں نے کہا۔

"تم مجھے جتنی مرضی دلیلیں اور وضاحتیں دے لو، میں کبھی بھی یہ بات نہیں کرنے والا۔" وہ قطعیت سے بولے۔

"تو ٹھیک ہے مت کریں، میں خود کر لوں گی۔" وہ غصے میں آ گئیں۔

"ہرگز نہیں، نیلم بیگم یاد رکھنا ایسی غلطی کبھی مت کرنا ورنہ انجام کی ذمہ دار تم خود ہو گی۔" انہوں نے خبردار کیا۔

نیلم بے بسی سے چپ رہ گئیں اور جب یہی بات انہوں نے شاہ بخت سے کہی تو وہ بہت دیر چپ رہا تھا۔

"میں کیسے بھول گیا تھا کہ میرے ماں باپ کو میرے کام کرنے کی عادت نہیں ہے، کوئی بات نہیں، میں خود ہینڈل کر لوں گا۔" اس کا لہجہ ہموار تھا، نیلم کو اس کے تیوروں نے ٹھٹکا دیا تھا۔

"کیا کرو گے تم؟"

"میں کچھ کیوں کروں گا؟ وقار بھائی ہیں نا، میرے کام کرنے کے لئے۔" وہ فخر سے ہنسا۔

"نہیں تمہارے بابا نے صاف کہا ہے کہ کوئی بات نہیں کرے گا۔" نیلم نے اسے سمجھانا چاہا۔

"انہوں نے آپ کو منع کیا ہے، مجھے یا بھائی کو نہیں کیا۔" شاہ بخت نے وضاحت کی۔

"لیکن پھر بھی۔" انہوں نے کچھ کہنا چاہا۔

"کچھ نہیں ہو گا، امی پلیز یو ڈونٹ وری۔"

وہ وہاں سے اٹھ کر چلا گیا، وقار تو پہلے ہی اس مسئلے کو لے کر پریشان تھے، اگرچہ وہ بہت پہلے سے آگاہ تھے کہ شاہ بخت علینہ میں انٹرسٹ لیتا تھا مگر انہیں ہمیشہ سے یہی انتظار تھا کہ وہ خود اپنی پسندیدگی کا اظہار کرے گا، مگر اس کے بعد کے واقعات تا حال اندھیرے میں تھے، کیا ہوا تھا؟ وہ نہیں جانتے تھے، وہ کون لوگ تھے جنہوں نے شاہ بخت کو اس قدر بے رحم اور سنگدلانہ تشدد کا نشانہ بنایا تھا، وہ لاعلم تھے اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ چھوٹی سی بات پر اتنا طوفان اٹھانے والا شاہ بخت اس معاملے میں یکسر خاموش تھا اور اس کے موڈ اور مزاج کو مدنظر رکھتے ہوئے وقار نے اس سے مزید کچھ پوچھنے سے گریز کیا تھا اور اب جب یہ مسئلہ سامنے آیا تو پہلی بار وقار بھی صحیح معنوں میں ہچکچا گئے تھے، اس کی وجہ یہ تھی کہ اس بار طارق چچا نے صاف ہاتھ اٹھا دیئے تھے کہ وہ قطعاً یہ معاملہ شروع نہیں کریں گے جبکہ وہ نتائج سے پہلے ہی آگاہ تھے، اسی وجہ سے وہ بھی شش و پنج میں تھے مگر نا کیے، انہیں یہ کام کرنا تو تھا ہی اور اتنے سارے خدشات کے پیچھے سب سے مضبوط وجہ بھی تو تھی۔

اور وہ وجہ شاہ بخت تھا، ایسا نہیں تھا کہ وہ

اس بار بھی صرف شاہ بخت کی ضد اور خواہش کو پورا کرنا چاہتے تھے بلکہ وہ تو خود بھی یہی خواہش رکھتے تھے اور جانتے تھے کہ اس وقت شاہ بخت کی جو ذہنی کیفیت تھی وہ کچھ بھی کر سکتا تھا اور وہ قطعاً اسے اس سطح تک نہ لانا چاہتے تھے، جبھی حامی بھر کر اس وقت نبیلہ چچی اور احمر چاچو کے سامنے موجود تھے، وقار کے منہ سے شاہ بخت کی خواہش جان کر، احمر چاچو بہت دیر تک چپ رہے تھے، انہیں شاہ بخت سے بے حد محبت تھی اور اس وقت بھی یہی محبت ان کے پیروں کی زنجیر بن گئی تھی، پھر انہوں نے سارا معاملہ علینہ پہ ڈال دیا کہ اس کی جو مرضی ہوگی وہ اس کی رائے کو مقدم سمجھیں گے۔

وقار کو ایک گونہ تسلی ہوئی تھی کہ انہوں نے دوٹوک انکار تو نہ کیا تھا، یہ بات جب مغل ہاؤس کے در و دیوار میں پھیلی تو اس کے دو ردعمل سامنے آئے تھے، پہلا تو طارق چچا کا تھا جو وقار پر ازحد غصہ تھے جنہوں نے یوں بڑا بنتے ہوئے اتنی بڑی بات احمر چاچو سے کر دی تھی اور پھر دوسرا دھماکہ ہوا۔

''شاہ بخت سے شادی.....؟ ناممکن امی جان، میں اس کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی۔'' مغل ہاؤس کے اندر علینہ کی سرگوشی نے آگ لگا دی تھی اور جب یہ سرگوشی سفر کرتی ہوئی شاہ بخت تک پہنچی تو وہ جیسے خاک ہو گیا، وقت واقعی بدل گیا تھا اور اس کی سلطنت تو کب کی لوٹی جا چکی تھی۔

☆☆☆

مصعب اور ستارا اس وقت شادی کا لباس پسند کرنے آئے تھے، مصعب بضد تھا کہ وہ سفید رنگ میں ہی کوئی لباس منتخب کرے جبکہ ستارا اس کی فضول ضد سے چڑ گئی تھی۔

''یہاں رواج نہیں ہے شادی پہ سفید رنگ پہننے کا، آپ پلیز میری بات کو سمجھیں۔'' وہ غصہ ضبط کر کے سمجھانے والے انداز میں بولی تھی۔

''اس میں پسند نا پسند زیادہ اہم ہے بانسبت رواج کے۔'' مصعب نے اپنی خوشنما آنکھیں اس پہ مرکوز کر دیں۔

ستارا نے پل میں نظر پھیری تھی، وہ اس کی آنکھوں کی چمک سہہ نہ پائی تھی۔

''مگر پھر بھی..... سفید رنگ؟'' وہ ہچکچا سی گئی۔

''تو اس میں کیا پرابلم ہے؟ آپ نے میرے لئے سنورنا ہے نا؟ تو پھر ڈریس بھی میری پسند کا ہونا چاہیے۔'' وہ قطعی انداز میں بولا تھا۔

ناچار ستارا خاموش ہو گئی، وہ شخص بلا کا ضدی تھا، وہ بھلا کب پہلے اس کی ضد کے آگے ٹھہر پائی تھی جواب ٹھہر پاتی، جبھی خاموشی بہتر جانی اور یوں ویڈنگ ڈریس بھی اس کی پسند سے منتخب کر لیا گیا، واپسی کے سفر میں حسب معمول چپ تھی، مصعب نے اس خاموشی کو پہلے سے بڑھ کر محسوس کیا تھا مگر کچھ کہا نہ تھا، مصعب کے اندر کیا تھا جاننا مشکل تھا، جیولری کی دفعہ بھی مصعب نے بلا دریغ اپنی پسند ٹھونسی تھی اور حقیقتاً ستارا نے اس بار اپنی رائے دینے کی کوشش بھی نہیں کی تھی، جب وہ گھر لوٹی تو جسمانی تھکن سے زیادہ ذہنی طور پر تھک چکی تھی، اماں کو سارے دن کی تفصیلات بھی سنانا تھیں کہ وہ بڑی دیر سے محو انتظار تھیں، اس نے حوصلہ مجتمع کر کے انہیں نہایت خشوع خضوع سے سارا دن کی روداد سنائی تھی اور ایک روایتی معاشرتی سوچ کے مطابق وہ اتنی قیمتی اشیاء دیکھ کر ہی خوش ہو گئی تھیں کیونکہ آج بھی تحفے کی قدر و قیمت سے دوسرے کے خلوص کا اندازہ لگایا جاتا تھا، جب وہ سارے دن کی

تھکن کو اتارنے کی غرض سے بستر پہ آئی تو حیدر اور علشبہ کی کال آ گئی، وہ بات کرنے کے موڈ میں قطعاً نہ تھی مگر ان کی محبت اور خلوص کے آگے ہار گئی، ان کی چھوٹی چھوٹی باتوں اور میٹھی شرارتوں نے اس کے موڈ کو ساری کلفت خوشگواری میں بدل دی تھی۔

اگلے دن مہندی کی رسم تھی اور ستارا کے دل کی حالت ناقابل بیان ہو رہی تھی، مہروز کمال کی دی ہوئی ذلت کی یادیں اور نوفل کی اذیت ابھی اتنی مدہم نہیں پڑی تھی وہ ازحد ڈسٹرب تھی مگر اس کے باوجود بھی اسے احساس تھا کہ وہ اپنا موڈ دکھا کر سب کو تکلیف نہیں دے سکتی تھی کیونکہ بابا سمیت سب بے حد خوش تھے، مہندی کی رسم کرنے کے لئے حیدر اور علشبہ کے ساتھ ان کے دیگر کزنز بھی آئے تھے، رات کو عینی ستارا کو مہندی لگانے بیٹھی تو ستارا نے ہاتھ چھڑوا لیا۔

''میرا دل نہیں چاہتا عینی، پلیز نہ کرو۔'' اس کا گلا رندھ گیا، عینی نے چونک کر اسے دیکھا۔

''ایسا کیوں کہہ رہی ہو ستارا؟ کچھ بھی نہیں ہوا ہے، شکر کرو تمہیں اتنا اچھا شخص مل رہا ہے، اتنی چاہت سے لے کر جا رہا ہے تمہیں اور کیا چاہیے تمہیں؟'' عینی نے غصہ کر لیا تھا۔

مگر ستارا نے ان سنی کرتے ہوئے کمبل کھینچ کر منہ اندر دے لیا، وہ اس وقت کسی سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتی تھی، عینی نے زبردستی کرنا چاہی مگر ستارا نے اتنے دوٹوک لہجے میں اسے ٹوکا کہ وہ خاموشی سے پیچھے ہٹ گئی، اگلے دن سب نے غور کیا تھا یا نہیں مگر مصعب شاہ کی آنکھوں کی چمک ماند پڑ گئی تھی، یہ کانٹا بڑے اندر سے چبھا تھا کہ ''دولہن کے ہاتھ اور مہندی سے خالی؟''

اس شاندار تقریب میں سب بے حد مگن تھے مگر مصعب شاہ کے اندر ایک سوال تھا، وہ سفید شاندار لباس میں کسی پری کی طرح اس کے پہلو میں تھی مگر اس پری کی ہتھیلیاں سونی تھیں اور اب جبکہ حیدر اسے تنگ کر رہا تھا اور وہ اس بڑے سے گھر میں اس کے عالیشان کمرے میں بیٹھی روایتی دلہنوں کی طرح محو انتظار تھی تو اس کا دل صحیح معنوں میں خالی تھا۔

اور پھر وہ آیا، وہ جواب اس کا شرعی مالک و حقدار تھا، جس کے اختیار میں اس کے سارے اختیار آ گئے تھے اور جس کی دسترس میں وہ تھی، اور اب وہ اس سے باتیں کر رہا تھا، اس کے سونے ہاتھوں کو اپنے ہونٹوں سے چوم کر رنگ پہنا رہا تھا اور اس کے بالوں کو ایک والہانہ وارفتگی سے چھو رہا تھا اسے بتا رہا تھا کہ وہ اسے کتنا پیار کرتا ہے، ستارا نے بے بسی سے آنکھیں بند کر کے خود کو اس کے حوالے کر دیا، پتا نہیں کیسی زندگی تھی اور کیا تھی؟ اسے تو سمجھ نہیں آئی تھی، وہ تو صرف بے بس و مجبور تھی، وہ اس کا ساتھ نہ دے پائی اور اگلی صبح جب اس کا سامنا مصعب سے ہوا تو اس کی آنکھ کا شکوہ ستارا کو مار گیا تھا، یہ سبز نگینے اس سے سوال کر رہے تھے اور سوال وہ تھے جن کا جواب ستارا کے پاس نہیں تھا۔

☆☆☆

مرینہ اندر آئیں تو بڑا عجیب منظر تھا، کاٹ میں پڑی ہوئی بچی زور زور سے رو رہی تھی جبکہ حبا واش روم میں تھی، انہوں نے آگے بڑھ کر بچی کو اٹھایا اور اسے چپ کروانے لگیں، کچھ دیر بعد حبا باہر آ گئی، اس کا چہرہ گیلا تھا، وہ منہ دھو کر آئی تھی، حبا نے ایک نظر انہیں دیکھا اور پھر اپنے چہرے کو خشک کرنے لگی۔

''حبا! شفق کب سے رو رہی ہے۔'' مرینہ کو ازحد غصہ آیا تھا۔

حبا کا چہرہ بے تاثر تھا، اس نے کوئی جواب

نہیں دیا، مرینہ کو اس کی نظر اندازی از حد کھلی تھی مگر وہ خاموشی سے شفق کو بہلانے لگیں، اسے شدید بھوک لگی تھی جبھی وہ مسلسل روئے گئی۔

''اسے بھوک لگی ہوگی، اسے فیڈ کرواؤ۔'' انہوں نے تھک کر حبا سے کہا، حبا خاموشی سے شفق کو لے کر بیڈ پر بیٹھ گئی، مرینہ چند لمحے اسے دیکھتی رہیں پھر باہر نکل گئیں اور رات وہ تیمور سے کہہ رہی تھیں۔

''مجھے حبا کے رویے سے ڈر لگتا ہے تیمور! اسے ذہنی طور پر یقیناً کچھ مسائل کا سامنا ہے اس کا ردعمل بہت عجیب ہوتا جا رہا ہے شفق کی پیدائش کے بعد، شاید وہ بیٹے کی امید لگائے بیٹھی تھی، خیر جو بھی تھا کم از کم اب کچھ نہیں ہوسکتا آپ اس سے بات کیا کریں، آپ بھی نجانے کدھر مصروف رہتے ہیں وقت ہی نہیں آپ کے پاس۔'' وہ تشویش سے بول رہی تھیں، تیمور نے چونک کر انہیں دیکھا۔

''کیا کہنا چاہ رہی ہیں آپ؟'' وہ ٹھٹکے تھے۔

''آپ کیوں سمجھ نہیں رہے؟ وہ ٹھیک نہیں ہے۔'' وہ عاجز سی ہو کر بولیں۔

''مگر کیوں؟'' وہ چیخ گئے۔

''یہ میں نہیں جانتی، وہ از حد متاثر ہوئی ہے اور یہ اس کے رویے سے صاف ظاہر ہے خدا معلوم آپ کو کیوں نظر نہیں آتا، آپ کے پاس فرصت ہی نہیں اس کے پاس دو گھڑی بیٹھنے کی، اس کے ساتھ بیٹھیں اس سے ڈسکس کریں کہ آخر اس کے ساتھ مسئلہ کیا ہے، اتنی دفعہ میں نے دیکھا ہے کہ شفق کو بالکل نظر انداز کر دیتی ہے، وہ روتی رہتی ہے اور حبا بالکل اسے لفٹ نہیں کرواتی اسے یوں دیکھتی ہے جیسے وہ کوئی عجوبہ ہو اور میں......'' مرینہ کی بات ادھوری رہ گئی، کھٹاک سے دروازہ کھول کر حبا اندر آئی تھی۔

''بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ، ایک لڑکی اس قابل نہیں ہوتی کہ اسے توجہ دی جائے اور ایک بدصورت لڑکی تو بالکل کچھ ڈیزرو نہیں کرتی۔'' اس کا لہجہ زہر زہر تھا۔

''حبا! کیا فضول بات کر رہی ہو تم۔'' تیمور چیخ کر بولے تھے۔

''میں بالکل ٹھیک کہہ رہی ہوں پاپا، ایک لڑکی کو اتنے نازنخروں سے نہیں پالنا چاہیے ورنہ کل کو جو اسے مشکلات پیش آتی ہیں ماں باپ اس کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔'' وہ بدستور اسی طرح محو گفتگو تھی، مرینہ ہکا بکا سی اسے دیکھ رہی تھیں۔

''ایسا مت کہو، ہم نے تمہیں یہ سب تو نہیں سکھایا تھا اور ہم نے تمہیں ایسے پالا بھی نہیں۔'' تیمور تڑپ کر بولے تھے۔

''یہی تو آپ کی غلطی تھی۔'' وہ چلائی تھی۔

''ہماری غلطی یہ تھی کہ ہم تمہارے ماں باپ ہیں۔'' اس بار مرینہ تڑخ کر بولی تھیں۔

''ساری زندگی اسے رونا ہی ہے، تو اچھا ہے ابھی سے پریکٹس کر لے، ویسے بھی کون لے کے جائے گا اسے، کون کرے گا اس سے شادی، ایک بدکردار ماں کی شناخت پوری زندگی اس کی جان نہیں چھوڑے گی اور بدصورتی کا ٹیگ اسے ہمیشہ احساس کمتری میں جتلا رکھے گا جبھی میں نے سوچا ہے کہ میں نے اسے ایسے کسی مقابلے میں نہیں دیکھنا، نہ وہ پڑھے گی اور نہ ہی میری طرح اس کا دماغ خراب ہوگا۔'' وہ بولی نہیں تھی بھٹ پڑی تھی، تیمور زرد رنگت لئے اسے دیکھتے رہ گئے۔

''ایسا مت کہو حبا! میری جان ایسا کچھ نہیں ہے۔'' وہ کپکپاتے ہوئے لہجے میں بمشکل بولے تھے۔

''ایسا ہی ہے پاپا اگر آپ نے مجھے میری حد اور اوقات یاد کروائی ہوتی تو آج میری روح اتنی بے کل نہ جاتی اور وجود اس قدر رودندا نہ گیا ہوتا کہ مرنے کی دعا مانگتے مانگتے میں خودکشی پر آ جاتی۔'' وہ سفاکی سے خود پر ہنس رہی تھی۔

''کیا ہو گیا ہے تمہیں حبا؟ کیوں اس طرح خود ترسی کا شکار ہو رہی ہو؟'' تیمور احمد اس سے سراپا سوال تھے۔

''میں؟ کیوں میں کیوں خود ترسی کا شکار ہوں گی؟ میرا دماغ بالکل ٹھیک ہے، میں تو شکر گزار ہوں اسید کی جس نے مجھے عرش سے فرش پر لا پھینکا، میں جو دوسروں کو معمولی کیڑے مکوڑے سمجھتی تھی اب اپنی اصل حیثیت سے آشنا ہوئی ہوں، مجھے اب پتا چلا ہے کہ زمین پہ رینگنے والے معمولی حشرات الارض میں، میں خود بھی شامل ہوں، بہرحال میں آپ سے زیادہ بحث نہیں کرنا چاہتی، آپ دونوں سے درخواست ہے کہ میرے معاملے میں دخل اندازی مت کریں، اگر آپ مجھے برداشت نہیں کر سکتے تو میں یہ گھر چھوڑ کر چلی جاؤں گی۔'' وہ اپنی بات مکمل کر کے کمرے سے باہر نکل گئی۔

تیمور احمد کے چہرے پہ سوالات کا انبار تھا اور مرینہ کی خاموشی بے بس تھی۔

☆☆☆

رات کے سیاہ پر چہار سو پھیلے ہوئے تھے اور مغل ہاؤس نیند میں ڈوبا ہوا تھا سوائے دو افراد کے، جو از حد بے چین و بے قرار تھے، علینہ احمر مغل اور شاہ بخت مغل۔

علینہ نے چائے کی طلب سے بے تاب ہو کر کچن کی راہ لی اور شاید یہی اس کی غلطی تھی، کچن میں پہلے سے شاہ بخت موجود تھا، وہ اسے دیکھ کے ٹھٹکا اور پھر سے اپنی کافی پھینٹنے میں مگن ہو گیا، علینہ نے ایک لمحے کے لئے سوچا کہ وہ واپس مڑ جائے مگر پھر اگلے ہی لمحے اس نے یہ خیال رد کر دیا، وہ کسی طرح بھی اسے یہ باور نہیں کروانا چاہتی تھی کہ وہ اس سے ڈر گئی ہے یا کنفیوژ ہے جبھی آگے بڑھ آئی۔

اس نے فریج سے دودھ نکالا اور چینی نکالنے کے لئے کیبن کھول لیا، خاموشی میں صرف چمچ ہلنے کی آواز تھی، اس نے دودھ پین میں ڈالا اور برنر جلانے لگی وہ بالکل پاس ہی تو تھا، ڈارک براؤن شلوار قمیض میں آستین فولڈ کیے اپنی مسحور کن خوشبو کے ساتھ وہ علینہ کے اعصاب کشیدہ کر گیا، وہ چند لمحے کے لئے بھول گئی کہ اس نے کرنا کیا تھا؟ جبکہ وہ ہنوز اسی طرح مگن تھا، علینہ نے سر جھٹکا اور شوگر پاٹ کے لئے ادھر ادھر دیکھا وہ شاہ بخت کے سامنے سلیب پہ پڑی تھی، پہلے اس کے دل میں آئی کہ وہ اسے پکڑانے کو کہے پھر اس نے فوراً ہی پھر سے اپنے خیال کی نفی کی اور آگے بڑھ کر جار پکڑ لیا، دوسری طرف وہ اپنی کافی تیار کر چکا تھا، اپنے فیورٹ مگ میں انڈیل کر اس نے مگ تھام لیا، علینہ نے دزدیدہ نظروں سے اسے دیکھا اسے انتظار تھا کہ وہ باہر جائے، مگر وہ وہیں سلیب سے پشت لگا کر کھڑا ہو گیا اور کافی کے گھونٹ لینے لگا۔

علینہ نے خاموشی سے اپنی چائے مگ میں ڈالی اور تھام کر واپس مڑی مگر اسے رک جانا پڑا، اس کی کلائی ایک ہاتھ کی گرفت میں تھی، وہ پلٹ پڑی۔

''بات کرنی ہے تم سے۔'' شاہ بخت کے لہجے میں ایسا کچھ تھا کہ علینہ کے حوصلے یک بیک پست ہوئے تھے۔

''یہ بات کرنے کا کون سا طریقہ ہے؟'' وہ جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑاتے ہوئے بولی، شاہ

بخت نے بھی کوئی تعرض کیے بغیر کلائی چھوڑ دی تھی۔

"دوسرے طریقے سے تم بات نہیں سنتی نا جبھی۔" وہ دوٹوک بولا، علینہ نے نظر اندازی کے ساتھ واپس مڑنا چاہا مگر اس بار حملہ پہلے سے شدید تھا، علینہ کے ہاتھ میں موجود چائے کا مگ چھلک گیا۔

"تمہارا مسئلہ کیا ہے؟" وہ تڑخ کر بولی تھی۔

"یہی بتانے کے لئے تمہیں روک رہا ہوں۔" اس کا انداز حظ لینے والا تھا، اس نے کلائی البتہ چھوڑ دی تھی، علینہ نا چاہتے ہوئے بھی رک گئی تھی۔

"کیا چاہتے ہو تم؟" وہ طنزیہ بولی تھی۔

"اب یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ تمہیں چاہتا ہوں کیونکہ اس سے تم خاصی خوش فہمی کا شکار ہو سکتی ہو۔" اس کا انداز مزاح اڑانے والا تھا۔

"میں ایسی کسی غلط فہمی کا شکار نہیں ہوں۔" وہ تڑپ اٹھی تھی۔

"یہ تو اور بھی اچھی بات ہے اس سے بات جلدی ختم ہو گی۔" وہ مزید چڑا رہا تھا، علینہ کے اندر کہیں کچھ ہوا تھا۔

"تم کیا بات کرنا چاہتے ہو؟" علینہ نے پوچھا۔

"میں صاف بات کروں گا اور......" اس نے بات شروع کی مگر علینہ نے قطع کر دی۔

"اور صاف بات کیا ہے؟"

"شادی تو تمہیں کرنا ہی ہے تو پھر انکار کیوں؟"

"میں تمہاری بات کا جواب دینا پسند نہیں کرتی۔" وہ چلائی تھی، شاہ بخت کی رنگت میں سرخی دوڑ گئی، اس نے یکا یک ہاتھ میں پکڑا مگ سامنے دیوار پہ دے مارا، چھناک کی آواز کے ساتھ مگ ٹوٹا اور کافی دیوار کو داغدار کر گئی۔

"ڈونٹ شاؤٹ...... اوکے۔" وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سرسراتے لہجے میں بولا تھا۔

علینہ فریز سی ہو گئی، شاہ بخت کا ردعمل اس قدر خوفناک اور اچانک تھا اس کی حسیات پر منوں برف جم گئی تھی، وہ اپنی جگہ سے ہل بھی نہ سکی اور ساکت سی اسے دیکھتی رہ گئی، پھر اچانک اس کے پیروں نے حرکت کی اس نے لرزتے ہوئے ہاتھوں سے مگ سلیب پر رکھا اور الٹے قدموں سے باہر بھاگ گئی۔

شاہ بخت بھینچے لبوں کے ساتھ وہیں کھڑا تھا اس کی آنکھوں میں برداشت کی سرخیاں اتر رہی تھیں۔

"علینہ احمر مغل۔" اس کی برداشت اور حوصلے کا ضرورت سے زیادہ امتحان لے رہی تھی اور اس کا موڈ مزید خطرناک کر رہی تھی۔

☆☆☆

"آپ جانا چاہتی ہیں؟" معصب نے اتنے دوٹوک انداز میں سوال کیا کہ ستارا گڑبڑا سی گئی، وہ ولیمے کی صبح ان کے والدین کے ہاں جانے کے بارے میں دریافت کر رہا تھا۔

"بات میری مرضی کی نہیں ہے یہ تو رسم ہے۔" وہ آہستگی سے وضاحت کرتی ہوئی بولی۔

"بھاڑ میں گئی رسم، میں نہیں مانتا، آپ کہیں نہیں جا رہیں۔" اس نے بلند آواز میں کہا اسی دوران اس کا موبائل بج اٹھا، اس نے اسکرین دیکھا تو اس کے ماتھے پہ ایک گہری شکن آ گئی۔

"یس، معصب شاہ از ہیر۔" وہ بالکل بدلے ہوئے لہجے میں بات کرتا باہر نکل گیا، ستارا اس کی پشت کو دیکھتی رہ گئی، پھر اس کے اندر تھکن اترنے لگی تھی، کیا یہ کسی قسم کی ذہنی تسکین تھی؟ وہ شخص اسے ڈکٹیٹر لگا تھا، کیا وہ مستقبل میں بھی اسی قسم کا رویہ روا رکھنا چاہتا تھا، ستارا کے ہاتھوں سے پسینہ پھوٹ پڑا، سوالیہ نشان کا سامنا زندگی کے اور کتنے مقامات پر اسے کرنا تھا؟ دوسری طرف معصب نے جیسے ہی کال بند کی، پاپا سے سامنا ہو گیا۔

"معصب! کیا بات ہے؟ تم کچھ پریشان دکھائی دیتے ہو؟"

"کچھ نہیں پاپا، بس رات کے فنکشن کے متعلق کچھ ڈسکشن کرنا تھی۔" اس نے نہایت آرام سے ان کا ذہن بدلا، وہ سر ہلاتے ہوئے آگے بڑھ گئے اور رات ولیمہ کی تقریب میں جب معصب نے ستارا کو دیکھا تو چند پل نظریں نہیں ہٹا سکا، وہ ایک سکی ریڈ ایوننگ گاؤن میں تھی اور اس کے دراز بال گردن سے بہت اوپر ایک جوڑے کی شکل میں بندھے تھے اور اس کی لمبی گردن بہت نمایاں تھی جس میں موجود ایک خوبصورت ہار اس کی دلکشی کو دوچند کر رہا تھا۔

حیدر نے اس کے یوں بے خود ہو جانے کو بہت شدت سے نوٹ کیا تھا اور پھر وہ بہت دیر معصب کا ریکارڈ لگاتا رہا تھا، جس پہ معصب نے خفگی بھرا انداز بنانا تھا۔

فنکشن کا آغاز ہو چکا تھا، ستارا کے خاندان کے تقریباً سبھی افراد موجود تھے اور صحیح معنوں میں اس پر رشک کر رہے تھے، یہ سب وہی تھے جنہوں نے پہلے مہروز کمال سے اس کی طلاق کو اپنی بے رحم تنقید کا نشانہ بنایا تھا اور ہر طرح سے ستارا کو قصوروار سمجھا تھا، مگر اب یہی لوگ ستارا کی قسمت یوں بدلنے پہ حیران تھے، کھانے کے دوران معصب کا رویہ بے حد والہانہ تھا وہ مستقل اس کی پلیٹ میں کچھ نہ کچھ رکھتا جاتا تھا، ستارا کے گھر والوں نے بھی اس کا یہ التفات نوٹ کیا تھا، خصوصاً اماں کے دل میں صحیح معنوں میں اطمینان اترا تھا۔

کھانے کے بعد فوٹو شوٹ تھا، جیسے ہی معصب ادھر ادھر ہوا، ستارا نے فوراً اماں کے کان میں سرگوشی کی تھی۔

"اماں! معصب نہیں چاہتے کہ میں رہنے کے لئے گھر جاؤں، آپ پاپا کو سمجھا دیجئے گا وہ معصب کے پاپا سے یا حیدر کی ممی سے اس سلسلے میں کوئی بات نہ کریں۔" ستارا نے دھیمے لہجے میں کہا تو اماں الجھ سی گئیں۔

"مگر کیوں تاری! یہ تو رسم ہے بچی۔"

"میں نے بھی یہی کہا تھا مگر ان کا کہنا ہے کہ میں نے ماننا، اماں بحث کا کیا فائدہ ہے؟ جب انہیں پسند نہیں ہے تو میں وہ کام ہی کیوں کروں؟" ستارا نے مدھم لہجے میں بات ختم کر دی۔

اماں نے بھی فہم و فراست سے معاملے کی نازکی کو دیکھا اور خاموش رہنے میں ہی غنیمت جانی اور اٹھ گئیں، اسی وقت عینی اور عائشہ آپی وہاں آ گئیں، ستارا نے فی الفور اپنا موڈ ٹھیک کیا تھا، بہت خوشگوار میں تینوں بہنیں گپ شپ میں مصروف تھیں جب حیدر اور علشبہ نے وہاں ہلہ بولا تھا، باتوں کا انداز اور لہجے فوراً ہی بدل گئے، اب باتوں کا متن رسمی رہی تھا، وہ سب بہت مگن سے تھے جب ایک دم سے ہی داخلی گیٹ سے شور سا اٹھا تھا، سب کی نظریں بے ساختہ اس سمت اٹھ گئیں۔

وہ بلند قامت شخص سیکورٹی گارڈز سے الجھ رہا تھا، ساتھ ساتھ وہ بلند آواز میں چیخ رہا تھا، ستارا کو دور ہونے کی وجہ سے اس کی آواز نہیں آ

رہی تھی جس کی وجہ سے وہ اس کی باتیں نہیں سن سکی مگر اس نے بلند آواز میں مصعب کا نام لیا تھا اور ساتھ ہی چیخ کر اسے بلانے کو کہا تھا۔

''یا اللہ! یہ کیا ہو رہا ہے؟'' اماں دہل سی گئیں۔

''آپ پریشان مت ہوں آنٹی میں دیکھتا ہوں۔'' حیدر کے چہرے پر تشویش تھی وہ آگے بڑھ گیا، ہجوم اب اکٹھا ہوتا جا رہا تھا اور پھر کہیں سے مصعب آگے بڑھا اور اس آدمی کے قریب چلا گیا، اب وہ دونوں ایک دوسرے کے مدمقابل کھڑے تھے۔

''کیوں آئے ہو یہاں؟ میں نے تمہیں منع کیا تھا نا؟'' مصعب کی بلند غصیلی آواز گونجی تھی، جواباً اس آدمی نے بھی کچھ کہا، مگر وہ مقامی زبان نہیں تھی، وہ کیا کہہ رہا تھا؟ ستارا کو پل بھر میں خون رگوں میں جمتا ہوا محسوس ہوا تھا، وہ ملائی زبان میں بول رہا تھا، جواباً مصعب نے بھی اس سے ملائی میں بات شروع کی تھی۔

''آپ میرے ساتھ ایسا کیسے کر سکتے ہیں؟ میں آپ کا بھائی ہوں۔'' وہ اجنبی شخص بے بسی سے چلایا تھا، ستارا کو دھچکا لگا تھا، مصعب کا بھائی؟

☆☆☆

دن کا آغاز ہی بڑا عجیب تھا، وہ صبح جاگی تو اس کی کمر میں انتہائی شدید درد کی لہریں اٹھ رہی تھیں، اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ کل رات ماربل کے فرش پر پھسل گئی تھی، وہ درد کو برداشت کرتے ہوئے اٹھ گئی، فجر کی اذانیں ہو رہی تھیں، اس نے شفق کو دیکھا، وہ لحاف میں مزے سے سو رہی تھی، اس نے وضو کیا اور جائے نماز پر کھڑی ہو گئی، قیام میں اس محسوس ہوا کہ اس کی درد میں یکدم اضافہ ہو گیا تھا، رکوع کرتے ہوتے اس کے لبوں سے بے اختیار کراہ نکل گئی تھی، وہ چند لمحے تک خود پہ ضبط کرتی رہی پھر اس نے بمشکل تجمیع کی تھی اور سجدے میں جاتے ہی اس کے لبوں سے ایک کرلاتی ہوئی چیخ نکلی تھی اور پھر وہ تڑپ تڑپ کر رونے لگی، کردہ اور ناکردہ گناہوں کی معافی مانگتے ہوئے اس کا پورا جسم لرز رہا تھا، بمشکل وہ اٹھی تو باہر بادل گرج رہے تھے، اس نے حیرت سے کھڑکی کھولی، نومبر کی سرد بارش کی چند بوندیں اس کے چہرے سے ٹکرائیں تو وہ کچھ دیر کے لئے رک سی گئی، ورنہ ارادہ کھڑکی بند کرنے کا تھا، اسے یاد آیا کبھی اسے بارش بہت پسند تھی، مگر یہ تو تب کی بات تھی جب وہ زندہ تھی اب تو کچھ بھی نہ رہا تھا، نہ زندگی نہ خواہش نہ خوشی، سب ختم ہو چکا تھا۔

لاکھ کوشش کی مگر نکل ہی گئے

گھر سے یوسف، جنت سے آدم

اور......!!!

تیرے دل سے ہم......!!!

کیا کوئی شخص اس سے زیادہ تباہ حال تھا؟

کیا کوئی ذی نفس اس سے زیادہ ذلیل تھا؟

کیا روئے زمین پہ کوئی اس سے زیادہ بدقسمت تھا؟

اور کیا کوئی اس سے زیادہ بے بس تھا؟

نہیں...... یقیناً نہیں

اس نے نم آنکھوں سمیت کھڑکی بند کر دی اور پلٹ کر بیڈ کی طرف آئی جب نظر شفق پہ پڑی تھی، وہ یکایک جیسے سن سی ہوگئی ایک اور بدبختی!!

اس کے اندر زہر دوڑنے لگا، کیا تھا اگر اسے ایک بیٹا مل جاتا؟ اس نے خود ترسی کی انتہا پہ جا کے سوچا تھا، مگر پھر کیا ہوتا؟ کیا اسید اسے معاف کر دیتا، کیا وہ اسے پیار کرنے لگ جاتا، کیا اس کے احساسات حبا کے متعلق بدل جاتے؟ اور

کیا وہ اپنا انتقام بھول جاتا؟

نہیں...... یقیناً نہیں۔

ایسا کچھ ممکن ہی نہ تھا اور وہ پتا نہیں کیا خوش فہمی سنبھالے بیٹھی تھی، ماما اور پاپا کل سے کراچی کسی شادی میں شرکت کے لئے گئے تھے، ماما کے بے حد اصرار پر بھی اس نے ساتھ جانے کی حامی نہ بھری تھی، پاپا اسے یوں اکیلا چھوڑ کے جانے کے حق میں نہ تھے مگر وہ مانی ہی نہ تو انہیں ہار ماننا پڑی تھی۔

اور اب وہ اکیلی شفق کے ساتھ گھر تھی اور اوپر سے یہ بارش، وہ شاید پھر سے لیٹ جاتی مگر اسی اثناء میں انٹرکام بج اٹھا، اس نے اٹھایا تو گیٹ سے چوکیدار تھا۔

''بی بی صاحبہ! صاحب آئے ہیں۔'' چوکیدار کی آواز بارش کے شور میں غیر واضح سی تھی، وہ الجھ گئی، صاحب؟ کون سے صاحب؟

''دو منٹ میں گیٹ پہ آؤ میں، تمہیں لینے آیا ہوں۔'' ریسیور سے اسید مصطفیٰ کی خشک اور تحکمانہ آواز ابھری تھی۔

حبا کے ہاتھ سے ریسیور چھوٹ گیا، وہ چند لمحے سانس روکے بیٹھی رہی پھر بدقت اٹھی، مسلے ہوئے شلوار قمیض کے ساتھ وہ پہلے سے زیادہ عام لگ رہی تھی، اس نے گرم چادر مضبوطی سے لپٹی سوئی ہوئی شفق کو اٹھایا اور باہر نکل آئی۔

لاؤنج سے کاری ڈور اور پھر خارجی دروازہ، وہ جیسے بے جان قدموں سے گھسیٹ رہی تھی، اس نے ڈرائیور سے گزرتے ہوئے خود کو بارش میں بھیگتا پایا تھا، اس کی کمر درد اب بڑھ رہی تھی، وہ گیٹ تک پہنچی تو چوکیدار نے گیٹ کی ذیلی کھڑکی کھول دی تھی وہ باہر آئی تو چند لمحے اس کے پیروں نے ہلنے سے انکار کر دیا تھا۔

وہ کوئی عام آدمی نہیں تھا، وہاں کون تھا؟ وہ جس اسید مصطفیٰ کو جانتی تھی وہ تو ایک نجی ادارے میں قلیل تنخواہ پر انگلش لیکچرار تھا اور اکیڈمیز پڑھا کر خرچ چلا رہا تھا، سامنے کھڑا شخص اس کے لئے قطعی طور پر نیا تھا۔

گارڈز کے حصار میں، پورے پروٹوکول کے ساتھ، پولیس یونیفارم میں اس کے سامنے ''ڈی ایس پی اسید مصطفیٰ'' کھڑا تھا کسی نے اس کے جیپ کا بیک ڈور کھولا تھا، وہ میکانکی انداز میں اندر بیٹھ گئی، اس کی چادر دروازے میں پھنس گئی تھی، دروازہ ٹھک سے کھلا، دو ہاتھوں نے چادر کا کونہ کھینچ کر اندر کیا تھا اور پھر وہ اس کے برابر بیٹھ گیا، اس کی مسحور کن خوشبو، حبا نے یکلخت آنکھیں میچ کر سانس روک لیا، اس کی ٹانگوں میں لرزش تھی اور اس نے شفق کو یوں چادر میں چھپایا ہوا تھا، جیسے کوئی اپنے گناہ چھپاتا ہے، واپسی کا سفر شروع ہو گیا اور کیا تھا اسی واپسی میں؟ ذلت...... بے بسی...... اور دھتکار۔

اس کا سر اتنا جھکا ہوا تھا کہ چادر کی اوٹ سے اس کا چہرہ نظر نہیں آ رہا تھا، گاڑی میں ایک جامد سناٹا تھا، حبا کا دماغ جیسے کام کرنا چھوڑ چکا تھا، آج کیسا دن تھا؟ یہ اگر معجزہ تھا تو کیسے ہوا، معجزات تو نبیوں کے لئے تھے، وہ تو ادنیٰ سی انسان تھی بلکہ سیاہ کار تھی تو اس کے لئے یہ کرامت کیسے ظہور پذیر ہو گئی تھی۔

اسید مصطفیٰ اسے واپس لینے آیا تھا، یا خدا! کوئی اسے یقین دلائے کہ یہ سچ تھا، خواب نہیں۔

ایک دم سپیڈ بریکر آیا، گاڑی ہلکے سے جھٹکے سے رکی اور شفق کسمسانے لگی، حبا ہڑبڑا کر حواسوں میں آئی اور اسے تھپکنے لگی، اسی وقت اسید کا فون بج اٹھا، رنگ ٹیون کی تیز آواز سے شفق جاگ گئی اور سہم کر رونے لگی، حبا نے بے حد خوفزدگی کے عالم میں اسے اندر بھینچا اور تیز تیز

تھکنے لگی، اسید فون اٹینڈ کر رہا تھا، مگر بیک گراؤنڈ میں شفق کا رونا۔

"چپ کرواؤ اسے۔" ڈرائیور کی موجودگی کا لحاظ کرتے اس نے مدھم آواز میں کہا تھا مگر لہجے میں رچی ناگواری حیا کو ٹھٹھرا گئی تھی۔ اس نے جیسے تیسے کرکے اسے چپ کروایا تھا، باہر بارش تیز تھی، مگر گاڑی کے اندر ہیٹر آن ہونے کی وجہ سے حدت تھی، حیا بہت ڈر کر ایک طرف سمٹ کر اور آگے کو ہو کر بیٹھی تھی، پشت اس نے بیک کے ساتھ نہیں لگائی تھی جس کی وجہ سے اس کی کمر میں درد بڑھتا جا رہا تھا اور آنکھوں میں دھند بھی، مگر ابھی تو جانے کتنا سفر باقی تھا۔

☆☆☆

اور یہ منظر کراچی کے ایک گھر کا تھا، سنڈے ہونے کی وجہ سے ابھی تک بستر میں تھا، وہ کتنی بار اسے جگا چکی تھی مگر عدارد، تنگ آ کر دروازہ تڑاخ سے بند کرکے باہر آ گئی اور کچن میں جا کر ناشتہ بنانے لگی، وہ ناشتہ تیار کرکے ٹیبل پہ لگا رہی تھی جب ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی، اس نے ساری چیزیں ٹیبل پہ منتقل کیں اور فون ریسیو کرکے صوفہ پہ بیٹھ گئی۔

"السلام علیکم!" اس نے کال پک کی تھی۔

"وعلیکم السلام سبین بیٹی کیسی ہو؟" نبیلہ بیگم کی آواز اس کے کانوں میں پڑی تھی، اس کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ آ گئی۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں خالہ، آپ کیسی ہیں؟"

"میں بھی ٹھیک ہوں، عباس کیسا ہے؟"

"عباس ٹھیک ہیں، کئی بار جگا چکی ہوں، ابھی تک سو رہے ہیں۔" وہ شکایتی انداز میں بولی تھی، وہ ہنس پڑیں۔

"بس بیٹا، اب تو تم ہی ہو اور کسے نخرے دکھائے گا؟" وہ محبت بھرے انداز میں بولیں، وہ آگے سے اثبات میں سر ہلا کے "ہوں" کر گئی۔

"سبین! بچے ذرا عباس کو تو بلاؤ مجھے ضروری بات کرنا ہے۔" کچھ دیر کی ادھر ادھر کی باتوں کے بعد انہوں نے کہا تو وہ حامی بھر کے اٹھ گئی، کمرے میں آئی تو عباس فریش ہو چکا تھا۔

"گڈ مارننگ۔" وہ اسے دیکھ کر مسکرایا تھا۔

"السلام علیکم، صبح بخیر۔" وہ بھی مسکرائی، مگر ساتھ ہی بولی۔

"لاہور سے خالہ امی کا فون ہے، جلدی آئیں۔" وہ اطلاع دے کر واپس مڑ گئی، عباس بھی سر ہلاتے ہوئے اس کے پیچھے چل پڑا، فون اٹھا کر اس نے رسمی بات چیت شروع کر دی تھی سب کا حال احوال دریافت کیا البتہ شاہ بخت کے متعلق کچھ نہ پوچھا تھا، جب سے وہ کراچی آئے تھے شاہ بخت نے ایک مرتبہ بھی اس سے رابطہ کرنے کی کوشش نہ کی تھی جس کی وجہ سے عباس بھی ضد پہ اتر آیا تھا، آج بھی اس نے ماں سے اس کے متعلق کچھ نہ پوچھا تھا۔

"عباس! مجھے تم سے کچھ ضروری بات کرنا تھی۔" کچھ دیر بعد انہوں نے کہا تھا ان کے لہجے میں کچھ ایسا تھا کہ وہ الرٹ ہو گیا تھا۔

"ایسی کون سی بات ہے؟" وہ چونک کر بولا تھا، وہ دھیمے دھیمے اسے علینہ اور شاہ بخت کے متعلق بتانے لگیں، وہ چند لمحے بول نہ سکا تھا۔

"علینہ اور شاہ بخت؟ آپ کیا کہہ رہی ہیں امی جان؟" عباس کو چند لمحے سمجھ ہی نہ آیا کہ وہ کیا کہے؟

"گھر میں بہت مسئلہ ہو رہا ہے عباس، تم علینہ کو سمجھاؤ کہ وہ ہاں کر دے اور ہو سکے تو باپ کو بھی سمجھاؤ، شاہ بخت میں ذاتی طور پہ

کوئی برائی نظر نہیں آتی اور تمہارا کیا خیال ہے؟" وہ مختصراً بتا کر اس کی رائے مانگ رہی تھیں۔

"امی! آپ کو کیا ہو گیا ہے؟ علینہ اور شاہ بخت کا کوئی جوڑ ہی نہیں ہے، پہلے آپ مجھے سمجھائیں کہ یہ خیال آیا کس کے دماغ میں؟" وہ غصے سے بولا تھا۔

"کیا مطلب؟ تمہیں کس بات کی چپ لگ گئی ہے؟" وہ اس کا ردعمل دیکھ کر حیران رہ گئیں۔

"امی! معذرت کے ساتھ، آپ کو شاہ بخت کا دماغ کا اچھی طرح اندازہ ہے کم از کم وہ کوئی نارمل انسان نہیں ہے مجھے بہت اچھے سے پتا ہے اس کا، سائیکو کیس ہے وہ اور آپ لوگوں کا دماغ کام نہیں کرتا کیا؟" وہ جھلا کر بولتا جا رہا تھا۔

"عباس! یہ تم کہہ رہے ہو؟ تم تو اس کے سب سے اچھے دوست ہو؟"

"دوست ہونے کا مطلب یہ تو نہیں کہ میں اپنی بہن کو بھاڑ میں جھونک دوں؟" عباس نے تلخی سے کہا۔

نبیلہ خاتون چند لمحے کو ساکت ہی رہ گئیں، کم از کم وہ عباس سے یہ توقع ہرگز نہیں کرتی تھیں۔

"مجھے تو اس میں کوئی برائی نظر نہیں آتی۔" وہ تحمل سے بولیں۔

"اور مجھے اس میں کوئی اچھائی نظر نہیں آتی۔" وہ ترکی بہ ترکی بولا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"مطلب یہ کہ جو آپ چاہ رہے ہیں وہ قطعی اور یہ ممکن نہیں ہے، وہ دونوں کسی طور ایک دوسرے کے لئے مناسب نہیں ہیں، عمروں کا تضاد دیکھیں، علینہ ابھی بہت چھوٹی ہے۔" اس نے پہلی وجہ یوں بتائی جیسے ترپ کا پہلا پتہ پھینکا ہو۔

"تو کیا ہمیشہ ننھی بنا کر رکھو گے اسے؟ بیس سال کی ہو گئی ہے اور کب تک بچی بنی رہے گی؟" انہوں نے سختی سے اعتراض رد کر دیا تھا۔

"ان دونوں کے مزاجوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔" عباس نے دوسرا پتہ پھینکا۔

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے، لڑکی کو گھر بسانے کے لئے بہت کچھ برداشت کرنا پڑتا ہے اور بخت کے مزاج میں ایسی کوئی خرابی نہیں ہے۔" وہ بھی جیسے ضد میں آ گئیں تھیں۔

"ہاں نہیں ہے خرابی، اس کا غصہ دیکھا ہے آپ نے؟ کسی دن علینہ کو بھی غصے سے اٹھا کر باہر پھینکے گا۔" عباس نے تلخی سے کہا۔

"جانے دو عباس، ایسی بھی کوئی لوٹ نہیں مچی، ہم سب زندہ ہیں ابھی، مر نہیں گئے اور اسے ایسا غصہ ہر وقت نہیں آیا رہتا، کبھی کبھار ہی آتا ہے اور وہ تو کسی کو بھی آ سکتا ہے تمہیں بھی، تو پھر اس میں واویلا مچانے والی کیا بات ہے؟" اس بار وہ قدرے ناگواری سے بولیں تھیں۔

"جی آتا ہے مگر اس جیسا نہیں آتا، اور ذرا یہ بھی سوچیں کہ کیا علینہ برداشت کر سکتی ہے؟" وہ کہہ رہا تھا۔

"ایسی بھی نازک پری نہیں ہے وہ، تمہارا تو دماغ خراب ہو گیا ہے بس۔" وہ غصیلے لہجے میں کہہ رہی تھیں۔

"شاہ بخت سگریٹ پیتا ہے یہ بھول سکتے ہیں آپ؟" اس بار وہ بڑے چبھتے ہوئے لہجے میں بولا تھا۔

"دنیا کے آدھے مرد پیتے ہیں۔" انہوں نے جیسے کان سے مکھی اڑائی۔

"ہاں ٹھیک ہے کل کو اگر وہ شراب پینے لگے گا نا تب کہیے گا کہ سارا یورپ پیتا ہے، کیا

فرق پڑتا ہے؟'' وہ جیسے پھنکار اٹھا تھا۔
''ہائے...... اللہ نہ کرے کس طرح کی باتیں کرتے ہو۔'' وہ تڑپ کر بولیں تھیں۔
''صحیح کہا ہے میں نے کوئی ثبوت نہیں ہے آپ کے پاس، کہ آپ کا لاڈلہ بھتیجا آپ کی بیٹی کو خوش رکھ پائے گا یا نہیں، آپ کو یقین ہے اس بات کا؟'' دونوں کے بیچ تلخی بڑھتی جارہی تھی۔
''تو تمہارے پاس اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ بخت کے علاوہ کوئی دوسرا آدمی اسے خوش رکھ پائے گا؟ کیا گارنٹی ہے اس بات کی کہ وہ سگریٹ نہیں پیتا ہوگا، یا کسی اور غلط کام میں ملوث نہیں ہوگا، پتا ہے لوگ کیسے کیسے فراڈ کرتے ہیں شادی کے نام پر، سب کچھ چھپا لیتے ہیں اور بعد میں جب اصلیت کھلتی ہے تو لڑکی کے والدین بے بس ہوجاتے ہیں۔'' وہ چراغ پا ہوگئیں۔
''لیکن اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ آنکھوں دیکھی مکھی نگل لی جائے۔'' عباس کا طیش بڑھتا جا رہا تھا۔
''مجھے بالکل اندازہ نہیں تھا کہ تم شاہ بخت سے اس قدر نفرت کرتے ہو۔'' وہ بہت حیران سی مگر افسردہ ہوکر بولیں تو عباس جھنجلا اٹھا۔
''امی بات نفرت یا محبت کی نہیں ہے آپ سمجھ نہیں رہیں۔''
''میں سب سمجھ رہی ہوں، تمہارا دماغ خراب ہوچکا ہے بس، بخت جیسے ہیرا لڑکے میں تمہیں خرابیاں نظر آرہی ہیں۔'' وہ اس کی بات قطع کرکے برہمی سے بول اٹھیں۔
''یہ آپ کی غلط فہمی ہے جو آپ کو کوئلہ ہیرا نظر آرہا ہے، اس لڑکے میں ایسی کوئی خوبی نہیں کہ وہ میری پری جیسی بہن ڈیزرو کرے، مگر خیر، آخر آپ والدین ہیں جو آپ کو بہتر لگا آپ کر لیں، مگر آپ کے اس یکطرفہ فیصلے میں، میں بالکل حصے دار نہیں ہوں اور نہ ہی میں اس شادی میں اگر ہوئی تو، شریک ہوں گا۔'' اس نے حتمی لہجے میں کہہ کر فون بند کردیا۔

☆☆☆

نبیلہ خاتون نے فون کو حیرانی سے دیکھا اور سوچ میں پڑ گئیں۔
''یہ عباس تھا؟''
''کیا بات ہوئی ہے عباس سے؟'' نیلم چچی نے جو ابھی آئیں تھیں، انہیں سوچ میں ڈوبے دیکھ کر پوچھا تھا۔
''وہ تو صاف ہاتھ اٹھا گیا ہے، کہتا ہے مجھے اس معاملے سے الگ رکھیں۔'' وہ بے حد رنجیدہ سی بتانے لگیں، چند لمحوں کے لئے نیلم بھی چپ رہ گئی تھیں۔
''آپ پریشان مت ہوں آپا، ہوجائے گا کچھ نہ کچھ سب اس معاملے کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔'' ان کا لہجہ تھکا سا تھا۔
''بھلا ایسے ہوتے ہیں رشتے، سارے گھر کو سر پہ اٹھایا ہوا ہے۔'' وہ بخت سے شکوہ کناں تھیں، نبیلہ خاتون چپ رہی تھیں۔
''آپا! مجھے علینہ بہت پسند ہے مگر میں نہیں چاہتی کہ زبردستی اس کو مجبور کیا جائے، زبردستی کے ایک رشتے کا انجام یہ گھر بھگت چکا ہے۔'' نیلم چچی کی آنکھوں میں آنسو آگئے، نبیلہ خاتون نے دلاسا دینے والے انداز میں ان کو تھپکا تھا۔
''کیسی زبردستی نیلم، وہ تو بچی ہے اسے کیا پتا تھا؟'' انہوں نے نا چاہتے ہوئے بھی علینہ کی حمایت کردی۔
''مگر ایاز تو بچہ نہیں تھا نا آپا، مجبور تو وہ بھی ہوگیا تھا، میں نہیں چاہتی کہ علینہ پہ ایسا کوئی فیصلہ جبراً تھوپا جائے۔'' ان کا انداز فیصلہ کن تھا۔
اسی وقت سیڑھیوں سے شاہ بخت نیچے آتا

''آپ کوشش تو کریں، ہوسکتا ہے وہ حبا سے میری بات کروا دے۔'' وہ بڑی آس سے بولی تھیں۔
تیمور کے بھی دل میں جانے کیا آئی کہ انہوں نے فون نکال کے نمبر ملانا شروع کردیا، مرینہ آس و نراس کی کیفیت میں گھری انہیں دیکھتی جارہی تھیں اور تب تیمور کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب فون اٹھالیا گیا۔
''ہیلو...... ہیلو۔'' وہ بے تابی سے بولے۔
''حبا!'' دوسری طرف ایک کھردری آواز سنائی دی، تیمور کا ہر عضو کان بن گیا۔
''تمہارا فون ہے۔'' اسید نے غالباً حبا کو فون پکڑا دیا تھا۔
''ہیلو۔'' حبا نے قدرے حیرانی سے فون کان سے لگا کے کہا تھا۔
''حبا...... حبا...... کہاں ہو تم، کیوں گئی ہو، یوں ہمیں بتائے۔'' وہ بیٹی کی آواز سن کے بے قرار ہوگئے تھے، بس نہیں چل رہا تھا کہ ریسور میں نکل کر اس تک پہنچ جائیں۔
''اور سچ بتاؤ وہ زبردستی لے گیا ہے نا تمہیں، کون سی دھمکی لگائی تھی اس نے تمہیں؟'' وہ چلا رہے تھے۔
''میں اپنی مرضی سے آئی ہوں، آپ فکر مت کریں۔'' اس کی آواز میں محسوس کی جانے والی ٹھنڈک اور سرد مہری تھی۔
تیمور کو اپنا خون جمتا ہوا محسوس ہوا تھا، انہیں یقین ہوگیا تھا کہ ان کی بیٹی خود سانپ کے منہ میں چلی گئی ہے، اب وہ اسے نگلے یا اگلے کیا فرق پڑتا تھا، انہوں نے بے جان ہاتھوں سے فون بند کردیا، مرینہ نے بے چینی سے ان کا کندھا چھوا۔
''تیمور کیا ہوا؟ آپ کی حبا سے بات ہوئی کیا کہتی ہے وہ، وہ کدھر ہے اور وہ کیوں گئی ہے اس کے ساتھ، اس نے بتایا آپ کو؟'' وہ سوال پہ سوال کررہی تھیں۔
''وہ کہتی ہے میں اپنی مرضی سے آئی ہوں۔'' تیمور نے کسی بے جان روبوٹ کی طرح مرینہ کے کندھے کا سہارا لیا تھا، مرینہ کو محسوس ہوا ان کے ہاتھوں میں لرزش تھی۔
''مرینہ! میری بیٹی، پھر سے اس کے پاس ہے۔'' ان کی آنکھوں سے بے بسی ٹپک پڑی تھی۔

☆☆☆

ولیمہ کی تقریب اختتام پذیر ہوچکی تھی، مگر وہ ابھی تک اسی لباس میں ملبوس تھی، اماں اور ابا کی فیملی اسے لئے بغیر ہی چلی گئی تھی اور یہ شاید اپنی طرز کی واحد تقریب تھی جس میں دلہن اپنے والدین کے ساتھ نہیں گئی تھی، اس بات کا اسے کوئی افسوس تھا یا نہیں مگر ابا کو تھا، وہ پہلے ہی بیٹی کی دوسری شادی کے حوالے سے مختلف تحفظات کا شکار تھے اور مستزاد داماد کا رویہ بلکہ، اس کا یوں ستارا کو آنے سے روکنا بھی ان کے لئے مسئلہ بن گیا تھا۔
ستارا باپ کے خدشوں سے بے خبر مصعب اور اس کے بھائی کے جگسا پزل کو حل کرنے کی کوشش میں نڈھال ہوئی جارہی تھی، آخر وہ سب کیا تھا، اس کا دماغ سوچ سوچ کر پھٹنے والا ہو چکا تھا۔
مصعب اندر آیا تو وہ چھوٹی انگلی کا ناخن دانتوں میں دبائے گہری سوچ میں گم تھی، اس کی آمد پہ چونک گئی، ساتھ ہی انگلی منہ سے نکال لی تھی، مصعب نے ایک نظر اسے دیکھا اور ساری تھکن اور کلفت بھول گیا، یہ لڑکی آخر اسے اتنی پیاری اور عزیز کیوں تھی؟ وہ شرٹ کے بٹن کھولتا

دکھائی دیا تھا۔

''کہاں جا رہے ہو بخت؟'' انہوں نے بیٹے سے پوچھا۔

نبیلہ خاتون نے نظر بھر کر اسے دیکھا تھا تو ماشاء اللہ کہے بغیر نہ رہ سکیں، آف وائٹ لائننگ والی ڈریس شرٹ اور جینز میں وہ بہت جچ رہا تھا۔

''ایک کام سے؟'' وہ مختصراً کہہ کر باہر نکل گیا۔

☆☆☆

سفر تمام ہو چکا تھا، وہ ''ایس پی'' ہاؤس کے سامنے رکے تو گیٹ چند لمحوں کے اندر وا کر دیا گیا، گاڑی کا دروازہ کھلا اور حبا باہر آ گئی، مسلسل کئی گھنٹوں کے سفر کے بعد کمر درد مزید بڑھ گیا تھا، وہ کھڑی ہوئی تو لڑکھڑا سی گئی اس سے پہلے کے بے توازن ہو کر گر جاتی، اسید نے بازو پکڑ کر سہارا دیا تھا، وہ گرتے گرتے سنبھل گئی، مگر زمین پہ گرنا تو کوئی معنی نہ رکھتا تھا، جو وہ اس کی نظر سے گر چکی تھی اس کا کیا کرتی؟ بعض نقصان ناقابل تلافی ہوتے ہیں۔

وہ گھر کے اندر آ گئے تھے ایک روایتی ایس پی کی رہائش گاہ والے سارے لوازمات سمیٹے یہ گھر اپنی مثال آپ تھا۔

''تم گھر دیکھ لینا اور باقی ضروری امور تمہیں ملازمہ گائیڈ کر دے گی۔'' اسید نے لاؤنج میں کھڑے ہو کر اسے کہا تھا۔

اس سے پہلے حبا کوئی سوال اٹھاتی یا کچھ پوچھنے کا سوچتی، وہ الٹے قدموں مڑ چکا تھا، حبا نے ایک اجنبیت بھری نظر ادر گرد ڈالی تھی، پھر تھک کر صوفہ پہ بیٹھ گئی، ایک ادھیڑ عمر ملازمہ ایک طرف سے نکل کر اسے کے پاس آ گئی۔

''بیگم صاحبہ! آپ تھوڑی دیر آرام کر لیں۔'' اس نے کہا، حبا نے خالی خالی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

''لائیے بے بی کو مجھے پکڑا دیں۔'' اس نے ہاتھ آگے کر دیئے، حبا نے شفق کو اسے پکڑا دیا اور ایک کمرے کی طرف بڑھ گئی، حبا بھی اس کے ساتھ تھی، ایک کمرے میں پہنچ کر اس نے بستر وغیرہ دوبارہ سیٹ کر دیا اور پھر حبا کے لئے دودھ کا گلاس لے آئی، حبا نے خاموشی سے دودھ ختم کیا اور لیٹ گئی، ملازمہ جاتے ہوئے کمرے کی لائٹ بجھا گئی تھی، وہ نیم تاریکی میں سوچتی رہی، یقیناً ملازمہ کو پہلے ہی ٹرینڈ کر دیا گیا تھا، کیونکہ یہ کمرہ قطعاً بھی اسید کا دکھائی نہیں دیتا تھا، وہ خود کو یہاں لائے جانے کے متعلق سوچتی ہوئی نیند میں چلی گئی دوسری طرف تیمور احمد کے گھر جیسے کہرام مچ گیا تھا۔

''یہ کیسے ممکن ہے، کیسے لے گیا وہ اسے، اور کیوں؟'' ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ چوکیدار کی بوٹیاں کر دیتے۔

''کیسے جانے دیا تم نے اسے؟ مجھ سے تو پوچھتے، میں مر گیا تھا کیا؟'' ان کی دھاڑ سے لاؤنج کی دیواریں لرز اٹھیں تھیں۔

''انہوں نے ہمیں موقع ہی نہیں دیا کسی بات کا، دو منٹ میں بی بی آئیں اور ان کے ساتھ بیٹھ کر چلی گئیں۔'' چوکیدار گھبرا کے جلدی جلدی بولا تھا۔

مرینہ تو یوں بیٹھی تھیں جیسے بے جان مجسمہ، تیمور نے وحشت کے عالم میں انہیں دیکھا تو وہ اور بھی زمین میں گڑ گئیں۔

''تیمور! آپ کے پاس اسید کا نمبر ہے ناں، آپ اسے فون کریں۔'' وہ گھٹی گھٹی آواز میں بولی تھیں۔

''وہ میرا فون نہیں اٹھاتا مرینہ، آپ کو اچھی طرح پتا ہے۔'' وہ غصے سے بولے تھے۔

☆☆☆

وارڈ روب کے آگے رک گیا، کچھ الجھے ہوئے ذہن کے ساتھ اس نے دو تین شرٹس سائیڈ پہ کیں اور پھر اسی بے خیالی میں نائٹ سوٹ نکال لیا۔

وہ لباس تبدیل کر کے لوٹا تو ستارا کے پوز میں تبدیلی آ چکی تھی، وہ اپنا گلے میں پہنا زیور اتارنے کی کوشش کر رہی تھی، وہ اس کے پاس آ گیا۔

''کیا ہوا؟'' اس نے عجیب سی بے پروائی سے پوچھا۔

''کچھ نہیں۔'' وہ بدستور نیکلس سے الجھ رہی تھی اور ایسی ہی ایک اضطراری کوشش میں زنجیر ٹوٹ گئی، ستارا کا دل دھک سے رہ گیا۔

''اوہ خدا! کیا سوچتا ہو گا یہ شخص؟ کس قدر لاپرواہ اور بد تہذیب لڑکی ہوں میں، اتنی بے دردی سے نوچ ڈالا ہے یہ قیمتی ہار اف۔'' اس کو گھبراہٹ ہونے لگی، اس نے چوری سے اسے دیکھا اور شرمندہ سی ہو گئی وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

''وہ...... میں نے جان بوجھ کر نہیں......''

وہ ہکلا سی گئی۔

مصعب نے ہاتھ بڑھا کر نیکلس تھام لیا، وہ ٹوٹ چکا تھا اسے یاد آیا کہ اس ہار کو پسند کرنے میں اس نے دو گھنٹے لئے تھے اور کسی کی لاپرواہی نے دو سیکنڈ میں اسے توڑ دیا تھا۔

''کوئی بات نہیں ستارا! چیزیں اور دل ٹوٹنے کے لئے ہی ہوتے ہیں۔'' مصعب کے انداز میں کچھ تو ایسا تھا کہ ستارا کچھ دیر بول نہ سکی، اس نے ہار ایک طرف ڈال دیا۔

''دو گھنٹوں بعد مجھے کراچی کے لئے نکلنا ہے، کچھ ریسٹ کر لوں۔'' وہ اس کے پاس سے اٹھ گیا، ستارا خاموشی سے اس کی پشت دیکھتی رہی۔

''آپ سے ایک بات پوچھوں؟'' ستارا نے کہا، مصعب نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

''کون سی بات؟''

''وہ آپ کا بھائی تھا نا؟'' ستارا کے لہجے میں یقین تھا، مصعب کے چہرے پہ کوئی تغیر آیا نہ تاثرات میں تبدیلی، وہ اسی طرح چند لمحے ستارا کو دیکھتا رہا۔

''ہم اس موضوع پر پھر کبھی بات کریں گے۔'' وہ کہہ کر آگے بڑھ گیا۔

☆☆☆

''علینہ! تمہارے ساتھ مسئلہ کیا ہے؟ آخر تمہیں اعتراض کس بات پر ہے؟'' وقار جو مسلسل دو گھنٹے اس کے ساتھ بحث کر رہے تھے آخر تھک کر بولے تھے، وہ لڑکی تو کسی طور ماننے کو تیار نہیں تھی، ان کی ہر دلیل، ہر وضاحت ناکام بنانے پہ تلی ہوئی تھی۔

''مجھے اعتراض اس کے شاہ بخت ہونے پہ ہے۔'' وہ تیزی سے بولی، وقار کو یقین نہیں آیا کہ یہ علینہ تھی، جس کی سمجھداری اور فرمانبرداری کی گھر میں مثال دی جاتی تھی۔

''مگر کیوں؟'' وقار کے اندر بڑے زور کا احتجاج اٹھا تھا۔

''مجھے اس کی باتیں پسند نہیں، مجھے اس کی حرکتیں پسند نہیں، مجھے اس کی شکل ہی پسند نہیں کیا اتنی ساری وجوہات کافی نہیں ہیں۔'' وہ زہر زہر ہو کر بولی تھی۔

''کیا مطلب، تم پاگل ہو گیا، کیا کمی ہے اس میں؟'' وہ اب کی بار غصے میں آ گئے تھے۔

''کمی اس میں نہیں، مجھ میں ہے، میں ہی اس کے قابل نہیں ہوں۔'' وہ سرد مہری سے بولی

تھی۔

”تو پھر یہ تو اس کی اعلیٰ ظرفی ہے نا کہ وہ تمہیں اپنا رہا ہے۔“ وہ دوبدو بولے تھے۔

”مجھے نہیں چاہیے اس کا احسان۔“ وہ چلا پڑی تھی، اتنی ذلت، اس کا جی چاہا زور زور سے رونا شروع کر دے۔

”زیادہ گلا پھاڑنے کی ضرورت نہیں ہے، تمیز سے بات کرو۔“ وقار بھی بلند آواز میں بولے تھے اور اب کی بار ان کی آواز سے ہر قسم کی نرمی اور لچک خارج ہو چکی تھی۔

”آپ میرے باپ مت بنیں۔“ وہ بھی اسی ٹون میں بولی تھی۔

”شٹ اپ۔“ وقار کی آنکھوں میں لہو اتر آیا تھا، وہ دھاڑ کر بولے تھے۔

”کیوں..... کیوں کروں میں بند اپنا منہ، آپ شاہ بخت کے گارجین ضرور بنیں مگر مجھ ایکسپلائٹ کرنے کی ضرورت نہیں۔“ علینہ کا دل چاہ رہا تھا وہاں سے بھاگ جائے مگر، وقار کو جواب دیے بغیر بھی نہیں، اس کا دل چاہا وہ وقار کو ایسا منہ توڑ جواب دے کہ وہ اپنی ساری دلیلیں بھول جائیں۔

”تم حد سے زیادہ بدتمیز لڑکی ہو، میں تمہیں عزت سے سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں مگر بات تمہاری سمجھ میں نہیں آ رہی، اب تمہارے گارجین سے ہی بات ہو گی۔“ وہ وارننگ دے کر اٹھے اور چلے گئے۔

علینہ خالی الذہنی کے عالم میں وہیں بیٹھی رہی کسی بے بس پنچھی کی طرح جو اپنے اردگرد جال کو مضبوط ہوتا محسوس کرتا ہے اور بے بس سے پنکھ پھڑ پھڑاتا ہے مگر کچھ کر نہیں پاتا۔

رات کو بڑے تایا ابو کے کمرے میں سب لوگ جمع ہوئے تو نامعلوم کیوں مگر علینہ کا دل رک رک دھڑکنے لگا تھا، تو کیا وقار اپنا کہا پورا کرنے جا رہے تھے؟

اور علینہ کو بہت اچھی طرح سے یاد تھا کہ جب بھی وقار کوئی کام اپنے ذمے لیتے تھے تو اسے پورا کیے بغیر چین سے نہیں بیٹھتے تھے، وہ خوفزدہ تھی کہ اس بار تو کام بھی شاہ بخت کا تھا اور وقار کو جیسے علینہ سے ضد سی ہو چلی تھی وہ ہر صورت اسے ہرانا چاہتے تھے اور جھکانا چاہتے تھے، مگر ایک یقین اسے نرم ہاتھوں سے دلاسا دیتا تھا کہ اس کے بابا اس کے ساتھ تھے اور وہ کبھی اس کے ساتھ غلط نہیں ہونے دیں گے، جبھی وہ پر یقین تھی کہ وقار اپنی ساری دلیلیں بھی آزما لیں تو بھی اس کو مجبور نہ کر سکیں گے۔

اور اس کا یقین جیت گیا تھا، رمشہ بہت عجیب موڈ لیے اس کے پاس آئی تھی۔

”چاچو نے انکار کر دیا ہے، حیرت ہے۔“ وہ علینہ کو بتا رہی تھی یا جتا رہی تھی، علینہ کو اندازہ نہ ہو سکا تھا۔

”وہ کہتے ہیں میری بیٹی راضی نہیں ہے، کیوں علینہ، تم کیوں راضی نہیں ہو۔“ وہ طنزیہ ابرو اٹھا کر استفسار کر رہی تھی، علینہ کے اندر ناگواری کا تیز احساس پھیل گیا۔

”یہ آپ کا مسئلہ نہیں ہے، سو آپ کو مداخلت کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔“ وہ بے اعتنائی سے کہتی اٹھی اور وہاں سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

”شائد اس کی یہی بے نیازی اور غرور شاہ بخت کو اچھا لگتا ہے۔“ رمشہ نے پہلی مرتبہ سوچا تھا۔

☆☆☆

اس نے گلاس میں موجود آخری گھونٹ بھرا اور پھر اسے دیوار پہ دے مارا، وہ آج ہی مصب شاہ سے ملا تھا، جو کسی قیمت پہ اس کی بات ماننے کو تیار نہیں تھا، یہ جانے بغیر کہ وہ کتنے بڑے نقصان میں تھا، اگر وہ اس ہاتھ نہیں مانے گا تو.....؟ اس کی آنکھوں میں لہو اتر رہا تھا۔

”پانچ سال پہلے کی تاریخ اب دوبارہ نہیں دہرائی جائے گی مصب شاہ۔“ وہ دھند بھری رات میں گم ہونے کو تھا، دھیرے دھیرے اٹھتے قدم اسے اندھیرے میں گم کرتے جا رہے تھے۔

”اس بار میں ہار نہیں مانوں گا، اس بار میں اپنی جگہ نہیں چھوڑوں گا، اس بار لوگوں کے دل اور نظروں سے میں نہیں گروں گا، اس بار شکست کا ذائقہ کسی اور کو چکھنا پڑے گا اس بار تاریخ کو اپنا انجام بدلنا پڑے گا، اگر محبت مجھے راس نہیں آئی تھی تو محبت اس کے دل کو آباد نہیں کر پائے گی، اگر میں نامراد ہوں تو وہ بھی شادماں نہیں رہ پائے گا۔“ اس بڑبڑاہٹ میں نفرت کی کڑواہٹ تھی اور یہ نفرت بتاتی تھی کہ وہ دل سے محبت کی خوشبو نکال کر نفرت کی پرخار فصل بو چکا تھا اور نس نس میں بہتا انتقام نجانے اس کو کس اندھی کھائی میں گرانے والا تھا۔

گھٹو نہ زخم نہ دل سے اذیتیں پوچھو
جو ہو سکے تو حریفوں کی نیتیں پوچھو
ہوا کی سمت نہ دیکھو اسے تو آنا ہے
چراغ آخر شب سے وصیتیں پوچھو
اجڑ چکے ہو تو اب خود سوچنا کیسا
کہا تھا کس نے کہ اس تشنگیں پوچھو

اس کے سراپا اندھیرے میں گم ہوتا ہوتا بتدریج اندھیرے کا حصہ بن گیا۔

(باقی آئندہ)

سندس جبیں

سترھویں قسط

کیا تم دیکھی ہے کوئی ایسی لڑکی
جسے پتا ہو کہ اس میں ایسا کچھ بھی نہیں
کہ جس سے اس کی کوئی قیمت لگ سکے
تم میرے دل کی بات نہ کیا کرو......!!!
مجھے اچھا نہیں لگتا......!!!

لان تاریک اور سرد تھا، بالکل اس کے ماتھے پہ لکھی تقدیر کی مانند، وہ بڑی دیر سے اسید کی منتظر تھی، پتا نہیں اس کس چیز کا انتظار تھا، وہ اپنی حیثیت کا تعین آتے ہی کر چکی تھی جب ملازمہ نے اسے الگ کمرہ دیا تھا، جو کہ یقیناً اسید کی ایما پر ہی کیا گیا تھا، اب شاید فیصلہ اس کے منہ سے سننا باقی تھا، اس نے سوچا ماما اور پاپا کا کیا ردعمل ہوا ہوگا؟ یقیناً وہ بہت پریشان ہوئے ہوں گے اور پاپا تو شائد ماما سے جھگڑ پڑے ہوں اور سارا الزام انہی کو دیا ہو، جیسا کہ ہمیشہ ہوتا تھا، ان کی بات ''تمہارا بیٹا'' سے شروع ہو کر اسی پہ ختم ہوتی تھی اور سدا کی بے بس مرینہ خانم جواب میں بے بسی سے سر جھکا کر اپنی آنکھوں کی نمی کو چھپاتا

ناولٹ

شروع کر دیتی تھیں اور جب سے حیا واپس آئی تھی اس کے بعد تو مرینہ کو ایک مستقل چپ لگ گئی تھی، ان کے مزاج میں بہت ٹھٹھکا دینے والی عجیب تبدیلی آئی تھی، وہ خاموشی سے کام میں مصروف رہتی تھیں اور جب فارغ بیٹھ جاتیں تو نا معلوم کون سے حساب کتاب کی گنتی انگلیوں پہ شروع کر دیتی تھیں، اکثر وہ کھانے کھانے بیٹھیں تو دو نوالے لے کر اٹھ جاتیں، تیمور احمد نے کبھی نوٹس نہ کیا تھا کہ آخر ان کی شریک حیات ایسی کیوں ہو گئیں تھیں؟ ان کے اپنے جھمیلے ہی کم نہ تھے، ان کے اپنے دکھ تھے، یہ دکھ کیا کم تھے کہ انہوں نے ایک بچے کو اپنی بیٹی کے برابر سمجھا تھا، جسے کھلا پلا کر بڑا کیا، جوان و توانا بنایا اور وہ آستین کا سانپ نکلا، جس نے ان کی اکلوتی بیٹی کے

مستقبل کے آگے سوالیہ نشان لگا دیا تھا۔

حبا ان دونوں کے دکھ سمجھتی تھی اور حقیقت سے باخبر تھی کہ صرف قصوروار وہ خود تھی وہ شخص قطعی طور پر بے خطا تھا۔

ساری خطائیں اس کی تھیں، سارے گناہ اس کے تھے، سارے ظلم اس نے خود کیے تھے اپنی ذات پہ، بڑھتی ہوئی سردی میں اس نے سن ہاتھوں کے ساتھ اپنی نم آنکھیں بے رحمی سے رگڑ ڈالیں۔

''کہانی کے آخر میں سب ٹھیک ہو جاتا ہے اور زندگی کے آخر میں؟''

پتا نہیں زندگی کے آخر میں سب کچھ ٹھیک کیوں نہیں ہوتا؟ اور وہیں بیٹھ کر اس نے اپنی آنے والے چند سالوں کے بعد والی زندگی کا جائزہ لیا تھا، شاید چند سالوں بعد، نہیں اس نے انگلیوں پہ گنا، بیس سالوں بعد کیا ہو گا؟ ایک خوشگوار گھر کا منظر ہو گا، سجی بنی سی ایک حسین جوڑی بڑی سی شاندار گاڑی سے نکلے گی اور ان کے ساتھ دو معصوم و خوبصورت بچے ہوں گے، وہ سب ہنستے ہوئے اندر آ جائیں گے، جہاں ایک بدصورت سیاہ رو بچی ان کی خدمت کے لئے معمور ہو گی، جو انہیں دیکھتے ہی جلدی جلدی ان کے جوتے اتارنے لگے گی اور جب وہ اپنے شاندار باپ کے ساتھ انگریزی میں بات کر رہے ہوں گے تو وہ بچی دل ہی دل میں سوچے گی کہ آخر وہ کون سی باتیں کر رہے ہیں؟ اور اندر کہیں کچن میں اس بچی کی ماں ہو گی جو بٹلر جلدی جلدی کھانا بنوانے میں مشغول ہو گی اور پھر وہ دونوں بدقسمت ماں بیٹی رات کو ان کا بچا کھچا کھا رہے ہوں گے تو وہ اپنی بیٹی کو سمجھائے گی کہ:

''بدصورت لوگ اسی قابل ہوتے ہیں اور چونکہ وہ دونوں بدصورت ہیں تو ان کا کوئی حق نہیں، کسی بھی چیز پہ تائروں کی چرچراہٹ اسے ایکدم سے حال میں کھینچ کر لائی تھی، اس نے سخت سرد اور خنک موسم میں بھی اپنے ماتھے پہ پسینہ پھوٹتا محسوس کیا تھا، وہ تیزی سے وہاں سے اٹھ گئی۔

مدھم روشنیوں میں اس نے ایک دراز قد مضبوط جسم والے ایک شخص کو گاڑی سے نکلتے دیکھا، پولیس یونیفارم میں ملبوس وہ اپنی شاندار گاڑی سے اترا تھا، بعض لوگوں کے سامنے انسان ہمیشہ چھوٹا ہی رہتا ہے، باوجود اس کے کہ وہ قد آور کتنا ہی کیوں نہ ہو، حبا تیمور نے ساری زندگی اسید مصطفیٰ کے سامنے بونا بن کر گزاری تھی، اس پہ انحصار کرتے، اس کا طفیلیا بن کر گزاری تھی، شاید اس کی زندگی میں لکھ دیا گیا تھا کہ اسے محکوم ہی رہنا تھا۔

اس نے گھٹنوں پہ ہاتھ رکھے اور اٹھ کھڑی ہوئی، جوڑ جوڑ احتجاجاً درد سے کراہا تھا اور جسمانی درد کا کیا؟ وہ تو کبھی نہ کبھی ختم ہو ہی جاتا تھا اور روح کی اذیت کا کیا کرتی؟ جس کا کوئی انت نہ تھا، اسید کی نظروں نے سیکنڈز میں اسے فوکس کیا تھا، وہ اس کی سمت آنے لگا، حبا نے اسے دیکھا اور سوچا۔

''لاحاصلی کا دکھ مجھ سے بہتر کون جان سکتا ہے؟'' درد کی کڑواہٹ اس کی رگ رگ میں زہر گھول گئی۔

ہلکی سی روشنی میں درختوں سے اٹھتی عجیب سی پراسرار خاموشی میں اس نے حبا کو دیکھا اور تب اسے عجیب سا ادراک ہوا، حبا وہ نہیں تھی جسے وہ جانتا تھا، جسے وہ بچپن سے جانتا تھا، جس کو وہ اتنا جانتا تھا کہ اس کے اٹھتے قدم دیکھ کر اس کا ارادہ جان لیتا تھا، یہ اندر کی دھنسی آنکھوں والی کمزور سی حبا کون سی تھی؟

جس کا سراپا شرمندگی اور احساس جرم کے حصار میں مقید تھا اور جو نظریں جھکائے کسی سزائے موت کے مجرم کی طرح وہ معافی کی اپیل لے کر اس کے سامنے کھڑی تھی۔

اسید نے ایک گہرا سانس لے کر گزرے ڈیڑھ سال کو اپنے اندر سے جھٹکنا چاہا تھا، مگر وہ دھیان میں آ کھڑا ہوا۔

''یہاں کیوں کھڑی ہو؟ پورے گھر میں تمہیں کوئی جگہ نہیں ملی، بیٹھنے کے لئے۔'' اس کے لہجے میں ایک مخصوص قسم کی سرد مہری تھی جو شاید اس شعبے میں آنے کے بعد اس کے انداز گفتگو کا حصہ بن گئی تھی، وہ خاموش رہی، بولنے کو کچھ تھا ہی نہیں اس کے پاس۔

''اندر چلو۔'' اسید نے جواب کا انتظار نہیں کیا تھا اور آگے بڑھ گیا، وہ خاموشی سے اس کی پیروی میں پیچھے چلتی گئی، وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا، وہ بدستور اس کے پیچھے تھی، حبا نے اندر داخل ہوتے ہوئے اردگرد نظر دوڑائی تو چند لمحے ٹھٹھک سی گئی، رک گئی، جھجک گئی، دل کو چھید دینے والی ایک سرگوشی اس کے قدموں کی زنجیر بن گئی۔

''میں تمہیں اپنے بستر پہ کبھی جگہ نہیں دوں گا۔'' اسید نے کہا تھا، اس کے قدموں میں لرزش آ گئی تھی، اسید کمرے کے وسط میں کھڑا تھا۔

''اب تم اس گھر میں ہو، خوشی سے یا ناخوشی سے تمہیں یہاں رہنا ہے، میں تمہیں کسی سے ملنے، رابطہ کرنے سے منع نہیں کر رہا، اپنے Status میں، میں نے خود کو میرڈ شو کروایا ہوا ہے، لوگ ڈیمانڈ کرتے ہیں کہ وائف سے ملوائیں، اس سوشل سرکل میں Move کرنا مشکل ہوتا جا رہا تھا، جبھی تمہارا یہاں ہونا ضروری تھا اسی ویک اینڈ پہ ایک گیٹ ٹو گیدر رکھوا دی ہے میں نے، تم دیکھ لینا اور کچھ خود کے لئے بھی کر لینا۔'' وہ صاف متوازن لہجے میں اپنی بات مکمل کر کے خاموش ہو گیا۔

''جی ٹھیک ہے۔'' حبا نے سر جھکا کر کہا تھا۔

''اب تم جا سکتی ہو۔'' وہ ڈریسنگ روم کی طرف بڑھ گیا، وہ سست قدموں سے باہر نکل گئی۔

☆☆☆

مصعب کراچی جا چکا تھا، ستارا کی صبح خاصی بے چین کر دینے والی تھی، اس کے اندر بے تاب کر دینے والے بے شمار اندیشے تھے، وہ اپنے سسر کے ساتھ ناشتے کی میز پہ بہت جھجکی ہوئی سی تھی اور کچھ ریزرو بھی، وہ جہاندیدہ انسان تھے، اس کو ان کمفرٹیبل دیکھ کر نرمی سے گفتگو کرنے لگے۔

''آپ پریشان مت ہوں بیٹا! مصعب کو بہت ضروری کام سے جانا پڑا ہے وہ کل شام تک لوٹ آئے گا۔'' وہ اسے تسلی دینے لگے۔

ستارا کے لب حیرانگی سے کھل گئے، اف وہ سمجھ رہے تھے کہ وہ شوہر کے لئے بے تاب تھی، اس کے اندر ایک کوفت کی لہر سی اٹھی تھی، پتا نہیں کیا سوچ کر وہ بول پڑی۔

''ایسی تو بات نہیں انکل۔'' انہوں نے درمیان سے اس کی بات قطع کر دی۔

''آپ میری بیٹی ہیں ستارا۔'' وہ مدھم سا جتا کر بولے تھے اور ستارا ایک سائیکالوجسٹ تھی لمحوں میں بات کی تہہ تک پہنچ گئی تھی، انہیں اس کے انکل کہنے پر اعتراض تھا۔

''جی...... پاپا۔'' وہ ذرا رک کر بولی تھی۔

''ستارا! آپ کی فیملی خوش نہیں ہے کیا اس شادی سے؟'' انہوں نے چائے کے سپ لیتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں پاپا ایسی تو کوئی بات نہیں ہے، دراصل بابا کو تھوڑی پریشانی ہوئی تھی میرے نہ آنے سے، آپ کو تو پتا ہی ہے یہاں کے رسومات، تو جبھی شاید انہوں نے خود کو کچھ بے چین محسوس کیا تھا، ورنہ باقی تو سب خوش ہیں۔" ستارا نے وضاحت کی تھی۔

"اور آپ؟" انہوں نے پوچھا۔

"کیا آپ خوش ہیں؟" چند لمحات تک خاموشی رہی، جسے انہوں نے ہی توڑا۔

"بتایئے نا ستارا! کیا آپ خوش ہیں؟"

"جی پاپا!" اس نے دو لفظی جواب دے کر شاید خود کو بچانا چاہا تھا۔

"میرا بیٹا بہت اچھا ہے ستارا! یہ میں اس لئے نہیں کہہ رہا کہ وہ میرا بیٹا ہے، بلکہ حقیقت بھی یہی ہے وہ بہت نرم دل اور صاف گو سا بندہ ہے، نہ کسی کو تکلیف میں دیکھ سکتا ہے نہ کسی کو تکلیف دے سکتا ہے اور بہت بہادر بھی ہے، بہت کچھ سہنے کا حوصلہ ہے اس میں، آپ سے شادی کے حوالے سے بھی میں کچھ پریشان تھا اور مجھے ہونا بھی چاہیے تھا کیونکہ میں آپ کو نہیں جانتا تھا، آپ سے ملا نہیں تھا اور آپ کے متعلق اس کی رائے پہ اعتبار کرنا مجھے مشکل لگ رہا تھا، آخر وہ میرا اکلوتا بیٹا ہے اور......" وہ بہت مگن سے اپنی بات سنا رہے تھے۔

"اور وہ جو کل شام آیا تھا وہ کون تھا پاپا؟" ستارا نے ان کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی سوال داغ دیا تھا، ان کے چہرے پہ لمحوں میں تغیر آیا تھا اور پھر ان کا چہرہ بھیدوں بھری خاموشی میں ڈوب گیا۔

☆☆☆

"مغل ہاؤس" میں ایک بار پھر ہلچل کے آثار تھے، تنے ہوئے اعصاب اور تھکے ہوئے چہرے دوبارہ سے کسی خوشی کی آس میں تھے، رمشہ کے لئے دیا جانے والا پرپوزل دوبارہ سے اپنا مدعا لے کر آیا تھا اور اس بار تایا ابو لوگوں کا موڈ یہی تھا کہ بات فائنل کر دی جائے، وجہ غالباً یہی تھی کہ اس میں خاندان کی سب سے باغی لڑکی رمشہ مغل خود بھی دلچسپی رکھتی تھی۔

"احمر! ایک بات کہوں؟ بڑے دنوں سے دل میں کھٹک رہی ہے۔" احمد تایا نے بڑوں کی میٹنگ میں احمر مغل کو مخاطب کر کے کہا تو وہ چونک کر متوجہ ہوئے تھے۔

"ایسی کون سی بات ہے بھائی صاحب! کریں نا، آپ کیوں دل میں رکھ کے بیٹھے ہیں۔" احمر مغل نے بڑی محبت بھری تابعداری سے کہا تھا۔

"ڈرتا ہوں اولاد کے فیصلے بعض دفعہ بڑے مار دینے والے ہوتے ہیں احمر، میں بہت دفعہ سوچ کر ڈر جاتا ہوں کہ کہیں ہمارے کیے گئے اب تک کے فیصلے غلط تو نہیں تھے اور وہ دوسری طرف کہیں ہم اپنی بے جا من مانی میں ان کی زندگیوں کو کسی نقصان کے حوالے تو نہیں کر دیا؟ دیکھو ہمارے بچوں کی مرضیاں ہماری پسند ناپسند سے نہیں ملتیں، یہ دور بدل چکا ہے ہم آزادی کے نام پہ بچوں کو اپنی زندگی کے فیصلے خود کرنے کا اختیار تو نہیں دے سکتے، اگرچہ وہ ایسا ہی کرنا چاہتے ہیں۔" وہ تھوڑی دیر کے لئے وقفہ لینے کے لئے رکے تھے، احمر مغل ان کی بات کا پس منظر سمجھنے کے باوجود چپ رہے تھے۔

"مجھے یہ تو سمجھ میں آتا ہے کہ شاہ بخت اپنی پسند سے شادی کرنا چاہتا ہے مگر علینہ کا انکار سمجھ نہیں آتا، وہ ایک کم عمر اور ذہنی طور پر نابالغ بچی ہے، اس کو زندگی گزارنے کا ڈھنگ سیکھنے میں ابھی کچھ وقت لگنے والا ہے، میں کسی کی ناجائز طرف داری نہیں کر سکتا، میں تم سب لوگوں کا سرپرست ہوں، ناانصافی کروں گا تو روز قیامت جواب دہ ہوں گا، مگر میں ایک باپ بھی ہوں، میں چاہوں بھی تو دل سے ان بچوں کی محبت کو نہیں نکال سکتا، شاید یہی وجہ تھی کہ جب رمشہ کے لئے شاہ بخت نے انکار کر دیا تو میں چپ رہا، جانتا ہوں مرد کی مرضی شامل نہ ہو تو وہ رشتوں کا وہی حال کرتا ہے جو شاید ایاز نے کیا، مگر اب معاملہ بالکل مختلف ہے، علینہ کا انکار میری سمجھ سے باہر ہے، آخر کیا وجہ ہے؟" وہ بہت الجھن میں دکھائی دیتے تھے۔

"وہ نہیں مانتی بھائی صاحب۔" احمر مغل نے دھیمے بے بس لہجے میں کہا تھا۔

"وجہ؟" احمد مغل بے چین تھے وجہ جاننے کو۔

"میں نہیں جانتا وجہ؟ اور بتاتی وہ مجھے ہے نہیں، میں کیا کروں؟ سمجھ نہیں آتا۔" وہ بتا رہے تھے۔

"وقار! تم نے بات کی؟" اب کی بار انہوں نے وقار کی طرف رخ کیا اور وقار کے چہرے کے تاثرات پل بھر میں بدلے تھے۔

"جی بابا! میں نے کی ہے بات، مگر مجھے افسوس سے بتانا پڑ رہا ہے کہ وہ علینہ شاید ہماری رہی ہی نہیں، اس نے اتنی بدتمیزی سے مجھ سے بات کی کہ مجھے اب تک یقین نہیں آیا، اس کا رویہ بہت تلخ اور دوٹوک ہے اور وہ اپنی بات سے کسی صورت ہٹنے کو تیار نہیں ہے، اس کا کہنا یہ ہے کہ وہ کسی بھی طرح شاہ بخت کے قابل نہیں اور سچ میں یہی لگا کہ وہ کسی قسم کے Inferirvity complex کا شکار ہے، آگے کی بات تو چھوڑ ہی دیں، یہ تک سن چکا ہوں اس سے کہ "میرے گارجین بننے کی کوشش نہ کریں" ہونہہ۔" وہ ہنکارا بھر کر خاموش ہو گئے، سب کے چہرے حیرانی کی تصویر بنے ہوئے تھے ماسوائے احمر مغل کے، ان کے ماتھے پہ شرمندگی کی تحریر تھی۔

"وہ تو بچی ہے وقار! تمہیں اس کی باتوں کو نظر انداز کر دینا چاہیے تھا، آخر یہ بھی یاد رکھو کہ اس کے شاہ بخت کے درمیان کبھی بھی کوئی بہت خوشگوار تعلقات نہیں رہے۔" احمد مغل نے بردباری سے بات کو سمیٹا تھا۔

"آپ اس پہ زبردستی مت کریں، اگر وہ آمادہ نہیں تو پھر......" پہلی بار طارق مغل نے زبان کھولی تھی۔

"بات یہ نہیں ہے طارق، میں دوبارہ ایاز والا قصہ دہرانا نہیں چاہتا۔" احمر مغل نے نرمی سے کہا۔

"آپ سب لوگوں کے اندازے غلط ہیں بابا، آپ کو اندازہ نہیں ہے کہ یہ ایاز کا نہیں شاہ بخت کا معاملہ ہے اور وہ اپنے فیصلے اٹل کرتا ہے، اگر آپ کو لگتا ہے کہ اس نے سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ نہیں کیا تو آپ غلط ہیں، وہ اس معاملے میں خطرناک حد تک سنجیدہ ہے اور آپ کو اس کے مزاج کا اندازہ ہے جو وہ ٹھان لے کر گزرتا ہے، مگر پھر بھی یہ بات مت بھولیں کہ یہ معاملہ اس کے کریئر کا نہیں، اس کی زندگی کا ہے اور زندگی کے فیصلے جذباتی ہو کر نہیں کیے جاتے اور پھر شادی کا فیصلہ تو اور بھی سنجیدگی کا متقاضی ہے۔" وقار نے تفصیلاً کہا تھا۔

"ٹھیک کہہ رہے ہو تم وقار! مگر بیٹا بات پھر وہیں آ کر ختم ہو جاتی ہے کہ علینہ رضامند نہیں ہے، اس لئے اس موضوع کو ختم کر دو۔" احمد مغل نے حتمی لہجے میں کہا تو کمرے میں خاموشی چھا گئی۔

☆☆☆

ایک مخصوص روٹین سی بن گئی تھی زندگی کی، صبح وہ جاگتی اور ملازمہ کے ساتھ مل کر اس بڑے سے بنگلے کی صفائی ستھرائی میں مگن ہو جاتی، اسید کے جاگنے تک وہ نصف کے قریب کام سمیٹ چکی ہوتی تھی، اس کے کپڑے تیار کر چکی ہوتی تھی جبھی وہ اس کے کمرے میں آجاتی تاکہ اسے کسی چیز کی ضرورت ہو تو وہ اس کی مدد کر سکے، اس کے بعد وہ ناشتے کی میز پہ آجاتا، اس کے ساتھ ساتھ اس کی ضروری فون کالز چلتی تھیں تب تک وہ اس کا ناشتہ تیار کر کے لے آتی، ناشتے کے بعد وہ نکل جاتا اور اسے اپنی بیٹی کی ہوش آتی، وہ اندر آکر اسے دیکھتی تو وہ کبھی تو سو چکی ہوتی تو کبھی جاگ چکی ہوتی، حیران کن حد تک صابر بیٹی، اس نے کبھی رو کر حبا کو اپنا احساس نہ دلایا تھا، ہمیشہ دیواروں کو دیکھتی رہتی، وہ پہروں ایک ہی جگہ پڑی رہتی تھی، یہ روٹین چلتے ایک ہفتہ ہو چکا تھا، اسید کے گھر لوٹنے کا کوئی متعین وقت نہ تھا، اکثر وہ رات گئے لوٹتا اور اکثر لوٹتا ہی نہ، وہ اس کے انتظار میں جاگتی رہتی۔

یہ ایک معمول کی شام تھی نومبر کی ایک دھندلی، سرد شام اور تنہائی۔

ایک عجیب سی بیابانی میں دن گزار دینا
اور ایک عجیب سی ویرانی میں رات
اور ایک عجیب سی خاموشی میں صبح بتا دینا
اور ایک عجیب سی تنہائی میں شام
ایک معمول ہے
جس نے شاید ہمارے دل کو عالم کو معمول بنا لیا ہے
ہم آوارہ نصیب لوگ
دکھ ہمیں تلاش کر لیں
یا ہم دکھ کو تلاش کر لیں
ایک ہی بات ہے

اور ایک لاحاصل انتظار کے بعد وہ جب لاؤنج میں آئی تو لینڈ لائن کی گھنٹی کب سے بج رہی تھی، اس نے بے دھیانی میں فون اٹھایا تو دوسری طرف مرینہ خانم تھیں۔

''حبا!'' ان کی آواز میں بے تابی کی لپک تھی، حبا کو شدید حیرت کا جھٹکا لگا تھا۔

''ماما آپ۔'' وہ اتنا ہی بول پائی تھی۔

''حبا! میری بیٹی، بات نہیں کرو گی مجھ سے؟ بتاؤ نا کیا منع کیا ہے اس نے؟'' وہ پے در پے سوال کر رہی تھیں۔

''ایسا نہیں ہے ماما، انہوں نے مجھے منع کیا ہی نہیں، مجھے مکمل آزادی دی ہے انہوں نے کہ مجھے کسی سے رابطہ کرنے سے نہیں روکیں گے۔'' اس نے ان کی غلط فہمی دور کی تھی۔

''کیا تم ٹھیک کہہ رہی ہو؟ کیا واقعی ایسا ہی ہے، تم جھوٹ تو نہیں بول رہی نا مجھے تسلی دینے کے لئے اور اسید......؟'' مرینہ نے اپنی عقل سمجھ کے مطابق ٹھیک ہی کہا تھا، ان دونوں کے سابقہ تعلق کو مدنظر رکھتے ہوئے وہ یہی سمجھ سکتی تھیں۔

''آپ کو بتا چکی ہوں میں کہ بات یہ نہیں ہے، پلیز ایسا مت سوچیں اور یہ بتائیں کہ آپ کو یہ نمبر کہاں سے ملا؟'' حبا نے ان کی بات کو نظر انداز کر کے اپنا سوال پوچھا تھا۔

''فضول سوال ہے، ایک ڈی ایس پی کا نمبر ڈھونڈنا کوئی مشکل کام نہیں تھا حبا۔'' انہوں نے بے ارادہ طنزاً کہا تھا، جواباً حبا بالکل خاموش رہ گئی تھی۔

''چپ ہو گئی ہو؟ بولو نا کیسی ہو؟ شفق کیسی ہے؟'' انہوں نے بات بدلی تھی۔

''سب کچھ ٹھیک ہے ماما۔''

''اور اسید؟''

''وہ بھی۔''

''اور پاپا؟''

''وہ بہت ڈسٹرب رہتے ہیں، تمہیں یاد کر کے روتے ہیں۔''

''انہیں تسلی دیجئے گا، میں ٹھیک ہوں۔''

''اور کیا واقعی ایسا ہے؟'' طنز۔

''جی!'' حبا کے اندر اندھیرے اترے تھے۔

''ہمیں کب بلاؤ گی اپنے گھر؟'' زور ''اپنے گھر'' پہ تھا۔

''مجھے نہیں پتا۔'' وہ صاف گوئی سے بولی۔

''آہاں لگتا ہے ڈی ایس پی کے گھر ہمارا داخلہ ممنوع ہے۔'' ان کے انداز میں ترشی بڑھتی جا رہی تھی۔

''آپ اسید سے بات کر لیجئے گا ماما، پلیز۔'' اس کے انداز میں لجاجت تھی۔

''میرا دماغ خراب ہے جو میں اس کے منہ لگوں ہونہہ، اپنے باپ کو دینا یہ جواب۔'' انہوں نے سرد مہری سے کہہ کر فون بند کر دیا۔

حبا جامد ذہن کے ساتھ وہیں بیٹھی رہی، دو دن بعد گھر میں اسید نے اپنے کولیگز اور سینئرز کی ایک گیٹ ٹو گیدر رکھوائی تھی اور اگلی صبح اس نے ناشتے کی میز پہ حبا سے کہا تھا کہ وہ اسلام آباد فون کر کے انہیں بلا لے، جواباً حبا نے بڑی حیرانی سے اسے دیکھا۔

''جی!'' وہ تصدیق کرتے ہوئے بولی تو اسید نے اپنی چائے سے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔

''انہیں اس موقع پہ موجود ہونا چاہیے۔'' اس کا لہجہ کچھ عجیب سا تھا۔

''میں فون کروں انہیں؟'' حبا نے پوچھا تھا۔

''ہاں کر دینا اور سنو!''

''جی!'' اس کے منہ سے اس کے علاوہ کچھ نکلا ہی نہ تھا۔

''اپنا حال دیکھو، ٹھیک کرو خود کو، میں اس حلیے میں اپنی بیوی کو Represent نہیں کر سکتا۔'' اس نے ایک ایسی عجیب تخی اور زہرخند لہجے میں کہا تھا کہ حبا کو لگا وہ کھڑے قد سے قبر میں جا پڑی ہو، اس کا رنگ زرد پڑا تھا، وہ دیکھے بغیر اٹھا اور والٹ میں سے کریڈٹ کارڈ نکال کر ٹیبل پہ رکھ دیا۔

''یہ تمہیں مدد کرے گا۔'' وہ اٹھا تھا اور اپنی کیپ اٹھا کر باہر نکل گیا، وہ کارڈ پہ نظریں جمائے سن ہوتے حواس کے ساتھ کھڑی رہ گئی۔

☆☆☆

''آپ آخر یہ تسلیم کیوں نہیں کر لیتیں کہ آپ بھائی کو مس کر رہی ہیں؟'' حیدر مسلسل اسے تنگ کر رہا تھا، علینہ اور حیدر آئے ہوئے تھے۔

''ایسا جب ہے ہی نہیں تو میں مانوں کیسے؟'' ستارہ بھی اسی کی شاگرد تھی، کسی طرح مان کر نہ دی تھی۔

''بھابھی! اگر آپ مان گئیں تو اچھا نہیں ہو گا، میں بھائی سے شرط ہار جاؤں گی۔'' علشبہ نے اپنی سائیڈ سکیور کرتے ہوئے کہا تھا، ستارہ اور حیدر کی مشترکہ ہنسی گونجی تھی۔

''تم فکر مت کرو علشبہ ایسا کچھ نہیں ہو گا۔'' ستارہ نے اسے حوصلہ دیا تھا، حیدر نے چائے کے گھونٹ بھرتے ہوئے دونوں کو دیکھا۔

''آپ کیسی خاتون ہیں، آپ کو احساس ہی نہیں کہ آپ کی دو دن پہلے شادی ہوئی ہے؟'' حیدر نے تاسف سے اسے دیکھا۔

''کیا مطلب؟'' وہ حیران ہوئی۔

''بھئی دیکھو علشبہ کیا یہ زیادتی نہیں کہ اگر ایک شخص نے سارے زمانے سے ٹکرا کر آپ

سے شادی کی ہے اور وہ دوسرے شہر آپ کے لئے روزی کمانے گیا ہے تو کیا آپ اسے یاد بھی نہیں کریں؟" حیدر نے زمانے بھر کی بے چارگی اور افسوس انداز میں بھر کر اسے کہا تھا۔

"بالکل کریں گے۔" علشبہ بے ساختہ بولی تو حیدر کا قہقہہ چھت پھاڑ قسم کا تھا۔

"لو جی یہ ہے آپ کا ووٹ بھابھی؟ خواجے کا گواہ مینڈک۔" حیدر اب مذاق اڑا رہا تھا، ستارہ بھی ہنس پڑی۔

"اچھا بتائیں آپ نے کیا سننا ہے؟" وہ حیدر کو تنگ کرنے کے موڈ میں آگئی۔

"ارے بھابھی! کمال کرتی ہیں آپ بھی، میں بھلا آپ سے کیا سنوں گا، ہاں وہ بے چارے سے میرے بھائی جو......" وہ افسوس سے کہنے لگا تھا۔

"ایکسکیوزمی، وہ بالکل بے چارے نہیں ہیں۔" ستارہ نے جلبلا کر رہا تھا، علشبہ جو منہ بنا کے بیٹھی تھی، ہنس پڑی۔

"مجھے یہ تو بتائیں، بھائی نے آنا کب ہے؟" اس بار حیدر نے سنجیدگی سے پوچھا تو ستارہ کو دھیان آیا کو مصعب نے اس سے کل سے رابطہ ہی نہ کیا تھا، پتا نہیں وہ شخص کہاں گم تھا اور ایسے کون سے کاموں میں مگن تھا جس میں اسے ستارہ کا دھیان ہی نہیں آیا، اس نے بے اختیاری طور پر سیل فون کو دیکھا جو خاموش تھا۔

"نو فون کال نو ٹیکسٹ؟" اس نے سوچا تھا، حیرت سی حیرت تھی۔

"اتنی بے خبری اور دعوے عشق کے؟" وہ حیرت سے سوچ رہی تھی، حیدر اب اس سے دوبارہ پوچھ رہا تھا، وہ سر جھٹک کر اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

"مجھے کنفرم نہیں ہے، میری بات نہیں ہوئی ان سے۔" وہ اسے بتانے لگی، حیدر کو کچھ عجیب سا لگا تھا۔

"آپ کی بات نہیں ہوئی، عجیب لگتا ہے، وہ اتنے غیر ذمہ دار تو نہیں کہ آپ کو کچھ بتاتے ہی نہ، آپ نے بھی رابطہ نہیں کیا؟" وہ اب پوچھ رہا تھا۔

ستارا کو عجیب سی شرمندگی نے آن گھیرا، اسے قدرے افسوس ہوا تھا کہ اگر وہ مصروف تھا تو اسے خود رابطہ کر لینا چاہیے تھا، آخر وہ اس کا "شوہر" تھا، اس نے نفی میں سر ہلا دیا تھا۔

"اور ماموں کدھر ہیں؟" اس بار علشبہ بولی تھی۔

"آفس۔" ستارا نے مختصراً کہا تھا، حیدر نے بغور اس کی لاتعلقی کو جانچا تھا اور پھر اٹھ کر کھڑا ہو گیا، اس کے فون کی رنگ ٹون بج رہی تھی۔

"مجھے کام ہے، نکلنا چاہیے، اٹھو علشبہ۔" اس نے کہا۔

"کھانا کھا کر جایئے گا۔" ستارہ نے بے ساختہ کہا تھا۔

"ارے نہیں بھابھی وقت کافی ہو گیا ہے، پھر کبھی سہی۔" وہ مسکرایا تھا، نجانے کیوں ستارہ کو اس کی یہ مسکراہٹ بڑی رسمی سی لگی تھی مگر وہ نظر انداز کر گئی، علشبہ بھی کھڑی ہو گئی، ستارا سے مل کر وہ نکل گئے، وہ بہت دیر تک وہیں بیٹھی رہی، ملازمہ نے آ کر سامان وغیرہ اٹھایا تو وہ بھی اٹھ کر وہاں سے نکل گئی۔

یہ سہ پہر کا وقت تھا اس نے مجبور، آکاش بیل اور بوگن بیل سے سجے لان میں پڑے جھولے پہ بیٹھ کر اماں کا نمبر ملایا تھا، کچھ دیر ان سے بات کرنے کے بعد وہ خالی الذہنی کے عالم میں وہیں بیٹھی رہی، ایک بے کلی اور بے چینی روح کا حصہ بنی ہوئی تھی اور نجانے کیا کھو گیا تھا، اس نے سوچا حیدر یقیناً برا مان گیا تھا اس کے روکھے انداز پر، مگر وہ اتنا با مروت انسان تھا کہ کبھی احساس نہیں دلائے گا اور وہ یہ کیوں نہیں سوچتا کہ وہ شخص بھی تو گم ہوا تھا، خدا معلوم کدھر کھو گیا تھا، کہا اسے یاد نہیں تھا کہ ستارہ سے اس کی شادی کو صرف دو دن ہوئے تھے، ہونہہ، شاید اسے کچھ یاد نہیں اور حیدر کہہ رہا تھا کہ آپ نے بھی رابطہ نہیں کیا، بھلا میں کیوں کروں رابطہ؟ اسے خود احساس کرنا چاہیے، کیا اسے نہیں پتا کہ میں اس کے گھر میں اکیلی ہوں، محو انتظار بھی ہوں؟ وہ عجیب جھنجلائے ہوئے انداز میں سوچتی جا رہی تھی۔

☆☆☆

آج رمشہ کی باقاعدہ بات ٹھہرائی جا رہی تھی، گھر میں خوشیوں کا سماں تھا مگر اس سے پہلے دو اہم واقعات رونما ہوئے تھے، ایک تو ایاز کی نیویارک واپسی تھی جس کا کسی نے اتنا خاص نوٹس نہ لیا تھا، ظاہر ہے وہ اس قابل لگتا ہی نہ تھا مغل ہاؤس والوں کی..... کہ اس کی آمد و رفعت کے بارے میں کسی قسم کی فکر مندی کا اظہار کیا جاتا، مگر ایاز مغل بھی اپنی ہٹ کا پکا نکلا تھا، اس نے بھی صرف عباس کی نظروں میں اپنا امیج پکڑ لیا تھا، باقی لوگوں کے ساتھ اس نے کسی قسم کی اضافی گفتگو یا گپ شپ کو ضروری نہ سمجھی تھی، اس نے جانے سے پہلے ماں سے معافی مانگی تھی اور باپ کے سامنے جھک کر اتنا ہی کہا تھا۔

"میں جا رہا ہوں بابا، واپس لوٹ کر نہیں آؤں گا، شاہ نواز کو کندھا مل گیا، مگر میں وصیت کر جاؤں گا کہ مرنے کے بعد مجھے پاکستان نہ بھجوایا جائے، خدا حافظ۔" وہ کچھ دیر ان کے بولنے کا انتظار کرتا رہا، پھر خاموشی دیکھ کر باہر نکل آیا، نبیلہ کو ایک عجیب سی چپ نے آن گھیرا تھا۔

وہ علینہ کے کمرے میں آیا تو وہ کرسی پہ بیٹھی تھی گود میں ڈائری دھری تھی، بھائی کو دیکھ کر وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

"بھائی آپ؟"

"کیسی ہو علینہ؟"

"ٹھیک ہوں بھائی، آپ کیسے ہیں؟ آیئے بیٹھئے نا۔" اس نے بیڈ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا، ایاز سر ہلا کر بیٹھ گیا، وہ بھی اس کے قریب بیٹھ گئی۔

"آپ واپس جا رہے ہیں؟" وہ افسردگی سے بولی تھی، ایاز نے دیکھا اس کے چہرے پہ افسردگی اور اداسی کے رنگ تھے اور آنکھوں میں مایوسی کی جھلک تھی، ایاز کو عجیب سی افسردگی آمیز خوشی نے آن گھیرا، آخر کار کوئی تو تھا مغل ہاؤس میں جسے اس کے جانے سے فرق پڑ رہا تھا۔

"جی میں جا رہا ہوں۔" اس نے سر جھکا کر کہا تھا۔

"میں آپ کو مس کروں گی۔" علینہ کی آواز بھیگ گئی تھی، ایاز نے اسے ساتھ لگا لیا۔

"میں بھی......" وہ مدھم آواز میں بولا تھا۔

"ایک بات بتاؤ علینہ؟"

"جی بھائی پوچھیں۔" اس نے بھائی کے کندھے پر سر ٹیکے ہوئے جواب دیا تھا۔

"تم شاہ بخت سے شادی نہیں کرنا چاہتی نا؟"

"نہیں۔" اس نے یک لفظی جواب دیا تھا۔

"ایک بات کا یقین رکھنا، بابا تمہارے ساتھ ہیں، وہ تمہارے ساتھ زیادتی نہیں ہونے دیں گے ورنہ وقار بھائی کا بس چلتا تو وہ زبردستی کب کا تمہارا نکاح پڑھوا چکے ہوتے۔" وہ تلخی

سے کہہ رہا تھا۔
علینہ کو اس سے مکمل اتفاق تھا، وہ جانتی تھی کہ اگر بابا اس کی ڈھال نہ بنے ہوتے وقار یقیناً یہ قدم اٹھا چکے ہوتے۔
"اور دیکھو، ویسے تو مجھے یقین ہے کہ بابا کے ہوتے ہوئے ایسا کچھ نہیں ہوگا، مگر پھر بھی علینہ، تم خود بھی اسٹینڈ لو، تم خود کے ساتھ یہ جبر نہ ہونے دینا، ورنہ باقی پوری زندگی بس پچھتاؤ گی۔" ایاز نے اسے سمجھایا تھا۔
"جی بھائی مجھے پتا ہے اور آپ فکر نہ کریں بابا میرے ساتھ ہیں نا تو پھر مجھے پتا ہے کہ کچھ غلط نہیں ہوگا، وقار بھائی خواہ کچھ بھی کر لیں۔" وہ سر سیدھا کر کے بولی تھی۔
"ویری گڈ، بس اسی طرح ڈٹی رہنا اور سنو تمہاری رزلٹ کب آ رہا ہے؟" وہ فکر مند تھا۔
"بس اس ماہ کے آخر تک آ جائے گا۔"
"آگے پڑھنا ہے نا؟" اس نے پوچھا۔
"جی بالکل۔" اس نے سر ہلایا۔
"کس فیلڈ میں جانا ہے؟"
"ابھی تو سوچا نہیں، دیکھیں کس سبجیکٹ میں مارکس اچھے آتے ہیں۔" وہ لاپروائی سے بولی۔
"ہوں ٹھیک ہے، اسٹڈیز جاری رکھنا۔" اس نے تاکید کی۔
"جی ان شاء اللہ۔" وہ دل سے بولی۔
"میں تمہیں فون کرتا رہوں گا۔" اس نے یقین دلایا۔
"مجھے بہت خوشی ہوگی۔" اس کی آنکھیں جھلملا گئیں۔
"اچھا سا رزلٹ لاؤ، پھر میں تمہارے لئے نیویارک سے تمہارا گفٹ بھجواؤں گا۔" وہ پیار سے کہہ رہا تھا، علینہ بے ساختہ کھلکھلا دی۔

"ضرور۔"
"اپنا خیال رکھنا اور اپنی قنوطیت کو کم کرو تھوڑا، سب میں بیٹھا کرو، گھلا ملا کرو، خود کو اس طرح سب سے الگ کر کے Aloof ہو جاتی ہو، یہ تمہارا گھر ہے علینہ، سب کو پتا ہونا چاہیے کہ تم بھی رہتی ہو یہاں، اپنی ذات کی پہچان کراؤ، میری پیاری بہنا، تمہیں پتا ہے مجھے تمہیں دیکھ کر کبھی خیال آتا ہے کہ ایک باربی ڈول رہتی ہے اس گھر میں، جو نہ بولتی ہے نہ کچھ کہتی ہے، اس باربی ڈول میں جان ڈالو بچی۔" وہ ہنستے ہوئے کہہ رہا تھا، وہ سر ہلاتے ہوئے اس کی باتوں پہ ہنستی جا رہی تھی، اگلی شام اسے وہ لے کر شاپنگ پر گیا تھا۔
"میں اپنی پسند سے خریدوں؟" اس نے مارکیٹ میں ایاز کے ساتھ چلتے ہوئے بچوں کی بے یقینی سے کہا کہ وہ بے ساختہ ہنس پڑا۔
"ہاں اپنی پسند سے خریدو، دل کھول کے بل بناؤ۔"
"او کے۔" وہ ہنستی ہوئی شاپنگ سنٹر کے اندر داخل ہو گئی۔
مختلف رنگوں اور قسموں کی کلر پنسلز، ڈائری کی چینز، کارڈز، کچھ کتابیں اور دو پرس بھی خریدی تھیں اور ایک ایک چیز خریدتے ہوئے وہ بے حد خوش تھی، یوں جیسے ہفت اقلیم کی دولت مل گئی ہو اور ایاز بے حد حیران تھا، اسے اپنی معصوم بہن پہ بے تحاشا پیار آیا تھا، وہ ابھی تک دنیا کی فریبوں اور مکاریوں سے ناواقف تھی اور شاید یوں پہلی دفعہ کسی کے ساتھ اپنی مرضی کی چیزیں خرید رہی تھی جبھی ایک ملکیت نما خوشی اس کے گالوں سے پھوٹی پڑ رہی تھی۔
انہوں نے فرلیش ون سے کافی پی اور واپس آ گئے، لاؤنج میں سب لوگ بیٹھے چائے پی رہے تھے، علینہ کو شاپنگ بیگز سمیت واپس آتے دیکھ کر سب کی نظریں اس کی طرف اٹھ گئی تھیں، سب کی نظریں ایک ساتھ خود پہ دیکھ کر علینہ نے کچھ کنفیوژن میں بیگز ایک ہاتھ سے دوسرے میں منتقل کئے اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی اور اسی رات ایاز مغل کی نیویارک روانگی عمل میں آئی تھی۔

اور اس سے اگلے دن رمشہ کے سسرال والے آ گئے، ایک پروقار تقریب میں وہ حسیب سے منسلک ہو گئی، ہر کوئی گھر میں خوش تھا، رات جب سب تھکے ہوئے سے بکھیڑا سمیٹ کر اپنے اپنے کمروں میں آرام کے لئے چلے گئے تو ایسے میں دو افراد آج پھر بے قرار تھے، اس نے اپنے کمرے کی کھڑکی سے لان میں جھانکا جہاں تاریکی تھی۔
سیاہ شلوار سوٹ میں گرم چادر کندھوں پہ ڈالے وہ لان کی گھاس کو قدموں تلے روندتا ٹہل رہا تھا، ہاتھ میں جلتا ننھا سا شعلہ یقیناً سگریٹ کا تھا، وہ واپس مڑی اور دروازہ کھول کر باہر نکل آئی، وہ ابھی تک اس لباس میں ملبوس تھی جو آج اس نے تقریب میں پہنا تھا، اس کا رخ لان کی طرف تھا، وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اس کے برابر آ گئی، وہ اس کی موجودگی محسوس کر کے مڑا تھا مگر تاریکی ہونے کی بنا پر اس کا چہرہ نہ دیکھ سکا۔
"کیا بہت ناراض ہو؟" وہ آہستگی سے بولی تھی، وہ اسے طرح دوبارہ ٹہلنے لگا۔
"کیسے مانو گے؟" اس نے اگلا سوال کیا، وہ اسی طرح خاموش رہا۔
"کوئی سزا ہی دے لو۔" وہ اس بار التجائیہ انداز میں بولی تھی، کوئی جواب نہ تھا۔
"بس کرو نا، پلیز۔" وہ ہار گئی تھی۔
"معاف نہیں کرو گے؟" اس نے آس بھری نظروں سے اسے دیکھا۔
"کس بات کی معافی؟" اس کا لہجہ ترش تھا۔
"تم جانتے ہو۔"
"نہیں میں نہیں جانتا، تم بتاؤ مجھے۔" وہ چیلنجنگ انداز میں بولا تھا۔
"میں نے بہت مس بی ہیو کیا تمہارے ساتھ اس کے لئے، میں نے بہت برا کیا، مگر میں ان غلط فہمیوں کو دور کرنا چاہتی ہوں، کیا سب کچھ پہلے جیسا نہیں ہو سکتا؟" وہ رونے کے قریب تھی۔
"نہیں کچھ بھی پہلے جیسا نہیں ہو سکتا۔" اس نے لاپرواہی سے کہا۔
"کیوں؟ لیکن کیوں؟" وہ چیخ کر بولی تھی، اس نے کوئی نوٹس نہ لیا تھا، ہنوز سگریٹ پیتے ہوئے ٹہلتا رہا۔
"کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ کچھ بھی پہلے جیسا ہو۔" چند ساعتوں بعد اس نے سرد لہجے میں کہا تھا۔
"ایسا کیوں کر رہے ہو؟" وہ اس بار ذرا بدلے ہوئے انداز میں بولی تھی۔
"کیا کر رہا ہوں؟" اس نے الٹا سوال کیا تھا۔
"تمہیں پتا ہے، تم اس طرح بے حس مت بنو، کم از کم آج تو......" وہ طنز پہ اتر آئی تھی۔
"اچھا آج کیا ہے؟" اس نے بھنویں اچکا کر پوچھا تھا۔
"آج کا دن میرے لئے بہت اسپیشل ہے شاہ بخت، تم نے تو مجھے وش بھی نہیں کیا۔" اس نے شکوہ کیا تھا۔
"تمہیں میری وشز کی ضرورت نہیں ہے رمشہ احمد۔" وہ بھی طنزیہ بولا تھا۔

"مجھے ہے ضرورت، میں اپنے سب سے اچھے دوست کو مس کرتی ہوں، کیا تم نہیں کرتے؟" اس کا سوال عجیب تھا۔

"نہیں میں نہیں کرتا۔" اس نے کہا۔

رمشہ کو بہت برا لگا تھا، وہ شخص ہمیشہ سے زیادہ ظالم، بے حس اور سرد مہر نظر آیا تھا۔

"تم جھوٹ بولتے ہو۔" وہ بے ساختہ بولی۔

"آہاں، تو سچ کیا ہے؟" اور بھی طنزیہ انداز۔

رمشہ کو لگا اس کا دوران خون بڑھنے لگا ہو، شاہ بخت اس کا ضرورت سے زیادہ امتحان لے رہا تھا، شاید وہ بھول گیا تھا کہ وہ کس قدر گرم الطبع اور جلد مشتعل ہو جانے والی لڑکی تھی، جو کہ آج اپنی ساری انا اور ناراضی کو پس پشت ڈال کر اس سے بات کرنے آئی تھی اور وہ مسلسل اسے نیچا دکھا رہا تھا۔

"تم جانتے ہو سچ کیا ہے؟" وہ بھی اس بار بدلے ہوئے لہجے میں بولی تھی۔

"مجھے کچھ جاننے میں دلچسپی نہیں ہے۔" ہنوز سرد لہجہ۔

"تم اچھا نہیں کر رہے بخت۔"

"کیا اچھا ہے اور کیا برا، یہ تم مجھے بتانے کی پابند نہیں ہو۔" وہ اکتا کر بولا تھا، رمشہ کو آگ لگ گئی۔

"اپنی بکواس بند کرو شاہ بخت، تمہیں کیا لگتا ہے رمشہ احمد تم پر مرتی ہے اور تم سے پھر بھیک مانگنے آئی ہے تو اپنی یہ غلط فہمی دور کر لو۔" وہ اس بار پھٹ پڑی تھی۔

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے، بند کرو اپنی بکواس۔" وہ دھاڑ کر بولا تھا، رمشہ کے غصے میں مزید اضافہ ہوا تھا، اس کا دل چاہا وہ شاہ بخت کے منہ پہ بہت سے تھپڑ مارے اور اپنا غصہ [illegible] کرے۔

"میرا دماغ بالکل ٹھیک ہے، تم [illegible] ہونہہ، اپنی حالت دیکھو، مجھے ٹھکرا کے تم [illegible] سمجھا تھا، مجھے کوئی ملے نہیں ملے گا، مجھے تو مل [illegible] تمہیں کیا ملا؟ جس کے لئے مجھے ذلیل کیا تھا اس نے کیسا جوتا مارا منہ پہ، کیسا لگا؟ بڑا اکڑتے تھے خود پر، کیسا نیچا دکھایا اس چھٹانک بھر لڑکی نے؟" وہ تاک تاک کر تیر مار رہی تھی۔

"اپنا منہ بند کرو، بکواس کرتی ہو تم، ایسا کچھ نہیں ہے، وہ کچھ نہیں کر سکتی، اس کی اتنی حیثیت کہاں۔" شاہ بخت زہر خند لہجے میں بولا تھا۔

"بس کرو نکل آؤ اپنی Utopia سے اور حقیقت تسلیم کر لو، کہ اس نے تمہیں ٹھکرا دیا، اب تمہیں احساس ہوگا کہ ٹھکرائے جانے کی اذیت کیا ہوتی ہے؟ اب تمہیں پتا لگے گا ذلت کسے کہتے ہیں؟" وہ چلا رہی تھی۔

"رہو اپنی خوش فہمیوں کے ساتھ اپنے شیشے کے محل میں۔" وہ نفرت سے کہتی واپس مڑی اور بھاگنے کے سے انداز میں وہاں سے نکلتی چلی گئی۔

شاہ بخت چند لمحوں کے لئے بالکل پتھر کے بت کی مانند ساکت رہ گیا تھا، پھر اس نے جلا سگریٹ زمین پہ پھینک کر بوٹ سے مسلا اور ایک فیصلہ کن انداز میں واپس مڑا تھا، اس کے قدم علینہ کے کمرے کی طرف اٹھ رہے تھے۔

☆☆☆

ہم نے بھی ساری زندگی تیرے
آسمانوں تلے نہیں رہنا
یہ گھٹن جو ہمارے اندر ہے
ایک دن توڑ دے گی دیواریں
درد کا اعتراف کیا کرتا
منکشف ہی نہیں ہوا اس پر
ایک ذرا اختیار بھی تو دے
اے میرے اعتبار کے مالک
سوچ کی سیاہ بختیاں دیکھو
دائروں سے نکل نہیں سکتی

مزینہ اور تیمور احمد ڈی ایس پی ہاؤس میں موجود تھے، شفق مزینہ کی گود میں تھی جبکہ حبا، تیمور کے ساتھ لگ کر بیٹھی تھی۔

"حبا میرا بیٹا تم ٹھیک ہو نا؟" تیمور نے بلاشبہ کوئی پچاسویں بار پوچھا تھا۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں پاپا، کیسے ہو گی آپ کی تسلی؟" وہ مسکرا کر بولی تو تیمور کے دل میں ایک ٹھنڈک اتر آئی تھی، وہ لوگ آدھ گھنٹہ پہلے ہی اسلام آباد سے یہاں آئے تھے، تیمور احمد کو یہ سب ناقابل یقین لگ رہا تھا، پتا نہیں کیا ہوا تھا؟ اور آخر یہ معجزہ ہوا کیسے تھا؟

انہوں نے یاد کرنے کی کوشش کی تھی، اپنا ایم اے انگلش مکمل کرنے کے بعد بھی اسید نے اسٹڈیز نہیں چھوڑی تھی، پتا نہیں اس نے کون سے پیپرز دیے تھے، مگر دیے تھے اور تھوڑی دیر مزید یاد کرنے کے بعد انہیں یاد آیا تھا کہ اس نے سی ایس ایس کے پیپرز دیے تھے۔

سی ایس ایس کے بارہ پیپرز اور دن رات کی کڑی محنت، جس پر تیمور نے اس کا ہمیشہ مذاق اڑایا تھا۔

"افسری تمہارے باپ کی جاگیر نہیں جو تمہیں پلیٹ میں رکھی ہوئی مل جائے گی، جس دن کچھ بنو گے مجھے ضرور بتانا۔" وہ طنز کرتے ہوئے کہا کرتے تھے، جواباً وہ صرف خاموش رہتا تھا۔

اور مزینہ کو بھی یاد تھا جن دنوں حبا اور اسید نکاح کے بعد لاہور جا چکے تھے، انہوں نے سی ایس ایس کے رزلٹ کا چرچا سنا تھا، مگر وہ تو بیٹی کی جدائی میں تڑپ رہی تھیں انہیں بھول کر بھی خیال نہیں آیا تھا کہ اسید بھی سی ایس ایس کے امتحان دے چکا تھا، رزلٹ اناؤنس ہوا، وہ سیکنڈ پوزیشن پہ تھا، سیٹ Allocate ہوئی اس نے اپنی مرضی سے پولیس ڈیپارٹمنٹ چنا تھا اور یہ وہی دن تھے جب حبا تیمور احمد کے ساتھ واپس اسلام آباد جا چکی تھی، اسے اکیڈمی ٹریننگ کی کال آ گئی، نو ماہ کی ٹریننگ نے اسے مکمل طور پر دنیا کی ہوش بھلا دی تھی اور اس کے بعد چھ ماہ کی پولیس سروس کی ٹریننگ کے بعد اسے ڈی ایس پی کے عہدے پہ تعینات کر دیا گیا تھا اور دوسری طرف اسی مدت کے دورانیے میں حبا کے ہاں شفق کی ولادت ہوئی تھی۔

وقت نے کسی عجیب چال چلی تھی، تیمور احمد کو پے در پے شکست کا سامنا کرنا پڑا تھا اور وہ اسید مصطفیٰ آج ایک کامیاب، معزز اور معتبر شخصیت کے حوالوں کے ساتھ ان کے سامنے تھا اور اس مقام پر وہ کتنے بے بس ہو گئے تھے کہ چاہنے کے باوجود بھی اس کا کچھ بگاڑ نہ سکتے تھے، ورنہ کم از کم ایک بار تو وہ اس کا گریبان پکڑنا چاہتے تھے۔

آخر وہ اتنی آسانی سے دل میں جمی گرد اور پنجے گاڑھے بیٹھی نفرت کو کیسے ختم کر سکتے تھے، مگر فی الحال وہ اس صورت حال میں خاموش رہنے پر مجبور تھے، کہ معاملہ اب پہلے جیسا نہ رہا تھا، ان کی بیٹی اب اس شخص کی بیوی تھی جبکہ وہ شخص جواب ایک ممتاز حیثیت کا حامل تھا، کچھ بھی کرنے کا بلائنڈ پرمٹ رکھتا تھا اور وہ اس کا ہاتھ نہیں پکڑ سکتے تھے، وہ پہلے بھی اس کا رویہ دیکھ چکے تھے۔

مگر اب سچویشن مختلف تھی، حبا کی اچانک کال اور یوں ان دونوں کو لاہور بلانا ان کے لئے بہت معنی رکھتا تھا اور سب سے بڑھ کر وہ حبا کو

یوں آزادانہ رہتے دیکھ کر ان کے اندر کا خوف کافی حد تک کم ہو چکا تھا، دوسرے وہ اس کے حق ملکیت پہ مسرور تھے، آخر کچھ بھی تھا وہ بیوی کے طور پر اسے ہی متعارف کروانے پہ مجبور تھا، کچھ بھی ہوتا، جبھی تو اس نے یوں دونوں کو بلوا بھیجا تھا، آج رات گیٹ ٹو گیدر تھی اور حیا نے مرینہ کو کہا تھا کہ وہ اسے گائیڈ کریں کہ وہ کیسی ڈریسنگ کرے اور کس طرح کا میک اوور کروائے، تیمور کو بزنس میٹنگ میں جانا تھا، انہوں نے شفق کو ملازمہ کے حوالے کیا اور خود مارکیٹ نکل گئیں۔

انہوں نے موسم کی مناسبت سے کئی دلکش دیدہ زیب ملبوسات خریدے، مرینہ نے اسے عام گھریلو استعمال کے لئے کچھ لباس اور دوسری ضروری چیزیں دلائی تھیں، وہ اتنے عرصے بعد مارکیٹ آئی تھی کہ شاپنگ کرنا تقریباً بھول چکی تھی اور آج اسے اتنا عجیب لگ رہا تھا کہ وہ ہر چیز خریدتے ہوئے جھجک رہی تھی۔

شاپنگ کے بعد مرینہ اسے سیلون لے گئیں، ایک نئی اور فریش کٹنگ اور فیس پالش کے بعد وہ بالکل بدلی ہوئی نظر آرہی تھی اور ہمیشہ سے زیادہ گھبرائی ہوئی اور بے چین، مرینہ نے اسے تسلی کروانے کی ہر ممکن کوشش کی تھی مگر ناکام رہی تھیں۔

☆☆☆

رات کی سیاہ تاریکی اس وسیع وعریض اور پرشکوہ عمارت کے کونوں کو اپنی آغوش میں سمیٹے ہوئے تھی، کہیں کہیں جلتے لیمپ اور مدھم روشنیاں اس کی راہ میں حائل تھیں، سیاہ لباس میں ملبوس وہ سایہ اسی تاریکی کا حصہ معلوم ہوتا تھا، اس کی چال میں ایک عجیب سی بے چینی اور اضطراب ٹپک رہا تھا، وہ چلتا ہوا اندرونی عمارت میں داخل ہوا، کسی نظر نے اب تک اسے نہیں دیکھا تھا، وہ سیدھا چلتا گیا، پھر اس نے ایک کمرے کے دروازے کے ہینڈل پہ ہاتھ رکھا اور پھر اسے گھما کے دیکھا، دروازہ لاک نہیں تھا، اس نے دروازہ کھول دیا، کمرہ تاریکی میں ڈوبا تھا، اس نے اندر قدم رکھا اور دروازہ بند کر لاک کر دیا اور پھر محتاط قدموں سے چلتا بیڈ تک آ گیا، جہاں ایک نسوانی وجود محو خواب تھا، اس نے ایک طویل سانس لے کر خود کو ڈھیلا چھوڑ دیا، کچھ دیر لمبے لمبے سانس لینے کے بعد اس نے اپنی جیکٹ اتاری اور ایک طرف ڈال دی، پھر خود بھی بیڈ پہ لیٹ گیا، چند لمحے وہ چت لیٹا رہا پھر کروٹ بل اس اپنے ساتھ لیٹے وجود کو دیکھا اور پھر ہاتھ بڑھا کر اس کے ماتھے پہ آئے بال پیچھے کر دیے۔

پھر اس کا ہاتھ تھاما اور اپنے چہرے پہ رکھ دیا، اس کے بے تاب ہونٹوں نے اس نازک ہاتھ کی ایک ایک پور کو چوما اور لب ہتھیلی پہ رکھ دیئے، اس کی آنکھوں سے جنون دیوانگی بہہ رہی تھی، اس نے ہاتھ ہٹایا اور پھر ہاتھ اس کے کندھوں پہ رکھ دیئے اور ہونٹ اس کے ماتھے پہ۔

''میری جان۔'' اس نے ماتھے کو چوما تھا۔

''میری زندگی۔'' اس کے ہونٹ آنکھوں پہ ثبت ہو رہے تھے۔

''میری محبت۔'' اس نے عارض لبوں سے چھو لئے تھے۔

''میری روح۔'' اس نے ہونٹ چوم لئے۔

لڑکی کسما کر کروٹ بدلنا چاہتی تھی اس نے بازو پھیلا کر اسے اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا اور پھر قطرہ قطرہ اسے خود میں اتارنے لگا، چند ثانیے کی دیر گزری تھی کہ وہ جاگ گئی اور پھر خود کو یوں اس کے بازوؤں میں سمیٹے دیکھ کر وہ ٹھٹھر گئی۔

"چھوڑو مجھے۔" وہ اسے پہچان کر لرز اٹھی تھی، وہ اس کا جاگنا محسوس کر چکا تھا، گرفت مضبوط کر دی گئی۔

"تم غلط کر رہے ہو۔" وہ سسکی تھی۔

"کیا غلط کر رہا ہوں؟" وہ مزید قریب ہوا، ہونٹ اس کی ٹھوڑی پہ ثبت کر دیئے۔

"بہت مشکل سے آ سکا ہوں۔" اس نے اسے اپنے وجود میں جذب کر لیا، اس کی مزاحمت کمزور پڑی تھی، رات کی سیاہی کیا راز چھپانے جا رہی تھی۔

☆☆☆

سنو تم نے کبھی ساحل پہ بکھری ریت دیکھی ہے؟
سمندر ساتھ بہتا ہے مگر اس کے مقدر میں ہمیشہ پیاس رہتی ہے
سنو تم نے کبھی صحرا میں جلتے پیڑ دیکھے ہیں
سبھی کو چھاؤں دیتے ہیں مگر ان کو صلے میں دھوپ ملتی ہے
سنو تم نے کبھی شاخوں سے بچھڑے پھول دیکھے ہیں
وہ خوشبو بانٹ دیتے ہیں بکھر جانے تلک
لیکن ہوا کا ساتھ دیتے ہیں
سنو تم نے کبھی میلے میں بجتے ڈھول دیکھے ہیں
بہت ہی شور کرتے ہیں مگر اندر سے خالی ہیں
یہی میرا افسانہ ہے
بس اتنی سی پہیلی ہے
جو تم کو بتانی ہے
یہی میری کہانی ہے

وائٹ ٹو پیس میں اپنے ساتھ چلتے اسید مصطفیٰ کو دیکھ کر جو احساس اس کے رگ و پے میں اترا تھا وہ ناقابل بیان تھا، وہ اس وقت موڈ کلر کی ٹخنوں کو چھوتی خوبصورت فراک میں تھی، کٹے ہوئے فلکس ماتھے پہ گرے تھے اور نفاست کے ساتھ کیے گئے میک اپ میں وہ آج اتنی عام اور بری نہیں لگ رہی تھی، بلکہ اچھی خاصی لگ رہی تھی مگر ساتھ چلتا شخص ہر لحاظ سے اسے سے بالاتر تھا۔

مگر آج اس کے تاثرات ہر لحاظ سے الگ تھلگ تھے، وہ ایک عجیب سی بے نیازی کے ساتھ سب کے ساتھ اس کا تعارف کروا رہا تھا، اس کے کولیگز، سینئرز اور جونیئرز سب ہی اس کے ساتھ ایک پر جوش اور تجسس آمیز تاثرات سے مل رہے تھے، البتہ بیگمات کا طبقہ قدرے مایوس دکھائی دیتا تھا، شاید وہ اس کی جگہ کوئی اسید جیسی ہی آؤٹ کلاس پرسنالٹی کی توقع کرتی تھیں، حبا کو ان کے تاثرات سے کچھ بھی افسوس نہ ہوا تھا، اسے اس کی توقع تھی۔

"She is not so special as i was expecting۔" اپنے گھونگھریالے بالوں کی ایک لٹ کو دائیں انگلی پہ لپیٹتے ہوئے یہ تنقیدی فقرہ اقرا چوہدری نے بڑی عجیب نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

"And what you were expecting?" مسز بابر شیراز نے ہنستے ہوئے کہا۔

"Something extraordinavy- but she is nothing seems a maid of him۔" وہ مذاق اڑا رہی تھی۔

دور کھڑے اسید کے ساتھ کھڑی "حبا" ہاتھ میں پکڑے کلچ کو الٹا سیدھا کرتی ازحد مضطرب دکھائی دیتی تھی۔

"ہیلو مسز اسید۔" اپنے مرمریں ہاتھ کو آگے بڑھائے یہ مسز پریرہ نور الدین تھیں ایک سینئر پولیس آفیسر کی بیگم تھیں۔

حبا نے ہاتھ آگے بڑھایا تو جانے کیسے کلچ

ہاتھ سے گر پڑا، اسید نے چونک کر اسے دیکھا اور اس چہرے کی تحریر پڑھ کر وہ چند لمحوں کے لئے فریز سا ہوا تھا، اس نے جھک کر اس کا بیچ اٹھایا تو نظر اس کے پیروں پر پڑی، اس کے پیروں کے انگوٹھے اضطراب اور بے چینی سے مڑے ہوئے تھے، وہ ایک طویل سانس لیتا سیدھا ہوتا ہو گیا، شاید کہیں نہ کہیں بہت کچھ غلط ہو گیا تھا، اس کو احساس تھا۔

تیمور احمد اور مرینہ بھی اس تقریب کا حصہ تھے، تیمور احمد کو کچھ اپنے جاننے والے مل گئے تھے جو ان کے اس نئے تعارف سے خاصے خوش تھے، اب تیمور احمد کی پہچان ایک بزنس مین کی ہی نہیں بلکہ ڈی ایس پی اسید مصطفیٰ کے سسر کی تھی، مرینہ کا چہرہ البتہ سچی خوشی کا غماز نظر آتا تھا، آج ان کا برسوں پرانا خواب شرمندہ تعبیر ہوا تھا، وہ تو صحیح معنوں میں ساتویں آسمان پہ تھیں، مگر اسید ان سے یکسر لاپرواہ نظر آتا تھا، اس نے ان کا تعارف کہیں بھی اپنی ماں باپ کی حیثیت سے نہیں کروایا تھا، وہ نوٹ کر چکی تھیں مگر کہا کچھ نہیں تھا، کہ زندگی کے اس مقام پہ وہ بھی بے بس تھیں۔

رات جب وہ لوگ کھانا کھا کر تقریب کو اختتام پذیر کر کے لوٹے تو تیمور اور مرینہ اپنے کمرے میں چلے گئے، اسید کا رویہ ان دونوں کے ساتھ بہت اچھا نہیں تو بہت برا بھی نہ تھا، اس نے نارمل انداز رکھتے ہوئے ان سے رسمی حال احوال دریافت کیا تھا اور پھر اپنے سیل پہ آنے والی کال کی طرف متوجہ ہو گیا اور اسی طرح بات کرتے کرتے لاؤنج سے باہر نکل گیا تھا۔

اور اب وہ اپنے کمرے میں آئی تو شفق سوئی ہوئی تھی، اس نے اپنی جیولری اتارنی شروع کی تو دروازے پہ دستک ہوئی اس نے اپنا کام موقوف کیا اور اٹھ کر دروازہ کھول دیا، باہر ملازمہ تھی۔

''آپ کو صاحب بلا رہے ہیں۔'' اس نے اطلاع دی۔

''کہاں؟'' اس کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔

''اپنے کمرے میں۔'' وہ کہہ کر واپس مڑ گئی۔

حبا اس کے پیچھے دروازہ بند کر کے آ گئی، پتا نہیں اسید کو کیا کام تھا؟ وہ سوچتی ہوئی اس کے کمرے کی طرف بڑھ آئی، ہلکے سے دروازہ تھپتھپا کر اندر آئی تو اسید آرام وہ کرسی پہ بیٹھا تھا، کمرے میں کوئی آواز نہ تھی، صرف کرسی کی حرکت سے پیدا ہونے والی آواز تھی جو اس سناٹے کو کچھ دیر کے لئے ختم کرتی اور پھر سے وہی خاموشی ہر طرف طاری ہو جاتی، وہ اندر داخل ہو کر اسے دیکھنے لگی، انداز سوالیہ تھا۔

''دروازہ بند کر دو۔'' اسید نے کہا، حبا روبوٹ کی مانند واپس مڑی اور دروازہ بند کر دیا۔

''بیٹھ جاؤ۔'' اسید نے اسے کہا۔

حبا نے ناسمجھی سے انداز سے اِدھر اُدھر دیکھا اسے سمجھ نہیں آئی تھی کہ وہ کہاں بیٹھے؟ کیا اس کا اس کمرے کی کسی بھی چیز پر حق تھا؟ اس نے خود سے سوال کیا تھا اور پھر حسرتوں کا الاؤ خود میں جلتا دیکھا اور پھر بڑی عجیب سی خود اذیتی سے اس کے سامنے کارپٹ پہ بیٹھ گئی، اسید نے عجیب سی نظروں سے اسے دیکھا تھا، پھر وہ کرسی سے اٹھ گیا، اس نے ٹیوب لائٹس آف کر کے ہلکی روشنی جلا دی، پھر سائیڈ ٹیبل سے سگریٹ کا پیکٹ نکالا اور لائٹر سے ایک سگریٹ سلگا لیا اور پھر تسلی سے بیڈ پہ بیٹھ گیا، وہ ابھی تک وہیں بیٹھی تھی۔

''اٹھو...... یہ ڈریس چینج کر لو۔'' اسید نے اس کی پشت دیکھتے ہوئے کہا، اس کی آواز سن کر وہ فوراً اٹھ گئی۔

''وہ تو دوسرے کمرے میں ہیں۔'' حبا نے کچھ بے چینی سے کہا، وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ اسید ایسا کیوں کر رہا تھا؟ آخر مقصد کیا تھا۔

''ادھر سے کچھ پہن لو۔'' اس نے کش لیتے ہوئے لاپرواہی سے کہا۔

حبا نے بے یقینی سے اسے دیکھا اور پھر اسی طرح واپس مڑ کر وارڈ روب کی طرف مڑ گئی، اس نے ایک سفید ٹی شرٹ نکال لی اور ٹراؤزرز کا انتخاب کرتے ہوئے وہ الجھ گئی، وہ سائز میں اتنا بڑا تھا کہ چاہ کے بھی اسے پورا نہیں آ سکتا تھا، اس نے کچھ سوچ کر صرف شرٹ ہی نکالی اور چینج کرنے کے لئے چلی گئی، اس کی موو فراک کے نیچے بھی ٹراؤزر ہی تھا جبھی اس نے صرف فراک بدل کر شرٹ پہنی اور منہ ہاتھ دھو کر باہر آ گئی، آئینے میں خود کو دیکھ کر وہ حیران ہوئی، اسید کی ڈھیلی شرٹ، اسے عجیب سا احساس ہوا تھا، وہ کمرے میں لوٹی تو ساری روشنیاں گل ہو چکی تھیں، وہ ٹھٹک گئی، صرف ٹیبل لیمپ جل رہا تھا۔

''یہاں آؤ حبا۔'' اسید کی آواز تھی کہ سنسناتی ہوئی گولی جو حبا کے وجود سے پار گزر گئی تھی، وہ مردہ وجود کو گھسیٹتی اس کے پاس آ گئی، کیا کرنا چاہتا تھا وہ؟ کیا اب بھی جاننے کی ضرورت تھی؟ اسے اپنی بے حسی پہ افسوس ہوا تھا، اس کی آنکھیں خشک تھیں، سلگتا ہوا سگریٹ، اندھیرا اور اس کی بے بسی، سب کچھ مکمل تھا وہ خود ہی آگے بڑھ کر بیڈ پہ لیٹ گئی، بالکل...... ہاں بالکل ایسے جیسے قربانی کا جانور خود ہی لیٹ کر خود کو پیش کر دے۔

اسید نے سگریٹ ختم کر لیا تھا، وہ سیدھا ہوا اور پھر ٹیبل لیمپ آف کر کے لیٹ گیا، کمرے میں صرف دو نفوس کی خاموش اور مدھم چلتی ہوئی سانسیں تھیں، اسے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا تھا، چند لمحوں بعد وہ ذرا سا آگے ہوا اور ہاتھ اس کی گردن پہ رکھ دیا، اس کا ٹھنڈا ہاتھ اس کی گردن پہ ذرا دیر رکا رہا، ایسے لگتا تھا جیسے حبا کی سانس رک گئی ہو، پھر اس کا ہاتھ گردن سے آگے بڑھا، حبا کو لگا جیسے کوئی بھاری پتھر اس کے دل پہ آن گرا ہو، اس کی دھڑکن بتدریج تیز ہونے لگی، اسید سائیڈ کے بل دراز تھا اور لیمپ کی روشنی اس کی چوڑی پشت کے پیچھے سے مدہم سا پھیلتی ہوئی ہر چیز کو دھندلا اور مبہم بنا رہی تھی، کئی لمحے گزر گئے یا شاید سال، یا پھر شاید صدیاں، وہ آنکھیں بند کر کے اپنا تیز ہوتا سانس نارمل رکھنے کی کوشش کر رہی تھی، اس کے دل پہ رکھا وہ ہاتھ نہیں تھا کوئی Obsorber تھا جو سب کچھ جذب کرتا جا رہا تھا، اس کی بے یقینی، اس کا خوف، اس کے وہم، اس کے ڈر اور شاید اس کی پوشیدہ و خفیہ اذیتیں بھی، وہ آہستگی سے اس کے قریب ہوا اور پھر...... شاید خوف کی شدت سے اس کی دھڑکن رکنے لگی اور بے حسی کی جمی برف میں ایک ہلکی سی دراڑ پڑ گئی، کڑچ کڑچ برف ٹوٹی تھی اور اس کی آنکھیں بہنے لگیں، اس کے سینے میں اتنی گھٹن ہو رہی تھی کہ اس کا منہ کھل گیا، اس نے ایک لمبا سانس لے کر اس گھٹن سے چھٹکارا پانا چاہا تھا، وہ اس بے چینی کو محسوس کر چکا تھا، اس نے انگلیوں کی پوروں سے اس کا چہرہ چھوا، اس کی انگلیاں بھیگ گئی تھیں، وہ ٹھٹکا، چونکا اور پھر پیچھے ہٹ گیا۔

چند ثانیے وہ سیدھا لیٹا رہا، پھر اٹھا اور سائیڈ ٹیبل سے اپنا سگریٹ کیس اٹھا کر باہر نکل گیا۔

کچھ بھی نہیں ویسا
جیسا تجھے سوچا تھا
کچھ پھول محبت کے

مہکیں گے میری خاطر
لیکن تجھے پا کر بھی
اور خود کو گنوا کر بھی
اس حبس کے موسم میں
کھڑکی سے ہوا آئی
نہ پھول سے خوشبو کی
کوئی بھی صدا آئی
نہ لفظ میرے نکلے
نہ حرف و معنی کی
دانش میرے کام آئی
نادیدہ رفاقت میں
جتنی بھی اذیت تھی
سب ہی میرے نام آئی
جیسا تجھے سوچا تھا

آنسو بہتے چلے جا رہے تھے اور کمرے کی تاریکی اس کے دل کو اور بھی خالی اور تاریک کیے جا رہی تھی اور بے بسی کا کوئی انت نہ تھا۔

☆☆☆

''تم اتنے بڑے گھر میں کیسے رہتی ہو ستارا؟'' عینی نے چائے کا مگ پکڑتے ہوئے قدرے حیرانی سے کہا تھا۔

''ابھی کہاں، کوشش کر رہی ہوں۔'' وہ ہلکا سا مسکرا کر بولی تھی۔

''تم گھر کب آؤ گی، ابا یاد کر رہے ہیں تمہیں؟''

''جلد آؤں گی۔'' وہ آئینے کے سامنے بیٹھی اپنے لمبے بال سلجھانے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔

''وہ تو ٹھیک ہے مگر اپنے بالوں کے ساتھ تو یہ سلوک مت کرو۔'' عینی نے اسے ٹوکا، جو بالوں کو بے دردی سے کھینچ رہی تھی۔

''میں بہت تنگ ہوں ان سے، دل چاہ رہا ہے کٹوا ہی دوں۔'' اور الجھ رہی تھی، جب مصعب نے اندر قدم رکھا۔

''کیا کر رہی ہیں آپ؟'' وہ بے ساختہ اس کے قریب آ گیا، نرمی سے اس کے بال تھام لئے اور اس کے ماتھے کو چوما تھا، پھر اس کے ہاتھ سے برش لے لیا۔

''ایسے بناتے ہیں بال۔'' وہ نرمی سے اس کے بال سلجھانے لگا، ستارا نے آئینے میں نظر آتی عینی کو دیکھا جو ہنسی روکنے کی کوشش میں نڈھال ہوئی جا رہی تھی، مصعب نے اسے نہیں دیکھا تھا۔

''وہ......'' ستارا نے جھجک کر کچھ کہنا چاہا مگر مصعب نے اس کے شانے کے گرد بازو پھیلا کر اسے قریب کر لیا تھا۔

''بس چپ کریں، کچھ پتا نہیں چلتا آپ کو، سب کچھ سکھانا پڑے گا۔'' وہ دلکشی سے مسکرایا تھا، ستارا کی حالت عجیب سی ہو گئی۔

''وہ عینی آئی ہوئی ہے۔'' اس نے پیچھے ہٹنا چاہا، مصعب ذرا سا چونکا، آئینے میں دیکھ کر خفیف سا مسکرایا اور پھر گردن موڑ کر اسے دیکھا تھا۔

''کیسی ہیں آپ؟'' وہ تھوڑا سا الگ ہو کر بولا تھا۔

''میں ٹھیک ہوں بھائی، آپ کیسے ہیں؟'' اس بار عینی کھل کے ہنس پڑی تھی۔

''میں بھی ٹھیک ہوں، کھانا وغیرہ کھایا آپ نے؟'' آداب میزبانی نبھانا تو کوئی مصعب شاہ سے سیکھتا۔

''جی بس چل رہا تھا سب کچھ۔''

''اور بتایئے گھر میں سب خیریت ہے؟'' وہ شائستگی سے پوچھ رہا تھا۔

''الحمدللہ، سب خیر ہے۔''

''اور عفان صاحب کیسے ہیں؟ انہیں بھی لے آتیں۔''

''جی بس کچھ مصروفیت ہی ایسی ہوتی ہے اس کی، کہ اس کے ساتھ کہیں آنا جانا ممکن نہیں ہوتا۔'' اس بار وہ اکتائے ہوئے انداز میں بولی تھی۔

''بس اسی طرح کے حالات ہیں ادھر بھی۔'' وہ مروت سے مسکرایا تھا۔

''ہاں جی، یہ بتائیں آپ لوگ گھومنے پھرنے کہاں جا رہے ہیں؟'' وہ تجسس سے پوچھ رہی تھی، ستارا نے چونک کر اسے دیکھا۔

''گھومنے پھرنے کیا جانا ہے، چھوڑو تم، یہ بتاؤ کچھ منگواؤں تمہارے لئے۔'' ستارا نے موضوع بدلنا چاہا۔

''ٹاپک چینج مت کرو ستارا۔'' عینی نے طنز کیا تھا۔

مصعب نے دونوں کو ایک نظر دیکھا اور پھر بے ساختہ مداخلت کی تھی۔

''یہ پلاننگ پاپا کریں گے ہمیں کہاں جانا ہے۔'' مصعب نے قدرے جتانے والے انداز میں کہا تھا۔

''پاپا کیوں؟ آپ اور ستارہ کیوں نہیں؟'' عینی نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''تو اس میں کیا ہے، پلاننگ کوئی بھی کرے۔'' ستارا نے قدرے گھبرا کر بات سمیٹنی چاہی تھی۔

''ایسا تو نہیں ہو گا، ہماری رائے تو شامل ضرور ہو گی۔'' مصعب نے ہلکی سی سنجیدگی سے کہا تو ستارا نے اس کا چہرہ بغور دیکھا اور عینی نے سر ہلایا تھا، کچھ دیر بعد عینی چلی گئی، مصعب اپنا لیپ ٹاپ لے کر بیٹھ گیا جبکہ ستارا پھر سے بال سنوارنے لگی۔

''آپ کو عینی کی بات بری لگی، مجھے افسوس ہے، اسے ایسا نہیں کہنا چاہیے تھا۔'' ستارا کا انداز عام تھا۔

مصعب نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا، سنگھار میز کے شیشے میں دونوں کی نظریں ملیں اور ستارا کو لگا جیسے ان سبز نگینوں سے کوئی شعاع نکلی اور اس کی آنکھوں سے ٹکرائی تھی، اسے ایک نامعلوم سی شناسائی کا احساس ہوا تھا، جیسے ان کی روحیں اس سے پہلے بھی کہیں مل چکی تھیں، بہت صدیاں پہلے جیسے وہ کہیں ساتھی رہ چکے ہوں، مصعب اسے نگاہوں کے حصار میں رکھتے ہوئے اٹھا اور دھیرے سے اس کی جانب چلا آیا، ستارا نے آہستگی سے اپنے دراز بال اٹھائے اور دائیں طرف ڈال دیے، مصعب نے اس کے کندھوں پہ ہاتھ رکھتے ہوئے اسے اپنی طرف موڑ لیا۔

''کوئی کسی سے اتنا پیار کیسے کر سکتا ہے تارا؟'' اس کی آنکھیں تھکی ہوئی اداس تھیں، ستارا کے اندر چھناک سے تارا نام کا شیشہ ٹوٹا تھا۔

''کون؟ کس کی بات کر رہے ہیں؟'' ستارا نے بدقت پوچھا تھا۔

''محبت کتنی عجیب چیز ہے نا انسان سے کیا کچھ کروا لیتی ہے۔'' مصعب نے اس کی بات کا جواب دینے کی بجائے اس کے ماتھے پہ لب رکھ دیئے، ایک عجیب سی لہر اس کے اندر گزری، اس نے سر مصعب کے شانے پہ ڈال دیا، جسے مصعب نے بہت حفاظت سے سنبھالا اور اسے بازوؤں میں سمیٹ لیا۔

''محبت سب سے پہلے ہمیں اپنے محبوب کی عزت کرنا سکھاتی ہے، مجھے صرف تم ہی عزیز نہیں ہو، تمہارے گھر والے بھی میرے لئے اتنے ہی محترم ہیں، مجھے عینی کی بات بری نہیں لگی اس نے ایک فطری سوال پوچھا تھا، واقعی جن کی زندگی ہوتی ہے فیصلے بھی ان کے ہی ہونے چاہئیں۔'' اس نے نرمی سے اسے چوما، پھر اسے ساتھ

لگائے بیڈ تک لے آیا، ستارا بنا کچھ بولے اسے دیکھتی اس نے نہایت احتیاط و توجہ سے اس کے بال سمیٹ کر تکیے پہ ڈال دیئے اور پھر اسے لیٹا دیا۔

''ہم کہاں جائیں گے؟'' ستارا نے اس کی بڑھتی ہوئی قربت سہتے ہوئے پوچھا تھا، مصعب کے ہونٹ مسکرا دیئے، یہ سوال صرف اس کی توجہ ہٹانے کی خاطر کیا گیا تھا، اس نے ستارا کے بالوں میں انگلیاں چلاتے ہوئے اس کی آنکھوں میں جھانکا، وہ گڑبڑا کے پلکیں جھکا گئی، اُف یہ سبز آنکھیں اور ان کی سحرانگیزی۔

''جہاں تم چاہو۔'' اس نے جھکی پلکیں چوم لیں۔

اب ستارا کے پاس خاموشی کے سوا کوئی جواب نہ تھا، مصعب شاہ کی چاہت میں یقیناً کوئی کمی نہ تھی، وہ اسے اپنی محبت اور عشق کی جنوں خیزی میں چوم رہا تھا اور ستارا کے خالی دل میں صرف اک نام کی بازگشت چل رہی تھی۔

''نوفل صدیق کی تارا۔''

☆☆☆

خراج لمحوں میں تیرے دست کشادہ سے ہوئے
کتنی صدیوں کی مشقت سے کمائے ہوئے ہم

اس نے دروازے کے آگے رک کر اک لمحے کے لئے سوچنا چاہا پھر ہمیشہ کی طرح سر جھٹک دیا، بھلا وہ شاہ بخت ہی کیا جو سوچ سمجھ کر کچھ کرے۔

اس نے دروازے کو دھکیلا وہ بغیر کسی رکاوٹ کے کھلتا چلا گیا، وہ اندر داخل ہو گیا، وہ بالکل سامنے بیڈ پہ بیٹھی تھی اور اس کے آگے ایک رنگ برنگی دکان سجی تھی، بکس، کلر پنسلز اور رنگ برنگی کی چیزیں، جبکہ وہ خود اپنے سامنے رکھے کالج بیگ کے ہک میں کی چین لگا رہی تھی، وہ دروازہ کھلنے کی آواز پہ متوجہ ہوئی، سر اٹھا کر دیکھا تو شاہ بخت کو کھڑا پایا، وہ آگے بڑھا مگر پیچھے سے دروازہ کھلا ہی چھوڑ دیا، وہ بیوقوف ضرور تھا مگر اتنا نہیں کہ ایک بار پھر وہی غلطی دھراتا جبکہ پہلے ہی وہ اس کا خاصا بھیانک انجام بھگت چکا تھا۔

مگر اس کے باوجود وہ واقعی بے وقوف تھا جس نے پھر سے اپنی غلطی دھرائی تھی، علینہ اسے دیکھتے ہی بلند آواز میں چلائی تھی۔

''تمہارے ساتھ مسئلہ کیا ہے؟''

''میرا بھی یہی سوال ہے تم سے۔'' وہ اس سے زیادہ بلند آواز میں چلایا تھا۔

''تمیز نہیں ہے تمہیں؟ منہ اٹھا کر اندر آنے کا مطلب؟'' وہ اسی ٹون میں بولی تھی۔

''نہیں ہے مجھے تمیز، تمہیں ہے؟'' وہ آگے بڑھ کر دوبدو بولا۔

''تم سے تو زیادہ ہی ہے۔''

''اچھا...... لہجہ دیکھا ہے اپنا باتمیز صاحبہ؟'' وہ طنز کر رہا تھا۔

''تم سے تو اچھا ہی ہے۔'' وہ فوراً بولی۔

''آہاں، تمہارا تو سب کچھ ہی مجھ سے اچھا ہے، جبھی تو کہتا ہوں میری بن جاؤ اور مجھے بھی اچھا بنا دو۔'' وہ معنی خیزی سے مسکرایا تھا، انداز طیش دلانے والے تھے۔

''اپنی بکواس بند کرو اور دفع ہو جاؤ یہاں سے۔'' علینہ کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا تھا اس نے ہاتھ آگے بڑھائے جیسے اسے دھکا دے کر باہر نکالنا چاہتی ہو، شاہ بخت کی آنکھوں میں حیرت چمکی، وہ لمحوں میں اس کا ارادہ جان گیا اور پھر ہمیشہ کی طرح اس کا دماغ گھوما تھا، اس نے جھپٹ کر علینہ کے ہاتھ تھام لئے۔

''تم...... تم مجھے نکالو گی یہاں سے؟ مجھے تمہاری ہمت کیسے ہوئی؟'' اس نے علینہ کے بازوؤں کو جھٹکا دیتے ہوئے کہا تھا۔

''تم حد سے بڑھ رہے ہو شاہ بخت، تمیز سے رہو اور میرے ہاتھ چھوڑو۔'' وہ چیخی تھی۔

''نہیں چھوڑوں گا، کیا کر لو گی تم؟'' اس نے چیلنج کیا۔

''میں تمہارا سر پھاڑ دوں گی۔'' وہ غرا کر بولی۔

''بندھے ہوئے ہاتھوں کے ساتھ۔'' وہ قہقہہ لگا کے ہنسا۔

''گھٹیا انسان، دفع ہو جاؤ یہاں سے۔'' وہ اتنے زور سے چلائی کہ اس کے گلے کی رگیں پھول گئیں۔

''نہیں نہیں جاؤں گا میں، تمہیں میری بات سننا ہو گی۔'' وہ اسے ایک اور جھٹکا دے کر بولا تھا۔

''مجھے تمہاری کوئی بات نہیں سننی۔''

''کیوں...... کیوں...... کیوں نہیں سنو گی میری بات...... پیار کرتا ہوں میں تم سے...... اپنا بنانا چاہتا ہوں تمہیں...... اتنی سی بات تمہیں سمجھ نہیں آتی؟'' وہ اتنی بلند آواز سے بولا کہ کمرے کی دیواریں تک لرز اٹھی تھیں۔

''نہیں آتی کیونکہ میں سمجھنا نہیں چاہتی۔'' وہ بھی اس کے انداز میں حلق پھاڑ کر بولی تھی۔

''آہستہ بولو۔'' وہ دانت بھینچ کر بولا تھا۔

''کیوں...... کیوں نہیں چلے جاتے تم میری زندگی سے؟'' اس کا انداز اکتاہٹ سے بھرپور تھا۔

وہ دونوں اسی شدومد سے جھگڑنے میں معروف تھے جبکہ ان کی بلند آوازیں سن کر سب اکٹھے ہو چکے تھے۔

''میں تم سے محبت کرتا ہوں، اتنی سی بات سمجھنے کے لئے تمہیں کتنے دن چاہیں کتنے مہینے اور کتنے سال؟ بتاؤ۔'' شاہ بخت کا غصہ اپنی انتہا پر جا پہنچا تھا۔

''تم ساری زندگی بھی ایڑھیاں رگڑتے رہو تب بھی میں تمہاری بات نہیں مانوں گی۔'' علینہ کے انداز میں وہ نفرت و حقارت تھی جس نے شاہ بخت کا فیوز اڑا کے رکھ دیا تھا، اس کا ہاتھ بے ساختہ اٹھا اور دائیں ہاتھ کا طمانچہ پوری قوت سے علینہ کے گال پہ پڑا تھا، اس کے حلق سے ایک دلدوز چیخ نکلی تھی۔

''کیسے نہیں مانو گی؟ میں دیکھتا ہوں کیسے نہیں مانتی تم؟'' شاہ بخت کی بلند دھاڑ نے اسے لرزا کر رکھ دیا تھا۔

یہ سب کچھ صرف چند سیکنڈز کے اندر اندر وقوع پذیر ہوا تھا، اس دوران کسی کو کوئی ایکشن لینے کا موقع ہی نہیں ملا تھا، مگر اب علینہ کی چیخ سن کر جیسے کوئی سکتہ ٹوٹا تھا۔

''اسے چھوڑ دو شاہ بخت۔'' یہ تھکی ہاری آواز علینہ کے بابا احمر مغل کی تھی۔

(باقی آئندہ)

''اعتراز''

دسمبر کے شمارے میں سمیرا گل عثمان کا افسانہ ''فیصلہ'' شائع ہوا تھا فہرست میں کمپوزنگ کی غلطی سے اس ''صبا بخاری'' کا نام شائع ہو گیا جس کے لئے ہم سمیرا گل سے معذرت خواں ہیں۔

سندس جبیں

آٹھویں قسط

اگلی صبح مرینہ اور تیمور احمد واپس اسلام آباد کے لئے نکل گئے تھے، اسید ان سے نہیں ملا تھا، مرینہ نے اس سے ملنے کی کوشش کی تھی مگر اسید نے ملازمہ کے ہاتھ پیغام بھجوا دیا تھا کہ وہ سو رہا ہے، مرینہ سب سمجھتی تھیں مگر چپ رہیں، وقت واقعی بدل چکا تھا، کل کا زیر آج زبر بن چکا تھا۔

وہ دونوں اس سے ملے بغیر چلے گئے، جو بھی تھا مگر اندر ہی اندر تیمور بہر حال مطمئن تھے، انہوں نے اسید کا بدلا ہوا رویہ دیکھ لیا تھا اور اب وہ پہلے کی طرح خوفزدہ اور ڈرے ہوئے نہیں تھے، انہیں رخصت کر کے حیا بہت دیر تک لان میں پھرتی رہی، یہ جنوری کی ایک دھندلی صبح تھی اور پورا لان ہلکے ہلکے سفید بادلوں سے گھرا ہوا تھا، دھند کے مرغولوں نے اونچے درختوں کی شاخوں کو اپنی لپیٹ میں لیا ہوا تھا، بے خیالی میں چلتے ہوئے وہ کھجور کے تناور درخت کے پاس

ناولٹ

رک گئی، کچھ سوچ کر اس نے بالوں میں لگی پن اتاری اور درخت کے تنے پہ کھرچنے لگی، دیر بعد اس نے پیچھے ہٹ کر دیکھا تو اس درخت کے سپاٹ تنے پہ ''اسید'' کا نام بہت خوش نما رہا تھا۔

تمہارا اور میرا نام، جنگل میں درختوں پہ
ابھی لکھا ہوا ہے تم کچھ جا کے مٹاؤ
بہار آتی ہے لیکن ان درختوں پر نہیں آتی
ہمارے نام پڑھتی ہے تو واپس لوٹ جاتی ہے
یہی ہر بار ہوتا ہے، وہ راستے جن پر مڑ کر
کبھی نہ ہم آئے، نہ تم آئے
اب آیا ہوں تو یہ کہتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں
اکیلے پھر نہیں آتا، اکیلے پھر نہیں آتا

اس نے ہاتھ پھیر کر اس نام کو محسوس کیا اور پھر دھیرے سے آگے بڑھ گئی، زندگی میں کچھ چیزیں کبھی واپس نہیں ملتیں، نہ وہ پیار جو ہم اپنی

لاپروائی کے باعث کھو دیتے ہیں اور نہ وہ خالص پن جسے ہم اپنی من مرضی کی مطابق ڈھالنے کی کوشش میں آلودہ کر دیتے ہیں، یادوں کا اپنا خزانہ تھا اس کے پاس کہ وہ ساری زندگی ان ہی یادوں کے ساتھ بسر کر کے گزار سکتی تھی، مگر اس خزانے پہ سانپ بن کے بیٹھے اس کے اعمال جو اسے اس خزانے کو چھونے بھی نہیں دیتے تھے، ہر بار ایسی کوشش میں وہ ڈسی جاتی اور اپنا ہارا ہوا وجود لے کر اذیت خانے میں لوٹ جاتی، اس کے اندر پیاس کا وہ صحرا اگا تھا کہ ساری دنیا کے سمندر پی کر بھی اس کی پیاس بجھنے والی نہ تھی۔

سب کچھ تو ہو گیا تھا، سارے فرائض ادا ہو گئے تھے، اسید مصطفیٰ نے اب کی بار اس کے لئے جو قربانی دے دی تھی اور جو احسان اس پہ کر دیا تھا اس کا بوجھ بہت بھاری تھا، اتنا کہ حبا کے لئے اس بوجھ کو سہارنا دشوار ہو رہا تھا، اس کے کندھے اس بار سے ٹوٹ رہے تھے، اس بار اسید مصطفیٰ نے اس کے لئے وہ کیا تھا کہ حقیقتاً حبا کا دل چاہ رہا تھا اپنا وجود ریزہ ریزہ کر کے اس کے قدموں کی خاک بنا دے یا پھر اپنے جسم میں دوڑتا خون کا ہر قطرہ اس پہ نچھاور کر دے۔

اسید مصطفیٰ نے اسے اپنا "نام" دیا تھا، حبا تیمور کو "شناخت" دی گئی تھی، وہ جنگ جو "رشتے کی شناخت" کے لئے حبا تیمور نے شروع کی تھی، اسے اسید مصطفیٰ نے بڑے منطقی انداز میں انجام تک پہنچایا تھا۔

اور اب زندگی کا انداز یقیناً مختلف ہونے والا تھا، وہ سارے برے خیال، برے خواب اور واہمے جو اسے ڈراتے تھے اب یقیناً ایسا کچھ نہیں ہونے والا تھا، اب یقیناً اسید کی زندگی میں اور کسی نے نہیں آنا تھا، حبا کو آن دا ریکارڈ اس کی بیوی ہونے کا اعزاز ملا تھا اور کوئی بھی اب اس سے اس اعزاز کو چھین نہیں سکتا تھا حتیٰ کہ خود اسید بھی نہیں، حبا تیمور آج سرخرو تھی۔

"اب تم پاؤں کی خاک سمجھو یا سر کا تاج، میں ہر حال میں خوش ہوں اسید مصطفیٰ۔" وہ سوچتے ہوئے اندر آ گئی اور لاؤنج کا دروازہ اپنے پیچھے بند کر دیا تھا۔

☆☆☆

"عجیب سی بات ہے، مگر یہ ایک انویٹیشن کارڈ ہے، مغل ہاؤس سے؟ میں تو تقریباً بھول چکا تھا مگر انہیں شاید یاد ہے، یہ دیکھو...... آخر شادی کس کی ہے؟" پاپا نے لاؤنج میں بیٹھے ہوئے ستارا اور مصعب کو مخاطب کر کے کہا تھا۔

"مغل ہاؤس؟" مصعب نے چونک کر انہیں دیکھا، ستارا کے لئے بھی یہ نام نیا تھا۔

"مجھے یاد پڑتا ہے کچھ کچھ۔" مصعب نے کارڈ اٹھاتے ہوئے کہا۔

"کیا؟" ستارا نے پوچھا۔

"پاپا! یہ "مغل ہاؤس" میں تو میں جا چکا ہوں، ان کے بیٹے کی ڈیتھ پہ، حیدر کے ساتھ گیا تھا۔" اسے فوراً یاد آیا تھا۔

"ڈیتھ پہ؟ کیا مطلب؟ کب؟ مجھ سے ذکر کیا تھا؟" وہ کچھ حیران ہوئے تھے۔

"جی کیا تو تھا، آپ کو شاید یاد نہیں، ان کے کسی بیٹے کی ڈیتھ نیویارک میں ہوئی تھی، ان کی ڈیڈ باڈی آئی تھی پاکستان، تب میں حیدر کے ساتھ گیا تھا تعزیت کے لئے، بہت بااخلاق اور ملنسار لوگ ہیں۔" اس بار وہ تفصیل سے بولا۔

"اوہ ہاں یاد آ گیا، بتایا تھا تم نے، میرے ذہن سے نکل گیا تھا۔" وہ سر ہلاتے ہوئے بولے تھے۔

"ہوں مگر شادی کس کی ہے؟" مصعب کارڈ کھولنے لگا، مگر اسی وقت اس کا فون بج اٹھا

وہ فون کی طرف متوجہ ہو گیا، جبکہ وہ ادھ کھلا کارڈ وہیں رہ گیا تھا، ستارا نے اسے اٹھ کر وہاں سے جاتے دیکھا، پھر اس کی پشت کو دیکھتی رہی، اسے مغل ہاؤس کی کسی شادی میں کوئی دلچسپی نہ تھی، جبھی اس نے کارڈ کی طرف کوئی توجہ نہ دی اور جس پر اس کی توجہ مرکوز تھی کیا اس میں دلچسپی تھی؟

☆☆☆

"کیوں چھوڑ دوں میں اسے؟ یہ سمجھتی کیا ہے اپنے آپ کو؟" شاہ بخت بدستور اس کے بازو کو جھنجھوڑتا ہوا چیخ رہا تھا۔

وقار نے اسے کھینچ کر الگ کرنا چاہا مگر اس نے جھٹکا دے کر اپنے آپ کو چھڑا لیا۔

"تم انسان کہلانے کے قابل ہی نہیں ہو، چھوڑو مجھے، تمہاری خواہش کبھی پوری نہیں ہو گی۔" علینہ نے اسے پرے دھکیلتے ہوئے چلا کر کہا تھا۔

"ہونہہ، دیکھیں گے کون کیا نہیں کرتا۔" وہ مذاق اڑانے لگا۔

"تم...... تم شاہ بخت...... مر کیوں نہیں جاتے؟" وہ بے بسی کی انتہا پہ جا کر نفرت سے بولی تھی، شاہ بخت لمحہ بھر کو ساکت ہوا تھا اور اسی لمحے احمر مغل نے علینہ کے بازو کو اس کی گرفت سے آزاد کروایا تھا، شاہ بخت کی نظر ان پر پڑی تو وہ شرمندگی کی عمیق کھائیوں میں ڈوبا تھا، وہ بہت بے بس اور پریشان نظر آ رہے تھے۔

"سوری تایا ابو۔" وہ بے ساختہ بولا۔

"بھاڑ میں جاؤ اپنے سوری کے ساتھ۔" علینہ غرا کر پڑی۔

"تم سے کون بات کر رہا ہے۔" وہ کہاں پیچھے رہنے والا تھا۔

"تو میرے کمرے میں کیا لینے آئے تھے؟" وہ فوراً یاد دلا کر بولی تھی۔

"بے وقوفی تھی میری، سوچا تھا تمہیں پیار سے سمجھاؤں گا، مگر میں بھول گیا تھا کہ تمہیں پیار کی زبان سمجھ کہاں آتی ہے۔" وہ ترکی بہ ترکی بولا تھا۔

"بس کرو تم دونوں۔" نبیلہ بیگم نے چیخ کر دونوں کو چپ کروایا تھا۔

"آپ اسے سمجھاتی کیوں نہیں تائی امی، یہ بہت بدتمیز ہو گئی ہے۔" شاہ بخت نے انہیں بھی بیچ گھسیٹا تھا۔

"ہونہہ...... میں اور بدتمیز...... خود تم نے کون سا بھی تمیز سکول کی شکل دیکھی ہے؟" علینہ نے مذاق اڑانے کی حد کر دی تھی۔

"بس کرو علینہ اور کتنا لڑو گی؟" نبیلہ بیگم نے اسے ڈانٹا تھا۔

"تم چلو یہاں سے شاہ بخت۔" وقار نے اسے باہر کو دھکیلا۔

"ہاں لے جائیں اسے اور اسے کہیں دوبارہ میرے کمرے میں مت آئے۔" وہ چلا کر پھر بولی تھی۔

"میں آؤں گا بھی نہیں، اب تم آؤ گی۔" وہ چیلنج کرتا ہوا، وقار کے ہاتھ سے اپنا بازو چھڑا کر باہر نکل گیا۔

"بند کرو یہ تماشا...... تم...... علینہ...... مجھے یقین نہیں ہو رہا ہے تم اس قدر بدتمیز اور بدلحاظ ہو سکتی ہو، مجھے اندازہ ہی نہیں تھا، اب تمہارا یہ رویہ دیکھ کر تمہارے بابا کیا سوچیں گے؟ کچھ فکر ہے تمہیں؟" نبیلہ بیگم غصے و حیرانی کے ملے جلے تاثر سے اس پر برس رہی تھیں۔

"چپ کرو تم۔" احمر مغل نے بیگم کو ڈانٹا تھا۔

"آپ بھی مجھے ہی چپ کروائیں، دیکھ لی آج حقیقت، مجھے بھی سمجھ نہیں آتی تھی کہ آخر

بخت ہی کیوں اس پر بھڑکتا ہے؟ آج مجھے علم ہوا ہے کہ یہ بھی اس کے ساتھ برابر کا جھگڑا کرتی ہے، ہونہہ، آپ بند کریں اس کی طرف داری اور حقیقت پسند بن کے سوچیں، کب تک ہم یہ تماشے بھگتتے رہیں گے، کوئی حل ڈھونڈیں اس سب کا۔" وہ اپنا سارا غبار نکال کر باہر نکل گئیں اور اپنے کمرے میں جا کر بھی ان کا غصہ ٹھنڈا نہ ہوا تھا، وہ بدستور بڑبڑا رہی تھیں۔

"حد ہوتی ہے ایک چیز کی، باپ کو بیٹی کی مرضیاں ماننے کی پڑی ہے، بھائی صاحب کو اپنے ہی بچپن کے دوست میں خامیاں نظر آنے لگ گئی ہیں اور بیٹی کے کام سب سے انوکھے نرالے ہیں، بھئی...... تمہیں نہیں کرنی اس سے شادی، تو نہ کرو پھر اس سے جو بچپن لڑانے کی بھی کیا ضرورت ہے، خوامخواہ شوق کو ہوا دینے والی بات۔" دوسری طرف احمر مغل، طارق اور احمد مغل کے سامنے موجود تھے۔

"میری بیٹی، میرے ہی گھر میں غیر محفوظ ہو گئی ہے، شاہ بخت کا غصہ بڑھتا جا رہا ہے، آج وہ اس کے کمرے میں جا کر اس سے باز پرس کر رہا تھا، پاگلوں کی طرح جھگڑ رہے تھے وہ دونوں، اتنی اونچی آواز میں، مجھے ڈر ہے بخت غصے میں کوئی قدم نہ اٹھا لے۔" ان کے انداز سے گہری تشویش جھلک رہی تھی۔

"ایسا نہیں ہے احمر، تم خوامخواہ پریشان ہو رہے ہو۔" بڑے تایا ابا نے انہیں تسلی دینا چاہی۔

"مجھے بخت کے مزاج کا اندازہ ہے، وہ اس وقت واقعی پاگل ہو رہا ہے، اپنے جنون میں اگر اس نے علینہ کو اب کوئی نقصان پہنچایا تو میں کبھی خود کو معاف نہیں کروں گا، آپ پریشان مت ہوں میں اسے عباس کے پاس کراچی بھجوا دیتا ہوں، کچھ دن وہاں رہے گا تو شاید دماغ بدل جائے گا اس کا۔" یہ بخت کے بابا تھے، بہت افسردہ اور پریشان نظر آتے تھے۔

"ایسا مت کہو طارق، اس کا دل نہیں بدل سکتا، خواہ ہم اسے کتنی بھی دلیلیں دے لیں۔" تایا جان نے سر جھٹک کر کہا۔

"میں کب اس کا دل بدلنے کی بات کر رہا ہوں بھائی صاحب، طارق تو فضول بے وقوفوں والی بات کر رہا ہے۔" احمر مغل نے قدرے عجیب سے لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب؟ میں نے تو اپنی عقل سمجھ کے مطابق صحیح بات کی ہے۔" طارق بے چارے پریشان ہو گئے۔

"یہ ہی تو بات ہے، طارق جو بات تم کر رہے ہو، وہ مسئلے کا حل نہیں ہے۔"

"تو پھر مسئلے کا حل کیا ہے؟" احمد اور طارق نے بیک وقت استفسار کیا تھا۔

"وہ ہی جو بخت چاہتا ہے۔"

"کیا مطلب؟" طارق بے ساختہ چونک گئے۔

"میری طرف سے ہاں ہے۔" احمر مغل نے دھیمے لہجے میں دھماکہ کیا تھا۔

☆☆☆

انسان کو حیوان ناطق یا Social Animal کہا جاتا ہے، ایسا کیوں ہے؟ کیا اس لئے کہ انسان جب اشرف المخلوقات کے رتبے سے گرتا ہے تو جانور سے بھی بدتر ہو جاتا ہے یا پھر اس لئے کہ اس انسان نامی مخلوق میں بھی جانوروں والی صفات بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں، صدیوں سے دانش اور اس گتھی کو سلجھانے کی کشمکش میں مشغول ہیں کہ انسان کے ساتھ یہ حیوان کا سابقہ کیوں لگا؟

وہ بھی انسان تھی، حیوان نہیں، لیکن اپنی

غرض کے لئے اس نے اسید کے سر پہ جھوٹ کا جال بن دیا۔

وہ بھی انسان تھا، حیوان نہیں، لیکن اپنے طیش اور نفرت میں وہ اپنے وقار سے گر کر ایک درندہ بن گیا۔

تو انسان اگرچہ ایک جانور ہے مگر اسے سچ مچ کا جانور بننے قطعی دیر نہیں لگتی، جیسے ان دونوں کو نہیں لگی تھی۔

وہ حبا سے بے پروا اور بے حس ہو گیا تھا، بالکل ویسے جیسے تیمور اور مرینہ، اسید سے بے پرواہ اور بے حس ہو گئے اور انسانی رشتوں کی یہ بے حسی انسان کو اس کے مرتبے اور وقار سے گرا کر کسی نالی میں رینگتا ہوا کیڑا بنا دیتی ہے، جیسے وہ بن گئی تھی، اگرچہ وہ احتجاج نہیں کرتی تھی مگر بحیثیت انسان اس کا سراپا اس کا رواں رواں روتا تھا کہ اسے توجہ چاہیے، پیار کے دو بول اور تھوڑی سی اہمیت چاہیے سانسوں کی ان ڈوریوں کو کھینچنے کی مشقت کے لئے اسے محبت کی آکسیجن چاہیے تھی، مگر اس کے ہونٹ جبر کی سختی سے سل چکے تھے اور احساسات سرد مہری کی ٹھنڈک میں جم چکے تھے۔

شفق جس کا نام مرینہ نے بہت شوق سے "نور شفق" رکھا تھا، اس امید پہ کہ وہ ان دونوں کی زندگی میں صبح کا نور بن کے آئے گی، وہ نور تو کیا بنتی اس کی قسمت میں بھی شاید حبا کے نصیب والی سیاہی تھی، اس وقت وہ چھ ماہ کی ہو چکی تھی اور حبا کو نہیں یاد تھا کہ کبھی اسید نے اسے دیکھا ہو یا دیکھنے کی خواہش ہی کی ہو، وہ اپنی ماں سے زیادہ غیر اہم تھی۔

یہ اوائل فروری کی ایک کھلی سی صبح تھی جب وہ لیٹ اٹھا تھا، حبا نے کبھی اس کی اجازت کے بغیر اس کے کمرے میں جانے کی جرأت نہ کی تھی، بہت سی چیزوں کی سمجھ وقت خود بخود دے دیتا ہے۔

وہ اٹھ کر لاؤنج میں آ گیا، رات کے لباس میں وہ صوفے پہ ٹانگیں پھیلا کر نیم دراز ہو گیا اور ریموٹ اٹھا کر ٹی وی آن کر لیا، یہی وقت تھا جب شفق رینگتی ہوئی باہر نکل آئی، وہ اس لمبے چوڑے شخص کو اکثر گھر میں چلتا پھرتا دیکھتی تھی مگر صرف دور سے، آج اس نے جانے کیا سوچا، وہ رینگتی ہوئی آگے بڑھتی گئی اور اسید کے زمین پہ رکھے پیر کے نزدیک آ گئی، پھر اس نے اپنے ننھے ننھے ہاتھ اسید کے پیر پہ رکھے اور اس کی انگلی پہ منہ رکھا اور پھر اسے ہونٹوں میں دبا لیا، اسید ایک دم چونکا اور پھر چند لمحوں کے لئے گنگ ہو گیا۔

"حبا!" اس کی دھاڑ بہت بلند تھی، پھر اس نے جھٹکے سے اپنا پیر واپس کھینچا تھا۔

اور اس گھر میں حبا نے پہلی دفعہ اس کی اتنی بلند آواز سنی تھی، وہ کچن سے بھاگتی ہوئی باہر نکل آئی تھی، اس نے جیسے ہی دیکھا کہ شفق اس کے قریب زمین پر بیٹھی تھی، وہ ایک دم گھبرا گئی اور پھر تیزی سے بھاگتی ہوئی آگے آئی تھی، اس نے جلدی سے شفق کو اٹھایا تھا اور ایک لمحے کی تاخیر کیے بغیر وہاں سے نکلتی گئی، اپنے کمرے میں آ کر وہ کتنی دیر خالی الذہنی کے عالم میں بیڈ پہ بیٹھی شفق کو تھپکتی رہی، اس کا دماغ بہت تیزی سے آگے کی ترکیب سوچ رہا تھا اور اگلے آنے والے دنوں میں اس نے شفق کو ساتھ رکھنا شروع کر دیا، وہ اسے اکیلا کمرے میں چھوڑ کر جاتی تو دروازہ بند کر جاتی، وہ اٹھتی اور رینگتی ہوئی دروازہ کے پاس آ جاتی پھر ننھے ہاتھوں سے دروازہ پیٹنا شروع کر دیتی، کچھ تو حبا اسے اٹھا کر لے جاتی اور کبھی وہ کہیں مصروف ہوتی تو اسے پتا نہ چلتا، جب وہ واپس کمرے میں جاتی تو اسے شفق زمین پہ سوئی

ہوئی ملتی وہ اسے اٹھاتی اور بیڈ پہ لٹا دیتی۔

اس نے شفق کے اخراجات کا کوئی بوجھ ہیں اسید پہ ڈالا تھا، نہ ہی کوئی اسپیشل دودھ منگوائی نہ کچھ اور یہاں تک کہ اس نے شفق کو فیڈر اور چوسنی تک کی اجازت نہ ڈالی تھی۔

اسید کے کی نظر سے مہینے بھر کے راشن کی لسٹ گزری تو وہ حیران ہوا تھا اس میں وہی روایتی چیزیں تھیں جو گھریلو استعمال میں امور خانہ داری کے لئے ضروری تھیں، اس میں حبا اور شفق سے متعلقہ کوئی چیز نہ تھی، وہ چاہتا بھی تو اس طرف توجہ نہیں دے سکتا تھا کہ اس کی دفتری معروفیات اجازت ہی نہ دیتی تھیں۔

اور اپنی لاپرواہی اور بے حسی میں ان دونوں کو نظر انداز کر چکا تھا، یہ بھول کر کہ انسان سماجی حیوان ہے وہ تنہا ہو کر زندہ نہیں رہ سکتا، اسے ایک نارمل انسانی حیات بتانے کے لئے دوسروں کے سہارے کی ضرورت ہوتی ہے، ورنہ وہ تنہائی کی تاریکی میں گم ہو کر اشرف المخلوقات کی شناخت کھو دیتے ہیں، وہ اس بات سے واقعی بے خبر تھا۔

☆☆☆

سبین اور عباس کی زندگی اگرچہ پوری طرح مکمل تو نہیں تھی مگر پھر بھی وہ خوش ضرور تھے، سبین اس کا ہر طرح سے خیال رکھتی تھی اور وہ بھی اگرچہ اس کا اتنا خیال تو نہیں رکھ پاتا تھا مگر پھر بھی وہ اسے بہت چاہتا تھا، اس کی پرواہ کرتا تھا، اس کے لئے اپنی پسند کی چیزیں لاتا تھا، اسے سجا بنا دیکھنا چاہتا تھا اور وہ اس کی ہر بات مانتی جاتی تھی کہ اس مسیحا کو ناراض کرنا وہ مول نہیں لے سکتی تھی۔

آج تو یوں بھی دونوں بے انتہا خوش تھے، سبین امید سے تھی، عباس کی خوشی چھلکی پڑ رہی تھی اور سبین بس سر نیچے کیے اک شرمیلی سی مسکان لبوں پہ سجائے اسے دیکھتی تھی، دنیا کے ہر جوڑے کی طرح وہ بھی اپنے آپ کو بہت معزز اور خوش قسمت تصور کرتے تھے کہ ان کے نزدیک شاید وہ پہلے بنی نوع بشر تھے جن پر رب نے اپنی رحمت کی تھی۔

انہوں نے ''مغل ہاؤس'' فون کر کے سب کو بتانے کا پلان بنایا تھا، مگر اس سے پہلے عباس کو بابا کی کال آ گئی۔

''بابا! کیسے ہیں آپ؟'' عباس نے مسکرا کر پوچھا تھا۔

''میں ٹھیک ہوں بیٹا! آپ کیسے ہو اور سبین؟''

''ہم بھی ٹھیک ہیں بابا اور.....'' وہ خوشی خوشی آگے بولنے لگا تھا جب بابا نے اسے ٹوک دیا۔

''مجھے تمہیں ایک ضروری بات کی اطلاع کرنی تھی عباس۔'' ان کا لہجہ سنجیدہ تھا۔

''جی بابا۔'' عباس ان کے انداز سے ٹھٹکا تھا۔

''میں نے علینہ اور شاہ بخت کا نکاح طے کر دیا ہے۔'' انہوں نے ٹھہر ٹھہر کر کہتے ہوئے عباس کے سر پر پہاڑ توڑا تھا۔

''کیا؟ کیا مطلب ہے؟ آپ کیا کہہ رہے ہیں بابا؟'' عباس نے بے یقینی سے کہا تھا۔

''اس جمعہ کو نکاح ہے، تم اور سبین جلد از جلد لاہور آ جاؤ۔'' انہوں نے عباس کی بے یقینی نظر انداز کرتے ہوئے اپنی بات مکمل کی تھی۔

''قطعاً نہیں، آپ اتنا بڑا فیصلہ مجھے بتائے بغیر کیسے لے سکتے ہیں؟ بابا! یہ آپ نے کیا کیا ہے؟ آپ نے مجھ سے پوچھنا تک گوارا نہیں کیا؟'' عباس کو بے انتہا غصہ آیا ہوا تھا، وہ پھٹ پڑا۔

''بتا تو رہا ہوں تمہیں اور کیا پوچھنا چاہیے تھا مجھے؟'' وہ ذرا ناگواری سے بولے تھے۔

''آپ سب کچھ کر کے مجھے بتا رہے ہیں، یہ اطلاع دینے کی بھی زحمت نہ کی ہوتی بابا۔'' وہ بدستور غصے میں بولا تھا۔

''تمہیں کس بات کا غصہ ہے؟''

''آپ کو اچھی طرح پتا ہے مجھے کس بات کا غصہ ہے، میں اس شادی کے حق میں بالکل نہیں ہوں، کیا امی نے آپ کو بتایا نہیں تھا کہ ان کی مجھ سے بات ہو چکی ہے۔'' اس کا طیش بڑھتا جا رہا تھا۔

''نہیں میں نہیں سمجھتا کہ وہ بات منطقی تھی، جبھی میں نے اس پہ غور کرنا مناسب نہیں سمجھا۔'' انہوں نے پرسکون انداز میں کہا تھا، عباس چند لمحے کے لئے بالکل چپ ہو گیا، اسے لگا اس کی اہمیت زیرو کر دی گئی تھی۔

''وہ میری بہن ہے بابا، آپ اپنے بھتیجے کی خواہش پوری کرنے کے لئے اسے بھینٹ چڑھا رہے ہیں؟ یہ بہت غلط فیصلہ ہے، خدارا ایک دفعہ تو سوچ لیں۔'' عباس کا لہجہ دکھ بھرا تھا۔

''وہ میری بیٹی ہے، تم اس کے باپ بننے کی کوشش مت کرو، میں نے کیا فیصلہ کیا ہے میں بہت اچھے طریقے سے اس کے نتائج و عواقب سے آگاہ ہوں، تم مجھے مت بتاؤ کہ مجھے کیا کرنا چاہیے تھا اور کیا نہیں۔'' انہوں نے سرد مہری سے کہا۔

''آپ کی بات بالکل درست ہے کہ وہ آپ کی بیٹی ہے اور کیا آپ کو اس بات کا علم ہے کہ وہ راضی ہے یا نہیں؟'' اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا تھا۔

''وہ بچی ہے، اس کا ذہن اتنا باشعور نہیں ہے ابھی کہ اپنا اچھا برا سوچ سکے۔'' وہ مہارت سے عباس کی بات اگنور کر گئے اور لاپرواہی سے بولے۔

''وہ بچی نہیں ہے، یونیورسٹی سے گریجویٹ ہونے جا رہی ہے۔'' وہ تڑپ اٹھا۔

''چار کتابیں پڑھ لینے سے انسان میں عقل نہیں آ جاتی۔'' انہوں نے سر جھٹکا۔

''اچھا یہ فلاسفی آپ کو تب عمل میں لانی چاہیے تھی جب آپ اسے گریجویشن میں داخلہ دلوا رہے تھے۔'' عباس کا انداز ہنوز تھا۔

''بہر حال اس فیصلے میں تبدیلی کی کوئی گنجائش نہیں۔'' انہوں نے قطعیت سے باور کرایا تھا، چند لمحے تک عباس بالکل چپ رہا۔

''ٹھیک ہے بابا! آپ اپنی مرضی کریں اور چونکہ اس میں میری مرضی شامل نہیں ہے اس لئے میں اس شادی میں شامل نہیں ہوں گا اور چونکہ میں اس کا باپ نہیں ہوں اس لئے میرے ہونے نہ ہونے سے اس شادی پہ کوئی اثر نہیں پڑے گا۔'' عباس نے مضبوط لہجے میں اپنا فیصلہ سنایا تھا۔

''بے وقوفی کی باتیں مت کرو عباس، تمہیں آنا ہو گا اور یہ میرا حکم ہے۔'' انہوں نے رعب دار انداز میں کہا، اس بار عباس چند لمحے خاموش رہا۔

''مجھے مجبور مت کریں بابا، میں نے آج تک آپ کی کوئی بات نہیں ٹالی، مگر یہ میرے بس سے باہر ہے۔'' اس نے پست لہجے میں کہا، بابا نے کچھ کہے بغیر کال ڈسکنکٹ کر دی، عباس گم صم بیٹھا رہ گیا، اس کی ساری خوشی خاک میں مل گئی تھی۔

☆☆☆

محبت بھی بس عجیب ہی چیز ہے، انسان

سے پتا نہیں کیا کچھ کروا لیتی ہے، جیسے اس نے کیا تھا، کچھ بھی پرے نہیں رکھا تھا، محبت میں سب بھول گیا تھا، مگر سوال تو یہ ہے کہ اگر یہی فلسفہ ہر چیز پہ لاگو کیا جائے تو پھر ناپسندیدہ افراد کو قتل کر دینا چاہیے اور پسندیدہ چیز کو ہر قیمت پر چھین لیا جانا چاہیے اور یہ تو انسانوں کی دنیا کا قانون قطعاً نہیں ہو سکتا۔

''محبت اور جنگ میں سب جائز ہے۔''

یہ فلسفہ کس قدر بے معنی، فضول اور خوفناک ہے، یعنی آپ کو جو پسند آ جائے آپ اس کو ہر جائز ناجائز طریقے سے حاصل کر لیں تو پھر انسانیت تو ظلم و تاریکی کے اندھیروں میں کھو جائے گی اور انسان درندوں کی مانند اپنے مقاصد بلکہ ہوس کو پورا کرنے کے لئے دوسروں کی بوٹیاں نوچ لے تو پھر اسے اشرف المخلوقات کا الزام دینا بیکار ہے وہ کسی گلی میں رلتے کتے سے بھی بدتر ہو جاتا ہے جو ہڈی کے لئے اپنے ہم جنسوں پہ ہی بھونکنا شروع کر دیتا ہے۔

''تو اس فلسفے کو اب بدل جانا چاہیے۔''

شاید یہ کہ:

''محبت اور جنگ میں جو کچھ ہو وہ صرف اور صرف وہی ہو جو جائز ہو۔'' نوفل صدیق اس بات اور فلسفے سے نجانے کتنا اتفاق کرتا تھا اور شاید نہیں بھی کرتا تھا، اس کے اندر کوئی کرلایا تھا۔

سنو تم عزم والے ہو
بلا کا ضبط رکھتے ہو
تمہیں کچھ بھی نہیں ہو گا
مگر دیکھو.....!
جسے تم چھوڑے جاتے ہو
اسے تو ٹھیک سے شاید
بچھڑنا بھی نہیں آتا

☆☆☆

لاہور شہر میں چھائی رات دم بدم روشن اور دلکش ہوتی جا رہی تھی، اس نے ہوٹل کے کمرے کی کھڑکی سے باہر جلتی بجھتی روشنیوں کو دیکھا تھا اور پھر ان دو مہینوں میں پہلی بار اسے ''اس'' کی یاد آئی تھی، بعض لوگ زندگی کے چند مقامات پر اہم لگتے اور پھر وہ کہیں پس منظر میں چلے جاتے ہیں، جیسے ''وہ'' اس وقت اس کے لئے پس منظر میں چلا گیا تھا، اس نے ہاتھ میں پکڑے سیل کو دیکھا اور پھر اس کا نمبر ملا لیا۔

''ہیلو۔'' ایک جانی پہچانی اور کھردری آواز ابھری تھی۔

''کیسے ہو؟'' اس نے دھیمے لہجے میں کہا۔

''میں ٹھیک۔'' اس نے بے حد ٹھنڈے لہجے میں کہہ کر اسے اگلی بات کرنے کے قابل ہی نہ چھوڑا تھا، اس نے ایک طویل سانس لیا۔

''میں بھی ٹھیک ہوں۔'' اس نے خود ہی اپنا حال بتایا۔

''صحیح۔'' اس نے جواباً کہا۔

''کیا ہو رہا ہے آج کل؟'' اس نے کہا۔

''کچھ بھی نہیں۔''

''اور باقی سب؟''

''وہ بھی ٹھیک۔''

''ہوں۔''

''فون خیریت سے کیا؟'' بے اعتنائی کی انتہا تھی۔

''دل چاہ رہا تھا۔''

''اچھا۔'' وہ طنزیہ ہنسا۔

''ہنس کیوں رہے ہو؟'' اسے برا لگا۔

''تم بے وقوف کیوں بنا رہے ہو؟'' اس کا لہجہ تیکھا تھا۔

''تمہیں ایسا کیوں لگ رہا ہے؟''

''کیونکہ یہی سچ ہے۔''

''فضول باتیں مت کرو۔''

''تم بھی۔''

''میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔''

''وجہ؟''

''میں نہیں بتا سکتا۔''

''کیوں؟''

''مل کے بتاؤں گا۔''

''اور اگر میں نہ ملنا چاہوں تو؟''

''تو تمہیں تمہارے گھر سے اٹھوا لوں گا۔'' اس کی برداشت کی حد ختم ہو گئی تھی۔

''آہاں، میں دیکھتا ہوں تم کیا کر سکتے ہو؟'' اس نے مذاق اڑایا۔

''میں لاہور میں ہوں۔''

''تو؟''

''تو مطلب؟''

''ہاں اگر تم لاہور میں ہو تو میں کیا کروں؟'' اس نے لاپروائی سے شانے جھٹکے۔

''تمہیں کیا ہوا ہے؟ تم مجھے بتاؤ گے؟'' وہ اس بار ضبط کھو کر بولا تھا۔

''تم پچھلے دو ماہ سے لاہور میں ہو طلال بن مصعب! اور تمہیں کیا لگتا ہے میں اس سے بے خبر ہوں؟'' شاہ بخت کی برداشت کی حد بس اتنی ہی تھی، وہ چند لمحوں کے لئے فریز ہوا تھا۔

''اوہ!'' اس نے ایک طویل سانس لیا تھا۔

''تو تم باخبر ہو؟''

''Obviously۔'' وہ طنز سے بولا۔

''کیا بہت ناراض ہو؟'' طلال نے بے بسی سے پوچھا تھا۔

''کیا نہیں ہونا چاہیے؟''

''وجہ جانے بغیر تو نہیں ہونا چاہیے؟''

''مجھے کسی وجہ کے جاننے میں کوئی دلچسپی نہیں۔'' وہ سر جھٹک کر بولا۔

''ملو گے نہیں۔''

''نہیں۔''

''کیوں؟''

''میری مرضی۔''

''میرے کچھ ذاتی مسائل تھے شاہ بخت جن کی وجہ سے میں رابطہ نہیں کر پایا۔'' طلال نے وضاحت دینی چاہی۔

''تو میں نے کب شکایت کی، کہ تم نے رابطہ نہیں کیا، البتہ میں نے ضرور کیا تھا جو کہ تم نے ڈسکنکٹ کر دیا۔'' اس نے جتایا۔

''میں اس وقت سخت مشکل میں تھا۔'' اس نے فوراً کہا۔

''تو ٹھیک ہے نا تم اپنے مسائل سلجھاؤ، مجھ پہ اپنا وقت ضائع مت کرو۔'' اس نے غصے کی انتہا کرتے ہوئے فون بند کر دیا۔

طلال نے بے بسی سے فون کو دیکھا، شاہ بخت مغل کی دنیا کی کوئی چیز بدلنے پہ مجبور نہیں کر سکتی تھی، کم از کم اس کا یہ حد سے بڑھا غصہ تو قطعاً نہیں، طلال نے اس کی طرف جانے کا خیال کل پہ ڈال دیا، اس کے اپنے مسائل ہی کم نہ تھے۔

اس نے موبائل پہ ٹیکسٹ چیک کرتے ہوئے ایک ٹیکسٹ کو Reminder کے طور پہ سیٹ کیا تھا، اس میں اس جگہ کا پتا تھا جہاں جانا اور اس کی حدود کے اندر داخل ہونا اس کی زندگی موت کا مسئلہ بن چکا تھا، اس نے ایڈریس کو بغور پڑھا اور پھر کچھ سوچنے لگا۔

☆☆☆

سنو!
جفت اور طاق کا
ہم سے نہیں واسطہ کوئی
ہمیں تو جب بھی لگی
بس.....!

ضرب لگی
اور
تقسیم ہوئے......!!!

آج جمعہ کی دوپہر تھی، اسید تقریباً صبح سے ہی اپنے بیڈ روم میں بند تھا، جمعہ کی اذان کے بعد اس نے حبا کو تیار ہونے میں مدد دینے کے لئے اندر بلایا تھا، کھدر کی سفید شلوار قمیض پہن کر جب وہ باہر آیا تو حبا کی آنکھوں میں ستائش کی چمک لہرائی تھی، وہ ہمیشہ سے زیادہ شاندار لگ رہا تھا۔

"کھانے میں کیا بناؤں؟" اس نے بے ساختہ پوچھا تھا۔

"چائنیز۔" اسید نے کہا۔

حبا نے بے اختیار خوشی سے سر ہلایا تھا، چائنیز تو دونوں کا ہمیشہ سے فیورٹ تھا اور کبھی اچھے وقتوں میں وہ دونوں مل کر چائنیز کھایا کرتے تھے، شاید ہی کوئی ریسٹورنٹ تھا جہاں سے انہوں نے ہوٹلنگ نہ کی ہو۔

وہ جمعہ کی نماز ادا کرنے چلا گیا جبکہ حبا کچن میں آ گئی، بہت لگن اور شوق سے اس نے Egg fried اور چکن منچورین بنایا تھا، پھر خود فریش ہونے چلی گئی، اس نے نہا کر سفید رنگ کا بڑا سا فراک اور چوڑی دار پاجامہ پہنا تھا، بالوں کو پونی ٹیل کی شکل میں باندھا اور جب اسید واپس آیا تو اس نے بڑے اہتمام سے کھانا لگا رکھا تھا، شفق بھی صاف ستھرے کپڑوں میں لاؤنج میں رینگ رہی تھی، حبا نے ایک حسرت بھری نظر سے چاروں طرف دیکھا اور سوچا، کیا یہ ایک مکمل Happy family کا سین نہیں تھا؟

اس نے نم آنکھوں کو رگڑا اسی وقت اسے شفق کی چیخ سنائی دی، اس نے بے ساختہ پلٹ کر دیکھا اور پھر اس کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی، وہ بھاگتی ہوئی آگے آئی تھی، اس نے شفق کو اٹھایا اور اپنے ساتھ لپٹا لیا، واپس اپنے کمرے کی طرف جاتے اس کے پاؤں میں شکستگی تھی اور آنکھوں میں ڈھیروں آنسو تھے، اس نے شفق کے ہاتھ کو دیکھا، جو سوجا ہوا لگ رہا تھا۔

اپنے دھیان میں لاؤنج میں آنے والا اسید قطعاً شفق کے وجود سے باعلم نہیں تھا، زمین پہ رینگتی شفق کا ننھا منا ہاتھ کب اس کے پیر تلے آیا اسے پتا ہی نہ چلا، شفق کی چیخ پہ تڑپ کر پیچھے ہٹا تھا اور اسی وقت اس نے مڑ کر دیکھا تھا۔

اور اب شفق مسلسل رو رہی تھی بار بار اپنا ہاتھ جھٹک رہی تھی، حبا نے اسے کندھے سے لگا لیا، مگر وہ کسی طور چپ نہ ہو رہی تھی، حبا نے جھلا کر اسے بستر پہ پٹخا اور چلائی تھی۔

"کس بات کو روتی ہو تم؟ کیوں؟ دیکھا نہیں اپنا حال؟" وہ زور سے کہتی خود بھی رونے لگی۔

"انسان نہیں ہے وہ، خدا سمجھتا ہے اپنے آپ کو، ہم جیسے بے حیثیت لوگوں کو یونہی اپنے قدموں تلے کچل دیتا ہے، تم مت رویا کرو، ساری زندگی رونا ہی تو ہے، میں بھی تو روتی ہوں، تم نے کیا کرنا رو کر؟" اب اس نے شفق کو بازوؤں میں لے کر بھینچا اور رونا شروع کر دیا۔

"کوئی حیثیت نہیں، کوئی اوقات نہیں؟ ہمارا کچھ نہیں ہے، کچھ نہیں۔" وہ بلک بلک کر رو رہی تھی۔

ہر روز اک نئی اذیت اک نئی ذلت اس کا مقدر بنا دی جاتی تھی اور آج تو دل پھٹ کر رہ گیا تھا، شفق کا ننھا سا ہاتھ نہیں کچلا گیا بلکہ اس کی پوری ہستی کو کچل دیا گیا تھا۔

"بھلا اس شخص کو کیا فرق پڑے گا میری بیٹی کی تکلیف سے؟" اس نے آنسو بھری آنکھوں کے ساتھ شفق کے ہاتھ پہ بام ملتے ہوئے اذیت سے سوچا تھا۔

"اسے تو اس کا نام تک پتا نہیں۔" اس نے سسکیاں لیتے ہوئے شفق کا ہاتھ چوما تھا، جو کہ ذرا آرام ملنے پہ اب نیند میں تھی، وہ اسے آہستہ آہستہ تھپکنے لگی۔

صبح سے وہ بنا ناشتہ کیے مصروف تھی، اس شخص کو کیا فرق پڑا تھا؟ وہ باہر ڈائننگ ہال میں "چائنیز" انجوائے کر رہا تھا۔

☆☆☆

لوگ احساس کی روندی ہوئی گلیوں میں
پھینک دیتے ہیں تعلق کو پرانا کر کے

اس نے سوجی متورم آنکھوں سے اپنے ساتھ لیٹے اس شخص کو دیکھا جو گہری نیند میں گم تھا، بہت دیر تک اس کے نقش دیکھتی رہی، اس کے بند پلکیں مڑی ہوئی تھیں اور وہ بالکل سیدھا سویا تھا، اس کو بے اختیار بابا کی بات یاد آ گئی تھی۔

"سیدھا سونے والے لوگ مضبوط ارادے کے مالک ہوتے ہیں۔" وہ بھی تو اٹل تھا، اپنے ارادوں میں اور اپنے کاموں میں اور اپنی باتوں میں بھی۔

اس نے آنکھیں بند کر کے سر میں اٹھتے بے تحاشا درد کو دبانا چاہا، مگر چند لمحوں کے لئے رک کے درد کے ظالم تیر پھر سے اسے گھائل کرنے لگے، اس نے اس کا سیدھا ہاتھ تھام لیا، کشادہ ہتھیلی اور گہری اور واضح لکیریں، وہ کچھ دیر تک اس کا ہاتھ دیکھتی رہی، پھر اس نے واپس ہاتھ چھوڑ دیا، درد کی شدت بڑھتی جا رہی تھی۔

وہ سر پیچ کر پھر سے لیٹ گئی، نیند اس کی کب کی اڑ چکی تھی، وہ چھت کو گھورتی رہی، پھر بے چین ہو کر کروٹ بدل لی، مگر بے تابی بڑھتی جا رہی تھی، اسے ساتھ سوئے شخص کے اطمینان پہ رشک آیا تھا، پتا نہیں وہ اتنی بے سکون کیوں تھی؟

مگر زیادہ دیر نہیں گزری تھی، اس کا ساتھی اس کی بے چینی کو نجانے کیسے بھانپ گیا تھا، اس نے نیم وا آنکھوں سے اس کروٹیں بدلتی، خود میں الجھی اداس لڑکی کو دیکھا اور پھر بازو پھیلا کر اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔

"نیند نہیں آ رہی کیا؟" وہ خوابیدہ لہجے میں پوچھنے لگا۔

"نہیں۔" اس نے بے بسی سے سر اس کے بازو پہ مارا تھا۔

اس نے بنا کچھ کہے اس کا سر اپنے بازو پہ رکھا اور دوسرا بازو اس کے گرد لپیٹ لیا۔

"سو جاؤ میری جان۔" اس نے نرمی سے اس کی پشت کو سہلایا تھا، اس کی آنکھوں میں بے بسی کے آنسو بڑی شدت سے آئے تھے جو وہ بڑی مہارت سے پی گئی۔

ضبط غم آسان نہیں عالی......!
آگ ہوتے ہیں وہ آنسو جو پیے جاتے ہیں

اندر کا درد بڑھتا ہی جا رہا تھا اور نکاسی کا کوئی راستہ نہیں تھا۔

☆☆☆

"مغل ہاؤس" میں خوب شور تھا، علینہ اور شاہ بخت کا نکاح طے ہونے کے بعد گھر میں جو سنسنی اور جو جوش کی لہر دوڑی تھی اس کا اظہار ناقابل بیان تھا، علینہ کو جو چپ لگی تھی اسے کسی نے نہیں محسوس کیا، البتہ شاہ بخت کے قہقہے چھت پھاڑ تھے اس کی اپوزیشن میں تو کوئی بھی نہیں تھا، جبھی سب خوش تھے اور رہی علینہ؟ تو اس کی پرواہ پہلے کس کو تھی جواب ہوتی، اس کے باپ کو تھی اور اب یہ فیصلہ بھی انہی کا تھا۔

ایاز کا فون آیا تو علینہ خاموشی سے اس کا لیکچر سنتی رہی اور جب بولی تو ایاز کو چپ کروا گئی۔

"بھائی! آپ ... ہونے کے باوجود مجبور ہو

گئے تھے نا، میں تو پھر لڑکی ہوں، اس گھر کے سوا تو میرا کوئی ٹھکانہ بھی نہیں، آپ کی طرح میں گھر چھوڑ کر بھی نہیں جا سکتی، نہ ہی آپ کی طرح میں طلاق سے سکوں گی، یہ فیصلہ میرے باپ کا ہے اور اب وہ ہی اس کے ذمہ دار ہیں، میں کوئی فیصلہ سنانے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔'' لیاز بلبلا اٹھا۔

''بابا کا دماغ خراب ہو گیا ہے کیا؟ آخر وہ کیوں کر رہے ہیں ایسا؟ کس نے بدلا ہے ان کا دل؟''

''بہتر ہو گا آپ یہ سوال انہی سے کر لیں۔'' اس نے سپاٹ انداز میں کہتے ہوئے فون بند کر دیا۔

وہ جانتی تھی اس کے دونوں بھائی اس رشتے کے سخت خلاف تھے اور وہ خود بھی تو تھی، مگر مسئلہ یہ تھا کہ کوئی بھی قطعی طور پر کچھ کرنے کی پوزیشن میں نہ تھا، حتمی فیصلہ تو بابا کا ہی ہوا تھا، جو کہ سب کے سامنے بھی آ گیا تھا، علینہ کے اندر کیا تھا کوئی بھی اس میں دلچسپی نہیں رکھتا تھا۔

نیلم چچی نے اس کا نکاح کا ڈریس اس کو ساتھ لے جا کر منتخب کیا تھا، یہ ایک ریڈ اور بلیک فراک تھا جس کے ساتھ جیولری بھی میچنگ تھی، شاہ بخت نے اپنی شاپنگ وقار کے ساتھ جا کر کی تھی، اس نکاح کی تیاری یوں مکمل ہوئی تھی جیسے وہ سب کب سے صرف اسی کے منتظر بیٹھے تھے، انویٹیشن کارڈز سب کو بھجوائے جا چکے تھے، ہوٹل بک ہو چکا تھا، مینیو ڈیسائیڈ ہو چکا تھا۔

مگر ایک مسئلہ ہنوز حل طلب تھا اور وہ تھا عباس کا انکار، جو کسی صورت ہاں میں بدلنے کو تیار نہ تھا۔

جب شاہ بخت کو پتا چلا تو اسے یاد آیا کہ ان دونوں کے درمیان تو ناراضگی چل رہی تھی، وہ اس کا نمبر ملا کر لان میں چلا آیا۔

''ہیلو۔'' فون سبین نے اٹھایا تھا۔

''السلام علیکم بھابھی! کیسی ہیں آپ؟'' وہ بہت خوشگوار موڈ میں بول رہا تھا۔

''میں ٹھیک ہوں، آپ کیسے ہیں بھائی؟''

''میں ٹھیک ٹھاک، یہ عباس کو ذرا فون دیجئے گا۔''

''جی، ٹھیک ہے، یہ لیں کر لیں بات۔'' سبین نے فون عباس کو تھمایا۔

''ہیلو۔'' عباس نے کہا۔

''سالے، تیرے ہیلو کی ایسی کی تیسی۔'' بخت نے اس کی آواز سنتے ہی اس پہ چڑھائی کر دی تھی۔

''کیا بکواس ہے۔'' عباس غصیلے لہجے میں چلایا۔

''ہاں بھئی اب ہماری باتیں بکواس ہی لگیں گی، تو نے تماشا کیا لگایا ہوا ہے، اوئے میری شادی ہے سالے اور تو اپنی دفعہ غداری کر رہا ہے، میں نے تیری کتنی مدد کی تھی یاد کر۔'' شاہ بخت نے اس کی کرتے ہوئے اسے غیرت دلانا چاہی۔

''گالی مت دو۔'' عباس نے ٹوکا۔

''کون سی گالی؟ اچھا...... تجھے سالا کہا، برا لگا؟ اوہ ہو، میں تو بھول ہی گیا تھا کہ تو بڑا غیرت مند ہے۔'' اس نے طنز کیا۔

''میرے پاس تمہاری فضول باتیں سننے کا وقت نہیں ہے۔'' عباس نے سرد مہری سے کہا۔

''کس بات پہ ناراض ہو؟'' بخت نے اس بار سنجیدگی سے کہا تھا۔

''تمہیں اچھی طرح پتا ہے۔'' عباس تلملا اٹھا۔

''تم ایک بے وقوف انسان ہو، جب

ساری بات ختم ہو چکی تھی، پھر بھی اسی بات کو لئے بیٹھے ہو، بس کرو اور عقل سے سوچو۔'' وہ سخت لہجے میں بولا تھا۔

''کیا سوچوں عقل سے؟ مجھے نصیحتیں مت کرو۔''

''میں کوئی نصیحت نہیں کر رہا، تم غلط بات پہ اڑ گئے ہو، میری شادی ہے اور تم نہیں آنا چاہتے؟ آخر ایسی کون سی قیامت ٹوٹ پڑی ہے؟ ایسا کیا گناہ کر دیا میں نے؟ علینہ سے شادی کر رہا ہوں، کیا غلط بات ہے اس میں؟''

''کوئی غلط بات نہیں ہے، تم خوشیاں مناؤ۔''

''اور تم میری خوشی میں شریک نہیں ہو گے؟'' اس نے دو ٹوک لہجے میں کہا، عباس چپ رہا۔

''کیا جب میں تمہاری خوشی میں شامل ہوا تھا تو اس قدر سوالات کے ساتھ آیا تھا؟ کیا میں نے یہ رویہ رکھا تھا؟'' وہ پوچھ رہا تھا۔

''جتا رہے ہو؟'' عباس تڑپ کر بولا۔

''جتا نہیں رہا، بتا رہا ہوں، وہ میرا قرض ہے تم پہ عباس، مجھے واپس کرو۔'' اس کا انداز بے حد سنجیدہ تھا۔

''یہ کیا بات ہے؟ میں......؟''

''تمہیں آنا ہو گا عباس، ورنہ تم مجھے جانتے ہی ہو۔'' بخت نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

''کیا مطلب؟ تم مجھے دھمکی دے رہے ہو؟'' عباس نے ناگواری سے کہا۔

''دھمکی نہیں، سچ بتا رہا ہوں، دو دن ہیں تمہارے پاس، غور و فکر کر سکتے ہو، اپنے فیصلے سے آگاہ کر دینا۔'' اس نے تصحیح کرتے ہوئے کہا تھا۔

''میں اپنے ماں باپ کو اپنے فیصلے سے آگاہ کر چکا ہوں، تمہیں کرنا ضروری نہیں سمجھتا۔'' وہ دو ٹوک انداز میں بولا۔

''میں ان کی نہیں اپنی بات کر رہا ہوں، تم علینہ کے بھائی کی حیثیت سے نہیں، میرے دوست، میرے بھائی کی حیثیت سے شرکت کرو گے، اگر تمہیں یہ تعارف منظور نہیں تو اپنی ناپسندیدگی کا ایک بار اظہار کر دینا، میں اسٹامپ پیپر پہ لکھ کر دے جاؤں گا کہ میرے مرنے پہ بھی تمہیں نہ بلایا جائے۔'' شاہ بخت کا انداز سنجیدہ ہی نہیں خطرناک بھی تھا، عباس ششدر سا اس کی بات سنتا رہا، شاہ بخت چند لمحے خاموش ہو کر اس کے جواب کا انتظار کرتا رہا۔

''اب میں تمہارے فیصلے کا انتظار کروں گا۔'' اس نے ایک طویل سانس لے کر فون رکھ دیا، یہ جانے بغیر کہ اس نے عباس کو کس دوراہے پہ چھوڑا تھا؟ دوسری طرف گھر میں خاصی بحث چل رہی تھی، مہندی کے فنکشن کو لے کر۔

''چھوڑیں بابا، یہ فضول رسمیں مجھے پسند نہیں ہیں خوامخواہ کی فضول خرچی اور تام جھام اور حاصل وصول کیا؟'' بخت نے سر جھٹکتے ہوئے نخوت سے کہا تھا۔

سب نے قدرے حیرانی سے اسے دیکھا تھا، عباس کا نکاح تو واقعتاً سادگی سے ہوا تھا مگر وقار اور ایاز کی شادیوں کی تقریبات میں خاصا دکھاوا اور نمائش کی گئی تھی جس میں سب نے ہی دل کھول کر حصہ لیا تھا اور اب اس کا یوں اس طرح اچانک ایک بدلا ہوا رویہ دیکھ کر حیرانی ہو رہی تھی۔

''کیا انقلابی خیالات ہیں واہ۔'' دمشہ نے تالی بجاتے ہوئے کہا تھا، انداز طنزیہ تھا۔

''میں آپ کے ساتھ اتفاق کرتی ہوں ویسے۔'' کومل نے مسکرا کر کہا۔

"ویسے بھی شادی تمہاری ہے یار، تم چاہو تو ابھی خطبہ نکاح پڑھوا دیتے ہیں، گواہ بھی گھر کے ہی شامل ہو جائیں گے اور وہ تمہاری بات بھی پوری ہو جائے گی فضول خرچی سے بچنے والی۔" وقار نے اس کی ٹانگ کھینچی تھی۔

"بھائی! آپ میری پارٹی میں ہیں یا دشمنوں کی؟" وہ جل کر بولا۔

"کیا کریں یار، لوٹوں کا زمانہ ہے۔" وقار نے مظلومیت سے کہا، ایک بے ساختہ قہقہہ پڑا تھا۔

"جیسے تم پسند کرو یار، ہمیں کسی بھی بات پہ کوئی اعتراض نہیں۔" تایا جان نے خوشگوار انداز میں کہا تھا۔

"ویسے آپشن وقار کا بھی برا نہیں۔" نیلم چچی نے بھی اسے تنگ کیا۔

"امی جان!" وہ پھر چیخ کر بولا۔

"ارے ...... چچی امی...... مت تنگ کریں بچے کو...... وہ بڑا ہو گیا ہے۔" وقار نے مذاق اڑایا۔

"ہاں ابھی کل ہی تو بچے نے فیڈر چھوڑا ہے۔" رمشہ نے اپنا غبار نکالا تھا، سب ہی بے ساختہ ہنسے تھے۔

"بھئی کیوں تنگ کر رہے ہو میرے بیٹے کو؟" احمر تایا نے بھی اس کی حمایت کی تو وہ مسکراتا ہوا ان کے ساتھ ہی بیٹھ گیا۔

☆☆☆

بارش قیدی نہیں ہوتی
بارش آزاد ہوتی ہے
کچی دوپہروں میں جلتے پگھلتے ہم
اور کچے گھر
اور صحرا
اور کھیت
اور پیاس
سارے کے سارے قیدی ہوتے ہیں
اور بارش آزاد ہوتی ہے

ہلکی سی سرد ہوا میں بارش کی بوچھاڑ نے رات کے اس پہر ماحول کو عجیب رخ دے دیا تھا، قریباً ایک تہائی رات بیت چکی تھی، وہ برآمدے کے ستون سے ٹیک لگائے کب سے وہاں کھڑی تھی۔

آج چودہ فروری تھی، محبت کا دن، دلوں میں بسنے والوں کا "یوم عشق" جسے دل والوں نے بڑے دل سے منایا تھا، ہر طرف سرخ پھولوں کی بارش نظر آتی تھی، ٹی وی شوز نے اس پاگل پن کو مزید بڑھایا تھا، قطع نظر اس بات سے کہ یہ تہوار ہمارا تھا یا نہیں، لوگ دوسرے بہت سے دنوں کی مانند اس دن کو بھی خصوصی تیاری کے ساتھ مناتے تھے۔

اور حبا کا عقیدہ بھی بس عجیب ہی تھا، بھلا محبت کو بھی کسی دن کی ضرورت تھی؟ محبت کا لافانی جذبہ تو ہر دن نیا ہوتا جاتا ہے، اس نے سرخ گلاب کے بہت سے پھول توڑ کر اسید کے سائیڈ ٹیبل کے گلدان میں سجائے تھے، یہ الگ بات کہ ایک کانٹا اس کی انگلی کو زخمی کر گیا تھا، بالکل یوں جیسے اسید کی محبت نے اسے پور پور زخم زخم کر دیا تھا۔

اس نے اپنی خالی ہتھیلی کو پھیلایا اور بارش کو محسوس کرنا چاہا تھا مگر ہوا کا رخ بدلا تھا، جبھی اس کی سونی ہتھیلی کتنی ہی دیر خالی رہی پھر کہیں سے بارش کی ایک بوند اس کی ہتھیلی میں آن سمائی، اس نے بڑی احتیاط سے اسے یوں سنبھالا جیسے سیپ میں بند موتی۔

"حبا!" اسید کی آواز بہت قریب سے سنائی دی تھی، وہ ایکدم مڑی اور اسی کوشش میں اس کے ہاتھ سے وہ ننھی سی بوند پھسل گئی، اس نے افسوس سے اپنی ہتھیلی کو دیکھا جہاں صرف اب ہلکی سی گیلاہٹ رہ گئی تھی۔

"پتا نہیں ان ہاتھوں کی لکیروں میں کیا تھا جو ہر چیز کو مٹھی کی ریت بنا دیتا تھا ہر چیز بس پھسلتی جاتی تھی۔" اس نے افسوس سے سوچا تھا۔

"جی!" اس نے اسید کی طرف دیکھتے ہوئے ہاتھ نیچے کر لیا۔

"تم جاگ رہی ہو؟" سیاہ شلوار سوٹ میں کندھوں پہ چادر ڈالے، اسید کا لہجہ ناقابل فہم تھا، بلکہ شاید وہ تو پورے کا پورا ہی حبا کے لئے ناقابل فہم تھا۔

"جی! بس جا رہی تھی، بس ویسے ہی ادھر آ گئی۔" وہ گھبرا کر وضاحت دینے لگی۔

"ہوں۔" وہ سر ہلا کے اس کے برابر کھڑا ہو گیا، حبا کو سمجھ نہیں آئی کہ جائے یا رک جائے۔

"ایک بات پوچھوں؟" اسید نے بالکل سیدھ میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"جی!" حبا نے آہستہ سے کہا، اسے جواب مل چکا تھا کہ اسے رکنا تھا۔

"تم یہاں خوش نہیں ہو؟" اس نے کچھ کھوجتے ہوئے کہا تھا، حبا دھک سے رہ گئی، اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا مگر کچھ دیکھ نہ سکی، اس سے سوال کیا گیا تھا اور اسے جواب دینا تھا، وہ سوچ میں پڑ گئی۔

"میں نے تم سے کچھ پوچھا ہے؟" اس بار اسید کا لہجہ کڑا تھا، حبا کو لگا وہ کسی کٹہرے میں آن کھڑی ہو۔

"جی!" اس نے ایک لفظ میں بات ختم کرنا چاہی۔

"کیا جی؟ یہ میرے سوال کا جواب نہیں ہے۔"

"میں خوش ہوں، کھانے کو روٹی ملتی ہے اور جسم ڈھانپنے کے لئے کپڑے بھی اور زندہ رہنے کے لئے اور کس چیز کی ضرورت ہوتی ہے؟ میں بہت خوش ہوں، اپنے ہاتھ سے سارے کام کرتی ہوں تاکہ کوئی ناکارہ نہ سمجھے، آپ کا بچا ہوا کھانا کھاتی ہوں، تو خوش ہی ہوئی نا، خوشی بھلا اور کس چیز کو کہتے ہیں؟" وہ گھٹے گھٹے لہجے میں بمشکل اپنی بات پوری کر پائی تھی۔

"میرے لئے کیا کر سکتی ہو؟" چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اسید نے اگلا سوال کیا تھا، حبا نے بے حد چونک کر اسے دیکھا۔

"جو آپ کہیں۔" اس کا لہجہ مضبوط تھا۔

"سردی کی اس بارش میں بھیگ سکتی ہو؟" اسید نے جیسے چیلنج کیا۔

حبا نے کوئی جواب نہیں دیا اور اس کے پہلو سے نکل کر کھلے لان میں جا کھڑی ہوئی، تاریک اور سرد رات میں اسید کو صرف اس کا مدھم سا ہیولہ ہی نظر آ رہا تھا، مگر بارش برس رہی تھی اور اس پہ بھی برس رہی تھی، لان کے ہر پیڑ، پودے اور گھاس کی طرح وہ بھی دھل رہی تھی اور اسید یک ٹک اسے دیکھ رہا تھا، چند لمحے گزرے، ہلکی سی بجلی کڑکی، بادل گرجے اور چند پلوں کے لئے سارے ماحول میں روشنی کی چمک پھیل گئی اور پھر سے وہی اندھیرا اور بارش کی مدھم رم جھم سنائی دینے لگی۔

چند ثانیوں بعد اس نے اسید کو آگے بڑھتے دیکھا، وہ لان میں چلا آیا، بالکل اس کے سامنے آ کر وہ رک گیا، بجلی چمکی، پل بھر کے لئے سارا

سماں روشنی میں نہا گیا اور اسی پل میں ایک عجب بات ہوئی، اسید نے اپنے بازو کھولے اور اسے خود سے قریب کر کے اپنے فراخ سینے میں چھپالیا اور بازو اس کے گرد لپیٹ دیئے یوں کہ وہ اس کی چادر میں چھپ گئی، حبا جیسے کسی خواب کے زیر اثر اپنے چہرے کو اس کے سینے سے لگے دیکھا جس کے نیچے اس کا دل دھڑک رہا تھا، بڑا قیمتی اور گراں قدر دل، اب وہ دونوں بھیگ رہے تھے۔

☆☆☆

"یار! تم کتنے بدتہذیب انسان ہو؟ کل تمہاری شادی ہے اور تم نے مجھے بتایا تک نہیں؟" طلال بن مصعب نے اسے شرم دلانا چاہی۔

وہ دونوں پیزا ہٹ میں بیٹھے تھے، شاہ بخت کئی نخروں کے بعد آخر کار مان گیا تھا۔

"تمہارے کام ہی ایسے ہیں میں نے بتانا ضروری نہیں سمجھا۔" اس نے بے نیازی سے کہا۔

"بہت بدتمیز ہو۔" طلال بے چارگی سے ہنس پڑا۔

"اس میں بدتمیزی والی کون سی بات ہے؟" اس نے بھنویں اچکا کر اسے دیکھا۔

"اچھا یار! اسے چھوڑو، یہ بتاؤ آخر یہ سب ایک دم سے ہوا کیسے؟" وہ تجسس سے پوچھنے لگا۔

"بس کی کریں، ہماری پرسنالٹی ہی ایسی ہے۔" اس نے کالر کھڑے کیے، طلال ہنس پڑا۔

"اس میں تو کوئی شک نہیں، مگر علینہ کیسے مانی؟"

"کہاں یار! وہ نہیں مانی، یہ پہاڑ سر کرنا ابھی باقی ہے۔" وہ معنی خیز انداز میں ہنستے ہوئے کہہ رہا تھا، طلال الجھن میں پڑ گیا۔

"جب وہ مانی نہیں تو پھر شادی کیسے ہو رہی ہے؟"

"یہ پاکستان ہے دوست، یہاں ایسے ہی ہوتا ہے۔" اس نے لاپرواہی سے کہا۔

"ایسے کیسے مطلب؟" اس کی سوئی وہیں اڑ گئی۔

"اوہو، چھوڑو اس ٹاپک کو، تم نے مجھے بتایا نہیں تم یہاں کس مقصد کے لئے رکے ہوئے ہو؟" بخت نے اچانک یاد آنے پہ پوچھا تھا۔

"ہے ایک کام، ہو جائے تو بتا دوں گا۔" اس نے عام سے انداز میں کہا جیسے بات قطعاً غیر ضروری ہو، اسی وقت اس کے فون کا Reminder بجنے لگا، وہ چونک کر متوجہ ہوا، پھر بے چین ہو گیا۔

"مجھے ایک ضروری کام سے جانا ہے شاہ بخت، میں چلتا ہوں۔" وہ اٹھنے کے لئے پر تولنے لگا۔

"کیا کوئی ضروری کال ہے؟" بخت نے اسے Reminder بند کرتے دیکھ کر پوچھا تھا۔

"ہاں، بس ایسا ہی ہے، تم فکر مت کرنا، کل میں پہنچنے والا پہلا شخص ہوں گا۔" وہ مسکرا کر یقین دہانی کروانے لگا۔

"ضرور جناب!" وہ خوشدلی سے کہتا کھڑا ہو گیا۔

کچھ لمحوں بعد وہ دونوں وہاں سے نکل گئے، دونوں کی گاڑیوں کا رخ مختلف اطراف میں تھا، شاہ بخت "مغل ہاؤس" جا رہا تھا اور طلال "شاہ لاج" دونوں کی سوچ مختلف تھی۔

"شاہ بخت" آنے والے وقت کے خمار میں ہلکے ہلکے گنگناتا ہوا گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا، "طلال بن مصعب" آنے والے وقت کے تناؤ میں کشیدہ اعصاب کے ساتھ ڈرائیو کر رہا تھا۔

شاہ بخت کی گاڑی "مغل ہاؤس" میں داخل ہوئی تو اسے خوشدلی سے خوش آمدید کہا گیا تھا، جبکہ طلال بن مصعب کی گاڑی "شاہ لاج" کے آگے رکی تو گارڈز اس کی طرف متوجہ ہوئے تھے، کچھ لمحوں بعد گیٹ کھول دیا گیا، وہ گاڑی اندر لیتا گیا، وہ بڑے اعتماد کے ساتھ گاڑی سے نکلا اور ایک ملازمہ کی معیت میں ڈرائنگ روم میں چلا گیا، کچھ دیر بعد اسے چائے لوازمات ساتھ سرو کر دی گئی، اس نے سر جھٹک گراں چیزوں کو دیکھا۔

"کیا کڑا وقت پڑا ہے۔" اسے ایک بھولی بسری غزل کا مصرع یاد آیا تھا، اس نے نظر ہٹائی اور دروازے پہ جما دی۔

"اگر میری زندگی اتنی برباد ہے تو تم اتنا خوش کیسے رہ سکتے ہو؟" اس نے منتقمانہ انداز میں سوچا تھا، چند لمحوں بعد دروازے پہ ہلکی سی دستک کے بعد وہ اندر آ گئی، وہ اسے دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔

"ہیلو، کیسی ہیں آپ ستارا؟" وہ احترام و شائستگی سے دریافت کرنے لگا کہ اس معصوم لڑکی کا کہیں کوئی قصور نہ تھا۔

"میں ٹھیک ہوں، آپ کا تعارف؟" وہ ناشناسا تھی، نہیں جانتی تھی کہ جب یہ شناسائی میں بدلے گی تو کیا قیامت ڈھائے گی۔

"میں۔" "سید طلال بن مصعب صدیق شاہ ہوں" "نوفل بن مصعب صدیق شاہ کا بھائی اور "سید صدیق احمد شاہ" کا بیٹا۔" وہ غرور سے بولا تھا، ایک خوفناک گڑگڑاہٹ کے ساتھ اس کے الفاظ ستارا کی سماعتوں پہ برسے تھے۔

باقی آئندہ ماہ

سندس جبیں

دسویں قسط

''مجھے لگتا ہے، میں ریزہ ریزہ ہو رہا ہوں، یوں جیسے سمندر میں پڑی نمک کی کوئی ڈلی، جو پانی کی ہر لہر کے ساتھ کچھ مزید گھل جاتی ہے، زندگی میرے اندر کہیں پڑی کرلاتی رہتی ہے، میں سب کام کرتا ہوں سارا دن بہت مصروف گزرتا ہے مگر اس کے باوجود بھی اندر کا خالی پن جان نہیں چھوڑتا۔'' آنکھیں بند کیے وہ کرسی پہ جھولتا ہوا محو گفتگو تھا۔

''محبت تو ظالم نہیں ہوتی، پھر ہم دونوں کی محبت اتنی ظالم کیوں ثابت ہوئی؟'' سوال در سوال۔

''محبت تو دوسروں کی عزت کرنا سکھاتی ہے، پھر ہم دونوں کیوں بھول گئے اس بات کو؟'' گزرے وقت کی اذیت اس کے چہرے پہ رہی تھی۔

''سب کچھ بدل بھی تو جاتا ہے۔'' اس کے

ناولٹ

انداز میں امید تھی۔

''نہیں، کچھ بھی نہیں بدل سکتا۔'' اس کے انداز میں بے بسی تھی۔

''کیوں نہیں بدل سکتا؟ آپ ہمت تو کر کے دیکھیں، ان سے بات تو کریں۔'' اس نے حوصلہ بڑھانا چاہا۔

''نہیں، میں جانتا ہوں، کچھ بھی نہیں بدلے گا، میرا تجزیہ غلط نہیں ہو سکتا، جو لڑکی مجھے اپنے قریب دیکھ کر یوں خوفزدہ ہوتی ہے کہ اس کی دھڑکن تک مجھے سنائی دیتی اور اس کا ہاتھ پکڑ لوں تو یوں لرزتی ہے جیسے اسے جاڑے کا بخار چڑھ گیا ہو، تو میں کیا امید رکھوں کہ وہ بدلے گی یا پھر اس کا رویہ چینج ہو جائے گا۔'' وہ ٹوٹے ہوئے لہجے میں بتا رہا تھا۔

''سب کچھ ایک سا نہیں رہتا، وقت بدل جاتا ہے، اسی طرح انسان کے جذبات بھی وقت

کے ساتھ ساتھ بدل جاتے ہیں، ضروری نہیں کہ آپ کے بدلے ہوئے رویے کے بعد بھی وہ ایسی ہی رہے اسی لئے آپ کوشش کرتے رہیے اور خدا سے ہمیشہ اچھی امید رکھیں، وہ دلوں کو بدلنے والا ہے۔" اس نے حوصلہ دینا چاہا۔

"ہوں یہ تو ہے مگر میرا خیال ہے کہ اگر کچھ سیشنز اس کے ساتھ بھی آپ رکھ لیں، کچھ کتھارسز کچھ Suffocatio میں کمی اور کچھ کونسلنگ اگر ہو جائے تو کیا برا ہے، ہو سکتا ہے اس کے دماغ کی گرہ کھل جائے۔" وہ تھکے ماندے اعصاب کے ساتھ تجویز پیش کرتا اسے بہت افسردہ لگا، اس نے سر ہلا کر اپنے مکمل تعاون کا یقین دلایا تھا اور وہ شکستہ حال قدموں سے اٹھ کر باہر چلا گیا۔

☆☆☆

"کیا مطلب؟ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟ نوفل بن مصعب؟ کس کی بات کر رہے ہیں آپ؟" وہ اڑے حواس کے ساتھ اٹک اٹک کر پوچھ رہی تھی۔

"میں آپ کے شوہر کی بات کر رہا ہوں، کیا ہوا؟ اتنی جلدی نام بھی بھول گیا آپ کو؟" اس نے ستارا کی حیرت پہ طنز کیا تھا۔

"مگر وہ تو مصعب شاہ......" اس نے بے چینی و اضطراب میں بات ادھوری چھوڑ دی۔

"تو میں بھی اسی کی بات کر رہا ہوں، نوفل مصعب شاہ، صدیق احمد کا بیٹا۔" اس نے جتایا۔

"آپ ہیں کون؟ اور یہاں کیوں آئے ہیں؟" ستارا نے ایک الٹا سوال کیا، طلال نے اسے حیرت سے دیکھا، وہ بے حد حیران اور پریشان نظر آتی تھی۔

"میں آپ کے شوہر کا بھائی ہوں ستارا، میں طلال بن مصعب ہوں، کتنی بار بتاؤں آپ کو یہ سچ؟ مجھے پتا ہے آپ کو نہیں بتایا گیا کہ میرا کوئی وجود اس دنیا میں ہے، مگر اس سے کیا فرق ... ہے، مجھے اپنا حق لینا آتا ہے اور میں آ ... ہوں۔" اس نے بڑی رعونت سے کہا تھا۔

"کیوں آئے ہیں آپ یہاں؟ پاپا تو ... نہیں ہیں نا ہی مصعب؟" اس نے ماؤف ہوتے دماغ کے ساتھ بدقت پوچھا تھا۔

"میں جانتا ہوں، مگر فکر مت کریں وہ آتے ہی ہوں گے، آپ تو بیٹھ جائیں۔" اس نے لاپرواہی سے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا تھا، وہ بے جان ٹانگوں کے ساتھ وہیں بیٹھ گئی۔

وہ اب فون پہ کوئی نمبر ملانے میں مصروف تھا اور ستارا کسی نیم پاگل کی طرح اسے دیکھ رہی تھی، جس کے چہرے میں بہت نہیں مگر ... تیس فی صد مشابہت مصعب اور پاپا کی تھی، البتہ اس کی سبز آنکھیں مکمل طور پر مصعب سے مشابہ تھیں۔

"کیسے ہیں بھائی صاحب؟" طلال نے دوسری طرف سے فون اٹھائے جانے پر خاصے تپاک سے پوچھا تھا۔

"کیوں فون کیا ہے تم نے؟" اس نے ... سے پوچھا۔

"بس آپ کو اطلاع دینی تھی کہ آپ ... پاکستانیوں میں مہمان نوازی بالکل نہیں ... آپ کے گھر آیا ہوں اور ہماری بھابھی بس ... ہی کیے جا رہی ہیں کہ "نوفل بن مصعب" ... ہے؟" وہ زہریلی ہنسی ہنستے ہوئے کہہ رہا ... دوسری طرف اسے جیسے سانپ سونگھ گیا۔

"کیا بکواس کر رہے ہو تم؟ تمہیں اندر کس نے آنے دیا؟" اب اس کی دھاڑ اتنی بلند تھی کہ فون سے باہر ستارا کو محسوس ہوئی تھی۔

"یہ بھی کمال کا سوال پوچھا آپ ... چلیں کیا سسپنس پھیلانا، بتائے دیتا ہوں آپ کو، اچھے وقتوں کی ایک تصویر تھی میرے پاس، جس میں آپ اور میں ایک ساتھ تھے، آپ کے گارڈز کو صرف وہ دکھانی پڑی اور یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ وہ اپنے صاحب کے بھائی کو اندر آنے سے روکتے، تو بس یہ ٹرک کھیل کر میں اندر آ گیا۔" وہ محظوظ ہوتے ہوئے اپنا کارنامہ بتا رہا تھا، دوسری طرف سے فون بند کر دیا گیا، طلال نے قہقہہ لگایا۔

"لگتا ہے، غصہ آ گیا بھائی صاحب کو۔" اس نے کہا۔

صرف دو منٹ بعد ایک ملازمہ کارڈلیس فون اٹھائے اندر آئی اور ستارا کی طرف بڑھایا۔

"آپ کا فون ہے میڈم۔" ستارا نے فون پکڑ کر کان سے لگایا تھا۔

"ہیلو۔" اس نے کہا۔

"ستارا! ابھی اٹھو اور اپنے کمرے میں جاؤ۔" مصعب کا لہجہ اتنا قطعی اور تحکمانہ تھا کہ وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تم اس آدمی کی کوئی فضول بات نہیں سنو گی۔" وہ مزید کہہ رہا تھا، ستارا سلوموشن میں اٹھی اور باہر نکل گئی۔

"ارے بھابھی صاحبہ! آپ کدھر چلی ہیں؟ ارے رکیے تو، سنیے کوئی خاطر تواضع نہیں کریں گی۔" وہ پیچھے سے آواز لگاتا ہوا بولا تھا۔

مگر ستارا کوئی نوٹس لئے بغیر آگے بڑھ گئی، اپنے کمرے میں آ کر وہ چند لمحے خالی الذہنی کے عالم میں کھڑی رہی۔

"دھوکہ، اتنا بڑا دھوکہ؟" اس نے اپنی اور مصعب کی شادی کی انلارجڈ تصویر کو دیکھتے ہوئے سوچا۔

"کون ہے یہ شخص؟ مصعب شاہ یا پھر نوفل صدیق؟" اس نے تنے ہوئے اعصاب کے ساتھ سوچا، پھر وہ ایک جنونی کیفیت میں آگے بڑھی اور وارڈ روب کھول دیے، ایک کے بعد ایک دراز کھول کر وہ نجانے کون سا ثبوت ڈھونڈنے کی کوشش کر رہی تھی، اس نے درازوں کا سارا سامان باہر نکال کر پھینکنا شروع کر دیا، اسے اس سردی میں بھی پسینے آ رہے تھے۔

اس نے سارے کاغذات باہر پھینک دیے اور پھر دوسرے دراز کی طرف متوجہ ہو گئی، اسے اس وقت درحقیقت کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا، اسے یکدم کچھ یاد آیا، اس نے دراز وہیں چھوڑا اور دوسرا پٹ کھول دیا، وہاں مصعب کا سفری بیگ رکھا تھا، اس نے تیزی سے اسے باہر کھینچا، وہ وزن میں بہت ہلکا تھا، اس نے بیڈ پہ رکھ کر اس کی زپ کھولی اور اس کا کور دوسری جانب الٹا دیا، اس میں کچھ فائلز اور پیپرز نظر آ رہے تھے، اس نے فائلز نکال کر بیڈ پہ پھینک دیں اور پیپرز ادھر ادھر بکھر گئے اور پھر پیچھے سے اسے کچھ نظر آیا تھا، اس نے جھپٹ کر اٹھایا تھا۔

"یہ مصعب شاہ کا پاسپورٹ تھا۔"

اس نے بے تابی سے کھولا اور اگلے ہی لمحے اس کے قدموں تلے سے زمین نکل گئی۔

"نوفل بن مصعب صدیق شاہ" بڑے واضح اور نمایاں حروف میں لکھا تھا، اس کے کانپتے ہاتھوں سے پاسپورٹ نیچے گر پڑا، سب کچھ ختم ہو گیا تھا۔

☆☆☆

سائباں ہر سو درد بہت
موسم موسم سرد بہت
رستہ رستہ گرد بہت
چہرہ چہرہ زرد بہت
اور ستم ڈھانے کی خاطر
تیرا اک اک فرد بہت

سائیاں دل مجبور بہت
روح بھی چور و چور بہت
سائیاں راہیں تنگ بہت
دل کم ہیں اور سنگ بہت
سائیاں میرے تارے گم
رات کے چند سہارے گم
سارے جان سے پیارے گم
آنکھیں گم، نظارے گم
ریت میں آنسو ڈوب گئے
راکھ میں ہوئے شرارے گم
چاہت کے الزاموں میں
شامل ہوئے غلاموں میں
سائیاں جاں بیمار ہوئی
صدموں سے دوچار ہوئی
سائیاں خواب اداس ہوئے
سرخ گلاب اداس ہوئے

وہ بیمار تھی، ڈاکٹر نے کہا تھا اسے سردی لگ گئی تھی، دو دن سے وہ بستر پہ پڑی تھی، گھر کا نظام تو چل رہا تھا، مگر وہ اس کی کمی محسوس کر رہا تھا، اس شام وہ گھر لوٹا تو حسب معمول ملازمہ سے اس کا حال دریافت کرنے کی بجائے خود اس کے کمرے کی طرف چلا آیا۔

آہستہ سے دروازہ کھول کر وہ اندر داخل ہوا تو حیا بیڈ پہ نیم دراز تھی، اسے دیکھ کر وہ حیران تو ہوئی مگر ساتھ ہی اٹھ کر بیٹھ گئی، قریب ہی شفق کھیل رہی تھی، کمرے میں قدرے ہلکی سی روشنی تھی، وہ آہستہ قدموں سے چلتا آگے بڑھا اور بیڈ کے ایک طرف بیٹھ گیا۔

''کیسی ہو؟'' اس نے حیا کو دیکھا جو بہت کمزور نظر آ رہی تھی۔

''ٹھیک ہوں۔'' حیا نے کہا۔

''ہوں۔'' وہ خاموش ہو گیا۔

شفق اب اس کی طرف لپک رہی تھی، اس نے اسید کے بازو کا سہارا لے کر کھڑا ہونا چاہا تھا، اسید ایک دم پیچھے ہٹا، وہ لڑکھڑا کر بیڈ پہ گر گئی، حیا نے فوراً اسے اٹھا لیا۔

''آئم سوری۔'' اس نے دھیمے لہجے میں معافی مانگی، اسید اٹھ کھڑا ہوا۔

''آپ نے کھانا کھایا؟'' وہ نجانے کیوں اسے روکنا چاہ رہی تھی۔

''نہیں۔'' وہ واپسی کے لئے مڑ گیا۔

حیا کے پاس اس کو کوئی سوال نہ تھا، وہ اسے جاتا دیکھتی رہی اور پھر اس نے ایک طرف پڑی دوائیوں کے ڈھیر کو دیکھا اس کا دل چاہا تھا کہ کاش وہ اس سے ان دوائیوں کے متعلق پوچھتا اور دیکھتا کہ آیا وہ وقت پر ان دوائیوں کو لے رہی ہے یا نہیں؟ پھر آنسوؤں کا ایک گولہ نگل کر اس نے رخ پھیر لیا، بعض چیزیں کبھی ممکن نہیں ہوتیں، اس نے شفق کو ساتھ لگایا اور آنکھیں بند کر لیں، اگلی دوپہر ماما کا فون آیا تھا۔

''کچھ نہیں ماما! بس شاید سردی لگ گئی۔'' وہ اس کی کمزور آواز سے پریشان ہو گئی تھیں، اس نے تسلی دی تھی۔

''مگر کیوں؟ اپنا خیال کیوں نہیں رکھتی تم؟'' وہ تشویش سے پوچھ رہی تھیں۔

''رکھتی تو ہوں۔'' اس نے کہا۔

''ہاں، مجھے پتا ہے جتنا رکھتی ہو، یہ بتاؤ میڈیسن لے رہی ہو یا نہیں؟''

''لے رہی ہوں ماما! آپ بتائیں کیسی ہیں؟ پاپا کدھر ہیں؟'' اس نے خود پر سے ان کا دھیان ہٹانے کی خاطر پوچھا۔

''وہ تو کسی سیمینار میں گئے ہیں، باقی ہم دونوں ٹھیک ہیں، کبھی اسد سے ملاقات ہوئی؟''

''نہیں، میری تو نہیں ہوئی۔''

''اور اسید کی؟''

''ان کا مجھے نہیں پتا ماما۔''

''ہوں، ٹھیک ہے میں اسد سے ہی پوچھ لوں گی۔''

''ٹھیک ہے۔''

''اسلام آباد کا چکر کب لگا رہی ہو؟''

''پتا نہیں، دیکھیں جب اللہ کو منظور ہوا۔'' وہ افسردگی سے مسکرائی تھی۔

''کیوں؟ تم اسید سے بات کرونا۔''

''جی، میں کروں گی آگے جیسے ہی انہیں وقت ملا تو کوئی پروگرام بنا کے آئیں گے۔'' اس نے خاصا تسلی آمیز جواب دیا تھا۔

''حیا ایک بات تو بتاؤ؟'' اس بار ان کا لہجہ عجیب سا تھا۔

''جی ماما!'' وہ چونک گئی۔

''کیا اسید نے شفق کو قبول کر لیا ہے؟'' سوال تھا یا کوئی زہر آلود خنجر جو اس کے دل میں کھب گیا تھا۔

وہ اس سے وہ سوال کر بیٹھی تھیں جس کا جواب اس کے پاس بھی نہیں تھا، نہ کبھی ہو سکتا تھا۔

☆☆☆

خوشیوں اور قہقہوں سے بھرا مغل ہاؤس، آج جمعہ تھا، صبح آٹھ بجے کی فلائٹ سے سبین اور عباس آئے تھے، گھر میں انہیں دیکھ کر خوب خوشی کی لہر پھیلی تھی، جبکہ بخت نے عباس سے گلے ملتے ہوئے بڑی گرمجوشی سے کہا تھا۔

''تھینک یو عباس، اگر تم نہ آتے تو شاید میری خوشیوں کے رنگ پھیکے پڑ جاتے۔'' عباس نے اس کی آنکھوں کی چمک دیکھی اور اس کا شانہ تھپتھپا کر آگے بڑھ گیا، ناشتے کی میز پہ ایک پر لطف ہنگامہ تھا۔

''تایا ابو! دیکھیں ذرا عباس کو، یہ عین وقت پہ آیا ہے جمعہ کے دن، جب مارکیٹ بھی بند ہے، یاد ہے اس کی شادی پہ میں نے اس کو خود اپنی مرضی اور پسند سے شاپنگ کروائی تھی اور یہ......'' وہ جلبلا کر شکایت لگا رہا تھا جب رمشہ نے اس کی بات کاٹ دی۔

''شادی عباس کی اور شاپنگ تمہاری مرضی کی، یہ ہے ڈکٹیٹر شپ۔'' سب نے قہقہہ لگایا۔

''چلو ڈکٹیٹر شپ ہی سہی، کروائی تو تھی، اس کی طرح پیسے تو نہیں تھے بچائے۔'' بخت نے اپنا دفاع کیا۔

''عباس عقلمند ہے، اسے پتا ہے تم کتنے فضول خرچ ہو، اس نے اپنا اکاؤنٹ تھوڑی خالی کرانا ہے۔'' رمشہ نے مزید چڑایا۔

''حد ہو گئی ہے اب ایسی بھی بات نہیں۔'' بخت نے منہ بسورا۔

''کوئی مجھ سے بھی پوچھ لے، میں کیا چاہتا ہوں؟'' عباس نے تلملا کر کہا۔

''آپ سے کیا پوچھنے کی کیا ضرورت ہے، رمشہ آپ کی حمایت میں بول تو رہی ہے۔'' کومل نے ہنستے ہوئے کہا۔

''ایسے حمایتی ہی ڈبوتے ہیں کومل، اسے یہ نہیں پتا جس سے یہ الجھ رہی ہے وہ کون ہے۔'' عباس نے بے چارگی سے کہا تو سب ہنس پڑے۔

''دیکھو، مجھ پہ یہ اپنا اکاؤنٹ بھی خالی کر دے تو کم ہے۔'' بخت نے بڑھک ماری۔

''وہ کس خوشی میں؟'' رمشہ نے جیسے کان سے مکھی اڑائی تھی۔

''رشتہ ہی ایسا ہے۔'' بخت نے عباس کو آنکھ ماری۔

''ارے ہاں، یہ میں کیسے بھول گئی تھی کہ تم

اس کے اکلوتے بہنوئی ہو۔" اس بار اس نے مذاق اڑایا۔

"جی نہیں، ہم کوئی سالے بہنوئی نہیں، کیوں عباس تم بتاؤ، تم میرے بچوں کے ماموں بنو گے یا چاچو؟" بخت کے شگوفے، محفل کشت زعفران بن گئی۔

"کبھی تو سوچ لیا کرو، کیا بولتے جا رہے ہو۔" عباس نے اسے دھپ لگائی تھی۔

"فی الحال تو منہ بند رکھو، کیونکہ تم خود چاچو بن رہے ہو۔" عباس نے اس کے منہ میں مٹھائی کا ٹکڑا ڈالتے ہوئے ہلکی سی آواز میں کہا۔

"واقعی؟" اس نے حیرت آمیز خوشی سے اسے دیکھا اور پھر بے ساختہ اس سے لپٹ گیا۔

"مبارک ہو۔" بخت نے اس کا شانہ تھپکا تھا۔

"تمہیں بھی۔" عباس مسکرایا تھا۔

اور اسی طرح کی ہنستی مسکراتی باتوں میں شام ڈھل گئی، وہ سب گارڈن میں جمع تھے، شاہ بخت ہمیشہ کی طرح بیک ڈنر سوٹ کی بجائے آج وائٹ تھری پیس میں تھا اور اس کے ساتھ علینہ گلابی اور فیروزی امتزاج کی گھیر دار فراک اور چوڑی دار پاجامے میں اونچا جوڑا کیے اپنی مورنی سی گردن اٹھائے کوئی پری لگ رہی تھی، نکاح کے بعد کھانا کھلایا گیا اور پھر بے تحاشا تصاویر اور تحائف کا ڈھیر۔

اپنے ساتھ بیٹھی علینہ کو خاموشی سے دونوں ہاتھ گود میں دھرے دیکھ کر اس نے اپنے اندر اٹھتی اس بے چینی کو بڑی مشکل سے دبایا تھا جو اسے یہ ہاتھ چھونے پہ مجبور کر رہی تھی۔

وقار کو اپنی طرف آتا دیکھ کر اس نے خود کو سیدھا کیا اور ان کی طرف متوجہ کیا۔

"کیا خیال ہے ہو جائے رخصتی؟" وقار نے مسکراہٹ ضبط کرتے ہوئے دیکھا۔

"دیر کس بات کی ہے؟" وہ بڑے جاندار طریقے سے ہنسا تھا۔

وہ سر ہلاتے ہوئے آگے بڑھ گئے، کچھ دیر بعد جب رمشہ، کومل، ہادیہ اور سین بھابھی سب مل کر اسے شاہ بخت کے کمرے کی طرف لے جا رہی تھیں تو علینہ کے جھکے سر کو دیکھتے ہوئے اسے بے حد حیرت ہوئی تھی، بظاہر اتنی سہولت و آسانی سے ہونے والا کام در حقیقت کتنا مشکل تھا، بخت کو یاد آیا کس طرح تایا جان کسی طرح مان کر نہ دے رہے تھے اور اگر بخت اس دن اس کے کمرے میں نہ جاتا تو شاید یہ سب کبھی ممکن نہ ہو پاتا، اسے یاد آیا کہ کس طرح اس کو رمشہ کی باتوں کا بے تحاشہ غصہ آیا تھا، البتہ پہلی دفعہ اس غصے کا نتیجہ درست نکلا تھا، اس کے لبوں پہ مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

سب کزنز کے گھیرے میں بیٹھے شاہ بخت کو اس شرط پہ جانے کی اجازت ملی کہ اگر وہ ان کی پسند سے کچھ سنائے گا۔

"یہ کیا فضول بکواس، میں کوئی سنگر ہوں؟" وہ صاف بدک گیا۔

"چلو کوئی شاعری؟" مزید اصرار ہوا۔

"لو، وہ تو شاعروں کا کام، آپ کا دماغ کام نہیں کرتا، میں سیدھا سا بزنس مین ہوں۔" اس نے برا مان کر کہا تھا۔

"چلو کوئی ڈائیلاگ ہی مار کے دکھا دو۔" کسی ایک نے جل کر کہا۔

"وہ تو اندر جا کر ماروں گا۔" وہ قہقہہ لگا کر ہنسا تو سب کی ہنسی چھوٹ گئی۔

"جذبات تو دیکھو بچے کے۔" مذاق اڑایا گیا۔

"تو اس میں غلط کیا ہے؟" وہ ڈھٹائی سے

جما رہا۔

"چلو بس کرو یار، بچے کی جان لو گے کیا؟" وقار نے انہیں ڈانٹا تو ایک بے اختیار قہقہہ چھوٹا تھا۔

"ہائے، اب تو اس کی فیور کرنا بند کر دیں بھائی، یہ شادی شدہ ہو گیا ہے۔" عباس نے جتا کے کہا، بخت ہنسا تھا۔

"شادی شدہ ہوا ہوں، گم شدہ نہیں جو ایسا ہو، گم شدہ سے یاد آیا گم شدہ میری محبوبہ......" وہ با آواز لگاتا ہوا اٹھا اور سیڑھیوں کی طرف بھاگ گیا، پیچھے سے مذاق اڑاتی آوازوں اور سیٹیوں نے اس کا پیچھا کیا تھا۔

☆☆☆

اسے مصعب کی گاڑی کی آواز آ رہی تھی اور ڈرائنگ روم میں اس کی بلند آواز، وہ طلال سے جھگڑ رہا تھا، کچھ دیر بعد ان دو آوازوں میں پاپا کی آواز بھی شامل ہو گئی تھی، اب وہ تینوں بلند آواز میں بول رہے تھے اور ایک ساتھ بولنے کی وجہ سے ان میں سے کسی کی بات کو بھی سمجھنا ممکن نہ رہا تھا، ستارا سن ہوتے حواس کے ساتھ وہیں کھڑی تھی۔

کچھ دیر بعد اس نے اپنے پیچھے دروازہ کھلنے کی آواز سنی، یہ مصعب تھا، اس نے ایک نظر کمرے میں بکھرے سامان پہ دوڑائی اور پھر اس کی سمت بڑھا تھا۔

"ستارا!" اس نے نرمی سے ستارا کا کاندھا چھوا، اس نے پلٹ کر اسے دیکھا۔

"کون ہو تم؟" اس کی آواز سرسرا رہی تھی، وہ اسی طرح خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔

"تمہیں کیا ہو گیا ہے تارا؟" اس نے ہاتھ ستارا کے کندھوں پہ رکھے۔

"مجھے کچھ نہیں ہوا۔" ستارا نے اس کے ہاتھ جھٹک کر ہٹا دیے، اس کی سبز چمکدار آنکھوں اور کھلے سفید رنگ سے پہلی بار اسے عجیب سی وحشت ہوئی تھی۔

"کیا ہے تمہاری اصلیت؟ بتاتے کیوں نہیں؟" اس نے بڑی سختی سے مصعب کا کالر پکڑ کر اسے جھنجھوڑا تھا۔

"کیا کر رہی ہو تم؟ پاگل ہو گئی ہو؟" اس نے اپنے آپ کو چھڑانا چاہا۔

"ہاں ہو گئی ہوں، میں پاگل ہی تو ہوں، تم مجھے بتاتے کیوں نہیں؟" وہ ضبط کھو کر بلند آواز میں چلائی تھی۔

"آواز آہستہ رکھو۔" وہ غصے سے بولا تھا۔

"کیوں جب چپ کروا کے سچ دبانا چاہتے ہو، اور سچ کیا ہے کہ یہ تم ہو؟ نوفل بن مصعب؟ یا مصعب شاہ یا پھر نوفل صدیق؟ کیا نام ہے تمہارا؟ اور کیسے بتلاؤں تمہیں کیا حقیقت ہے تمہاری؟" وہ اسی لہجے میں باز پرس کر رہی تھی۔

"کوئی سچائی نہیں، سچائی وہی ہے جو میں تمہیں بتا چکا ہوں؟"

"تو پھر یہ کیا ہے؟" وہ حلق کے بل چلائی اور پاسپورٹ اس کے منہ پہ دے مارا۔

"سمجھاؤ مجھے کیا ہے یہ؟ کتنے بڑے دھوکے باز اور جھوٹے انسان ہو تم، تم سچائی کی بات کیسے کر سکتے ہو، تم نے تو مجھے سچائی کبھی بتائی ہی نہیں، سب کچھ چھپایا تم نے مجھ سے۔" وہ اب پاگلوں کی طرح بلند آواز میں رو رہی تھی۔

"کس طرح تم نے میری زندگی تباہ کر دی، مجھے جھوٹ کے قصے سنا سنا کر تم میری بے وقوفی اور سادگی پہ ہنستے رہے، تم کس قدر گھٹیا انسان ہو، مجھے تم سے نفرت ہے۔" وہ زمین پہ بیٹھ کے دونوں ہاتھ سر پہ رکھے رو رہی تھی۔

"تارا! اٹھو یہاں سے، میں تمہیں سب بتا

دوں گا۔" اس نے ستارا کا ہاتھ پکڑ کے اسے اٹھانا چاہا۔

"ہاتھ مت لگاؤ مجھے، اور مجھے میرے نام سے بلاؤ، میں ستارا ماہم ہوں۔" وہ اس کا ہاتھ جھٹک کر کسی بھوکی شیرنی کی طرح غرائی تھی۔

"اور مجھے کچھ نہیں سمجھنا سمجھانا، مجھے جانے دو، مجھے تمہارے ساتھ رہنا ہی نہیں۔" وہ روتی ہوئی اٹھی اور دروازے کی سمت بڑھی۔

"تم کہیں نہیں جاؤ گی۔" وہ لپک کر اس کے سامنے آ گیا۔

"تم مجھے روکنے والے ہوتے کون ہو؟" وہ چیخ اٹھی۔

"میں تمہارا شوہر ہوں۔" وہ بھی بلند آواز میں بولا۔

"میں لعنت بھیجتی ہوں تمہارے شوہر ہونے پر، تم سے تو وہ مہروز کمال اچھا تھا، سب کے سامنے برا تھا، پیٹھ پیچھے وار تو نہیں کرتا تھا کیا اس نے؟ تم تو اس سے بھی زیادہ غلیظ ہو، مجھے تم سے نفرت ہے۔" اس نے اسے پیچھے ہٹایا اور پھر دروازے کی سمت بڑھنا چاہا۔

"مجھے کسی دوسرے تیسرے سے کوئی غرض نہیں، میرے لئے یہ اہم ہے کہ تم یہاں سے جا نہیں سکتیں۔" وہ قطعیت سے بولا۔

"میں تمہارے نفس کی تسکین کے لئے یہاں نہیں رک سکتی؟" وہ زہر خند لہجے میں بولی تھی، اس پہ جیسے بجلی گری تھی۔

"نفس کی تسکین؟" وہ بے چینی سے بڑبڑایا تھا۔

"تم اتنی گری ہوئی بات کیسے کر سکتی ہو؟ نفس کی تسکین کرنا تھی بس مجھے، نفس کی تسکین کرنا ہوتی تو وہاں کرتا، وہاں سنگاپور میں، جہاں تم مکمل طور پہ میری دسترس میں تھیں، کوئی میرا ہاتھ روکنے والا نہ تھا، اگر میں اتنا ہی نفس پرست ہوتا ستارا ماہم تو آج تمہارے گھر والوں کو تمہارا نام و نشان نہ ملتا اور تم سے نہیں مجھے صرف تمہارے وجود سے پیار ہوتا نا تو اتنا کچھ کبھی نہ کرتا تمہارے لئے، مگر خیر میں تمہیں کیوں بتاؤں کچھ بھی، تم نے چارج شیٹ تیار کر لی ہے، میں کسی قسم کی وضاحت کرنا اپنی توہین سمجھتا ہوں۔" وہ تڑپ کر وضاحت دیتا ہوا آخر میں یکدم تلخ ہو گیا تھا۔

"اس کا مطلب ہے تم یہ تو تسلیم کرتے ہو کہ تم کون ہو؟" وہ عجیب سے انداز میں بولی تھی۔

"ہاں میں نوفل صدیق ہوں، یہی سچ سننا چاہتی تھی نا تم، سن لیا سچ، آ گیا سکون؟" وہ حد درجہ غصیلے لہجے میں بولا تھا۔

ستارا چند لمحے خالی نظروں سے اسے دیکھتی رہی پھر دروازہ کھول کر باہر نکل گئی، اس کھلے دروازے کے بیچوں بیچ نوفل صدیق کھڑا تھا۔

زندگی کی بساط پہ سب مہرے بہت مہارت سے رکھنے کے باوجود وہ ہار گیا تھا، اس کی خوبصورتی، روپیہ اور خوش قسمتی اس بار اس کے کام نہیں آئی تھی، وہ خالی ہاتھ رہ گیا تھا۔

کس کس سے پیچھا چھڑاؤں
اور کس کس سے بھاگوں
خیالات کو جھٹکنا چاہوں
تو سینے میں در آتے ہیں
اور دل کو دبوچ لیتے ہیں
اور سوچیں نہ سوچنا چاہوں
تو اندر ہی اندر
روح میں اپنے اپنے ناخن گاڑ کے بیٹھ جاتی ہیں
اور خواہشات......
اور خواب......
اور خدشے......
اور محبت......
آخر کس کس سے؟؟؟

☆☆☆

اسد اسلام آباد گیا تھا، مرینہ اور تیمور سے ملاقات تو ناگزیر تھی اور وہی سوال مرینہ نے اسد سے کیا تھا۔

"نہیں پھپھو! میں اسید سے نہیں ملتا۔" اس نے صاف گوئی سے کہا۔

"کیوں اسد؟ میری بیٹی کو اکیلا کیوں کر دیا تم نے؟" وہ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بڑی رنجیدگی سے پوچھ رہی تھیں۔

"میں اس شخص کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتا، اس لئے اگر حبا یہاں ہو گی تو میں ضرور اس سے ملوں گا، مگر کم از کم اس شخص کے گھر جا کر نہیں۔" اس نے اس بار بھی دوٹوک جواب دیا تو مرینہ اسے دیکھ کر رہ گئیں۔

"ایسا تو نہ کہو۔" انہوں نے آہستگی سے ٹوکا۔

"جو سچ ہے وہ میں نے آپ کو بتا دیا۔"

"اور سچ کیا ہے؟"

"سچ یہ ہے کہ وہ ایک گرا ہوا ظالم شخص ہے۔"

"ایسا نہیں ہے، میرا بیٹا اتنا بھی برا نہیں۔" ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

"میں اسے برا نہیں کہہ رہا، مگر حقیقت سے نظریں نہیں چرائی جا سکتیں، آپ کو حبا کی حالت یاد رکھنی چاہیے۔" اس نے افسوس سے کہا۔

"مگر غلطی حبا کی تھی، اسید کی نہیں۔" انہوں نے تڑپ کر وضاحت کی تھی۔

"وہ بچی تھی، اسید بچہ نہیں تھا، اسے حبا کی غلطی کو درگزر کر دینا چاہیے تھا، جبکہ وہ نکاح بھی کر چکا تھا۔"

"جو حبا نے کیا وہ غلطی نہیں تھی، وہ جان بوجھ کر کی جانے والی پری پلانڈ گیم تھی۔" انہوں نے شدت سے اسے رد کیا۔

"چلیں ایسا ہی سہی، مگر پھر اسید نے کیا کیا؟ اس نے بھی تو پری پلانڈ ورکنگ کی تھی نا، اسے یہاں سے لاہور لے کر گیا، اس کی غلطی کی سزا دینے کے لئے، اسے مارا، اس پہ بے دردی سے ہاتھ اٹھایا، مجھے اس کے زخم نہیں بھولتے۔" وہ اذیت میں تھا۔

"ضروری تو نہیں ایسی باتیں ہی یاد رکھی جائیں، اب بھی تو وہ ساتھ ہیں، میں اور تیمور مل کر آئے ہیں اور اس بار ہم دونوں ہی مطمئن ہیں۔" انہوں نے کہا۔

"اگرچہ میرا رشتہ اسید کے ساتھ زیادہ مضبوط ہے مگر پھر بھی میں سچ کا ساتھ دوں گا کیونکہ اگر ہم اچھے کا ساتھ نہیں دیں گے تو پھر معاشرے میں ناانصافی کا بڑھتا ہوا ظلم کون روکے گا؟"

"حبا نے غلط کیا تھا، میں مانتا ہوں مگر جو اسید نے کیا وہ بے حد غلط تھا اسے تو کسی طور پہ جسٹی فائی نہیں کیا جا سکتا۔" وہ قطعیت سے بولا تھا، مرینہ بے بسی سے اسے دیکھ کر رہ گئیں۔

"بس بھی کرو اسد، پرانی باتوں کو یاد کرنے سے بس اذیت ہی ہوتی ہے، جب وہ دونوں راضی ہیں ایک دوسرے سے تو ہمیں کیا ضرورت دل برا کرنے کی۔" وہ بے چارگی سے بولی تھیں، اسد نے سر جھٹکا۔

"صحیح کہتی ہیں آپ، مگر کیا کروں، جب دل ہی صاف نہ ہو تو ملنے کا فائدہ۔" وہ کہہ رہا تھا اور مرینہ خاموشی سے اسے دیکھ کر رہ گئیں۔

☆☆☆

اس کی صحت کافی بہتر تھی، وہ شفق کو لے کر

لاؤنج میں بیٹھی سوپ پی رہی تھی، اسید آج گھر ہی تھا، ملازمہ کام کرکے اپنے کوارٹر میں جا چکی تھی، ٹی وی چل رہا تھا اور ٹی وی پر ٹام جیری چل رہے تھے، شفق چند لمحے ناپالوسیت سے ٹی وی کو گھورتی رہی پھر کارپٹ پہ رینگتی ہوئی اِدھر اُدھر چکرانے لگی، حبا نے سوپ کا چمچ بھر کر منہ میں ڈالتے ہوئے ٹی وی پر نظر جمادی۔

وہاں ٹام جیری کی روایتی لڑائی چل رہی تھی، حبا پتا نہیں کتنے عرصے بعد دیکھ رہی تھی، اس نے محویت سے ٹام کو جیری کے پیچھے بھاگتے ہوئے دیکھا تھا، اسی اثناء میں اسے عجیب سی تھپ تھپ کی آواز سنائی دی، اس نے اِدھر اُدھر دیکھا، شفق وہاں نہیں تھی، وہ حیرانی سے اٹھ گئی، سوپ والا باؤل اس نے ٹیبل پہ رکھا اور بے چینی سے اٹھ کھڑی ہوئی، اس نے لاؤنج میں چاروں طرف نظر دوڑائی اور پھر ساکت رہ گئی۔

شفق اپنے ننھے ننھے ہاتھوں سے اسید کا دروازہ تھپتھپا رہی تھی، حبا کی آنکھیں جیسے پھٹ گئیں، وہ لرزتی ٹانگوں سے اٹھی تھی اور اٹھ کر اس کی طرف بڑھی تھی، جب اس نے شفق کو اٹھایا تو اس کی آنکھیں دھندلا رہی تھیں۔

''کیا کر رہی ہو؟ کیوں دستک دے رہی ہو؟ کیا چاہیے ادھر سے؟'' وہ شفق کو بازوؤں میں بھرتے ہوئے سسک اٹھی تھی۔

''بعض دروازے کبھی نہیں کھلتے میری بیٹی، یہ خدا کی رحمت کا دروازہ تھوڑی ہے جو کبھی بند نہیں ہوسکتا، یہ دروازہ ہمارے لئے کبھی نہیں کھلے گا، کبھی نہیں۔'' وہ بلک اٹھی تھی، اس کے اس طرح رونے سے شفق گھبرا کر خود بھی رونے لگی۔

''ہمارا کوئی حق نہیں کسی چیز پہ اور اس دروازے کو تو چھونے کا بھی حق نہیں ہمارے پاس، بہت سختی سے بند ہے یہ دروازہ، بہت سخت پہرہ ہے یہاں، بہت کڑا احتساب ہوتا ہے یہاں دستک دینے کا، کیوں دو وقت کی روٹی گنوانا چاہتی ہو؟'' وہ اس کو خود سے لپٹائے روتے ہوئے بول رہی تھی۔

اور کھلے دروازے کے بیچوں بیچ کھڑا اسید سب کچھ سن رہا تھا، حبا کے آخری الفاظ جیسے اس پر بجلی بن کر گرے تھے، وہ تیر کی طرح اس پہ جھپٹا تھا۔

''تم...... تم حبا تیمور...... تم کبھی نہیں بدل سکتیں، کبھی بھی نہیں۔'' اس کا بازو اپنے کھردرے ہاتھ میں جکڑ کر وہ کسی زخمی ناگ کی طرح پھنکارا تھا، حبا کو اس کے یوں آنے کا بالکل پتہ نہ چلا تھا، اب یوں اسے اتنے خطرناک موڈ میں دیکھ کر جیسے حبا کی سانس رک گئی۔

''ہاں نہیں تسلیم کرتا میں کسی رشتے کو، نہ تمہیں نہ تمہارے ماں باپ کو نہ اسے۔'' اس نے لہو رنگ آنکھوں سے شفق کی طرف انگلی اٹھائی تھی۔

''کوئی حق نہیں تمہارا، نہ مجھ پر، نہ میرے گھر پر، نہ میری کامیابیوں پر اور نہ ہی اس کا کوئی حق ہے، یہ بات سمجھ لو آج، اب یہاں سے دفع ہو جاؤ اور دوبارہ مجھے اس کی شکل مت دکھانا، ورنہ شوٹ کر دوں گا۔'' اس نے بات ختم کرکے اسے زور سے جھٹکا دیا اور واپس کمرے میں چلا گیا، اس کے پیچھے دروازہ زوردار آواز کے ساتھ بند ہوا تھا۔

خوابوں کی دیکھ بھال میں آنکھیں اجڑ گئیں
تنہائیوں کی دھوپ نے چہرہ جلا دیا
لفظوں کے جوڑنے میں عبارت بکھر چلی
آئینے ڈھونڈنے میں کئی عکس کھو گئے
اس دشت پر سراب میں بھٹکے ہیں اس قدر
نقش قدم تھے جتنے بھی پامال ہو گئے

اسے مرینہ کے سوال کا جواب مل گیا تھا۔

☆☆☆

وہ اندر داخل ہوا تو چند لمحوں کے لئے دروازے پہ رکا تھا، اس نے اپنی زندگی کے حسین ترین خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ وہ کبھی علینہ کو یوں اپنے بیڈ پہ محو انتظار دیکھے گا، ہاں اس نے علینہ کو اپنا بنانے کا خواب ضرور دیکھا تھا، وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا آگے بڑھا تھا۔

وہ روایتی دولہنوں کی طرح بیڈ پہ بیٹھی، سر جھکائے اس کا انتظار کر رہی تھی، دونوں گھٹنے سیدھے کھڑے کیے ان پر اپنے ہاتھ اور ان ہاتھوں پہ اپنا چہرہ رکھے، اس نے شاہ بخت کی طرف نظریں اٹھا کر دیکھا تھا۔

اور شاہ بخت جیسے لمحوں میں کسی حسین فسوں میں قید ہوا تھا ان آنکھوں کا جادو کتنا قاتل تھا، وہ کسی دریا میں ڈوبے انسان کی طرح جو آخری تنکے کو بھی تھام لیتا ہے خود کو بچانے کی خاطر، وہ اس کی طرف بڑھا تھا، ہاں بالکل ایسے جیسے صحرا میں پیاس سے نڈھال مسافر پانی کی تلاش میں بھاگتا چلا جائے اور چمکتی ندی کو دیکھ کر چند لمحے بے یقین ہی رہ جائے کہ وہ اپنی تلاش میں کامیاب ہوگیا تھا، وہ گرنے والے انداز میں اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

کئی لمحے یونہی گزر گئے، وہ اسے دیکھتا رہا، علینہ کی نگاہیں اپنے پیروں پہ جمی تھیں اور شاہ بخت کی اس پر، کچھ دیر بعد یہ خاموشی ٹوٹی تھی۔

''کیا کر دیا ہے تم نے میرے ساتھ؟'' شاہ بخت کی حیرانی اور بے بسی کی آمیزش سے بوجھل آواز گونجی تھی۔

علینہ کی حیرت بھری نظریں اس کی طرف بے اختیار اٹھی تھیں، ان آنکھوں سے ٹکرائی تھیں اور شہد رنگ جھیلوں کے سحر سے ہار مان کر فوراً ہی جھک گئیں۔

''پیاس کا صحرا کر دیا ہے مجھے۔'' اس نے اذیت بھرے لہجے میں کہا تھا، پھر اس نے علینہ کا ہاتھ تھام لیا، مہندی اور زیورات سے سجا اس کا نرم اور ننھا منا سا ہاتھ تھام کر وہ چند لمحوں کے لئے سب کچھ فراموش کر گیا تھا۔

تم سے اب ہوگی براہ راست میری گفتگو
دوستو! تیمار دارو! غمگسارو! تخلیہ......!!

اسے وہ رنگز بہت چبھ رہی تھیں وہ اس کو اس کے ہاتھ کا لمس صحیح طور پر محسوس نہیں کرنے دے رہی تھیں، اس نے دوسرے ہاتھ سے وہ رنگز اتارنا شروع کر دیں، علینہ کا ہاتھ بے حس و حرکت اس کے ہاتھ میں رہا، پھر اس نے علینہ کا ہاتھ خالی کرکے دونوں ہاتھوں میں تھاما اور اسے ہونٹوں پہ رکھ لیا۔

شاہ بخت کے لبوں نے اس ہتھیلی پہ اپنی خوش قسمتی کی مہر لگائی تھی، علینہ ہلکا سا کانپی تھی، بخت کے لبوں پہ ایک گہری ہوتی مسکراہٹ آ گئی، اس نے اپنی انگلیاں اس کے ہاتھ میں پھنسائیں اور اسے پھر لبوں سے لگا لیا۔

وہاں ایک جھجک بھی مزاحمت بھی نہیں تھی، بخت کے لئے یہ بات قدرے حیرت کا سبب تو تھی مگر وہ اس وقت جس تحیر میں تھا، اسے قطعی طور پر اپنے ساتھی کے جذبات و احساسات کی پرواہ نہیں تھی۔

اس نے اب اس کا ہاتھ چھوڑا اور اس کی ٹھوڑی پہ ہاتھ رکھ کر اسے ہلکا سا اونچا کر دیا، ہاں اب وہ اسے جی بھر کے دیکھ سکتا تھا، اب اس کے آگے کوئی حد کوئی رکاوٹ نہ تھی۔

اس نے آہستگی سے علینہ کے گال پہ ہاتھ پھیرا، اس نے ہاتھ کے لمس سے جھجکتے ہوئے چہرے کو دیکھا اور اس کے اندر وہ ساری خفتہ و

پوشیدہ باتیں ظاہر ہونے لگیں جو اب تک اس کے لئے ناشناسا تھیں، اسے یاد آیا کہ یہ وہ لڑکی تھی، جو اب اس کی بیوی تھی، جس کا وہ حاکم بن چکا تھا، جسے کھلے عام "مہینا" بلانے کی حسرت میں وہ کب سے مرا جا رہا تھا، جس کی ضد نے اسے غصے کا آتش فشاں بنا دیا تھا، جس کی معصومیت کی وہ گواہی دے سکتا تھا، جس کے حسن سے زیادہ اس کی نازکی نے اسے تڑپایا تھا، جس کی پاکیزگی کی وہ قسم کھا سکتا تھا۔

ہاں یہ وہی لڑکی تھی، جس کا وہ دیوانہ تھا، آج سے نہیں، کب سے؟ اسے تو یاد بھی نہیں تھا کہ کب سے اس کی محبت میں گرفتار تھا اور محبت بھی ایسی جو ہر لمحہ تڑپاتی تھی، جلاتی تھی اور آج تو مرہم بھری رات آئی تھی۔

اس رات کا ہی تو انتظار کیا تھا اس نے، آج تو زخم سلنے کی گھڑی آئی تھی، وہ کیسا خوش بخت تھا، اسے اس لمحے احساس ہوا تھا، اسے اپنے "شاہ بخت" کا ہونے کا غرور ہوا تھا۔

"بولو نا علینہ کون ہو تم؟" اس نے علینہ کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھامتے ہوئے جس انداز سے پوچھا تھا وہ جیسے مر گئی تھی۔

اس نے بولنے کی کوشش کی مگر اس کی آواز حلق میں ہی گھٹ کر رہ گئی، وہ کچھ بول نہیں سکی تھی۔

"کہو...... تم مہینا ہو...... بخت کی مہینا۔" اس نے جنون میں علینہ کے شانوں پہ ہاتھوں کا دباؤ ڈالتے ہوئے کہا تھا۔

"اقرار کرو، تم میری ہو۔" اس کا اصرار بڑھتا جا رہا تھا۔

"ہاں...... میں تمہاری ہوں۔"

"صرف تمہاری۔"

"صرف تمہاری۔" وہ آنکھیں بند کیے اس کے پڑھائے ہوئے سبق کو دہرا رہی تھی۔

"بخت کی مہینا۔"

"بخت کی مہینا۔" اس نے جیسے ورد کیا تھا۔

شاہ بخت کے چہرے پہ فاتحانہ مسکراہٹ آ گئی، اس نے بڑی شدت سے خواہش سے اسے اپنے سینے سے لگا لیا اور اس نے وہ دھڑکن سنی جہاں وہ خود دھڑکنا چاہتا تھا۔

مہینا کے سینے میں دھڑکتا اس کا وہ ضدی دل، جسے اپنا بنانا اس کے اہداف میں سے ایک تھا۔

مگر فتح کا پہلا مرحلہ تو سر ہو گیا تھا، یوں جیسے کسی خالی زمین پہ گھر بنانے کے لئے اسے خریدنا پڑتا ہے اس پر اپنی ملکیت کی مہر لگانی پڑتی ہے اسی طرح شاہ بخت نے بھی علینہ کے وجود پر اپنے نام کی ملکیتی مہر لگا دی تھی، اب اسے اس دل میں گھر بنانا تھا۔

اور گئی رات جب وہ حجاب و حدود کے سارے سرے پھلانگتا اس کی رگ جاں کے قریب تھا، اس نے علینہ کو اپنے دائیں بازو میں لے لیا اور ہونٹ اس کے ماتھے پہ ثبت کر دیئے، رات کا آخری پہر تھا، سلائیڈنگ ونڈو کے پردے ہٹے تھے اور چاند کی ٹھنڈی چمکدار روشنی راستہ بناتی ہوئی ایک لمبی لکیر کی مانند ان کے بیڈ تک آ رہی تھی۔

"چاند بہت خوبصورت ہے نا؟" بخت نے کہا۔

"ہوں۔" اس نے بخت کے بازوؤں میں سمٹے ہوئے مدھم سی ہوں کی۔

"مگر تم سے زیادہ نہیں۔" وہ ہلکے سے ہنسا۔

علینہ نے اس کی مہک کو محسوس کرتے ہوئے اسے دیکھا، اس کی شہد رنگ جھیلیں اس کے بہت قریب تھیں بہت زیادہ، اگر وہ چاہتی تو لبوں سے چھو لیتی، مگر......

"بے بسی حد سے بڑھی ہوئی تھی۔"

"شادی شدہ زندگی کی پہلی رات، کسی بھی مالا کی مانند ہوتی ہے جس میں ایک مرد اور عورت مل کر وفا، سچائی، خلوص، دلی آمادگی، ایمانداری ہمیشہ ساتھ نبھانے کا عہد اور سب سے بڑھ کر محبت کے موتی اس مالا میں پروتے ہیں، کوئی بھی اپنی نئی زندگی کا آغاز کسی بدصورت اور دل شکن رویے سے نہیں کرنا چاہتا۔"

شاہ بخت نے اپنے بازوؤں کی حرارت بخش حدت میں اسے سمیٹا ہوا تھا اور کائنات میں اس حقیقت سے بڑی حقیقت اور کیا ہو سکتی تھی، آج وہ علینہ شاہ بخت تھی، اس کے حصار میں، اس کی پناہ میں، وہ پہلا لمس پہاڑوں پہ برف باری کی مانند تھا اپنے وجود میں جذب کرنے والا، اپنے ان مٹ نقوش اس کے دل پہ نقش کرنے والا، وہ لمس زندگی اسے کسی خوشبودار پھول کی مانند کھلا رہا تھا، یوں جیسے شبنم کے موتی کسی نوخیز کلی پہ گر کر اسے مشکبو کر دیں، تارے پلکیں جھپکتے ہوئے سیاہ رات کی اوٹ لے رہے تھے اور بڑا کھلا ہوا روشن چاند پوری شان سے ان دونوں کو اپنی چاندنی سے نہلا رہا تھا، رات کا شبنمی پہر ڈھل رہا تھا، جگنو واپسی کے سفر پہ تھے اور یہ دھیما دھیما سرور اسے ایک اور حسین دنیا میں لے گیا تھا، وہ اسے گدگدا رہا تھا۔

اور اس کی ہنسی یوں پھیلی جیسے شفق کی پہلی کرن، پھیل کر ہر سو اجالا کر دے، یا یوں جیسے پہلی پہلی روشنی ڈوبتے سورج کو خراج پیش کرتی ہو، شاہ بخت نے بہت کم اسے یوں کھلکھلاتے دیکھا تھا، قوس قزح جیسی سات رنگی ہنسی، جو پھیلی تو ہر طرف خوشبو بکھیر گئی ہر طرف رنگ برسا گئی، وہ کسی سحر زدہ معمول کی طرح اسے دیکھتا رہا۔

"مہینا میری جان!" اس نے بڑے فخر، مان اور غرور سے اسے چوما تھا، یا اس کی ہنسی کو پیار کیا تھا۔

"تم اس دنیا کی سب سے پیاری لڑکی ہو۔" اس نے نرمی سے علینہ کا گال کھینچا تھا، جوابا علینہ نے حیرت بھری نظروں سے اسے دیکھا تھا، اس کی حیرانی سے کھلی آنکھوں پہ بخت کو بے تحاشا پیار آیا تھا۔

"جانتی ہو کیوں؟ کیونکہ صرف تم ہو جو اس دل کو دھڑکنے کا احساس دلا سکتی ہو، صرف تم ہو، جسے دیکھ کر مجھے بہت شدت سے اپنے اندر کی کا احساس ہوتا ہے، صرف تم ہو جس کی خواہش میں نے کی، بے حد، صرف تم ہو، جس کے آگے شاہ بخت جھک گیا۔" اس کی پیار بھری سرگوشیاں سن کر چاند بھی ہنسا تھا ان پر۔

"تم مجھ سے ناراض ہو نا؟" وہ فکر مندی سے پوچھ رہا تھا۔

"نہیں۔" اس نے بخت کے سینے پہ سر رکھتے ہوئے سکون سے کہا تھا۔

بخت نے کمبل اوپر کھینچا، کہیں اندر ہی اندر اس کی فکر کے خیال سے کہ اسے ٹھنڈ نہ لگ جائے اور پھر اسے اپنے بازوؤں کے حصار میں قید کر لیا۔

"میں نے تم پہ ہاتھ بھی اٹھایا تھا۔" وہ از حد افسوس سے کہہ رہا تھا، علینہ نے اسے دیکھنا چاہا، اس نے ہلکا سا سر اونچا کیا، اس کی پلکیں شاہ بخت کے گال سے مس ہو رہی تھیں اور اس کے ہونٹ علینہ کی آنکھوں پہ خوشبو لٹا رہے تھے۔

"تم جیت گئے ہو شاہ بخت اور تمہیں پتا ہے کیوں؟" علینہ نے اس کے سینے پہ جہاں دل تھا، ہاتھ پھیرتے ہوئے بڑے ناقابل فہم انداز میں پوچھا تھا۔

"کیوں؟" بخت نے اس کے ہاتھ کے لمس سے اپنے اندر اترتا سکون محسوس کرتے ہوئے بے ساختہ کہا تھا۔

"کیونکہ تمہیں یقین تھا کہ تم ہار نہیں سکتے۔" علینہ نے اس کی شہد رنگ ہتھیلی ہاتھ سے چھوتے ہوئے کہا تھا۔

اس کا لمس روشنی کی کرن بن کر بخت کی آنکھوں کو روشن کر گیا تھا، وہ کوئی خوشبو تھی جس کو چھوتے ہی وہ مہک اٹھا تھا۔

"زندگی میں انسان جو کچھ بھی کرتا ہے اس میں بہت بڑا ہاتھ اس کے خود پر یقین کا بھی ہوتا ہے، جیسے مجھے خوف تھا کہ میں ہار جاؤں گی اور تمہیں یقین تھا کہ تم جیت جاؤ گے، تو بس یہی ہوا۔" وہ بڑی سنجیدگی سے اسے تجزیہ کر کے بتا رہی تھی، اسے علینہ کا چہرہ دیکھ کر عجیب سی ہنسی آئی تھی، جسے اس نے بمشکل ضبط کیا تھا۔

"میری فلاسفر جان!" اس نے قہقہہ لگاتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

"تم ہنس رہے ہو؟" اسے صدمہ ہوا تھا۔

"ارے نہیں میری شاہ زادی۔" اس نے اس کے بالوں میں انگلیاں چلاتے ہوئے کہا، علینہ نے آنکھیں بند کر لیں۔

"نیند آ رہی ہے۔" اس نے خوابیدہ لہجے میں کہا تھا۔

"سو جاؤ ناں۔" اس نے کمبل درست کر کے اس کو مزید خود میں جذب کیا تھا۔

علینہ نے اس کے سینے پر چہرہ رکھے ہوئے آنکھیں بند میں ہی بازو اس کے گرد لپیٹ دیا تھا۔

"عینا جان! تمہارا بہت کچھ میرے پاس ہے، صبح لے لینا اور بہت سی باتیں کرنی ہیں تم سے، وہ تو اب کرتے ہی رہیں گے۔" اس نے سوئی ہوئی، علینہ کو بولا تھا اور پھر خود بھی مطمئن و سرشار ہو کر ریشم سے اس کے مشکبو بدن کو اوڑھا اور آنکھیں بند کر لیں، محبت کے گلابی پروں نے انہیں اپنی پناہ میں لیا ہوا تھا۔

☆☆☆

تم کو کیا خبر جاناں!!!
ہم اداس لوگوں پر
شام کے سبھی منظر
انگلیاں اٹھاتے ہیں.....!

تو اب زندگی کا چلن بدل جانا تھا، حبا نے اسید کی بات کو سنا تھا، سمجھا تھا اور پی لیا تھا، خوش فہمیوں کے جس محل میں وہ رہنے کی کوشش کر رہی تھی اس میں سے اسے بری طرح دھتکار کر نکال دیا گیا تھا، اسے لگا تھا کہ شاید اس کی زندگی میں کوئی تبدیلی آئے گی مگر اب اسے یقین ہو گیا تھا کہ اس کی زندگی میں کچھ بھی نہیں بدل سکتا تھا۔

اسے یقین آ گیا تھا کہ اسے اسی حیثیت کے ساتھ رہنا ہے، اسید نے اسے اپنی بیوی کی شناخت سے نواز کر صرف کاروائی پوری کی تھی، در حقیقت اس کے دل میں کسی قسم کی نرمی نہیں آئی تھی اور اس بارش والی رات بھی نا جانے اس نے کیوں وہ سب کیا تھا؟

وہ اتنا مضبوط تھا کہ کسی کمزور لمحے کی زد میں آ کر یہ سب قطعاً نہیں کر سکتا تھا۔

شفق کے متعلق اس کے خیالات نے حبا کو از حد تکلیف دی تھی، بلکہ تکلیف کا لفظ اس کے احساسات کے آگے بالکل چھوٹا تھا، وہ صحیح معنوں میں اسے روند گیا تھا، رات کو سوئی ہوئی مشفق کو دیکھتے ہوئے وہ بہت کچھ سوچتی رہی۔

"کیا شفق واقعی اس کے کسی گناہ کی پاداش تھی؟"

"اور کیا وہ اس کے خون سے نہیں تھی؟"

"کیا اسید اس کا بائیولوجیکل باپ نہیں تھا؟"

"یا پھر وہ اس کے کسی ناجائز تعلق کا شاخسانہ تھی؟" وہ مختلف سوچیں سوچتی اپنے ہی پسینے میں نہا گئی۔

"مجھے اسید کے علاوہ کسی نے نہیں چھوا، پھر ایسا سلوک میری بیٹی کے ساتھ کیوں؟" وہ رب کے آگے التجا کرتے ہوئے بلک رہی تھی۔

"میرے گناہ تو مجھے پتا ہیں، میری بیٹی کو اس کی سزا نہ دے میرے مالک۔" رات کی تاریکی میں وہ جائے نماز پہ گری اس پاک ذات کے آگے گڑگڑا رہی تھی جس کے ہاتھ میں کل کائنات کی ڈور ہے۔

"حبا!" اسید کی بلند آواز لاؤنج سے آئی تھی، وہ ہڑبڑا کر اٹھی، جائے نماز کو جلدی سے اٹھایا اور آنچل سے آنکھیں صاف کرتی باہر بھاگی۔

"جی!" اس نے سر جھکاتے ہوئے کہا تھا، وہ چند لمحے تیز نظروں سے اسے دیکھتا رہا، پھر اپنے ساتھ آنے کا حکم دے کر وہ آگے بڑھ گیا، حبا نے اس کی تقلید کی تھی۔

وہ اپنے کمرے کی طرف جا رہا تھا، آج پتا نہیں کیوں اس کی عدالت لگائی جانی تھی، وہ دل میں سوچتی ہوئی اندر بڑھ گئی، وہ دروازہ بند کر کے سیدھی ہوئی تو اسید بیڈ پہ نیم دراز سگریٹ سلگا رہا تھا، اس نے اسے قریب آنے کو کہا تھا۔

"بیٹھ جاؤ۔" اسید نے بیڈ کی طرف اشارہ کیا، وہ اسی طرح کھڑی رہی، اسید کی آنکھوں میں الجھن تیر گئی۔

"میں تم سے کچھ کہہ رہا ہوں۔" اس نے کھردرے لہجے میں کہا۔

"میں نہیں بیٹھ سکتی۔" حبا نے آہستہ آواز سے کہا۔

"کیوں؟" اس کی آنکھوں میں حیرت چمکی۔

"آپ نے مجھ سے کہا تھا کہ آپ مجھے کبھی اپنے بستر پہ جگہ نہیں دیں گے، اس لئے میرا اس پہ کوئی حق نہیں۔" اس نے مستحکم آواز میں کہا تھا۔

اسید چند لمحوں میں جیسے فریز ہو گیا تھا، اس کے دماغ میں فلیش بیک ہوا اسے یاد آیا کہ ہاں، جب اسی شہر میں ایک نیچی چھت والے سیلن زدہ کمرے میں اس نے حبا پہ پہلی دفعہ ہاتھ اٹھایا تھا، تب اس نے اسے یہی کہا تھا، طیش سے اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا، وہ اٹھ کر اس کے مقابل آ گیا۔

"تم اپنے آپ کو کیا سمجھتی ہو؟ کس چیز کا غرور ہے یہ؟" وہ دانت پیس کر بولا تھا، وہ اسی طرح کھڑی رہی۔

"میں تم سے کچھ پوچھ رہا ہوں۔" اس نے حبا کے شانے میں اپنے سخت ہاتھ کا دباؤ ڈالتے ہوئے کہا تھا۔

حبا اسی طرح خاموش رہی، اسید کے غصے میں مزید اضافہ ہوا تھا۔

"کیا ہے تمہاری حیثیت؟ ہو کیا تم؟ میں کیا سمجھتا ہوں تمہیں؟" اس نے حبا کو دھکا دیتے ہوئے چلا کر کہا تھا، وہ اب بھی نہیں بولی۔

"میں تمہیں اپنے جوتے کے برابر بھی نہیں سمجھتا، تم ہو کیا؟ غلیظ لڑکی۔" وہ نفرت سے اس پر جھپٹا اور اسے بالوں سے پکڑ کر دھکا دیا، وہ بہت زور سے سائیڈ ٹیبل سے ٹکرائی اور بمشکل توازن برقرار رکھتے ہوئے سیدھی ہوئی۔

"تم سے ذرا سی نرمی کیا برت لی، تم نے تو مجھے ہی آنکھیں دکھانی شروع کر دیں۔" وہ اس کے چہرے پہ تھپڑ مارتے ہوئے کہہ رہا تھا، حبا

کے آنسو اور سسکیاں بے اختیار تھیں۔

"ہاں، اب کیوں نہیں بولتی، اب بھی دو جواب۔" وہ اس کے بال مٹھی میں جکڑ کر بہت زہر خند لہجے میں کہہ رہا تھا، حبا کی چیخ نکل گئی۔

"آواز آہستہ رکھو۔" اس نے اسے ٹھوکر ماری تھی، وہ اتنی شدت سے تڑپ کر زمین پہ گری کہ اسید کے ہاتھ سے اس کے بال چھوٹ گئے، وہ بلند آواز میں رو رہی تھی۔

"اور ماریں مجھے میں بدصورت ہوں، میرے سیاہ اعمال، مجھے سنگسار کیوں نہیں کر دیتے۔" وہ پاگلوں کی طرح دونوں ہاتھوں سے اپنے ہی چہرے پہ تھپڑ مار رہی تھی، یہ ذہنی چھوٹ اور احساس کمتری کی انتہا تھی۔

"بند کرو یہ تماشا۔" اسید نے نفرت سے اسے ایک اور ٹھوکر ماری تھی، اس کے آنسو مزید بڑھ گئے اور اس کی دلخراش سسکیاں اسید کے کانوں پہ بہت گراں گزر رہی تھیں۔

"میرے گناہوں کی سزا مجھے دیں، میری بیٹی کو کیوں دے رہے ہیں؟" وہ سسک کر سوال کر رہی تھی۔

"کیونکہ اس نے تم سے جنم لیا ہے، تمہارا غلیظ خون شامل ہے اس میں۔" وہ انگلی اٹھاتے ہوئے نفرت سے کہہ رہا تھا۔

"مگر وہ آپ کا بھی تو خون ہے۔" وہ اسے یاد دلا رہی تھی۔

"اس کی شکل تمہارے جیسی ہے تو اعمال بھی تمہارے جیسے ہی ہوں گے۔" اسید نے غصے سے پاگل ہو کر اسے ایک اور تھپڑ مارا تھا۔

"ہر بچہ اسلام کی فطرت پر پیدا ہوتا ہے، خدا نے کہا ہے یہ، آپ اکا نہیں کر سکتے اس سے۔" اس نے بڑی مضبوط دلیل دے کر کہا، سرخ چہرہ اور بہتے آنسوؤں کے ساتھ وہ اسید کو مزید وحشت زدہ کر گئی۔

"تم اور تمہارا اسلام، تمہارے جیسے لوگ اپنا اسلام ہاتھ میں لئے پھرتے ہیں جہاں ضرورت پڑتی ہے وہیں کھول کر نیا قانون لاگو کرنے چل پڑتے ہیں۔" اس نے استہزائیہ انداز میں کہہ کر سر جھٹکا۔

"وہ معصوم ہے، وہ کسی گناہ میں شامل نہیں، میں آپ کی قصوروار ہوں اسے مت سزا دیں۔" وہ بلکتے ہوئے اس سے بھیک مانگ رہی تھی۔

"اسے کھانے کو نہیں ملتا یہاں سے؟ کون سی سزا دی ہے میں نے؟ بکواس بند کرو اپنی، فضول اور لایعنی سوالات کر کے میرا دماغ مت خراب کرو۔" وہ اس پہ چلاتے ہوئے دوبارہ سے سگریٹ سلگا رہا تھا۔

"سارے مسئلے بھوک کے تو نہیں ہوتے، میرے جیسے لوگ بھی تو ہوتے ہیں، جنہیں پیٹ بھر کر کھانا مل جائے تو شناخت اور رشتے کی لڑائی لڑنے چل پڑتے ہیں۔" وہ سر پہ ہاتھ رکھ کر رو رہی تھی۔

"اور منہ کی کھاتے ہیں۔" اس نے بے عزتی کرتے ہوئے کہا۔

"جیسی میری قسمت تھی، ویسی ہی اس کی ہوگی، میری طرح وہ بھی روتی رہے گی ساری زندگی، ساری زندگی محبت کے دو لفظ سننے کے لئے ترسے گی، اس کے لئے بھی صرف ذلت ہوگی اور تذلیل آمیز رویہ اور گندی اور غلیظ گالیاں اور مار، اپنی بدصورتی کا خراج بھرنے کے لئے ایک اور مرد اسے جوتے کی نوک پہ رکھے گا۔" وہ اپنی تقدیر کا نوحہ پڑھ رہی تھی۔

"کوئی نرمی نہیں ہوگی اس کے لئے بھی، کوئی معافی نہیں، مجھے تو میرے باپ نے پیار کیا تھا، اسے تو نہیں کوئی کرے گا۔ میں اسے ہمیشہ گھر

رکھوں گی، باہر کی دنیا نہیں دیکھنے دوں گی، نہ ہی اسے کسی سکول بھیجوں گی، جب آگہی سے ناشناسا ہوگی تو سمجھوتہ اس کے لئے آسان ہوگا، میری طرح سوالات تو نہیں کرے گی نا۔" وہ ہچکیاں لے کر رو رہی تھی، کمرے میں ایک ٹھٹھرا دینے والی خاموشی تھی، اسید کے ہاتھ میں جلتا سگریٹ اس کی انگلیوں تک آچکا تھا اور وہ بے خبر تھا۔

اور اگلے دن اسے پہلی مرتبہ ڈاکٹر حیدر سے اپائنٹ منٹ لینی پڑی تھی۔

پھینک آتے ہیں ہری شاخیں کہ آباد رہے
کچھ تو آباد رہے شہر خموشاں آخر
اور کر آتے ہیں سیراب بھی کچھ اشکوں سے
صرف جسمانی اذیت ہی جہنم ہے اگر
پھر تو کچھ بھی نہ ہوئی
روح کے کرب سے بڑھ کر بھی بھلا کرب کوئی کیا ہوگا؟؟
اور کیا ہوگی قیامت کوئی؟؟؟

☆☆☆

وہ گاڑی میں بیٹھی مسلسل رو رہی تھی، سب کچھ پل بھر میں ختم ہو گیا تھا، ہر چیز ہی ہاتھوں سے نکل گئی تھی۔

گزرتے ٹوٹا ہے تمناؤں کا پندار کہ بس......!
دل نے جھیلے ہیں محبت میں وہ آزار کہ بس
اک لمحے میں زمانے میرے ہاتھوں سے گئے
اس قدر تیز ہوئی وقت کی رفتار کہ بس......!

گزرتے مناظر، طے ہوتا راستہ اور اس کے آنسو، سب بے بس تھے، گھر کے آگے گاڑی رکی تو وہ تھکے ہوئے قدموں سے باہر نکل آئی، ڈرائیور نے گاڑی واپس موڑی تو وہ بے جان ہاتھوں سے گھر کی بیل بجانے لگی، دروازہ اماں نے کھولا تھا، اس کی حالت دیکھ کر وہ دہل سی گئیں۔

"ستارا! میری بیٹی کیا ہوا؟ خیر تو ہے نا؟ ایسے کیوں آئی ہو؟" وہ بری طرح پریشان ہو گئی تھیں۔

"مجھ سے کچھ مت پوچھیں اماں، خدا کے لئے۔" وہ ان کے گلے لگ کر رونے لگی، انہوں نے نرمی سے اسے تھپکا، دروازہ بند کیا اور اسے اندر لے آئیں۔

"بیٹھو ادھر، پانی پیو۔" انہوں نے پیار سے اس کے بال سنوارتے ہوئے اسے گلاس پکڑایا تھا، اس نے ایک گھونٹ لگا کر گلاس واپس کر دیا۔

"ابا کدھر ہیں؟" وہ آنسو صاف کرتے ہوئے پوچھنے لگی۔

"کام پہ گئے ہیں۔" انہوں نے اس کا چہرہ کھوجا۔

"مصعب سے کوئی جھگڑا ہوا ہے؟" انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر پوچھا تھا۔

"سارے جھگڑے ختم کر کے آئی ہوں میں؟" وہ تھکے ہوئے انداز میں کہہ کر ہاتھ کی پشت سے چہرہ رگڑنے لگی۔

"کیا مطلب؟" انہوں نے ڈر کر اسے دیکھا۔

"کوئی مطلب نہیں ہے، میں وہاں واپس نہیں جاؤں گی۔" اس نے پرعزم طریقے سے انہیں جتایا۔

"فضول احمقانہ باتیں مت کرو، کیوں دشمن ہو رہی ہو اپنی؟ ہوا کیا ہے کچھ بتاؤ گی مجھے؟" وہ بھڑک کر بولیں۔

"مجھ پہ غصہ مت ہوں، میرا اپنا دماغ خراب ہو چکا ہے۔" وہ تلخی سے کہتی اٹھنے لگی۔

"یہاں بیٹھو اور پوری بات بتاؤ مجھے۔" انہوں نے اس کا ہاتھ کھینچ کر اسے دوبارہ بٹھا دیا۔

''ابا آئیں گے تو پتا چل ہی جائے گا۔''
اس نے انہیں ٹالا اور باہر صحن میں نکل آئی۔
کیا تھا وہ شخص دھوکے بازی کے آخیر؟ یا وہ خود بے وقوفی کا مجسمہ؟ کتنی آسانی سے وہ اسے بے وقوف بنا گیا تھا، وہ نوفل صدیق جو اس کا دیوانہ تھا کس موڑ پہ آ کر اسے دھوکہ دے گیا تھا، اسے یقین نہیں ہو رہا تھا، وہ ڈیڑھ ماہ سے اسے کس قدر خوبصورتی سے اپنے فریب میں لئے ہوئے تھا، اپنی محبت کے دھوکے میں اسے گرفتار کیے وہ اس کی بے خبری پہ کتنا ہنسا ہو گا، اسے رہ رہ کر اپنی لاعلمی کا دکھ ہو رہا تھا، اسے یہ بات کس قدر تڑپا رہی تھی کہ آخر اس نے ایسا کیا کیوں تھا؟ کیا وجہ تھی اتنی لمبی چوڑی پلاننگ کی؟ کیوں کھیلا اس نے ستارا کے ساتھ بدصورتی کا کھیل؟ جس کا نہ کوئی مقصد تھا نہ وجہ اور نہ ہی سبب؟ کب سے وہ اسے پاگل بنا رہا تھا؟
''اس پہلی فون کال سے۔''
اور کیوں؟
اس کے آگے اتنے سوالیہ نشان تھے کہ وہ سوچ سوچ کر تھک گئی، اسے وہ سب یاد آ رہا تھا، وہ نوفل کی پہلی فون کال، اس سے ہمدردی، بڑھتی ہوئی دوستی اور اس کے نتیجے میں ستارا کا اس کی طرف جھکاؤ اور پھر نوفل کا وہ انکشاف، اپنی بدصورت کا کمپلیکس...... اور...... ستارہ کی ہمدردیاں، اس کا ملنے پہ اصرار اور نوفل کا انکار، آخرکار مہروز کمال کے علم میں سب آنا اور پھر...... آگے کی کہانی ایک مسلسل جگسا پزل تھی۔
اسے اس ہٹ میں رکھنے والا کون تھا اور پھر وہ ڈرامائی فرار، آخر کیا چکر تھا؟
''اب جب تک وہ خود اسے نہ بتاتا وہ قطعی طور پر نہیں، نہیں جان سکتی تھی کہ یہ آخر کیا گھن چکر تھا، کیا جگسا پزل تھا؟'' اور جو عائشہ آپی سے ملا تھا وہ کون تھا؟ اسے یکدم یاد آیا تو وہ اچھل پڑی۔
''میرے اللہ! وہ تو نیرو تھا؟'' وہ یاد کر کے شاکڈ رہ گئی۔
''اوہ تو اس کا مطلب وہ سب پری پلانڈ تھا اور وہ شخص کوئی اور تھا۔'' اس کا سر چکرانے لگا۔
یہ سب کروانے والا اس ایک شخص کے سوا اور کون ہو سکتا تھا؟ اس کے ہاتھ کتنے لمبے تھے اس کا اندازہ وہ اتنے مختصر عرصے کے دوران بھی کر چکی تھی، جتنا روپیہ اس کے پاس تھا اور جتنے مختصر سے عرصے میں اس نے اپنی امپائر کھڑی کی تھی وہ ستارا کو یہ سمجھانے کے لئے کافی تھا کہ اس شخص کا اثر و رسوخ کہاں تک تھا۔
وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئی، ایک پنڈورا باکس کھل گیا تھا اور جگسا پزل کے ٹکڑے ملسنگ تھے۔

☆☆☆

''یہ سب کچھ اس کی وجہ سے ہوا ہے، یہی ذمہ دار ہے اس کا۔'' وہ بلند آواز بس چلا کر کہہ رہا تھا، انہوں نے بے بسی سے اپنے دونوں بیٹوں کو دیکھا۔
''میں نے کچھ نہیں کیا، تم خود ذمہ دار ہو اس سب کے۔'' وہ دوبدو اس کی طرح چلا کر بولا تھا۔
''تمہاری وجہ سے میری بیوی گھر چھوڑ کر چلی گئی اور تم کہتے ہو کہ تم ذمہ دار نہیں ہو۔'' وہ اس بار دھاڑا تھا، اس کی آنکھوں میں خون اترا تھا۔
''تمہارا خود کا قصور ہے، مجھے کیا پتا تم نے کون کون سے جھوٹ بولے ہیں اس سے۔'' وہ بھی کہاں ہار ماننے والا تھا۔
''میں تمہیں شوٹ کر دوں گا گھٹیا انسان۔'' نوفل نے ریوالور نکال لیا۔
(باقی آئندہ ماہ)

گیارہویں قسط

محبت کسی گلابی تتلی کی
مانند اس کے اوپر منڈلاتی تھی
اور اپنے حسین نغمے
پیار بھرے رس کی صورت اس
کے کانوں میں انڈیلتی تھی......!
محبت ایک نور بھری صبح میں
اجالا بن کر اس کے اندر پھوٹتی تھی

محبت!
ہاں اس کی لافانی محبت جو
وجود سے روح کا سفر کر چکی تھی!

اگلی صبح وہ جاگی تو پرندے کے اس پر کی مانند ہلکی پھلکی تھی جو ہوا میں اونچا ہی اونچا اڑتا چلا جائے، اس نے اپنے ساتھ شاہ بخت کو دیکھا اور اس کے لبوں پر ایک اطمینان مسکراہٹ آ گئی۔

ناولٹ

اور ''مغل ہاؤس'' میں موجود لوگوں میں سے کوئی نہیں جان سکتا تھا کہ بظاہر یہ چٹان کی مانند اپنے ارادوں پہ اٹل نظر آنے والا اور اپنے غصے کے سبب اس گھر کی بنیاد تک ہلا ڈالنے والا ''شاہ بخت'' اس کے آگے کس قدر موم ہوا تھا، کچی لکڑی کی مانند، اس نے جس طرف چاہا وہ مڑ گیا، وہ بہت دیر تک اسے دیکھتی رہی، اس کی دلکش ساحر آنکھیں بند تھیں، اس نے نرمی سے ہاتھ اس کے بالوں میں ڈال دیا اور انگلیاں پھیرنے لگی، اس کی آنکھیں پھر نیند سے بند ہو رہی تھیں۔

''شاہ بخت!'' اس گھر کا سب سے منفرد اور مشکل انسان! ضروری نہیں کہ انسان تب ہی منفرد ہو جب وہ بہت خوبصورت ہو یا اور غیر معمولی خوبیوں کا حامل ہو، وہ اس لحاظ سے بھی تو منفرد ہو سکتا ہے نا کہ اس کی سوچ دوسرے سوچ سے الگ ہو، وہ منفرد تھا کیونکہ وہ خالص تھا، کسی کو

نیچا دکھانا کبھی بھی اس کا مقصد نہ رہا تھا، وہ جلد باز تھا، جبھی تو راہ چلتے کئی جھگڑے اس کے گلے پڑ جاتے، وہ معصوم تھا، جبھی تو وقار کے گلے لگ کر تڑپا تھا کہ میں عنا کے بغیر نہیں رہ سکتا، وہ سادہ مزاج تھا جبھی تو کسی بھی قسم کی دکھاوے کی شو آف کے خلاف تھا، وہ پاگل تھا جبھی تو کسی نتیجے کی پرواہ کئے بغیر دوبارہ سے علینہ کے کمرے میں جا گھسا تھا، وہ دلی طور پر کسی فرشتے جیسا معصوم تھا ورنہ اپنی وجاہت وخوبصورتی سے بے خبر نہ ہوتا، بیسیوں کے حساب سے خود پر مرنے والی لڑکیوں سے اس قدر لاپرواہ نہ ہوتا اور نہ ہی یوں علینہ کے در پہ بیٹھ رہتا۔

وہ اعلیٰ ظرف تھا، ورنہ کوئی اور مرد ہوتا تو علینہ کو یوں کبھی نہ ٹریٹ کرتا، وہ بھی اس صورت میں جب وہ اس بات سے باخوبی آگاہ تھا کہ وہ متعدد بار اسے ٹھکرا چکی تھی اور اس جگہ کوئی اور مرد ہوتا تو لازماً کوئی انتقامی منصوبہ بندی کر کے اسے تکلیف دیتا۔

جسمانی تکلیف نہ سہی، لفظوں کی مار تو ضرور مارتا، مگر وہ ''عام'' نہیں تھا وہ تو ''شاہ بخت'' تھا، سب سے مختلف...... سب سے خاص؟ علینہ کا سچ اس نے آنکھیں بند کر کے اس سرشاری کو محسوس کیا جو اسے اونچا اڑائے دے رہی تھی۔

☆☆☆

''مصعب......!'' پاپا کا رنگ فق ہو گیا، وہ بے ساختہ اس پر جھپٹے۔

''پاگل مت بنو، چھوڑو اسے۔'' انہوں نے اس کے ہاتھ سے پسٹل چھیننا چاہا مگر اس نے دھکا دے کر پاپا کو پیچھے ہٹا دیا۔

''آپ درمیان میں مت آئیں پاپا، آپ پیچھے ہٹ جائیں۔'' اس کے تیور خوفناک تھے۔

''ہاں چلاؤ گولی، میں دیکھتا ہوں، تم کیا کرتے ہو، تمہاری اتنی ہمت ہی نہیں کہ تم کچھ کر سکو، تم بس جھوٹ بول سکتے ہو مصعب۔'' طلال نے دھاڑ کر کہا تھا۔

''کون سے جھوٹ بولے ہیں، میں نے تم سے؟ تم بکواس کرتے ہو، تم خود جھوٹے ہو، دھوکے باز ہو، جبھی تمہیں سب ایک جیسے لگتے ہیں، جیسے تم نے اپنی زندگی برباد کی، ویسے ہی باقیوں کی بھی کرنا چاہتے۔'' وہ کف اڑا رہا تھا۔

''ہاں کر دوں گا برباد، سب تباہ کر دوں گا۔'' وہ کسی بھوکے بھیڑیے کی طرح غرایا تھا۔

''اس سے پہلے کہ تم اپنے مذموم مقاصد میں کامیاب ہو، میں تمہارا وجود ہی صفحہ ہستی سے مٹا دوں گا۔'' مصعب نے سفاک لہجے میں کہتے ہوئے پسٹل کر ٹرائیگر دبا دیا، ایک فائر ہوا، پھر ایک چیخ، اور پھر گہری خاموشی چھا گئی، موت کی خاموشی۔

☆☆☆

تم نے مرجھائے ہوئے پھول کبھی دیکھے ہیں
دل کی قبروں پر پڑے
ہجر کی لاش آنکھوں پہ دھرے
تم نے اکتائے ہوئے خواب کبھی دیکھے ہیں؟
درد کی پلکوں سے لپٹے ہوئے
گھبرائے ہوئے
تم نے بے چین دعائیں کبھی دیکھی ہیں؟
محبت کے کناروں پہ بھٹکتی پھرتی
تم نے دیکھا ہے مجھے؟
کیا کبھی دیکھا ہے مجھے؟

اس کے اندر زندگی مرنے لگی، وہ خود پسند نہیں تھا اور نہ ہی اس کی تربیت ایسی تھی کہ وہ دوسروں کو تکلیف دے کر خوشی محسوس کرتا، حالات کے وقتی جبر اور بے بسی نے اس سے وہ قدم اٹھوائے تھے جن کے حق میں وہ قطعاً نہ تھا، مگر نتیجہ

کچھ بہتر نہ تھا۔

انسان بھی ایک عجب مخلوق ہے، محکوم ہو تو ظلم سے نفرت کرتا ہے، برائی کرنے والے سے خار رکھتا ہے، ناانصافی پہ کڑھتا ہے، حق مارنے والے پہ لعنت وملامت کرتا ہے اور اپنی بے بسی پہ خون کے آنسو روتا ہے مگر، یہی انسان جب خود با اختیار ہوتا ہے تو ظالم بن جاتا ہے، برائی کرنے میں فخر محسوس کرتا ہے، حق سلب کرنے کو اقتدار کی ضرورت سمجھتا ہے اور بے بس آنسوؤں پر طنزیہ نگاہ ڈالتا ہے اور اپنے اقتدار کے نشے میں خود کو فرعون سمجھتا ہے، ظلم کو مٹا دینے کے سارے دعوے بودے نکلتے ہیں اور وہ دبی ہوئی آہیں تب ہی تسکین پاتی ہیں جب وہ کسی دوسرے کو یہ آہیں سونپتا ہے۔

وہ ذہنی کھینچا تانی اور کشمکش میں اس حد تک آ گیا تھا کہ خودکشی تک بات آن پہنچی تھی، اس کے ڈاکٹر حیدر کے ساتھ سارے سیشنز کا بیڑہ غرق ہو گیا تھا اور وجہ بڑی مختصری تھی۔

شفق کو لے کر اس کی حبا سے ہونے والی تلخ کلامی کے بعد اس کی ذہنی کیفیت بہت ابتر تھی، وہ کتنا بھی سخت گیر کیوں نہ ہوتا، کتنا بھی بے حس کیوں نہ بنتا، کتنا بھی بے رحم کیوں نہ ہوتا؟ آخر کار ایک انسان تھا۔

اور اسلام کی فطرت پہ پیدا شدہ ایک ایسا انسان تھا جس نے حبا کو ہمیشہ بہت حفاظت سے رکھا تھا، وہ اس کا برا چاہ سکتا تھا نہ اس کے ساتھ برا کر سکتا تھا اور نہ ہی ہوتے دیکھ سکتا تھا۔

اور اس شب اس نے جب حبا کو اپنے کمرے میں بلایا تھا اور اسے اپنے بستر پہ سونے کو کہا تھا تو حبا کے خوف نے اسے مزید پیش قدمی سے روک دیا تھا، اس نے ایسا کبھی نہ چاہا تھا۔

دوسری بار وہ تب بری طرح ٹوٹا جب گھر میں دی گئی پارٹی میں حبا کا وہ کلچ نیچے گرا جسے اٹھاتے ہوئے اس نے حبا کے مڑے ہوئے انگوٹھے دیکھے اس کے شدید خوف اور کنفیوژن کے غماز۔

اور پھر تب جب شفق کا ہاتھ اس کے پیر تلے آ کر کچلا گیا اور اس رات وہ سو نہیں سکا تھا۔

یہ کیسی زندگی تھی؟ اس زندگی کی خواہش تو نہیں کی تھی اس نے؟ اور وہ جس نے اس کے پیچھے سب اجاڑ دیا تھا، سب برباد کر دیا تھا، وہ حبا تیمور! تو کیا اس نے ایسی زندگی کی خواہش کی تھی اسید مصطفیٰ کے ساتھ؟ کہیں تو غلطی تھی۔

اور وہ غلطی جو حبا تیمور نے کر دی تھی کیا اس کا مداوا وہ پوری زندگی نہیں کر پائے گی؟

جو کچھ وہ سہہ چکی تھی، اپنا کیا اسید کو کسی ناگ کی طرح دن رات ڈستا تھا، بہت دفعہ اپنے ہاتھ دیکھ کر اس کی آنکھیں بے بسی کے مارے سرخ ہو جاتی تھیں، اس نے یہ ہاتھ اٹھایا تھا حبا پر؟

اسے اس کی مدھم گھٹی گھٹی سسکیاں سونے نہیں دیتی تھیں، اسے سب یاد تھا، حرف بہ حرف، جو اس نے کیا اور جو اس نے کہا، سب کچھ ازبر تھا، سب کچھ من وعن یاد تھا۔

اسے حیرت ہوتی تھی کہ جب اسے یاد تھا تو حبا کو کیوں نہیں؟ کیا اسے وہ اذیت بھول گئی تھی؟ کیا اسے وہ دکھ بھول گئے تھے؟

کیا اسے وہ نیچی چھت والا، سیلن زدہ تاریک کمرہ بھول گیا تھا؟ کیا اسے وہاں گزارے گئے چار ماہ بھول گئے تھے؟ چار ماہ یا قید تنہائی؟

اس کے اندر ہر وقت ایک کشمکش چلتی رہتی تھی، ایک مسلسل کھینچا تانی نے اسے غائب دماغ بنانا شروع کر دیا تھا، وہ سوچتا کہ کیا حبا کو وہ سب اتنی آسانی سے بھول گیا تھا؟ کیا اسے کوئی حق نہیں چاہیے تھا؟ زندہ رہنے کے لئے کہا صرف

ایک چھت اور ایک روٹی ضروری ہوتی ہے؟ جس پر وہ اتنے سکون سے گزارہ کیے جا رہی تھی؟ اور کیا اس کے نزدیک شفق کا بھی کوئی حق نہ تھا؟ اور اگر حبا یہ سوچتی تھی کہ اسید نے شفق کو نہیں دیکھا تھا؟ یا غور سے نہیں دیکھا تھا تو کیا یہ حقیقت تھی؟ نہیں، یہ سچ نہیں تھا۔

اسید مصطفیٰ نے اسے بارہا دیکھا تھا، اسے چھوا تھا، اسے چوما تھا، ہاں اسے سینے سے لگانے کی حسرت دبائی ہوئی تھی، مگر وہ بزدل تھا، حبا کے سامنے یہ اقرار نہیں کر سکا تھا۔

وہ بھی تو ایک انسان تھا، ایک ایسا انسان جو اپنے اردگرد کے ماحول سے خیالات، رویے، تاثرات اور نفرتیں جذب کر کے عمر کے اس حصے تک پہنچا ہوا تھا۔

باؤلی کسی خالی برتن کی طرح وہ معصوم بچہ تھا جس میں مرتہ کی تربیت اور تیمور کی نفرت بیک وقت جمع ہوتی رہی تھی اور اب جبکہ وہ معاشرے میں ایک منفرد مقام رکھتا تھا، اس کی تربیت اور ماحولیاتی کشمکش اس کے ہمراہ تھی، وہ خود کو بے بس پاتا تھا، اتنا بے بس کہ اس کے سامنے یہ تک اقرار نہ کر سکتا تھا کہ وہ نور عشق کو اپنی بیٹی تسلیم کرتا ہے، اسے پتہ ہے کہ وہ اس کا خون ہے، اسے اچھی طرح پتا ہے کہ وہ اس کا بائیولوجیکل باپ ہے، اُس اس سلسلے میں کسی قسم کی یقین دہانی کی ضرورت نہیں تھی، کوئی ثبوت نہیں چاہیے تھے۔

اسے اس بات پر اسی طرح یقین تھا جس طرح اللہ کے یکتا ہونے پر تھا۔

مگر مسئلہ تو یہ تھا کہ وہ کھلم کھلا کیسے اعتراف کرتا، انا کا کوڑیالہ سانپ؟ اس کا پھن کیسے کچلتا؟ مگر سب کچھ ختم ہوتا جا رہا تھا اور وہ بے بس تھا۔

اور پھر بے بسی کا اگلا باب، وہ سرد بارش بھری رات جس میں وہ بے بسی کی آخری حد پہ جا پہنچا تھا، جب اس نے حبا سے یہ پوچھا تھا کہ وہ یہاں خوش ہے؟ اور اس کے جواب نے اسید کو زندگی بھر کے لئے چپ لگا دی تھی۔

وہ اس کا امتحان نہیں لینا چاہتا تھا مگر زندگی میں بہت کچھ اس نے وہ کیا تھا جو وہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔

سو اس بار وہ بھی وہ نجانے کیوں وہی کر گیا، اس سے سوال کر گیا کہ وہ اس کے لئے کیا کر سکتی ہے؟ حالانکہ اسے اس سوال کا جواب اچھی طرح پتا تھا، وہ آگاہ تھا کہ وہ اس کے لئے سب کچھ کر سکتی تھی۔

وہ پاگل لڑکی کیوں نہیں سمجھتی تھی کہ وہ اس کو سینے سے لگا کر خود بھی رو دیا تھا۔

بارش تو یوں ہوئی رات جیسے
میرے دکھ پہ رو پڑی ہو......!

وہ چپ ہی رہ گیا، کچھ نہ کہہ سکا، وہ اسے کچھ نہ بتا سکا، ہاں وہ صحیح تھا جب وہ یہ کہتا تھا کہ زندگی اس کے اندر مرنے لگی تھی۔

☆☆☆

قسمت اور مقدر کا کھیل بھی عجب ہی ہے انسان اپنی تدبیر کرتا ہے اور بھول جاتا ہے کہ تقدیر بھی ہے، اپنی چال چلتا ہے اور فراموش کر دیتا ہے کہ اوپر عرش پہ بیٹھی ذات "سب سے بہتر چال چلنے والی ہے" اور انسان اپنے آپ کو عقل کُل سمجھتے وہ فیصلے کرتا ہے جن کے بارے میں اسے مکمل یقین ہوتا ہے کہ کسی بھی حال میں غلط نہیں ہو سکتے اور جب یہی فیصلے غلط ثابت ہوتے ہیں تو وہ "ہائے افسوس" کہتا ہوا سر پیٹتا ہے اور کف افسوس ملتا ہے۔

نوفل صدیقی نے یہ فاؤل پلے، فیئر پلے سمجھ کر کھیلا تھا اور یہ سمجھتا تھا کہ اس نے پیچھے کوئی سراغ نہیں چھوڑا تھا مگر اس کائنات کی سچائی صرف یہی تو ہے کہ۔

"چھپی ہوئی چیز آخر کار ظاہر ہو کر رہتی ہے"

انسان یہ سمجھ کر جھوٹ بولتا ہے کہ کبھی پکڑا نہیں جائے گا اور یہ یقین رکھ کر دھوکہ دیتا ہے کہ اگلا بے وقوف کبھی اس کی مکاری اور عیاری کو جان نہیں پائے، مگر خدا کا قانون بڑا مختلف ہے، انسان کو وہاں آ کر ٹھوکر لگتی ہے جہاں اسے پار پہنچ جانے کا سب سے زیادہ یقین ہوتا ہے۔

اور یوں انسان کو بری طرح شکست کا منہ دیکھنا پڑتا ہے، جب وہ شکست کھاتا ہے تب اسے یقین ہوتا ہے کہ وہ کس قدر محدود اختیارات رکھتا ہے۔

جرم کبھی نہیں مٹتا، یہ دب جاتا ہے، چھپ جاتا ہے مگر ظاہر ہو کر رہتا ہے اور ظاہر بھی تب ہوتا ہے جب وہ گھٹنوں کے بل دلدل میں گھستا ہوتا ہے اور اس کے جرائم کا ظہور اسے مزید دلدل میں غرق کر دیتا ہے۔

ستارا باہم بے بسی کی آخری حد پہ تھی، ایک متوسط گھرانے سے تعلق رکھنے کا مطلب یہ تو نہیں تھا کہ کوئی اسے یوں بے وقوف بنا کر اس بے دردی سے استعمال کرتا اور پھر اپنے جرم کو قبول کرنے کی بجائے ڈھٹائی سے اکڑ جاتا؟

یہ کہاں کا انصاف تھا؟ کیا یہ کھلا تضاد نہیں تھا؟ اور کیا یہ ظلم عظیم نہیں تھا؟

وہ سنہری دھوپ میں بیٹھی سر گھٹنوں پہ دھرے گہرے دکھ کے حصار میں تھی، ابا نے سرد نظروں سے اسے دیکھ کر صرف اتنا ہی کہا تھا۔

"عزت دار گھرانوں کی بیٹیاں چھوٹی چھوٹی باتوں پر یوں گھر اجاڑ کر نہیں آتیں ستارا، دوسری بار اپنا بسا بسایا گھر خراب کرنے پر کوئی تمہارا ساتھ نہیں دے گا۔" وہ پتھر کے بت کی مانند ان کی باتیں سنتی رہی۔

راستے بہت تیزی سے اس کے لئے بند ہو گئے تھے، وہ چند لمحے خاموشی سے کھڑی رہی پھر اٹھ کر باہر نکل آئی۔

"تو کیا میں سب کچھ جانتے بوجھتے بھی نظر انداز کر کے اس شخص کے در پہ جا بیٹھوں؟" اس کا دل ڈوبا تھا اور آنکھیں دھندلا گئی تھیں۔

کیا واقعی وہ عورت ہونے کے جرم میں اس قدر بے بس تھی کہ معاشرے کی تنگ نظری کی بھینٹ چڑھ جاتی؟ اسے اور کچھ نہ سوجھا تو وہ اماں کے گلے لگ کر رو پڑی۔

"کیا میری دو وقت کی روٹی آپ پہ اس قدر بھاری ہے اماں؟ کہ آپ اور ابا ہر وقت پہ مجھے اس گھر سے بھیجنا چاہتے ہیں؟" اس کے سوال نے اماں کو تڑپا دیا تھا۔

"ایسی بات نہیں ہے تاری، تم جب تک چاہو رہو، ادھر مگر آخر کار تو تمہیں اپنے شوہر کے گھر ہی جانا ہے نا؟"

"چلی جاؤں گی، آپ لوگ زبردستی تو مت کریں۔" وہ عجیب کرب میں تھی۔

"جب تک چاہو، رہو مگر اسے بتا دو کہ تم ناراض نہیں ہو، تاکہ وہ اپنی خوشی سے تمہیں اجازت دے۔" انہوں نے سمجھایا تھا۔

ستارا نے سر ہلا دیا تھا بس، مگر سچ تو یہ تھا کہ وہ نہ وہ اس شخص کی شکل دیکھنا چاہتی تھی نہ اس کی آواز سننا چاہتی تھی، وہ اس سے کہیں دور چلی جانا چاہتی تھی، مگر یہ دنیا اس کے اصولوں اور خواہشات پہ کب چلتی تھی، یہ دنیا تو اپنے طور طریقوں سے چلتی تھی اور وہ بے بس تھی۔

☆☆☆

آج "مغل ہاؤس" ایک عجیب خوشی کا سماں تھا، وہ سب لوگ ناشتے کی میز پر جمع تھے اور انتظار ہو رہا تھا اس حسین کپل کا جو ابھی تک ناشتے

کی ٹیبل تک نہیں پہنچا تھا۔
رمشہ نے بھابھی کو اشارہ کیا وہ بلا کر لاتی ہے، انہوں نے آگے سے سر ہلا کر جانے کی اجازت دی تھی۔
وہ تیز تیز سیڑھیاں چڑھتی اوپر آئی اور مدھم سا دروازہ بجایا تھا، کوئی جواب نہیں آیا، اسے عجیب سی بے چینی شروع ہو گئی، اس نے پھر دروازے پہ دستک دی، دو منٹ بعد دروازہ کھلا اور بخت کا چہرہ نظر آیا، چند لمحوں کے لئے رمشہ ساکت ہو گئی، وہ ''شاہ بخت'' تو نہیں تھا۔
وہ تو کوئی اور تھا، لائٹ براؤن شلوار قمیض میں بال سیٹ کیے چمکدار آنکھوں کے ساتھ اس کے چہرے پہ وہ نور تھا جس نے رمشہ کو ٹھٹکا دیا تھا اس کی آنکھوں میں اتنی چمک تھی اور ہونٹوں پہ ایسی خوشی رقصاں تھی کہ وہ چند لمحوں کے لئے گنگ رہ گئی۔
شاہ بخت اتنا خوبصورت آج سے پہلے تو کبھی نہیں تھا اور آج کیوں؟ اسے وجہ جاننے کے باوجود عجیب سی حیرت ہو رہی تھی، تو کیا شاہ بخت کا یہ نورانی حسن علینہ سے ملن کے سبب تھا؟ اس کے اندر بہت ہلکی سی چبھن ہوئی تھی۔
''علینہ کدھر ہے؟'' اس نے نظر پھیر کر پوچھا تھا، وہ راستے سے ہٹ گیا، رمشہ آگے بڑھ کر اندر آ گئی اور پھر اس نے علینہ کو دیکھا۔
''تو کیا واقعی کسی کی محبت اتنی اثر انگیز ہوتی ہے کہ انسان کی کیمسٹری ہی بدل جائے؟'' رمشہ نے دیکھا اور دیکھتی رہ گئی۔
علینہ آج سے پہلے اتنی حسین تو کبھی بھی نہیں تھی، یا پھر اسے ہی نہ لگی تھی، ہلکے گلابی ٹراؤزر اور گہرے رنگ کی شرٹ میں بالوں کی اونچی سی پونی ٹیل بنائے وہ مہکی کلی لگ رہی تھی، رمشہ اسے دیکھتی رہ گئی، اس نے رمشہ کو ایک عجیب بے نیازی سے دیکھا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔
''عینا! چلیں؟'' شاہ بخت نے اسے دیکھتے ہوئے کچھ ایسے لہجے میں کہا جس میں خوشگواریت اپنے تمام تر رنگوں کے ساتھ نمایاں تھی۔
''جی چلیں۔'' وہ مسکرائی تو جیسے گلاب کھلے تھے، وہ دونوں ساتھ ساتھ چلتے باہر آ گئے، رمشہ کسی تھرڈ پرسن کی طرح وہی کھڑی رہ گئی۔
شاہ بخت نے اس کا ننھا سا ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھ میں لے لیا تھا، وہ دونوں سیڑھیاں اتر رہے تھے، ایک پرفیکٹ کپل! حیران کن میوچل انڈر سٹینڈنگ سے جھلکتا اعتماد، ایک ساتھ اٹھتے قدم اور چہروں پہ پھیلا خوشی کا تاثر، ''مغل ہاؤس'' کی بنیادیں تک حیرت سے آنکھیں کھولے انہیں دیکھتی تھیں۔
اور ڈائننگ ٹیبل پہ بیٹھے افراد ان دو محبت زادوں کے احترام میں اٹھ کھڑے ہوئے تھے، کیونکہ آج وہ دونوں ایک مقدس رشتے میں بندھے ان کے سامنے تھے۔
تایا جانی نے بخت کو سینے سے لگایا تھا اور عینا کے سر پہ ہاتھ پھیرا تھا، جبکہ وقار نے عینا کو پیار سے تھپک کر بخت کا ماتھا چوما تھا، آہستہ آہستہ سب سے مل کر وہ بیٹھنے لگے۔
خوشگوار ماحول میں ناشتہ کیا گیا، جس میں ان دونوں کو وی آئی پی ٹریٹمنٹ ملا، ایک عجیب سی اور قدرے حیران کن بات تھی، علینہ کا غیر محسوس انداز میں شاہ بخت کی خالی پلیٹ میں اس کی پسند کے مطابق چیزیں رکھ رہی تھی اور وہ ہلکی مسکراہٹ سے وقفے وقفے سے پیار بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا، دبی دبی ہنسی میں تقریباً ہی یہ نوٹ کر رہے تھے، ظاہر سے بات تھی، نیا جوڑا ہونے کی بنا پر سب کی نظریں ان پر جمی تھیں۔
ناشتے کے بعد ولیمے کے فنکشن کی تیاری

تھی، جس میں تقریباً آدھے سے زیادہ شہر کو مدعو کیا گیا تھا۔
آج بخت کو دھیان آیا کہ طلال تو شادی پہ کل آیا ہی نہ تھا، اسے تشویش ہوئی، ایسا تو قطعی طور پر ناممکن تھا کہ اسے یاد نہ رہا ہو، پھر آخر وہ کیوں نہیں آیا؟ ایسا کون سا ضروری کام تھا اسے؟ اور وہ تھا کہاں؟ اس نے تشویش کے عالم میں فون اٹھا کر اس کا نمبر ملایا تو اس کا نمبر بند جا رہا تھا، بخت نے کچھ جھلاہٹ سے کال ڈسکنکٹ کی تھی اور اس کی لاپرواہی پہ غصہ آیا تھا، مگر اسی وقت وقار نے اسے اپنی طرف متوجہ کیا تو اس کا دھیان بٹ گیا۔
''خوش ہو؟'' وہ اس کے ساتھ چلتے ہوئے قدرے اشتیاق سے دریافت کر رہے تھے۔
''بہت۔'' وہ ہنسا۔
''کتنا؟'' انہوں نے مسکراہٹ دبائی تھی۔
''بے تحاشا۔'' وہ بہت مطمئن و پرسکون تھا۔
''علینہ نے ناراضگی کا اظہار تو نہیں کیا؟'' انہوں نے تفکر سے دریافت کیا تھا۔
''نہیں، زیادہ نہیں۔'' وہ شرارت سے بولا۔
''مطلب؟ تھوڑا بہت کیا۔'' انہوں نے اگلوانا چاہا۔
شاہ بخت چلتے چلتے رک گیا تھا، پھر اس نے وقار کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر نرمی سے کہنا شروع کیا تھا۔
''علینہ ایک پہیلی لڑکی ہے، اسے سمجھنا آسان نہیں ہے، مجھے اس کے تاثرات نے اکثر کنفیوژ کیا تھا اور مجھے کل رات سے پہلے تک یہی لگتا رہا تھا کہ وہ شاید میری شکل بھی نہ دیکھنا پسند کرے اور میں اپنی جگہ ٹھیک بھی ہوں، آخر اس کا رویہ ہی ایسا تھا، مگر کل رات اس نے بہت مختلف طریقے سے بی ہیو کیا ہے، یوں جیسے وہ دل سے اپنی ہار تسلیم کر چکی ہو، ہو سکتا ہے اس نے بھی عام مشرقی لڑکیوں کی طرح سوچا ہو کہ چلو جو ہونا تھا وہ تو ہو گیا اب چیخنے چلانے کا فائدہ، اس نے بھی اس چیز کو قبول کر لیا ہو جیسے سبین بھابھی نے کر لیا تھا اور میں واقعی نہیں جانتا کہ اس کے دل میں کیا ہے؟ البتہ اس کا رویہ خاصا مثبت اور امید افزاء ہے۔'' بخت نے تفصیلاً اپنی ایماندارانہ رائے دی تھی، وقار نے سر ہلایا تھا ان کے چہرے پہ گہری سوچ کا عکس واضح تھا۔

☆☆☆

''ویسے یہ تو بتاؤ، عباس کیسے مانا؟ وہ تو آنے پہ آمادہ ہی نہیں تھا، تم نے کیسے منایا اسے؟'' انہیں یاد آیا تو تجسس سے پوچھنے لگے۔
''سیدھی سی ایک بات کہی تھی اسے، کہ اگر سالا بن کے آنا ہے تو بھلے ہی مت آؤ، ہاں بھائی ہو تو ضرور آنا۔'' وہ ہنستے ہوئے انہیں اپنا کارنامہ بتا رہا تھا۔
''تو تم نے اسے بلیک میل کیا؟'' وہ بھی ہنس پڑے۔
''بالکل، تو اور کیا کرتا بھائی؟ اگر وہ بھی نہ آتا تو یہاں کون تھا؟'' وہ اداس ہو کر کہہ رہا تھا۔
''ایسے نہیں کرو یار۔'' انہوں نے کاندھا تھپکا تھا۔
''چہرے کے ڈیزائن ٹھیک کرو اور سنو اب عباس کے ساتھ وہ پہلے والی بے تکلفی بھول جاؤ، کیونکہ اب تمہارا اس کے ساتھ دہرا رشتہ ہوگا، وہ چاہے تمہارا دوست سہی، مگر یہ کبھی مت بھولنا کہ وہ علینہ کا بھائی ہے اور بھائی بھی وہ جس نے اس شادی کو روکنے کی حتی الامکان کوشش کی ہے، وہ ہمیشہ تعصباتی نظریے کا شکار رہے گا، تمہیں یہ اپنے رویے سے ثابت کرنا ہے کہ تم بہترین انتخاب ہو علینہ کے لئے، اس کے ساتھ ریزہ ہونے کو تو میں

نہیں کہہ رہا، مگر پھر بھی کبھی اس کے سامنے علینہ کی کوئی غلطی، کوئی خامی کا تذکرہ بھی تمہاری زبان تک نہ آئے، ہمیشہ اس کے ساتھ دوستانہ رویہ رکھنا اور غلطی سے بھی کوئی بے وقوفی غصے میں مت کرنا، ورنہ انجام اچھا نہیں ہوگا۔'' انہوں نے تفصیلاً اسے سمجھایا تھا۔

اور وہ سمجھنے والے انداز میں سر ہلاتا انہیں اتنا پیارا لگا کہ بے ساختہ انہوں نے اس کا سر تھپتھپایا تھا۔

☆☆☆

ہاں زندگی واقعی اس کے اندر مرنے لگی تھی۔

وہ جب تک سروس میں مصروف رہتا تب تک اس کا دھیان بٹا رہتا تھا، مگر جتنی دیر وہ گھر رہتا جان سولی پہ اٹکی رہتی تھی، دل سہما سہما سا رہتا، وہ ہر چیز سے بچنا چاہتا تھا، اس درد سے جو رگوں کو ہر پل چیرتا تھا اور آنسو، آنسو تو اندر جم ہی گئے تھے۔

آنسو ہی اچھا ہوتا ہے
جو چھلک پڑتا ہے
بہہ نکلتا ہے
ورنہ......!
بہت بھاری ہو جاتا ہے
اور......!
اندر ہی اندر
بہت زور سے جا گرتا ہے
دل کے، کے ورم آلود فرش پر

ہاں اس کے آنسو اس کے اندر برف ہو گئے تھے جب اس نے حبا کو رات کو یوں اکثر جاگتے دیکھا اور روتے بھی، وہ سجدے میں گر کر جانے کیا مانگتی تھی؟ وہ لاعلم تھا۔

اس دن اس کے اندر جانے کتنے طوفان اٹھے جب شفق نے اپنے ننھے ننھے ہاتھوں سے اس کے کمرے کا دروازہ پیٹا تھا، ہاں اس نے دستک دی تھی اسید کے دل کے دروازے پہ، جہاں کئی سالوں سے جمی نفرت کی گرد نے کواڑ زنگ آلود کر دیئے تھے، مگر وہ دھیمی سی دستک اپنے اثر میں بڑی زوردار تھی، اس نے یہ زنگ آلود کواڑوں کو کھلنے پہ مجبور کر دیا تھا۔

جب اس نے حبا کو خوفزدہ انداز میں شفق کو اٹھاتے دیکھا اور پھر یوں بلند آواز میں بولتے۔

اس کے اندر جیسے آتش فشاں پھٹنے لگے تھے، کیا وہ اتنا گرا ہوا انسان تھا کہ حبا اس کی بیٹی کو یہ باور کراتی کہ یہ دروازہ کبھی نہیں کھلے گا، کیا وہ اس قدر رذیل تھا؟ کہ اس کی بیٹی اس کی شناخت نہ لے پاتی، وہ کیا تھا، آخر اس کی نظر میں؟ اسے اپنا وجود کیچڑ میں ڈھلا محسوس ہوا تھا۔

وہ خود پہ قابو نہ رکھ سکا تھا اور بے ساختہ اس نے صاف صاف وہ غصہ حبا پر اتار دیا، اس نے اس قدر روکھے اور تلخ لہجے میں کہا تھا کہ کوئی حق نہیں ہے کسی کا؟

ہاں وہ کوئی حق نہیں دینا چاہتا تھا کسی کو، وہ کیوں دیتا کوئی حق؟ جب وہ اسے اپنے گھر میں رکھنے کے باوجود بھی سب سے برا تھا، جب وہ اس کے خیال میں اتنا برا شخص تھا تو وہ کیوں کرتا کچھ بھی، وہ جی بھر کے برا بننا چاہتا تھا۔

وہ اپنے اندر ٹوٹ گیا اور سب سے ہی نہیں خود سے بھی روٹھ گیا، وہ صحیح کہتا تھا زندگی اس کے اندر مرنے لگی تھی، اس کے پاس اپنے کئے ہر عمل کا جواب موجود تھا، مگر وہ کسی کے سامنے جواب دہ نہیں ہونا چاہتا تھا، جب اس کے پاس جواب لینے کے سارے اختیارات تھے تو وہ کیوں دیتا کسی کو جواب۔

وہ اسی طرح اپنی جگہ رہ گیا، اپنے عہدے

اور رتبے کے غرور میں ڈوبا اسید مصطفیٰ فخر کی سب سے بلند چوٹی پہ کھڑا تھا جہاں کوئی اس تک نہیں پہنچ سکتا تھا، وہ کسی کو اپنے قریب نہیں آنے دینا چاہتا تھا اور وہ اپنے تکبر کے بل پہ اس بلندی پہ کھڑا انسان کے روپ سے بدل کر پتھر کے دیوتا میں کب ڈھلتا گیا اسے معلوم ہی نہ ہو سکا۔

اور جب اس نے اپنی واہی، اپنی بیوی کو، حبا کو اس چوٹی کے ساتھ سر پٹختے اور روتے دیکھا تب بھی اس کے وجود میں کوئی انسانی حس نہ جاگی۔

وہ اپنی بلندی سے نیچے نہیں آ سکتا تھا اور جیسے پستی سے گزر کر اس نے یہ معزز مقام حاصل کیا تھا، وہ اپنے سامنے گزرتے انسانوں کو بھی اپنے سے حقیر، بے قیمت اور ارزاں سمجھتے سمجھتے وہ خود کو فرعون بنا بیٹھا تھا وہ اس چیز سے بے خبر تھا، انسان کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ۔

''انسان آخر کار وہی بن جاتا ہے جس سے وہ نفرت کرتا ہے۔''

وہ تیمور سے نفرت کرتا تھا، مگر اختیارات جب اس کے حصے میں آئے تب اس نے بھی تیمور جیسا روپ دھار لیا، وہ تبدیلی لانے، کچھ منفرد کر کے دکھانے کے خواب صرف خواب ہی رہ گئے۔

اور اس کا کردار ایک مصلح سے بدل کر ایک جابر اور ظالم کا بن گیا۔

زندگی میں انسان بہت کچھ تقدیر پر چھوڑتا ہے اور تقدیر بہت کچھ انسان پر چھوڑتی ہے، تیمور نے اسی تقدیر کے سہارے حبا کو اسید کے حوالے کیا تھا اور اسید نے اسی تقدیر سے ٹکرا کر حبا پر زندگی تنگ کی تھی اور حبا نے بھی تو اسی تقدیر کو رد کرتے ہوئے اسید کو اپنا بنانا چاہا تھا۔

وہ اسید کے نام کو ستارے کی مانند اپنی پیشانی پہ سجانا چاہتی تھی، مگر سب کچھ غلط ہو گیا تھا، وہ ستارا تو کیا بنتا، خاک بن کر اس کے سر میں بکھرا اور اسے بھی خاک کر گیا۔

وہ کیا کرتا؟ تنکا تنکا جوڑ کر بنایا گیا اپنا آشیانہ جب بکھرتے دیکھا تو وہ خود پہ قابو نہ رکھ سکا اور سب ختم کر دیا۔

اس نے اپنا یقین کھویا تھا، اپنا وقار کھویا تھا، اسے اپنا نقصان بھولتا ہی نہ تھا، وہ کیسے فراموش کر دیتا کہ اس کا سب سے عزیز دوست، اس کا بھائی اس کا ماموں زاد، اسید اس سے ناراض ہو گیا تھا، وہ دوبارہ کبھی اس سے ملنے کا روادار نہ تھا، اس کے لئے تو یہ دکھ اور صدمے کی آخری تھی، وہ اس نقصان کو کیسے بھولتا؟

اس کی مثال اس شخص جیسی تھی جو قافلے کے آخر میں رہ جائے اور اپنا اکیلا رہ جانے کو محسوس کر کے بدحواس ہو کر اِدھر اُدھر بھاگے اور کوئی رستہ نہ پا کر پاگلوں کی طرح چلانا شروع کر دے، وہ بھی مدد مدد کرتا روتا رہ گیا اور خالی ہاتھ رہ کر اسے احساس ہوا کہ یہ کتنا برا تھا اور کس قدر ذلت آمیز وہ تنہا رہ گیا اور پا پھر کر دیا گیا۔

وجہ صرف اور صرف وہ لڑکی تھی، اسے اپنا دکھ کیسے بھولتا؟ وہ لڑکی اس کے نقصان کی ذمہ دار تھی۔

اس کا مسیحا، اس کا دوست اس کا اسد اسے برا سمجھتا تھا، کتنا بڑا نقصان تھا یہ؟ وہ کبھی نہیں بھول سکتا تھا۔

اور وہ بھولتا بھی کیسے؟ وہ دوبارہ کبھی اسد سے نہ مل پایا تھا، وہ اسے بری طرح یاد کرتا تھا؟ وہ اس سے ملنا چاہتا تھا، اسے اپنے دکھ سنانا چاہتا تھا، مگر اسد کہاں تھا؟ وہ کہاں کھو گیا تھا؟

☆☆☆

وہ ہاسپٹلائزڈ تھا، ڈاکٹرز کا کہنا تھا کہ چوبیس

گھٹنوں تک اسے انڈر آبزرویشن رکھا جانا تھا۔
گولی جس زاویے سے اس کے کندھے کو لگی تھی، خون بہت بہہ چکا تھا، بروقت ہاسپٹل لائے جانے کے باوجود بھی اس کی جان خطرے میں تھی، صدیق شاہ کا دکھ اور غم بے کنار تھا، ان کے دونوں بیٹے ایک دوسرے کی جان کے دشمن بن گئے تھے اور وجہ؟ ان کی آنکھیں ماضی کے دریچوں میں جھانک رہی تھیں۔
''شاہ لاج'' کے اکلوتے بیٹے صدیق شاہ کو محبت ہوئی بھی تو کس سے؟
ایک نیگرو لڑکی سے، جو لندن میں ان کی کلاس فیلو تھی، وہ خود پر حیران ہوتے تھے کہ وہ تو انتہائی حسن پرست تھے پھر ان کا دل اس پہ کیوں آ گیا، بہت غور و فکر کرنے کے بعد وہ جان پائے کہ یہ اس کے کردار اور رویے کی خوبصورتی تھی جو ان کے دل میں کھب گئی، وہ اس سے شادی کرنا چاہتے تھے مگر بدقسمتی، وہ راضی نہ ہوئی، انہوں نے منتیں کر چھوڑیں، مگر اس کی ناں کو ہاں میں تبدیل نہ کروا سکے، ذرا اصرار کر کے وجہ پوچھی گئی تو عقدہ کھلا کہ اسے نیگرس ہونے کا کمپلیکس تھا، وہ سر پیٹ کر رہ گئے، بھلا یہ بھی کوئی وجہ تھی جس پر وہ سوال اٹھا سکتی، انہیں جی بھر کے غصہ آیا۔
وہ اسے ہر قیمت پر منانا چاہتے تھے جبھی ایک دن ٹمیز کی لہروں پر بہتے ہوئے ایک بوٹ کے عرشے کو پکڑے انہوں نے اسے پوچھا کہ وہ کس طرح ان پہ یقین کرے گی؟ جواب اس کا ایسا تھا کہ وہ چند لمحوں تک چپ رہ گئے۔
''اس سمندر کی لہریں دیکھ رہے ہو صدیق؟''
''ہاں۔''
''اگر یہ ساری لہریں مل کر بھی میرا چہرہ دھوئیں تو بھی اس کی سیاہی ختم نہیں کر سکتیں۔'' بات کرتے ہوئے اس کا چہرہ دھواں دھواں تھا، وہ تڑپ کر رہ گئے۔
''مگر یہ غلط ہے۔''
''صحیح تو کہا میں نے، تم نے کبھی سوچا ہے تمہیں میرے ساتھ چلتے دیکھ کر لوگ کیا سوچیں گے؟'' وہ اذیت میں تھی۔
''میں ایسی فضول باتیں نہیں سوچتا۔'' وہ جزبز ہو کر بولے۔
''تو اب سوچنا شروع کر دو۔'' وہ بے نیازی سے بولی۔
''مگر کیوں؟'' وہ سراپا احتجاج بن گئے۔
''کیونکہ میں نہیں چاہتی کہ لوگ تمہارا انداق اڑائیں۔''
''کس کو ہم سے کیا لینا دینا؟ تم پاگل ہو؟'' وہ چڑ گئے۔
''لینا دینا ضروری نہیں ہوتا، ہم جس دنیا میں رہتے ہیں، اس کے لوگوں کے بغیر گزارہ نہیں ہوتا۔''
''کیوں؟ ہم کسی سے لے کر نہیں کھاتے، میرے باپ کا اپنا بزنس ہے، میں خود مختار ہوں۔'' وہ جتانے والے انداز میں بولے تھے۔
''ہر چیز پیسہ نہیں ہوتی۔'' وہ عجیب سے انداز سے کہہ رہی تھی۔
''ہاں..... تم نے ٹھیک کہا، ہر چیز پیسہ نہیں ہوتی، مگر پھر بھی ایک اچھی زندگی گزارنے کے لئے پیسہ بہت ضروری ہوتا ہے۔''
''ہو سکتا ہے۔'' اس نے سر جھٹکا۔
''ہو نہیں سکتا، ہوتا ہی یہ ہے۔'' وہ یقین سے بولا۔
''اس پیسے سے تم کسی کو خرید تو نہیں سکتے۔'' اس نے برا مان کر کہا تھا۔

''خریدنا تو نہیں چاہتا، جیتنا چاہتا ہوں۔'' اس کے لہجے میں حسرت در آئی تھی۔
''ہوں۔'' دولا جواب ہوئی تھی۔
''اور اگر یہ لہریں تمہیں آ کر بتا دیں کہ صدیق نے ان کے ساتھ مل کر تمہارے لئے آنسو بہائے اور پھر ان ہی موجوں سے لپٹ کر جان دے دی تو کیا تب بھی تمہارا فیصلہ یہی رہے گا؟'' وہ اس بار خطرناک لہجے میں جیسے کچھ ٹھان چکے تھے۔
اس نے الجھی ہوئی نظروں سے انہیں دیکھا جیسے مدعا نہ سمجھ پائی ہو۔
''کہنا کیا چاہ رہے ہو؟''
''جو میں کہہ رہا تھا وہ کر کے دکھانے کی چیز ہے۔'' انہوں نے کہتے ہوئے عرشے کے اوپر سے سمندر میں چھلانگ لگا دی۔
اس کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی، اگلے ہی لمحے اس نے حواس میں آتے ہوئے چیخ چیخ کر سب کو اکٹھا کر لیا تھا۔
بروقت طبی امداد ملنے کے سبب ان کی جان بچا لی گئی اور ٹھیک اس سے ایک ہفتے بعد ان دونوں نے سنگاپور میں شادی کر لی۔

☆☆☆

مدتوں سے جسم کے جھولے میں دل
مردہ بچے کی طرح خاموش ہے
اور زندگی.......!!!
اک باؤلی ماں کی طرح
جھولا جھلائے جاتی ہے
پنکھا ہلائے جاتی ہے!!

وہ بھی اپنے مردہ دل کے ساتھ لان کے جھولے میں بیٹھی جھول رہی تھی، رات تاریک اور ٹھنڈی تھی، شاید اس کے نصیب کی طرح ٹھنڈی، اس نے نم آنکھوں سے ٹیرس کے پار دیکھا جہاں تاریکی تھی اور وہ دونوں تھے، اس کی آنکھوں میں جلن تیر گئی۔
اس نے یہ نہیں سوچا تھا کہ وہ دونوں یوں خوش رہیں گے، اسے عجیب سا لگنا بنتا تھا، وہ تو یہی سوچے بیٹھی تھی کہ علینہ اس سے جھگڑے گی، اسے لعن طعن کرے گی، ان کے جھگڑے ہوں گے، ظاہری بات تھی کہ یہ شادی علینہ کی مرضی کے خلاف ہوئی تھی اور جس قدر مضبوط اسٹینڈ اس نے لیا تھا، اگر احمد مغل ہاں نہ کرتے تو گھر کا کوئی فرد پھر چاہے وہ وقار ہی کیوں نہ ہوتے اس کو آمادہ نہیں کر سکتے تھے اور اب وہ کیسے بدل گئی تھی؟
رمشہ احمد حیران تھی، اتنی جلدی وہ کیسے بدل گئی؟ آخر ایسا کون سا جادو پھونکا تھا بخت نے اس پر؟ جو وہ اپنے سارے اختلافات بھلا کر یوں شیر و شکر ہوئے بیٹھے تھے؟ علینہ کا رویہ اس قدر بدل گیا تھا کہ ناقابل یقین لگتا تھا، وہ عجیب سے احساسات کا شکار ہو کر رہ گئی تھی، علینہ ایک مکمل طور پر فرماں بردار بیوی کا رول بڑی خوبصورتی سے ادا کر رہی تھی، اس کی حرکات و سکنات سے قطعاً کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ یہ وہی لڑکی تھی جس نے شادی سے ایک ہفتہ پہلے تک شاہ بخت کی انسلٹ کرنے کی گویا قسم کھائی ہوئی تھی اور اب یوں کہ اس کے منہ میں بس نوالے ڈالنے کی کسر رہ گئی تھی۔
اس کے ساتھ ساتھ سارے ''مغل ہاؤس'' نے بھی انگلیاں دانتوں تلے داب لی تھیں، بات ہی کچھ ایسی تھی۔
شام کی چائے کا وقت تھا، جبکہ آمنہ بھابھی کچن میں کوثل کے ساتھ مل کر چائے بمعہ لوازمات کے تیار کر چکی تھیں، ٹرالی سجائی جا چکی تھی، جب علینہ اندر داخل ہوئی، اس نے ادھر

اُدھر دیکھے بغیر کافی پاٹ نکالا اور کافی میکر آن کرنے لگی، آمنہ نے حیرانی سے کومل کو دیکھا۔

"علینہ! کیا کر رہی ہو؟" انہوں نے پوچھا۔

"کافی بنا رہی ہوں بھابھی۔" اس نے مڑے بغیر جواب دیا۔

"مگر چائے تو بن چکی ہے۔" انہیں اس کے جواب پہ ناگواری ہوئی۔

"آپ کو تو پتا ہے بخت کافی پیتا ہے۔" اس نے ہلکی سی گردن ترچھی کر کے کہا۔

"تو کوئی بات نہیں وہ چائے بھی پی لیتا ہے۔" انہیں مزید برا لگا۔

"مگر شوق سے نہیں۔" اس نے رد کیا۔

"شادی کے اگلے دن ہی تم کام کرنے لگو گی تو انگلیاں ہم پر اٹھیں گی اور میرے خیال سے یہ کوئی اچھی بات نہیں۔" انہوں نے اس بار ذرا تحمل سے کہا۔

"مجھے تو اس میں کوئی برائی نظر نہیں آتی۔" اس نے کندھے اچکا کر لاپرواہی سے کہا۔

کومل اور آمنہ نے ایک دوسرے کا منہ دیکھا اور نظروں میں ایک پیغام دیا، پھر کومل خاموشی سے ٹرالی دھکیلتی باہر نکل گئی۔

اور جب علینہ نے سب کے سامنے اپنے مگ میں جو کہ سفید رنگ کا تھا اور جس کے کنارے گلابی رنگ کے تھے، کافی اسے دی تو سب کی سوالیہ نظریں ٹرالی کی طرف اٹھیں تھیں۔

"شاہ بخت! تمہاری کافی۔" وہ ہلکے سے مسکرائی تھی۔

اور جواباً اس کی مسکان نے بہت سے لوگوں کو معنی خیز نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھنے کے بعد اپنی اپنی چائے کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔

بظاہر یہ ایک معمولی سا واقعہ تھا مگر اس نے مغل ہاؤس کے افراد کی بہت سی غلط فہمیوں کو دور کر دیا تھا۔

اور وہ جو تب تو قعات لگائے بیٹھے تھے کہ بخت اور علینہ کے درمیان کوئی بہت گھمسان کا رن پڑے گا یا کم از کم دو چار معرکے تو روز ہوا کریں گے، مگر اب یہ خام خیالی نظر آتی تھی، آخر وجہ کیا تھی؟ علینہ کی کایا کیسے پلٹ گئی؟ اتنا نمایاں بدلاؤ کہاں سے آ گیا تھا؟ سب ہی حیران تھے اور سب سے زیادہ رمشہ حیران تھی۔

☆☆☆

اب اپنے فیصلے پر خود الجھنے
کیوں لگی ہوں
ذرا سی بات پر اتنا بکھرنے
کیوں لگی ہوں
وہ جس موسم کی اب تک
منتظر آنکھیں تھیں میری
اسی موسم سے اب میں اتنا
ڈرنے کیوں لگی ہوں
مجھے نادیدہ رستوں پر سفر
کا شوق بھی تھا
تھکن پاؤں سے لپٹی ہے تو
مرنے کیوں لگی ہوں
بدن کی راکھ تک بھی
راستوں میں ناں بچے گی
برستی بارشوں میں یوں
سلگنے کیوں لگی ہوں
وہی سورج ہے دکھ کا
پھر یہ ایسا کیا ہوا ہے
میں پتھر تھی تو آخر اب
پگھلنے کیوں لگی ہوں......!

آج پھر اس کی طلبی ہوئی تھی، آج پھر عدالت لگنی تھی، آج پھر اسے اس کے گناہوں کی

فہرست سنائی جانی تھی، آج پھر احتساب کا دن تھا۔

وہ ہمیشہ کی طرح اپنے بستر پہ نیم دراز تھا، آج اس نے اسے بیٹھنے کی آفر نہیں کی تھی۔

"اسد سے تمہاری آخری بار کب ملاقات ہوئی تھی؟" چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اس نے پہلا سوال کیا تھا، وہ حیران ہوئی، اس نے اسد کے متعلق کبھی بات نہیں کی تھی۔

"شفق کی پیدائش پر۔" کچھ دیر سوچنے کے بعد اس نے کہا۔

"شفق!" وہ چند لمحوں کے لئے ساکت رہ گیا، تو اس کی بیٹی کا نام شفق تھا، اسے آج پتا چلا تھا۔

اس کے اندر کوئی چیز کلبلائی تھی، وہ اسے یاد آیا کہ اسے اسد کا فون آیا تھا، اس کے الفاظ اسے اچھی طرح ازبر تھے۔

"کیا بات ہوئی تھی؟" اس نے خود کو سنبھال کر پوچھا تھا۔

"میری تو کوئی بات نہیں تھی ہوئی، ماما پاپا کو ہی دی تھی مبارک باد۔" وہ اسی طرح بنا جھجکے بتا رہی تھی۔

"ہوں اور اس کے بعد؟" وہ کچھ سوچ کر بولا تھا۔

"نہیں اس کے بعد تو نہیں ہوئی۔"

"تمہاری اسد سے آخری بار کیا بات ہوئی تھی؟" اب اگلا سوال ہوا تھا۔

حبا کے اندر ایک سرد لہر اتری تھی، اسے اسد کے ساتھ اپنی آخری بات چیت اچھی طرح یاد تھی، مگر وہ اسید کو کیسے بتائے مسئلہ تو یہ تھا کہ وہ گفتگو کا موضوع اور پھر اسد کا ردعمل اسے اچھی طرح یاد تھا، اس نے اسی وقت ایک فیصلہ کیا تھا کہ وہ اسے کسی قیمت پر نہیں بتائے گی کہ اس کی اسد سے آخری بات کیا تھی؟ کیونکہ اس کے بعد وہ جو اس کا حشر کرتا وہ بھی یقیناً یادگار ہی ہوتا تھا۔

"مجھے یاد نہیں۔" اس نے صاف انکار کر دیا تھا، اسید نے تشکیک سے اسے گھورا۔

"آہاں۔" اس نے بھنویں اچکا کر اسے دیکھا۔

"جی۔" اس نے گھبرا کر سر نیچے گرا کر کہا تھا۔

"ایک بار یاد تو کرو ذرا۔" اس نے سرسراتے ہوئے لہجے میں کہا تھا۔

"مجھے کچھ یاد نہیں۔" اس نے آنکھیں میچ کر نفی میں سر ہلایا تھا۔

"کرو ناں یاد۔" اس نے عجیب سا اصرار کیا تھا مگر لہجہ بہت عجیب تھا، دھمکاتا ہوا، کچھ باور کرواتا ہوا، کہ حبا تیمور کسی بھول میں مت رہنا کہ تمہیں بخش دوں گا، میں تمہاری ہڈیاں توڑ کر اگلوا لوں گا، حبا نے اس لہجے کی ہر ہر پرت کو جان لیا تھا، سمجھ لیا تھا۔

وہ اپنے آپ میں سمٹ سی گئی، جیسے نا چاہتے ہوئے بھی خود کو چھپانا چاہتی تھی، غائب ہو جانا چاہتی تھی، وہ اب اٹھ کر اس کے مقابل آ گیا تھا۔

"کیا بات ہے حبا؟ ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ کوئی بات میرے متعلق ہو اور تمہیں بھول جائے؟" اس نے بڑے یقین سے مضحکہ اڑایا تھا، حبا نے ایک قدم پیچھے ہٹتے ہوئے اسے دیکھا۔

"میں نے کہا نا، مجھے نہیں یاد کچھ بھی۔" وہ وحشت زدہ سی ہو گئی، اسید نے دونوں ہاتھوں سے اس کا چہرہ تھام لیا تھا۔

"مگر میں جاننا چاہتا ہوں کہ تمہاری اس سے کیا بات ہوئی تھی، مجھے بہت دلچسپی ہے یہ جاننے میں کہ آخر ایسا کیا ہوا تھا؟ کیا ڈسکشن ہوئی

تھی تم دونوں کے بیچ، جو وہ مجھ سے بات کرنا تو دور مجھ سے ملنے تک کا روادار نہیں۔" وہ چیختے ہوئے لہجے میں باز پرس کر رہا تھا۔

حبا کے تاثرات میں آنے والا تغیر اس کی گہری نگاہ سے چھپا نہ رہ سکا تھا۔

"میں کچھ پوچھ رہا ہوں تم سے۔" اس نے گرفت مضبوط کر دی تھی، حبا کو اس کے تیز سانس دیکھ کر لگا تھا جیسے کوئی درندہ اپنے شکار کو چیر پھاڑنے کرنے کے لئے آزما رہا ہو، ہاں...... اسے یہی لگا تھا، اس کی آنکھوں میں اترتی سرخی نے حبا کے وجود میں لرزش پیدا کر دی تھی۔

اس کے کھردرے ہاتھوں کی گرفت میں حبا کو لگا اس کے جبڑے کی ہڈی ٹوٹ جائے گی، جسمانی اذیت بھی کیا چیز ہے انسان کو رحم مانگنے پر مجبور کرتے ہوئے بھکاری سے بھی بدتر بنا دیتی ہے جیسے وہ بن گئی تھی۔

"میں...... بتاتی ہوں۔" وہ سسک کر بولی تو اسید نے شدید نفرت سے اسے چھوڑتے ہوئے پیچھے کو دھکا دیا تھا، وہ لڑکھڑا کر کارپٹ پر گر گئی تھی۔

"تم...... (گالی)۔" اس نے ایک غلیظ گالی دی تھی۔

حبا کے کانوں کے پردے پھٹ گئے، اسے پتا تھا اب جو بھی ہو وہ کم ہے، وہ اس کا حشر کرے گا، جبھی اس نے سزائے موت کے قیدی کی مانند اپنے جرم کا اعتراف کرتے ہوئے اسے ساری بات بتا دی تھی، کہ کس طرح اسد گھر آیا اور اس نے حبا سے دریافت کیا تھا کہ حبا اور ان دونوں کا کیا جھگڑا تھا، حبا کے ٹالنے پر وہ بھڑک اٹھا اور اصل بات جاننے پہ اصرار کیا تھا، تبھی حبا نے اسے سب کچھ بتا دیا کہ اسید نے اس پر ہاتھ اٹھایا تھا، جس پر اسد کی حیرانی اور تب اس نے ثبوت کے طور پر اپنے زخموں کے نشان دکھائے تھے اور جب وہ یہ سب سنا رہی تھی تو اسید کے چہرے پر پھیلتے پتھریلے تاثرات اسے اس کے انجام کا پتہ دے رہے تھے، وہ چپ ہو گئی اور اسید جامد۔

"تم نے ایسا کیوں کیا حبا؟ تم نے اسد کو مجھ سے کیوں چھینا؟" وہ اس کے پاس بیٹھ کر بے بسی اور کرب سے بولا تھا۔

"میں نے نہیں چھینا، میں نے کچھ بھی نہیں کیا، مجھے کچھ نہیں پتا۔" وہ سر گھٹنوں میں دے کر ہذیانی انداز میں چلا رہی تھی۔

"میں نے کب یہ سب چاہا تھا؟ میں نے تو آپ کی چاہ کی تھی، ان قدموں کی، کہ یہ میرے ساتھ چلیں، دور تک، راستے کے اختتام تک، منزل تک، میں نے تو ان ہاتھوں کی چاہ کی تھی کہ یہ میری رہنمائی کریں، مجھے اپنے ساتھ محبت کی دنیا میں لے جائیں، ہاں میں نے جسم کی چاہ کی تھی مجھے آپ کے خوبصورت وجود سے پیار تھا، آپ کی آنکھوں سے محبت کی تھی، کہ ان میں مجھے نور نظر آتا تھا، میں نے ان ہونٹوں سے محبت کی تھی جو مجھے دیکھ کر مسکراتے تھے، میں نے اس خوبصورت جسم کے اندر موجود اس دل سے عشق کیا تھا، جو بہت خاص تھا، مگر میرے جیسے کیا آپاؤ ساری دنیا کو اکٹھا کریں تا کہ سب دیکھ لیں کہ حبا تیمور کا انجام کیا ہوا؟ جن قدموں نے مجھے منزل تک لے کے جانا تھا، ان سے بس ٹھوکریں میرا مقدر بنیں، جن ہاتھوں نے میری رہنمائی کرنا تھی انہوں نے مجھے ذلت کی کھائی میں پھینک دیا، جن آنکھوں میں مجھے اپنے لئے خوشی، نور اور انس نظر آتا تھا وہاں اب صرف وہاں میرے لئے حقارت و نفرت ہے، جن لبوں پر بھی خلوص، ہمدردی اور پیار کے نغمے تھے اب وہاں صرف نفرت، تذلیل اور غلیظ گالیاں ہیں اور بس......

اس گھر میں رکھوالی کرنے والے کتے ہیں، جنہیں ہفتے میں کئی بار آپ نرمی سے سہلاتے ہیں، ان کی خوراک کے بارے میں دریافت کرتے ہیں، خدا کی قسم! وہ مجھ سے بہتر ہیں، مجھے تو ایک ترحم بھری نظر تک نصیب نہیں ہے، ہر شخص دیکھ لے کہ حبا تیمور آج خالی ہاتھ خالی دل لئے ایک بھکارن بن گئی ہے۔"

"کاسہ دل خالی ہے صاحب! اک سکہ محبت کا سوال ہے۔" وہ اس کے پیروں پہ سر رکھے بلک رہی تھی۔

☆☆☆

وہ اس سے شادی کر لائے، اس کے کردار سے محبت کرتے تھے تا جبھی چہرہ نہیں دیکھا تھا، مگر باقی لوگوں نے تو صرف چہرہ ہی دیکھا تھا، انہیں ڈکٹیٹ کیا جانے لگا کہ وہ غلط کر چکے تھے، دوست احباب نے باور کروانا شروع کر دیا کہ یہ شادی تا دیر نہ چلے گی اور ناپسندیدگی کا اظہار کھلم کھلا کیا جانے لگا۔

وہ صدیق احمد، اپنے فیصلوں میں بڑے اٹل تھے، انہوں نے سب کی مخالفت اور ناپسندیدگی کو خاطر میں لائے بغیر ایک شاندار پارٹی دی تھی اور پھر اس کے بعد باقاعدہ طور پر اسے ساتھ آفس لے جانا شروع کر دیا تھا، وہ روایتی مرد بن کر اسے گھر میں قید نہیں کرنا چاہتے تھے، جبکہ وہ آزاد ماحول کی پروردہ اور ورکنگ لیڈی تھی، ان دونوں نے مل کر اپنے پہلے ہوٹل کی بنیاد رکھی تھی۔

دونوں ہی بزنس مائنڈڈ اور ذہین تھے، مستزاد انڈر اسٹینڈنگ کمال کی تھی، کامیابی نہیں دروازے پہ دستک دی اور انہوں نے اسے کھلی بانہوں سے خوش آمدید کہا تھا، وہ ترقی کے زینے چڑھنے لگے۔

ایک سال بعد ان کے ہوٹل کا شمار شہر کے بہترین ہوٹلز میں ہونے لگا تھا اور تب ہی وہ امید سے ہو گئی، دونوں ہی بے حد خوش تھے، اس موقع پر صدیق نے انہیں بالکل آفس آنے سے منع کر دیا تھا اور صحیح معنوں میں ان کو ہر طرح سے پرسکون ماحول دینے کی کوشش کی تھی۔

دوسری طرف وہ بے حد مضطرب اور خوف کا شکار تھی، وہ ایک مخلوط نسل کو جنم دینے جا رہی تھی، کچھ بھی ہو سکتا تھا، وہ بچہ اس کا پرتو ہوا تو......؟ اور اس تو کے آگے کا جواب اس کی راتوں کی نیند اڑا چکا تھا۔

اپنے اسی کمپلیکس کی وجہ سے اس نے گھر بھر دیا تھا، تصاویر سے اور تصاویر بھی کیسی؟ سرخ و سفید ننھے منے خوبصورت بچوں کی تصاویر، یہاں وہاں ہر جگہ لگا دیں تھیں اس نے۔

اس کے پیچھے ایک بہت بڑی وجہ تھی، اس نے ایک نفسیات دان سے مشورہ کیا تھا، جسٹ سمپل سا ایک سوال تھا۔

I want a fair baby?

جواباً اس نے امکان ظاہر کیا تھا، کہ نفسیات میں ایسے کیسز سامنے آ چکے تھے کہ جس چہرے یا تصویر کو ماں ڈلیوری ڈیوریشن میں مسلسل روٹین میں دیکھتی رہتی تھی وہ کہیں نہ کہیں آنے والے بچے پر اثر انداز ہوتا تھا۔

یہ سب باتیں اس نے صدیق سے چھپائی تھیں، وہ اس کے وہم کا مذاق اڑاتا یقیناً، مگر وہ اپنے احساس کمتری کا کیا کرتی؟ جبھی اس نے ہر چیز پہ سفید رنگ پھر وا دیا تھا۔

اور پھر اس نے دو جڑواں بیٹوں کو جنم دیا تھا، خدا کی قدرت کا نظارہ سارے ہسپتال نے دیکھا تھا۔

سرخ و سفید سبز آنکھوں والے خوبصورت

بیٹے! نوفل بن مصعب، طلال بن مصعب! صدیق احمد تو خدا کے آگے سجدہ ریز ہو گئے تھے، ان پر رب رحیم کتنا مہربان تھا اور ان کے ساتھ وہ بھی حیرت و خوشی سے جیسے پاگل ہونے کو تھی، مگر خوشی کے لمحات میں بھی وہ خدا کا شکر ادا کرنا نہ بھولے تھے۔

☆☆☆

وہ آشنائی اسے یاد ہی نہ ہو شاید
وہ جس کے نام پہ سب ماہ و سال کرتے ہو

اس نے آنکھیں کھول کر اردگرد دیکھا، ایک عمیق خاموشی نے ہر چیز کو گھیرے میں لیا ہوا تھا، ہلکی سی روشنی میں اس نے کمرے کے چاروں طرف نگاہ دوڑائی ہر چیز ساکن تھی۔

اس نے اپنے خاموش سیل فون کو دیکھا، کوئی میسج، کوئی پیغام نہیں تھا، کوئی کال اور مسڈ کال نہ تھی اور وہ شخص کس قدر بے خبر تھا جبکہ اسے یہاں آئے آج دوسرا دن تھا اور اماں، ابا کی سوالیہ نگاہیں مسلسل اس کا پیچھا کرتی تھیں اور وہ شاید سچ مچ اس کے لئے اتنی غیر اہم تھی کہ وہ اسے بالکل بھول گیا تھا، اس کا دل سلگ اٹھا تھا، باہر ہلکی ہلکی بولنے کی آواز آ رہی تھی، اماں شاید ابا سے باتیں کر رہی تھیں، ان کی آواز میں ہلکا سا طیش تھا، اسے دکھ ہوا، یقیناً اسی کا موضوع زیر گفتگو تھا، اس نے کروٹ بدلتے ہوئے لحاف اوپر کھینچ لیا، ہلکی سی چرر کی آواز کے ساتھ دروازہ کھلا، اب یقیناً وہ اسے سمجھانے آئیں تھیں، اس نے اندازہ لگایا، اس نے خود کو سوتا ظاہر کرنے کے لئے آنکھیں بند کر لحاف میں کچھ اور بھی منہ دے لیا۔

قدموں کی چاپ رکی، دروازہ بند ہوا جس کے کھلنے سے ٹھنڈی ہوا کا ایک جھونکا اندر آیا تھا، اب پھر سے وہی خاموشی چھا گئی اور اس میں قدموں کی چاپ اس کے نزدیک آ گئی، پھر کوئی اس کے بستر پہ بیٹھ گیا، اسے عجیب سا احساس ہوا تھا، آہستگی سے لحاف اس کے چہرے سے اتر گیا، اس نے آنکھیں میچ لیں، ایک خوشبو اس کے چاروں طرف پھیلی تھی، وہ اس مہک کو جانتی تھی، ستارہ کی بند آنکھوں کے آگے تاریکی کچھ اور بھی بڑھ گئی تھی، تو کیا وہ آ گیا تھا؟ اس نے سوچا۔

''تارا......!'' ایک دل میں اترتی آواز آئی تھی، اس کا دل دھڑک اٹھا دل کی تیز آہٹ پر، یوں دھڑکنے سے، کون روک سکتا ہے۔

بے بسی محسوس ہو رہی تھی، نرمی اور محبت سے ایک ہاتھ نے اس کا گال چھوا، وہ ہلکا سا کسمسائی، یہ لمس اس کا جانا پہچانا تھا۔

''میری طرف نہیں دیکھو گی؟'' مدھم آواز التجا ہوئی تھی۔

''نہیں دیکھوں گی۔'' وہ بے ساختہ بول اٹھی۔

''پلیز ایک بار۔'' وہ التجا بڑھ گئی۔

''چلے جاؤ یہاں سے۔'' وہ رونے کے قریب ہو رہی تھی۔

''مجھے نہیں دیکھو گی؟ اپنے نوفل کو۔''

''نہیں...... نہیں۔'' وہ رو رہی تھی اور اس کے دل پر یہ آنسو تیزاب کی مانند گرے۔

''مت روؤ تارا۔'' اس نے ہاتھ کی پشت سے اس کے آنسو صاف کیے۔

''میری قسمت میں بس آنسو ہی تو آئے۔'' وہ اور شدت سے رونے لگی۔

''نہیں، ایسا نہیں ہے۔'' وہ تڑپ اٹھا تھا۔

''اور دھوکہ۔'' وہ کرب میں تھی۔

''پلیز۔'' اسے شرمندگی محسوس ہوئی تھی۔

''ہاں، بس دھوکہ ہی کھایا میں نے۔''

''میں تم سے پیار کرتا ہوں تارا۔'' اس کے

ہاتھوں نے نرمی سے اس کے شانے دبائے تھے۔

''محبت جھوٹ بولنا نہیں سکھاتی۔'' اس نے ماننے سے انکار کر دیا تھا۔

''میں کیا کرتا، میں مجبور تھا۔'' وہ انگلی کی پور سے اس کی آنکھیں چھو رہا تھا۔

''مجبور؟'' اس نے تڑپ کر آنکھیں کھول دیں، وہ جیسے قربان ہو گیا، بے ساختہ اس نے جھک کر اس کی آنکھوں کو چوما، وہ شپٹا گئی۔

''جان ہو تم میری۔'' وہ والہانہ انداز میں بول رہا تھا، تارا ایک ٹک اسے دیکھتی، وہ نوفل تھا، تارا کا نوفل۔

''میں تمہاری جان نہیں ہوں۔'' وہ اس کے ہاتھوں کو جھٹکنا چاہتی تھی، نوفل نے اسے اس کوشش میں ناکام بناتے ہوئے دباؤ کچھ مزید مضبوط کر دیا تھا۔

''مرد کبھی مجبور نہیں ہوتا۔'' وہ تلخی سے کہہ رہی تھی، وہ خاموش اسے دیکھتا رہا۔

''گھر چلو تارا۔'' اس نے تارا کی بات کو نظر انداز کر دیا تھا۔

''وہ میرا گھر نہیں ہے، وہ تمہارا گھر ہے اور مجھے وہاں نہیں جانا۔'' وہ مضبوط لہجے میں بولی جس میں احساس کمتری کی جھلک نمایاں تھی۔

''فضول بات ہے، تنگ نہ کرو۔'' وہ مدھم آواز میں بولا تھا۔

''میں تم سے بات بھی نہیں کرنا چاہتی، تنگ کرنا تو دور کی بات، تم نے مجھے دھوکہ دیا ہے، میرے نزدیک تم میں اور مہروز میں کوئی فرق نہیں۔'' اس کے ہر لفظ سے نفرت ٹپک رہی تھی، وہ ششدر رہ گیا۔

''ہاں صحیح کہا تھا تم نے، مہروز ایک عظیم انسان تھا، میں کہاں اس کی برابری کر سکتا ہوں،

کتنے عظیم مقاصد تھے اس کے؟ یاد ہیں نا تمہیں؟'' اس کی آنکھیں لہو رنگ ہو رہی تھیں، ستارہ نے کچھ بولنا چاہا مگر اس نے وہیں ٹوک دیا اسے۔

''بس، اب میری بات سنو، کیا چاہتا تھا وہ؟ تمہیں نمائش کی چیز بنا کر بل بورڈز پر سجانا چاہتا تھا، تمہیں کلبز میں لے کر جاتا تھا، تمہیں گالیاں دیتا تھا، تم پر ہاتھ اٹھاتا تھا، ہاں وہ واقعی بہت عظیم انسان تھا، میں بہت گرا ہوا انسان ہوں، عظمت کے اس مینار پہ نہیں جا کے بیٹھ سکا جس پر وہ بیٹھا تھا، میں ہوں ایک چھوٹا انسان، جس نے تمہیں عزت دینے کی کوشش کی، تحفظ دینے کی کوشش کی، تمہارے لئے قانون توڑا، اپنا آپ مٹا دیا، سب چھوڑ چھاڑ کر اس تھرڈ ورلڈ کنٹری کے اس کراوڈ ڈسٹی میں سروائیو کرنے کی کوشش کر رہا ہوں، تو یقیناً یہ بھی کسی سازش کا حصہ ہے، ہاں میں بہت ذلیل شخص ہوں دھوکے باز ہوں، کچھ باتیں چھپائی تھیں تم سے، مگر مقصد کسی قسم کا مضحکہ اڑانا یا لطف لینا نہ تھا، کچھ ''اور'' تھا، مگر تم نے......

تم نے کچھ جاننے کی کوشش نہیں کی، صرف اپنا فیصلہ سنایا اور گھر چھوڑ کر آ گئیں۔'' اس نے ایک بار سارے سوالات کا جواب رکھ دیا تھا۔

''مجھے تمہاری دلیلیں نہیں چاہیے، جب دل ہی راضی نہیں تو میں تمہاری کوئی بھی بات کیوں سنوں؟'' اس نے کوئی اثر لئے بغیر کہا اور آنکھیں پھر سے بند کر لیں، نوفل کے دل پہ جیسے چھری چل گئی، وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

''محبت کو دلیل کی ضرورت نہیں ہوتی۔'' اس نے قدرے افسوس سے کہا تھا۔

''پتا نہیں کون سی محبت کی بات کرتے ہو؟ مجھے تو کچھ بھی یاد نہیں۔'' اس نے صاف انکار کر دیا۔

وہ جواب تک بہت دب کر، جھک کر باتیں کر رہا تھا کہ شاید نرمی و محبت سے وہ اسے منا سکے، جب اس نے تارا کو اسی طرح اپنی جگہ سختی سے جمے اور ڈٹے دیکھا تو سب کچھ بیکار جاتا محسوس ہوا تھا، وہ اس کو منا نہیں سکا تھا، نہ سمجھا سکا تھا، وہ ناکام ہو گیا تھا۔

اور نوفل صدیق احمد ناکام نہیں ہو سکتا تھا، وہ ناکامی افورڈ ہی نہیں کر سکتا تھا، جب اتنے بڑے بڑے معرکے اس نے جیت لئے تھے تو پھر وہ اس مقام پر کیسے ہار سکتا تھا؟ مگر اس لمحے اس نے بغیر کسی رد و کد کے واپس جانا زیادہ مناسب سمجھا تھا، اس میں کیا مصلحت تھی؟ یہ صرف وہی جانتا تھا۔

☆☆☆

''مغل ہاؤس'' میں سب لوگ سونے کے لئے جا چکے تھے، مگر بخت نہیں، اسے امی نے اپنے کمرے میں بلایا تھا، پتہ نہیں کیا عجیب بات تھی اس گھر کے مکینوں کو کیا مسئلہ تھا، شاید علینہ کا مسئلہ ہی سب کے نزدیک اتنا اہم تھا کہ سب اپنے کام، اپنی مصروفیات چھوڑ کر اس کے پیچھے پڑ گئے تھے، آخر ایسا کیا کر لی تھی وہ؟

وہ خود بھی بے خبر تھا، کہ اسے تو بس اس بات کی خبر تھی کہ صبح وہ جاگتا تو عینا اس کے بازوؤں میں ہوتی، سر اس کے شانے پہ دھرے، ہاتھ اس کے گرد لپیٹے وہ بہت سکون سے سو رہی ہوتی تھی، بہت دفعہ شاہ بخت کے لئے فیصلہ مشکل ہو جاتا تھا کہ وہ اسے دیکھتا رہے یا پیار کرے؟ اور اب اس نے بخت کو اپنے اس طرح عادی بنایا تھا کہ وہ خود حیران تھا۔

وہ اسے جگاتا تو وہ ہنستی ہوئی جاگتی، نیم وا آنکھوں سے اسے دیکھتی ہوئی کہتی۔

''سونے دو ناں۔'' وہ نثار ہو جاتا اور اس کو خود میں سمو کر کہتا۔

''سو جاؤ ناں۔'' پھر جب اسے لگتا کہ وہ مزید تاخیر کا شکار ہو جائے گا تو وہ نرمی سے اس کے بالوں میں انگلیاں چلاتے ہوئے لب اس کے کانوں پہ رکھ دیتا۔

''علینا! جان اٹھ جاؤ ناں۔'' وہ ہلکا سا کسمسا کر آنکھیں کھولتی اور پھر بند کر لیتی۔

''بہت نیند آ رہی ہے۔'' اس کا خوابیدہ سا جملہ وہ اپنے کانوں میں سنتا۔

''میری جان کو کتنی نیند آتی ہے؟'' وہ پیار سے اسے گدگداتا تو وہ خفا خفا سی اٹھ بیٹھتیں، اسے کندھوں سے تھامے وہ واش روم لے جاتا، واش بیسن کے آگے اسے کھڑا کر کے وہ ٹیپ چلاتا اور ٹوتھ برش پہ پیسٹ لگا کر اسے پکڑاتا اور پھر خود بھی برش کرنے لگتا، کبھی پانی کی بوندیں اس کے چہرے پہ گراتے ہوئے اسے تنگ کرتا تو وہ ہنستی چلی جاتی، کبھی کبھی وہ حیران ہوتا پتہ نہیں عینا اتنا ہنستی کیوں تھی؟ پہلے تو کبھی اس نے اسے اس طرح بے ساختہ اور بے اختیار ہنستے ہوئے نہیں دیکھا تھا، پھر وہ اس کے کپڑے اسے سیٹ کر کے دیتی اور جب تک وہ شاور لے کر باہر آتا وہ کمرے کو اصل حالت میں لا چکی ہوتی تھی، پھر اس کی تیار ہونے میں مدد کرنے لگی جاتی، وہ اسے دیکھی جاتا، اکثر اس کی ڈھیلی سی شرٹ اور اپنا ٹراوزر پہنے وہ اس کی ٹائی سیٹ کر رہی ہوتی تو وہ ہنسی روکتا ہوا اسے چھیڑتا۔

''غلط باندھ رہی ہو یار۔''

''اف فو...... تم تو چپ کرو۔'' وہ جھلا کر بولتی۔

''یہ نائٹ سوٹ بہت پیارا ہے تمہارا۔'' وہ اسے تنگ کرتا، وہ خفا سی اسے نظر اٹھا کر گھورتی وہ پھر ٹائی سے الجھنے لگی۔

''مجھے یہ اچھا لگتا ہے۔'' اس نے بخت کی شرٹ کی طرف اشارہ کیا جسے وہ پہنے ہوئے تھی۔

''اور مجھ تم۔'' بخت نے بے اختیار اس کی پیشانی کو چوما، عینا کی آنکھیں جھلملا سی گئیں، وہ اس کے لرزتے ہونٹوں کی جنبش سے جان لیتا پھر بے ساختہ اسے سینے سے لگا کر کہتا۔

''کیوں رونا آیا؟''

''بس ویسے ہی۔'' وہ اپنی سرخی بھری ناک کو رگڑتی اور پیچھے ہٹنے لگتی۔

''کیا ویسے ہی؟'' وہ اس کا چہرہ اوپر کرتا، دونوں کی نگاہیں ملتیں، وہ اس کو دیکھتا رہتا۔

''تم جان ہو میری، جان بخت۔'' وہ اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں لے کر محبت سے یقین دلاتا تو وہ نم آنکھوں کے ساتھ سر ہلا کر آگے بڑھتی اور اچک کر اس کی پیشانی پہ ہونٹ رکھ دیتی، شاہ بخت کے اندر زندگی اتر آتی، وہ اس سے بے تحاشا پیار کرتا تھا اور اس پیار کا بے تحاشا اظہار بھی کرتا تھا، مگر عینا بھی تو کرتی تھی، بہت بہت پیار۔

وہ بال بنانے لگتا تو وہ بھی شاور لینے چلی جاتی، وہ اپنی فائلز سیٹ کرنے لگتا آفس بیگ میں، موبائل چیک کرتا، ضروری چیزیں رکھتا جب تک وہ شاور لے کر آ جاتی اور شاہ بخت آج کل اس دنیا میں کب تھا وہ تو ستاروں پہ قدم دھرے کہکشاؤں کی دنیا میں تھا، خوشی اس پر نور بن کر برس رہی تھی، وہ خوبصورت سے خوبصورت تر ہوتا جا رہا تھا۔

(باقی آئندہ)

بارھویں قسط

''شاہ بخت!'' کے ہاتھوں ہونے والا وہ ایکسیڈنٹ کسی عام راہگیر کا نہیں تھا، ''اسد عمر'' کا تھا جس نے ایس پی اسید مصطفیٰ کو اس حد تک مشتعل کیا تھا کہ وہ ہر حد بھول گیا تھا، اسد کی حالت نازک تھی اور اس کے ہاسپٹل میں ایڈمٹ ہونے کے بعد مسلسل وہ اس کے پاس ہی رہا تھا، اسد کو کافی زیادہ چوٹیں آئی تھیں اور خون بہت بہا تھا اور اس بہنے والے خون کا بدلہ اس نے بہت اچھے طریقے سے لیا تھا، اس نے شاہ بخت کا حشر نشر کروا دیا تھا۔

حالانکہ وہ جانتا تھا کہ بخت کا تعلق ایک اثر و رسوخ رکھنے والی فیملی سے تھا اور اگر وہ چاہتا تو بڑی آسانی سے ایس پی اسید مصطفیٰ کو اچھی خاصی مشکل میں ڈال سکتا تھا، اگرچہ اس بات کا ثبوت کہیں نہیں تھا مگر اس کے باوجود وہ اس فیلڈ میں ہونے کی بناء پر جانتا تھا کہ شاہ بخت کی فیملی کو

ناولٹ

ثبوتوں کی ضرورت نہیں ہوگی، وہ کون سا کورٹ جانا چاہتے ہوں گے؟ مگر اس کے باوجود وہ یقیناً اسید مصطفیٰ کی جاب کو خطرے میں ڈال سکتے تھے، وہ اس حقیقت سے باخبر تھا مگر مسئلہ تو یہ تھا کہ اب کچھ ہو نہیں سکتا، کمان سے تیر نکل چکا تھا، اب تو جو بھی ہونا تھا وہ اس کے بے داغ سروس ریکارڈ پہ ایک ان مٹ دھبہ ہونا تھا، مگر بہت حیرت انگیز بات ہوئی، بخت نے کوئی قدم نہ اٹھایا تھا، کئی دن گزر گئے، اسے انتظار ہی رہا کہ اسے ہائی اتھارٹی سے کوئی کال آئے گی اور اس کی فرد جرم پڑھ کر سنائی جانے لگے گی۔

مگر ایسا کچھ نہ ہوا تھا، اس کا انتظار، انتظار ہی رہ گیا اور اسد ٹھیک ہو کر گھر آ گیا اور یوں جب وہ پہلی بار ان کے گھر آیا تو اس نے حبا کو صاف ستھرے لباس میں نک سک سے تیار دیکھا اور اس کی بیٹی کو بھی، تو نجانے کیوں اس کے اندر
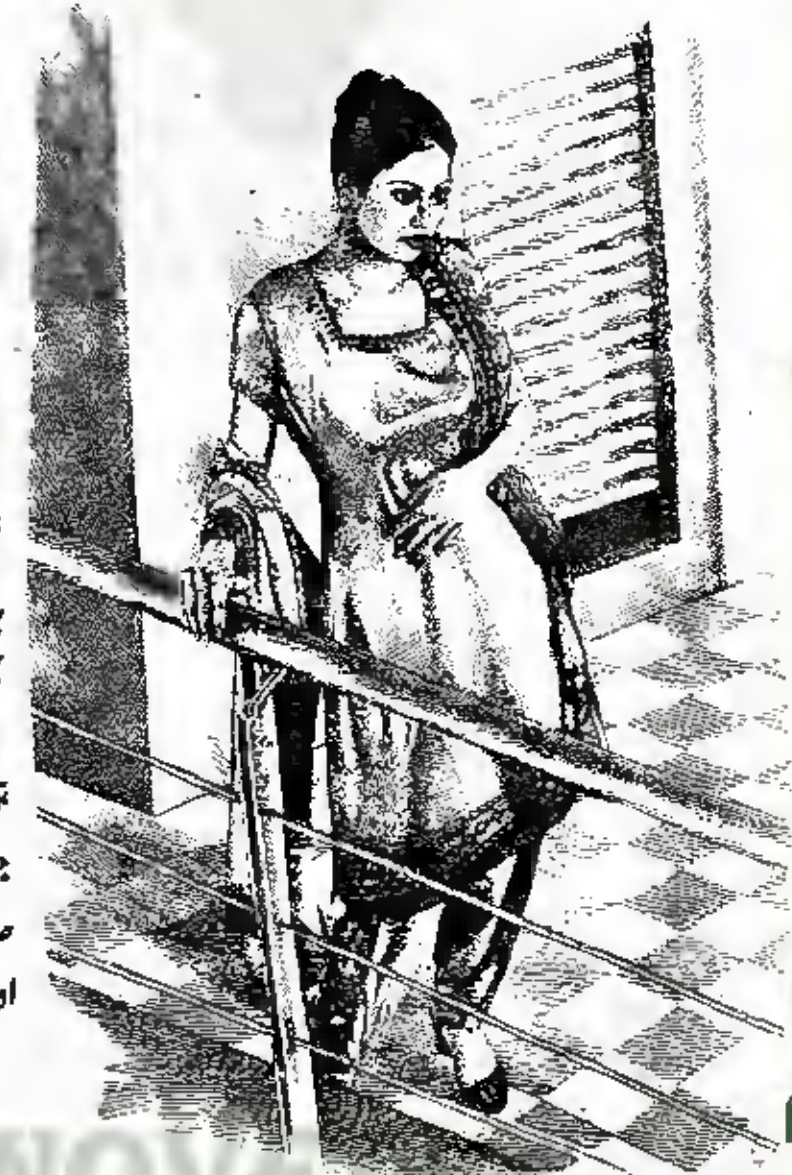
ایک سکون اترا تھا، اس نے اسید کو دیکھا جو نارمل انداز میں حبا کو کھانا لگوانے کو کہہ رہا تھا، اب اس کو یقین آ گیا تھا کہ بہت کچھ بدل گیا تھا۔

اسید مصطفیٰ نے سمجھوتہ کرلیا تھا، وہ سمجھ داری کی راہ پہ چل نکلا تھا، اس کے اندر اطمینان اتر آیا تھا، انہوں نے ایک پرسکون ماحول میں کھانا کھایا تھا، شفق کو سلانے کے بعد حبا لاؤنج میں چلی آئی جہاں وہ دونوں گزرے زمانوں کی گفتگو میں مگن تھے، وہ انہیں مصروف دیکھ خاموشی سے کافی بنانے کے لئے مڑ گئی، وہ کافی لے کر آئی تو اسید کے چہرے پہ ایک مسکراہٹ آ گئی تھی۔

"تھینک یو سو مچ حبا، واقعی کافی پینے کا بہت دل کر رہا تھا۔" اس نے کپ تھامتے ہوئے اس کو ساتھ بیٹھنے کا کہا تھا اور وہ بیٹھ گئی، اسد نے بھی دونوں کو ساتھ بیٹھے دیکھا تو شرارت سوجھی تھی۔

"اسید یاد ہے حبا کتنا اچھا گانا گایا کرتی تھی، حبا آج کچھ سناؤ ناں۔" اسد نے فرمائش کی تو حبا نے حیرانی سے اسے دیکھا۔

"گانا؟" اس نے اسید کو دیکھا تو اس نے بھی سر ہلا کر گویا تائید کی تھی، اب تو گویا فرض ہو چکا تھا، اس نے آہستگی سے گلا صاف کیا اور بولنا شروع کیا۔

"تم کو دیکھا...... تو خیال آیا۔" وہ اٹک اٹک کر بولی تھی۔

"زندگی...... دھوپ...... زندگی...... دھوپ۔" اس نے اٹک کر پھر سے دہرا کر بے بسی سے اسید کو دیکھا، جیسے اگلا مصرعہ بھول گئی ہو، اسید نے سیکنڈز میں اس کا مدعا سمجھا تھا، اس نے بازو اس کے گرد لپیٹ کر اسے ساتھ لگا لیا، اسد کی ہنسی بے اختیار تھی۔

"بولو ناں یار...... زندگی دھوپ تم۔" اسید نے اسے حوصلہ دیا تھا، حبا نے اس کو دیکھتے ہوئے جملہ مکمل کیا تھا۔

"گھنا سایہ۔"

"ویری نائس۔" اسد نے ہنس کر کہا تھا۔

"تھینک یو۔" اسید نے مسکرا کر اسے کہتے ہوئے ذرا سا پیچھے ہٹ کر ٹیک لگا لی تھی اور بالکل سامنے بیٹھے اس کے ماموں زاد "اسد عمر" نے ایک ہی فیملی کا سین بڑے مطمئن دل کے ساتھ دیکھا تھا، وہ نہیں جانتا تھا کہ اسید بھی اسے یہی کچھ دکھانا چاہتا تھا۔

اور شام گھر جا کر اس نے مرینہ کو فون کر کے کہا تھا کہ "ہاں آپ نے ٹھیک کہا تھا، اسید بدل گیا ہے وہ سمجھ دار ہو گیا ہے اور اس نے سمجھوتہ کرنا سیکھ لیا ہے۔" یہ سب کہتے ہوئے خوشی اس کے لہجے سے کھنک رہی تھی۔

☆☆☆

زندگی میں کچھ بیماریاں روح کی ہوتی ہیں، ہر بیماری کا تعلق جسم سے ہوتا تو شاید کوئی مسئلہ اس دنیا میں جنم ہی نہ لیتا اور زندگی میں خوشی و خوشحالی کا دور دورہ ہوتا، نفسیات دان آج تک اس بات پہ حیران ہیں کہ بچپن کی تربیت ہی انسان کی شخصیت بناتی اور سنوارتی ہے اور یہی کمیاں اور خامیاں اس کی پوری زندگی کو گہنا بھی دیتی ہیں۔

بہت دفعہ تو نفسیات بھی اس بات کا پتہ نہیں لگا پاتی کہ آخر انسانی دماغ کے ایسے کون سے راز ہیں جن کی بناء پر وہ اپنی زندگی میں ایسے حیران کن قدم اٹھاتا ہے کہ عام حالات میں وہ ان کا تصور بھی ذہن میں نہیں لا سکتا۔

طلال بن مصعب اور نوفل بن مصعب! دو خوبصورت چہرے، دو خوبصورت نام!

دونوں نے اپنے گھر اپنے بے تحاشا خوبصورت باپ اور نیگرو ماں کو دیکھا تھا اور ان کی ماں اگرچہ سیاہ فام تھی مگر اس کے باوجود یہ ان کے باپ کا دیا گیا اعتماد ہی تھا کہ جب وہ میٹنگز میں، بزنس ڈیلنگز میں اور پریزنٹیشن ہال میں بولتی تھی تو بڑے بڑوں کو چپ کروا دیتی تھی۔

طلال کو اپنی ماں سے نفرت تھی، وہ اس سے خوف کھاتا تھا، وہ ہمیشہ سے گھر سے دور رہنا چاہتا تھا، اسے یہ تضاد بہت کھلتا تھا کہ وہ تینوں باپ بیٹے اس قدر خوبصورت تھے تو ان کی ماں کیوں نہیں؟

بچپن سے ہی وہ گھر سے دور ہوسٹل میں پناہ گزین ہو گیا، وہ کسی کو بھی اپنی پہچان نہیں دینا چاہتا تھا اس کو یہ خوف تھا کہ وہ اپنی ماں کی شناخت کو کس طرح فیس کرے گا، اس نے ہمیشہ اپنے دوستوں کو گھر سے دور رکھا تھا، اس کی کوشش ہوتی تھی کہ وہ چھٹیوں میں بھی گھر نہ آئے اور باپ اور بھائی سے باہر ہی کسی طریقے سے مل لے اور بہت جلد اس چیز کا احساس صدیق احمد شاہ کو بھی ہو گیا تھا۔

اور اس احساس کی آگہی نے ان کے اندر سناٹے بھر دیئے تھے، وہ آج کل چھوٹی چھوٹی باتیں نوٹ کرتے تھے، کہ جب وہ ٹیبل پہ کھانا کھانے آتے تو طلال کو اچانک کوئی ضروری کام یاد آ جاتا، کبھی اس کا فون بج اٹھتا تو کبھی اس کو اچانک پتا لگتا کہ اس کی بھوک مر گئی تھی۔

وہ بھی ایسا ہی ایک دن تھا، نوفل تو ہمیشہ سے ان کے ساتھ کھانا کھایا کرتا تھا، تبھی وہ ماما، پاپا کا انتظار کر رہا تھا مگر ان کے آنے سے پہلے ہی طلال آ گیا، وہ دونوں اس وقت اولیولز میں تھے، اس نے آتے ہی بھوک بھوک کا شور مچا دیا تھا، بٹلر نے فوراً کھانا لگانا شروع کر دیا، اسی وقت ماما اور پاپا بھی آ گئے فریش ہو کر، نوفل کو خوشی ہوئی کہ کافی عرصے بعد آج وہ اکٹھے ہو کر کھانا کھائیں گے، جبکہ طلال کے وہی کام، اس نے جیسے ہی ان دونوں کو آتے دیکھا، کرسی دھکیل کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"کیا بات ہے طلال؟ کدھر جا رہے ہو؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"دل نہیں چاہ رہا۔"

"مگر ابھی تو تم کہہ رہے تھے کہ......" نوفل حیرت سے بولنے لگا مگر طلال کی سرد نظروں نے اسے وہیں چپ کروا دیا تھا۔

"طلال! کیا بات ہے بیٹا؟" اس کی ماما نے نرمی سے کہا، طلال نے ان کی بات کا جواب دینا گوارہ نہیں کیا تھا۔

"کیا ایشو ہے تمہارے ساتھ؟" پاپا نے قدرے بگڑے ہوئے لہجے میں کہا تھا۔

"کوئی ایشو نہیں ہے۔" اس نے اکھڑے ہوئے انداز میں کہا۔

"تو پھر بیٹھ جاؤ۔" انہوں نے کہا۔

"نہیں بیٹھنا چاہتا میں۔" اس نے ضدی انداز میں کہا تھا۔

"کوئی وجہ بھی تو ہو۔" وہ جھلا کر پوچھ رہے تھے۔

"I don,t want to see her۔" وہ نفرت بھرے انداز میں بولا تھا اور وہاں موجود باقی تینوں نفوس پہ جیسے بجلی گری تھی۔

"شٹ اپ۔" نوفل نے سرخ رنگت کے ساتھ بلند آواز میں کہا تھا جبکہ پاپا شاکڈ سے اسے دیکھ رہے تھے۔

"کیا بکواس کی ہے تم نے ابھی؟" پاپا نے بے یقینی سے اس کا بازو جھنجھوڑتے ہوئے کہا، اس نے ایک جھٹکے سے اپنا بازو چھڑوایا تھا۔

"وہی کہا، جو آپ نے سنا۔" وہ اب بھی اسی انداز میں اپنی بات دہرا رہا تھا، نوفل نے دیکھا اس کی ماں کا رنگ زرد پڑ رہا تھا۔

''تمہیں شرم آنی چاہیے، تمہیں احساس ہے کہ تم کس کو اس طرح کی بات کہہ رہے ہو، یہ ماں ہے تمہاری۔'' صدیق نے غصے سے پاگل ہوتے ہوئے چلا کر کہا تھا۔

''نو، شی از ناٹ مائی مدر۔'' وہ چلا کر بولا، آواز کسی طرح باپ کی آواز سے کم نہ تھی۔

''یہ میری ممی نہیں ہو سکتیں، آپ جھوٹ بولتے ہیں، شی از بلیک، شی اذ آ ٹیگرس، آئی ہیٹ بلیک، اینڈ آئی ہیٹ ہر۔'' وہ بھی پاگلوں کی طرح گلا پھاڑ رہا تھا۔

صدیق کی آنکھوں میں خون اتر آیا، ان کے سترہ سال کے بیٹے نے ان کے بیس سال کے لازوال عشق کو ٹھوکر پر دیا تھا، انہوں نے بے اختیار اس کے گال پہ ایک زوردار طمانچہ مارا تھا۔

''آپ نے مجھے تھپڑ مارا؟'' طلال نے اپنے گال پہ بے یقینی سے ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تھا، اسے یقین ہی نہیں آیا تھا کہ وہ باپ جس نے اس کے ساتھ کبھی بلند آواز میں بات نہیں کی تھی اب، آج اس پر ہاتھ اٹھایا تھا، اسے مارا تھا، وہ بھی اس عورت کے سامنے جس کی وہ شکل تک نہ دیکھنا چاہتا تھا، اس کی بے یقینی سمجھ آتی تھی، اس کا باپ اب اسے بلند آواز میں گالیاں دے رہا تھا۔

''میری نظروں کے سامنے سے دور ہو جاؤ۔'' وہ دھاڑ رہے تھے۔

''کیوں میں کیوں جاؤں؟ میں کہیں نہیں جاؤں گا، آپ اس عورت کو دفع کریں یہاں سے، یہ اس قابل نہیں کہ اسے یہاں رکھا جائے، اس کی شکل سے نفرت ہے۔'' وہ تنفر سے کہہ رہا تھا، ان کے مارے گئے تھپڑ نے اس کا خوف بالکل ختم کر دیا تھا۔

اس کی بات نامکمل تھی جب دوسرا تھپڑ اس کے گال پر پڑا اور اس کی بات مکمل ہو بھی نہ سکی، اس کی زبان دانتوں تلے آ کر کٹ گئی تھی اور اس کے منہ سے خون کی دھار نکل رہی تھی، نوفل نے ہراساں ہوتے ہوئے اپنی ماں کو دیکھا، دوسروں کو خاموش کروانے والی وہ عورت جس کا دوٹوک لہجہ اور مدلل گفتگو اگلے کو بولنے کا موقع ہی نہ دیتی تھی، آج اپنے ہی پیدا کیے ہوئے بیٹے کی نفرت سے ہار گئی تھی۔

اس کا رنگ سفید پڑ چکا تھا اور وہ بمشکل کھڑے ہو پا رہی تھی، اس کو چکر آ رہے تھے، اس نے ماں کا بازو پکڑ لیا۔

''ماما! چلیں یہاں سے۔'' وہ انہیں وہاں سے لے جانا چاہتا تھا، مگر پاپا کی آواز نے انہیں وہیں رک جانے پہ مجبور کر دیا تھا۔

''کوئی نہیں جائے گا کہیں۔''

''اگر گیا تو، یہ جائے گا...... تو...... طلال بن مصعب، جاؤ اپنا سامان پیک کرو اور اس گھر سے اپنی منحوس صورت اور غلیظ فطرت لے کر دفع ہو جاؤ۔'' یہ صدیق احمد شاہ کا حکم تھا۔

''آپ مجھے گھر سے نکال رہے ہیں؟ صرف اور صرف اس کی وجہ سے۔'' طلال نے بے یقینی سے کہا تھا، اشارہ اس عورت کی طرف تھا۔

''نہیں، میں تمہیں تمہاری وجہ سے نکال رہا ہوں۔'' انہوں نے قطعیت سے کہا، طلال نے سرخ چہرے کے ساتھ قدرے نفرت سے اور ایک فیصلہ کرتے ہوئے قدم پیچھے ہٹائے اور باہر نکل گیا۔

☆☆☆

اس دنیا میں قدم قدم پر ہمیں ایسی حیرت انگیز چیزوں سے واسطہ پڑتا ہے اور ایسے حیران کن واقعات ہمارے سامنے آتے ہیں کہ انسانی عقل ماننے میں متامل ہوتی ہے، مگر شاید اب

بھی معجزات اور کرامات کا ظہور ہوتا ہے، مگر مسئلہ تو سارا یہ تھا کہ شاہ بخت مغل اچھا خاصا ہوشمند انسان تھا، وہ کوئی بے وقوف اور جاہل مرد نہیں تھا کہ اپنی اتنی چاہ سے لائی گئی بیوی سے کسی قسم کی باز پرس کرتا یا سوالات اٹھاتا اس کے بدلے ہوئے رویے پر، مگر بہرحال وہ ایک مرد تھا، اس کے ذہن میں علینہ کے اتنے نرم اور محبت بھرے رویے سے یہ خیال پختہ ہو گیا تھا کہ وہ اس قابل تھا کہ کوئی بھی لڑکی جو اس کی ساتھی بنتی اسے اہمیت دینے پہ مجبور ہو جاتی اور علینہ کے جھکنے کا مطلب بھلا اس کے سوا اور کیا ہو سکتا تھا کہ اس نے شاہ بخت کے آگے ہتھیار ڈال دیئے تھے، وہ دلی طور پہ بے حد مطمئن تھا۔

اس نے لیپ ٹاپ پہ ہاتھ چلاتے ہوئے گھڑی پہ نگاہ دوڑائی، علینہ تقریباً آدھے گھنٹے سے غائب تھی، غالباً نیچے کچن میں تھی، اس وقت گیارہ بج رہے تھے، شاہ بخت کو سردی محسوس ہو رہی تھی، اس نے جلدی جلدی ہاتھ چلانے شروع کر دیئے تاکہ بستر میں جا سکے، وہ چاہتا تو لیپ ٹاپ اٹھا کر بھی بیڈ پہ جا سکتا تھا مگر اسے پتا تھا کہ علینہ کو غصہ آ جاتا، اسے بے ترتیبی پسند نہیں تھی اور نا چاہتے ہوئے بھی بخت کو اس کی بات ماننی پڑتی تھی، وہ اس سے الجھتی نہیں تھی مگر وہ اتنی معصوم صورت بنا کر اسے دیکھتی کہ بخت کو ہنسی آنے لگتی۔

تھوڑی دیر بعد دروازہ کھلا، بخت نے گردن موڑ کر دیکھا، سیاہ لمبی قمیض کے ساتھ کھلا فلیپر پہنے اور سفید دوپٹہ گلے میں ڈالے وہ اندر آ گئی، ہاتھ میں چھوٹا سا ٹرے تھا، جس میں دو گلاس دودھ کے تھے۔

''تمہارا کام ختم نہیں ہوا؟'' اس نے ٹرے ٹیبل پر رکھ کر بخت کو دیکھا۔

''بس ہو گیا۔'' اس نے کہا۔

وہ اس کے پیچھے آ گئی، بخت اس وقت ریوالونگ چیئر پہ بیٹھا تھا، علینہ نے اس کی گردن میں بازو ڈال کر گال اس کے گال کے ساتھ ملا لیا تھا۔

''تم سے مل کے، ایسا لگا تم سے مل کے ارمان ہوئے پورے دل کے......!'' وہ آہستہ سے گنگنا رہی تھی، شاہ بخت کا قہقہہ بے اختیار تھا۔

''اُف اتنی خوفناک آواز۔'' وہ چلایا۔

علینہ نے جھٹکے سے اسے چھوڑا اور پیچھے ہٹ گئی، اس کے تاثرات ایکدم بدل گئے تھے۔

''ہاں مجھے پتا ہے میری آواز اچھی نہیں ہے۔'' اس نے خفا خفا سے انداز میں اسے گھورا، مگر اس سے پہلے کہ بخت کچھ کہتا وہ پھر گانے لگی، انداز سے شرارت نمایاں تھی۔

''تیری میری، میری تیری اک جان ہے۔'' ساتھ ہی وہ ہنس بھی رہی تھی، بخت نے اسے چڑانے کی خاطر کانوں میں انگلیاں ٹھونس لی تھیں، مگر اس نے ذرا بھی برا منائے بغیر جھنجلا کر اس کے ہاتھ کانوں سے نکالنے کی کوشش کی تھی مگر جب وہ اس میں کامیاب نہیں ہو سکی تو اس نے بخت کا کان کھینچنا شروع کر دیا، وہ ہنستے ہوئے اپنے آپ کو چھڑوانے لگا تھا اور جب وہ اس میں کامیاب ہوا تو اس کا کان سرخ ہو گیا تھا، اس نے کان سہلاتے ہوئے مصنوعی خفگی سے اسے گھورا۔

''ظالم لڑکی۔'' اب کی بار وہ اس پر جھپٹا اور اس کے دونوں بازو پکڑ کر گویا اسے چیلنج کرنے لگا کہ، ''اب بولو'' علینہ نے بے بسی سے اسے دیکھا اور پھر اپنے بازوؤں کو، پھر اس نے بے ساختہ اپنے آپ کو چھڑوانا چاہا مگر ناکام رہی، اب وہ

اسے گدگدا رہا تھا، وہ ہنسنے لگی۔

"بخت...... نہ کرو...... چھوڑ دو۔" وہ ہنس رہی تھی اور اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا، بخت کو جیسے ترس آ گیا، اس نے اسے چھوڑ دیا، وہ پیچھے ہٹ کر لمبے لمبے سانس لینے لگی، اتنا زیادہ ہنسنے کی وجہ سے اس کی آنکھوں سے پانی نکل رہا تھا۔

"مجھے لگا علینہ! میں تمہارا شوہر ہونے کی بجائے دوست ہوں۔" وہ ہنستے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"وہ کیسے؟" علینہ نے کسی قدر حیرت سے اسے دیکھا۔

"وہ ایسے کہ...... تم مجھے ٹریٹ یوں کرتی ہو جیسے ہم دوست ہیں، آئی مین، شرارتیں، میں نے پہلے تمہیں کبھی اس طرح کھلکھلاتے نہیں دیکھا اور مجھے لگتا تھا کہ تم خاصی سنجیدہ قسم کی شخصیت ہو گی۔" وہ لیپ ٹاپ بند کر کے اب بستر پہ آ چکا تھا۔

"اوہ...... یعنی تمہیں اچھا نہیں لگتا میرا یوں تمہارے ساتھ فرینکلی بات کرنا یا تمہیں تنگ کرنا۔" وہ کسی قدر حیران مگر افسردگی سے پوچھ رہی تھی۔

"اوہ یار...... علینہ تم کتنی بے وقوف ہو۔" شاہ بخت نے اسے پیار سے کہتے ہوئے اس کا بازو پکڑا اور اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔

"جی نہیں، میں بے وقوف نہیں ہوں۔" اس نے بڑے عجیب سے لہجے میں کہا تھا۔

"جی نہیں، آپ ہو۔" اس نے اپنی بات پہ زور دیا، علینہ اسے بھنویں اچکا کر چند لمحے دیکھتی رہی پھر ہنس دی۔

"ایک دن آپ یہ ماننے پہ مجبور ہو جائیں گے کہ میں قطعی طور پر بے وقوف نہیں ہوں۔" اس نے ایک گہرے یقین کے ساتھ بڑے اعتماد کے ساتھ کہا تھا۔

"اچھا میری جان دیکھیں گے۔" اس نے مسکرا کر اسے ساتھ لگا لیا تھا، مگر کہیں اندر وہ بہت حیران ہوا تھا، علینہ واقعی حیرت انگیز تھی۔

☆☆☆

وہ آج بہت تھک گئی تھی، رات اسے بہت دیر بعد نیند آئی اور نیند بھی کیا صرف سونے کا دکھاوا، کروٹیں بدل بدل کر وہ نڈھال ہو گئی، آدھی رات اس کی آنکھ لگی تھی مگر کچی نیند میں ہی اسے محسوس ہوا کہ کوئی دروازہ کھول کر اندر آیا تھا، وہ پریشان ہوئی تھی اور جب اس نے بمشکل درد سے جلتی آنکھیں کھول کر دیکھا تو اسید کو دیکھ کر وہ شاکڈ رہ گئی، رات کے اس پہر وہ یہاں کیا کر رہا تھا؟ بلکہ کیا کرنے آیا تھا؟

اسید ادھر اُدھر دیکھے بغیر اب خاموشی سے اس کے بستر کے قریب آ گیا تھا، حبا نے نہ بھی سے اسے دیکھا تھا، وہ اس وقت نائٹ سوٹ میں تھا، لائننگ والے ٹراوزر میں لائٹ کریم کلر کی شرٹ پہنے ہوئے تھا حیرت انگیز طور پر اس کے پیروں میں جوتا نہیں تھا، وہ حیران ہوئی تھی، اسید کو ننگے پیر پھرنے کی عادت نہ تھی اور نہ ہی وہ اتنا لاپرواہ تھا کہ بھول جاتا، تو پھر کیا ہوا تھا؟

اس نے کمرے میں نائٹ بلب ہی آن کیا ہوا تھا سونے سے پہلے، جبھی اس وقت بلب کی ہلکی نیلی روشنی میں اس نے اسید کے چہرے کا جائزہ لیا، جو کہ اس وقت ستا ہوا تھا، اس کی آنکھیں سوجی ہوئی متورم تھیں اور آنکھوں کے زیریں کنارے گہری سرخی میں ڈوبے ہوئے تھے، حبا کو خوف آنے لگا؟ بھلا اسید کو کیا ہوا تھا؟

وہ اس طرح اپ سیٹ کیوں لگ رہا تھا؟ آخر کیوں؟ ایسا کیا ہو گیا تھا اس کے اندر عجیب سے احساسات اٹھ رہے تھے، اس نے کبھی ایسا نہیں سوچا تھا کہ اسے توڑنے والا انسان خود اتنا

ٹوٹ بھی سکتا ہے؟

اسید اس کی طرف متوجہ ہوئے بغیر بیڈ کی دوسری طرف آ گیا حبا نے نظر دوڑائی اور اسے اپنی رگوں میں خون جمتا ہوا محسوس ہوا تھا، وہاں شفق سوئی تھی، کیا وہ شفق کی طرف جا رہا تھا؟ لیکن کیوں؟ اسید ذرا سا جھکا اور دونوں ہاتھ آگے بڑھائے۔

حبا کی آنکھیں پوری کی پوری کھل گئیں، وہ سب کچھ بھول کر اس مخمصے میں پڑ گئی کہ وہ کیا کرنے جا رہا تھا؟

"کہیں وہ شفق کو مارنا تو نہیں چاہتا؟" برق کی مانند ایک خیال اس کے ذہن میں آیا تھا اور وہ تڑپ کر اٹھ بیٹھی، مگر تب تک اسید کے دونوں ہاتھ شفق تک پہنچ چکے تھے، اس نے حبا کو یوں اٹھتے دیکھا تو ایک دم گھبرا گیا۔

مگر پھر اس نے بے ساختہ شفق کو دونوں ہاتھوں میں لیا اور پیچھے ہٹنے لگا، حبا نے وحشت زدہ ہو کر اسے دیکھا۔

"کیا ہوا ہے؟ کیا کر رہے ہیں آپ؟"

"کچھ نہیں ہوا ہے۔" وہ ہلکے سے بڑبڑایا، اس کی آواز میں کچھ عجیب تھا، کچھ ایسا جس کی حبا کو سمجھ نہیں آ سکی تھی۔

"اسے مجھے دے دیں۔" حبا پلنگ سے نیچے اتر آئی۔

"نہیں۔" اس نے سختی سے کہا اس کی آواز میں کھردراہٹ تھی۔

"لیکن یہ سو رہی ہے، یہ اٹھ جائے گی۔" حبا کو عجیب سی گھبراہٹ نے آن گھیرا، آخر اس نے شفق کو کیوں پکڑا تھا کیوں؟ وہ آگے بڑھی تھی۔

"میں نے کہا ناں میں نہیں دوں گا۔" وہ بلند آواز میں چلایا تھا۔

"لیکن کیوں؟ ہوا کیا ہے؟ آپ نے اسے کیوں پکڑا ہے؟" حبا کا تو دل حلق میں آ گیا تھا۔

"لیکن کیوں، آپ اسے کیوں لے کر جا رہے ہیں، کون سی سزا دینی ہے، مجھے دے لیں، اسے مت لے کر جائیں، یہ تو بچی ہے۔" وہ حواس باختہ ہو کر بولی جا رہی تھی، اس کے حلق میں آنسوؤں کا پھندا لگ رہا تھا اور اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے، اس نے آگے بڑھ کر اسید کے ہاتھوں سے اسے لینے کی کوشش کی تھی، اسید نے اسے ایک ہاتھ سے سنبھال کر دوسرے ہاتھ سے حبا کو پرے دھکا دیا تھا، اسی دوران میں شفق جاگ گئی تھی اور خود کو اس ناقابل فہم سچویشن میں پا کر اس نے زور زور سے رونا شروع کر دیا۔

"دیکھیں نا وہ رو رہی ہے، پلیز۔" حبا نے بے تاب ہو کر پھر اس کی طرف لپکنا چاہا۔

"کیوں کیوں کیوں؟ دوں میں اسے تمہیں؟" وہ وحشت زدہ تھا، اس کے چہرے پہ کیا تھا؟ اس کے لہجے میں کیا تھا؟ شفق اب اور اونچی آواز میں رو رہی تھی، حبا نے بے بسی سے اسے دیکھا تھا، اس کی آنکھوں سے آنسو نکل رہے تھے۔

"آپ کو اللہ کا واسطہ، اسے مجھے دے دیں، وہ رو رہی ہے، مجھے اسے چپ کرانے دیں۔" اس نے کرب سے کہتے ہوئے ایک بار پھر اسید سے شفق کو لینا چاہا، مگر وہ دروازے کی طرف جانے لگا، حبا پاگلوں کی طرح اس کے پیچھے بھاگی، وہ اس کے کمرے سے نکل کر اپنے کمرے کی طرف جا رہا تھا اور حبا اس کے پیچھے پیچھے تھی، وہ اپنے کمرے کے دروازے پہ پہنچ کر رکا اور حبا کی طرف مڑا تھا۔

"میرے پیچھے مت آؤ جاؤ۔" وہ حلق کے بل دھاڑا اور کمرے میں داخل ہو گیا، حبا نے

جلدی سے اس کے پیچھے داخل ہونے کی کوشش کی مگر اسید نے دروازہ بند کرنا چاہا تھا، حیا نے دروازے کو دھکیل کر اندر جانا چاہا، اسید کے ایک ہاتھ میں شفق تھی اور دوسرے ہاتھ سے وہ دروازہ بند کر رہا تھا جبھی اس کی طاقت بٹ گئی تھی، حیا نے اپنا ہاتھ دروازے کی درز میں پھنسا دیا تاکہ وہ دروازہ بند نہ کر سکے اور یہ حرکت اسے مہنگی پڑ گئی تھی، دروازہ پوری قوت سے بند کیا گیا اور حیا کا ہاتھ کچلا گیا، اس کی شہادت کی انگلی کا ناخن اکھڑ گیا تھا، اس کے حلق سے ایک دلخراش چیخ نکلی تھی اور اس کی کراہٹ نے اسید کی گرفت ایک لمحے کے لئے کمزور کی تھی، جس کی وجہ سے وہ زور لگا کر اندر داخل ہوگئی اور اس نے جھپٹ کر اسید کے بازو میں محفوظ شفق کو اس سے لینا چاہا تھا۔

"میں نہیں دوں گا، نہیں دوں گا۔" وہ پیچھے ہٹتے ہوئے بول رہا تھا، جب اس کی نظر حیا کے خون آلود ہاتھ پر پڑی تو اس کی آنکھوں میں عجیب سی تکلیف ابھری تھی۔

"کیا سلوک کرنا چاہتے ہیں اس کے ساتھ، مارنا چاہتے ہیں اسے؟" وہ روتے ہوئے پوچھ رہی تھی، اسید نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔

"میں...... میں ماروں گا اسے، یہ اتنی چھوٹی سی بچی کو میں ماروں گا؟" وہ اسی بے یقینی سے پوچھ رہا تھا، پھر جیسے کوئی لاوا پھٹ نکلا تھا۔

"میں انسان ہوں حیا، انسان ہوں میں، جانور نہیں ہوں، نہ ہی سانپ، جو اپنے بچے کھا جاتا ہے، یہ بیٹی ہے میری، یہ میری ہے۔" وہ بلند آواز میں بولتا ہوا آخر میں یکدم روہانسا ہوگیا تھا اور حیا ایک بار اسید مصطفیٰ سے ہار گئی، اس شخص نے آج اس پر ایک اور احسان کر دیا تھا، اس نے "میری بیٹی" تسلیم کیا تھا، اگرچہ اس کے ہاتھ میں بے حد درد ہو رہی تھی مگر اسے یہ الفاظ سن کر لگ رہا تھا اس کی حسیات مردہ ہوگئیں ہوں، وہ بے ساختہ زمین پہ گر گئی، اسید اس کے سامنے تھا، شفق رو رہی تھی، اسید رو رہا تھا، حیا رو رہی تھی اور وہ تینوں رو رہے تھے اور ان کے ساتھ کمرے کی ہر چیز رو رہی تھی۔

اسید نے شفق کو سینے سے لگایا ہوا تھا پھر اس نے حیا کا ہاتھ پکڑ کر اسے بھی ساتھ لگا لیا اب وہ دونوں کو اپنے کشادہ ظرف سینے میں سمیٹے ہوئے تھا، اس کی کریم کلر کی شرٹ پر آنسوؤں کے نشان تھے اور کمرے میں تین لوگوں کے آنسو آپس میں گھل مل رہے تھے۔

☆☆☆

اور پھر اس نے خود پر اپنے باپ کے گھر جانے کی پابندی لگا لی، اس کو ضرورت بھی کیا تھی؟ وہ سکالرشپ پر پڑھ رہا تھا، مگر اس کے باوجود اس کے پاپا نے اسے ماہانہ خرچ دینا ترک نہیں کیا تھا، وہ اس کے اکاؤنٹ میں پیسے بھیج دیتے تھے، مگر اس کے ساتھ قطعی کوئی رابطہ رکھنے کو تیار نہ تھے، اسے بھلا کہاں ضرورت تھی ان کی، جبھی اس نے اس صورتحال کو بڑی تیزی سے قبول کر لیا، اس نے اپنی اک نئی دنیا تخلیق کی، خوبصورت لوگوں کی دنیا۔

جس کے سب چہرے خدا کے پیدا کیے ہوئے بہترین حسن کا شاہکار تھے، اس کے دوستوں سے لے کر نوکروں تک ہر شخص اجلے رنگ والا خوشنما اور دلکش تھا، اسے لوگوں کے دل سے کوئی واسطہ نہ تھا، اس کو خوبصورتی سے عشق تھا، وہ باطن نہیں ظاہر دیکھتا تھا۔

اپنی ڈیزائننگ کی تعلیم کرتے ہی اس نے فیشن ورلڈ میں انٹری دے دی، ابتداء میں اس کی شاندار شخصیت کو دیکھتے ہوئے اسے بھی کئی لوگوں نے ایز اے ماڈل اور ایکٹر لینا چاہا مگر وہ سہولت سے پیچھے ہٹ گیا اور پھر اس کی کامیابی حفصہ کرمانی کی شکل میں اس تک آ گئی، اس لڑکی کو سیڑھی بنا کر اس نے اس دنیا کو دیکھا جس تک جانے کے ہمیشہ بس وہ خواب دیکھتا تھا، لیکن اس خواب کی تعبیر میں اس نے "میرب فاروق" کو کھو دیا، میرب اس کی پہلی چاہت! اس کی سب سے اچھی دوست! اور اس کے حلقہ احباب میں سب سے خوبصورت لڑکی، جسے دیکھ کر اس نے پہلی مرتبہ شادی کے متعلق سوچا تھا اور جب وہ اسے حاصل کر لینے کی منزل سے بس دو چار قدم دور تھا، اس نے میرب کو کھو دیا اور تب وہ پہلی بار ٹوٹا تھا، جب اسے رد کیا گیا تب اسے معلوم ہوا کہ وہ ذلت کیا تھی جو اس نے گیارہ سال پہلے اپنی ماں کے چہرے پہ ملی تھی، ہاں...... تب اس خوف کا مفہوم سمجھ آیا تھا، تب اسے احساس ہوا تھا کہ اندھیرے جب ذات کے اندر اتر آئیں تب دنیا کی کوئی خوبصورتی دل کو نہیں بھاتی اور جب دل مردہ ہو جائے منزلیں خواہ کتنی بھی پرکشش کیوں نہ ہوں، اجاڑ ہی نظر آتی ہیں۔

مگر کہتے ہیں نا انسان کی عادت کبھی نہیں بدلتی "عادت فی الموت" یعنی عادت موت تک ساتھ دیتی ہے وہ بھی زیادہ دیر اس کا غم سینے سے لگائے نہ بیٹھ سکا، وجوہات اور ترجیحات جو تھیں۔

وجوہات، ترجیحات اور مفروضات انسان کی زندگی کے گول سیٹ کرتے ہیں، انسانی ذہن ایسی عجیب چیز ہے کہ سمجھنا مشکل، انسان کبھی بھی مرنے والے کا غم دل سے لگا کر نہیں بیٹھتا، وہ زندگی کو آگے بڑھانا جانتا ہے، اس نے بھی میرب کا غم دل سے نہیں لگایا تھا، اگر لگا کے بیٹھ جاتا تو کھاتا کہاں سے اور جو اسٹیٹس اس نے بنا لیا تھا اسے قائم رکھنا کوئی اتنا آسان تو نہیں تھا، اگر وہ گھر بند ہو کر بیٹھ جاتا تو دو دن میں سڑک پہ آ جاتا۔

جبھی اس نے درمیانی راہ اختیار کی تھی، اس نے سب کچھ پھر سے شروع کر دیا تھا، آخر کو اس کا ایک نام تھا، وہ کیسے اپنا نام اندھیروں کی نظر ہوتے ہوئے دیکھتا جس پر اس نے اتنی بے تحاشا محنت کی تھی۔

دوسری طرف اس کے گھر والوں پہ کیا بیتیا؟ وہ اس سے بے خبر نہیں تھا، نوفل نے ہمیشہ اسے اپ ڈیٹ رکھا تھا، خواہ کچھ ہو جاتا اور نوفل اس سے ملتا بھی تھا، اگرچہ وہ دونوں بھائی تھے اور جڑواں تھے اور ان میں عمروں کا فرق نہیں تھا مگر اس کے باوجود نوفل نے ہمیشہ بڑے پن کا مظاہرہ کیا تھا۔

طلال اس چیز سے بے خبر نہیں رہا تھا کہ اس کے گھر چھوڑ کے آ جانے کے بعد باقیوں کا کیا بنا؟ اس کی ماں بہت بیمار پڑ گئی، اس نے اس کے باپ کے ساتھ کام کرنا چھوڑ دیا، وہ کچھ کرنے کے قابل ہی نہ رہی تھی، وہ اکثر روتی رہتی، بار بار صدیق سے پوچھتی کہ اگر میں ایسی ہوں تو اس میں میرا کیا قصور ہے؟ مجھے تو اللہ نے ایسا بنایا ہے میں نے خود تو نہیں نا بنایا اپنے آپ کو اور اگر میں ایسی ہوں تو اس کا مطلب ہے مجھے میری اپنی اولاد ریجیکٹ کر دے گی، چھوڑ دے گی، نوفل پھر کیوں میرے ساتھ ہے اسے کہو وہ بھی چلا جائے۔"

اور نوفل کیسے جاتا، اس نے اپنی ماں کی بیماری میں اس کا ساتھ دیا تھا، وہ گھنٹوں ان کے پاس بیٹھا رہتا، ان کی تیمارداری کرتا، ان کا دل بہلانے کی کوشش کرتا اور وہ اسے دیکھ کر پھر رونے لگ جاتیں۔

بہت دفعہ صدیق اور نوفل کے لئے انہیں سنبھالنا بہت مشکل ہو جاتا تھا اور تب نوفل باپ

کے گلے لگ کر بے حد روتا تھا۔

بعض اوقات انسان اپنے سے وابستہ رشتوں کے لئے کس قدر بے حس ہو جاتا ہے کہ اسے ان کی کوئی فکر، کوئی پرواہ نہیں رہتی، اس کو بھی بھلا کیا فکر تھی کہ وہ عورت جس نے اسے جنم دیا تھا، وہ کس قدر اذیت میں تھی، انسان کو رشتوں کی قدر شاید صرف تب ہی آتی ہے جب وہ انہیں کھو دیتا ہے۔

اس دنیا میں کوئی غم موت سے بڑا نہیں ہو سکتا، موت اس دنیا کا سب سے بڑا غم ہے اور جب کوئی مر جاتا ہے تو پھر ہم لاکھ چاہیں اسے واپس نہیں لا سکتے، ہماری شرمندگی ہمارا پچھتاوا صرف ہم تک رہ جاتا ہے اور مرا ہوا شخص دنیا کے دکھوں سے آزاد منوں مٹی تلے دب جاتا ہے۔

وہ بھی مر گئیں۔

اس دنیا کے دکھوں سے آزاد ہو کر وہ بھی مٹی تلے پناہ گزین ہو گئیں، سب ختم ہو گیا، طلال بن مصعب کی نفرت اور دھتکار اور رد کیے جانے کا خوف، سب کچھ ختم ہو گیا اور بس ایک گہری تاریکی چھا گئی۔

نوفل نے روتے ہوئے فون کر دیا تھا اور وہ خاموش رہا تھا، بعض فیصلے وقت کر دیتا ہے، اس کا فیصلہ بھی وقت آنے پہ ہوتا تھا۔

☆☆☆

عباس شادی کے بعد بہت بدل گیا تھا، اس نے جو وقت کراچی تنہائی میں گھر والوں کی مداخلت کے بغیر گزارا تھا، اس نے دونوں کو بہت قریب کر دیا تھا، سبین ایک باکمال لڑکی تھی، اسے ہمیشہ اپنے فیصلے پر فخر ہوا تھا۔

بخت اور علینہ کی شادی کے بعد اس کی نظر مسلسل ان دونوں پر ہی تھی، وہ بھی باقی لوگوں کی طرح اس مخمصے میں پڑ گیا تھا کہ آخر ایسا کیا جادو کر دیا تھا بخت نے علینہ پر؟

وہ ایک دم سے بدلی ہوئی نظر آتی تھی، اس کی شوخیاں پہلے کبھی عباس نے نہیں دیکھی تھیں اور نہ ہی اس نے علینہ کو اتنا بے فکر اور چنچل دیکھا تھا، وہ بہت حیران تھا، کئی بار سبین سے بھی ڈسکس کیا تھا مگر بخت سے تاحال اس نے اپنے تاثرات چھپائے ہوئے تھے، مگر وقار سے بہرحال وہ چھپا نہ سکا تھا۔

''تو اس میں حیرت کی کیا بات ہے؟ تمہارے لئے یہ کافی نہیں کہ وہ خوش ہیں۔'' انہوں نے اتنی حیرانی اور ناگواری سے پوچھا کہ عباس شرمندہ ہو گیا تھا۔

''نہیں میرا ایسا مطلب نہیں تھا؟'' اس نے گڑبڑا کر وضاحت دینا چاہی تھی۔

''بہرحال تمہارا جو بھی مطلب تھا، میرا نہیں خیال اس قسم کی ڈسکشن کی کوئی بھی ضرورت ہے۔'' ان کا لہجہ سخت تھا، عباس مزید شرمندہ ہو گیا۔

''یار تم کو سمجھنا چاہیے، وہ تمہاری بہن ہے وہ خوش ہے تمہیں صرف اسی بات سے مطلب ہونا چاہیے، اس سے زیادہ تحقیق مت کرو، یہ نہ ہو اس کا نقصان ہو جائے۔'' انہوں نے اس کی طبیعت صاف کر دی تھی۔

عباس نے سرخ چہرے کے ساتھ ان کی بات سنی اور سر ہلا کر اٹھ گیا، مگر سبین کے سامنے وہ پھٹ پڑا تھا۔

''مجھے سمجھ نہیں آتی وقار بھائی کو کیا تکلیف ہے؟ وہ تو ابھی تک شاہ بخت کے گرد حفاظتی حصار بنے بیٹھے ہیں، بس کر دینا چاہیے اب انہیں، جو وہ چاہتے تھے وہ کر تو لیا ہے۔''

''کیا ہوا؟ کوئی بات ہوئی ہے کیا؟'' اس نے حیرت سے عباس کو دیکھا تھا، وہ غصے میں تھا۔

''ہاں ہوئی ہے، بہت سخت الفاظ میں ڈانٹا ہے انہوں نے، بھلا ایسا کیا کہہ دیا تھا میں نے یہی نا کہ آخر ایسا کیا کر دیا بخت نے علینہ کو جو وہ یوں خوش نظر آتی ہے، تو اس میں یوں غصہ کرنے کی کیا بات تھی؟ وہ تو جیسے تیار بیٹھے تھے میرے سے الجھنے کے لئے دیکھیں نا آپ، یہ تو نیچرل بات ہے نا کہ شاہ بخت اور علینہ کے شادی سے پہلے اتنے جھگڑے، وہ سارے تماشے یقیناً اتنی آسانی سے تو نہیں بھلا سکتا ہوں، پھر اب یہ ایکدم سے یوں ٹھیک ہو جانا، مجھے تو بالکل ہضم نہیں ہو رہا۔'' وہ تفصیلاً ساری بات بتانے کے بعد سانس لینے کے لئے رکا تھا۔

''اس بات نے تو مجھے بھی حیران کیا تھا عباس، مگر پھر میں نے یہی سوچا کہ لڑکی سمجھوتہ کر ہی لیتی ہے۔'' سبین نے اپنا خیال ظاہر کیا تھا۔

عباس نے چونک کر اسے دیکھا، کیا وہ اپنا اور اس کا حوالہ دے رہی تھی، اس نے سبین کے چہرے پہ کچھ کھوجا تھا مگر وہ ہمیشہ کی طرح ملائم و پر سکون تھا۔

''وہ تو آپ کی بات ٹھیک ہے مگر پھر بھی سمجھوتہ کرنے کا مطلب یہ تو نہیں کہ بندہ سب کچھ بھول جائے اور یوں ری ایکٹ کرے جیسے وہ بس اسی دن کے انتظار میں تھی۔'' وہ اب کی بار کچھ جھلا کر کہہ رہا تھا، سبین ہنس پڑی۔

''اب آپ زیادہ ہی تنگ کر رہے ہیں عباس، ہمیں تو خوش ہونا چاہیے کہ وہ دونوں نارمل ایک ہیپی کپل کی طرح رہ رہے ہیں۔'' اس نے مسکرا کر کہا تھا، عباس نے الجھ کر سر جھٹکا تھا وہ مطمئن نہیں ہوا تھا۔

☆☆☆

اس نے کوئی اٹھارویں بار اپنے آپ کو آئینے میں دیکھا، کندھوں سے ذرا نیچے گرتے سیدھے سیاہ بال جو کہ اسٹیپ کی شکل میں کٹے ہوئے تھے، اس وقت گردن کے اوپر ایک سیاہ بینڈ میں جکڑے گئے تھے، فرسٹ اسٹیپ چھوٹا ہونے کی وجہ سے بینڈ سے باہر نکل کر اس کے ماتھے پہ گرا ہوا تھا، اس نے اس وقت سیاہ ڈاٹس والی ایک لمبی قمیض پہنی تھی جس کے ساتھ سفید چوڑی دار پاجامہ تھا اور سفید ہی دوپٹہ تھا۔

چہرہ صاف ستھرا تھا، کسی بھی قسم کی آرائش سے مبرا تھا، اسی طرح اس کے ہاتھ اور گلے میں کوئی زیور نہیں تھا، ہاں البتہ اس کے کانوں میں چھوٹی چھوٹی سونے کی بالیاں تھیں جو کئی سال پہلے اسے تحفے میں ملی تھیں، اس نے بالوں کی ایک لٹ کو کانوں کے پیچھے کیا اور پلٹ کر بیڈ کی طرف دیکھا، جہاں شفق گہری نیند سوئی ہوئی تھی، پھر اس نے اپنی انگلی کو دیکھا جہاں موٹی سی بینڈ ایج لگی تھی، حیرت انگیز طور پر ناخن ٹوٹنے کے باوجود اسے اتنا درد نہیں تھا، ہاں واقعی اسے درد کم تھا۔

اس نے گھڑی کی طرف نگاہ دوڑائی جہاں بارہ بج کر اکیس منٹ ہو رہے تھے، وہ بیڈ کی طرف آ گئی، اسے نیند نہیں آ رہی تھی، اس نے ٹیک لگا لی، اسے ماما یاد آ رہی تھیں، کافی دن ہو گئے اس کی بات نہیں ہوئی تھی، مستزاد کل سے ہونے والی بارش کی وجہ سے کنکشن ڈس کنیکٹ ہو گیا تھا، جبھی وہ لینڈ لائن پر بھی ان سے بات نہ کر سکی تھی، اسید نے کمپلین کر کے PTCL والوں کو بلایا تھا، شاید کل تک فون ٹھیک ہو جاتا، وہ سر گھٹنوں پہ رکھ کر کچھ سوچنے لگی تھی، اس کی آنکھیں بند تھیں، اسی وقت دروازہ کھول کر اسید اندر آیا، وہ چونک کر سیدھی ہوئی، اس کے ہاتھ میں سیل فون تھا، وہ اس کو آواز دیتا ہوا اندر آیا تھا۔

''حیا! ماما کا فون ہے۔'' اس نے سیل فون

حبا کی طرف بڑھایا تھا، حبا نے حیرت آمیز خوشی سے فون پکڑ لیا اور بے ساختہ گھٹنے نیچے کر کے فون کان کو لگا لیا۔

"السلام علیکم ماما! کیسی ہیں آپ؟" وہ خوشی سے پوچھ رہی تھی، اسید نے بغور اس کے کھلتے رنگ کو دیکھا تھا، پھر وہ آہستہ سے اس کے مقابل بیٹھ گیا، حبا تھوڑا اسٹ گئی اور پیر پیچھے کر لیے یوں جیسے اس کے احترام میں کوئی کمی نہ آنے دینا چاہتی ہو، اسید نے اس کا یہ انداز بھی نوٹ کیا تھا، پھر اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کا گھٹنا دوہرا کیا ہوا، آہستہ سے سیدھا کیا، حبا کے ہاتھ میں موجود فون لرز گیا، اس نے بہت ٹھٹک کر اسید کو دیکھا اور پھر اس نے اس سے زیادہ حیران کن چیز دیکھی اسید سیدھا ہو کر لیٹا اور سر اس کے گھٹنے پہ رکھ دیا۔

حبا کو یہ بھول گیا کہ وہ کہاں تھی؟ کیا بات کر رہی تھی، ماما اس سے کچھ پوچھ رہی تھیں مگر وہ آگے سے چپ، اس کی نظریں اسید پر تھیں جس کی دلکش آنکھیں بند تھیں، دوسری طرف ماما نے سمجھا شاید لائن منقطع ہو گئی ہے انہوں نے کال بند کر دی، حبا کے بے جان ہاتھوں نے بڑی مشکل سے سیل کان سے الگ کر کے اس کی طرف بڑھایا تھا۔

"آپ کا فون۔" وہ بمشکل بولی تھی، اسید کی بند آنکھیں کھل گئیں، اب وہ براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا، یا شاید اس کی روح کو دیکھ رہا تھا، اس کے دل کو دیکھ رہا تھا۔

اور حبا کو پتہ بھی نہ چلا کہ کب اس کی آنکھوں سے بہتا سیال پانی اسید کے ماتھے پہ گرنے لگا۔

محبت پہلے جسم کو نہیں چھوتی
محبت دل سے دل کی طرف جاتی ہے
میں تم تک ایسے ہی پہنچی تھی
آج میں تنہا ہوں
تمہاری محبت صرف میرے جسم کو چھوتی ہے
میری محبت تمہارے دل کو ٹٹولتی ہے
جو خالی ہے......!
میں تمہیں تنہا نہیں ہونے دوں گی
خالی دل سے خالی جسم جب چھوا جاتا ہے
تنہائی دور تک نظر آتی ہے......!!!

وہ بکھر گئی، مگر اس کے باوجود اس نے ضبط کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا تھا، اس نے اپنے آنسوؤں پہ قابو پاتے ہوئے دائیں ہاتھ کی پشت سے اپنے گال صاف کیے اور پھر دوپٹے سے اس کی پیشانی صاف کرنے لگی، یوں جیسے وہ اپنے ہاتھوں کے لمس کو اس قابل نہ سمجھتی ہو کہ اسے چھو سکے، اسید اب بھی اسی طرح اسے دیکھ رہا تھا۔

"حبا! اگر میں تم سے کچھ مانگوں تو دے سکو گی؟" وہ بڑے عجیب سے لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

"میرے پاس تو ایسا کچھ ہے ہی نہیں جو آپ مجھ سے مانگیں۔" اس نے آزردگی سے کہا تھا۔

"ہاں ہے تمہارے پاس، مجھے سکون چاہیے دے سکتی ہو، بولو دے سکتی ہو۔" وہ ہاتھ اس کے آگے پھیلا کر کہہ رہا تھا، حبا نے ناقابل یقین نظروں سے اسے دیکھا۔

"جواب دو، دو گی سکون مجھے، میرے وجود کو، میرے دل کو، میری روح کو، سکون چاہیے حبا۔" اس کی آواز رندھ گئی، حبا کو لگا اس کی آنکھوں میں نمی کی چمک تھی اور ایسے کیسے ہو سکتا تھا اسید حبا سے کچھ مانگتا اور وہ انکار کر دیتی، اس نے دونوں ہاتھوں سے اسید کا ہاتھ تھاما، اس کے خوبصورت ہاتھ، جن سے اسے عشق تھا، وہ ہاتھ جو صرف قلم تھام کر اگر اپنا نام لکھتا تھا تو وہ حکم ہو جاتا تھا، اس کے قیمتی اور مضبوط ہاتھ، جن پر وہ

زندگی قربان کر سکتی تھی۔

اس نے بہت عقیدت سے اس کا ہاتھ تھاما اور اپنی آنکھوں سے لگا لیا، وہ بے آواز رو رہی تھی، اسید کا ہاتھ گیلا ہو رہا تھا، مگر اس کے باوجود وہ اسی طرح اسے دیکھتا رہا، بہت دیر تک رونے کے بعد اس نے اسید کا ہاتھ ہٹایا اور اسے دیکھا۔

"میرے پاس تو کچھ نہیں ہے، جو کچھ ہے آپ کا دیا ہوا ہی تو ہے۔" وہ بھیگی اور قدرے بھاری آواز میں بولی تھی۔

"اور میں نے تمہیں کچھ نہیں دیا، سوائے نفرت، تکلیف اور اذیت کے۔" وہ سفاکی سے بولا اور اٹھ کر بیٹھ گیا، حبا نے تڑپ کر اسے دیکھا، پھر بے ساختہ اس کے دونوں بازوؤں پہ ہاتھ رکھتے ہوئے اس کی پشت سے لپٹ گئی، وہ ساکت ہو گیا۔

"ایسا نہیں ہے، یہ غلط ہے، ایسا مت کہیں، مت جائیں یہاں سے۔" وہ اب اس کی پشت سے گال ٹکائے رو رہی تھی، اسید کو لگا وہ پتھر کا ہو گیا ہو کبھی ہل نہ سکے گا۔

"میں دوں گی، آپ کو جو چاہیے، بس یہاں سے مت جائیں۔" اس نے اسید کا رخ اپنی طرف موڑنا چاہا، وہ میکانکی انداز میں مڑ گیا، حبا نے بھیگے ہوئے چہرے کے ساتھ ہاتھ اس کے شانوں پہ رکھ دیے اس کے ہونٹ بڑی والہانہ چاہت، بے تابی اور محبت سے اسید کے چہرے پہ محبت لٹانے لگے اور اس کے ناتواں بازوؤں نے اسید کا چوڑا چکلا وجود خود میں جذب کر لیا تھا۔

وہ اس کے ہاتھوں کو چوم رہی تھی، اسید نے اپنے ہاتھ چھڑا کر اسے خود میں سمیٹا اور سر تکیے پہ رکھ دیا۔

ہاں، وہاں محبت تھی، جو بالآخر جیت گئی، بے مثال عشق تھا، جو فتح پا گیا تھا۔

حبا تیمور آخر کار اسید مصطفیٰ کو جیت گئی تھی، اپنے بے مثال صبر، ضبط اور حوصلے سے اور اسید مصطفیٰ نے بھی آج ہر اجنبیت کی دیوار گرا کر اس کے وجود کو اپنی روح میں اتارا تھا اور باوجود اس کے کہ وہ اس کے حصار میں تھی اس کی آنکھیں بار بار آنسو بہانے لگیں، اسید اس تکلیف کا ماخذ جانتا تھا، وہ ان آنسوؤں کے پیچھے چھپی درد کی داستان سے آگاہ تھا، اسے احساس تھا کہ وہ ان اذیتوں کا دین دار تھا، جبھی اس نے پہلی قسط ادا کرتے ہوئے اس کے اشک اپنے ہونٹوں سے چن لیے تھے۔

☆☆☆

عائشہ آپی آئی ہوئی تھیں، انہوں نے ستارا کی خوب کلاس لی تھی۔

"تمہارے سسر کا فون آیا تھا ابا کو، بہت پریشان ہیں وہ، دیور تمہارا ہاسپٹل پڑا تھا اور خود تم یہاں آ کر بیٹھ گئی ہو یہ کیا طریقہ ہے، اچھی لڑکیاں اس طرح چھوٹی چھوٹی باتوں پہ گھر چھوڑ کر نہیں آتیں۔"

"جب آپ کو یہ نہیں پتہ کہ بات کیا ہے تو پھر آپ اس کے چھوٹا یا بڑا ہونے کے بارے میں کیسے فیصلہ کر سکتی ہیں؟" اس نے غصے سے کہا۔

"تم چھوٹی ہو مجھ سے، چھوٹی ہی رہو، مجھے مت سکھاؤ، گھر بسانے کے لئے قربانی دینی پڑتی ہے ستارا بی بی اس طرح دوسری بار بھی باپ کے گھر آ کر بیٹھنے سے کیا ہو گا؟" وہ بے عزتی کرتے ہوئے بولیں تھیں، ستارا کا چہرہ سرخ پڑ گیا تھا۔

"میرے ماں باپ زندہ ہیں، آپ مجھ سے اس طرح بات کرنے والی کون ہوتی ہیں؟" وہ

چیخ کر بولی تھیں۔

"آواز دھیمی رکھ کر بات کرو۔" عائشہ آپی نے سختی سے کہا تھا۔

"آپ بھی۔" وہ دوبدو بولی تھی۔

"اچھی لڑکیاں اس طرح نہیں کرتیں ستارا، اگر خدا نے تم پہ کرم کیا ہے، تمہیں ایک اچھے شوہر سے نوازا ہے تو تم اس طرح ناشکری مت کرو، اگر یوں ہر بات پر تماشا بنا کر لڑکیاں گھر چھوڑ کر آنے لگیں تو بس چلے گھر، اچھی لڑکیاں اس......"

عائشہ کی بات ابھی بیچ میں تھی کہ ستارا نے ان کی بات کاٹ دی۔

"اچھی لڑکیاں...... اچھی لڑکیاں، کیا مطلب ہے آپ کا؟ بند کریں یہ اچھی لڑکیوں کی رٹ، میں نہیں ہوں اچھی لڑکی، سن لیا آپ نے۔" وہ پھٹ پڑی تھی۔

"بکواس بند کرو، تمہارا دماغ خراب ہو چکا ہے، تم گھر بسانا ہی نہیں چاہتیں۔" وہ غضب ناک ہو کر بولیں تھیں۔

"میں بس اس شخص کے گھر نہیں جانا چاہتی۔" وہ ضدی انداز میں بولی تھی۔

"کیوں؟ ساری زندگی میرے باپ کے سینے پہ بوجھ بنی رہنا ہے تمہیں؟" انہوں نے طنز کیا۔

"آپ کا مسئلہ کیا ہے؟ میں اپنے ماں باپ کے گھر ہوں، آپ کے گھر نہیں۔" اس نے بدتمیزی سے کہا تھا، عائشہ کے جواب دینے سے پہلے ہی اماں آگئیں اندر۔

"کیا تماشا بنایا ہے تم دونوں نے، آواز باہر تک آرہی ہے، کیا جھگڑا ہے؟" وہ غصے سے پوچھنے لگیں۔

"آپ کی بیٹی کے ارادے مستقل یہیں قیام کرنے کے ہیں اماں۔" عائشہ نے تلخی سے کہا تھا اشارہ اس کی طرف تھا۔

"کیا بکواس ہے یہ؟" انہوں نے ستارا کو گھورا۔

"بکواس ہی سہی، میں کہیں نہیں جاؤں گی، آپ کو بتا چکی ہوں میں۔" ستارا نے ہٹ دھرمی سے کہا۔

اماں چند لمحے اسے دیکھتی رہیں، وہ شائد ناقابل یقین دکھائی دیتی تھیں۔

"تو تم اپنے گھر نہیں جاؤ گی؟" انہوں نے سوال کیا۔

"وہ میرا گھر نہیں ہے۔" اس نے تصحیح کی۔

"شادی کے بعد شوہر کا گھر ہی عورت کا اصل گھر ہوتا ہے۔" انہوں نے بھی اس کی تصحیح کی تھی۔

"میں نہیں مانتی اس کے گھر کو اپنا گھر۔" اس نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

"اور ہم تمہیں اس گھر میں رکھیں گے نہیں۔" اماں بھی آخر اس کی ماں تھیں، انہوں نے اسی ٹون میں جواب دیا تھا۔

ستارا کا رنگ بدلا تھا، اسے ماں سے ایسے رویے کی امید نہ تھی، اسے لگا تھا وہ اس کا ساتھ دیں گی۔

"تو ٹھیک ہے مت رکھیں آپ، میں چلی جاؤں گی یہاں سے بھی، کسی بھی جگہ چلی جاؤں گی، مگر وہاں نہیں جاؤں گی، میں سمجھوں گی میرا کوئی بھی نہیں، میرے ماں باپ مر چکے ہیں، میں کسی دارالامان میں چلی جاؤں گی اور......"

وہ زور زور سے بولتے ہوئے نفرت سے کہہ رہی تھی جب ماں کے زوردار تھپڑ نے اس کو خاموش ہو جانے پر مجبور کر دیا تھا۔

"شرم کرو، اپنی ضد اور انا کی خاطر ماں باپ کو مارنے چلی ہو، تم اس قدر اپنے وقار سے گر گئی ہو کہ اتنا انتہائی قدم اٹھانے کا اعلان کرتے ہوئے تمہیں ایک بار بھی احساس نہیں ہوا کہ یہ "دارالامان" نامی تحفہ تم اپنی ماں کے سامنے پیش کر رہی ہو۔" وہ طیش سے بول رہی تھیں۔

"عائشہ! مصعب کو فون کرو، اسے آج شام آ کر لے جائے، جب دھکے ہی کھانا چاہتی ہے تو اسی در کے کھائے جس کا فیصلہ اس کے باپ نے کیا ہے اس کے لئے۔" ان کا انداز قطعی اور غیر جذباتی تھا، وہ فیصلہ سنا کر باہر نکل گئیں، جبکہ ستارا اسی طرح ساکت سی کھڑی تھی۔

☆☆☆

"مغل ہاؤس" میں ایک عام سا دن تھا، سہ پہر کے بعد وہ سب لوگ لاؤنج میں چائے کے لئے جمع تھے، علینہ نے بخت کو مگ پکڑاتے ہوئے سیدھا ہونا چاہا تھا جب نامعلوم کس طرح مگ چھلک گیا اور گرم چائے اس کے ہاتھ کے ساتھ اس کے بازو پر بھی گری تھی۔

علینہ کے منہ سے چیخ نکل گئی، اس کا رنگ بدل گیا تھا، اس نے جلدی جلدی دوپٹے سے بخت کا ہاتھ پونچھنا شروع کر دیا جو کہ اب سرخ ہو چکا تھا، باقی سب بھی دم بخود بیٹھے تھے، یوں جیسے حیرت سے ساکن ہوں، اگر یہی چائے علینہ کی بجائے کسی اور کے ہاتھوں گری ہوتی تو اب تک بخت اسے دو تین تھپڑ تو مار ہی چکا ہوتا، مگر وہ کسی نہیں تھی "علینہ" تھی۔

"کوئی بات نہیں علینہ، میں شرٹ چینج کر لیتا ہوں۔" اس نے نرمی سے اس کا ہاتھ روکا اور اٹھ کر سیڑھیاں چڑھ گیا، وہ اس کے پیچھے بھاگی تھی۔

کمرے میں آ کر اس نے سب سے پہلے بخت کو شرٹ تبدیل کرنے کو دی اور جب وہ بدل کر آیا تو اس کا ہاتھ پکڑ کر بام لگانے لگ گئی، وہ خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔

"سوری زیادہ درد ہو رہا ہے؟" وہ ہونٹ کاٹتے ہوئے اسے پوچھ رہی تھی، اس نے مسکرا کر اس کا گال تھپکا اور نفی میں سر ہلایا تھا۔

"نہیں تو، معمولی بات ہے۔" وہ لاپرواہی سے کہہ رہا تھا، وہ سر ہلا کر ہاتھ روک کر اٹھ گئی اور ہاتھ دھونے چلی گئی۔

شاہ بخت کسی کام سے باہر جا رہا تھا، وہ رات کے کھانے کی تیاری کروانے کے لئے کچن میں آگئی، جب شاہ بخت واپس آیا لاؤنج میں رمشہ چینل چینج کرنے میں مصروف تھی، چند لمحوں بعد اس نے اپنی ایکٹویٹی موقوف کی اور اس کی طرف متوجہ ہوگئی، جو کہ سیل فون پہ غالباً میسجنگ میں بزی تھا۔

"ویسے ہٹ دھرمی کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔" اس نے طنز کیا تھا۔

شاہ بخت نے سیل فون سے نظریں ہٹا کر اِدھر اُدھر دیکھا مگر کسی اور کو نہ پا کر اسے اندازہ ہو گیا کہ وہ اس سے ہی بات کر رہی تھی۔

"نالائق سٹوڈنٹس کی طرح اِدھر اُدھر دیکھنا بند کرو، میں تم سے ہی بات کر رہی ہوں۔" رمشہ نے چڑھائی کرتے ہوئے کہا، شاہ بخت کو ناچاہتے ہوئے بھی ہنسی آگئی۔

"میں کبھی بھی نالائق سٹوڈنٹ نہیں رہا رمشہ، تمہیں اچھی طرح پتا ہے۔" اس نے جوابی طنز کیا تھا۔

"نہ...... نہ مجھے کچھ نہیں پتہ، مجھے تو جو پتا تھا وہ بھی بھول چکا ہے۔"

"اچھا...... آ...... آ...... آ" بخت نے حیرت سے آنکھیں پھیلائیں۔

"ہاں آ آ آ۔" وہ بھی اسی کے انداز میں بولی تھی۔

"بڑا با کمال بندہ ہے حبیب نعمان۔"
"وہ کیسے؟" وہ چونکی۔
"جس نے رمشہ احمد کو سب کچھ بھول جانے پر مجبور کر دیا ہے، وہ کوئی عام انسان تو نہیں ہوگا نا۔" اس نے لطیف سی چوٹ کی، رمشہ ہنس پڑی۔
"مذاق اڑا رہے ہو؟"
"نہیں خوش ہو رہا ہوں۔" اس نے تصحیح کی تھی۔
"اپنے بارے میں کیا خیال ہے؟" اس نے پھر طنزاً کہا۔
"وہ تم علینہ سے پوچھ لو۔" وہ ترکی بہ ترکی بولا۔
رمشہ نے زیرِ لب "علینہ" دہرایا تھا، پھر پھیکی سی ہنسی ہنس پڑی۔
"ہاں اب تمہارے سے متعلقہ ہر بات علینہ سے ہی پوچھنا پڑے گی۔" وہ کہہ رہی تھی اور بخت صوفے کی پشت سے کمر ٹکاتا ہوا دونوں بازو پھیلا کر ہنسا اور گنگنانے لگا۔
"ٹھیک کہا تم نے، میں لاپتا....." اس کے چہرے پہ سکون اور خوشی پھیلی تھی۔
اس سے زیادہ برداشت کرنا رمشہ کے بس کی بات نہ تھی، وہ اتنی اعلیٰ ظرف نہیں تھی کہ اسے کسی دوسرے کے ساتھ خوش ہوتے دیکھتی رہتی اور برداشت کرتی۔
"مجھے آج بھی یاد ہے کہ ہمارا پہلا جھگڑا علینہ کی بات پر ہی ہوا تھا، تمہیں اس بات پر اعتراض تھا کہ میں اسے اپنے اور تمہارے جھگڑے میں اس کو کیوں لائی ہوں، تمہیں لگتا تھا کہ میں اور میری سوچیں غلط ہیں، تمہیں لگتا تھا میں غلط سوچتی ہوں اور ہمیشہ غلط ہی بولتی ہوں، کیونکہ صحیح تو صرف شاہ بخت ہی ہو سکتا ہے۔" وہ تلخی سے اسے یاد دلاتے ہوئے جتا رہی تھی۔
"اوہ کم آن رمشہ! چھوڑو نہ پرانی باتیں۔" وہ لاپرواہی سے بولا تھا۔
"اتنی آسانی سے؟" رمشہ نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔
"کیوں کیا اتنا مشکل ہے؟" اس نے بھنویں اچکا کر پوچھا تھا۔
"اتنا آسان بھی نہیں ہے۔" وہ افسردگی سے بولی تھی۔
"یہ تو پھر اپنے اپنے ظرف کی بات ہے نا۔" شاہ بخت نے جیسے گیند اس کی کورٹ میں پھینک دی تھی۔
"ہاں یہ اچھی کہی تم نے، سب کچھ کر کے بات مرضی اور ظرف پر ڈال دو۔" وہ تلخ ہو گئی۔
"ہاں..... دیکھو نا، میں علینہ کے ساتھ بہت خوش ہوں اور یقیناً تم حبیب کے ساتھ، تو پھر آپس میں جھگڑا کرنے کی کیا ضرورت ہے، لیٹس بی فرینڈز اگین۔" وہ مسکرا کر کہہ رہا تھا، اس کے اطمینان پر رمشہ کو آگ لگ گئی تھی۔
"اچھا، کاش یہ اعلیٰ ظرفی تم نے میری منگنی پہ دکھائی ہوتی، جب انسان کا اپنا سب کچھ ٹھیک ہوتا اس کی اپنی ساری سائیڈز سیکور ہوتا ہاں، تب وہ دوسروں کو تسلیاں بہت اعلیٰ قسم کی دے لیتا ہے، ہونہہ، مجھے سب بھول جانے کا درس یقیناً اس لئے دے رہے ہو نا کہ خود بھی کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر بیٹھے ہو، ورنہ یہ تو یقیناً یاد ہوتا تمہیں کہ علینہ کا سابقہ رویہ کیسا تھا تمہارے ساتھ؟ ہونہہ بات کرتے ہو اعلیٰ ظرفی کی۔" اس نے تڑپ کر کہا تھا۔
کچن سے فرائز کی پلیٹ لاتے ہوئے علینہ نے بھی رمشہ کی یہ ساری بکواس بڑے اطمینان سے سنی تھی اور آگے بڑھ کر بخت کے ساتھ بیٹھ گئی۔
"رمشہ آپی! اس میں غصہ کرنے کی کیا بات ہے، شادی سے پہلے انسان کی کمٹس کچھ اور ڈیمانڈ کرتی ہیں، شادی کے بعد کچھ اور، اب میرا اور شاہ بخت کا کیا کلیش تھا، وہ ہم دونوں کو پتا ہے، آپ کو نہیں، اس لئے آپ اس کے ساتھ غصہ مت ہوں، صلح کر لیں۔" وہ فرائز منہ میں ڈالتے ہوئے اتنے پرسکون اور ہموار لہجے میں بولی تھی کہ رمشہ کو یقین ہی نہ آیا تھا۔
وہ اتنی کمپوزڈ تھی کہ رمشہ کو اپنا آپ اس کے سامنے چغد محسوس ہو رہا تھا۔
"آہاں، میں تو بھول ہی گئی تھی کہ اس سارے تماشے کی وجہ تم ہی ہو، میرے ساتھ زیادہ بکواس کرنے کی ضرورت نہیں ہے، نہ ہی مجھے تمہارے مشوروں کی ضرورت ہے، باقی رہی صلح، ہونہہ وہ گئی بھاڑ میں۔" وہ غصہ نکالتی، پیر پٹختی وہاں سے اٹھ گئی۔
"افسوس، کاش یونیورسٹی میں آپ نے کچھ مینرز بھی سیکھے ہوتے۔" اس نے تاسف سے کہہ کر گویا جلتی پہ تیل ڈالا تھا۔
"مجھے تم سے زیادہ تمیز ہے، علینہ صاحبہ، ذرا اپنے آپ کو آئینے میں دیکھ لو، شاہ بخت کو تو اللہ جانے کس چیز نے تمہارے پیچھے پاگل کیا ہوا تھا، تمہیں تو اس سے بات تک کرنے کی تمیز نہیں۔" رمشہ کا چہرہ غصے سے لال بھبوکا ہو رہا تھا۔
"بی ہیو یور سلیف رمشہ! وہ مجھ سے جس طرح مرضی بات کرے، تمہیں کیا پرابلم ہے تمہیں گارجین بننے کی ضرورت نہیں ہے۔" شاہ بخت نے طیش میں آ کر کہا۔
"مجھے تو کوئی پرابلم نہیں ہے پرابلم تو پورے "مغل ہاؤس" کو ہے۔" اس نے تپ کر کہا تھا۔
"جن کو ہے وہ سیدھے مجھ سے آ کر بات کریں، تمہیں بیچ میں آنے کی ضرورت نہیں۔" اس نے گویا وارننگ دی تھی۔
"چھوڑو نا، شاہ بخت۔" علینہ نے اس کے شانے پہ ہاتھ رکھ کر اسے اپنی طرف یوں متوجہ کیا، جیسے اس سارے معاملے کو انتہائی غیر ضروری سمجھتی ہو، رمشہ تو اس کے انداز پہ جل کر خاک ہو گئی، پیر پٹختی وہ وہاں سے نکل گئی۔

☆☆☆

عزتِ نفس!
خودداری!!!
انا!!!
آن!!!
باضمیر ہونے کا خوبصورت احساس!
غیرت مند ہونے کا فخر!
ذاتی تکریم کا مان!
اور
سب سے بڑھ کر
ماں باپ کے گھر میں ہونے کا غرور!!
سب کچھ پل بھر میں راکھ کا ڈھیر بن گیا تھا، فیصلہ سنا دیا گیا تھا۔
عائشہ آپا نے فون کر دیا تھا، مگر رات کو اسے لینے نوفل نہیں آیا تھا، بلکہ اس کی جگہ صدیق احمد خود آئے تھے، انہوں نے ابا سے ملتے ہوئے بڑے باوقار طریقے سے معذرت کی تھی۔
"مجھے بہت افسوس ہے بھائی صاحب، ہماری بیٹی پہلی بار آئی تھی، اصولی طور پر اسے لینے معصب کو خود آنا چاہیے تھا مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ وہ آج صبح انتہائی ایمرجنسی میں اسلام آباد گیا ہے، بٹی عائشہ کا فون گیا اسے تو اس نے مجھے کال کر کے خاص طور پر کہا ہے کہ پاپا آپ نے خود اسے لینے جانا ہے، میں نہیں چاہتا کہ وہ یہ محسوس کرے کہ اس کی اہمیت میں کوئی کمی ہو گئی ہے اور

اس کے ماما پاپا سے میری طرف سے خاص طور پر معذرت کیجیے گا اور کہیے گا کہ میں خود حاضر ہوں گا ان کے ہاں۔" وہ انتہائی اپنائیت سے کہہ رہے تھے۔

اماں ابا تو خوشی سے نہال ہو گئے تھے، کیسے ادب آداب اور رکھ رکھاؤ والے لوگ تھے اور ستارا کتنی پاگل تھی جو ناشکری کیے جا رہی تھی، انہوں نے مطمئن ہو کر کھانا لگوانے کا اشارہ کیا اور خود بھی اندر کی طرف چل پڑیں۔

اور یوں وہ اپنے سسر کے ساتھ گھر آ گئی، راستے میں وہ اس سے باتیں کرتے رہے جیسے اسے تنہائی کا احساس نہ دلانا چاہتے ہوں، اسے سے پوچھتے رہے کہ اس کا قیام کیسا رہا؟ وہ مختصر جوابات دیتی رہی، گھر پہنچ کر وہ اپنے کمرے میں چلی گئی۔

ہر چیز ویسی ہی تھی جیسی وہ چھوڑ کر گئی تھی، کچھ بھی نہیں بدلا تھا، نوفل صدیق احمد کا کلاسکی ذوق، کمرے کی سجاوٹ سے عیاں تھا، بادشاہی طرز کا فرنیچر، دبیز اور اعلیٰ ڈیزائن کے ایرانی قالین، بھاری پردے اور منقش سنگھار میز......!

اس کی شادی کی انلارجڈ فوٹو!

جس کے آگے وہ تا دیر کھڑی رہی، پھر جلتی آنکھوں سمیت باتھ روم کی سمت لباس تبدیل کرنے کی غرض سے بڑھ گئی، نائٹ سوٹ پہن کر اس نے کمرے کی روشنیاں ہلکی کر دیں اور خود بیڈ پر آ گئی، ذہنی تھکن نے اسے بے حال کیا ہوا تھا، کچھ لمحوں بعد ہی وہ گہری نیند میں چلی گئی، پتہ نہیں رات کا کون سا پہر تھا، جب اس نے خود کو ایک حصار میں مقید پایا تھا۔

"میری جان! میری زندگی! میری روح!"

وہ اس کے قریب تھا، وہ بے یقین، یہ شخص تو شہر سے باہر تھا پھر اب ایک دم سے کہاں سے آ گیا تھا؟ اس نے مزاحمت کرنے کی کوشش کی تھی، وہ شاید حیران ہوا تھا۔

"میں بہت مشکل سے آ سکا ہوں۔" اس نے سرگوشی کی تھی۔

"یہ غلط ہے، چھوڑو مجھے۔" وہ اس کی گرفت میں پھڑ پھڑا رہی تھی۔

"میں حق رکھتا ہوں، تم مجھے اس طرح انکار نہیں کر سکتی، میں بہت دنوں سے تم سے دور تھا جب پتہ لگا کہ تم اس گھر میں ہو، رہا ہی نہیں گیا، کیوں دور بھاگتی ہو مجھ سے تارا، تم جان ہو میری،...... جان۔" اس نے ستارا کو سینے سے لگا لیا، اس شخص کی پیش قدمی میں اتنی بے ساختگی تھی کہ وہ کسی طور مزاحمت نہ کر سکی۔

اگلی صبح ناشتے کی میز پہ ستارا کی آنکھیں سرخ اور سوجی ہوئی تھیں، پاپا نوفل کو دیکھ کر حیران رہ گئے تھے۔

"تم کب آئے؟"

"لیٹ نائٹ آیا تھا پاپا، تھکا ہوا تھا، آتے ہی سو گیا، آپ کو کیا تنگ کرتا رات کے وقت، جبھی بس سوچا صبح مل لوں گا۔" اس نے چائے کے سپ لیتے ہوئے اطمینان سے بتایا تھا۔

اس کے "آتے ہی سو گیا" پہ ستارا نے ایک جلتی ہوئی نگاہ اس پر ڈالی تھی، مسئلہ تو یہ تھا کہ وہ ڈرامے کی روایتی ہیروئن نہیں تھی جو گھر چھوڑ کر کسی سچ مچ کے دارالامان میں چلی جاتی اور کوئی اسے پوچھنے والا بھی نہ ہوتا یا پھر ایک دم سے ہی وہ اتنی بہادر ہو جاتی کہ تنہا کسی فلیٹ میں رہنا شروع کر دیتی اور ساتھ ہی اسے جاب بھی مل جاتی اور وہ ہر وقت روتی بسورتی سوچتی کہ زندگی وہ تنہا گزارے گی اور بیک گراؤنڈ میں کوئی سیڈ سونگ چل رہا ہوتا۔

ہاں وہ واقعی کسی افسانے اور ڈرامے کی

ہیروئن نہ تھی، یہ سچی زندگی تھی اور زندگی میں [illegible]

اور اس سے چھٹکارا اتنی آسانی سے کہاں ممکن تھا اور بہت بہادر بن کر اگر وہ غلطی سے ایسا کوئی قدم اٹھا بھی لیتی تو اماں ابا کا تو اسے پتہ نہیں تھا مگر وہ اک شخص کہ جس کا نام نوفل صدیق تھا وہ کسی صورت چھوڑنے پہ نہ آتا، وہ اسے پاتال سے بھی ڈھونڈ لاتا وہ اچھی طرح آگاہ تھی اس کے رسوخ سے، اب اسے اندازہ ہو چکا تھا کہ وہ شخص کیا کیا کر سکتا تھا اور اس کے ہاتھ کتنے لمبے تھے؟ اور وہ تھی کیا؟ آخر کار ایک عام سی لڑکی ہی تو تھی۔

جبھی وہ عزت سے اپنی اس جگہ پہ آ گئی جو کہ اس شخص نے اس کے لیے منتخب کی ہوئی تھی۔

"آفس جاؤ گے تم؟" پاپا نے پوچھا۔

"نہیں بہت تھکن محسوس کر رہا ہوں، آرام کروں گا، دوپہر میں کسی وقت آ جاؤں گا۔" اس نے کہا۔

"یہ بھی ٹھیک ہے اور ہاسپٹل نہیں جانا؟" انہوں نے استفسار کیا۔

"وہاں کون ہے؟" ستارا کو فوری طور پہ طلال کا حادثہ یاد نہ آ سکا، اس کے سوال پر نوفل کا چہرہ سرخ ہوا تھا، اس نے چائے کا کپ ٹیبل پہ پٹخا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

"وہاں وہ شخص ہے جسے زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں تھا، جبھی میں نے اسے گولی مار دی۔" اس نے سرد مہری سے کہا تھا، ستارا کا رنگ سفید پڑ گیا، اسے یقین نہیں آیا۔

"گولی مار دی؟" اس کے لب پھڑپھڑائے تھے۔

"ہاں۔" اس نے کہا اور چیئر دھکیل کر لمبے لمبے قدم اٹھاتا وہاں سے نکل گیا۔

"یہ کیا کہہ رہے تھے پاپا؟ کیا یہ سچ ہے۔" اس نے بدحواسی سے صدیق کو دیکھتے ہوئے

[illegible]

انہوں نے بے چارگی سے سر ہلایا اور اٹھ کر چلے گئے، جیسے اس کے مزید سوالات سے بچنا چاہتے ہوں، اس نے بھی کچھ کہنے کی بجائے کرسی پیچھے کی اور اٹھ کر اندر کی طرف چلی گئی، نوفل لیپ ٹاپ گود میں رکھے بیڈ پہ نیم دراز تھا، وہ سیدھی اس تک آئی۔

"یہ تم نے کہا ہے جو ابھی، وہ کیا ہے نوفل؟" اس نے پھر سے سوال اٹھایا، نوفل نے نظریں سامنے سے ہٹا کر اسے دیکھا۔

"ہاں، صحیح کہا ہے میں نے۔" اس کے اطمینان نے ستارا کو مزید بدحواس کیا تھا۔

"تم نے اپنے بھائی کو شوٹ کر دیا؟" اس نے ایک ایک لفظ پہ زور دیتے ہوئے پھر پوچھا۔

"اس شخص نے میرا گھر تباہ کر دیا، اسے زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں تھا، مگر پھر بھی وہ بچ گیا۔" اسے افسوس تھا۔

"ایسا کیا کر دیا ہے اس نے؟" وہ الجھ پڑی۔

"اس کی بکواس کی وجہ سے ہمارا جھگڑا ہوا تھا، تم شاید بھول رہی ہو۔" اس نے یاد دلایا۔

"یہ فضول بات ہے، سچ بھی نہ سہی تو مجھے پتا چل ہی جانا تھا۔" اس نے سرد مہری سے کہا اور باہر نکل گئی، نوفل نے پرسوچ نظروں سے اسے کی پشت کو دیکھا تھا۔

☆☆☆

اس کی آنکھ کھلی تھی اور بہت دیر چھت پہ ٹکی رہی، پھر اس نے اپنے بائیں طرف دیکھا جہاں وہ سو رہی تھی، اس کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں سمیٹ کر اپنے گال کے نیچے رکھے وہ اس سے مکمل طور پہ بے خبر اور گہری نیند میں تھی، وہ بہت دیر تک اسے دیکھتا رہا، وہ اس کے سونے کی سب

ہیروئن نہ تھی، یہ حقیقی زندگی تھی اور بڑی تلخ تھی اور اس سے چھٹکارا اتنی آسانی سے کہاں ممکن تھا اور بہت بہادر بن کر اگر وہ غلطی سے ایسا کوئی قدم اٹھا بھی لیتی تو اماں ابا کا تو اسے پتہ نہیں تھا مگر وہ اک شخص کہ جس کا نام نوفل صدیق تھا وہ کسی صورت چھوڑنے پہ نہ آتا، وہ اسے پاتال سے بھی ڈھونڈ لاتا وہ اچھی طرح آگاہ تھی اس کے رسوخ سے، اب اسے اندازہ ہو چکا تھا کہ وہ شخص کیا کیا کر سکتا تھا اور اس کے ہاتھ کتنے لمبے تھے؟ اور وہ تھی کیا؟ آخر کار ایک عام سی لڑکی ہی تو تھی۔

جبھی وہ عزت سے اپنی اس جگہ پہ آ گئی جو کہ اس شخص نے اس کے لئے منتخب کی ہوئی تھی۔

''آفس جاؤ گے تم؟'' پاپا نے پوچھا۔

''نہیں بہت تھکن محسوس کر رہا ہوں، آرام کروں گا، دوپہر میں کسی وقت آ جاؤں گا۔'' اس نے کہا۔

''یہ بھی ٹھیک ہے اور ہاسپٹل نہیں جانا؟'' انہوں نے استفسار کیا۔

''وہاں کون ہے؟'' ستارا کو فوری طور پہ طلال کا حادثہ یاد نہ آ سکا، اس کے سوال پر نوفل کا چہرہ سرخ ہوا تھا، اس نے چائے کا کپ ٹیبل پر پٹخا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

''وہاں وہ شخص ہے جسے زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں تھا، جبھی میں نے اسے گولی مار دی۔'' اس نے سرد مہری سے کہا تھا، ستارا کا رنگ سفید پڑ گیا، اسے یقین نہیں آیا۔

''گولی مار دی؟'' اس کے لب پھڑ پھڑائے تھے۔

''ہاں۔'' اس نے کہا اور چیئر دھکیل کر لمبے لمبے قدم اٹھاتا وہاں سے نکل گیا۔

''یہ کیا کہہ رہے تھے پاپا؟ کیا یہ سچ ہے۔'' اس نے بدحواسی سے صدیق کو دیکھتے ہوئے پوچھا جن کے چہرے پر دکھ اور رنج پھیلا ہوا تھا، انہوں نے بے چارگی سے سر ہلایا اور اٹھ کر چلے گئے، جیسے اس کے مزید سوالات سے بچنا چاہتے ہوں، اس نے بھی کچھ کہنے کی بجائے کرسی پیچھے کی اور اٹھ کر اندر کی طرف چلی گئی، نوفل لیپ ٹاپ گود میں رکھے بیڈ پہ نیم دراز تھا، وہ سیدھی اس تک آئی۔

''یہ تم نے کہا ہے جو ابھی ابھی، وہ کیا ہے نوفل؟'' اس نے پھر سے سوال اٹھایا، نوفل نے نظریں سامنے سے ہٹا کر اسے دیکھا۔

''ہاں، صحیح کہا ہے میں نے۔'' اس کے اطمینان نے ستارا کو مزید بدحواس کیا تھا۔

''تم نے اپنے بھائی کو شوٹ کر دیا؟'' اس نے ایک ایک لفظ پہ زور دیتے ہوئے پھر پوچھا۔

''اس شخص نے میرا گھر تباہ کر دیا، اسے زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں تھا، مگر پھر بھی وہ بچ گیا۔'' اسے افسوس تھا۔

''ایسا کیا کر دیا ہے اس نے؟'' وہ الجھ پڑی۔

''اس کی بکواس کی وجہ سے ہمارا جھگڑا ہوا تھا، تم شاید بھول رہی ہو۔'' اس نے یاد دلایا۔

''یہ فضول بات ہے، سچ کبھی نہ کبھی تو مجھے پتا چل ہی جانا تھا۔'' اس نے سرد مہری سے کہا اور باہر نکل گئی، نوفل نے پرسوچ نظروں سے اسے کی پشت کو دیکھا تھا۔

☆☆☆

اس کی آنکھ کھلی تھی اور بہت دیر چھت پہ ٹکی رہی، پھر اس نے اپنے بائیں طرف دیکھا جہاں وہ سو رہی تھی، اس کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں سمیٹ کر اپنے گال کے نیچے رکھے وہ اس سے مکمل طور پر بے خبر اور گہری نیند میں تھی، وہ بہت دیر تک اسے دیکھتا رہا، وہ اس کے سونے کی سب

اداؤں سے واقف تھا، بہت عرصہ پہلے بھی بچپن میں اور اوائل لڑکپن میں وہ ایسے ہی بے فکری سے سوتی تھی، پھر وہ بڑی ہو گئی، اسید نے اسے بدلتے دیکھا، پھر وہ رات گئے جاگتی تھی اور پتہ نہیں کب سوتی تھی؟ پھر ان کی شادی ہو گئی۔

پھر وہ اس کے پاس آ گئی، تب وہ بہت برا سوتی تھی، بلکہ سوتی کب تھی بس روتی رہتی تھی، رات گئے تک اس کی سسکیاں اور آنسو اسے جگائے رکھتے تھے، بہت دفعہ وہ نیند میں بھی اذیت سے روتی تھی اور ''بابا'' کو پکارتی تھی، پھر وہ تیمور کے ساتھ واپس چلی گئی اور اب ایک بار پھر اس کے ساتھ تھی، اس کے پاس تھی ہاں وہ اس کی ساری اداؤں سے واقف تھا، وہ حبا کی نبض کو جانتا تھا، اسے پتا تھا اب وہ بہت پرسکون ہو کر سوئی ہوئی تھی، اس نے خود کو ڈھیلا چھوڑا ہوا تھا اس کے اعصاب مکمل طور پر پرسکون اور ریلکسیڈ تھے، اس نے اپنے دائیں طرف دیکھا، جہاں کچھ فاصلے پر شفق سوئی تھی، اس کی بیٹی، اس نے بازو آگے کر کے اسے اپنے قریب کر لیا اور پھر دونوں کو اپنے سینے سے لگا لیا۔

وہ اس کی تھیں، اس کی ذمہ داری تھیں، خدا کے بعد اس زمین پر وہ ان کا سہارا تھا، ان کا وارث اور چھتنار تھا، وہ اس کی ملکیت تھیں، بلکہ اس کی متاع تھیں۔

اس نے اپنے خزانے اپنی متاع حیات کو سینے سے لگایا اور آنکھیں بند کر لیں، وہ اس وقت ایسا سکون محسوس کر رہا تھا کہ اگر کوئی اس سے اس کی ساری دولت بھی مانگ لیتا تو وہ کبھی انکار نہ کرتا، اس سکون کے بدلے تو وہ ہر چیز دینے کو تیار تھا۔

زندگی میں ہر شخص اپنے تجربے سے خود سبق سیکھتا ہے اگر لوگ دوسروں کا حال دیکھ کر سبق سیکھ لیں تو مثالیں کہاں سے بنیں گی، اس نے بھی اپنی غلطیاں خود سدھاری تھیں اور سبق بھی سیکھا تھا، مگر اک سبق اور بھی وقت نے اس کی جھولی میں ڈالا تھا۔

''جس سے ایک بار محبت ہو جائے نا، وہ جتنا بھی درد دے، کتنا بھی رسوا کرے، خواہ آپ کے وجود کو ٹکڑوں میں تقسیم کر دے، اس دنیا میں ایسی کوئی چیز نہیں جو اس محبت کو نفرت میں بدل سکے۔''

☆☆☆

اس نے ہلکے سے دروازے پہ دستک دی اور اندر چلا آیا۔

''جی امی! آپ نے بلایا تھا۔'' وہ ان کے پاس بیٹھ گیا۔

نیلم اور طارق نے ایک دوسرے کا منہ دیکھا تھا، طارق نے اس کے پاس بیٹھ کر اس کے کندھے کے گرد بازو پھیلا لیا۔

''دیکھو بیٹا! میں جو بات تم سے کہنے جا رہا ہوں، اس پر غصہ کئے بغیر کھلے دل سے غور کرنا، ہو سکتا ہے تم میری بات سے اتفاق نہ کرو، مگر پھر بھی تمہیں کوئی قدم ضرور اٹھانا پڑے گا۔'' انہوں نے تمہید باندھی۔

''ایسی کون سی بات ہے؟'' اس نے الجھ کر انہیں دیکھا۔

''مجھے تم سے علینہ کے معاملے پہ بات کرنی ہے۔''

''علینہ؟ کیا مطلب؟'' وہ حیران ہوا۔

''اسے لے کر گھر میں جو مسائل ہو رہے ہیں وہ کوئی اتنے خوشگوار نہیں ہیں، اس کا تمہارے ساتھ رویہ مجھے شروع سے پسند نہیں ہے، حقیقت پسندی کا تقاضا بھی یہی ہے کہ بہر حال اسے اپنے اور تمہارے رشتے کا دھیان رکھنا چاہیے، تم اس

کے ہم عمر نہیں ہو، تم اس سے چھ سال بڑے ہو، اسے تمہارا احترام کرنا چاہیے، سب کے سامنے یہ ”بخت، بخت“ کرنا مجھے بالکل پسند نہیں ہے، کم از کم اسے تمہیں آپ تو کہنا چاہیے اور دوسری بات شادی ہو جانے کا مطلب یہ قطعی نہیں کہ انسان باقی دنیا کو بھول کر صرف ایک ہی شخص کا ہو کر رہ جائے، باقی لوگ بھی اس گھر میں موجود ہیں، آپ دونوں پر ان کا بھی حق ہے اور آخری بات علینہ اس گھر میں سب سے چھوٹی ہے، اس کا فرض ہے کہ وہ سب کی عزت کرے، مجھے پتا چلا ہے کہ تم دونوں نے رمشہ سے الجھنے کی کوشش کی ہے بلکہ تمہاری اور رمشہ کی تو تلخ کلامی بھی ہوئی ہے، مجھے یہ سب پسند نہیں آیا، میں اس حق میں قطعاً نہیں ہوں، تم دونوں مشترکہ خاندانی نظام میں رہ رہے ہو، کہیں تنہا نہیں ہو جو یوں ساری احتیاط انسان فراموش کر دے، اب تم شادی شدہ ہو، ذمہ دار اور سمجھ دار بھی ہو، اس لئے تمہیں اس صورتحال کو بدلنا ہوگا۔“ انہوں نے نرمی سے اپنی بات مکمل کی تھی البتہ لہجہ بہت دوٹوک تھا۔

شاہ بخت نے بہت تحمل سے ان کی بات سنی تھی پھر وہ ہلکے سے سیدھا ہوا اور انہیں دیکھا۔

”میں نے آپ کی ساری باتیں بہت دھیان سے سنی ہیں، اب آپ میری سنیں، پہلی بات تو یہ کہ مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ مجھے کیسے بلاتی ہے، میرے نزدیک اہم یہ ہے کہ وہ مجھ سے پیار کرتی ہے، مگر پھر بھی میں آپ کی بات ویلیو کرتا ہوں، میں اسے سمجھاؤں گا، دوسری بات رمشہ نے خود میرے ساتھ بحث شروع کی تھی، مجھے اس سے الجھنے کا کوئی شوق نہیں ہے اور رہی بات علینہ کی انوالومنٹ کی تو یہ قطعی طور پر غلط ہے میں یہ اس لئے نہیں کہہ رہا کہ وہ میری بیوی ہے بلکہ اس لئے کہہ رہا ہوں کہ آپ سب بھی اسے جانتے ہیں، وہ کسی سے بحث و مباحثے میں بالکل نہیں پڑتی اور آخری بات مجھے بہت اچھی طرح سے اپنی خاندانی روایات کا پاس ہے، میں صبح ناشتے کے وقت سے پہلے تیار ہو کر کمرے سے باہر آتا ہوں اور رات جب سب سونے کے لئے جاتے ہیں تو تب ہی میں بھی جاتا ہوں، میں نے احتیاط کا دامن بالکل فراموش نہیں کیا، مجھے بھی پتا ہے کہ ہم تنہا نہیں رہتے بلکہ جوائنٹ فیملی سسٹم میں رہتے ہیں، میں نے تو کبھی سب کے سامنے اس کا ہاتھ تک نہیں پکڑا، میرے خیال سے اتنا کافی ہے۔“ وہ سرخ چہرے کے ساتھ اٹھا اور باہر نکل آیا۔

لاؤنج میں خاموشی تھی، سب لوگ سونے کے لئے اپنے اپنے کمروں میں جا چکے تھے وہ تیز قدموں سے سیڑھیاں چڑھتا گیا، کوری ڈور میں اسٹینڈ پہ رکھے پی ٹی سی ایل سے علینہ کسی سے بات کر رہی تھی۔

”ہاں جیسا تم نے کہا، سب ویسا ہی ہونا ہے، تم کمال ہو۔“ وہ ہنستے ہوئے کہہ رہی تھی، شاہ بخت نے بے دھیانی اس کی بات کو سنا۔

”علینہ! رات بہت ہو گئی ہے سونے کا ارادہ نہیں، کس کا فون ہے، بعد میں بات کر لینا۔“ وہ دور سے ہی بولا تھا، اسے دیکھ کر علینہ نے جلدی جلدی فون بند کیا اور آگے بڑھ آئی۔

(باقی آئندہ)

تیرویں قسط

ستارا ہوسپٹل گئی تھی طلال کو دیکھنے، وہ بالکل تندرست تھا اور شام تک اسے ڈسچارج کیا جا رہا تھا، ستارا کو دیکھ کر اس کے چہرے پر سرد مہری اتر آئی تھی، جس کی وجہ سے تارا نے اس سے بس رسمی حال احوال ہی پوچھا تھا، وہ پاپا کی وجہ سے آگئی تھی اور نوفل کو خبر تک نہ تھی، خدا معلوم اسے پتا چلتا تو وہ کتنا مائنڈ کرتا اور جب وہ گھر واپس آئی تو اس نے یہ جان کر سکھ کا سانس لیا کہ نوفل گھر نہیں تھا۔

اس نے شاور لے کر بال تولیے میں لپیٹ کر اوپر کر کے سمیٹے اور وارڈ روب کھول لی، کافی چیزیں بکھری ہوئی تھیں، اس نے سمیٹنا شروع کر دیں، یکا یک اس کے دماغ میں اک عجیب خیال آیا تھا، اس نے نوفل کی سائیڈ کے دراز کھول دیئے وہاں حسب توقع وہی فائلز تھیں مگر آج اسے آنکھیں کھول کر دیکھنے کی وجہ سے وہاں ایک البم

ناولٹ

نظر آیا تھا۔

اس نے تیزی سے البم کھینچا اور باقی ساری چیزوں کو کھلا چھوڑ کر ویسے ہی بیٹھ گئی، البم کی بیرونی ٹائٹل پر کچھ لکھا ہوا تھا اور اسے پڑھنے میں دقت ہوئی کیونکہ وہ اردو یا انگلش نہیں تھی، وہ یقیناً مینڈرن تھی، چونکہ ستارا کو وہ پڑھنا نہیں آتی تھی، اس نے سر جھٹک کر اس کا کور پلٹا، وہاں دو تصویریں تھیں، دو خوبصورت چہرے، طلال بن معصب اور نوفل بن معصب۔

اگرچہ وہ دونوں ٹین ایجرز لگ رہے تھے مگر اس کے باوجود ستارا نے ان کو بڑے آرام سے شناخت کر لیا تھا، اس نے اگلہ صفحہ کھولا وہاں کچھ مزید ان کی ہی تصاویر تھیں، ستارا نے بے دلی سے صفحات الٹے تھے اور پھر وہ ایک دم سے چونک گئی۔

وہاں چار لوگ تھے صدیق، نوفل اور طلال

اور......؟ ہاں وہ وہاں تھیں، ایک سیاہ فام خاتون، جوان کے ساتھ کھڑی تھی، اسے حیرت ہوئی بھلا وہ کون تھیں؟ جوان کے ساتھ یوں کھڑی تھیں؟

اس نے سر جھٹک کر اگلا صفحہ پلٹا اور اس بار پھر حیران رہ گئی، نوفل اسی سیاہ فام خاتون کے گلے میں بازو ڈالے کھڑا تھا۔

''آخر کون ہو سکتی ہیں یہ؟ اتنی بے تکلفی؟''

اس نے حیرت سے سوچا تھا، پھر اس کے ذہن میں یکدم ایک خیال آیا۔

''اوہ یہ یقیناً ان کی گورنینس ہوگی۔'' اس نے سوچا۔

اس سے پہلے کہ وہ آگے کچھ دیکھ پاتی، نوفل کی شکل دروازے میں نظر آئی، دونوں کی نظر ملی اور اگلے ہی لمحے نوفل جیسے اڑتا ہوا اس تک آیا تھا، اس نے ایک دم وہ البم اس کے ہاتھ سے کھینچا۔

''یہ کون ہے نوفل؟'' ستارا نے البم اسے پکڑاتے ہوئے پوچھا، نوفل نے لب بھینچ لئے تھے اور اس کے چہرے پر ایک عجیب سا درد بھرا سایہ لہرایا تھا، مگر اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔

''کیا یہ آپ کی کوئی میڈ ہے؟ کافی کلوز لگ رہی ہے آپ سے۔'' اس نے تجسس سے پوچھا تھا، نوفل کا رنگ سرخ پڑ گیا۔

''شٹ اپ، جسٹ شٹ اپ ستارا، یہ میری ماما ہیں۔'' وہ چلا کر بولا تھا۔

ستارا کا رنگ اڑ گیا، اس نے نوفل کو یوں دیکھا جیسے اس کا دماغ خراب ہو گیا ہو، نوفل اب بھینچے ہوئے لبوں کے ساتھ البم الماری میں رکھ رہا تھا، پھر اس نے پٹ بند کیا اور اس کی طرف مڑا۔

''تمہیں یوں میری چیزوں کو دیکھنے کا پورا حق ہے لیکن کم از کم مجھ سے ایک بار پوچھ تو لینا چاہیے تھا۔'' اس کی آنکھوں سے تپش نکل رہی تھی، ستارا کو پہلی دفعہ اس سے ڈر لگا تھا۔

''میں تو بس یونہی......'' اس نے اٹک کر بات ادھوری چھوڑ دی، نوفل کچھ کہے بغیر کمرے سے باہر نکل گیا۔

☆☆☆

''کیا بات تھی؟ چچی جان نے کیوں بلایا تھا؟'' علینہ نے کافی کا مگ اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

''کچھ خاص نہیں، کہہ رہی تھیں تم علینہ کو لے کر کہیں جاتے ہی نہیں، بچی گھر بیٹھی بور ہوتی رہتی ہے۔'' وہ بڑی خوبصورتی سے بات بدل کر اسے تسلی کروا رہا تھا، علینہ نے اس کی بات سن کر نفی میں سر ہلایا تھا۔

''مجھے کوئی شوق نہیں۔''

''مجھے تو ہے۔'' اس نے کہا۔

''تو ہو۔'' اس نے تیکھے انداز میں کہا تھا، شاہ بخت ٹھٹکا، اس کا وہی پہلے سا تیکھا انداز بخت نے شادی کے بعد آج پہلی بار دیکھا تھا۔

''ارے یار، تمہاری پسند مجھ سے الگ ہے کیا؟'' وہ ہنستے ہوئے کچھ جتا رہا تھا۔

''بالکل الگ ہے۔'' وہ پھر جتا کر بولی، بخت کی ہنسی سمٹ گئی۔

''یہ غلط بات ہے جب تم میری ہو تو اصولی طور پر تمہاری پسند ناپسند بھی میرے مطابق ہونی چاہیے۔'' وہ دھونس سے بولا۔

''مگر میں ایک انسان بھی تو ہوں۔'' وہ سنجیدگی سے باور کروا رہی تھی۔

''صحیح کہا تم صرف انسان ہی نہیں، میری جان بھی ہو۔'' وہ اس کا گال کھینچ کر لاڈ سے بولا تھا۔

علینہ اٹھ کر باہر نکل گئی، اسے ایک ضروری فون کرنا تھا، لاؤنج خالی تھا، اس نے فون اٹھا کر گود میں رکھا اور صوفے پہ بیٹھ گئی، آہستہ سے اس کی انگلیاں ایک نمبر ڈائل کر رہی تھیں، دوسری بیل پر فون اٹھا لیا گیا۔

''کیا بات ہے؟''

''پتا نہیں۔''

''کیوں؟''

''بس عجیب سی بے بسی ہے اور بے چینی ہے۔''

''کوئی وجہ بھی تو ہو؟''

''بعض چیزوں کی وجوہات بتانا ضروری نہیں ہوتا۔''

''یہ تو صحیح کہا مگر پھر بھی۔''

''کیا؟''

''تم خوش نہیں ہو؟''

''خوش......؟'' (لمبا خاموشی کا وقفہ) شاید خوشی کا تعلق...... نہیں میں جانتی، خوشی کا تعلق کس چیز سے ہے؟ تمہیں پتا ہے تو بتا دو؟

''خوشی کا تعلق ایک مسکراہٹ سے ہے شاید۔''

''ہاں اور تب جب یہ مسکراہٹ شاہ بخت کی ہو۔'' اس نے کھلکھلا کر بات مکمل کی تھی۔

''صحیح کہا، خوشی کا تعلق احساس سے ہے۔''

''ہاں، تب جب یہ احساس شاہ بخت کرے جیسے کہ وہ ہمیشہ یاد رکھتا ہے مجھے کریم کافی پسند ہے اور اسے بلیک۔'' اب وہ لطف اندوز ہو رہی تھی۔

''بہت اچھے، خوشی کا تعلق آنکھوں سے ہے۔''

''ہاں، جب یہ آنکھیں شاہ بخت کی ہوں، سنہری، شہد رنگ، جھیلیں جنہیں قطرہ قطرہ پینے کو دل کرے۔'' اس نے آنکھیں بند کر کر سرشاری سے کہا تھا۔

''واہ بہت عمدہ اور خوشی کا تعلق دل سے ہے۔''

''ہاں جب یہ دل شاہ بخت کا ہو، خالص اور پاک۔'' وہ غرور سے بولی تھی۔

''کیا بات ہے، خوشی کا تعلق روح سے ہے۔''

''ہاں جب یہ روح شاہ بخت کی ہو، اجلی اور پاکیزہ اور معصوم جسے بس محسوس کرنے کو دل چاہے۔'' اس نے فخر سے کہا تھا۔

''بہت اعلیٰ تو ثابت ہوا کہ خوشی کا تعلق بس شاہ بخت سے ہے۔''

''ہاں خوشی کا تعلق بس شاہ بخت سے ہے جسے دیکھ کر میرے اندر زندگی اترتی ہے، جس کے ہونے کا احساس میری چلتی سانسوں کا ضامن ہے جس کا وجود میرے لئے چشمہ سکون ہے جس کی خوشبو میری روح کی تازگی ہے جس کی زندگی میری آنکھوں کا نور ہے، جو میرے لئے وجہ حیات ہے، تم نے صحیح کہا خوشی کا تعلق صرف شاہ بخت سے ہے۔'' اس کے بول تھے یا عطر میں ڈوبے قلم سے لکھے گئے مشکبور پھولوں سے مزین الفاظ۔

سیڑھیاں اترتے شاہ بخت کے قدم وہیں تھم گئے تھے، کسی نے جیسے سرخ گلابوں کا بھرا ہوا تھال اس پر پھینکا تھا، اس کا وجود خوشبو میں نہلا گیا، اس قدر خوبصورت الفاظ اس کے لئے کہے گئے تھے، وہ جیسے ہواؤں کے دوش پر چلتا ہوا اس تک گیا تھا، علینہ تب تک فون بند کر کے اٹھ چکی تھی۔

''کس خوش قسمت سے میرے متعلق ایسی حسین گفتگو کی جا رہی تھی جس سے میں تا حال محروم ہوں۔'' اس نے چمکدار آنکھوں کے ساتھ علینہ کے آگے کھڑے ہوتے ہوئے کہا تھا۔

"میری دوست تھی۔" علینہ نے مسکراہٹ دبا کر کہا تھا، شاہ بخت ہنس دیا۔

"بڑی خوش قسمت دوست تھی۔"

"آپ سے زیادہ نہیں۔"

"اس بات کا تو مجھے پورا یقین ہے۔" اس نے پہلی مرتبہ یوں بڑے غرور سے کہا تھا اور تقدیر کہیں دور اس کے غرور پر ہنسی تھی۔

بہت دفعہ ہم کسی انسان کو دیکھتے ہیں، جس کے پاس خدا کی تمام نعمتیں ہوتی ہیں، حسن، دولت اور شہرت اور ہم تاسف میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ یہ انسان تو اتنی نعمتوں کا قطعی حقدار نہیں۔

کئی دفعہ ہم کسی ایسے شخص سے ملتے ہیں جو کہ بہت اعلیٰ مقام پر فائز ہوتا ہے اور ہم حسد کا شکار ہو کر سوچتے ہیں کہ یار یہ تو اس قابل ہے ہی نہیں یا پھر اس کی قابلیت اس عہدے کے مطابق قطعاً نہیں۔

ہاں ایسا کئی بار ہوتا ہے کہ ہم کسی شخص کو دیکھ کر غمگین ہو جاتے ہیں، کف افسوس ملتے ہیں کہ آخر وہ چیز میرے پاس کیوں نہیں؟ جبکہ بظاہر اس شخص میں ایسی کوئی قابلیت اور اہلیت نہیں ہوتی۔

مگر ایک انمٹ سچائی ہم فراموش کر دیتے ہیں، ہم بھول جاتے ہیں کہ یہ "خدا کی تقسیم ہے۔"

یہ اس پاک ذات کی مرضی ہے کہ
وہ جسے چاہے عزت دے
جسے چاہے ذلت دے
اور
جسے چاہے بیٹے دے
جسے چاہے بیٹیاں دے
اور
جسے چاہے دولت دے
جسے چاہے شہرت دے
اور
جسے چاہے کچھ بھی نہ دے

"شاہ بخت مغل" بھی انہی چند لوگوں میں سے ایک تھا، خدا کی تقسیم کا شاہکار۔

اس نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ جو نعمتیں اسے عطا کی گئی تھیں آیا وہ ان کا حقدار بھی تھا یا نہیں اور یہ نہ ہی اس نے کبھی یہ سوچنے کی کوشش کی تھی کہ وہ ان نعمتوں کا حق ادا بھی کر رہا تھا؟ کیا وہ اس رب کائنات کا شکر گزار بھی تھا؟ جس نے اس پر بیش بہا رحمتیں کی تھیں، ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم نعمتوں کو حق اور مصیبتوں کو ظلم سمجھتے ہیں، کوئی بھی یہ نہیں سوچتا کہ ان مصائب کو خود پر لادنے میں اس کا کتنا ہاتھ ہے؟

☆☆☆

"مسیحائی صرف وہی کر سکتا ہے جو خود درد سے گزرا ہو۔"

اس نے بھی کرب کی انتہا دیکھی تھی جبھی وہ آگاہ تھی کہ اذیت انسان کو کس طرح توڑتی ہے اور جب یہ اذیت جسمانی کے ساتھ ساتھ ذہنی بھی ہو تو انسان کس طرح ٹوٹتا ہے کہ صدیوں سمٹ نہیں پاتا۔

وہ خود ٹوٹی تھی جبھی جانتی تھی کہ اپنی راکھ سمیٹنا کس قدر مشکل ہوتا ہے، اسے سمیٹنے والے اس کے ماں باپ تھے مگر اسید کو سمیٹنے والا تو کوئی نہ تھا۔

اگرچہ وہ اس کے ستم در ستم اور ظلم در ظلم کا شکار تھی مگر آخر کار وہ حبا تیمور تھی جسے دنیا میں صرف ایک ہی شخص سے محبت ہوئی تھی اور اس محبت میں اتنی فراخ دلی تو تھی کہ وہ آنکھیں بند کر کے سب کچھ بھول سکتی، اگر وہ شخص تین سال بعد نرم پڑا تھا تو اس کی محبت میں اتنی وسعت تو ہونی چاہیے تھی کہ وہ اسے قبول کرتی، اسے سنبھالتی، اسے گرنے نہ دیتی اور اس نے ایسا ہی کیا تھا۔

ہاں وہ حبا تیمور تھی، خواہ اس کا باپ سخت دل اور تنگ نظر تھا مگر اس کی تربیت تو مرینہ خانم کی تھی، جن کی فراخ دلی اس کی گھٹی میں تھی، جبھی وہ کشادہ دلی اور وسیع القلبی سے اسید کو سمیٹنے میں کامیاب ہو گئی تھی، ایسا نہیں تھا کہ اسے اسید کا رویہ بھول گیا تھا مگر جو چیز گزر چکی تھی وہ اس پر ماتم کرتی رہتی تو آنے والے وقت میں بھی کوئی خوشی اس کی جھولی میں نہ پڑتی اور ایسا وہ نہیں کرنا چاہتی تھی۔

ایسا ہی ہوتا ہے ہم لوگ گزرے وقت کے ماتم میں اس قدر مصروف ہوتے ہیں کہ ہمیں نظر ہی نہیں آتا اور خوشیاں ہمارے در سے مایوس لوٹ جاتی ہیں، حبا نے اپنی زندگی میں آنے والے چند جگنوؤں کو مٹھی میں سمیٹ لیا تھا۔

ان دونوں کی زندگی میں بہت بڑا انقلاب آیا تھا، یہ ایسا انہونا اور ناقابل یقین واقعہ تھا کہ حبا بے یقینی میں مبتلا تھی۔

اس نے آفس جانے سے پہلے حبا کے کمرے میں جھانکا جہاں شفق سو رہی تھی، اس نے آگے بڑھ کر سوئی ہوئی اپنی بیٹی کے ماتھے کو چوما تھا اور ڈریسنگ روم سے باہر آتی حبا کے چہرے پر حیرت آمیز خوشی جھلکی تھی، اس منظر کو دیکھنے کی کتنی حسرت تھی اسے، اس نے دل میں اللہ کا شکر ادا کیا جس نے اسے یہ حسین نظارہ دکھا دیا تھا۔

ناشتے کی میز پہ اس نے حبا کو بھی ساتھ ناشتہ کرنے کی دعوت دی تھی، مگر اس نے آرام سے انکار کر دیا یہ کہہ کر کے وہ بعد میں کرے گی جب شفق جاگے گی، اسید نے بھی مزید زور دیے بغیر سر ہلا دیا تھا۔

جب وہ آفس چلا گیا تو حبا خاموشی سے اپنے بیڈ پہ آ کر لیٹ گئی، اس کا دل آج کچھ کرنے کو نہیں کر رہا تھا، وہ ڈھیر سارا سونا چاہتی تھی اور دوبارہ سے وہ سب سوچنا چاہتی تھی جو کہ رات اسید نے اس سے کہا تھا، کتنی عجیب اور قدرے بے وقوفانہ سی خواہش تھی مگر وہ یہ کرنا چاہتی تھی، اس نے پانی کا گلاس پیا اور شفق کے ساتھ لیٹ گئی، آنکھیں بند کر کے اس نے خود کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔

"میں بہت تھک گیا ہوں حبا، اتنا زیادہ کہ مجھے لگتا ہے کہ میں ایک قدم بھی نہیں چل پاؤں گا اور گر جاؤں گا، مجھے تمہارا ساتھ چاہیے۔"

"تم دو گی نا میرا ساتھ؟" اس نے اپنے خدشوں کی یقین دہانی چاہی تھی، حبا نے اس کا ہاتھ تھام کر اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"میں یہ نہیں کہتا کہ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا، مگر میں کوشش کروں گا کہ اب کم از کم وہ نہ ہو جو پہلے ہوتا رہا، میں اپنی طرف سے تمہیں ہر ممکن سکون دینے کی کوشش کروں گا، مگر پھر بھی حبا، جو ہو چکا ہے اسے بھلانا آسان کام نہیں ہے مگر میں ہر بار پرانی باتیں یاد کر کر کے، اپنے زخم ہرے نہیں کر سکتا، یہ انتقام کا سلسلہ اب اور نہیں چلا سکتا میں۔"

"بہت تکلیف ہوتی ہے اس میں۔" اس نے حبا کا ہاتھ مضبوطی سے جکڑا تھا اور اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

"تمہیں درد دے کر میں خود بھی خوش نہیں ہو سکا، شاید اس اذیت کا احساس میرے اندر اتر گیا ہے، میں تمہیں مسکراتے دیکھنا چاہتا ہوں، خوش دیکھنا چاہتا ہوں، بالکل ویسا، جیسے تم پہلے تھیں، ہنستی مسکراتی، کھلکھلاتی ہوئی چڑیا جیسی۔"

وہ کسی خواب کے زیر اثر تھا۔

"مجھ سے باتیں کرو حبا، یوں چپ نہ ہو، کچھ تو کہو، میں تمہاری باتیں سننا چاہتا ہوں، بہت عرصے سے اکیلا ہوں، ترس گیا ہوں۔" حبا کے اندر بارش اتر آئی تھی۔

میرے ہم سفر کا یہ حکم تھا
میں کلام اس سے کم کروں
میرے ہونٹ ایسے سلے کہ پھر
میری چپ نے اس کو رلا دیا

اس کے ذہن میں بڑی شدت سے درد آمیز اشعار گونجے تھے، ہاں ایسا ہی تو ہوا تھا۔

اب وہ اسے بتا رہا تھا کہ کس طرح وہ پل پل مرتا رہا تھا، کیسے کیسے نہیں تڑپا تھا اپنی بیٹی کو سینے سے لگانے کے لئے، اسے اپنا کہنے کے لئے، حبا بے یقینی اور خاموشی سے سنتی رہی، پھر اس نے نرمی سے اسید کا ہاتھ تھام کو سہلایا تھا، جیسے اسے سہارا دینا چاہتی ہو۔

وقت نے اپنی رفتار بدلی تھی، اگر اچھے دن کے انتظار میں اس نے برا وقت دیکھا تھا تو شاید صلہ بھی ملا تھا۔

☆☆☆

رات بہت بے چین کر دینے والی اور گھٹن بھری تھی، وہ ابھی تک کسی بھی راز کے سرے تک نہ پہنچ پائی تھی کہ آخر یہ کیا الجھا ہوا مسئلہ تھا، کیسا جگسا پزل تھا کہ وہ نہیں سمجھ پا رہی تھی۔

نوفل کی ماما نیگرو تھیں جبکہ پاپا بے حد ہینڈسم تھے، دونوں بھائی بھی وجاہت کا مرقع تھے، پھر کیا وہ ان کی دوسری بیوی تھیں؟ مگر پھر نوفل کا ری ایکشن ایسا کیوں تھا؟ اسے اتنا غصہ کیوں آیا تھا، اتنا غصہ تو سگی ماں کے متعلق ہی آ سکتا تھا، وہ ریقین تھی اور سب سے بڑھ کر آخر اس نے جو کچھ ستارا کے ساتھ کیا تھا اس کا مقصد بھلا کیا ہو سکتا تھا؟ کیا دیکھنا چاہتا تھا وہ، کون سی آزمائش مقصود تھی اسے، اس نے ستارا کے ساتھ یہ جھوٹ کیوں بولا تھا کہ وہ خود نیگرو تھا؟ وہ کیا چیک کرنا چاہتا تھا، اس نے اپنا کمپلیکس کیوں انڈیلا تھا، کیا بھید بھرا قصہ تھا۔

وہ سوچ سوچ کر تھک گئی، اس نے کئی بار سوچا کہ وہ پاپا سے پوچھے، پھر اس نے خود ہی اپنی سوچ کو جھٹک دیا، یقیناً وہ اس بات سے بے خبر تھے کہ نوفل پہلے ہی ستارا کو پسند کر چکا تھا اور اس نے پاکستان آنے کا اتنا بڑا فیصلہ صرف تارا کی وجہ سے ہی کیا تھا، انہیں یقیناً معلوم نہیں تھا کہ ستارا نے معصب کو صرف ایک عام مرد سمجھ کر ہی شادی کی تھی۔

اور اس بات کا بھی کیا فائدہ ہوتا کہ وہ ان سے کچھ پوچھتی، جس کہانی کے عنوان سے ہی وہ ناواقف تھے اس کا متن کہاں سے جان پاتے۔

اس نے مایوس ہو کر کروٹ بدلی تو نظر نوفل پر پڑی جو کہ اس کے قریب ہی گہری نیند میں تھا، اسے اس کی گہری اور پرسکون نیند پر رشک آیا تھا، آخر اس کا حق تھا کہ سب فکروں سے آزاد ہوتا، اس نے اتنا لمبا کھیل کھیلا تھا ستارا کے لئے، سب کچھ بدل ڈالا تھا اس کے لئے، وہ اتنی ہی تو محبت کرتا تھا تارا سے، اس کی آنکھوں میں نمی اتر آئی۔

اس نے پھر بے تابی سے کروٹ بدلی، کس سے بات کرے، کدھر جائے، کیوں نیند اس کی آنکھوں سے خفا تھی، کیوں اتنی بے چینی اس کے اندر اتر آئی تھی۔

اس نے بے بسی سے سر پٹخا، جب نوفل کی آنکھ کھل گئی، اسے جیسے سوتے میں بھی تارا کی فکر تھی، اس نے اسے کھینچ کر قریب کیا اور ساتھ لپٹا کر دھیرے دھیرے تھپکنے لگا، ستارا کے اندر سے لمحہ بھر میں ساری ناراضگی اڑی تھی، جیسے تیز آندھی گرد کو اڑا کر رکھ دے، اس کے وجود سے اٹھی دلآویز مہک اٹھی تھی کہ تارا کو لگا وہ چھم سے سکون کی بانہوں میں اتر گئی تھی اور اس کے مہربان وجود میں ایسی اپنائیت تھی کہ تارا چند لمحوں میں ہی نیند کی وادی میں اتر گئی، اس کی بے کلی اور بے چینی حیرت انگیز طور پر ختم ہو چکے تھے اور اسے پتہ بھی نہ چلا کہ وہ کب گہری نیند میں گئی اور اس کے لب نوفل کے دل پر پیوست تھے، بہت انجانی بے خبری میں ہی سہی اس نے نوفل کے دل کو اپنے لبوں سے چھوا تھا، اس دل کو جو بڑا خالص تھا اور اس کا تھا صرف اس کا، ستارا کا نوفل۔

☆☆☆

وہ دونوں اس وقت ڈنر کے لئے ایک ہوٹل میں موجود تھے، بے انتہا خوش علینہ اس وقت ٹخنوں تک آتے لائیٹ پنک کلر کے خوبصورت گھیر دار فراک میں ملبوس تھی اور شاہ بخت بلیک جینز کے اتھ موو کلر کی شرٹ میں ملبوس تھا۔

"چائنیز کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"نیک خیال ہے۔" علینہ نے ہنس کر کہا۔

بخت نے مسکراتے ہوئے وٹر کو چکن منچوریں، ایگ فرائیڈ رائس اور سوپ کا آرڈر دے دیا۔

حسب روایت ڈیفنس کلب میں کھانا سرو کرنے سے پہلے اسنیکس سرو کیے گئے، وہ دونوں اسنیکس سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔

"اتنی دیر؟ مجھے لگتا یہ کھانے کے بعد مجھ سے کھانا نہیں کھایا جائے گا۔" علینہ نے منہ بسور کر سامنے رکھی پلیٹ کی طرف اشارہ کیا تھا۔

"میں پوچھتا ہوں کسی ویٹر سے۔" بخت نے اِدھر اُدھر نظریں دوڑائی اور یکدم ٹھٹک گیا۔

ان کے اگلے میز پر معصب شاہ، حیدر عباس شاہ، ستارا اور علشبہ موجود تھے۔

"علینہ پلیز ویٹ فار آ سنٹ۔" وہ تیزی سے اٹھا اور ان کی میز کی طرف بڑھ گیا، علینہ نے گردن موڑ کر اسے دیکھا، وہ کسی ہینڈسم سے آدمی سے ہاتھ ملا رہا تھا اور پھر وہ مڑا۔

علینہ کو لگا اس کا سانس تھم جائے گا، اب وہ دونوں ساتھ ساتھ کھڑے تھے، شاہ بخت مغل اور حیدر عباس شاہ، ان کے ساتھ دو لڑکیاں بھی تھیں جن میں سے ایک کو تو علینہ نے سیکنڈز میں شناخت کیا تھا، وہ حیدر کی بہن تھی، علشبہ عباس، یہ لوگ یہاں کیا کر رہے ہیں؟ اس نے سن ہوتے حواس کے ساتھ سوچا پھر اسے ہنسی آئی، یہ ایک معروف ریسٹورنٹ تھا تو ظاہر ہے وہ کھانا ہی کھانے آئے ہوں گے، اب وہ بخت سے دریافت کر رہے تھے کہ وہ بھی انہیں جوائن کر لے، جبکہ بخت نے انہیں بتایا کہ وہ اپنی مسز کے ساتھ آیا ہوا ہے، اس کے ساتھ ہی اس نے اشارہ کر کے بتایا تھا۔

معصب خوش دلی سے سر ہلایا اور ویٹر کو بلا کر کچھ سمجھانے لگا، چند لمحوں بعد انہیں نسبتاً زیادہ کرسیوں والی میز پر شفٹ کر دیا گیا، معصب خود شاہ بخت کے ساتھ اسے لینے آئے تھے۔

وہ ان کی ٹیبل پہ آ گئی، اب انہوں نے علینہ کا تعارف ان سب سے کرایا، علینہ کو معصب کی مسز بہت نائس لگیں تھیں، حیدر کی آنکھوں میں پہچان کے گہرے رنگ موجود تھے، علشبہ بھی اسے پہچان گئی تھی مگر اس نے بھی بس رسمی سی سلام دعا کی اور پھر ستارا کی طرف متوجہ ہو گئی۔

کھانے کا آرڈر دیا جا چکا تھا وہ لوگ خوش گپیوں میں مصروف ہو گئے۔

"آپ سائیکا ٹرسٹ ہیں حیدر ان بلیو ایبل۔" بخت نے حیران ہو کر اسے دیکھا تھا۔

"وہ کس طرح؟" حیدر نے دلچسپی سے

اسے دیکھا۔

''بس پتا نہیں، مگر ایک بڑی عجیب سی بات ہے کہ ہمارے ذہن میں سائیکا ٹرسٹ کا ایک خاص گیٹ اپ ہوتا ہے کہ بکھرے ہوئے بال، چشمہ لگا ہوا اور بڑا رف اینڈ ٹف سا حلیہ ہو، مگر آپ تو بالکل ڈیفرنٹ ہیں۔'' وہ حیرت زدہ سا تھا، حیدر بے ساختہ ہنس دیا۔

''آپ کی رائے بھی مصعب بھائی جیسی ہے، یہ بھی مجھے یہی کہتے ہیں کہ تم ذرا سائیکا ٹرسٹ نہیں لگتے اور میں ان سے ہمیشہ پوچھتا ہوں کہ یہ ''ذرا سائیکا ٹرسٹ'' لگنے کے لئے کیا کروں میں؟'' وہ خوشدلی سے کہہ رہا تھا سب ہنس دیئے۔

علینہ قدرے محتاط اور خاموش تھی، ہاں کھانا وہ بڑی رغبت سے کھا رہی تھی، علشبہ نے کئی بار اس دیکھا اور بات کرنا چاہی مگر حیدر کی نظروں میں کچھ ایسا تھا کہ وہ خاموش رہ گئی۔

کھانے کے بعد وہ شاہ بخت نے ان کو گھر آنے کی دعوت دی تھی، پھر وہ لوگ واپسی کے لئے نکل گئے، شاہ بخت مسلسل حیدر کو ڈسکس کر رہا تھا، اسے حیدر کچھ زیادہ ہی پسند آ گیا تھا۔

''بڑی ویل بیلنسڈ اور گروٹڈ پرسنالٹی ہے یار، آج کل افراتفری اور اس قدر خراب معاشرتی سیٹ اپ میں ایسے لوگ بہت کم ہیں۔'' اس نے موڑ کاٹتے ہوئے کہا۔

''ہوں۔'' اس نے مدھم سی ہوں کی تھی، بخت نے کوئی نوٹس نہ لیا۔

رات پھر تقریباً گیارہ کے قریب وقت تھا جب کہ سارا گھر سونے کے لئے جا چکا تھا اور وہ شاہ بخت کے لئے دودھ لینے نیچے آئی تھی، اس نے آج پھر فون اٹھا کر کال ملا دی تھی، حسب معمول پہلی بیل پر فون اٹھا لیا گیا۔

''اسے اپنے پیچھے پاگل کرنے کو کس نے کہا تھا تم سے؟'' وہ تھکی ہوئی آواز میں کہہ رہی تھی۔

''ایسا کیا ہوا؟'' وہ چونکا۔

''وہ تمہیں ہی ڈسکس کر رہا ہے تب سے، مجھے ٹینشن لگ گئی ہے اس کے سر پر کبھی کوئی اس طرح سوار نہیں ہوا۔'' وہ قدرے جھلا گئی تھی۔

''سوائے تمہارے۔'' اس نے ہنستے ہوئے مذاق اڑایا تھا۔

''بات یہ نہیں ہے حیدر، اب سب کچھ ٹھیک ہو چکا ہے، بخت کسی قسم کا سوال جواب نہیں کرتا، وہ مطمئن ہے اس نے کبھی مجھ سے شادی سے پہلے والے رویے پہ کوئی سوال نہیں کیا، نہ ہی وہ اب کچھ کہتا ہے، مجھے اور کیا چاہیے؟'' اس نے اس بار بدلے ہوئے لہجے میں کہا تھا۔

''ہاں یہ تو ہے، خیر آج جو بھی ہوا، وہ سراسر اتفاقیہ تھا اس میں کسی قسم کی کوئی منصوبہ بندی کا دخل نہ تھا۔'' وہ صفائی دینے والے انداز میں بولا تھا۔

''مجھے پتا ہے حیدر، میں خود تمہیں وہاں دیکھ کر شاکڈ رہ گئی تھی اور پھر جس طرح بخت تمہاری میز تک گیا، مجھے تو فکر لگ گئی تھی کہ یہ آخر ہو کیا رہا ہے، خیریت رہی، علشبہ مجھے ناراض لگی کچھ، اس نے کوئی بات ہی نہیں کی مجھ سے۔'' وہ اب دریافت کر رہی تھی۔

''تم سوچ بھی نہیں سکتی میں اسے کس طرح روکا تھا، تمہیں پتا تو ہے اس کا، وہ کتنی بے ساختہ بولتی ہے، شاید ادھر بھی علینہ آپی کہہ کر گلے پڑتی تمہارے، وہ تو میں نے اسی وقت اسے ٹیکسٹ کیا کہ تم نے علینہ کو اجنبی سمجھ کر ملنا، باقی بات تمہیں گھر جا کر سمجھاؤں گا۔'' وہ ہنستے ہوئے بتا رہے تھے۔

''صحیح کیا، اب بخت کے دماغ میں سے تمہیں کیسے نکالوں؟'' وہ چڑ کر پوچھ رہی تھی۔

''کیوں جیلسی ہو رہی ہو؟'' حیدر نے ہنس کر چڑایا۔

''بہت، اس کے دماغ میں میرے علاوہ کوئی اور آئے بھی تو کیوں؟'' وہ دھونس سے بولی تھی۔

اس بات سے بے خبر، کہ شاہ بخت جس طرح نیچے آیا تھا اسی طرح واپس اوپر چلا گیا تھا۔

☆☆☆

حبا اور اسید کی کہانی کا یہ اختتام بڑا خوش نما لگتا ہے کہ اب دونوں میں چونکہ سب ٹھیک ہو چکا تھا اور جبکہ وہ شفق کو اپنی بیٹی مان چکا تھا اسے حق دے چکا تھا، حبا کے ساتھ بھی اس کی غلط فہمی ختم ہو چکی تھی۔

اور اب منطقی طور پر ان کی کہانی کا انجام یہی بنتا تھا کہ صرف ایک سطر لکھ کر بات ختم ہو سکتی تھی۔

''And they became live happy''

مگر افسوس کی بات تو یہ تھی کہ یہ حقیقی زندگی تھی، یہاں ایسا انجام اتنی آسانی سے کہاں ہوتا ہے اور جبکہ کہانی اس قدر ظلم و ستم سے لبریز اور ون مین شو پر مشتمل ہو۔

بظاہر اب وہ دونوں نارمل زندگی کی طرف آ چکے تھے، مگر اگر اب سب کچھ اتنی آسانی سے نارمل ہو سکتا تو یقیناً سائیکا لوجسٹ اور سائیکا ٹرسٹ کی ضرورت ہی نہ پڑتی سب ایسے ہی ہنسی خوشی رہنے لگتے، مگر نہیں۔

''کہانی ابھی باقی ہے۔''

آنے والے کچھ دنوں میں ہی اسید کو اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ شفق کے حوالے سے کسی قسم کے عدم تحفظ کا شکار نہ تھی بلکہ بہت خوش و مطمئن تھی۔ ہاں وہ اپنے آپ کو لے کر کسی طرح مطمئن نہ تھی، جب بھی کبھی اسید نے اسے حقوق و فرائض کی ادائیگی کے لئے پاس بلایا، اذیت کے سوا کچھ نہ پایا۔

وہ اس سے ڈرتی تھی، گزشتہ ریکارڈ کو ذہن میں رکھتے ہوئے اسے اب بھی کہیں اندر سے یہی لگتا تھا کہ وہ اسے صرف اذیت دینے کے لئے ہی پاس بلا سکتا تھا، اکثر وہ رونے لگ جاتی اور اس کے آنسو اسید کو جیسے گھٹنوں کے بل گرا تے تھے، وہ بے بسی سے مرنے والا ہو جاتا۔

ڈاکٹر حیدر کے ساتھ کیے گئے سارے سیشنز میں اس کی ڈسکشن حبا کے حوالے سے ہی ہوتی۔

دوسرا سب سے بڑا عدم تحفظ یہ تھا کہ اس کے نزدیک اسید کے لئے سب سے اہم چیز اس کی تعلیم تھی جس کے لئے وہ ابتدائی سالوں سے ہی سخت محنت کرتا آیا تھا، مگر اس حادثاتی شادی کے نتیجے میں جہاں حبا کی تعلیم چھوٹی تھی وہیں اس کا طرز زندگی بھی بری طرح متاثر ہوا تھا، جس کا اثر اس کی نفسیات پر بہت گہرا پڑا تھا۔

اس نے تعلیم کو دشمن سمجھ لیا، اسے لگنے لگا کہ چونکہ وہ تعلیم حاصل کر کے باشعور اور بولڈ ہو گئی تھی اور اسی وجہ سے اس نے وہ انتہائی قدم اٹھا لیا تھا۔

تو یقیناً اب نور شفق کو تعلیم دلانے کا مطلب تھا ایک اور حبا پیدا کرنا جو کہ وہ کسی صورت نہیں چاہتی تھی۔

نہ جانے اسی طرح کے کتنے خیالات اس کے اندر پل رہے تھے، چار سال میں جس طرح اس کی زندگی کچرے کا ڈبہ بنی تھی اسے واپس اس لیول تک آنے میں کم از کم چار سال تو لگنے ہی تھے اور اسید تھک گیا، وہ اتنا تھک گیا کہ ایک دن حبا کا ہاتھ پکڑ کر رونے لگا۔

''میں تھک گیا ہوں حبا، مجھ سے مزید سہا نہیں جاتا، میں تمہیں اس طرح نہیں دیکھ سکتا، تم ٹھیک کیوں نہیں ہونا چاہتیں، پلیز خود کو بدلو، میں ضمیر کی مار کھاتے کھاتے تھک گیا ہوں، تم ٹھیک ہوجاؤ ناں، تم کچھ بولتی کیوں نہیں ہو، اتنا چپ نہ رہا کرو۔'' وہ التجا کر رہا تھا، حبا کے اندر چھن سے کوئی چیز ٹوٹی تھی، وہ سوچنے لگی وہ کس قدر ظالم تھی جو اسید کو اس طرح رلا رہی تھی، اس نے اسید کے گال صاف کیے اور مسکرائی۔

''میں بالکل ٹھیک ہوں۔'' اس قدر جبری مسکراہٹ، اسید کا دل پھٹنے لگا، مگر وہ اسے کچھ نہ کہہ سکا۔

اس کے بعد اس نے ڈاکٹر حیدر کو کہا تھا کہ وہ حبا کے ساتھ سیشنز کرے، اس کے دماغ میں کیا عجیب گرہ لگ گئی تھی کہ وہ کہتی تھی وہ کسی صورت نور شفق کو سکول ایڈمیشن نہیں دلائے گی، کس قدر خوفناک بات تھی۔

وہ جیسے پاگل ہونے کو تھا، کس قدر مشکل سے وہ اسے منا سکا تھا کہ وہ اسے کانونٹ اسکول لے جائے اور شاید کوئی قبولیت کے لمحے اس کی محنت ثمر بار ٹھہرائی گئی تھی کہ وہ مان بھی گئی۔

اور پھر وہ دن جب اسے حبا کے ایکسیڈنٹ کی اطلاع دی گئی، اسے سب کچھ ریت کی مانند اپنے ہاتھوں سے نکلتا ہوا محسوس ہوا تھا، اس نے اسلام آباد فون کر دیا تھا۔

تیمور اور مرینہ کے قدموں تلے سے ایک بار پھر زمین نکل گئی تھی، اب تو کہیں جا کر انہوں نے اپنے بچوں کی مکمل خوشی دیکھنا نصیب ہونے والی تھی کہ اس حادثے نے تیمور کی دنیا اندھیر کر دی تھی، مرینہ اسلام آباد سے لاہور تک کے سفر میں مسلسل روتی ہوئی آئی تھیں، انہیں اسی وقت کوئی فلائٹ دستیاب نہ ہو سکی تھی، اگلی فلائٹ تین گھنٹوں بعد کی تھی، تیمور کا خوف اور پریشانی سے برا حال تھا، وہ کسی صورت انتظار کرنے کے موڈ میں نہ تھے، انہوں نے اسی وقت گاڑی نکلوائی تھی، مرینہ نے انہیں ڈرائیونگ سے روکا تھا، ان کی حالت نہیں تھی کہ وہ ڈرائیونگ کرتے جبھی انہوں نے ڈرائیور کو ساتھ لے لیا تھا۔

سارا راستہ انہوں نے کہیں بھی رک کر کسی سی این جی اسٹیشن پر اسٹے نہ کیا تھا کہیں بھی رکے بغیر وہ اڑھائی گھنٹوں کے اندر پرائیوٹ ہاسپٹل کے گیٹ کے سامنے اترے تھے۔

☆☆☆

جہاں پر زندگی کے حوصلے مسمار ہوتے ہیں
جہاں پر حرف تسلی بھی یونہی بے کار لگتا ہے
دعاؤں کے پرندے راستوں سے لوٹ جاتے ہیں
جہاں پر تتلیوں کے پر بھی رنگوں سے مکر جائیں
جہاں پر گیت سارے فاختاؤں کے بکھر جائیں
یہی وہ عالم حیرت، وحشت بدگمانی ہے
جہاں دل کی حویلی میں وفا برباد رہتی ہے
یقیں کے باب میں ساری فضا ناشاد رہتی ہے
یہاں ذہنوں پہ کوئی خوشحالی چھا نہیں سکتی
محبت بن کے اس در پہ سوالی آ نہیں سکتی

وہ آفس میں تھا، پریشان اور اکتایا ہوا، ہر چیز سے نالاں، کیا سچ تھا کیا جھوٹ، اسے فی الحال کچھ بھی معلوم نہ تھا اور بغیر کسی مضبوط ثبوت کے وہ علینہ سے کسی قسم کی کوئی باز پرس نہ سکتا تھا۔

بلکہ حقیقت تو یہ تھی کہ وہ اس متعلق کچھ الٹا سیدھا سوچ بھی نہ سکتا تھا، ضروری نہیں تھا کہ جو اس نے سنا تھا وہ درست ہوتا، بعض اوقات آنکھوں دیکھی اور کانوں سنی بات بھی غلط ہو جاتی ہے، مگر کہیں تو کچھ غلط تھا۔

اس نے ساری فائلز اور لیپ ٹاپ ویسے ہی کھلا چھوڑا اور اٹھ کر ٹہلنے لگا، علینہ بچپن سے لے کر اب تک کھلی کتاب کی مانند اس کے سامنے تھی، اس کی ساری اسکولنگ اور پھر کالج کی اسٹڈی گرلز کے ساتھ ہی تھی، کوایجوکیشن سے اس کا دور کا واسطہ بھی نہ تھا، یونیورسٹی ابھی وہ گئی نہ تھی، کزنز ان کے اتنے قریبی کوئی تھے نہیں جن سے کبھی اس کا میل جول ہو پاتا اور ایک گھر میں رہتے ہوئے شاہ بخت کو اچھی طرح اندازہ تھا کہ وہ اتنی بولڈ قطعی نہ تھی کہ کسی لڑکے سے یوں اس کی گفتگو ہو سکتی اور ڈسکشن بھی پیور شاہ بخت کے موضوع پر۔

اس کی جگہ اگر رمشہ ہوتی تو اسے کوئی فرق نہ پڑتا، بات یہ نہیں تھی کہ علینہ اس کی بیوی تھی اور رمشہ کزن، بات یہ تھی کہ دونوں کے مزاجوں میں زمین آسمان کا فرق تھا، وہ یہ چیز رمشہ سے امید کر سکتا تھا مگر علینہ سے کسی طور نہیں۔

اسے یہ اعتراض نہ تھا کہ یہ کیوں تھا؟ بلکہ وہ حیران تھا کہ یہ ہو کیسے گیا؟

آخر ان دونوں کا میل جول کہیں سے تو شروع ہوا ہی تھا اور اسے وہ سٹارٹنگ پوائنٹ ہی نہ مل رہا تھا اور جس طرح کی علینہ کی شخصیت تھی اس صورت میں یہ ساری صورت حال اور بھی پیچیدہ اور گنجلک بنتی جا رہی تھی۔

شاہ بخت کو معلوم تھا کہ علینہ کے پاس موبائل نہیں تھا، انٹرنیٹ یوز کرنا اسے آتا ہی نہ تھا، فیس بک آئی ڈی تو دور کی بات تھی۔

اسی طرح اس کو باہر گھومنے پھرنے کا بھی کوئی خاص شوق نہ تھا، اکثر ان کی وی کی ٹرپیس میں وہ شامل نہیں ہوتی تھی۔

حلقہ احباب اس کا اس قدر محدود تھا کہ یہ توقع کرنا بے حد فضول تھا کہ وہ اس کے دوستوں میں شامل ہو سکتا تھا۔

اس فون کال کے الفاظ شاہ بخت کے دماغ میں بیٹھے ہوئے تھے وہ بھول نہیں پا رہا تھا کہ جو ہرا تھا وہ کیا تھا؟

علینہ کے بے تکلفانہ لہجہ بتاتا تھا کہ وہ گفتگو کسی اجنبی سے نہیں کر رہی تھی، نہ ہی پہلی دفعہ کر رہی تھی۔

مگر پھر وہ کیا سمجھے؟ کس طرح سے سمجھے کہ وہ دونوں کہاں ملے تھے؟ کیسے اس تک بے تکلف ہوئے تھے ایک دوسرے سے کیسے جانتے تھے ایک دوسرے کو؟ سوال در سوال نے اسے پاگل کیا ہوا تھا۔

پہلے اس نے سوچا کہ اسے وقار کو بتانا چاہیے پھر اس نے سر جھٹک دیا، یہ خالصتاً ان دونوں کا معاملہ تھا، ان کا ذاتی معاملہ، ان کے درمیان یقیناً کسی اور کو نہیں آنا چاہیے تھا، وہ بھی اس صورت میں جبکہ پورے معاملے سے وہ خود آگاہ نہ تھا وہ تو علینہ پہ حق رکھتا تھا اس کا شوہر تھا مگر وقار بھائی شاید کبھی اس کی بات نہ بھلا پاتے اور یہ وہ کبھی ہونے نہیں دینا چاہتا تھا۔

اسے علینہ کا مان اس کا وقار اور عزت نفس پہ کوئی حملہ کسی صورت منظور نہ تھا۔

یہ اس کی برداشت کا اس قدر کڑا امتحان تھا کہ شاہ بخت ضبط کی آخری حد کو چھو رہا تھا، علینہ سے کسی قسم کی بات پوچھنا سراسر اس کی تذلیل کے مترادف تھا، وہ لامحالہ یہی سمجھتی کہ وہ اس پر شک کر رہا تھا اور اس بات کی بھنک بھی گھر میں سے کسی کو پڑ جاتی تو کیا تماشا لگتا؟

اسے سوچ کر ہی جھرجھری آ گئی، وہ دونوں اس قدر خوش تھے کہ بہت سے سوالات اور تبصرے خود بخود ٹھنڈے پڑ گئے تھے اب اگر ان کا معمولی سا بھی کوئی کلیش سامنے آتا تو بہت بڑی قیامت آئی تھی خاص طور پر رمشہ جو کہ ابھی تک

اس بات کو ہضم کرنے میں ناکام تھی، مگر پھر وہ کہاں جائے؟ اس کے سر میں درد شروع ہو گیا تھا۔

اس کے پاس ایسا کوئی بھی نہیں تھا جس سے وہ بات شیئر کر کے کچھ سوچ پاتا، وہ بے بسی سے سر پٹخ کر رہ گیا، کوئی رستہ سجھائی نہ دے رہا تھا۔

☆☆☆

صدیق احمد نے اسے دیکھا اور بہت دیر تک خاموش رہے، شاید ان کے پاس الفاظ ختم ہو چکے تھے۔

آج طلال واپس جا رہا تھا، اس کی آنکھوں میں ایک بے کنار سرد مہری ٹھہر گئی تھی اور چہرہ پتھر دکھائی دیتا تھا۔

وہ شاید اب انہیں کبھی نہ ملتا، اس دنیا کے ہجوم میں ان کے دل کا ٹکڑا ان کا دایاں بازو شاید ہمیشہ کے لئے کھو جانے والا تھا، وہ اسے روکنا چاہتے تھے مگر آگاہ تھے کہ وہ کبھی نہیں رکے گا جبھی بالکل خاموش تھے، طلال بھی چپ تھا، کل اسے ہسپتال سے ڈسچارج کر دیا گیا تھا اور اس کے بعد وہ اپنے ہوٹل کے روم میں ہی تھا، جہاں پاکستان آنے کے بعد اس کا ہمیشہ قیام ہوتا تھا، آج پاپا اسے وہیں ملنے آئے تھے۔

"تم ٹھیک تو ہو ناں؟" انہوں نے بے قراری سے پوچھا تھا۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں۔" وہ موبائل نکال کر کوئی نمبر ملانے لگا، وہ خاموشی سے اسے دیکھتے رہے۔

"وہاں جا کر اکیلے رہو گے؟" وہ فکر مند تھے۔

"ظاہر ہے اکیلا ہی رہوں گا، جیسے ہمیشہ سے رہا ہوں۔" وہ تلخی سے بولا تھا، اس نے موبائل کان کو لگا لیا تھا، دوسری طرف شاہ بخت تھا۔

"کیسے ہو بخت؟"

"تم زندہ ہو؟ افسوس ہوا؟" بخت نے چھوٹتے ہی چڑھائی کی تھی۔

"بس اس بار بھی بچ گیا ہوں، تم بتاؤ کہاں مل سکتے ہو؟" اس نے نظر انداز کر کے بڑے سکون سے کہا تھا۔

"جہاں تم کہو مل سکتے ہیں، اس میں کیا مسئلہ ہے؟" اس نے کہا۔

"تو ٹھیک ہے ایک گھنٹے بعد میں تمہارا انتظار کروں گا کے ایف سی آ جانا۔" اس نے کہہ کر فون بند کر دیا، صدیق خاموشی سے اسے دیکھ رہے تھے۔

"کوئی دوست تھا؟"

"ہاں جی، دوست تھا۔"

"تم رک جاؤ ناں طلال۔"

"کس کے لئے؟"

"میرے لئے۔"

"نہیں رک سکتا۔"

"کیوں؟"

"آپ کو میری ضرورت نہیں ہے۔"

"تم یہ کیسے کہہ سکتے ہو؟"

"مجھے پتا ہے۔"

"غلط سوچ ہے تمہاری۔"

"ہرگز نہیں۔"

"تم میرے بیٹے ہو۔"

"نہیں، میں آپ کا بیٹا نہیں ہوں۔"

"فضول باتیں مت کرو۔"

"آپ کا بیٹا صرف وہ ہے جو آپ کے ساتھ رہتا ہے۔"

"تم بھی ساتھ رہ سکتے ہو۔"

"مگر وہ رہنے نہیں دے گا۔"

"اس کا فیصلہ صرف میں کر سکتا ہوں وہ نہیں۔"

"آپ بھی تو اسی کے ساتھ رہتے ہیں۔"

"غلط بات مت کرو، وہ میرے ساتھ رہتا ہے۔"

"بہر حال میں نہیں رہ سکتا۔"

"وجہ؟"

"بڑی مختصر سی ہے، جہاں وہ رہے گا وہاں میں قطعی نہیں رہ سکتا۔"

"مجھے کس بات کس سزا ہے؟"

"سزا؟ نہیں اس میں سزا والی تو کوئی بات نہیں ہے۔"

"تو پھر کیا ہے؟"

"میں ساری زندگی آپ کے ساتھ نہیں رہا، اب کیسے رہوں گا؟"

"یہی تو میں چاہتا ہوں، ساری زندگی نہیں رہے اب تو رہو۔"

"نہیں رہ سکتا۔"

"تو پھر پاکستان کیوں آئے تھے؟"

"اپنا حصہ لینے۔"

"کیا مطلب؟"

"آپ کی زندگی میں سے، آپ کی محبت و شفقت میں سے آپ کے وقت میں سے اپنا حصہ لینے آیا تھا میں، مگر مجھے حصہ بہت جلد مل گیا، اس کی شکل میں۔" اس نے اپنے گولی لگے بازو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا۔

"وہ صرف ایک جھگڑا تھا اور کچھ نہیں، مگر اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ ساری زندگی اسی بات کے پیچھے لگا دی جائے۔"

"مجھے کسی قسم کی یقین دہانی یا وضاحت نہیں چاہیے۔"

"میں تمہارا باپ ہوں طلال۔"

"آپ کی قسمت۔"

وہ تلخی سے ہنسا اور بیڈ پہ دراز ہو گیا وہ خاموشی سے اسے دیکھتے رہے پھر اٹھ کر اس کے قریب چلے آئے، جھک کر اس کی پیشانی پہ بوسہ دیا اور سیدھے ہو گئے۔

"تم نے ٹھیک کہا، میری قسمت کہ میں تمارا باپ ہوں، میرے خون میں تمہاری محبت شامل ہے، میں تمہاری فکر کیے بغیر رہ ہی نہیں سکتا، دعا ہے خدا تمہیں راہ راست پر لائے اور بہت آسانیاں دے۔" وہ کہہ کر خاموشی سے باہر نکل گئے۔

طلال بہت دیر تک اسی طرح بے حس و حرکت چھت کو دیکھتا رہا، پھر اس کی آنکھ سے ایک آنسو ٹپکا اور اس کے بالوں میں جذب ہو گیا، پتھر میں دراڑ پڑ گئی تھی۔

☆☆☆

اسے میں نے ہی لکھا تھا
کہ لہجے برف ہو جائیں
تو پھر پگھلا نہیں کرتے
پرندے ڈر کے اڑ جائیں
تو پھر لوٹا نہیں کرتے
اسے میں نے ہی لکھا تھا
یقیں اٹھ جائے تو شاید
کبھی واپس نہیں آتا
ہواؤں کا کوئی طوفاں
کبھی بارش نہیں لاتا
اسے میں نے ہی لکھا تھا
دل ٹوٹ جائے اک بار
تو پھر جڑ نہیں پاتا

شفق اس کے بازوؤں میں تھی اور وہ خاموشی سے کھڑکی کے پار دیکھ رہا تھا، حبا ایڈمٹ

تھی اس کے کندھے، دائیں ٹانگ اور ہاتھ پہ شدید چوٹیں آئی تھیں۔

وہ ہوش میں آئی تھی مگر اسے درد اس قدر تھا کہ وہ تڑپنے لگ گئی جس کی بناء پر اسے ٹرینکولائز دے کر سلا دیا گیا تھا، اسید اس کے پاس ہی تھا، مرینہ اور تیمور بس پہنچنے والے تھے اور وہ سامنے پڑی اس زندہ لاش کی سی لڑکی کو دیکھ رہا تھا، ہاں وہ غلط تھا۔

کیوں کہ وہ ساری زندگی اسے سچ کا سبق پڑھاتا رہا تھا، مگر اس کا اپنا عمل جھوٹا نکلا تھا، ہاں وہ منافق تھا۔

دل سے اس کی حالت پہ کڑھتا مگر بظاہر پتھر بنا رہا تھا، ہاں وہ کم ظرف تھا

وہ اس کی کسی غلطی کو نظر انداز نہ کر سکا تھا اور باوجود اس کہ وہ اسے ساری زندگی اعلیٰ ظرفی کا سبق پڑھاتا رہا تھا۔

ہاں وہ اس کی امیدوں پہ پورا نہ اتر سکا تھا، بلکہ اس نے تو حبا کے سارے خواب کوڑے کا ڈھیر بنا دیے تھے۔

وہ مسلسل کئی گھنٹوں سے سوچ رہا تھا، کہیں نہ کہیں غلطی اس کی بھی تھی، وہ مکمل طور پر خود کو اس سارے معاملے میں بے قصور قطعی قرار نہ دے سکتا تھا۔

اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ سگریٹ پیئے مگر شفق اس کی گود میں تھی جبھی وہ ایسا کرنے سے قاصر تھا۔

پھر اس نے تیمور اور مرینہ کو اپنی طرف آتے دیکھا، مرینہ اس کے ساتھ لگ کر رونے لگیں، تیمور بے چینی سے شیشے کے دروازے کے پار دیکھتے رہے جہاں پٹیوں میں لپٹی وہ پڑی تھی۔

مرینہ نے شفق کو اس سے لے لیا، وہ تھکا سا بنچ پہ بیٹھ گیا، کچھ دیر بعد تیمور اس کے برابر آن بیٹھے، اس نے محسوس کیا مگر اسی طرح بیٹھا رہا، تیمور نے انکھیوں سے اس کا جائزہ لیا، وہ مضبوط و توانا تھا، باوقار تھا اور اس وقت سخت غمگین اور دکھی نظر آتا تھا۔

''اسید مصطفیٰ'' اس نام کے ساتھ ساری زندگی ان کی نہیں بنی تھی، وہ کبھی خوش نہیں ہو سکے، نہ کبھی اس کو کوئی رعایت دے سکے، باوجود اس کے کہ وہ ان کی بیٹی کا شوہر بن گیا، اندر جب وہ دونوں مل کر پھر سے رہنے لگے تب بھی وہ خوش نہیں تھے۔

بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں دنیا میں جو کسی حال میں خوش نہیں ہوتے، خواہ انہیں ساری خوشیاں جھولی بھر کے مل جائیں۔

انہوں نے بھی کبھی اسید سے مل کر کوئی غلط فہمی دور نہیں کی تھی، نہ ہی اسے اس قابل سمجھا تھا کبھی کہ ان دونوں کی میں انڈر اسٹینڈنگ بن پاتی اور اب وہ بالکل چپ تھے۔

''وہ ٹھیک تو ہو جائے گی نا؟'' انہوں نے خدشوں سے لبریز آواز میں پوچھا تھا۔

''انشاءاللہ۔'' اس نے امید سے کہا۔

''ہوا کیا تھا؟'' مرینہ اس کی داہنی جانب آ کر بیٹھ گئیں، اب یوں تھا کہ وہ دونوں اس کے اردگرد موجود تھے اور درمیان میں اسید، اسے محسوس ہوا کہ وہ ایک مضبوط حصار میں آ گیا ہو۔

''نور کا ایڈمیشن کروانے جا رہی تھی۔'' اس نے پچھتاؤں سے بھری آواز میں کہا۔

''میں آفس میں تھا جب کال آئی مجھے کہ اس کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے، پھر تب سے یہی ہوں، ڈاکٹر کہتا ہے زخم گہرے ہیں، میں نے کہا ہاں مجھے پتا ہے زخم بہت گہرے ہیں، وہ اتنی کمزور اور نازک ہے کہ اسے ہمیشہ گہرے زخم ہی آتے، خواہ انسانوں سے آئیں یا حادثوں سے۔'' وہ سرخ آنکھوں کے ساتھ بول رہا تھا، تیمور کے دل کو کچھ ہوا تھا۔

''وہ ٹھیک ہو جائے گی، مجھے پورا یقین ہے۔'' انہوں نے کہا اور اسید کا چہرہ عجیب سا ہو گیا، جیسے آج سالوں بعد اس کا ضبط ٹوٹ گیا، اس کا رنگ زرد پڑا اور پھر وہ بے ساختہ تیمور کے گلے لگ گیا۔

''بس کریں پاپا، میری برداشت ختم ہو چکی ہے، میری سزا ختم کر دیں پاپا۔'' وہ شدت سے بھینچی ہوئی آواز میں بول رہا تھا، تیمور ششدر رہ گئے۔

''اسید! کیا ہو گیا ہے؟'' انہوں نے اس کا شانہ تھپکا تھا۔

''بہت برا ہو گیا ہے پاپا، میرے ہاتھوں سے سب کچھ نکل گیا ہے، میرے ساتھ یہ کیا ہو گیا؟ وہ مجھ سے اتنا پیار کرتی ہے کہ اس سے زیادہ پیار مجھے کوئی بھی نہیں کر سکتا، اگر اسے کچھ ہو گیا تو میں کیسے رہوں گا؟ میری انا پرست اور ہٹ دھرم شخصیت کو صرف وہ برداشت کر سکتی ہے، جیسے اس نے میرا احساس کیا، میرا خیال رکھا، ویسے اور کوئی نہیں رکھ سکتا، میں...... میرا غرور کس طرح اس چیز کو برداشت کریں گے کہ وہ ہمیں چھوڑ کر چلی جائے، میں تو بالکل بھی اچھا نہیں ہوں پاپا، دیکھیں نا ابھی بھی صرف اپنا ہی سوچ رہا ہوں، کس قدر خود غرض ہوں میں، مگر آپ کو پتا ہے مجھے خود غرض بنانے میں سراسر اس کا ہاتھ ہے پاپا۔''

''ہاں...... میں ٹھیک کہہ رہا ہوں، اسی نے بنایا ہے مجھے ایسا، میں تھا کیا؟ کچھ بھی نہیں، ایک عام اور معمولی انسان ہی تھا نا، اس کی بدقسمتی کہ وہ مجھ سے بہت سی امیدیں لگا بیٹھی اور میری بدبختی کہ میں اس کی امیدوں پہ پورا نہ اتر سکا، میں کس قدر دوغلا انسان ثابت ہوا نا؟ میں نے ساری زندگی جو سبق اسے دیئے آخر میں خود ان سے منکر ہو گیا، اس نے جو خاکہ میرا بنایا تھا میں نے اپنے اعمال سے اس میں سیاہ رنگ بھر دیا، وہ مجھے چاہتی رہی اور میں اس کو غلط سمجھتا رہا، وہ مجھے دل کی مسند پر دیوتا بنا کر پوجتی رہی اور میں سچ مچ کے پتھر کے مجسمے میں تبدیل ہو گیا، ہاں مجھے پتا ہے پاپا، میں نے اس کے ساتھ بہت برا کیا ہے، میں نے اس کے سارے خوابوں کو مٹی کا ڈھیر بنا دیا، مگر اب اس نے مجھے اتنا اپنا عادی بنا لیا ہے، اتنا سر چڑھا لیا ہے کہ میں اس کے بغیر رہ ہی نہیں سکتا، میں اتنی اذیت نہیں سہہ سکتا، ہاں میں ہوں خود غرض، کیوں نہ ہوں میں خود غرض مجھ سے اس کے علاوہ اور کون پیار کرتا ہے؟ آپ سے تو ماما کرتی ہیں، حبا سے آپ دونوں کرتے ہیں، مجھ سے تو صرف حبا کرتی ہے نا پاپا۔''

''مجھ سے اگر وہ کھو گئی تو میں کیا کروں گا، کدھر جاؤں گا؟ آپ بھی تو بس اس سے پیار کرتے ہیں مجھ سے نہیں کرتے، کیا تھا اگر آپ مجھ سے تھوڑا سا پیار کر لیتے، میرے ماتھے پہ بوسہ دیتے، مجھے یہ یقین دہانی کراتے کہ میں یتیم نہیں ہوں، مجھے یہ تسلی دیتے کہ آپ میرا سائبان ہیں، میں تنہا نہیں، تب شاید میں بھی اتنا پیار کو نہ ترستا، حبا کی توجہ کی اتنی ضرورت نہ ہوتی مجھے، ہاں میں جانتا ہوں یہ آپ کا فرض نہیں تھا، نہ ہی میرا حق کہ آپ یہ سب کرتے مگر انسانیت کے ناطے میں تو بہت کچھ کرتا ہے انسان، آپ مجھے یتیم اور لاوارث سمجھ کر ہی سر پہ ہاتھ رکھ دیتے مگر آپ نے ایسا کچھ نہ کیا اور میں خود میں سمٹتا سمٹتا اپنی محرومیوں کو اندر دباتا کب اس طرح کا ہو گیا مجھے پتا ہی نہ چلا۔''

''میرے اندر بھی احساس کمتری کے جھکڑ چلتے تھے جب مجھے آپ تینوں ایک پرفیکٹ فیملی کی تصویر لگتے تھے اور میری جگہ وہاں کہیں نہیں نکلتی تھی، میں آپ کی پہلی فیملی کے سین سے اتنا دور چلا گیا کہ مجھے کوئی واپس ہی نہ لا سکے اور کوئی مجھے واپس لاتا بھی کیوں؟ آپ تینوں ایک دوسرے کے ساتھ خوش تھے، میری ضرورت آپ کو نہیں تھی اور اگر حبا کو تھی تو یہ مسئلہ بھی ہمیشہ آپ کو تنگ کرتا رہا، آپ کو ساری زندگی یہ غلط فہمی رہی کہ میں نے اسے ورغلایا، اسے آپ کے خلاف کیا مگر خدا گواہ ہے کہ میں نے کبھی اسے برا سبق نہیں سکھایا، کبھی آپ کے خلاف نہیں کیا میں نے کبھی اپنے انتقام، اپنی محرومیاں اس کے سر نہیں تھوپیں کبھی اسے قصور وار نہیں ٹھہرایا مگر اس کے باوجود بھی میں نے اس کے ساتھ غلط کر دیا، میں اسے کیسے واپس لاؤں؟ کدھر سے لاؤں؟ کیسے مناؤں اسے؟ میں نے کہاں جانا ہے اس کے بغیر؟ میرا کیا ہوگا، تین سال ہونے والے ہیں ہم دونوں کو ساتھ، مگر آج تک اسی طرح ایک دوسرے کے دور ہیں، کوئی بھی چیز ہمیں قریب نہیں لا سکی، میں تھک گیا ہوں، میرا دل چاہتا ہے خودکشی کر لوں، پھر سوچتا ہوں میرے بعد ان دونوں کا کیا بنے گا، میں کدھر جاؤں، کس سے بھیک مانگوں اس کی زندگی کی، سب غلط ہو گیا پاپا، کچھ بھی ٹھیک نہیں رہا۔'' وہ گھٹی گھٹی آواز میں رو رہا تھا، آج سارے اعتراف ہو گئے تھے، آج ساری غلط فہمیاں دھل گئی تھیں، آج سارے غبار چھٹ گئے تھے، تیمور اب واقعی بوڑھے ہو گئے تھے، وہ اسے سینے سے لگا کر خود بھی رو پڑے تھے۔

☆☆☆

ستارا نے پاپا کو دیکھا جو کہ اپنے سامنے لیپ ٹاپ رکھے کچھ مصروف تھے، وہ ہلکے سے دروازہ بجا کر اندر آ گئی، وہ چونک کر اس کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔

''آؤ ستارا۔'' انہوں نے کہا، وہ اندر آ گئی۔

''وہ میں نے آپ سے کچھ پوچھنا تھا۔'' وہ کچھ جھجک کر بولی۔

''جی بیٹا پوچھو۔'' وہ مسکرائے۔

''طلال کیسا ہے؟''

''وہ ٹھیک ہے۔'' انہوں نے افسردگی سے کہا، ستارا نے بڑے غور سے ان کا چہرہ دیکھا۔

''کدھر ہے وہ؟ گھر نہیں آئے گا؟''

''وہ واپس جا رہا ہے؟''

''واپس، کہاں؟'' وہ حیران ہوئی۔

''دوبئی۔''

''وہ یہاں نہیں رہے گا؟''

''نہیں وہ وہیں رہتا ہے۔''

''اوہ...... میں سمجھی، وہ ٹھیک ہو کر ادھر آئے گا۔''

''ہوں۔''

''جاتے ہوئے مل کر جائے گا؟''

''کیا ہو گیا ہے ستارا آپ کو، بیٹا خود سوچو، جتنا خوفناک جھگڑا نوفل اور طلال میں ہو چکا ہے وہ کبھی بھی یہاں نہیں آئے گا، بتا چکا ہے وہ مجھے۔'' وہ تھکے ہوئے انداز میں کہہ رہے تھے۔

''آپ مل چکے ہیں؟'' وہ اور حیران ہوئی۔

''کیا وہ ہاسپٹل سے ڈسچارج ہو چکا ہے؟''

''ہاں وہ اپنے ہوٹل میں ہے جہاں اس کا قیام ہے، میں مل چکا ہوں اس، اب ٹھیک ہے وہ۔'' انہوں نے مختصراً کہا۔

''اوہ، میں بھی اس سے ملنا چاہتی ہوں پاپا۔''

''ضرور کیوں نہیں بیٹا، آپ چلی جاؤ، میں اسے فون کر دیتا ہوں، وہ ہوٹل ہی ہے آپ سے مل لے گا۔'' اس بار انہیں قدرے خوشی ہوئی تھی، ان کی بہو خود رشتے کو بہتر بنانا چاہتی تھی۔

''میں کیسے جاؤں پاپا؟''

''ڈرائیور کے ساتھ چلی جانا اور واپس بھی اسی کے ساتھ آ جانا کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔'' انہوں نے کہا، وہ سر ہلا کر باہر نکل گئی۔

صدیق موبائل نکال کر طلال کا نمبر ملانے لگے، وہ اس بات سے بے خبر تھے کہ ستارا کا رشتوں کو دوبارہ سے استوار کرنے کے موڈ میں نہ تھی، بلکہ وہ تو اس جکسا پزل کو حل کرنا چاہتی تھی جس کے گم شدہ ٹکڑے اسے مل نہیں پا رہے تھے، مگر اب طلال اس کے خیال میں اس کی کافی مدد کر سکتا تھا۔

وہ جلدی جلدی تیار ہونے چلی گئی، اس بات سے بے خبر کہ وہ اپنی زندگی کا سب سے خوفناک قدم اٹھانے جا رہی تھی، جس کا اثر اس کی آنے والی زندگی میں بے حد برا پڑنے والا تھا۔

☆☆☆

طلال نے کال کر کے اسے اپنے روم میں ہی بلا لیا تھا، شاہ بخت آیا تو طلال باتھ لینے میں مصروف تھا، وہ بیڈ پر نیم دراز ہو کر پھر سے سوچنے لگا، طلال کی کال پہ وہ اسی وقت بھاگا آیا تھا کیوں اسے خود بھی ولی پریشانی تھی کہ وہ اس کی شادی پہ کیوں نہ آیا تھا، دوسرے اسے جو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کس سے ڈسکس کرے علینہ والا مسئلہ، اب اسے طلال کی صورت ایک کندھا مل گیا تھا، اسے اپنا کتھارسس کرنے کا موقع مل جائے گا، پھر شاید وہ اس مسئلے کا کوئی حل ڈھونڈ سکے گا۔

کچھ دیر بعد طلال شاور لے کر آ گیا، اس نے شرٹ نہیں پہنی تھی اور اس کے کندھے پر لگی وہ بڑی سی بینڈیج شاہ بخت چونک کر سیدھا ہوا۔

''معصب کیا ہوا ہے تمہیں؟'' وہ تیزی سے اٹھ کر اس کے قریب آ گیا۔

"یہ کیا ہے؟" اس نے بینڈیج کو چھوا، چہرے سے پریشانی ٹپک رہی تھی۔
"بتا دوں گا، جلدی کیا ہے؟" طلال نے اس کے کندھوں پہ ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔
بخت نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا، زردی مائل چہرہ، یقیناً کمزوری کے سبب تھا اور اس کی آنکھوں میں ہلکی سی سوجن تھی۔
"کیا مطلب؟ بتا دوں گا تم ٹھیک نہیں ہو اور تم نے مجھے بتایا تک نہیں، کیا ہوا ہے یہاں بولو، کوئی ایکسیڈنٹ ہوا ہے کیا، یہ زخم کیسا ہے؟" وہ پریشانی سے فکر سے بول رہا تھا، طلال کے لبوں پر پھیکی سی مسکراہٹ آ گئی۔
"بہت اچھا لگا تمہیں اپنے لئے پریشان دیکھ کر، چلو کوئی تو ہے جسے میری فکر ہے۔" اس نے مسکرا کر کہا۔
"بات مت بدلو ایڈیٹ۔" وہ جھلا گیا۔
"ارے یار کہا تو ہے بتا دوں گا، ابھی زخم تازہ ہے بار بار پوچھو گے تو خون بہنے لگے گا۔" اس کا لہجہ عجیب تھا، افسردگی اور دکھ کی چادر میں لپٹا ہوا۔
شاہ بخت چند لمحے خاموشی سے اسے دیکھتا رہا پھر سر ہلا کے وارڈ روب کی طرف بڑھ گیا، اس نے پٹ کھول کر ایک شرٹ منتخب کی اور اس کی طرف بڑھا دی، طلال ہنسا تھا۔
"بالکل سگھڑ بیوی لگ رہے ہو۔" اس نے مذاق اڑایا اور شرٹ پہننے لگا۔
"شٹ اپ غصہ نہ دلاؤ مجھے۔" بخت نے چڑچڑے انداز میں کہا تھا۔
"اچھا کیوں نہ دلاؤں تمہیں غصہ، ایک تم ہی تو میرے یار اور دلدار ہو۔" طلال نے چھیڑتے ہوئے کہا۔
"وہ تو ہوں، مگر اس وقت میرا دماغ اڑا ہوا ہے۔" وہ کہتے ہوئے پھر سے لیٹ گیا، پھر جیسے اسے کچھ یاد آیا۔
"ارے تم تو انجرڈ ہو، شاور کیوں لیا تم نے؟"
"انجرڈ ہوں، بے وقوف نہیں، زخم کو پانی سے بچا کر رکھا تھا۔" طلال شرٹ پہن کر اس کے پاس ہی بیٹھ گیا۔
"اب مجھے سمجھ آئی ہے تم میری شادی میں کیوں نہیں آئے۔" بخت نے پرسوچ انداز میں کہا۔
"مجھے خود بہت دکھ ہوا تھا یار، تمہیں پتا ہے میں آنا چاہتا تھا۔" طلال کو پھر افسردگی نے آن گھیرا، اسی وقت اس کا فون بجنے لگا، اس نے دیکھا پاپا تھے، اس نے کال ریسو کر لی، وہ اسے بتا رہے تھے کہ ستارا اس سے ملنا چاہتی ہے، اس کے ماتھے پہ شکن آ گئی، اس نے انکار تو نہیں کیا، مگر دل میں وہ سوچ رہا تھا کہ آخر ایسی کون سی بات تھی جس کی وجہ سے انہوں نے اس سے ملنا چاہا اور کیا نوفل بے خبر تھا، اس نے فون بند کیا اور بخت کی طرف متوجہ ہو گیا۔
پھر اسے بھی بتایا کہ کوئی خاتون ملنے آ رہی ہیں، وہ حیران ہوا۔
"تم سے کون ملنے آ رہا ہے اور وہ بھی لڑکی؟" بخت نے اسے گھورا۔
"ابھی چل جائے گا پتا۔" طلال نے ٹالا۔
وہ دونوں چائے پی رہے تھے جب ہلکی سی دستک ہوئی بخت نے ہی اٹھ کر دروازہ کھولا اور حیران رہ گیا۔
"آپ یہاں؟" اس نے ستارا کو دیکھ کر سوال کیا تھا۔
(باقی آئندہ)

سندس جبیں

چودھویں قسط

ستارا اسے دیکھ کر ایک دم حیران اور کنفیوزڈ رہ گئی۔

"وہ طلال سے ملنا ہے مجھے۔" اس نے شاہ بخت کے پیچھے دیکھتے ہوئے کہا۔

"آجائیں۔" وہ پیچھے ہٹ گیا۔

ستارا اندر آ گئی، طلال بیڈ پہ نیم دراز تھا، اسے دیکھ کر اٹھ کر بیٹھ گیا، وہ آگے بڑھ آئی۔

"السلام علیکم!" ستارا نے دھیرے سے کہا، طلال خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔

"کیا خیال ہے؟ کام کی بات کریں؟" طلال کا لہجہ خاصا ترش تھا جبکہ شاہ بخت حیرت میں گم چپ چاپ ایک طرف کھڑا تھا۔

"ٹھیک ہے۔" ستارا نے بھی دوٹوک کہا۔

"تو اس کے لئے بہتر رہے گا کہ پہلے آپ

ناولٹ

بیٹھ جائیں۔" طلال نے کہا، ستارا صوفے پر بیٹھ گئی۔

"کیا جاننا ہے آپ کو؟"

"آپ کی اور ان کی لڑائی کی اصل وجہ؟"

"اور اگر میں نہ بتانا چاہوں تو؟" طلال کا انداز تیکھا تھا، یہ تو وہ جان گیا تھا کہ یقیناً نوفل نے اسے کچھ نہیں بتایا تھا۔

"پھر آپ کی مرضی، میں بہرحال آپ سے زبردستی تو کچھ بھی نہیں کہلوا سکتی۔" وہ اسی طرح نارمل انداز میں بولتی ہوئی اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

"پلیز بیٹھ جائیں، میں آپ کا بہت احترام کرتا ہوں اور میرا آپ سے تو بہرحال کوئی جھگڑا نہیں ہے۔" طلال نے قدرے، پرسکون ہوتے ہوئے کہا۔

"اسی لئے تو میں یہاں آئی ہوں تاکہ وہ غلط فہمیاں دور کر سکوں جو آپ کے اور نوفل کے

درمیان ہیں۔"

"نہیں وہ غلط فہمیاں نہیں ہیں، وہ سچ ہے، جب آپ کو سچ کا پتا چلے گا تب آپ بھی انہی کا ساتھ دیں گی۔" اس کے لہجے میں تلخی کی آمیزش تھی۔

"میں کس کا ساتھ دوں گی یہ تو وقت ہی بتائے گا ابھی آپ مجھے بتائیں کہ آپ کیا جانتے ہیں میرے اور ان کے متعلق؟" اس نے فوراً سے اپنے مطلب کا سوال کیا تھا۔

طلال چند لمحے خاموشی سے زمین کی طرف دیکھتا رہا، پھر اس نے سر اٹھا کر شاہ بخت کو دیکھا اور چونکا جیسے اس کی یہاں موجودگی سے ابھی آگاہ ہوا ہو۔

"ارے یار تم کیوں کھڑے ہو، بیٹھو ناں۔" اس نے کہا۔

"میرے خیال سے میری یہاں ضرورت نہیں ہے، تم جب فارغ ہو بتا دینا میں چلا آؤں گا ابھی میں چلتا ہوں۔" بخت کو اپنا آپ غیر ضروری لگا تھا جبھی اس نے کہہ دیا۔

"بالکل نہیں ادھر ہی رکو۔" طلال نے فوراً روکا تھا۔

"لیکن یہ خالصتاً تمہارا معاملہ ہے میرا رکنا مناسب نہیں لگتا۔" اس نے اس بار قدرے جھنجھلائے ہوئے انداز میں کہا تھا۔

"تم کہیں نہیں جا رہے ہو، کہہ دیا نہ بس اور تم سے بڑھ کر میرا ذاتی کچھ بھی نہیں ہے۔" اس نے کسی قدرے افسردہ مگر مان بھرے انداز میں کہا تھا، اب شاہ بخت کو رکنا لازمی ہو چکا تھا، جبھی وہ خاموشی سے ایک کرسی پر بیٹھ گیا، طلال نے ستارا کو دیکھا۔

"جی آپ کچھ پوچھ رہی تھیں۔"

"آپ کے اور ان کے درمیان جھگڑے کی وجہ؟"

"یہ جھگڑا تو شاید ہماری پیدائش سے ہی شروع ہو گیا تھا۔"

"کیا مطلب؟" وہ چونکی۔

"میں اور نوفل ٹوئنز ہیں۔" اس نے انکشاف کیا۔

"کیا واقعی؟" ستارا حیران رہ گئی۔

"جی ہاں۔" وہ طنزیہ ہنسا۔

"پھر......؟" اس نے تجسس سے پوچھا۔

"پھر کیا، بس شخصیات اور مزاج کا فرق، وہ رحمدل میں سنگدل، وہ نرم گو میں تلخ گو، وہ پرسکون سمندر میں جھلستا آتش فشاں، وہ بے غرض اور میں خود غرض، وہ سخی اور میں بخیل، وہ عالی ظرف اور میں کم ظرف، تو آپ ہی بتائیں آخر آپ سکائیکاٹرسٹ ہیں، ڈاکٹر حیدر کے ساتھ کام کر چکی ہیں آپ کو پتا ہو گا کہ شخصیتوں کے اتنے تضاد کے بعد دو لوگ کبھی اکٹھے نہیں رہ سکتے۔" اس کے انداز سے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ بلیٹن نشر کر رہا ہو، لہجے میں اتنی لاپرواہی تھی جیسے کسی غیر متعلق شخص کی بات کر رہا ہو۔

"میں آپ کی بات سے قطعی اتفاق نہیں کرتی، شخصیتوں کا کتنا ہی تضاد کیوں نہ ہو، گھر میں رہنے والے افراد ہمیشہ ساتھ رہتے ہیں۔" ستارا نے اسے ٹوکا۔

"معاف کیجئے گا یہ آپ کی پاکستانی سوسائٹی کا دستور ہے جہاں یہ فارمولا اپلائی ہوتا ہے، یورپ میں لوگ اس قسم کی پابندیوں سے قطعی مبرا ہیں۔" طلال نے صاف گوئی سے کہا۔

"چلیں مان لیں ہم ازلی مجبور لوگ ہیں مگر اتنی سی بات پر ایک بھائی دوسرے بھائی کو کم از کم گولی نہیں مار سکتا۔" ستارا کا انداز پہلی بار تلخ ہوا تھا۔

شاہ بخت ششدر رہ گیا، کہانی اس کی سمجھ میں خود بخود آ رہی تھی طلال اور معصب بھائی تھے اور ستارا، طلال کی بھابھی، کسی نامعلوم وجہ کی بنا پر دونوں بھائی آپس میں متصادم ہوئے اور نتیجتاً اسے گولی لگ گئی۔

"تو یہ وجہ آپ نے ان سے کیوں نہ پوچھی؟" طلال کے ماتھے پہ شکن آ گئی۔

"یہی جاننے کے لئے تو آپ کے پاس آئی ہوں۔" اس نے اپنا دفاع کیا، طلال چند لمحے خاموش رہا۔

"میرے باپ نے ایک نیگرس سے شادی کی تھی، جس سے ہم دونوں بھائی پیدا ہوئے، نوفل کو ان سے جنونیت کی حد تک محبت تھی، بہت بچپن سے ہی وہ ہمیشہ ان کے قریب رہا، ان سے لاڈ کرتا، ان کے ساتھ سونے کو مچلتا اور گورنس کے لاکھ سنبھالنے پر بھی وہ روتا رہتا، ماما اور پاپا دونوں کو یہ بے تابی بڑی اچھی لگتی تھی، اس لئے وہ خوش تھے اور اس خوشی میں، میں کسی کو یاد نہیں تھا، نہ ہی میرا کوئی حصہ تھا، مجھے لگتا تھا یہ جگہ میری ہے ہی نہیں، میں پیچھے ہٹتا گیا، یہاں تک کہ ان تینوں سے بہت دور ہو گیا......" وہ بات کرتا کرتا رک گیا، اس کی آنکھیں پرسوچ انداز میں سکڑی ہوئی تھیں۔

شاہ بخت خاموشی سے پلکیں جھپکائے بغیر اسے دیکھ رہا تھا اور ستارا بے چینی سے اس کے بولنے کا انتظار کر رہی تھی۔

"پھر کیا ہوا؟" وہ بول اٹھی۔

"پھر بس کچھ ماحول کا اثر، تربیت کی کمی، ایسے دوستوں کا ساتھ اور میری فطری بدبختی، مجھے اپنی ماں پسند نہیں تھی، شی واز نیگرس، میں اس کا تعارف کروانا پسند نہیں کرتا تھا، میرا اور نوفل کا ساری زندگی یہی جھگڑا رہا ہے، اگرچہ وہ بہت نرم دل اور صلح جو انسان تھا مگر میری فطرت میں اتنا کینہ اور بغض نہ ہوتا تو شاید بہتری کی کوئی صورت نکل آتی، بہرحال جب میری نفرت کا راز میرے گھر پہ عیاں ہوا تو سب کچھ ختم ہو گیا، پہلے میرا گھر میں داخلہ ممنوع ہوا پھر، نوفل کا مجھ سے رابطہ منقطع ہوا اور پھر میری ماں بھی ختم ہو گئی۔" وہ اپنے بارے میں اس قدر سرد مہری سے بات کر رہا تھا جیسے کوئی روبوٹ بول رہا ہو۔

ستارا کو جھٹکا لگا تھا، اسے نوفل کا طیش اور غم یاد آیا جب اس نے زبردستی وہ البم دیکھنا چاہا تھا اور جب اس نے غلط فہمی کی بنا پر انہیں میڈ بول دیا تھا۔

"آپ میرے اور ان کے بارے میں کیا جانتے ہیں؟" ستارا نے مطلب کی بات پہ آتے ہوئے کہا۔

اسے معلوم تھا وہ شخص تو گونگا بن چکا تھا وہ کسی قیمت پہ نہیں اسے سچ بتائے گا اور اسے یہ بھی پتا تھا کہ مہروز کمال سے اس کی طلاق کا معاملہ اتنا سیدھا ہرگز نہ تھا جتنا اسے نوفل نے بتایا تھا۔

"نوفل بن معصب، جس شخص کا نام ہے میری خوش قسمتی کہ وہ میرا بھائی ہے میں اس کی نبض جانتا ہوں، اس کی سوچ جہاں ختم ہوتی ہے وہاں سے میرے اختیار کی حد شروع ہوتی ہے وہ مجبور ہے کیوں کہ راز کو فالو کرتا ہے اور میں آزاد کیوں کہ قانون بنانے والے میری ایک کال پر لائن حاضر ہو جاتے ہیں، اسے لگتا ہے جو کچھ اس نے آپ کے معاملے میں کیا اور کروایا میں اس سے بے خبر ہوں؟ یہ اس کی بھول ہے وہ بے خبر یہ نہیں جانتا کہ میں نے اس کا کام کتنا آسان کیا تھا، بہت سی جگہوں پر سامنے آئے بغیر اس کی مدد کی تھی۔" وہ اب کی قدرے اکڑ اور غرور سے پتہ

نہیں کس کو باور کروا رہا تھا۔

''میرے معاملے میں؟ کیا کیا تھا انہوں نے؟'' اس نے دھڑکتے دل کے ساتھ بے چینی سے سوال کیا۔

''یہ تو آپ کو پتہ ہونا چاہیے۔'' طلال نے اس بار طنز کیا۔

''نہیں میں نہیں جانتی۔'' وہ فوراً بولی۔

''آپ مجھے بے وقوف بنا رہی ہیں؟ آپ کو کیا لگتا ہے آپ مجھے یہ بات کہیں گی اور میں تسلیم کرلوں گا، ناممکن، وہ شخص آپ کے بغیر سانس نہیں لیتا، ایسے کیسے ممکن ہے کہ آپ کو پانے کی داستان اس نے آپ کو نہ سنائی ہو۔'' طلال نے تیوری چڑھا کر تلخی سے کہا۔

''میں نے کہا نا طلال مجھے کچھ معلوم نہیں ہے پلیز بلیوی۔'' ستارا نے التجائیہ انداز میں کہا تھا۔

طلال نے بے یقینی سے اسے دیکھا جیسے اندازہ لگانا چاہ رہا ہو کہ بیان کی صداقت کس حد تک ہوسکتی تھی، اس سے پہلے کہ وہ کچھ بولتا، بڑی تیزی سے دروازہ بجایا گیا، وہ تینوں چونکے، دستک بڑی زوردار تھی، شاہ بخت بے ساختہ اپنی جگہ سے اٹھا۔

''میں دیکھوں؟'' اس نے اجازت لینے والے انداز میں طلال کو دیکھا، طلال نے اثباتی انداز میں سر کو جنبش دی تھی، شاہ بخت نے آگے بڑھ کر دروازہ ان لاک کیا تھا، جب بڑی تیزی سے اسے دھکیل کر نوفل بن معصب اندر آیا تھا، نوفل کو دیکھ کر ستارا کو اپنی ٹانگوں سے جان نکلتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔

☆☆☆

حادثوں کی کوئی وجہ اگر ہوتی تو شاید یہ کہ لوگ بداحتیاطی نہ کرتے اور شاید یہ کہ کاش وہ اس جگہ اور مقام پر ہی نہ جاتے اور شاید یہ کہ۔

''بعض دفعہ حادثے صرف آپ کی بداحتیاطی اور بدبختی کی وجہ سے نہیں ہوتے بلکہ یہ کچھ دوسرے لوگوں کے لئے ایک دھمکی، سبق اور نصیحت ہوتے ہیں تاکہ وہ اپنے انجام سے ڈر جائیں مگر صد افسوس انسان سبق سیکھنے کی بجائے دنیا کی مختصر زندگی کی بے ثباتی سے ڈرنے کی بجائے، اپنے اعمال پر غور اور فکر کی نگاہ ڈالنے کی بجائے سب کچھ اپنی بری قسمت پر ڈال کر رونا پیٹنا شروع کردیتا ہے۔''

''حبا تیمور'' کا حادثہ بھی ایسا ہی حادثہ تھا شاید اگر یہ حادثہ نہ سمجھا جاتا ایک سبق سمجھا جاتا تو رویوں میں بدلاؤ آجاتا، مگر الزام ہمیشہ کی طرح ڈرائیور پر آیا اور ایس پی اسید مصطفیٰ نے اسے برطرف کردیا، آخر یہ اس کی غلطی اور لاپرواہی تھی کہ ایکسیڈنٹ ہوا۔

وہ تینوں معہ شفق ہوسپٹل میں ہی تھے اسید اب ڈاکٹر کے روم میں تھا جہاں فی الحال کسی اور کو آنے کی اجازت نہیں دی گئی تھی، تیمور اور مرینہ کو بھی نہیں وہ ڈاکٹر سے اس کی جسمانی کنڈیشن کے متعلق تفصیلاً جاننا چاہ رہا تھا، ڈاکٹر سلطان نے بغور اس کی شکل دیکھی اور انہیں بہت کچھ یاد آگیا۔

ڈھائی سال پہلے ہونے والا وہ خودکشی کا واقعہ اور پھر اسید کا رویہ انہیں بہت اچھی طرح یاد تھا کس طرح ان پر یہ راز عیاں ہوا تھا کہ وہ تیمور احمد کی بیٹی تھی، انہیں یہ بھی یاد تھا کہ تب انہوں نے حبا کی بری کنڈیشن کی وجہ سے اس کا ٹریٹمنٹ کرنے سے انکار کردیا تھا اور اسید کو ان کی منتیں سماجتیں کرکے انہیں منانا پڑا تھا مگر آج معاملہ یکسر مختلف تھا۔

آج اسید مصطفیٰ کی حیثیت بدل چکی تھی، آج وہ اس قابل تھا کہ ایسے کئی ہاسپٹل صرف ایک دستخط سے بند ہوسکتے ہیں، ہاں تیمور احمد نے صحیح کہا تھا، ''کل کا زیر آج کا زبر بن چکا تھا'' اب ان کے سامنے ایس پی اسید مصطفیٰ تھا، تین سال پہلے کا ایک عام انسان اور نجی ادارے کا لیکچرار نہیں تھا۔

انہیں بات شروع کرنے میں مشکل پیش آرہی تھی، انہوں نے پانی کا گھونٹ لیا اور سیدھے ہوکر قدرے آگے کو جھک آئے۔

''اس ایکسیڈنٹ میں حبا بائیں رخ سے گری تھی، جس کی وجہ سے اس کا بایاں حصہ چوٹوں کی زد میں آکر شدید متاثر ہوا ہے سب سے پہلے چہرے کی بات کروں گا، آنکھ بمشکل بچی ہے مگر زخم بہت گہرا ہے جو کہ گال پہ پھیلا ہے جلد بری طرح پھٹ گئی ہے جبڑے کی ہڈی بھی متاثر ہوئی ہے مگر کوئی بڑا فریکچر نہیں ہوا، اسی طرح ہاتھ کا جوڑ اپنی جگہ چھوڑ گیا ہے جسے پلستر لگا دیا گیا ہے، ٹانگ پر دو تین گہرے زخم ہیں جن سے خون زیادہ بہا ہے اسی وجہ سے انہیں خون کی ضرورت پڑی تھی، عام طور پر ڈاکٹرز کی کوشش یہی ہوتی ہے کہ چہرے پہ اگر کوئی کٹ لگ بھی جائے تو اسے جسٹ بینڈیج سے کور کردیا جائے، مگر کچھ سیریس کنڈیشنز میں جب اسٹیچز لگانے ناگزیر ہو جائیں تو میرا یہ اصول ہے کہ میں سرپرست سے ایک مرتبہ ضرور اجازت لے لیتا ہوں، اب حالات کچھ یوں ہیں کہ حبا کے چہرے کا زخم کافی خراب ہے اسٹیچز لگانا پڑیں گے اور اس سے اس کے گال پہ ہمیشہ کے لئے نشان رہ جائیں گے، مگر اس معاملے میں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ صاحب حیثیت لوگ سرجری کروا لیتے ہیں اور اگر آپ سرجری نہ بھی کروانا چاہیں تب بھی آج کل ایسی میڈیسن مارکیٹ میں دستیاب ہیں کہ نشان مدھم پڑ جاتے ہیں، پھر بھی انہیں مکمل ٹھیک ہونے میں تقریباً ایک ماہ کا عرصہ لگ جائے گا، ہاسپٹل سے ہم انہیں دو دن بعد ڈسچارج کردیں گے، گھر ان کی کیئر کرنی پڑے گی آپ کو اور سب سے بڑھ کر ان کی ذہنی حالت کا دھیان رکھنا پڑے گا۔'' وہ تفصیلی بات بتانے کے بعد طویل سانس لے کر خاموش ہوگئے۔

اسید سانس روکے انہیں دیکھ رہا تھا زندگی کی اس کروٹ پر وہ صرف صبر کرسکتا تھا۔

☆☆☆

وہ کافی کے دو مگ لے کر روم میں آئی تو روم خالی تھا اسے ٹرے ٹیبل پر رکھتے ہوئے واش روم کی طرف دیکھا مگر وہاں صرف تاریکی تھی۔

وہ قدرے الجھ گئی، پھر اس کی نظر ٹیرس کی طرف کھلتے والی سلائیڈنگ ونڈو پر پڑی، جو کہ کھلی ہوئی تھی وہ قدرے حیران سی آگے بڑھ آئی، جہاں شاہ بخت ٹیرس کی ریلنگ کے ساتھ پشت ٹکائے کھڑا تھا اس کا سارا وجود اندھیرے میں ڈوبا تھا اور اس کے ہاتھ میں جلتا ننھا شعلہ سگریٹ کا تھا۔

دل درد کا ٹکڑا ہے
پتھر کی ڈلی سی ہے
اک اندھا کنواں ہے یا
اک بند گلی سی ہے
اک چھوٹا سا لمحہ ہے
جو ختم نہیں ہوتا
میں لاکھ جلاتا ہوں
یہ بھسم نہیں ہوتا

علینہ بری طرح ٹھٹکی تھی وہ تو شاہ بخت کی شخصیت کا یہ پہلو قطعاً فراموش کرچکی تھی اور اب جیسے سب کچھ یک لخت اس کو یاد آگیا تھا، اسے وہ

ساری باتیں یکدم بھول گئیں جو وہ اس سے ابھی کرنے آئی تھی، شاہ بخت نے گردن موڑ کر اسے آتے دیکھا اور ایک بازو پھیلا کر اسے قریب آنے کا اشارہ کیا۔

علینہ نے خفا سی نظر اس پر ڈالی اور اس کے ہاتھ میں دبے سگریٹ پر، پھر ایک طرف کھڑی ہو گئی، شاہ بخت اس کی خاموشی کا ماخذ جان گیا، اس نے سگریٹ ٹیرس کے فرش پر پھینکا اور جوتے سے مسل دیا اور علینہ کو دیکھتے ہوئے ایک بار پھر بازو پھیلا دیا وہ اس کے قریب آ کر کھڑی ہو گئی اس نے خود ہی اسے ساتھ لگا لیا۔

''کیا بات ہے؟ چپ کیوں ہو؟'' بخت نے ایک ہاتھ سے اس کے بال سنوارتے ہوئے کہا۔

''ویسے ہی۔'' وہ آہستہ سے بولی، آواز اتنی آہستہ تھی کہ شاہ بخت بمشکل سن سکا تھا۔

''اوں ہوں ویسے ہی کیوں؟'' اس نے لبوں سے علینہ کا ماتھا چوما، اس کے ہونٹوں سے اٹھتی سگریٹ کی سمیل علینہ کی حس شامہ نے فوراً محسوس کی تھی، اس کے اندر بے چینی در آئی۔

''پتا نہیں۔'' اس نے شاہ بخت کے سینے میں منہ چھپا کر بازو اس کے گرد لپیٹ دیئے، شاہ بخت نے ایک طویل سانس لیا تھا، یہ حصار نہیں تھا کوئی تار عنکبوت تھا جس سے وہ چاہ کر بھی نہیں نکل سکتا تھا۔

''کیوں پتا نہیں۔'' وہ اس بار قدرے جھلا گیا۔

''کیا ہے نہ تنگ کرو۔'' وہ ناک اس کے سینے سے رگڑتے ہوئے رنجیدہ تھی۔

''کس وجہ سے اداس ہو بتاؤ نا عینا؟'' وہ پیار سے اس کا چہرہ اوپر کر کے پوچھ رہا تھا۔

''تمہاری اپنی دوست سے بات نہیں ہوئی آج؟'' اس نے بڑے عام سے انداز میں پوچھا تھا۔

علینہ چونک گئی، اس نے بے ساختہ سر اٹھا کر اسے دیکھا، وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا، اس نے ایڑیاں اٹھا کر شاہ بخت کی ٹھوڑی کو چوما۔

''نہیں ہوئی اور وہ اتنی اہم نہیں کہ میں روز روز اس سے بات کرتی پھروں۔'' وہ پھر سکون سے اس کے سینے پہ سر رکھتے ہوئے بولی تھی، شاہ بخت کے لبوں پر عجیب سی مسکراہٹ آ گئی۔

''ٹھیک ہے پھر کوئی اور وجہ ہے؟'' اس نے کہا۔

''تھک گئی ہوں۔'' عینا نے کہا۔

''کیوں؟'' وہ اس کی شکایت پہ حیران ہوا تھا۔

''گھر میں آج بہت کام تھا تم تو پتا نہیں کدھر گم تھے، میں نے اتنا انتظار کیا، تم نہیں آئے۔'' وہ شکایت کر رہی تھی۔

''بس یار ایک دوست سے ملنا تھا، وہاں اس کے کچھ گھریلو مسائل سامنے آ گئے بس اسی میں وقت گزر گیا۔'' وہ اسے تسلی دے رہا تھا۔

''رمشہ آپی کے دن طے کرنے آئے تھے آج وہ۔'' اس نے بخت کو بتایا۔

بخت نے ہاں میں سر ہلا دیا، انداز سے لاپروائی ظاہر تھی جیسے اسے کوئی سروکار نہ ہو۔

''اچھا اندر چلیں؟ سردی بڑھ رہی ہے۔'' بخت نے کہا، وہ سر ہلاتی ہوئی اندر کی طرف مڑ آئی۔

بخت نے اس کے ساتھ آتے ہوئے سلائیڈنگ ونڈو بند کر کے آگے پردے کھینچ دیئے۔

علینہ نے سختی سے بندھے ہوئے بالوں کو کھولا اور ڈھیلے سے جوڑے کی شکل دیتی بیڈ پر

بیٹھ گئی، شاہ بخت نے جوتے اتارتے ہوئے اسے دیکھا۔

''انہی کپڑوں میں سونے کا موڈ ہے؟''

''ہمت نہیں چینج کرنے کی، بہت تھک گئی ہوں۔'' اس نے سر پہ ہاتھ رکھ کر کہا۔

''ارے تو پھر کیا ہوا لباس تبدیل کرنے میں کیا وقت لگتا ہے چلو اٹھ جاؤ ورنہ کافی بھی ٹھنڈی ہو جائے گی۔'' بخت نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا تھا، وہ سستی سے اٹھ کر آگے بڑھ گئی۔

جب وہ واپس آئی تو شاہ بخت کافی کا مگ تقریباً ختم کر چکا تھا، وہ سیدھا آ کر بیڈ پہ لیٹ گئی، بخت نے دیکھا اس کے چہرے پہ واقعی تھکن اور نیند کے آثار تھے اس نے کافی کا مگ ایک طرف رکھا اور اس کا سر اپنی گود میں رکھ لیا، علینہ کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ آ گئی، وہ آہستہ آہستہ اس کے شانے اور بازو دبانے لگا، علینہ ایک دم ہڑبڑا گئی۔

''کیا کر رہے ہو چھوڑو۔'' اس نے بخت کا ہاتھ جھٹکا۔

''کیوں؟ میں نہیں کر سکتا؟'' وہ حیران ہوا۔

''نہیں اچھا نہیں لگتا۔'' وہ ٹوک کر بولی۔

''یہ کیا فضول بات ہے، میرا حق ہے تم پر، دیکھو صرف یہ تمہارا ہی فرض نہیں کہ تم جب میں تھکا ہوتا ہوں تو تم میرا سر دباؤ، کبھی بازو بھی، تم بھی تھکتی ہو گھر میں، مجھے تمہارے چہرے سے اندازہ ہو گی کہ تم واقعی تھکی ہوئی ہو تو میں نے دبانا شروع کر دیا، اس میں ایسا کیا مسئلہ ہے، ہاں اگر تم مجھے روکو گی تو مجھے اور بھی برا لگے گا، فرائض صرف بیوی کے ہی نہیں ہوتے شوہر کے بھی ہوتے ہیں، میری انا پہ کوئی حرف نہیں آئے گا اگر میں تمہارا خیال رکھوں گا تمہیں احساس دلاؤں گا کہ مجھے تمہاری پرواہ ہے، زندگی باہمی رضامندی عزت احترام اور خلوص سے گزرتی ہے عینا، تم میری بہت پیاری بیوی ہو، میری چھوٹی سی گڑیا، جس سے میرا دل بہلتا ہے۔'' اس کی آنکھوں میں اب شرارت چمک رہی تھی۔

''تو اگر تمہیں کچھ ہو گیا تو میرا کیا بنے گا؟''

وہ ہنس دیا، عینا نے زور سے ہاتھ کا پنچ بنا کر اس کے سینے پہ مارا تھا۔

''خود غرض۔'' اس نے خفا لہجے میں کہا تو اور زیادہ کھلکھلا دیا تھا۔

علینہ کے لبوں پر مدھم مسکراہٹ آ گئی، اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

''علینا کس کی جان ہے؟'' اس نے روز کا سبق دہرایا تھا۔

''بخت کی۔'' علینا نے بند آنکھوں اور مسکراتے لبوں سے جواب دیا اور بازو اس کے گرد حمائل کر کے کروٹ بدل دی، اس کے ہر انداز سے جھلکتی طمانیت اور آسودگی نے شاہ بخت کو مشکل میں ڈال دیا تھا۔

''کیا وہ اس لڑکی پر انگلی اٹھا سکتا تھا؟''

''کیا وہ اس لڑکی کی پاکیزگی پر شک کر سکتا تھا؟''

☆☆☆

شفق روتی ہوئی اس کے پاس آئی تھی۔

''بابا!'' وہ بلکتے ہوئے اسید سے لپٹ گئی، اسید نے اسے گود میں لے کر بے ساختہ پیار کیا اور اس کے بال سنوارے۔

''بابا کی جان کیوں رو رہی ہے؟'' اس نے شفق کے آنسو صاف کیے، وہ اس وقت حبا کے روم میں تھا، ڈاکٹر کے مطابق اسے ہوش آنے والا تھا، اب وہ اس کے کندھے پہ سر رکھے سسک رہی تھی، اسید اس کی کمر سہلاتے ہوئے اسے

بہلانے لگا۔

''ماما...... مرگئی بابا؟'' وہ خوفزدہ انداز میں تاروں اور پٹیوں میں جکڑی حبا کو دیکھ کر اسید سے سوال کر رہی تھی، اسید کا دل جیسے پگھل گیا۔

''اللہ نہ کرے، نہیں بیٹا، ماما بیمار ہیں۔'' وہ بمشکل حوصلہ مجتمع کر کے بولا تھا، شفق اب اسی ڈرے ہوئے انداز میں حبا کو دیکھ رہی تھی۔

حبا کو ہوش آ رہا تھا مرینہ اور تیمور بھی کمرے میں آ گئے تھے حبا کی بند پلکیں ہلکے ہلکے لرزیں اور پھر کچھ جدوجہد کے بعد اس کی آنکھیں کھل گئیں اندر کو دھنسی حلقوں سے اٹی ہوئی کمزور اور سوجی ہوئی آنکھیں چند پل چھت پر ٹکی رہیں پھر آہستگی سے زاویہ بدل کر کمرے میں موجود اشخاص پر جم گئیں، سب سے پہلے ان آنکھوں نے اسید کو دیکھا، سر سے پیر تک وہ صحیح سلامت تھا، وہ آنکھیں احساس تشکر سے بھیگ گئیں، پھر انہوں نے اسید کے کندھے سے لگی نور شفق کو دیکھا، ہاں مقام شکر تھا کہ اس کی بیٹی صحیح سلامت تھی پھر انہوں نے مرینہ اور تیمور کو دیکھا تھا، اس کے سب اپنے وہاں تھے، وہ کس قدر خوش قسمت تھی۔

''حبا کیسی ہو؟'' ماما بے تابی سے آگے بڑھ کر اس سے پوچھ رہی تھیں، اس نے بولنا چاہا مگر اسے یکلخت احساس ہوا کہ اس کی زبان حرکت کرنے سے قاصر تھی، ذرا سا زور لگانے پر اس کے سارے چہرے سے درد کی ناقابل بیان ٹیسیں اٹھنے لگیں اس کی آنکھوں سے پانی بہنے لگا، اسید نے بے تابی سے اس کے آنسو صاف کیے تھے اور ڈاکٹر کو بلانے لگا۔

ڈاکٹر نے انہیں پیچھے ہٹا دیا اور خود حبا کا چیک اپ کرنے لگا، کچھ دیر بعد اسے پھر سے مسکن ادویات کے زیر اثر سلا دیا گیا، وہ سو گئی تھی، اسید اسے دیکھتا رہا اس کے پاس بیٹھا رہا۔

''تم ہر چیز پہ شک کر سکتے ہو اسید، میری محبت پہ کبھی شک نہ کرنا، میں نے تم سے بہت محبت کی ہے۔'' اس نے روتے ہوئے اسید سے کہا تھا۔

''تم ٹھیک ہو جاؤ حبا، مجھے یقین ہے تمہارا۔'' وہ اس کا ابھری نسوں والا ہاتھ تھام کر آنکھوں سے بڑبڑایا تھا۔

☆☆☆

ستارا نے بدحواسی سے نوفل کو اپنی طرف آتے دیکھا اور بے ساختہ کھڑی ہو گئی، نوفل کا رنگ سرخ تھا اور غصے سے اس کی آنکھیں آگ اگل رہی تھیں، اس نے جھپٹ کر ستارا کا بازو پکڑا تھا۔

''کس کی اجازت سے آپ یہاں آئی ہیں؟'' وہ بلند آواز میں چلایا تھا، ستارا خوفزدہ سی اسے دیکھ رہی تھی، طلال اور شاہ بخت بھی خاموشی سے اس کی طرف متوجہ تھے۔

''میں آپ سے کچھ پوچھ رہا ہوں ستارا۔'' اس نے سختی سے ستارا کا بازو جھنجھوڑ کر دوبارہ اپنا سوال کیا تھا۔

''میں پاپا سے پوچھ کر......'' اس نے بمشکل حلق سے آواز نکال کر بولنا چاہا تھا، مگر غصے کی شدت سے پاگل ہوتے نوفل نے فوراً اس کی بات کاٹ دی۔

''بس کر دیں فضول باتیں مت کریں، آپ کو ایک دفعہ بھی خیال نہیں آیا مجھ سے پوچھنے کا میں مر گیا تھا کیا؟'' وہ دھاڑا تھا۔

''کس بات پہ سین کریٹ کر رہے ہیں یہاں تماشا مت بنائیں۔'' طلال نے سختی سے کہا۔

نوفل کے غصے اور کھولن میں کچھ مزید اضافہ

ہوا تھا، وہ ستارا کو بھول کر اس کی طرف مڑا تھا۔

''تم بیچ میں بولنے والے ہوتے کون ہو، کس نے اجازت دی ہے تمہیں ہمارے معاملے میں مداخلت کرنے کی؟'' نوفل پھاڑ کھانے والے انداز میں بولا تھا۔

''کیوں نہیں بول سکتا میں؟ حق ہے میرا۔'' طلال بھی دوبدو مقابلے پر آ گیا۔

''جو تمہارا حق تھا وہ تمہیں مل تو گیا ہے۔'' نوفل نے استہزائیہ انداز میں کہا اشارہ گولی لگے بازو کی طرف تھا، طلال کا رنگ آن کی آن میں سرخ پڑا تھا۔

''تو آپ ان سے یہ کیوں نہیں پوچھتے کہ یہ یہاں کیا انویسٹی گیٹ کرنے آئی تھیں۔'' طلال نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''کیا مطلب؟ کہنا کیا چاہتے ہو؟'' نوفل نے چونک کر پوچھا تھا۔

''جو آپ سمجھنا نہیں چاہتے، خود سوچیں ایسا کچھ تو چھپایا ہے نا آپ نے ان سے جسے جاننے کے لئے انہیں میرے پاس آنا پڑا۔'' وہ اب کی بار جتانے والے انداز میں بول رہا تھا۔

''جسٹ شٹ اپ، میں نے ستارا سے کچھ نہیں چھپایا اور میں چھپاؤں گا بھی کیوں؟ میں نوفل بن معصب ہوں تمہاری طرح دغا باز اور جھوٹا نہیں ہوں۔'' اس کے لہجے میں اتنی اکڑ، اتنا غرور تھا کہ تقدیر نے بے ساختہ قہقہہ لگایا تھا، وہ انجان ذی نفس نہیں جانتا تھا کہ اس نے اپنے پیروں پہ خود کلہاڑا مار لیا تھا۔

''اچھا آپ تو پاک صاف ہیں نا؟ فرشتہ صفت اور ریاکاری سے مبرا ہے نا۔'' طلال کے چہرے پہ حد درجے کی سرد مہری تھی اور لہجے میں بلا کا زہر تھا۔

''تو کیا آپ نے انہیں یہ بتایا ہے کہ شائی وانگ کون تھی؟'' اس نے دھماکہ کیا تھا، نوفل کا رنگ بدل گیا تھا، ستارا نے چونک کر اسے دیکھا۔

''شٹ اپ طلال، آگے ایک لفظ مت بولنا۔'' نوفل نے مٹھیاں بھینچ کر اسے وارننگ دی تھی۔

''کیوں کیوں نہ بولوں، آپ تو جھوٹ نہیں بولتے نا تو کیا آپ نے انہیں یہ بتایا کہ مہروز کمال سے طلاق کا سودا دس لاکھ ڈالرز میں ہوا تھا، انہیں یہ بتایا کہ کنچن بوری کے جس کاٹیج میں انہوں نے عدت کے ماہ گزارے وہ آپ کا تھا، آپ تو دغا باز نہیں ہیں نا؟''

''تو پھر آپ نے انہیں یہ بتایا کہ آپ نے یہاں شفٹ ہونے کا فیصلہ کیوں کیا؟'' وہ ایک کے بعد ایک سچ بولتا، اس کے راز کھولتا اس کے پیروں تلے سے زمین کھینچ چکا تھا، ستارا کا رنگ یوں زرد تھا جیسے ہلدی پھیری ہو۔

نوفل بھی ابھی تک بے یقین تھا، یہ سب تو اس کی اپنی انتہائی ذاتی باتیں تھیں ان سے طلال کب اور کیسے آگاہ ہوا ستارا پر تو جیسے پہاڑ ٹوٹا تھا۔

''نوفل!'' ستارا نے بے یقینی سے اسے دیکھا، آج پہلی بار نوفل کو اس کی آنکھوں میں ٹوٹے اعتماد کی کرچیاں نظر آئی تھیں۔

''نوفل یہ جھوٹ ہے نا؟ کہہ دیں نا یہ جھوٹ ہے پلیز، نوفل پلیز۔'' وہ اس کا بازو پکڑ کر بدحواسی اور بے یقینی سے پر لہجے میں آنکھوں میں آنسو لئے بے چینی سے سوال کر رہی تھی، نوفل نے نظریں چرا لیں یا پھر شاید نہیں بلکہ نوفل کو نظریں چرانا پڑ گئیں اور اس کا نظریں چرانا قیامت ہو گیا، اس کے بازو پہ رکھا ستارا کا ہاتھ درخت کی ٹوٹی ہوئی ڈال کی طرح نیچے گرا اور چہرہ بے یقینی کی دھند سے دھواں دھواں ہو گیا۔

''ایسا نہیں کر سکتے آپ میرے ساتھ، نہیں۔'' وہ ایک قدم پیچھے ہٹتے ہوئے بڑبڑائی تھی، نوفل نے اس کا ہاتھ تھاما اور اپنی طرف کھینچا، پھر اس نے طلال کو دیکھا۔

''تم نے سب کچھ تباہ کر دیا طلال، تم نے دشمن ہونے کا حق ادا کر دیا، آج کے بعد میرے سامنے مت آنا ورنہ میں اپنے آپ کو شوٹ کر ڈالوں گا۔'' وہ خونی لہجے میں کہتا باہر نکل گیا، ستارا اس کے ساتھ گھسٹ رہی تھی، اس کی بڑی سی بھاری شال اس کے سر سے اتر گئی تھی، وہ دوسرے ہاتھ سے سر پہ شال درست کرنے کی کوشش کرتے اپنے بہتے آنسوؤں کے ساتھ اس کے ساتھ گھسٹتی چلی گئی۔

وہ گاڑی میں بیٹھے اور نوفل نے گاڑی فل اسپیڈ سے وہاں سے نکالی تھی، سسکیاں در سسکیاں گاڑی میں گونج رہی تھیں اور نوفل کے اعصاب کا امتحان تھیں بے حد ریش ڈرائیونگ کر کے وہ گھر پہنچے تو شام ڈھل رہی تھی۔

بے جان قدموں سے چل کر وہ اندر آئی تو بیڈ روم کی روشنی جلائے بغیر بیڈ پہ بیٹھ گئی، چادر اس کے پیروں میں لٹک آئی تھی مگر اسے کوئی ہوش نہ تھا، آنسو ایک سیلاب کی مانند اس کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے، اس کے کانوں میں طلال کے الفاظ گونج رہے تھے۔

''دس لاکھ ڈالرز میں سودا۔''

''شائی وانگ؟''

''کنچن پوری کے کاٹیج میں گزرے عدت کے ماہ۔'' کیا کر دیا تھا نوفل صدیق نے اس کے ساتھ؟ درد سے اس کا دل پھٹ رہا تھا۔

☆☆☆

''مغل ہاؤس'' میں رمشہ کی شادی کی تیاریاں شروع ہو چکیں تھیں اور اب کی بار علینہ بھی ہر کام میں شامل تھی، چاہے کوئی قبول کرتا یا نہیں مگر سچ یہی تھا کہ ''شادی شدہ'' کا ٹیگ لگنے سے گھر میں اس کا رتبہ خود بخود معتبر ہو گیا تھا اور پوزیشن مضبوط، جبھی وہ بھی مارکیٹ ان کے ساتھ اکثر گئی ہوئی پائی جاتی، اس وقت رات کے کھانے کے بعد وہ سب شادی کی تیاری کے حوالے سے ڈسکشن میں مصروف تھے جب فون کی گھنٹی بجی، کوئی اس کی طرف متوجہ نہ ہوا تھا، مجبوراً شاہ بخت کو اٹھنا پڑا، اس نے فون اٹھایا مگر بولا کچھ نہیں۔

''ہیلو علینہ!'' حیدر کی آواز اس کے کانوں میں پڑی تھی اس نے نا چاہتے ہوئے بھی ہونٹ بھینچ لیے، پھر ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر علینہ کو آواز دی تھی، وہ جو خواتین کے جھرمٹ میں بیٹھی تھی، بمشکل اٹھ کر آئی تھی۔

''تمہارا فون ہے۔'' اس نے کہتے ہوئے ریسور اس کی طرف بڑھایا اور خود سیڑھیوں کی طرف مڑ گیا۔

علینہ کو اس کے انداز بہت عجیب لگے تھے، مگر وہ احساس کرائے بغیر فون کی طرف متوجہ ہو گئی۔

''ہیلو۔'' اس نے کہا۔

''کیسی ہو علینہ؟'' حیدر نے پوچھا۔

''او مائے گاڈ! حیدر تم ہو۔'' وہ دبے دبے لہجے میں چیخ پڑی تھی۔

''کیوں کیا ہوا؟'' وہ حیران ہوا۔

''تم نے مجھے پوچھے بغیر کال کیوں کی، یا پھر میری فون کال کا انتظار کر لیتے۔'' وہ حد سے زیادہ جھلائی ہوئی تھی۔

''ہوا کیا ہے؟'' وہ کھٹک گیا۔

''فون شاہ بخت نے ریسو کیا ہے حیدر اب بند کرو فون، میں اسے دیکھ لوں۔'' اس نے

پریشانی سے فون بند کیا اور اوپر کی طرف بڑھی، جب پیچھے آمنہ بھابھی کی آواز آئی تھی۔

''علینہ یہ اپنی شاپنگ تو اٹھا لو۔'' انہوں نے کہا۔

مجبوراً اسے واپس آنا پڑا اس نے شاپنگ بیگز اٹھائے اور تیز تیز سیڑھیاں چڑھتی گئی۔

آج پہلی بار شاہ بخت ایزی چیئر پر جھول رہا تھا، اس نے شاپنگ بیگ بیڈ پہ ڈالے اور بخت کو دیکھا، اس کا چہرہ خاموش تھا، ایکس پریشن لیس، وہ خاموشی سے کرسی پر جھولتا کسی غیر مرئی نکتے کو گھور رہا تھا۔

علینہ نے واپس مڑ کر شاپنگ بیگز اٹھائے اور کچھ کھولنے لگی، پھر اس نے اندر سے جھلملاتی ہوئی ایک ساڑھی نکال لی۔

''میں نے ساڑھی لی ہے رمشہ کی بارات کے لئے، کیسی ہے؟'' وہ مسکراتے ہوئے بہت نارمل انداز میں پوچھ رہی تھی، شاہ بخت کی نظریں اس نکتے سے ہٹ کر علینہ پہ جم گئیں۔

''بے کار ہے، مجھے اس طرح کی ڈریسنگ پسند نہیں ہے۔'' اس کا لہجہ اتنا نیا تھا کہ علینہ نے ٹھٹک کر اسے دیکھا۔

''مگر میں نے تو خرید لیا ہے۔'' علینہ نے منہ بسور کر کہا۔

''پھینک دو اسے کچھ اور خرید لینا۔'' اس نے اسی انداز میں کہا، علینہ ششدر رہ گئی، شاہ بخت کی شدت پسندی۔

''مگر کیوں؟'' وہ دبے دبے لہجے میں چلا اٹھی، شاہ بخت کی آنکھوں میں سرخی اتر آئی، وہ اٹھ کر اس کے مقابل آ گیا۔

''تمہارے لئے اتنا کافی ہونا چاہیے کہ یہ میں نے کہا ہے۔'' اس کا لہجہ سرسرا رہا تھا۔

علینہ کے اندر سہم اتر آیا، اسے محسوس ہوا جیسے اس شاہ بخت سے وہ آج پہلی بار ملی ہو۔

''کس بات کا غصہ ہے تمہیں؟'' علینہ نے اس بار جھنجھلاتے ہوئے لہجے میں پوچھا تھا اور شاہ بخت نے ٹھٹک کر اسے دیکھا۔

''حیدر کون ہے؟'' اس نے فوراً سوال داغ دیا اس کا اگر خیال تھا کہ وہ اس کا اڑا ہوا رنگ اور گھبرایا ہوا انداز دیکھے گا تو اسے ناکامی ہوئی تھی، وہ ذرا بھی نہیں کنفیوژ نہیں ہوئی اور نہ ہی اس کے چہرے سے کچھ ایسے تاثرات تھے کہ وہ ڈر گئی یا پریشان ہو گئی ہو۔

''دوست ہے میرا۔'' اس نے ایک چھوٹے سے جملے میں کہہ کر گویا بات ہی ختم کر ڈالی، اس کا اعتماد شاہ بخت کے لئے حیران کن تھا۔

''کیا مطلب؟ دوست ہے کب بنا یہ دوست کیسے بنا، کہاں سے آیا؟'' اس نے سوال در سوال کیا تھا، علینہ کے ماتھے پہ اک شکن آ گئی۔

''کیا مطلب؟ اتنے زیادہ سوال کیوں، کیا میرا اتنا کہہ دینا کافی نہیں کہ وہ میرا دوست ہے۔'' اس نے بھی اسی انداز میں کہا۔

''میں تمہارا شوہر ہوں، سوالات کا حق ہے میرے پاس۔'' شاہ بخت نے دوٹوک انداز میں کہا۔

''اور اگر میں نہ دینا چاہوں تو؟'' علینہ کو عجیب سی تکلیف اور دکھ نے آن گھیرا تھا۔

''کیوں کیوں نہ دو تم جواب علینہ؟ ایسا کیسے ہو سکتا ہے، کیسے بن گیا وہ تمہارا دوست کہاں ملے تم لوگ، مجھے ان سوالوں کے جواب نہ ملے تو میں پاگل ہو جاؤں گا۔'' وہ وحشت زدہ ہو گیا۔

''میرا اعتبار نہیں تمہیں شاہ بخت؟'' اس کے لہجے میں کوئی ایسی چیز نہیں کہ وہ جیسے گھٹنوں کے بل گر پڑا۔

اس نے ایک طویل سانس لے کر خود کو ریلیکس کیا اور اس کی طرف دیکھا پھر اس کے شانوں پہ ہاتھ رکھ کر اس کی پیشانی کو چوما۔

"آئم سوری میری جان ہو تم، عدم تحفظ کا شکار ہوں تمہیں لے کر شاید اسی وجہ سے۔" اس کا لہجہ دھیما تھا، پھر وہ پیچھے ہٹا اور باہر نکل گیا، علینہ اسی طرح کھڑی تھی۔

☆☆☆

چار دن بعد اسے گھر شفٹ کر دیا گیا تھا، اس کے اور شفق کے روم میں ایسد کا روم الگ ہی تھا، مرینہ بھی زیادہ دیر تک حبا کے کمرے میں رہتی تھیں مگر رات کو سونے کا بہت مسئلہ بن گیا تھا، شفق کو سوتے میں ہلنے جلنے کی عادت تھی جبھی اس نے حبا کی زخمی ٹانگ پہ سوتے میں ٹانگ رکھ دی، زخم گہرا تھا دکھ گیا اور خون رسنے لگا، اس کے بعد مرینہ شفق کو لے کر اپنے روم میں سونے لگیں جب اسید کو پتا چلا تو اس نے خود ہی حبا کے روم میں شفٹ ہونے کا فیصلہ کر لیا۔

یہ ایک نکھری ہوئی صبح کا منظر تھا، حبا نے واش روم جانا تھا وہ بیڈ کی پٹی کو پکڑ کر نیچے اتری، اسے چلتے ہوئے سہارے کی ضرورت پڑتی تھی مگر اسید کروٹ بدلے نیند میں تھا، وہ مجبوراً خود ہی ہمت کرتی دیوار سے ہاتھ ٹکا کر چلنے کی کوشش کرنے لگی، مگر دو قدم چل کر ہی اس کا حوصلہ جواب دے گیا اور وہ زمین پر بیٹھ کر سسکنے لگی، اسید لمحوں میں بیدار ہوا تھا اس نے اِدھر اُدھر نظر دوڑائی اور حبا کو دیکھ کر جیسے اس میں بجلی دوڑ گئی، وہ فوراً اس کی طرف لپکا۔

"حبا کیا ہوا؟" اس نے بے تابی سے پوچھا، وہ اذیت سے بمشکل آنکھیں کھول کر بولی تھی۔

"واش روم جانا ہے۔"

"اٹھو میں لے جاتا ہوں۔" اس نے احتیاط سے اسے سہارا دیا اور اٹیچ باتھ کی سمت بڑھ گیا، پھر اس نے خود اس کا منہ دھلایا اس کے بکھرے ہوئے بالوں کو نرمی سے سمیٹ کر بینڈ میں جکڑا اور اسے بیڈ پہ بیٹھا دیا، پھر وہ دراز میں سے کچھ اس کے لئے تلاش کرنے لگا، کچھ دیر بعد اس نے چاکلیٹ نکال لیا۔

"آؤ تمہیں ایک مزے کی بات بتاؤں۔" وہ اس کے ساتھ آ بیٹھا، لحاف اس پر درست کیا، اس کے پیچھے تکیے درست کیے اور اس کو دیکھنے لگا وہ بھی اسی کو دیکھ رہی تھی۔

"تمہیں شروع سے ہی چاکلیٹس بہت پسند تھیں، جب تم چھوٹی تھیں تو پتا ہے کیا کرتی تھیں؟" وہ اسے بات بتاتا بتاتا رکا، مقصداً اسے بھی گفتگو میں شامل کرنا تھا۔

"کیا؟" وہ پوچھنے لگی۔

"تب تم پانچ سال کی تھیں اور ہر وقت چاکلیٹس کھاتی رہتی تھیں ایک دن تمہیں میرے اسکول بیگ سے ایک چاکلیٹ مل گیا، بس پھر کیا تھا تم ہر روز میرا بیگ چیک کرتی تھیں اور ہر روز تمہیں وہاں چاکلیٹ مل جاتا۔" وہ مسکراتے ہوئے بتا رہا تھا۔

"وہ کیسے؟" وہ حیران ہو کر پوچھنے لگی، جو کہ چاکلیٹ کا ریپر کھول رہا تھا۔

"وہ ایسے کہ میں خود وہاں چاکلیٹ رکھ دیتا تھا اور اگرچہ مجھے پتا بھی تھا کہ تم وہاں سے چاکلیٹ نکالتی ہو۔" وہ اب محظوظ ہو رہا تھا، حبا بے ساختہ ہنس پڑی۔

"اُف میں کتنی بدتمیز تھی، آپ نے مجھے منع کیوں نہ کیا کبھی؟" وہ افسوس سے کہہ رہی تھی۔

"ارے پاگل میں کیوں منع کرتا، مجھے تو خوشی ہوتی تھی۔" وہ ہنسا۔

"اس میں خوشی والی کیا بات ہے، مجھے دکھ ہو رہا سن کر میں آپ کی چیزیں چراتی تھی؟" وہ منہ لٹکا کر کہہ رہی تھی۔

"حبا...... حبا۔" اسید نے کہتے ہوئے اس کے شانے کے گرد احتیاط سے بازو پھیلایا اور اس کا گال چوما۔

"میری بات سنو یار، اس میں چرانے والی کیا بات ہے، تمہاری اور میری چیزوں میں فرق ہے کیا؟" وہ پیار سے کہہ رہا تھا اب حبا کے پاس کوئی جواب نہ تھا، اسید نے چاکلیٹ کھول کر اسے دی، وہ بائٹ لے کر کھانے لگی۔

"رات میں نے سوچا چلو یار آج حبا کے لئے چاکلیٹس لے کر جاتے ہیں، مگر رات اتنا تھکا ہوا تھا کہ دینا یاد ہی نہیں رہا، کیسا ہے؟" وہ اسے رات والی کہانی بتانے کے ساتھ ہی اس کی رائے مانگ رہا تھا۔

"بہت اچھا ہے آپ بھی کھائیں نا۔" اس نے چاکلیٹ اس سے کر اس کی طرف بڑھایا اس نے بھی کھانا شروع کر دیا۔

"کل انشاء اللہ یہ بینڈیج کھل جائے گی۔" وہ اس کے گال پہ لگی بینڈیج پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"ہاں اب مجھے یہاں اتنا درد محسوس نہیں ہوتا، بس ٹانگ میں زیادہ ہوتا ہے۔" حبا نے اسے بتایا۔

"وہ زخم گہرا جو ہے۔" وہ فکرمندی سے بولا تھا، حبا کو بہت اچھا لگا، اس کے لئے اسید کے یہ سارے رنگ فکر، پیار، احتیاط اور محبت سب کچھ بہت نیا تھا، مگر اس میں خوشی تھی اور سکون تھا۔

"اسید!" حبا نے اسے دیکھا۔

"ہوں۔" وہ اس کا گال سہلا رہا تھا۔

"ایک بات پوچھوں؟" اس کی آواز بڑی

ہلکی تھی۔

''پوچھو نا؟'' وہ نرمی سے بولا۔

''آپ اب مجھ سے کبھی ناراض تو نہیں ہوں گے نا؟'' وہ ڈرتے ڈرتے پوچھ رہی تھی۔

''نہیں۔'' اسید نے اس کا ہاتھ تھام لیا، اسے محسوس ہوا کہ سردی کے باوجود حبا کا ہاتھ ٹھنڈا ہو رہا تھا۔

''اور کبھی غصہ بھی نہیں کریں گے؟'' اسے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دیکھ کر عجیب سی تقویت مل رہی تھی۔

''نہیں۔'' اسید کو عجیب سی بے چینی ہو رہی تھی۔

''اور۔'' وہ رک گئی۔

''کیا؟''

''کبھی ماریں گے بھی نہیں۔'' اس کے لہجے میں اتنی حسرت اتنا درد تھا کہ اسید کا دل کٹ کر رہ گیا۔

''نہیں کبھی نہیں نہیں۔'' اس نے حبا کو اپنے سینے میں چھپا لیا۔

''بہت درد ہوتا ہے اسید بہت درد، مجھے سچ میں آپ سے ڈر لگنے لگا تھا، رات کو آپ سو جاتے تھے نا مگر مجھے نیند نہیں آتی تھی، میں بہت اکیلی پڑ گئی اور تب ہی شاید میرا دماغ کام کرنا چھوڑ گیا، مجھے ایسے لگنے لگا تھا کہ میں کبھی ٹھیک نہیں ہو پاؤں گی۔'' وہ گھٹی گھٹی آواز میں کہہ رہی تھی۔

''میں نے آپ کے ساتھ ایسی زندگی کے خواب تو نہیں دیکھے تھے اسید، میں نے ایک پپی فیملی کے خواب دیکھے تھے، ایک گھر کے خواب، جہاں عزت محبت اور سکون ہوتا جہاں آپ اور میں ہوتے اسید، پھر یہ سب کیا ہو گیا؟'' وہ اب بے آواز رو رہی تھی اور اسید کے ہاتھ اس کی کمر سہلا رہے تھے، وہی ہاتھ جو حبا تیمور کا عشق تھے۔

میں نے سوچا تھا
تمہارے خیالوں کے پاؤں چھو چھو کر
تمہیں سوچوں کی آنکھیں چوم چوم کر
تمہاری انگلیوں کی پوریں اپنی پیشانی سے مس کر کر کے
بستیاں بساؤں گا، شہر آباد کروں گا
سلطنتیں قائم کروں گا
ایک دنیا، ایک کائنات تمہارے قدموں میں لا رکھوں گا
میں نے سوچا تھا
کبھی تمہارے گلے لگ کے خوشی سے چہک اٹھوں گا
کبھی تمہارے کندھے سے لگ کر بہت روؤں گا
تمہاری گود میں سو جاؤں گا
تمہارے لئے ایک تخت بنواؤں گا
اور اپنا تمام بخت تمہارے تخت کے پیروں میں لا رکھوں گا
میں نے سوچا تھا
ابھی بہت وقت ہے

کمرے میں بہت دردناک خاموشی تھی، اسید نے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام کر اس کے آنسو صاف کیے۔

''ابھی بہت وقت ہے حبا، ابھی زندگی باقی ہے، آؤ ہم اپنے خوابوں کو زندہ کریں وہ خواب جو تم نے میرے لئے دیکھے آؤ ایک اپنے گھر کی بنیاد رکھیں جہاں پیار عزت اور سکون ہو، ایک ایسا گھر بنائیں جہاں شکل و صورت اور سگے سوتیلے کے احساس کمتری جیسے طوق نہ پہنائے جائیں، جہاں کوئی اسید اور حبا نہ ہوں، جہاں کوئی خوف نہ ہو، کوئی ڈر نہ ہو۔'' وہ خواب آسا لہجے میں کہہ رہا تھا اور حبا نے سر ہلا کر تائید کی تھی۔

''میں آج بھی آپ سے محبت کرتی ہوں اسید، بے حد بے تحاشا اور کوئی بھی چیز آپ برے سے برا رویہ بھی میری محبت کو ختم تو دور کم بھی نہیں کر سکا اسید۔'' حبا نے اپنے کمزور ہاتھ میں اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

''اور میں بھی تم سے محبت کرتا ہوں حبا، ہمیشہ سے ہی کرتا تھا، ایسی والی ویسی والی نہیں محبت تو بس محبت ہوتی ہے، اس میں جماعت بندی تھوڑی ہوتی ہے، یہ تو بس ہو جاتی ہے، جیسے مجھے تم سے محبت تھی، ہمیشہ سے یا شاید کئی صدیوں سے بلکہ ازل سے جب ہماری روحیں بنائی گئیں تب سے۔'' اس نے محبت سے اس کی پیشانی پہ لب رکھ دیئے، فضا میں ایک عجیب سا سکون تھا، سورج کی ایک ٹمٹماتی شعاع کھڑکی کی اوٹ سے جھانک رہی تھی۔

☆☆☆

نوفل اندر داخل ہوا تو کمرے میں اندھیرا تھا، اس نے تیزی سے سوئچ بورڈ پہ ہاتھ مارا اور ساری لائیٹس جلا دیں اور وہ اس کے سامنے تھی مگر کتنے بکھرے ہوئے حلیے میں، چہرہ آنسوؤں سے تر بتر تھا، وہ اس کے پاس آ گیا، بہت تھکے ہوئے انداز میں وہ گھٹنوں کے بل اس کے سامنے زمین پر گر گیا، پھر اس نے اپنا سر ستارا کی گود میں رکھ دیا۔

''تم ناراض ہو، بہت ناراض ہے نا اور یہ خفگی اور ناراضگی ختم بھی نہیں کرنا چاہتی، بچپن سے میرے اندر احساس کمتری موجود کہ لوگ خوبصورتی پہ ہی کیوں مرتے ہیں، کوئی روح کا سودا کیوں نہیں کرتا، میری زندگی میں تم سے پہلے بس ایک لڑکی آئی تھی مگر عین ہماری انگیج منٹ کے روز اس کا مرڈر ہو گیا، تم میں اور اس میں صرف یہ یکسانیت تھی کہ اس کے بھی بال تمہاری طرح بہت لمبے تھے۔'' وہ رک گیا۔

''اس کے میری زندگی میں بس تم آئی تھیں تمہارے ساتھ رشتہ بہت منفرد تھا، میں تمہیں ہر حال میں بچانا چاہتا تھا، مگر مہروز نے مطالبہ کیا کہ اس نے تمہیں پانچ لاکھ روپے حق مہر دیا تھا، وہ اپنا نقصان پورا کرنا چاہتا تھا، میں نے اسے ڈبل پیسے دے دیئے، میں ہر حال میں تمہیں وہاں سے لے جانا چاہتا تھا، خواہ کچھ بھی ہوتا یا مجھے کچھ بھی کرنا پڑتا، میں تمہیں نقصان پہنچتا کس طرح دیکھ سکتا تھا ستارا، ہاں میں تب تک تمہارے پاس رہا جب تک تمہیں ہوش نہیں آیا مگر اس کے بعد میں نے تمہیں خود سے الگ رکھا میں چاہتا تھا کہ تمہاری عدت مکمل ہو جائے۔''

''اس کے بعد۔'' وہ اسے خود اپنے سچ بتا رہا تھا، مگر اس کی بات مکمل نہیں ہو پائی، اس کا سیل فون بجنے لگا تھا۔

''کیا مصیبت ہے کون ہے اس وقت؟'' اس نے جھلا کر موبائل کو دیکھا، جہاں ''شاہ بخت مغل کالنگ'' کے الفاظ جگمگا رہے تھے، اس نے مجبوراً نا چاہتے ہوئے بھی کال پک کر لی۔

''ہیلو۔'' اس کا لہجہ سپاٹ تھا۔

''سوری سر ڈسٹرب کرنے کی معذرت چاہتا ہوں، مگر مجھے حیدر سے کچھ کام ہے، پلیز مجھے ان کا ایڈریس یا فون نمبر سینڈ کر دیں۔'' شاہ بخت نے انتہائی شائستہ انداز میں کہا تھا، نوفل نے بنا کچھ سوچے اسے حیدر کے گھر کا ایڈریس بتایا اور فون بند کر دیا، زندگی کی کروٹ بدل رہی تھی، آگے کیا ہونے والا تھا یہ تو خدا ہی جانتا تھا۔

(باقی آئندہ)

آخری قسط

سندس جبیں
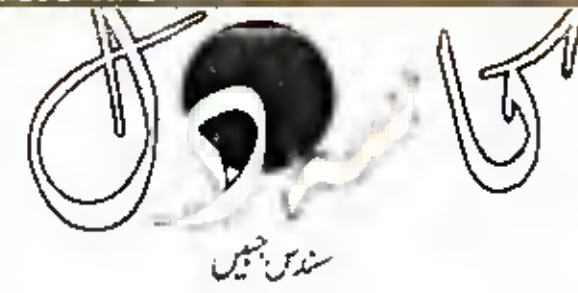
مجھے موت دے کہ حیات دے
میرے بے ہنر میرا ساتھ دے
میرے رتجگوں کے حساب میں
کوئی ایک نیند کی رات دے
کوئی ایسا اسم عظیم ہو
مجھے تیرے دکھ سے نجات دے

دعائیں اس کے لبوں پہ آئی تھیں، وہ گھر میں یوں چلتی تھی جیسے نئے گھر میں آنے والے مکین پہلی مرتبہ ہر چیز کو دیکھتے ہیں، ہاں اس کے لئے ہر چیز نئی ہی تھی، کیونکہ اسید کا ساتھ نیا تھا، ہر چیز خوبصورت تھی، ہر چیز نئی تھی۔

اس نے سارے گھر کی سیٹنگ اور ڈیکوریشن چینج کی تھی، ایک ایک چیز اپنی من مرضی اور دلی خواہش کے مطابق لی تھی، اسید نے اس کے کسی فیصلے میں مداخلت نہ کی تھی، وہ چاہتا تھا وہ ہر چیز پر حق جتائے، محسوس کرے اور خوش رہے، اس بات سے قطع نظر کہ اس کی اپنی مرضی اور پسند کیا تھی وہ صرف اس کی اولیت دے رہا تھا۔

ناولٹ

اس کے اسٹیچز کھل چکے تھے اور چہرے کا زخم تقریباً ٹھیک ہو چکا تھا، البتہ ٹانگ کے زخم میں کچھ دن مزید لگنے تھے، ہاتھ کا پلستر بھی کھل چکا تھا مگر ڈاکٹرز نے ابھی اسے کسی بھاری چیز کو اٹھانے سے منع کیا تھا، ورنہ اس کا جوڑ پھر سے ہلنے کا خدشہ تھا۔

مرینہ خانم ابھی بھی ان کے پاس ہی تھیں جبکہ تیمور کو اپنے بزنس کی وجہ سے واپس اسلام آباد جانا پڑا تھا۔

☆☆☆

اس نے گھڑی پہ نگاہ دوڑائی، ساڑھے دس ہو رہے تھے، پھر اس نے موبائل کی اسکرین میں موجود اس ڈرافٹ کو دوبارہ پڑھا جس میں ڈاکٹر حیدر کا ایڈریس تھا اور پھر سامنے موجود بنگلے کو، وہ

صحیح ایڈریس پہ پہنچ چکا تھا، اس نے گاڑی کا ہارن دیا، چوکیدار تیزی سے متوجہ ہوا تھا، پھر اس کی طرف آ گیا، اس نے اپنی سائیڈ کا شیشہ نیچے کیا اور اس سے حیدر کے متعلق دریافت کیا تھا، پھر اسے اپنے آنے کا بتایا، چوکیدار سر ہلا کر آگے بڑھ گیا، کچھ دیر بعد گیٹ کھول دیا گیا، وہ کار اندر لیتا گیا، ڈرائنگ روم تک اس کی رہنمائی کر دی گئی۔

وہ صوفہ پر بیٹھنے کی بجائے اضطرابی انداز میں ادھر اُدھر چکر کاٹنے لگا، کچھ دیر بعد دروازہ کھلا اور ڈاکٹر حیدر کی جھلک نظر آئی جن کے چہرے پہ حیرانی ثبت تھی۔

''خیریت ہے شاہ بخت! آپ اس وقت یہاں؟ کیا بات ہے؟'' شاہ نے اسے یوں دیکھا جیسے کوئی اپنی آخری امید کو دیکھتا ہے۔

☆☆☆

''تم ناراض ہو تارا؟'' نوفل جو کہ سیل فون کو ایک طرف پھینک چکا تھا، پھر سے بڑے درد کے عالم میں اس سے سوال کرنے لگا تھا۔

ستارا کی آنکھیں اس پر تک گئیں، وہ بڑے برے حالوں میں اس کے سامنے موجود تھا، لہجہ التجائیہ، انداز میں بے پناہ عاجزی اور زمین پہ بیٹھا وہ جیسے اپنے ہر جھوٹ پر شرمندہ تھا۔

''بس کرو نوفل! اٹھ جاؤ یہاں سے۔'' ستارا نے اپنے دونوں ہاتھ اس کے ہاتھوں پہ رکھتے ہوئے کچھ اس انداز میں کہا تھا کہ وہ ٹھٹک گیا۔

''تم اپنی ناراضی ختم نہیں کرو گی۔'' وہ مایوسی کے غبار میں لپٹا اسے دیکھ رہا تھا۔

''میں تم سے ناراض نہیں ہوں، کبھی بھی نہیں ہو سکی، نہ کبھی ہوں گی۔'' اس نے ملائمت سے کہا اور نوفل نے دیکھا اس کی آنکھوں میں آنسو ٹھہرے ہوئے تھے، وہ وہاں سے ہل نہیں سکا، اسے ہمیشہ ستارا کے آنسو تکلیف دیتے تھے، ان آنسوؤں کے ذمہ دار ہر شخص کو وہ ختم کر دینا چاہتا تھا، مگر وائے قسمت کہ آج وہ خود ان آنسوؤں کا دین دار تھا، اس کے اندر پچھتاوے آگ کی مانند گرنے لگے، اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کی آنکھوں پہ ہاتھ رکھا، شبنم کی مانند اجلے موتی اس کی ہتھیلی پہ اکٹھے ہو گئے، ستارا وہاں سے اٹھی اور نیچے زمین پہ اس کے ساتھ بیٹھ گئی۔

''تارا!'' نوفل نے اس کو پکارا، اس نے سر اٹھا کر نوفل کو دیکھا۔

''تمہیں مجھ پہ یقین ہے نا؟'' اس کی آواز میں مان ٹوٹنے کا خوف پنہاں تھا۔

ستارا جواب دینے کی بجائے بہت دیر تک اس کا چہرہ دیکھتی رہی، اس کے نین نقش بڑے تیکھے اور خوبصورت تھے اور اس کے سنہری مائل بھورے بال بکھرے بکھرے سے تھے۔

''مجھے اس بات کا یقین ہے نوفل کہ تم نے یہ سب میرے لئے کیا ہے۔'' اس نے نوفل کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

''ہاں تارا بالکل تمہارے لئے کیا ہے۔'' اس نے جوش سے اس کے ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

''اور تم جو بھی میرے لئے کرو، وہ غلط کیسے ہو سکتا ہے نوفل؟ تم نے مہروز سے مجھے بچانے کے لئے یہ سب کیا نا، تو میں کیسے مان لوں کہ تم غلط ہو، نہیں نوفل تم تو مجھ سے اتنا پیار کرتے ہو کہ صحیح اور غلط کا فرق ہی بھول گئے۔'' وہ سسکیاں لے رہی تھی، نوفل کے دل میں جیسے کوئی تیر سا کھب گیا۔

''نہیں تارا! میرا خدا گواہ ہے میں نے کچھ غلط نہیں کیا، میں نے تو عدت میں تمہارا سامنا بھی

نہیں کیا۔'' وہ تڑپ کر بولا تھا۔

''مگر تم نے جھوٹ تو بولے ہیں۔'' وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔'' وہ شکستہ دل سا تھا۔

''کیوں؟ کیوں چارہ نہیں تھا، ایسی کیا مجبوری تھی؟'' اس نے احتجاجاً پوچھا تھا۔

''میں جیسا امیج تمہارے سامنے اپنا واضح کر چکا تھا، اس کے بعد کیسے سچ بولتا۔'' وہ بے بس تھا۔

''اور تمہیں یہ تھا کہ مجھے کبھی سچ پتا نہیں چلے گا۔'' اس کا لہجہ اس بار تلخ تھا۔

''نہیں میں نے ایسا نہیں چاہا تھا۔'' وہی کمزور سا دفاع۔

''کیوں نوفل؟ سچ بتاؤ نا آج کیوں کیا تم نے ایسا؟ وہ ہیرو ہونے کا گیم کیوں کھیلا، کیا وجہ تھی، بتاؤ نا؟'' وہ وجہ جاننے پر مصر تھی۔

''میرا دماغ خراب ہو گیا تھا۔'' وہ جھلا کر بولا تھا، ستارا اس بار خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔

''جب شادی سے پہلے ہم ملے تھے تو تم نے مجھ سے یہ ساری بات اگلوائی تھی؟ ہے نا، تم کتنا ہنسے ہو گے نا مجھ پر، یہ جاننے کے بعد کہ ستارا ہاشم ابھی بھی نوفل صدیق پہ مرتی ہے؟ تمہیں کتنی خوشی ہوئی ہو گی نا؟''

''بولو ناں نوفل، تم نے سوچا تو ہو گا نا کہ یہ کس قدر پاگل ہے کہ ابھی تک بن دیکھے میرے عشق میں پاگل ہوئی پھر رہی ہے...... ہے نا؟'' وہ روتے ہوئے اپنا مذاق اڑا رہی تھی۔

''بس کر دو تارا، خدا کے لئے بس کر دو۔'' نوفل نے تڑپ کر اس کے لبوں پہ اپنا ہاتھ رکھ کر اسے خاموش کروا دیا۔

''کچھ نہیں جانتی تم۔'' وہ اس بار اکھڑے ہوئے لہجے میں بولا تھا، پھر اس نے سسکتی ہوئی تارا کو بازوؤں میں سمیٹ کر بہت محبت سے اس کے گال صاف کیے تھے، پھر اس کی آنکھوں کو چوما، پھر اسے سینے سے لگا لیا، وہ اس کے سینے پہ سر دھرے دھیرے دھیرے سسکتی رہی۔

''میں تمہیں سب بتا دوں گا تارا۔'' وہ اس کے بالوں پہ لب رکھے ہوئے بہت عجیب سے لہجے میں کہہ رہا تھا۔

☆☆☆

سب وہاں سے جا چکے تھے، بس وہ اکیلی رہ گئی تھی وہاں، یا پھر بیڈ پر بکھری اس کی چیزیں، اس کا باربی ڈول والا کی چین، اس کی کلر فل پینسلیں اور اس کی پنک ڈائری میں جس کے ٹائٹل کور پہ سلور اور فیروزی رنگ کی باربی بنی تھی اور اس کے کمرے میں پھیلی بازگشت۔

''بابا نے شاہ بخت کے ساتھ علینہ کی شادی کے لئے ہاں کر دی ہے۔''

یہ بازگشت اس کی ہار کی بازگشت تھی، یہ اس بات کا ثبوت تھی کہ اب اس کی آئندہ زندگی بخت کی غلامی کرتے گزرے گی۔

وہ جس قدر اس کی مخالف تھی اور اب تک جتنی لڑائیاں وہ دونوں لڑ چکے تھے، ایسا کیسے ممکن تھا کہ بخت بھول جاتا، نہیں وہ نہیں بھولے گا اور نہ ہی اسے بھولنے دے گا، بلکہ اب تو اصل تماشے کا آغاز ہونے والا تھا، جس سے پورا گھر لطف اندوز ہونے والا تھا، اب تک کے کیے گئے تماشے اور ان کے جھگڑے تو ایک ٹریلر تھے، اصل فلم تو اب شروع ہونے والی تھی، اسے بے تحاشا خوف آ رہا تھا۔

گھر میں اس کی اہمیت کیا تھی؟ وہ آگاہ تھی بہت اچھے سے، تو اب وہ کیا کرے، جو سلوک

اس نے بخت کے ساتھ روا رکھا تھا، وہ بڑے اچھے سے جانتی تھی، اب یقیناً بخت اس کا یہ سلوک ڈبل کرکے واپس کرتا، اس نے جتنا بخت کو خوار کروایا تھا، وہ اس سے دل بھر کر بدلے نکال سکتا تھا بلکہ یقیناً وہ ہر ممکن طریقے سے اسے ہرٹ کرتا۔

بے بسی سے علینہ کی آنکھیں جل رہی تھیں، وہ کس سے یہ سب شیئر کرے؟ وہ نہیں جانتی تھی۔ مگر ایک بات تو کنفرم تھی کہ اس کا اس گھر میں کم از کم کوئی ہمدرد نہیں تھا۔

بات یہ نہیں تھی کہ وہ اس کے دشمن تھے بلکہ وہ سب اس کے بلاوجہ کے انکار سے تنگ تھے، ان کو یہ سمجھ نہیں آئی تھی کہ آخر علینہ شکر ادا کیوں نہیں کرتی تھی؟

علینہ آگاہ تھی معمولی سی ملنے والی اہمیت اور نظر اندازی نے مل کر اس کے جو اندر احساس کمتری پیدا کیا تھا اس میں اب زبردستی کی یہ شادی اس کی حیثیت کو کہاں لے جانے والی تھی، وہ بخوبی آگاہ تھی، گھر والوں کے بے زاری اور اس مسئلے سے جلد از جلد جان چھوٹ جانے کی خواہش ان کے لئے بڑی اہم تھی، دوسری طرف منہ کھولے یہ سوال کہ شاہ بخت جیسا شخص جو سرعام اسے یوں چیلنج کرکے گیا تھا اور اس کا طیش اور غصہ، وہ کسی طور اسے اتنی آسانی سے نہ معاف کرتا، وہ ہر طرف ذہن دوڑا رہی تھی مگر یہ مسئلہ تو تار عنکبوت کی مانند اسے جکڑ کر بیٹھ گیا تھا اور وہ کوئی حل کوئی روزن فرار کا نہیں ڈھونڈ پا رہی تھی، پھر اس مسئلے سے نکلنے کا طریقہ کیسے سوجھ پاتا اسے، وہ کچھ دیر بعد اپنے سکتے سے اٹھی اور اٹھ کر پاگلوں کی طرح اپنی وارڈ روب سے سامان نکال کر پھینکنے لگی، کپڑے، جوتے، کتابیں، دراز، جیولری سب کچھ کمرے کے فرش پر بکھرتا چلا گیا اور پھر اسے ایک کونے سے ایک کارڈ مل گیا تھا۔

اس نے پھولی ہوئی سانسوں کے ساتھ اپنی وحشت چھلکاتی آنکھوں کو رگڑا اور وہ کارڈ اٹھا کر باہر آ گئی۔

گرتی پڑتی وہ لاؤنج میں رکھے لینڈ لائن کے سیٹ تک پہنچی اور پھر اِدھر اُدھر دیکھا، لاؤنج خالی تھا، اس نے زمین پہ بیٹھ کر سیٹ اپنی طرف گھسیٹا اور تیزی سے ایک نمبر ملانے لگی۔

وہ ڈاکٹر حیدر عباس کا نمبر تھا،

کچھ دیر بعد وہ لائن پہ تھا، روتے ہوئے، سسکتے ہوئے اس نے ساری ''داستان غم'' اسے سنا دی تھی، دوسری طرف کافی گہری خاموشی تھی۔

بہت دیر بعد اس نے ایک بدلی ہوئی سرد اور عجیب سی آواز میں کہا تھا۔

''زندگی میں سچ بولنا شروع کر دو علینہ، تمہارے سارے مسئلے حل ہو جائیں گے۔'' علینہ اس کی بات سن کر تڑپ اٹھی تھی۔

''کیا مطلب، میں نے کون سا جھوٹ بولا ہے؟''

''تم اچھی طرح جانتی ہو۔''

''نہیں میں نہیں جانتی، تم بتاؤ مجھے۔'' وہ بھڑک اٹھی تھی۔

''مجھے ایک سچ بتاؤ گی۔'' اس نے بدستور ٹھنڈے لہجے میں کہا تھا۔

''پوچھو۔''

''تم شاہ بخت سے محبت کرتی ہو؟'' حیدر کا سوال اتنا اچانک اور بھرپور حملہ تھا کہ چند لمحے خاموش رہ گئی، مگر پھر یہ خاموشی بڑھتی گئی، اتنی زیادہ کہ حیدر کو اسے پکارنا پڑا تھا۔

''تم نے سنا میں نے کچھ پوچھا تھا؟'' وہ کہہ رہا تھا۔

علینہ کے لفظ گونگے ہو گئے تھے، وہ بول نہ

سکی، اس کی آنکھوں میں درد سے پانی اکٹھا ہو رہا تھا، اس نے بولنا چاہا، اس کے لفظ اٹکے، پھر رکے اور آخر کار ادا ہو گئے۔

''ہاں۔''

یہ جانے بغیر کہ کسی کا دل اس کی ''ہاں'' سے بہت نیچے کسی پاتال میں جا گرا تھا اور اسے تو گرے ہی رہنا تھا۔

''ویری گڈ، تو بس تم یہ اقرار کر لو خود کے سامنے۔'' اس نے بڑے نارمل انداز میں کہا تھا۔

''اس سے کیا ہوگا حیدر؟'' وہ بہتی آنکھوں کے ساتھ بدقت بول پائی تھی۔

''اس سے یہ ہوگا کہ تم دوہرے موسموں سے نکل آؤ گی، تمہارے سامنے ایک واضح ٹارگٹ ہوگا۔'' اس نے اطمینان سے کہا۔

''کیسا ٹارگٹ؟'' اس نے چونک کر کہا۔

''اب میری بات سنتی جاؤ۔'' اس نے حکیمہ انداز میں کہا تو علینہ نے مدھم سی ''ہوں'' کی تھی۔

اس کے بعد کا پلان حیدر نے اسے چاک آؤٹ کرکے یاد تھا، اس نے علینہ کو کسی بھی قسم کی مداخلت سے سختی سے منع کر دیا تھا۔

''دیکھو علینہ! حالات جس نہج پہ ہیں، میں نہیں چاہتا کہ تم اپنے لئے مزید مشکلات پیدا کر لو، اگر اب تم نے کوئی بھی مخالفت کی تو یہ تمہارے لئے مزید نقصان دہ ہوگا، ویسے بھی اب اس کا اب کوئی فائدہ نہیں ہوگا، یہ اپنی انسلٹ کروانے والی بات ہوگی۔''

''تو پھر میں کیا کروں؟''

''تم کسی بھی قسم کی تیاری میں حصہ مت لو، مگر یہ بھی شو کروانے کی ضرورت نہیں کہ تم خوش نہیں ہو۔'' اس نے کہا تو علینہ نے اس کی بات سمجھتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

نکاح سے ایک دن پہلے اس نے پھر سے حیدر سے بات کی تھی۔

''یاد رکھنا علینہ تم اس گھر کا Neglected child ہو اور شاہ بخت موسٹ وانٹڈ، اس لئے اب تمہیں بڑے سلیقے اور طریقے سے چلنا پڑے گا، تم میری بات دھیان سے سنو، نمبر ایک تم بالکل بھول جاؤ کہ شاہ بخت کا شادی سے پہلے کبھی تم سے کوئی جھگڑا ہوا تھا، تمہیں اس کے ساتھ یوں بی ہیو کرنا ہے جیسے ایک نارمل شادی شدہ جوڑا کرتا ہے، نمبر دو شاہ بخت بذات خود ایک برا شخص نہیں ہے، اگر تم اس کے ساتھ ٹھیک رہو گی تم اسے بھی رہنا پڑے گا اگر وہ واقعی اپنے دعوے میں سچا ہے کہ اسے تم سے محبت ہے، تو پھر وہ تمہارے ساتھ کبھی غلط نہیں کرے گا، نمبر تین، سب سے ضروری بات اس کے ساتھ شادی کرنے کی صورت میں گھر میں تمہاری حیثیت یکسر بدل جائے گی اور اگر تم واقعی ذہین ہو تو یقیناً تم اپنی اس اہمیت کو مین ٹین رکھنا چاہو گی اور اس کے لئے ضروری ہے کہ تم شاہ بخت کے ساتھ بالکل ٹھیک رہو۔''

''علینہ! میں ایک سائیکا ٹرسٹ ہوں، میرے نزدیک تمہارا پرابلم بہت Petty issues میں آتا ہے، صرف تمہیں اپنا رویہ اور مزاج بخت کے ساتھ بدلنا پڑے گا، پھر دیکھنا سب کچھ کتنی جلدی بدلتا ہے۔'' وہ اپنے مخصوص مرہم رکھنے والے انداز میں بولتا اس کے دماغ کی گرد جھاڑ رہا تھا، بات بہت آسان تھی، سیدھی طرح سمجھ میں آتی تھی، مگر مسئلہ یہ تھا کہ اگر یہی بات اسے گھر والوں میں سے کوئی سمجھاتا تو وہ کبھی سمجھ نہ پاتی، شاید یہ مسئلہ سب کے ساتھ ہی ہوتا ہے، ہمیں بہت دفعہ سیدھی سی بات بھی سمجھ نہیں آتی کیونکہ کہنے والے کو ہم اپنا دشمن عظیم تصور کرکے بیٹھ چکے ہوتے ہیں۔

حیدر کے ساتھ اس کا معاملہ دوسرا تھا، وہ لاشعوری طور پر اس سے متاثر تھی، اسے اس کی باتیں ہمیشہ درست لگتی تھیں اور اس کے خیالات مثبت اور مستزاد وہ مسیحا تھا، ٹوٹے بکھرے لوگوں کو سمیٹنا اس کا مشغلہ نہیں جذبہ تھا، وہ ایمان کی حد تک اسے سچا مانتی تھی۔

جبھی اس نے آنکھیں بند کرکے اس کی ساری باتیں مان لیں تھیں اب اس کے ذہن نے ایک نیا پلٹا کھایا۔

وہ آئینے کے سامنے جا کھڑی ہوئی، خود کو دیکھا، سبز رنگ کے شلوار قمیض میں کمر پہ گرتے بالوں کے ساتھ اس کی آنکھوں کی چمک بڑی پیاری تھی۔

''ارے میں کس قدر بے وقوف ہوں نا، ایسے ہی اپوزیشن بنا کے بیٹھی ہوں، کتنی بڑی خوشی ہے نا یہ، شاہ بخت از گوئنگ ٹو بی مائن۔'' اس نے ہنستے ہوئے خود کلامی کی تھی۔

اس نے بڑی جلدی خود کو حالات کے مطابق تیار کیا تھا، کہ اگر ذہن سے ساری منفی سوچوں کو نکال پھینکا جائے تو زندگی اچھی خاصی خوشگوار ہوسکتی تھی، سب سے بڑی خوشی کی وجہ تو بخت کی دیوانگی ہوتی اور پھر مستزاد یہ کہ کوئی بھی گھر میں ان دونوں کے رشتے کا مخالف نہ تھا، عباس تھا مگر اسے بھی شاہ بخت منا چکا تھا۔

اس نے آنکھیں بند کر حیدر کی باتوں پہ عمل کیا اور تب جب وہ شاہ بخت کے بیڈ پر اس کے لئے محو انتظار تھی تو اس کا دل محو رقص تھا، وہ آیا اور بس اس کے بعد علینہ کو کچھ یاد نہ تھا، اس کی توجہ اس کی محبت اور اس کی دلربا لمس وہ ہر طرح سے سیراب ہوئی تھی۔

☆☆☆

وہ اس وقت ڈاکٹر حیدر عباس کے کلینک میں موجود تھی، کمرہ خالی تھا، ڈاکٹر کا کوئی نام و نشان نہیں تھا اور اسید اسے ضروری کام کا کہہ کر جا چکا تھا، وہ بے بس سی اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی، جب یکدم کمرے کا دروازہ کھلا اور ایک ینگ اور ہینڈسم سا مرد اندر آگیا، اس نے بے ساختہ مڑ کر دیکھا۔

''آپ بھی ڈاکٹر سے ملنے آئے ہیں؟'' حبا نے پوچھا، پھر بے ساختہ بولتی چلی گئی۔

''عجیب ڈاکٹر ہے، مریض کو بٹھا کر غائب ہوگیا ہے، بھلا ایسے بھی کرتا ہے کوئی؟'' اس نے سر جھٹکتے ہوئے اسے دیکھا، وہ بھی ایک کرسی چھوڑ کر بیٹھ گیا۔

''صحیح کہا آپ، عجیب لوگ ہیں آج کل کے ٹائم کی کوئی پابندی نہیں۔'' وہ تاسف سے بولا۔

''اور کیا، غیر ذمہ داری کی انتہا ہے۔'' اس نے منہ بسورتے ہوئے کہا۔

''غیر ذمہ داری کی بات چھوڑیے آپ، آپ کو بتاؤں میرے ساتھ کیا ہوا؟ کل جب گھر سے نکلا تو راستے میں ایک بوڑھا فقیر رستے میں ملا، میں نے اسے کچھ روپے دینے کے لئے والٹ نکالا تو وہ انتہائی جرأت سے میرے ہاتھ سے والٹ چھین کر لے گیا، میں اتنا حیران تھا کہ کچھ کر بھی نہ سکا سوائے اس کا منہ دیکھنے کے اور وہ میرا والٹ چھین کے یہ جا وہ جا۔''

''اوہو، یہ تو بہت برا ہوا۔''

''ارے اچھا برا چھوڑیے، والٹ کا کیا ہے نیا آجاتا اور کریڈٹ کارڈز بندہ فریز کروا دیتا ہے مگر اس والٹ میں لگی میری منگیتر کی تصویر کا کیا ہوتا، پہلے ہی اس نے کتنی مشکلوں سے دی تھی اور اگر اسے پتہ چل جاتا کہ میں نے اس کی تصویر کسی فقیر کے حوالے کر دی ہے تو وہ تو غصے کے عالم

میں آکر شاید منگنی ہی توڑ دیتی۔'' وہ مظلومیت سے بتا رہا تھا، حبا بے ساختہ ہنس پڑی۔

''پھر آپ نے کیا کیا؟ بھاگ کر فقیر سے والٹ چھین لیا تھا؟'' حبا نے جیسے مشورہ دیا۔

''ارے نہیں چھوڑیے نا ان باتوں کو، سنیئے آگے کیا ہوا۔'' اس نے ڈرامائی انداز میں کہا۔

''کیا ہوا؟'' حبا نے بے ساختہ پوچھا۔

''آج صبح وہ فقیر پھر سے مجھے مل گیا۔''

''تو پھر آپ نے اسے پکڑ کر لگائی تھیں نا دو چار۔'' وہ فوراً سے بولی، وہ ہنس پڑا۔

''وہ بے چارہ رو رہا تھا، میں نے کہا یار آج تو میرے پاس والٹ نہیں ہے، ابھی نیا نہیں لیا، تو وہ شرمندہ سا معافی مانگنے لگا، ہاتھ جوڑ کے بولا۔''

''صاحب مجھے معاف کر دو میرا چھوٹا بچہ ہسپتال میں داخل ہے، مجھے پیسوں کی ضرورت تھی اور اس کے علاج کے لئے پیسے نہیں تھے، اسی مجبوری کی وجہ سے میں یہ حرکت کرنے پر مجبور ہو گیا، میں نے اس میں سے بس اپنی ضرورت کے مطابق پیسے لئے ہیں اب آپ یہ واپس رکھ لیں۔''

مجھے دکھ اور افسوس تو بہت تھا پھر میں نے اسے کچھ اور پیسے دیئے کہ کام آئیں گے اور ساتھ ہی کہا کہ اگر کسی بھی چیز کی ضرورت ہو تو منہ سے کہہ دو، ضروری نہیں ہر شخص تمہیں معاف کر دے اگر کوئی اور ہوتا تو تمہیں جیل بھجوا دیتا۔

تو اس نے آگے سے ایسا جواب دیا کہ میں لاجواب ہوگیا، کہنے لگا۔

''صاحب! غریبی بدبودار ہوتی ہے تبھی تو سب امیر لوگ غریبوں سے دور بھاگتے ہیں، اگر میں یہی التجاء کسی سے کرتا تو مجھے جھوٹا اور فریبی کہہ کر دھتکار دیا جاتا اور کبھی کوئی میری مدد کو نہ آتا، اس ملک کو اسی لئے کچھ بنتا نہیں کیونکہ اس کی جڑوں میں لوگوں کی خود غرضی بیٹھ گئی ہے۔'' وہ روتا ہوا کہہ کر ایک طرف کو چل دیا، اس کے چہرے پہ افسردگی کے آثار تھے، حبا نے افسوس سے سر ہلایا۔

''بہت بڑا سبق ہے ویسے، اس کی بات میں۔''

''ویسے آپ بتائیں آپ نے اس سارے واقعے میں سے کیا سیکھا؟'' اس نے یکدم سوال کیا۔

''یہی کہ ہمیں غریبوں کی مدد کرنی چاہیے۔'' وہ فوراً سے بولی، اتنا آسان سوال جو تھا۔

''یعنی ہر فقیر کو اپنا والٹ پکڑا دینا چاہیے؟'' اس نے مذاق اڑاتے ہوئے کہا، حبا شرمندہ سی ہوگئی۔

''تو پھر......'' اس نے سوالیہ نظروں سے اس کا چہرہ دیکھا۔

''کوئی آئیڈیا نہیں؟'' وہ پوچھنے لگا، حبا نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''اس سے میں نے یہ سبق سیکھا کہ ہمیں دوسروں کی غلطیوں کو نظر انداز کر دینا چاہیے، ہو سکتا ہے جو ہمیں جرم نظر آرہا ہو وہی کام کسی کی زندگی کا ضامن ہو۔'' وہ گہرے لہجے میں بولتا ہوا اٹھا ڈاکٹر کی کرسی پر براجمان ہوگیا۔

حبا جو اس کی اتنی گہری بات میں کھوئی ہوئی تھی، چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

''میں ڈاکٹر حیدر عباس، کہیے کیسی ہیں مسز اسید!'' وہ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بول رہا تھا، حبا ہکا بکا سی رہ گئی۔

''آپ ڈاکٹر......؟'' وہ اتنا ہی بول سکی، وہ پھر سے ہنسا۔

☆☆☆

کچھ ایسی بے سکونی ہے
وفا کی سرزمینوں پر!!
کہ جو اہل محبت کو......!!
سدا بے چین رکھتی ہے
کہ جیسے پھول میں خوشبو
کہ جیسے ہاتھ میں پارا
کہ جیسے شام کا تارا
محبت کرنے والوں کی......
سحر راتوں میں رہتی ہے
گماں کے شاخچوں میں
آشیاں بنتا ہے الفت کا
یہ عین وصل میں بھی ہجر کے
خدشوں میں رہتی ہے......!

''اور کتنی بڑی حقیقت ہے نا یہ...... کہ واقعی زندگی میں کچھ بیماریاں روح اور دل کی ہوتی ہیں، میں نوفل بن معصب ہمیشہ اپنی ماں کے دکھ میں روتا رہا، میری سائیکی طلال بن معصب سے یکسر مختلف تھی، وہ خوبصورتی کی تلاش میں سر گرداں رہا اور میں اس جانچ پرکھ میں لگ گیا کہ بدصورتی لوگوں کو کیونکر نہیں بھاتی؟''

''میں کوئی نفسیاتی مریض نہیں ہوں، ایک نارمل انسان تھا اور نہ ہی میں کوئی ایسا سیریل کلر ٹائپ کریکٹر تھا کہ لڑکوں کے جذبات سے کھیلتا، مگر ایک جستجو سی تھی یہ جاننے کی کہ آخر ایسا کیسے ہوگا کہ جیسے میرے پاپا کو، ایک نیگرس سے محبت ہوگئی تھی، تو اگر میں نیگرو ہوتا تو کیا، کوئی بھی لڑکی کوئی عام سی لڑکی، مجھ سے محبت نہیں کرسکتی تھی؟ مجھے اتنی حیران نظروں سے مت دیکھو میں جانتا ہوں میں نیگرو نہیں ہوں! مگر میں فرض کر رہا ہوں، میں سوچتا تھا کہ اگر کبھی ایسا ہوگیا تو تب، ہاں تب میں اپنے باپ کے تاریخی عشق کو Justify کرسکوں گا، کہ پاپا اگر آپ سے کوئی اتنی محبت کرسکتا ہے اور آپ کسی کو اتنا چاہ سکتے ہیں تو ہاں مجھے یقین آگیا، میں ایمان لایا اس حدیث پر۔''

''کسی عربی کو عجمی پر اور گورے کو کالے پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ کی بنیاد پر۔''

''میری تلاش جاری رہی، میں اپنی منزل تک کبھی نہ پہنچ پاتا تارا!''

''اگر مجھے تم نہ ملتیں، میں نے تمہیں کسی دوسرے کا آلٹرنیٹ نہیں بنانا تھا، شائی وانگ صرف میری پسند تھی اور تم میری پہلی نظر کا عشق!'' وہ بول نہیں رہا تھا، سحر پھونک رہا تھا، وہ آج بھی ساحر تھا۔

''میں تمہیں کسی دوسرے سے چھیننا نہیں چاہتا تھا، کبھی بھی نہ ہی میں خائن ہوں، مگر تم مشکل میں تھیں اور یہ تو محبت کا قرینہ ہے کہ جس سے ہمیں پیار ہوتا ہے اس کی عزت کی حفاظت اولین ترجیح ہوتی ہے، تمہاری ملکیت میرے لئے اہم نہ تھی، تم خواہ جس کی مرضی ہوتیں، مگر تمہاری حرمت پر کوئی داغ مجھے برداشت نہ تھا، اگر مجھے ایک فیصد بھی یقین ہوتا نا کہ مہروز کمال تمہارے ساتھ برا نہیں کرے گا، تو میں اتنے انتہائی قدم کبھی نہ اٹھاتا، میں کسی کا گھر خراب کرکے اپنے آشیانے میں ہیرے سجانے کا قائل نہیں تارا!''

''میں تمہارے گھر پہ شب خون مار کر اپنے لئے خوشیوں کے خزانے نہیں خرید سکتا تھا تارا۔''

مگر حالات جس نہج پہ جا چکے تھے وہاں سے تمہیں چھٹکارا دلانا ازحد ضروری تھا، مجھے مہروز کمال کے سدھرنے کی امید نہیں تھی اور مستزاد اس کے رابطے جن لوگوں کے ساتھ تھے وہ ہرگز اچھے اور مہذب لوگ نہیں تھے تارا، میں نے یہ فیصلہ بھلے ہی جلد بازی میں کیا تھا مگر مجھے اس کے دوررس نتائج کا اندازہ پہلے سے ہی تھا۔

اگر میں اس انتظار میں رہتا کہ شاید وہ بہتر ہو جائے تو تب تک تمہارا بہت نقصان ہو جاتا، اس لئے بھی کہ مجھے یقین تھا کہ تم سے اس کا پیچھا چھڑانے میں ہی سب کی بہتری تھی۔

''مگر پھر وہی مسئلہ میرے سامنے تھا، میں اپنا جو امیج تمہارے سامنے شو کر چکا تھا کہ میں نیگرو ہوں، اس کا کیا کروں گا؟ میں تمہارے سامنے یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ میں نے کچھ ''جانچنے'' اور ''تصدیق'' کرنے کے لئے یہ ڈراما کیا تھا، اس میں سراسر خسارہ میرا تھا، پہلی بات تو یہ کہ میں اپنا اعتبار تم پر کھو دیتا، تم کبھی میرا یقین نہ کرتیں، دوسری بات مجھے ڈر تھا کہ میری اصلیت جاننے کے بعد شاید تم کبھی مجھ سے نہ ملتیں اور میں اپنے خدشات اور اوہام کو حقیقی روپ دھارتے کبھی نہیں دیکھ سکتا تھا، میں نے پھر سے ایک پلان ترتیب دیا، مجھے تمہارے سامنے گمنام بننا تھا، غائب ہونا تھا، یوں کہ تم مجھے بزدل اور کمزور سمجھ کر ہمیشہ کے لئے بھول جاؤ اور میں نے اپنا کام اسٹارٹ کر دیا۔''

''میں نے خود سامنے آنے کی بجائے ایک نیگرو ڈی کو خریدا اور اسے عائشہ آپی کے سامنے پیش کر دیا، میں نے سب کچھ اس طرح مکمل راز داری اور مہارت سے کیا کہ کسی کو شک نہیں ہو سکا، پھر میں نے واپس کے لئے پر تو لنے اسٹارٹ کر دیئے، پاپا کو میرے فیصلے کی خوشی تھی۔''

''اس کے بعد کی کہانی تو تمہارے علم میں ہے، مگر یہاں ایک چیز واضح کر دوں۔''

''میں نے شادی کے بعد بھی تم سے نوفل صدیق کی شناخت چھپائی تو اس کی وجہ صرف اور صرف یہ تھی کہ میں تمہارا بھروسہ نہیں کھونا چاہتا تھا تارا! مجھے احساس تھا کہ اگر ایسا کچھ ہوا تو میں ہمیشہ کے لئے تمہیں کھو دوں گا۔''

''تمہیں یاد ہے میرے اور تمہارے درمیان پہلا رشتہ احساس کا بنا تھا تارا! اور اگر یہ احساس ختم ہو جاتا تو باقی کیا بچتا تارا؟ میں تو دونوں ہاتھوں سے خالی رہ جاتا نا؟ اور تم نے بھی تو یہی سوال کیا تھا نا مجھ سے کہ میں نے تمہیں بے وقوف بنایا، نہیں تارا خدا گواہ ہے میرا ایسا کوئی مقصد نہ تھا، مجھے یقین آگیا کہ اگر دو تم طرف بد بودار کھنکھناتی مٹی سے بنائے گئے انسان شکل و صورت کے احساس سے بالاتر ہو کر ایک دوسرے سے محبت کر سکتے ہیں تو وہ رب اپنے بنائے ہوئے بندوں سے کیسے بلا فرق و لحاظ اور بلا تخصیص محبت کرتا ہے مجھے تب سمجھ آیا تارا جب میں نے اس پارک میں ''نوفل'' کے لئے تمہیں روتے دیکھا، مجھے اس رب کے انصاف پہ یقین آ گیا تارا!''

''مجھے یقین آ گیا تارا کہ رب نے مجھے نامراد نہیں رکھا، اگر میں نے اپنی ماں سے والہانہ محبت کی تھی تو اس نے بھی میری قسمت میں تمہاری محبت لکھی تھی، اتنی خالص، بے لوث اور بے غرض محبت، جسے دنیاوی آسائشوں اور خوبصورتی کے گھمنڈ کی ضرورت نہ تھی، مجھے تم پر فخر ہوا تھا اس دن......!!! مجھے خود پر فخر ہوا تھا اس دن! مجھے تم سے اتنی محبت تھی تارا کہ مجھے اس بات سے فرق نہیں پڑتا تھا کہ تم کسی اور کی ہو جائیں، میں خود غرض نہیں تھا تارا! مگر پھر تمہیں اپنا بنانا اس لئے ضروری تھا کہ اگر پھر سے تم کسی ناقدرے اور بے حس انسان کے پاس چلی جاتیں تو تب میں کیا کرتا؟ تب میں نے سوچا کہ کیا میں اس قابل نہیں تھا کہ تمہیں اپنا بنا سکوں؟ جبھی میں نے حیدر کو اس معاملے میں ڈالا، آگے سب کچھ میری توقع سے زیادہ آسان ہوتا گیا۔''

''تم میری بن گئیں اور میں مغرور ہو گیا،

سب کچھ بھول گیا، میں نے کیسے سوچ لیا کہ سچ ہمیشہ چھپا رہے گا؟"

"سچ سامنے آیا اور بڑے خوفناک مقام پر آیا، یوں کہ میرے ہاتھ سے سب نکل گیا، دیکھو نا تارا میرے ہاتھ خالی ہیں، یہ دیکھو۔" اس نے خالی ہتھیلیاں تارا کے آگے پھیلا دیں۔

"تمہارا مجرم حاضر ہے تارا، جو چاہے سزا دے لو۔" وہ انتہائی افسردہ اور غمگین تھا۔

ستارا نے اپنی آنکھوں ہاتھ کی پشت سے صاف کرتے ہوئے اسے دیکھا اور پھر اس کے دونوں ہاتھ تھام لئے۔

تمہیں مجھ سے محبت ہے
سمندر سے کہیں گہری
ستاروں سے سوا روشن
پہاڑوں کی طرح قائم
ہواؤں کی طرح دائم
کہو! مجھ سے محبت ہے

وہ اس کے ہاتھ کھینچ کر کہہ رہی تھی، نوفل نے بے ساختہ مسکرا کر اسے دیکھا تھا۔

یہ سچ ہے نا!
مجھے تم سے محبت تھی
مجھے تم سے محبت ہے......!

وہ اس کے ہاتھ چومتے ہوئے دیوانگی سے کہہ رہا تھا۔

☆☆☆

"زندگی میں بہت سے لمحے ایسے بھی آتے ہیں جب یہ فیصلہ کرنا بہت مشکل لگتا ہے کہ ہم کتنے پرسنٹ غلط ہیں اور اگر ہیں تو خود کو ٹھیک کیوں نہیں کرتے؟ دوسرے صرف ہماری غلطیاں بتا سکتے ہیں ہمیں، خود کو درست ہمیں خود ہی کرنا ہوتا ہے، آپ کو یاد ہے شاہ بخت کہ آپ کا سب سے بڑا مسئلہ کیا رہا ہے ماضی میں؟ آپ کا غصہ! آپ بے حد اینگریسو ہیں، چونکیے مت اور نہ ہی یہ سوچیئے کہ مجھے یہ سب علینہ نے بتایا ہوگا، مجھے یہ سب پہلے سے پتہ ہے کیوں کہ میں ڈاکٹر سلطان کا ازحد کلوز فرینڈ اور اسٹوڈنٹ ہوں، آپ کا سارا کیس وہ پہلے بھی مجھ سے ڈسکس کرتے رہے ہیں اور آپ کو یاد دلاتا چلوں کہ پولیس کیس میں جو کچھ ہوا تھا اس کے بعد آپ کا ٹکراؤ بھی مجھ سے ہی ہوا آپ کو انتہائی انجرڈ حالت میں ڈاکٹر سلطان کے کلینک لے کر جانے والا بھی میں ہی تھا۔"

"مجھے یہ بتانے دیجئے کہ آپ کا معالج بھلے ہی میں نہیں ہوں مگر پھر بھی میں آپ سے یہ ضرور کہنا چاہوں گا کہ دوسروں کو اپنے قریب آنے کا موقع دیجئے شاہ بخت!" وہ انتہائی ملائم اور نرم لہجے میں بول رہا تھا۔

"وہ سب ماضی میں ہوئے کلیشز جن کی وجہ سے آپ سمیت سب گھر والے ڈسٹرب ہوئے ان کی وجہ سے علینہ کے اندر کہیں یہ بات بیٹھ چکی ہے کہ اگر اس نے کبھی بھی آپ کے Against جانے کی کوشش کی تو اس کا نتیجہ کبھی بھی اچھا نہیں نکلے گا، جبھی وہ صرف ہر قیمت پر آپ کو خوش رکھنا چاہتی ہے، آپ کی ناراضی اس کے لئے موت ہے، وہ آپ سے اس قدر ڈرتی ہے کہ آپ کی مرضی کے خلاف کھانا تک نہیں کھاتی، اس سے زیادہ کیا کہوں؟"

"مگر میں نے شادی کے بعد تو اس پر غصہ نہیں کیا نا؟" وہ حیرت زدہ سا بول پڑا۔

"میں کب کہہ رہا ہوں کہ ایسا ہے، ایسا یقیناً نہیں ہے، مگر آپ کو ایک بات بتاؤں شاہ بخت، وہ بہت کم عمر ہے، امیچور ہے جذباتی ہے اور بے وقوف تو حد سے زیادہ ہے، وہ خود سے باتیں سوچتی ہے، Assume کرتی ہے اور پھر انہی پر

یقین کر کے بیٹھ جاتی ہے، آپ کو اسے بدلنا ہوگا شاہ بخت آپ بہت اچھے ہیں کیوں کہ آپ اس سے بے تحاشا محبت کرتے ہیں مگر یاد رکھیں۔"

"بیوی کو صرف سینے سے لگانا اصل مردانگی نہیں، اصل مردانگی یہ ہے کہ اس کا دل جیتا جائے اس کا بھروسہ بن جایئے اس کا مان بن جایئے، اس کے بہترین دوست بن جایئے، تاکہ اسے آپ سے متعلق اپنی محبت اور شدت کسی دوسرے کو نہ بتانی پڑے وہ آپ سے سب کچھ شیئر کر سکے، بلا خوف و خطر، اسے اتنا یقین دیجئے کہ وہ اپنی ذات میں معتبر ٹھہرے۔"

"اور میں سمجھتا ہوں اگر آپ یہ کر گئے تو ایک کامیاب ازدواجی زندگی کا سفر بہت سہل اور آسانی سے کٹ جائے گا۔" حیدر نے لفظ لفظ امرت اس کے اندر انڈیلا تھا۔

شاہ بخت کے چہرے پہ متاثر کن جگمگاہٹ تھی، وہ سوچ رہا تھا کہ وہ واقعی صحیح طور پر متاثر ہوا تھا اس ڈاکٹر سے، اس میں واقعی کوئی بات تھی، وہ واقعی مسیحا تھا، اسے اس کے سوالوں کے جواب مل گئے تھے، وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"یہ میری انگیج منٹ کا کارڈ، لو میرج ہے، ضرور آیئے گا۔" حیدر نے ایک کارڈ اسے پکڑاتے ہوئے ایک آنکھ شرارتی انداز میں میچ کر کہا تھا، شاہ بخت زور سے ہنس پڑا پھر بے ساختہ اس سے بغلگیر ہو گیا۔

☆☆☆

تم وہی ہو جس سے مل کر زندگی اچھی لگی
یہ جہاں اچھا لگا یہ روشنی اچھی لگی
میرے آنگن میں کوئی سایہ سا لہراتا رہا
چاند بھی اچھا لگا اور چاندنی اچھی لگی
قطرہ قطرہ یاد تیری دل میں گھر کرنے لگی
تیرا بیکر تیری باتیں اور ہنسی اچھی لگی
کتنے پتوں نے جھکائے سر تمہاری راہ میں
یہ بدلتے موسموں کی بندگی اچھی لگی
ایک مدت بعد مجھ کو اپنا گھر اچھا لگا
بام و در اچھے لگے کھڑکی کھلی اچھی لگی
اس سحر سارے چمن کا روپ تھا نکھرا ہوا
پھول اچھے اور ان کی تازگی اچھی لگی

حبا نے مسکرا کر خود کو آئینے میں دیکھا اور طمانیت کا احساس اس کے اندر تک اتر گیا۔

ہر چیز خوبصورت تھی، باہر سے گاڑی کا ہارن بجنے کی آواز آئی، شفق اس سے پہلے ہی "بابا" کا نعرہ لگاتی ہوئی باہر بھاگ گئی، وہ بھی مسکراتے ہوئے اس کے پیچھے پیچھے تھی، پورچ تک پہنچتے پہنچتے اس نے دیکھا۔

اسید کی گاڑی رک چکی تھی، وہ گاڑی سے اتر کر اندر کی طرف بڑھ آیا، فل یونیفارم میں اپنے باوقار اور خوبصورت وجود کے ساتھ وہ آج بھی حبا تیمور کے دل پہ حاکم تھا۔

شفق بھاگتے ہوئے اس سے لپٹ گئی، ساڑھے تین سالہ شفق اس وقت دو پونیاں بنائے گلابی رنگ کی خوبصورت فراک پہنے باربی ڈول شوز پہنے بہت پیاری لگ رہی تھی، اسید نے اسے بازوؤں میں اٹھا لیا اور اب وہ باری باری اس کے دونوں گالوں پر پیار کر رہا تھا، حبا کے لئے یہ نظارہ بڑا پرسکون کر دینے والا تھا، وہ بھی آہستہ سے آگے بڑھی تھی۔

اسید چلتے ہوئے اس کے مقابل آ گیا، پھر مسکرا کر اسے دیکھا وہ اس وقت ہلکے پیلے رنگ کے فراک میں تھی جس کے ساتھ سفید ہی پاجامہ اور سفید دوپٹہ تھا۔

اسید کے اندر خوشی بھر آئی، وہ ایک ہیپی فیملی کا ایک مکمل عکس تھا، بجی بنی سی اس کی بیوی اور اس کے کندھوں پر چڑھی سرگوشیاں کرتی اس کی ننھی

سی لڑیا جیسی بیٹی، اس نے ایک بازو حبا کے گرد پھیلا دیا، یوں کہ وہ اس کے حصار میں آگئی۔

''کیسی ہو؟'' اس نے نرمی سے پوچھا۔

''بالکل ٹھیک ہوں، آپ کا دن کیسا رہا؟'' حبا نے فدویانہ انداز میں اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''بہت مصروف تھا دن، بہت تھکن تھی، مگر اب تھکن اتر گئی ہے۔'' وہ نرمی سے اس کو دیکھتا کہہ رہا تھا۔

''وہ کیسے؟'' وہ مسکرادی، انداز شوخ تھا۔

''بس جو دل کا سکون ہیں ان کی پیاری صورتیں دیکھ لیں، تو تھکن بھاگ گئی۔'' وہ بہت مان سے کہہ رہا تھا۔

حبا کے اٹھتے قدم کہکشاؤں پہ تھے، وہ اندر آگئے، شفق اب ان سے الگ ہو کر لاؤنج میں بھاگ دوڑ کررہی تھی۔

وہ اس کو چینج کرنے میں ہیلپ آؤٹ کرنے لگی، کچھ دیر بعد وہ شاور لے کر آ گیا، لائٹ اسکائے کلر کے شلوار قمیض میں نکھرا نکھرا سا وہ باہر آیا تو حبا ایک دل نواز مسکراہٹ کے ساتھ اس کی سمت چلی آئی، اس نے ہاتھ آگے بڑھایا اور اس کے کف لگانے لگی۔

''آج شفق بہت ضد کرتی رہی۔'' حبا آہستہ سے اسے بتارہی تھی۔

''ضد کس بات پر؟'' وہ حیران ہوا۔

''کہہ رہی تھی ماما مجھے باتیں کرنے والی باربی ڈول لا کر دیں۔'' حبا اسے بتاتے ہوئے ہنس رہی تھی۔

''پھر تم نے کیا کہا؟'' وہ بھی ہنسا۔

''میں نے کہا، بیٹا! باربی ڈول تو آپ خود ہو نا، باتیں کرنے والی، تو آپ جیسی دوسری کوئی کیسے ہوسکتی ہے؟'' حبا نے کہا۔

''پھر؟'' اسید نے دلچسپی سے اسے دیکھا، جو کہ اب اس کے فرنٹ والے بٹن بند کررہی تھی۔

''پھر وہ بہت خوش ہوئی کہنے لگی، ماما میں تو ون اینڈ اونلی ہوں۔'' حبا اور اسید دونوں کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

''وہ واقعی ون اینڈ اونلی ہے۔'' اسید کے لہجے میں گہری محبت تھی۔

''آپ کی بیٹی ہے نا؟'' وہ فخر سے بولی تھی۔

''اور تم ہمسائیوں کی بالکل نہیں ہو، تم بھی میری ہی ہو بے وقوف۔'' اسید نے اس کا گال چھو کر اسے خود سے قریب کیا اور موبائل اونچا کر کے اس یادگار لمحے کی یاد کو ہمیشہ کے لئے قید کرلیا تھا۔

☆☆☆

واپسی کا سفر بڑا عجیب تھا، رات کا آخری پہر تھا، اس نے ستاروں سے سجے آسمان کو دیکھا۔

ستاروں سے بھرے اس آسمان کی
وسعتوں میں
مجھے اپنا ستارا ڈھونڈنا ہے
فلک پر کہکشاں در کہکشاں
اک بے کرانی ہے
نہ اس کا نام ہے معلوم
نہ کوئی نشانی ہے
بس اتنا یاد ہے مجھ کو، ازل کی صبح جب
سارے ستارے الوداعی گفتگو کرتے ہوئے
رستوں پہ نکلے تھے
تو اس کی آنکھ میں اک اور تارا جھلملایا تھا
اسی تارے کی صورت کا
میری بھیگی ہوئی آنکھوں میں بھی

اک خواب رہتا ہے
میں اپنے آنسوؤں میں
اپنے خوابوں کو سجاتا ہوں
سنا ہے گمشدہ چیزیں
جہاں پہ کھوئی جاتی ہیں
وہیں سے مل بھی جاتی ہیں

مگر اسے اس کی کھوئی ہوئی علینہ وہاں نہیں ملی تھی، وہ حواس باختہ سا کمرے کے وسط میں کھڑا اِدھر اُدھر دیکھتا رہ، ہر چیز ویسی ہی تھی، علینہ کے شاپنگ بیگز وہیں رکھے تھے اور وہ گلابی چمک دمک والی ساڑھی بھی وہیں رکھی تھی، مگر وہ کہیں نہیں تھی، اسے نے باتھ روم کا دروازہ دھکیلا وہ خالی تھا، وہ آگے بڑھا، ٹیرس کی سلائیڈنگ ونڈو بھی بند تھی، اس نے پھر بھی دھکیل کر کھولا اور پردے پیچھے ہٹادیئے مگر وہ بھی خالی تھا، اس کا دل گھبرانے لگا، وہ کہاں تھی، وہ باہر نکل آیا، اب اس کے قدم اسٹڈی کی طرف تھے، اس نے وہاں بھی دیکھا، لاؤنج میں بھی کوئی نہیں تھا۔

وہ چند لمحے خالی الذہنی کے عالم میں کھڑا رہا، پھر بے ساختہ علینہ کے کمرے کی طرف لپک کر بھاگا، دروازے کے سامنے کھڑے ہو کر اس نے ذرا سا سانس لیا اور پھر دروازہ آہستہ سے دھکیلا، وہ کھل گیا، وہ اندر داخل ہوگیا، کمرے کی لائیٹس آف تھیں البتہ زیرو کا بلب جل رہا تھا، اس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔

بیڈ خالی تھا اور رائٹنگ ٹیبل کے آگے رکھی چیئر پہ علینہ بیٹھی تھی وہ اور آگے بڑھ آیا۔

اور پھر اسے جھٹکا لگا، علینہ کا سر ٹیبل پہ ٹکا ہوا تھا اور اس کی آنکھیں بند تھیں اور اس کے گال آنسوؤں سے بھیگے تھے، شاید وہ روتے روتے سو گئی تھی، اس کے آگے ایک ڈائری کھلی تھی، اس نے وہ اٹھالی۔

ایک ورق الٹا، پھر دوسرا، پھر تیسرا، وہاں صرف ایک نام تھا۔

''شاہ بخت!'' مختلف رنگوں سے سجا اس کا نام اور جب ان کی شادی ہوگئی تب اس کے بعد باقی ورق بھی اسی کے نام سے بھرے تھے۔

''میرا بخت۔'' وہ کسی چمکدار سیاہی والی بال پوائنٹ سے لکھے گئے تھے، جبھی کم روشنی کے باوجود ان میں افشاں سی چمکتی دکھائی دیتی تھی۔

ایک چپ وہ تھی جو اسے ڈاکٹر حیدر کے سامنے لگی تھی مگر اب کی بار تو اسے لگا تھا کہ وہ گونگا ہوگیا ہو، کیا اب بھی اسے کسی جواب کی ضرورت تھی؟

اس نے آہستہ سے ڈائری واپس رکھ دی اور علینہ کو دیکھا، پھر ذرا سا جھک کر اس کے گال پہ لگے آنسوؤں کو صاف کیا، وہ ہلکا سا کسمسائی۔

''علینہ میری جان!'' بخت نے اس کے کان میں سرگوشی کی اس کی بند پلکیں ہلکا سا لرز کر کھل گئیں، بخت نے اس کے شانوں پہ ہاتھ پھیلاتے ہوئے اسے کرسی سے اٹھایا اور ساتھ لگا لیا اور اسے سامنے پا کر ایک دم بکھر گئی۔

''تم کہاں چلے گئے تھے بخت؟ میں بہت اداس تھی اور بہت پریشان بھی، تم ایسے کیوں گئے تھے، تم ناراض ہو مجھ سے؟'' وہ اس کا کالر جکڑے رو پڑی تھی۔

''عینا میری جان! میں بالکل ناراض نہیں تم سے اور سنو! تم میری زندگی ہو، تم سے ناراض ہوا تو مر جاؤں گا نا۔'' وہ اس کی نم پلکوں کو چومتا ہوا دیوانگی سے بولا تھا، پھر اسے لے کر بیڈ کی طرف آ گیا۔

''آؤ آج تمہارے کمرے میں ہی سو جاتے ہیں، صبح جب سب پوچھیں گے تو کہہ دیں گے کہ علینہ کا میکے آنے کا موڈ تھا۔'' وہ ہنستے

ہوئے کہہ رہا تھا۔

علینہ کی مدھم سی ہنسی نے اس کا ساتھ دیا، بیڈ پہ بیٹھتی ہوئی وہ ایکدم چونکی۔

''بخت! وہ میری ڈائری۔'' اس نے میز کی طرف دیکھا۔

''تم نے دیکھ لی؟'' وہ بے ساختہ پوچھ رہی تھی، شاہ بخت نے دھیرے سے اس کا ہاتھ تھام کر اسے دیکھا۔

''کیوں میں نہیں دیکھ سکتا؟'' اس نے پیار سے پوچھا۔

''میں نے ایسا کب کہا؟'' وہ گھبرا گئی۔

''میرے پاس خود بہت کچھ ہے تمہیں دکھانے کو۔'' بخت اب بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کر سیدھا ہو رہا تھا۔

''کیا؟'' وہ حیران ہوئی۔

''تمہاری چیزیں ہمیشہ ہی خریدتا رہا، جب بھی کہیں گیا، ضرور لے کر آیا، شرٹس، ٹراؤزرز، کلر فل پنسلیز ہیر پنز، کی چینز، بریسلٹ اور بہت کچھ، وہ جو خانہ مقفل ہے نا وارڈ روب کا اس میں۔'' وہ اس کے بالوں میں انگلیاں چلاتے ہوئے کہہ رہا تھا اور علینہ اپنی آنکھیں حیرانی سے کھولے اسے دیکھ رہی تھی۔

''اور کتنے برے ہو نا، مجھے بتایا نہیں۔'' اس نے ننھے سے ہاتھ کا پنچ مار کر اسے گھورا تھا، شاہ بخت کا قہقہہ بے اختیار تھا۔

☆☆☆

اور ایک سہانی صبح ستارا نے نوفل کی ٹائی باندھتے ہوئے بڑی عجیب سی بات کی تھی۔

''ہم چاہتے ہیں کہ ہماری غلطیوں کو معاف کر دیا جائے اور ہماری خطاؤں کو درگزر کر دیا جائے، ہمیں رعائیت دی جائے مگر ہم خود کسی کو رعایت کیوں نہیں دیتے نوفل؟'' نوفل نے اس کے ہاتھ تھام کر اسے وہیں روک دیا۔

''کیا کہنا چاہتی ہو تارا؟'' وہ جیسے بات کا پس منظر سمجھ نہ پایا تھا۔

''یہی کہ آپ منصف نہ بنیں، طلال کے معاملے میں دل کو وسیع کریں، اسے معاف کر دیں، میں چاہتی ہوں ہم اسے گھر لے آئیں، یہاں اپنے پاس رکھیں، ورنہ وہ خود کو برباد کر دے گا۔'' وہ نرمی اور ملائمت سے کہہ رہی تھی مگر اس کے انداز میں التجا نہیں تھی، نوفل کا چہرہ پتھر کے بت میں ڈھل گیا، سخت اور غیر متغیر۔

''اور اگر میں ایسا نہ چاہوں تو؟'' اس نے کہا۔

''یہ میری خواہش ہے نوفل، کوئی ضد یا ڈیمانڈ نہیں ہے، مگر مجھے دکھ ہوگا کہ نوفل صدیق، جو بڑا مہربان اور دوسروں کی مدد کرنے والا ہے وہ کسی کو یوں بربادی کی دلدل میں نہیں دھکیل سکتا۔'' وہ گہرے یقین سے بولتی باہر نکل گئی۔

اور اس شام بہت عرصے بعد یا شاید کئی سالوں بعد صدیق احمد شاہ نے اپنے بڑے سے گھر کے گیٹ سے اپنے دونوں بیٹوں کو داخل ہوتے دیکھا تو خوشی سے گنگ رہ گئے۔

نوفل نے طلال کو بازو سے جکڑا ہوا تھا جو شرمندہ اور قدرے جھینپا ہوا لگ رہا تھا۔

''پاپا پکڑ لیجئے اپنے بگوڑے بیٹے کو، ایئر پورٹ سے پکڑ کر لایا ہوں اور شکر کیجئے کہ یہ جناب آرام سے ہی آ گئے ورنہ میں نے تو سوچا تھا کہ اس پر ہیروئن سمگل کرنے کا الزام نہ لگوانا پڑ جائے۔'' نوفل قہقہہ لگاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

صدیق احمد نے بے ساختہ دونوں بیٹوں کو اپنے بازوؤں میں بھر لیا تھا۔

☆☆☆

گھر میں خوب رونق تھی، وہ سب اسلام

آباد اکٹھے ہوئے تھے ناشتے کی ٹیبل پر شفق نے سب کو اپنی طرف متوجہ کر رکھا تھا، تیمور اس سے دریافت کر رہے تھے کہ۔

''یار اسید! کیا مسئلہ ہے کیا پرابلم ہے تمہارے یہاں شفٹ ہونے میں؟''

''کچھ کہہ نہیں سکتا پاپا، بس ہائی اتھارٹیز نہیں ہیں اس تبادلے کے حق میں، وہ نہیں آنے دیتے۔'' وہ ہنستے ہوئے مجبوری بتا رہا تھا۔

''ہاں ایک تم ہی تو قابل افسر ہو ناں جیسے جس کے دم سے ملک چل رہا ہے۔'' مرینہ نے جل کر کہا، سب ہنس پڑے، اسید نے بے ساختہ ماں کا ہاتھ تھام لیا۔

''ایسا نہیں ہے نا ماما سچ میں، میں خود کب سے کوشش کر رہا ہوں مگر آپ کو پتا ہے نا کہ اسلام آباد کیپٹل ہے یہاں کافی کھینچا تانی ہوتی پوسٹنگ کے لئے، مگر پھر بھی بات کر رہا ہوں اس سال کے آخر تک میں آپ لوگوں کے پاس ہوں گا انشاء اللہ۔'' اس نے پورے یقین سے کہا۔

''انشاء اللہ پاپا۔'' شفق اس کا گال چوم کر انشاء اللہ کا ورد کرتی باہر نکل گئی، سب بے ساختہ ہنس پڑے تھے۔

''ابھی تو ماما ہمارے ساتھ ہی جائیں گی۔'' حبا نے دھونس سے کہا۔

''ضرور بیٹا، میں بھی تھوڑا آزاد محسوس کروں گا۔'' تیمور نے تنگ کرنے کی خاطر شرارتی انداز میں کہا تو اسید ہنس پڑا۔

''یہ بھی آپ کا بس ابھی کا بیان ہے، میرے ادھر جانے کی دیر ہے آپ نے پیچھے پیچھے چلے آنا ہے اگلی فلائٹ سے۔'' مرینہ نے جل کر انکشاف کیا تو ایک بار پھر سب ہنسے تھے۔

''چلیں ماما آپ تو کلی ہیں نا؟ پاپا آپ کے پیچھے تو آئیں گے، انہیں دیکھیں فرصت ہی نہیں ہو گی۔'' حبا نے مصنوعی خفگی سے اسید کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا۔

''ارے یار! میں مصروف بندہ ہوں نا، پیچھے کیوں آؤں گا فون کر کے فلائٹ رکوا لوں گا نا کہ یار و میری بیوی کو واپس بھیج دو اپنا گزارہ نہیں اس کے بغیر۔'' وہ فدویانہ انداز میں کہہ رہا تھا، حبا اس بار خوشی سے ہنس پڑی تھی۔

☆☆☆

وہ آج شادی کے بعد پہلی مرتبہ اسید کے کمرے میں آئے تھے، حبا کو یاد تھا، اس نے محبت سے اس کمرے کو دیکھا اور اطمینان سے اٹھ کر رات کی تیاری میں مشغول ہو گئی، جب اسید اندر آیا وہ بالوں کو برش کر کے اپنے نائٹ سوٹ کے گاؤن کی ڈوریاں باندھتی اس کی سمت چلی آئی، جو کہ وارڈ روب کے پٹ کھولے کھڑا تھا، وہ ایک پٹ سے ٹیک لگا کر اسے قطرہ قطرہ دل میں اتارنے لگی، اس کے سامنے اس کا عشق تھا۔

''شفق کہاں ہے؟'' اس نے پوچھا، نظریں اس کا صدقہ اتارا کرتی تھیں۔

''ماما کے پاس ہے، تمہیں تو پتا ہے نا کہ وہ یہاں آ کر ہمیں بالکل بھول جاتی ہے۔'' وہ ہنوز مصروف سا بتا رہا تھا۔

''ہاں یہ تو ہے۔'' حبا نے مسکرا کر کہا اور پھر سے پلٹ کر آئینے کے سامنے جا کھڑی ہوئی، پھر اس نے جھک کر کسی ربڑ بینڈ کی تلاش میں نگاہیں دوڑائیں اور جب سیدھی ہوئی تو اسید سے ٹکرا گئی، جو اس کے بالکل پیچھے کھڑا تھا، وہ حیران ہوئی۔

''ہیپی برتھ ڈے جاناں۔'' وہ اسے بازوؤں کے حصار میں لے کر اس کے کانوں پر ہونٹ رکھ کر کہہ رہا تھا۔

حبا سرپرائز سی رہ گئی، اسید نے اس کی

طرف ایک گفٹ پیک اور کارڈ بڑھایا تھا، وہ بمشکل اپنی حیرت اور خوشی پہ قابو پاتی ہوئی ہنستی ہوئی کارڈ پکڑ کر کھول رہی تھی، بہت بے تابی سے اور پھر اس نے اسید کی خوبصورت ترین ہینڈ رائٹنگ میں اس کی آنکھوں میں زندگی اتارتے الفاظ پڑھے۔

"My dearest wife hiba!"۔

اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

"آپ کو یاد تھا۔" وہ خوشی سے کپکپاتی آواز میں کہہ رہی تھی۔

"مجھے تو بالکل بھول گیا تھا۔" وہ بتا رہی تھی اور اسے یاد تھا کہ کس طرح شادی سے پہلے اس کی کتنی برتھ ڈیز وہ ہمیشہ اس کے انتظار میں ہی گزار دیا کرتی تھی اور اب اتنا غیر متوقع سرپرائز اس کے لئے ازحد خوشگوار اور خوبصورت تھا۔

اسید نے گفٹ ریپ کھولا اور اس میں سے ایک خوبصورت رنگ نکال کی پھر اس نے مسکرا کر حبا کو دیکھا اس نے ہاتھ آگے کر دیا، اسید نے اس کے ہاتھ میں رنگ پہنا دی، حبا نے اس کے کندھے سے سر ٹکا دیا۔

"بہت زیادہ خوشی ہے یہ میرے لئے، میرے پاس تھینکس کے لئے الفاظ نہیں ہیں۔" وہ محبت سے چور لہجے میں کہہ رہی تھی، اس نے کوئی جواب دینے کی بجائے اس کی پیشانی پہ لب رکھ دیئے تھے۔

سجتے رہنا جھومر بن کر ماتھے پر
مجھ سے یہ سنگھار کبھی واپس مت لینا

☆☆☆

"مغل ہاؤس" میں رمشہ کی شادی کی تقریبات کا آغاز ہو چکا تھا، سب لوگ خوش خوش سے شامل حال تھے، علینہ اور بخت نے بھی اس موقع پر اپنی ساری ناراضی ختم کر دی تھی اور انتہائی خلوص دل سے حصہ لیا تھا، جبکہ عباس اور سبین بھی "ڈیسنٹ کپل" کی صورت میں ایک طرف موجود تھے، طلال، نوفل اور ستارا بھی آئے تھے اور یہ کیسے ممکن تھا کہ حیدر کو نہ بلایا جاتا نتیجتاً وہ اور علینہ بھی اس پررونق تقریب کا حصہ تھے، سب مل کر ہنسی مذاق اور قہقہوں میں مگن تھے۔

علینہ کو خوش دیکھ کر حیدر اندر سے بے حد مطمئن تھا، اگر اس نے کوئی بھی لفظ فالتو یا غلط جگہ پر استعمال کر دیا ہوتا تو شاہ بخت کا ردعمل کیا ہوتا؟ اسے یاد تھا اس نے شاہ بخت کے گلے مل کر کیا کہا تھا۔

"میں ایک معالج ہوں شاہ بخت، ایک ڈاکٹر جس کا کوئی مذہب کوئی عقیدہ اور کوئی جنس نہیں ہوتی، میرے نزدیک سب لوگ سب انسان ہیں میں ان کو مرد وعورت کی تفریق میں نہیں جانے دیتا، مجھے سب کا دوست بننا پڑتا ہے، ورنہ لوگ جو اپنے نفسیاتی مسائل میں الجھے ہوتے ہیں کبھی مجھ سے کچھ شیئر نہ کریں اور ہمیشہ یاد رکھیئے گا علینہ میرے نزدیک ایک انسان ہے، ایک ڈسٹرب ذہن والی کلائنٹ اور بس، باقی میرا اس کے ساتھ اور کوئی رشتہ نہیں۔" حیدر نے بہت احترام اور تسلی بھرے انداز میں اسے باور کروا دیا تھا، کہ شاہ بخت کے اندر اٹھتے سوال اندر ہی دم توڑ گئے، وہ سمجھ گیا کہ علینہ نے بھی خود ہی اسے دوست کہا تھا ورنہ ان دونوں میں کہاں کی دوستی؟

اور اس نے بڑی خوبصورتی سے ساتھ ہی اسے اپنی انگیج منٹ پر بھی انوائٹ کر لیا تھا، حالانکہ مہک سراسر گھر والوں کی پسند تھی، مگر بخت کے سامنے اپنی سائیڈ سیکور کرنے کے لئے اس نے بڑے آرام سے لو میرج کا نام دے دیا تھا وجہ؟ تھی نا!

وہ ہر صورت علینہ کو بچانا چاہتا تھا، اسے خوش دیکھنا چاہتا تھا اور سبین کے ساتھ بیٹھے عباس نے بھی تو یہی سوچا تھا۔

"سبین! اب مجھے لگ رہا ہے، ان دونوں نے مل کر ہمیں بے وقوف بنایا ہے، دیکھیں نا، کتنے خوش ہیں ساتھ میں اور شادی سے پہلے یوں لڑتے تھے جیسے جانی دشمن ہوں۔" وہ ہنستے ہوئے کہہ رہا تھا، سبین نے مسکراتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا۔

"ٹھیک کہتے ہیں، مجھے بھی تو یہی لگتا تھا کہ خدا معلوم کیا بنے گا میرا؟ بہت ڈر تھا میرے اندر اس بات کا، کہ آپ نے پتا نہیں کن مقاصد کے لئے مجھ سے شادی کی تھی؟" وہ ہنستے ہوئے اسے شادی کے ابتدائی دنوں کی سوچ بتا رہی تھی۔

"بڑے نیک مقاصد تھے اب تک تو پتا چل گئے ہوں گے آپ کو۔" عباس نے شرارتی انداز میں کہا تھا، سبین جھینپ گئی۔

"ہاں لگ گئے ہیں پتا، بس آگے تفصیل میں کیا جانا؟" وہ شرما گئی، عباس کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

☆☆☆

"کاسہ دل" ٹوٹے بکھرے لوگوں کی کہانی تھی اس کے کردار افسانوی خلائی مخلوق کی طرح مکمل اور خامیوں غلطیوں سے مبرا نہ تھے، ان سب کے ساتھ مسائل تھے، ان سب کے ساتھ مصائب تھے۔

"شاہ بخت!"

جس کو یہ ہی سمجھ نہ آتا تھا کہ سب اس سے اتنا پیار کیوں کرتے ہیں اپنے غصے کی حقیقت کو جان کر بہت دیر کڑھتا رہا، کیونکہ بھلے ہی وہ خوبصورت تھا، اچھا تھا مگر مکمل تو نہیں تھا، اس نے اسے انا کا مسئلہ نہیں بنایا، خود کو سمجھایا اور خود کو قابو کیا تھا۔

"علینہ احمد مغل۔"

بہت دبو اور کمزور کسی حد تک کنفیوزڈ لڑکی!

مگر اسے جب شاہ بخت کا اعتماد ملا تو اس کی شخصیت نکھر گئی، بخت نے اسے سمیٹ لیا تھا، اسے اپنے اندر گم کر لیا تھا، اس نے اسے گھریلو معاملات میں نہیں الجھایا تھا مگر اپنے تک ضرور محدود کر لیا تھا وہ اس پر فخر کرتی تھی، اس کے ساتھ ہنسی تھی، اس کی دوست تھی اور سارا دن وہ گھر نہ بھی ہوتا تب بھی اس کے اندر گم رہتی تھی، اس کے لئے مصروف رہتی تھی۔

"عباس احمد مغل" ایک دریا دل اور پاکیزہ نفس انسان، اس نے جتنی فراخدلی سے سبین احتشام کو سمیٹا تھا اتنی اعلیٰ ظرفی سے شاہ بخت کی بے وقوفیوں کو بھی معاف کر دیا تھا، کیونکہ زندگی کچھ لو اور کچھ دو کے اصول پر چلتی ہے اور اگر شاہ بخت اس کی بہن کو اتنی عزت دے رہا تھا تو وہ کیوں پیچھے رہتا؟

"رمشہ احمد مغل" اپنے غصے لڑائیوں اور شاہ بخت سے سخت ناراضی کو بھول بھال کر سسرال میں مگن تھی، ویسے بھی اس کے پاس اب کہاں وقت تھا کہ مڑ کر پیچھے دیکھتی، ہاں جب اسے شاہ بخت کے حوالے سے اپنی پسندیدگی یاد آتی تو وہ سر جھٹک کر سوچتی۔

"بچپن میں انسان کیا نہیں کرتا؟ میں کتنی بے وقوف تھی نا۔"

"اسید مصطفیٰ۔" ایک کامیاب اور نامور ایس پی، اپنے محکمے کا دی موسٹ وانٹڈ اور دی موسٹ ڈیمانڈنگ آفیسر! زندگی سے اس نے بہت ٹھوکریں کھائی تھیں مگر اپنے مضبوط ارادے اور مثبت سوچ کی وجہ سے اس کے پیروں پہ کھڑا کر چکا تھا اس کی شخصیت کو ٹوٹ پھوٹ سے بچا کر دوبارہ سے اس کے سانچے میں ڈھالا تھا اور

کامیاب تھا۔

''حبا تیمور۔'' شاید اس کہانی کا سب سے مظلوم کردار، جس پر ہونے والا ستم ہر آنکھ کو نم کرتا رہا تھا، مگر یہ بھی سچ ہے کہ خطا اور گناہ کا فرق جاننے کے باوجود بھی غلط قدم اٹھانے والی حبا تیمور نے بہت بھگتان بھگتا تھا۔

مگر اس نے اپنے استقلال اور ثابت قدمی سے اسید مصطفیٰ کے دل پہ ضرب لگا کر سارے قفل کھولے تھے اور اب بڑے حق سے اس کے شہر دل پہ قابض تھی، آخر کار اس کا عشق فاتح ٹھہرا تھا۔

''نوفل صدیق۔'' اپنی طرف سے بہت بڑا پلان میکر تھا، مگر یہ نہیں جانتا تھا خدا سے بڑھ کر بھلا کون ہو سکتا ہے، جب سچ کھل ہی گئے تو اس نے اعلیٰ ظرفی سے سب اعتراف کر کے معافی تو مانگ لی تھی مگر اصل امتحان تو ستارا نے اس کا تب لیا جب اسے خود کسی کو معاف کرنا پڑا، تب اس نے سوچا کہ ہاں، واقعی کام مشکل ہے اور اگر انکار کرتا ستارا سے محبت میں جھوٹا پڑتا۔

جبھی وہ طلال کو گھر لے آیا اور تب اس نے باپ کی آنکھوں میں ایک سچی اور الوہی خوشی دیکھی تھی اور اسے یقین تھا کہ اوپر کہیں عالم ارواح میں اس کی ماں یقیناً بہت خوش ہو گی۔

''ستارا ماہم۔'' جس کی ضد بڑی سخت تھی، جب وہ اپنی ضد پر آ جاتی تو اسے ہٹانا ناممکن ہو جاتا تھا، یہ اس کی ضد ہی تو تھی کہ مہروزا سے جھکا نہ سکا، مگر نوفل......تب اسے احساس ہوا کہ واقعی قربانی عورت کو ہی کیوں دینا پڑتی ہے، گھر بسانا واقعی اتنا مشکل کیوں ہے، تب اس کی ضد ٹوٹی جب اسے سچ کا ادراک ہوا۔

زندگی بڑا بے رحم استاد ہے، مار کے سکھاتا، جیسے ان سب نے سیکھا اور بہت اچھا سیکھا تھا، زندگی اور رشتوں کو برتنے کا ہنر آنا چاہیے رکاوٹیں آسان ہوتی جاتی ہیں۔

آج ڈاکٹر حیدر عباس کی شادی تھی، اس نے بڑے آرام سے تیار ہوتے ہوئے شاہ بخت کو دیکھا، پھر چھ ماہ کے شاہ ذان کو بازوؤں میں لے کر کمرے میں ٹہلنے لگی۔

''ہمیں دیر ہو رہی ہے۔'' وہ اسے سنا رہی تھی۔

''مجھے پتا ہے میں لیٹ تھا۔'' وہ جھلا کر بولا، پھر جلدی جلدی ٹائی لگانے لگا۔

''یہ اتنی فارمل اور ہیوی ڈریسنگ سلیکٹ کرنا ضروری تھا کیا؟ کچھ Causual میں کر دیتی ناں۔'' وہ مزید جھلا کر کہہ رہا تھا۔

''فارمل فنکشن میں فارمل ڈریسنگ چلتی ہے۔'' عینا نے جتایا۔

''ہاں، میں تو ٹھہرا بے وقوف۔'' وہ جل کر بولا۔

''مجھے کیا پتا۔'' اس نے معصومیت سے کہا تو بخت نے جلدی میں بھی اسے گھوری ڈالی۔

''اسے ساتھ لے کر جانا ضروری ہے کیا؟'' اس نے شاہ ذان کی طرف اشارہ کیا۔

''کیا مطلب؟ میرا بیٹا ہے، میں اسے گھر کیوں چھوڑ کر جاؤں؟'' وہ خفگی سے بولی۔

''میں بھی تمہارا ہی ہوں عینا، اگر تمہیں یاد ہو تو۔'' وہ بے چارگی سے کہتا پرفیوم چھڑک رہا تھا۔

علینہ کی مدھم ہنسی پھیلی تھی، شاہ بخت نے ٹھٹک کر اسے دیکھا، سجی بنی سی وہ بہت پیاری لگ رہی تھی، وہ کار کی چابی پکڑتا اس کے ساتھ باہر نکل آیا۔

''ویسے لگ پیاری رہی ہو۔'' اس نے گاڑی گیٹ سے نکالتے ہوئے کہا، انداز سرسری سا تھا۔

''آ گئی میری یاد؟'' وہ جل کر بولی۔

''تم تو ہمیشہ یاد رہتی ہو، پہلے اس لئے نہیں کہا کہ۔''

''نظر لگ جاتی نا۔'' وہ ہنسا تھا۔

''نہیں لگتی تم ساتھ ہونا۔'' علینہ نے بھی بدلہ پورا کیا، شاہ بخت کا قہقہہ بے اختیار تھا۔

کچھ دیر بعد وہ میرج گارڈن پہنچ گئے تھے، آج ان کا ریسپشن تھا، حیدر اور مہک بہت پیارے لگ رہے تھے، انہیں دیکھتے ہی ستارا اور نوفل ان کے قریب چلے آئے تھے، وہ بے فکری سے گپ شپ کرنے میں مگن تھے جب حبا اور اسید وہاں پہنچے، شاہ بخت تو اک نظر میں پہچان گیا، بے ساختہ کھڑا ہو گیا۔

''کیسے ہیں سر؟'' وہ اسید کی بارعب پرسنالٹی سے از حد متاثر تھا۔

''بالکل ٹھیک، تم کیسے ہو؟'' وہ سب اب نشستوں پر بیٹھ گئے تھے۔

''میں بھی ٹھیک ہوں۔'' اس نے مسکرا کر کہا۔

اسید نے بغور علینہ کو دیکھا اور پہچان کر بے ساختہ ہنسا تھا۔

''اوہ پرنسز علینہ، کیسی ہیں آپ؟'' شاہ بخت کو ہنسی آ گئی،

''آپ کو یاد ہے سر؟''

''سب کچھ یاد ہے مجھے۔'' اس نے شرارت سے کہا۔

''یہ میری مسز ہیں حبا اور حبا یہ ان کی مسز علینہ۔'' اسید دونوں کو متعارف کروا رہا تھا۔

اور یہ آغاز تھا ایک اور تعلق کا، کچھ نئے رشتوں کا اور بہت سی نئی کہانیوں کا!!!

☆☆☆